العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ
فتاوی رضویہ
۱۸
امام اہلسنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت
امام احمد رضا خان قادری رضی اللہ تعالٰی عنہ
رضا فاؤنڈیشن
لاہور، پاکستان

Waris e Uloom e Alahazrat, Nabirah e Hujjat ul Islam, Janasheen e Mufti e Azam Hind, Jigar Gosha e Mufassir e Azam Hind, Shaikh ul Islam Wal Muslimeen, Qazi ul Quzzat, Taj ush Shariah Mufti

Muhammad Akhtar Raza Khan

Qadiri Azhari Rahmatullahi Alihi

Or Khaanwada e Alahazrat k Deegar Ulama e Kiram Ki Tasneefat Or Hayaat o Khidmaat k Mutaluah k Liyae Visit Karen.

To discover about writings, services and relical life of the sacred heir of Imam Ahmed Raza, the grandson of Hujut-ul-Islam, the successor of Grand Mufti of India, his Holiness, Tajush-Shariah, Mufti

Muhammd Akhter Raza Khan

Qadri Azhari Rahmatullahi Alihi

the Chief Islamic Justice of India, and other Scholars and Imams of golden Razavi ancestry, visit

www.muftiakhtarrazakhan.com

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عرَبی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیۡرًا یُّفَقِّهۡهُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّةُ فِی الۡفَتَاوی الرِّضَوِیَّةِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ہجدہم ۱۸

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ________ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ________ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ہجدہم
تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ________ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ________ ۷۳۸
اشاعت ________ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ/ جولائی ۲۰۰۰ء
مطبع ________
ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلٰیحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کوجدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامع نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جوادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھاوہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کوطے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہاہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگراس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ" کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کاآغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھااور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباگیارہ" سال کے مختصر عرصہ میں اٹھارھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الصلٰوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب الزکوٰۃ، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ اور کتاب الکفالہ پر مشتمل سترہ۱۷ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ــــ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ــــ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ــــ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ــــ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ــــ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ــــ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ــــ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ــــ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ــــ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ــــ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ــــ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ــــ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ــــ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ــــ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ــــ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۰ ــــ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ــــ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶

اٹھارھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہفتم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڈھ بھارت کے صفحہ ۲۹۱ سے آخر تک ۱۵۲ سوالوں کے جوابات اور ۷۳۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے، اس سے قبل گیارھویں، باھویں، تیرھویں، سولھویں اور سترھویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں، پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشہادۃ اور کتاب القضاء والدعاوی

کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے، تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل دو رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) انصح الحکومۃ فی فصل الخصومۃ (۱۳۲۱ھ)

شرکت اور میرث کے اُلجھے ہوئے ایک مسئلہ کا انتہائی شاندار فیصلہ

(۲) الھبۃ الاحمدیۃ فی الولایۃ الشرعیۃ والعرفیۃ (۱۳۳۳ھ)

دینی اور دنیاوی ولایت وحکومت کی مجتہدانہ تحقیق اور اس بارے میں ایک غلط فتوے کا رد بلیغ۔

O

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
جولائی ۲۰۰۰ء

فہرست مضامین مفصّل

شوہر کا اقرار بھی مثبت نکاح ہے۔	۱۱۰	کون کون چیز اصل وقف میں داخل ہے اور کون کون سی شرائط میں۔	۱۱۸
ہبہ بالعوض مشاع اور مشترکہ اشیاء بھی ہوسکتا ہے یہ بیع کی طرح ہے۔	۱۱۰	وقف کی شہادت لوجہ اللہ ہے جس کے لئے دعوی ضروری نہیں اور ادائے شہادت میں تاخیر سے گواہ مردود الشہادۃ ہوجاتا ہے۔	۱۱۸
غلام اور آزاد کو ملا کر بیچا تو بیع باطل ہے۔	۱۱۰	شہادت حسبہ کا بیان۔	۱۱۸
اپنے غلام اور دوسرے غلام کو ملا کر بیچا تو اس کے غلام میں بیع نافذ ہوگی۔	۱۱۰	قاضی مطلق فاسق کی شہادت پر فیصلہ کرے تو فیصلہ نافذ ہے۔	۱۱۸
طلاق کے متعدد گواہوں کا بیان۔	۱۱۱	راشی، فاسق، پاگل، نابالغ، فاتر العقل کی گواہی مقبول نہیں۔	۱۲۰
طلاق میں سنی سنائی گواہی مقبول نہیں۔	۱۱۴	اندھے، مرتد، غلام، بچے، مجنون کی گواہی کا حکم۔	۱۲۱
ان دس چیزوں کا بیان جن میں شہادت کے لئے حضور اور مشاہدہ ضروری نہیں۔	۱۱۴	ڈاکٹر کی تجویز ظن و تخمین ہے، یہ شہادت نہیں، اس کی بنیاد پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔	۱۲۲
کس کی گواہی کس کے حق میں مقبول نہیں۔	۱۱۴	اگر شاہد گواہی میں فیما اعلم یا فیما احسب کا لفظ ملادے تو گواہی رد کردی جائے گی۔	۱۲۲
طلاق کی گواہی صرف سن کر دی تو مقبول نہیں۔	۱۱۵	گواہ سے اس کا مشاہدہ پوچھا جاتا ہے اس کا علم ویقین نہیں پوچھا جاتا۔	۱۲۲
ایک مرد ایک عورت کی گواہی سے بھی طلاق ثابت نہیں ہوتی۔	۱۱۵	شہادت کے لئے اسلام شرط ہے غیر مسلم کی شہادت نامقبول ہے۔	۱۲۳
اس عورت کا حکم جو گواہی سے طلاق ثابت نہ کرسکی مگر شوہر نے حقیقۃً طلاق دی ہے۔	۱۱۵	زائد باتوں میں اختلاف سے شہادت پر اثر نہیں پڑتا۔	۱۲۴
اصل وقف میں شہادت سماعی مقبول ہے اور ضمناً ملکیت وقف کا ثبوت بھی ہوسکے گا۔	۱۱۶	ان باتوں کا بیان جو زائد میں آتی ہیں۔	۱۲۴
بہت سی باتیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں قصداً نہیں۔	۱۱۶	قاضی زائد باتوں کی بنیاد پر گواہوں کو متہم گردان سکتا ہے۔	۱۲۵
ضمناً ثابت ہونے والی چند چیزوں کی مثالیں۔	۱۱۶	شہادت طلاق میں کہاں تاخیر جائز ہے کہاں نہیں۔	۱۲۵

کسی عالم مستجمع شرائط صالح قضاء کو قاضی بنادیں تو وہ شرعا بھی قاضی ہوجاتا ہے کسی مقدمے کے فریق اس کو معزول نہیں کرسکتے۔	۱۹۱	دین اگر ترکہ کو مستغرق نہ ہو تو وارث اپنا حصہ بیع کرسکتا ہے۔	۱۹۴
مسلمان امیر نے جن جن امور میں قضاء کا اختیار دیا سب کا یہ مجاز ہوگا۔	۱۹۱	دین ادا کرنے سے قبل ترکہ میں اور میت کے دین میں مرہون جائداد میں ورثہ کا تصرف نافذ نہ ہوگا۔	۱۹۵
کافر کے قاضی بنانے سے قاضی نہ ہوگا۔	۱۹۲	کسی وارث کا مورث کے دین سے حصہ رسدی ادا کرنا اس کے تصرفات کو جائز نہ کرے گا تاوقتیکہ کل دین ادا نہ ہوجائے۔	۱۹۵
جہاں کفار کا تغلب ہو وہاں مسلمانوں پر کسی کا قاضی بنانا واجب ہے۔	۱۹۲	ایک جائداد میں کوئی مالکانہ تصرف کرتا ہے دوسرے کو اس کی تملیک کرتا ہے، پھر ایک مدعی جو شہر میں موجود ہو ان حالات سے مطلع ہو دعوی کرے کہ یہ میری ملک ہے دعوی مسموع نہ ہوگا۔	۱۹۷
کافر کے بنانے سے مسلمان حکم بھی نہیں ہوسکتا۔	۱۹۳	کسی جائداد میں غیر کو تصرفات کرتے ہوئے کسی کا چُپ رہنا اپنی اجنبیت اور متصرف کی ملکیت کا صریح اقرار ہوگا۔	۱۹۷
ابتداءً اول بدل کے ذریعہ بیع ہوجاتی ہے لیکن جس چیز کا عقد بیع فاسد کے ذریعہ کیا اب اس کو تعاطی کے ذریعہ بیع نہیں کرسکتے۔	۱۹۳	مذکورہ مسئلہ کے بارے میں کتب ائمہ سے جزئیات متعددہ۔	۱۹۷
ایک عورت کو پوری جائداد مہر کے عوض بیع کردی دوسرے کو اس میں کوئی حق نہ پہنچے گا ہاں دوسری کو محروم کرنے کی نیت سے ایسا کیا تو مجرم ہوا۔	۱۹۴	شفعہ کے بارے میں ایک استفتاء۔	۲۰۰
مہر کے لئے فوراً یا تاخیر سے ادائیگی کی کوئی تصریح نہ ہو تو مدار وہاں کے عرف پر ہوگا۔	۱۹۴	جو دیوار کسی کے استعمال میں ہو بحکم ظاہر اسی کی ہے کسی نے کسی چیز کا دعوی کیا تو یہ دعوی اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ مدعا علیہ کا اس چیز پر قبضہ ہے۔	۲۰۱
ان بلاد کا عرف یہی ہے کہ موت یا تفریق کے بعد طلب کرتے ہیں تو اس سے قبل عورت کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔	۱۹۴	دعوی دلیل شرعی (گواہ) سے ثابت ہوتا ہے۔	۲۰۱
ورثہ میں سے کسی نے تبرعا مورث کی طرف سے مہر ادا کردیا تو اس کو دوسرے ورثہ سے مطالبہ کا حق نہیں، اور تبرع نہ ہو تو وصول کرسکتا ہے اور اس کی ادائیگی کے لئے مورث کی جائداد کی بیع روک سکتا ہے۔	۱۹۴	بیع نامہ کی اطلاع پانے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے ہر ہر لفظ سے آگاہ ہوا، نہ اس بنیاد پر اطلاع پانے والے پر کوئی الزام قائم کیا جاسکتا ہے۔	۲۰۲

فہرست ضمنی مسائل

آج کل عام طور سے عرف یہی ہے کہ باپ بیٹے کو کوئی جائداد ہبہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو خرید کر قبالہ لڑکے کے نام کرادیتا ہے تو یہ لڑکے کا نام خریدا ہی نہ ہوئی ہبہ ہوا۔	۱۸۱	مرض موت کا ہبہ وصیت کے حکم میں ہے۔	۳۸۴
اگر ہبہ پر موہوب لہ کا قبضہ ہو ملک ثابت ہوگی قبضہ نہ ہو ملک ثابت نہ ہوگی۔	۱۸۱	اعتراضات مفتی (۱) قبضہ ناقصہ اعتراضات مفتی (۲) قبضہ ناقصہ اعتراضات مفتی (۳) قبضہ ناقصہ اور اختلاف شہادت اعتراضات مفتی (۴) اختلاف شہادت اعتراضات مفتی (۵) ہبہ میں ایجاب کے ساتھ قبول ضروری قبضہ قبول کے قائم مقام نہ ہوگا۔	۳۹۱
واہب اور موہوب لہ میں سے کوئی بھی قبضہ سے پہلے مرگیا تو ہبہ باطل ہوگیا۔	۱۸۲	راجح معتمد و مفتی بہ یہی ہے کہ قبول ہبہ رکن نہیں۔	۳۹۳
استحقاق شیوع مقارن ہے ہبہ کو باطل کردے گا۔	۲۱۴	تحقیق یہی ہے کہ ہبہ میں قبضہ سے ملک اور قبول دونوں ثابت ہوتے ہیں۔	۳۹۳
والدین اپنے روپے سے جائداد خرید کر بیعنامہ اپنے بچوں کے نام لکھاتے ہیں یہ تملیک وہبہ ہے۔	۲۱۹	قبضہ بلااذن یا بہ اذن اسی مجلس ہبہ میں ضروری نہیں۔ بعد کو بھی ہوسکتا ہے بشرطیکہ قبضہ سے پہلے رد نہ ہو۔	۳۹۳
ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً بیع ہے۔	۲۳۳	قبول ہبہ کے رکن نہ ہونے کی دلیل اور اس کی نظیر۔	۳۹۴
ہبہ بے قبضہ تمام نہیں۔	۲۸۵	واہب نے موہوبہ کو فارغ نہ کیا اور کہا کہ قبضہ دلادیا، تو کذب ہوگا۔	۳۹۶
زوجیت مانع رجوع ہبہ ہے۔	۲۸۵	بے اجرت لوگوں کو مکان دے رکھا ہے اس مکان کو اپنے چھوٹے لڑکوں کو ہبہ کیا ہبہ صحیح ہے رہنے والوں کا تخلیہ ضروری نہیں۔	۳۹۶
مرض الموت کا ہبہ رضائے ورثہ پر موقوف ہوتا ہے۔	۳۱۶	موہوب لہ کا غیر واہب کے املاک و اسباب سے خالی ہونا ضروری نہیں۔	۴۰۰
شرکت طاریہ مفرہبہ نہیں۔	۳۱۶	مرتہن، اجیر عاریۃً مقیمین کے علاوہ کوئی مکان میں ہو وہ مکان کا قابض نہیں۔ نہ اس کے رہنے سے موہوب لہ کے قبضہ میں فرق آئے۔	۴۰۱
عام طور سے باپ بیٹے کے نام کوئی چیز خریدتا ہے تو مقصد ہبہ کرنا ہوتا ہے۔	۳۱۷	موہوب لہ کا ہبہ کے وقت ملک واہب سے خالی ہونا ضروری نہیں قبضہ کے وقت خلو ضروری ہے۔	۴۰۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الشھادۃ

(گواہی کا بیان)

مسئلہ ۱: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خان صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

ازروئے شرع شریف کے شاہد کی کیا تعریف ہے اور کون سی شہادت شرع شریف میں مانی جاتی ہے بتفصیل ارقام فرمائیں۔

الجواب:

شاہد وہ جو مجلس قضا میں بلفظ اشھد یا گواہی میدہم (میں گواہی دیتا ہوں۔ت) یا گواہی دیتا ہوں کسی حق کے ثابت کرنے کی خبر دے، اور قبول شہادت کے لئے شاہد کا عاقل، بالغ صحیح یاد والا، انکھیارا اور مدعا علیہ پر اپنی گواہی سے الزام قائم کرنے کی لیاقت والا ہونا لازم ہے، اور یہ کہ اسی شہادت میں بوجہ قرابت ولادت یا زوجیت یا عداوت وغیرہا اس پر تہمت نہ ہو، اور فاسق کی گواہی بھی مردود ہے اور قبول کرنے والا گنہگار، اور تفصیل تام کتب فقہ میں ہے، درمختار میں ہے:

اخبار صدق لاثبات حق بلفظ الشھادۃ فی مجلس القاضی شرطھا العقل الکامل والضبط والولایۃ فیشترط	کسی حق کو ثابت کرنے کے لئے مجلس قاضی میں لفظ شہادت کے ساتھ سچی خبر دینا (شہادت شرعی ہے) شہادت کی شرطیں یہ ہیں شاہد کا عاقل، بالغ صحیح یادداشت والا اور مدعا علیہ پر ولایت رکھنے والا

الاسلام لوالمدعی علیه مسلماً وعدم قرابة ولاد او زوجية اوعداوة دنيوية اودفع مغرم اوجر مغنم۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	ہونا چنانچہ اگر مدعا علیہ مسلمان ہو تو شاہد کا مسلمان ہونا شرط ہوگا (نیز یہ بھی شرط ہے کہ) شاہد کو مشہود لہ کے ساتھ ولادت یا زوجیت کے اعتبار سے قرابت حاصل نہ ہو اور نہ ہی کوئی دنیوی عداوت ہو، اور شاہد کو اس گواہی سے دفع تاوان یا حصول منفعت جیسی سہولت بھی حاصل نہ ہوتی ہو۔ (ت)

مسئلہ ۲: از رامپور مرسلہ مولانا ظہور الحسن صاحب و مولوی ارشد علی صاحب ۲۸ ذوالقعدہ ۱۳۱۹ھ

سوال از حضرت مولونا مولوی احمد رضا خان صاحب، فتوی محررہ مولوی منور علی صاحب در بارہ مقدمہ فردوس بیگم مدعیہ میں جو جناب والا نے یہ لفظ تحریر فرما کر مہر کی ہے: اگر شہادت شہود مندرجہ سوال جامع شرائط شہادت ہے تو فیصلہ بحق مدعیہ ہونا چاہئے، آیا شرائط شہادت میں سے تعیین مشہود بہ ساتھ حدود بیان کرنے کے اگر مشہود بہ اراضی یا مکان ہو ہے یا نہیں؟ اور صرف مکان متنازعہ بول دینا بلا بیان حدود صحت شہادت کے واسطے کافی ہے یا نہیں؟ اور تعیین مشہود علیہ و مشہور لہ ساتھ ذکر اسم اب وجد کے اگر مشہورین میں سے نہ ہوں شرط شہادت ہے یا نہیں؟ اور لفظ **اشھد** شہادت کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟ اگر یوں شہادت لی جاتی ہو کہ گواہ سے اول یوں حلف لیا **اشھد باللہ** سچ کہوں گا بعدہ اس سے دریافت کیا فلاں مقدمہ میں کیا جانتے ہو اس نے بیان شروع کر دیا اور اس بیان میں اشھد یا شہادت دیتا ہوں یا گواہی دیتا ہوں کہ ایسا ہے نہ کہا تو یہ شہادت قابل قبول ہے یا نہیں؟ اور ایسی شہادت کی بنا پر اگر قاضی فیصلہ کردے تو وہ فیصلہ قابل نفاذ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اور اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس فتوی پر اپنی تحریر جداگانہ لکھی ہے اور اس میں بحکم احتیاط جس کا لحاظ فتوی میں خصوصاً اس زمانہ شیوع جہل میں اہم ضروریات سے ہے صراحۃً یہ قید ذکر کی کہ دونوں گواہان مدعیہ اگر جامع شرائط شہادت ہیں اور ان کا بیان حاکم مجوز کے سامنے حسب شرائط ہولیا ہے تو بیع بنام فردوس بیگم ضرور ثابت ہے اس میں تمام شرائط تحمل شہادت و جملہ شرائط ادائے شہادت و جمیع شرائط صحت دعوی سب کی طرف اشارہ تھا کہ حقوق العباد میں تقدم دعوی خود شرط شہادت ہے تو بے صحت دعوی شہادت ہر گز مسموع نہیں، فقیر کو معلوم تھا کہ جہل شائع ہے اور اجتماع شرائط کم متوقع **ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل**[2]

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

(اور جو اپنے زمانہ والوں کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ت) لہٰذا تصریحًا بالقصد یہ قیود ذکر کر دیں اور اس فتوی کی تصدیق و تصحیح پسند نہ کی۔ مشہود بہ جب عقار مثلًا ارض یا دار ہو تو شہادت میں کم از کم تین حدوں کا ذکر واجب ہے اس کے بغیر شہادت ہر گز قبول نہیں مگر یہ کہ شہود دار کے پاس حاضر ہو کر بمواجہ مدعی ومدعا علیہ خود قاضی یا اس کے دو امینوں کے سامنے اشارہ سے تعیین حدود کی حاجت نہیں فان تعیین الحاضر بالاشارۃ (کیونکہ حاضر شے کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے۔ت) یا اگر دار ایسی معروف ومشہور ہے کہ اس کا نام لینا ہی علم کو بس ہے تو صاحبین کے نزدیک تحدید ضرور نہیں امام اب بھی مانتے ہیں اور یہی صحیح ہے مگر اگر قاضی کہ خاص مذہب امام یا مذہب مصحح پر قضا کے ساتھ مقید نہ کیا گیا ہو بلکہ اسے قاضی کرنے والے نے اختیار دیا ہو وہ اگر ایسی مشہور دار میں بے تحدید قبول شہادت کرکے قضا کردے گا نافذ ہوجائے گی لوقوعه فی مجتهد فیه (بسبب واقع ہونے اس کے مجتہد فیہ میں۔ت) ورنہ باطل ہوگی لکونه معزولا فیه کما فی البحر والاشباہ والدر وغیرها (کیونکہ اس میں وہ معزول ہے جیسا کہ بحر، اشباہ اور درو غیرہ میں ہے۔ت) درمختار میں ہے:

یشترط التحدید فی دعوی العقار کما یشترط فی الشهادة علیه ولو کان العقار مشهورا خلافا لهما الا اذ عرف الشهود الدار بعینها فلا یحتاج الی ذکر حدودها۔[1]	عقار (غیر منقول جائداد) کے دعوی میں حدود کو بیان کرنا شرط ہے جیسا کہ اس پر گواہی میں بیان شرط ہے اگرچہ وہ عقار مشہور ہو بخلاف صاحبین کے مگر گواہان جب دار کو خصوصی طور پر پہچانتے ہوں تو بیان حدود کی حاجت نہیں۔ (ت)

جامع الفصولین وفتاوٰی ہندیہ وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

شهدا بدار وقالا نعرف حدوده اذا مشینا الیه لکن لانعرف اسماء الحدود فان القاضی یقبل ذٰلك منهما اذا عدلا ویبعثهما مع المدعی والمدعی علیه وامینین له لیقف الشهود علی	دو گواہوں نے کسی کے لئے دار کی گواہی دی اور کہا کہ ہم اگر گھر کی طرف جائیں تو اس کی حدوں کو پہچانتے ہیں مگر اس کی حدوں کے نام نہیں جانتے تو قاضی ان کی گواہی کو قبول کرے گا بشرطیکہ ان دونوں گواہوں کی تعدیل ہوگئی۔ قاضی دونوں گواہوں کو مدعی، مدعا علیہ اور اپنے دو امینوں کے ساتھ بھیجے گا تاکہ وہ گواہ

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶۔۱۱۵

الحدود بحضرۃ امینی القاضی فاذا وقفا علیہا فقا لا ھذہ حدود دار شھدنا بہ لھذا المدعی یرجعون الی القاضی ویشھد الامینان انھما وقفا وشھدا باسماء الحدود فحینئذ یقضی بالدار وکذا القریۃ والحانوت وجمیع الضیاعات[1]۔	قاضی کے امینوں کی موجودگی میں گھر کی حدوں کی شناخت کرائیں جب وہ گواہ گھر کی حدوں پر واقف ہوئے اور کہا کہ یہی حدیں ہیں اس گھر کی جس کی گواہی ہم نے اس مدعی کے لئے دی ہے، اب یہ قاضی کے پاس لوٹ آئیں گے اور دونوں امین اس بات کی گواہی دیں گے کہ ان گواہوں نے گھر اور اس کی حدوں پر ہم کو واقف کیا ہے تو قاضی اس گھر کا فیصلہ مدعی کے حق میں کردے گا اور یہی حکم ہے گاؤں، دکانوں اور تمام غیر منقول جائدادوں کا۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

فیہ رمز الی انہ یحدولو مشھورا وھذا عندہ خلافا لھما فلو لم یحد وقضی بصحۃ ذٰلك نفذ[2]۔	اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مدعی کی جانب سے حدود کو بیان کیا جائے گا اگرچہ (حدود) مشہور ہو، یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے بخلاف صاحبین کے، چنانچہ اگر بیان حدود کے بغیر قاضی نے صحت دعوی کا فیصلہ دے دیا تو (صاحبین کے نزدیک) نافذ ہوجائے گا۔(ت)

مگر صرف جامع الفصولین میں اپنی رائے یہ تحریر فرمائی کہ اگر شاہدین ملك متنازع فیہ کی شہادت دیں اور مدعی ومدعا علیہ کا اتفاق ہو کہ جس دار کی انہوں نے شہادت دی ہے وہی متنازع فیہ ہے تو اصل دار میں شہادت قبول ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے اولا برمزف ش فتاوٰی امام رشید الدین سے نقل کیا **شھادتھم بالملك بلا ذکر الحدود لاتقبل**[3] (حدود کو بیان کئے بغیر ملکیت پر ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ت) پھر اپنی بحث ذکر کی کہ:

اقول: الغرض ھو التمیز عند القاضی، **فینبغی ان یصح حکمہ بحسب ماتمیز**	**میں کہتا ہوں** غرض تو یہ ہے کہ وہ (دار) قاضی کے نزدیک ممتاز ہوجائے لہٰذا اس کا فیصلہ ممتاز شے کی حد تک صحیح ہونا چاہئے، چنانچہ

[1] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۲

[2] جامع الرموز کتاب الدعوٰی مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۴۶۷

[3] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۱

فلو شهدا بملك المتنازع فيه والخصمان تصادقا على ان المشهود به هو المتنازع فيه، ينبغي ان تقبل الشهادة في اصل الدار وان لم يذكرا الحدود لعدم الجهالة المفضية الى النزاع في اصل الدار فلو وقع النزاع في حدوده بعد الحكم باصله فذلك الامر اٰخر تسمع فيه الخصومة براسه كما ان الجارين لو تنازعا في حدود داريهما لا في اصليهما يسلم لكل منهما اصل داره وتسمع الخصومة في الحد، والله تعالٰی اعلم۔[1]	اگر دو گواہوں نے متنازع فیہ گھر کے بارے میں کسی کی ملکیت کی گواہی دی اور مدعی اور مدعا علیہ دونوں نے تصدیق کردی کہ متنازع فیہ گھر وہی ہے جس کے بارے میں شہادت دی گئی تو اصل گھر کے بارے میں ان کی گواہی مقبول ہونی چاہئے اگرچہ حدود کو انہوں نے بیان نہ کیا ہو کیونکہ یہاں ایسی جہالت معدوم ہے جو اصل گھر میں جھگڑے کا باعث بنے، اگر اصل گھر کے فیصلہ کے بعد اس کی حدوں میں نزاع واقع ہو تو یہ الگ معاملہ ہے جس میں نئے سرے سے خصومت مسموع ہوگی جیسا کہ دو پڑوسیوں میں ان کے گھروں کی حدود کے بارے میں نزاع واقع ہوا نہ کہ اصل گھروں کے بارے میں، تو ہر ایک کا اصل گھر اس کے حوالے کیا جائے گا اور اس کی حدوں کے بارے میں خصومت مسموع ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

ظاہر ہے کہ اعتبار منقول فی المذہب کا ہے نہ کہ بحث کا، حتی کہ علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ منقول کے مقابل امام ابن ہمام کی ابحاث بھی مقبول نہیں حالانکہ وہ بالغ درجہ اجتہاد مانے جاتے ہیں۔ ردالمحتار کتاب الحج میں ہے:

قد قال تلميذه العلامة قاسم ان ابحاثه المخالفة للمذهب لا تعتبر فافهم۔[2]	ابن ھمام کے شاگرد علامہ قاسم نے کہا کہ ان کی جو ابحاث خلاف مذہب ہیں ان پر اعتبار نہیں کیا جائے گا، پس غور کرو۔(ت)

طحطاوی کتاب الطلاق فصل ثبوت النسب میں ہے:

النص هو المتبع فلا يعول على	اتباع تو نص کی ہی کی جائے گی اس کے

[1] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۲-۱۰۱

[2] ردالمحتار کتاب الحج باب الجنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۰۶

البحث معه[1]۔	ہوتے ہوئے بحث پر اعتماد نہیں کیا جائیگا۔(ت)

اقول: وباللّٰه التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) ظاہرًا ان کی نظر اس طرف گئی کہ ذکر حدود کی حاجت تمیز ذات مشہود بہ کے لئے ولہٰذا فرمایا کہ بعد تصادق خصمین اصل دار میں شہادت مقبول ہوجانی چاہئے حدود میں تنازع پڑے تو اس کا مقدمہ جدا ہولے گا حالانکہ ذکر حدود کی ضرورت علم مقدار مشہود بہ کے لئے ہے، درر و غرر وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے:

ان قدرها لایصیر معلومًا الا بالتحدید[2]۔	گھر کی مقدار کا تعین اس کی حدوں کو بیان کئے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔(ت)

تو اصل دار بلا تعیین مقدار کیا چیز ہے جس کا قاضی حکم کرے یہ تو ایسا ہے کہ زید عمرو پر ہزار روپے کا دعوٰی کرے شہود شہادت دیں کہ اس کا اس پر کچھ آتا ہے کیا یہ گواہی اصل دین کے اثبات میں مقبول ہوجائے گی ہرگز نہیں،

ولم یقل به احد وبه ظهر الجواب عن قیاسه علی مسالة الجارین فان ثمه لم یختلفا فی اصل داریهما فالتسلیم لعدم النزاع علی جهة القضاء وانما یحتاج القاضی الی علم المقدار فیما یدعی به عنده فیرید القضاء به علی المنکر۔	اس کا قائل کوئی بھی نہیں اور اسی سے مسئلہ جارین پر اس کے قیاس کا جواب ظاہر ہوگیا کیونکہ وہاں دونوں پڑوسیوں میں ان کے اصل گھروں کے بارے میں اختلاف واقع نہیں ہوا چنانچہ وہاں قضاء کی جہت سے نزاع معدوم ہونے کی وجہ سے تسلیم متحقق ہوئی، بیشک قاضی اس بات کا محتاج ہے کہ اس گھر کی مقدار اسے معلوم ہو جس کا دعوٰی اس کے پاس کیا گیا ہے اور وہ منکر کے خلاف اس کا فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔(ت)

اگر ایسی شہادت مقبول ہو تو لازم کہ دعوٰی بھی بلا تعیین حدود قبول ہوجائے وہی وجہ وہاں بھی جاری ہے کہ اصل دین اس وقت حکم چاہتا ہے حدود میں نزاع پڑے تو یہ مقدمہ جدا ہولے گا حالانکہ یہ جملہ کتب مذہب کے خلاف ہے، خود جامع الفصولین میں ہے:

لو ادعی عقارا فلابد من ذکر بلدة	اگر عقار (غیر منقول) کا کہا تو اس شہر کا ذکر ضروری

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب دار المعرفۃ بیروت ۲ /۲۴۱

[2] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الدعوٰی میر محمد کتب خانہ کراچی ۲ /۳۳۱

فیما المدعی ثم من ذکر المحلۃ ثم السکۃ ثم حدودہ فلو ذکر حدین لایکفی ولو ذکر الثلثۃ کفی وکل جواب عرفتہ فی الدعوی فھو الجواب فی الشھادۃ اھ[1] مختصرا۔	ہے جس میں مدعی ہے پھر محلّہ گلی اور عقار کی حدوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، اگراس نے دو حدوں کا ذکر کیا تو کافی نہیں اور اگر تین کاذکر کیا توکافی ہے اور جو حکم تونے دعوی میں پہچانا وہی حکم شہادت میں ہے مختصراً۔ (ت)

بالجملہ نظر حاضر میں یہ بحث قابل اعتماد نہیں مشہود لہ وعلیہ کی تعیین ضرور ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ وہاں مقصود صرف رفع التباس ہے جس طرح ہو یہاں تک کہ اگر صرف نام یا تنہا لقب یا مجرد صفت ہی سے رفع اشتباہ ہو جائے بس ہے ورنہ ذکر نام و نام پدر بالاتفاق اور نام جدامام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ضرور ہے اور یہی صحیح ہے ہاں اگر قاضی ماذون صرف نام و نام پدر پر قبول کرکے قضا کردے نافذ ہو جائے گی عورت کے لئے نام وزوجیت کافی ہے، درمختار میں ہے:

فلو قضی بلاذکر الجد نفذ فالمعتبر التعریف لا تکثیر الحروف حتی لو عرف باسمہ فقط او بلقبہ وحدہ کفی[2]۔	اگر دادا کا ذکر کئے بغیر قاضی نے قضا کردی تو نافذ ہوگی اس میں معتبر توصرف پہچان کرانا ہے نہ کہ گفتگو میں زیادہ الفاظ استعمال کرنا یہاں تک کہ اگر محض نام سے اس کی پہچان ہو جائے یا تنہا لقب سے شناخت ہو جائے توکافی ہے۔ (ت)

جامع الفصولین، ملتقط وفصول عمادیہ وہندیہ ومنح الغفار وتنقیح الحامدیہ میں ہے:

والحاصل ان المعتبر انما ھو حصول المعرفۃ وارتفاع الاشتراک[3]۔	خلاصہ یہ کہ اعتبار تو صرف شناخت کے حصول اور اشتراک واشتباہ کے خاتمے کا ہے (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

المعتبر ھو حصول المعرفۃ وارتفاع الالتباس بای شیئ کان[4]۔	اعتبار اس بات کا ہے کہ شناخت حاصل ہو جائے اور اشتباہ دور ہو جائے چاہے کسی بھی شے سے ہو۔ (ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۳

[2] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الفصول العمادیۃ کتاب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

[4] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۰

ردالمحتار میں ہے:

قولہ او بلقبہ وکذا بصفتہ کما افتی بہ فی الحامدیۃ فیمن یشھد ان المرأۃ التی قتلت فی سوق کذافی یوم کذا فی وقت کذا قتلھا فلان تقبل بلابیان اسمھا و اسم ابیھا حیث کانت معروفۃ لم یشار کھا فی ذٰلك غیرھا[1]۔	صاحب در مختار کا قول او بلقبہ (یا اس کے لقب سے شناخت ہوجائے) ایسا ہی حکم ہے اس کی صفت کے ساتھ شناخت کا، جیساکہ فتاوٰی حامدیہ میں اس پر فتوٰی دیا گیا ہے اس شخص کے بارے میں جو گواہی دے کہ فلاں دن، فلاں وقت، فلاں بازار میں جو عورت قتل کی گئی اس کو فلاں نے قتل کیا ہے تو اس عورت اور اس کے باپ کا نام بیان کئے بغیر شہادت قبول کرلی جائے گی جبکہ وہ مقتولہ عورت مشہور ہو اور اس وصف میں اس کے ساتھ کوئی اور شریک نہ ہو۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

قالوا فی ثبوت ھلال رمضان شھد وانہ شھد عند قاض مصر کذا شاہدان برؤیۃ الھلال وقضی القاضی بھا، ووجد استجماع شرائط الدعوٰی قضی القاضی بشھادتھما فانظروا حفظکم اللہ تعالٰی الی قولھم قاضی بلدۃ کذا ولم یذکروا اشتراط اسم ابیہ وجدہ لانہ لایلتبس بغیرہ اذ القاضی فی ذٰلك الوقت واحد لا اثنان کما ھو المعلوم[2]	ہلال رمضان کے ثبوت کے بارے میں فقہاء نے کہا، گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس دو گواہوں نے چاند دیکھنے کی شہادت دی اور قاضی نے ان کی شہادت پر فیصلہ دیا اور تمام شرائط دعوی پائی گئیں تو قاضی ان کی گواہی پر فیصلہ کردے گا تو دیکھو اللہ تعالٰی تمہاری حفاظت فرمائے ان کے اس قول کی طرف کہ انہوں نے کہا "فلاں شہر کا قاضی" اور اس کے باپ اور دادا کے نام کو ذکر کرنے کی شرط کا تذکرہ انہوں نے نہیں کیا کیونکہ اس وقت شہر کا قاضی ایک ہی ہے نہ کہ دو جیساکہ معلوم ہے۔(ت)

اشباہ میں ہے:

تکفی النسبۃ الی الزوج لان المقصود	عورت کی نسبت زوج کی طرف کرنا کافی ہے کیونکہ

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۷۲

[2] العقود الدریۃ کتاب الشہادات ارگ بازار قندھار افغانستان ۱ /۳۴۶

الاعلام [1] اھ	مقصود تو شناخت کرانا ہے اھ (ت)

لفظ اشھد قطعًا رکن شہادت ہے بے اس کے شہادت شہادت ہی نہیں قبول وعدم قبول تو دوسرا درجہ ہے، تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

رکنہا لفظ اشھد لاغیر الی قولہ فتعین [2]۔	شہادت کا رکن لفظ اشھد (میں گواہی دیتا ہوں) ہے نہ کہ اس کا غیر (ماتن کے قول فتعین تک)۔ (ت)

انہیں میں ہے:

لزم فی الکل من المراتب الاربع لفظ اشھد بلفظ المضارع بالاجماع وکل مالا یشترط فیہ ھذا اللفظ کطھارۃ ماء ورؤیۃ ھلال فھو اخبار لاشہادۃ [3]۔	چاروں مراتب میں سے ہر ایک میں لفظ اشھد بصیغہ مضارع بالاجماع لازم ہے، اور جس جگہ یہ لفظ شرط نہیں جیسے پانی کی طہارت اور چاند کی رؤیت تو وہ خبر دینا ہے نہ کہ شہادت۔ (ت)

شروع شہادت سے پہلے یہ کہلوالینا کہ "اشھد باللہ" سچ کہوں گا، ہرگز کافی نہیں کہ وہ حلف ہے نہ کہ شہادت، اور "اشھد" کلام شہادت پر داخل ہونا لازم نہ کہ حلف پر، شاہدوں سے حلف لینا تو شرعًا جائز بھی نہیں کما فی الدر وغیرہ لانا امرنا باکرامھم (جیسا کہ در وغیرہ میں ہے کیونکہ ہمیں گواہوں کے احترام کا حکم دیا گیا ہے۔ت) ظاہر ہے کہ حکام وشہود خصوم وتمام حضار ان الفاظ کو حلف ہی سمجھتے حلف ہی کہتے حلف ہی کی نیت کرتے ہیں اور رکن شہادت وہ اشھد ہے جو بمعنی خبر ہو نہ وہ کہ بمعنی حلف وقسم ہے، تبیین الحقائق وعالمگیریہ میں ہے:

رکنہا لفظ اشھد بمعنی الخبر دون القسم [4]۔	رکن شہادت لفظ اشھد ہے جبکہ خبر کی نیت سے ہو نہ کہ قسم کی نیت سے (ت)

اشھد باللہ سچ کہوں گا ایک قسم ہوگئی جس کا کفارہ بہت آسان ہے کلام شہادت پر اشھد داخل نہ ہوا جس میں غلط گوئی موجب ہلاکت ہوتی،

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الشہادات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۸۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار الفن الثانی کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[3] درمختار شرح تنویر الابصار الفن الثانی کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[4] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ تبیین الحقائق کتاب الشہادات نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۰

کمانص علیه العلماء الکرام فی حکمة عدم تحلیف الشاہد و وضع ھذا اللفظ عوضه ان شاھد الزورلما ارادا ھلاك مال المشھود علیه عوض باھلاك ذاته بخلاف مالو حلف اذکان یسیرا علیه کفارته۔	جیسا کہ گواہوں سے حلف نہ لینے اور اس کے بجائے لفظ اشھد رکھنے کی حکمت کے بارے میں علماء کرام نے نص فرمائی ہے کہ جھوٹا گواہ جب مشہود علیہ کے مال کی ہلاکت کا ارادہ کرے تو اس کا بدلہ اسے ہلاکت ذات کی صورت میں ملتا ہے۔بخلاف قسم کے گواہ پر اس کا کفارہ ادا کردینا آسان ہوتا ہے (ت)

غرض ایسی شہادت ہر گز شہادت نہیں اور اس پر جو قضا ہو اصلاً نافذ نہیں۔

لانتفاء احد اطراف القضاء وھو الطریق فان القاضی انما یقضی بالبینة اوالنکول اوالاقرار فاذاانعدمت انعدم القضاء۔	اطرافِ قضاء میں سے ایک یعنی طریق کے منتفی ہونے کی وجہ سے کیونکہ قاضی گواہوں یا انکار مدعا علیہ یا اقرار مدعی علیہ کے ذریعے ہی فیصلہ کرتا ہے جب یہ معدوم ہوں تو قضاء بھی معدوم ہوگی (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے: ومما نظمه ابن الغرس فی الفواکه البدریة (ابن الغرس نے فواکہ بدریہ میں نظم کیا۔ت)

اطراف کل قضیة حکمیة ستّ یلوح بعدھا التحقیق

حکم ومحکوم به وله ومحکوم علیه وحاکم وطریق[1]

(ہر قضاء کے چھ اطراف ہوتے ہیں جن کے بعد تحقیق ظاہر ہوتی ہے: ۱حکم، ۲محکوم بہ، ۳محکوم لہ، ۴محکوم علیہ، ۵حاکم اور ۶طریق۔ت)

وبفقد واحد من اطراف القضیة یفقد الحکم وبذٰلك یعرف بطلان المحضر المذکور۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اطراف قضاء میں سے ایک کے مفقود ہونے کی وجہ سے حکم مفقود ہوجاتا ہے اور اسی سے مذکورہ دستاویز کا بطلان بھی معلوم ہوجاتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۹

مسئلہ ۹: ۳ شوال ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ منکوحہ ہندہ کو دوسرے ضلع سے اپنے مکان کو روانہ کیا، اثنائے راہ میں بکر بہ نیت فاسد بھگا کر اپنے یہاں لے گیا، زید نے نالش فرار کی، ہندہ نے بیان کیا زید مجھے جانداد لکھ دینے کو کہتا تھا میں نے نہ لکھی اس نے تین بار کہا میں نے تجھے طلاق دی اور شہادت میں اپنا حقیقی بھائی اور رشتہ کا چچا اور ایک عورت کے روٹی پکانے پر ہندہ کے یہاں نوکر ہے پیش کرتی ہے، اور یہ تینوں شخص جاہل و غیر پابند نماز ہیں، اس صورت میں طلاق ثابت ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

طلاق و نکاح ہم مسلمانوں کے شرعی و دینی معاملے ہیں ان کا ثبوت اسی طور پر ہونا لازم جس طرح شریعت مطہرہ میں مقرر کیا گیا ہے، شریعت مطہرہ میں پابند نماز نہ ہونا تو **معاذ اللہ** حد درجہ کا فسق ہے تارک جماعت کی گواہی سے بھی طلاق ثابت نہیں ہوتی۔ عالمگیری میں ہے:

کل فرض له وقت معین کالصلوٰۃ والصوم اذا اخر من غیر عذر سقطت عدالته[1]۔	جس فرض کا وقت معین ہے جیسے نماز اور روزہ اگر کوئی بلا عذر اس میں تاخیر کرے تو اس کا عادل ہونا ساقط ہو جاتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اذا ترك الرجل الصلوٰۃ استخفافا بالجماعة بان لا یستعظم تفویة الجماعة کما یفعله العوام او مجانة او فسقا لاتجوز شهادته[2]۔	اگر کوئی شخص بطور تحقیر باجماعت نماز نہ پڑھے بایں طور کہ جماعت کے فوت ہو جانے کو کوئی بڑی بات نہ سمجھے جیسا کہ عوام الناس کرتے ہیں یا بلاوجہ یا بطور فسق و فجور جماعت کو ترک کرے تو اسکی گواہی ناجائز ہے۔ (ت)

اور ان کا جاہل ہونا دوسری وجہ ان کی رد شہادت کی ہے، درمختار میں ہے:

لاتقبل شهادة الجاهل علی العالم لفسقه بترك مایجب تعلمه شرعًا	جاہل کی گواہی عالم کے خلاف قبول نہیں کی جائیگی کیونکہ جن احکام شرعیہ کا سیکھنا اس پر واجب ہے

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۶
[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۶

فحینئذ لاتقبل شہادتہ علی مثلہ ولاعلی غیرہ و للحاکم تعزیرہ علی ترکہ ذٰلك ثم قال والعالم من یستخرج المعنی من التراکیب کما یحق وینبغی[1]۔	اس کو ترک کرنے کی وجہ سے وہ فاسق ہوگیا، تو اس صورت میں یعنی فاسق ہونے کی صورت میں تو اس کی گواہی نہ اپنے جیسے جاہل اور نہ ہی غیر جاہل پر قبول کی جائے گی، اور اس ترک تعلم پر حاکم اس کو بطور تعزیر سزا دے سکتا ہے، پھر کہا کہ عالم وہ ہے جو تراکیب الفاظ سے معنی کا استخراج کرسکے جیسا کہ ثابت اور مناسب ہے۔(ت)

پھر عورت میں تیسری وجہ اور ہے کہ وہ ہندہ کی نوکر ہے اور نوکر کی گواہی آقا کے حق میں مقبول نہیں، درمختار میں ہے:

لاتقبل شہادۃ الاجیر الخاص لمستاجرہ مستانھۃ او مشاہرۃ اوالخادم[2] الخ۔	اجیر خاص (مزدور یانوکر) کی گواہی اپنے مستاجر کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی چاہے اجرت سالانہ ہو یا ماہانہ، یا اجیر خاص سے مراد خادم (تابع یا شاگرد خاص ہے)۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں طلاق ثابت نہیں زید ہندہ بدستور زوج وزوجہ مانے جائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴: از ریاست ٹونک محلہ مئوخیل وزیر گنج مرسلہ حسن رضاخاں ۲۸/ربیع الاول شریف ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مسماۃ ہندہ مدعیہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا اس نے خسر ضامن مہر ونیز مدعاعلیہ ثانی ضامن چڑھاوا و جہیز پر تین دعوے عدالت شریعت میں پیش کئے۔ ثبوت ہر سہ دعوی میں ہشت مع قاضی شہادتین شرعیہ بمواجہہ مدعاعلیہم پیش ہوئیں کہ عدالت شرعی میں پذیرا و تسلیم ہوچکیں وحصر بھی فریقین سے کرچکی تھی ونیز مدعاعلیہم کے بیانات سے بھی اقرار ثابت ہے، ادخال ثبوت سے بعد پانچ ماہ کے ایک مدعاعلیہ نے درخواست خلاف شرع پیش کی کہ اب گواہان مدعیہ پر جرح ہے تزکیہ کرادیا جائے، وکیل مدعیہ نے بھی عرض بدیں خلاصہ پیش کی کہ اب جرح کرنا مدعاعلیہ کا اور درخواست تزکیہ کی شرعًا ناجائز ہے، پس تزکیہ ایسے وقت میں ایسے معاملہ داد وستد میں جس کا مذکورہ بالا ہوچکا ہے بعد پانچ ماہ کے درست ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

---

[1] درمختار کتاب الشہادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵

[2] درمختار کتاب الشہادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵۔۹۴

الجواب:

اگر بیان مدعا علیہم سے دعوی مدعیہ کا اقرار ثابت ہولیا جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے جب تو خود واضح کہ یہ درخواست جرح گواہان اصلاً قابل سماعت نہیں خود ان کا اقرار ان پر ڈگری ہونے کو کافی

فانہ حجۃ شرعیۃ یکفی للقضاء علی صاحبہ فکما ان المدعی لایکلف باقامۃ بینۃ بعد اقرار المدعا علیہ و کذٰلك لایکلف باثبات عدالتھم اذکل ذلك صار مستغنی عنہ بعدہ۔	اس لئے کہ اقرار حجت شرعیہ ہے جو اقرار کرنیوالے پر قضاء کے لئے کافی ہے، تو جس طرح مدعا علیہ کے اقرار کے بعد مدعی گواہ پیش کرنے کا مکلّف نہیں بنایا جاتا اسی طرح وہ گواہوں کی عدالت ثابت کرنے کا مکلّف بھی نہیں بنایا جائے گا کیونکہ اقرار کے بعد ان تمام چیزوں کی حاجت نہیں رہتی۔(ت)

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر بعد اقامت بینہ مدعا علیہ نے اقرار کردیا تو اس پر ڈگری بوجہ اقرار ہوگی نہ کہ بوجہ بینہ۔

فی ردالمحتار عن البحر الرائق لواقر بعد البینۃ یقضی بہ لابھا[1]۔	البحرالرائق کے حوالے سے ردالمحتار میں مذکور ہے کہ اگر مدعا علیہ نے مدعی کی طرف سے گواہ پیش کرنے کے بعد اقرار کرلیا تو فیصلہ اقرار کی بنیاد پر ہوگا نہ کہ گواہوں کی بنیاد پر۔(ت)

تو اب گواہوں کی عدالت وعدم عدالت سے کیا بحث رہی بلکہ خود بوجہ اقرار مدعا علیہم پر ڈگری ثابت، اور اگر بروجہ کافی ان کے بیان سے ثابت نہ ہو تو دیکھا جائے کہ قاضی نے گواہوں کا تزکیہ کرلیا یعنی اگر خود ان کی عدالت سے آگاہ تھا تو مزکی معتمد سے ان کے عدل جائز الشہادۃ ہونے کی تنقیح کرلی تھی یا نہیں، اگر کرچکا تھا تو اس حالت میں بھی یہ جرح مجرد کی درخواست ناقابل شنوائی ہے کہ بعد تزکیہ جرح مجرد پر گواہی گزری تو وہ بھی نامقبول ہے نہ کہ مدعا علیہ کا نرا بیان۔ درمختار میں ہے:

لاتقبل الشھادۃ علی جرح مجرد بعد التعدیل[2] (ملخصًا)	تزکیہ کے بعد جرح مجرد پر شہادت قبول نہیں کی جائے گی (ملخصًا)۔(ت)

اور اگر ہنوز تزکیہ نہ ہوا تھا کہ مدعا علیہم نے یہ درخواست دی تو بلاشبہ قاضی پر واجب کہ یہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الدعوی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۲۳

[2] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۷

درخواست سنے اور عدالت شہود کی تحقیقات کرے اگرچہ ادائے شہادت کو مہینے گزر چکے ہوں کہ مرور مدت مانع سوال تزکیہ نہیں اور مذہب مفتی بہ پر یہ تنقیح اس زمانہ میں مطلقًا لازم اور بعد طلب وطعن مدعا علیہ تو بالاتفاق کی جائے گی، درمختار میں ہے:

لایسأل عن شاھد بلاطعن من الخصم الافی حدوقود وعندھما یسأل فی الکل ان جھل بحالھم، بحر، بہ یفتی[1]۔	حدود وقصاص کے علاوہ دیگر مقدمات میں مدعا علیہ کی طرف سے طعن کے بغیر قاضی گواہوں کاحال دریافت نہ کرے، صاحبین کے نزدیک ہر صورت میں دریافت کرے جبکہ قاضی کو ان کاحال معلوم نہ ہو، بحر، اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ یسأل ای وجوبا، قال فی البحر والحاصل انہ ان طعن الخصم سأل عنھم فی الکل والاسئل فی الحدود والقصاص وفی غیرہا محل الاختلاف[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول کہ "سوال کرے" یعنی قاضی پر گواہوں کا حال دریافت کرنا واجب ہے۔ بحر میں فرمایا خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مدعا علیہ کی طرف سے طعن ہو تو تمام مقدمات میں گواہوں کاحال دریافت کرے ورنہ حدود وقصاص میں دریافت کرے جبکہ باقی مقدمات میں محل اختلاف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵: ۲۰/ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو اپنی زندگی وصحت میں بعوض دین مہر کے اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ قیمتی تخمینًا چار سو روپیہ کے دی اور قبضہ کرادیا، اب زید مرگیا ورثہ نے اپنے حصہ کا دعوی کیا اور کہا کہ یہ جائداد متروکہ ہے ہندہ نے بیان کیا میرا مہر پانچسو روپیہ کا تھا اور میرا خاوند زید بعوض دین مہر کے گواہوں کے روبرو مجھے قبضہ دے گیا ہے اور شہادت معتبر سے یعنی دو گواہوں سے ثابت ہوگیا ہے کہ زید نے ہمارے سامنے بعوض دین مہر کے ہندہ کو جائداد دی اور قبضہ کرادیا لیکن تعداد دین مہر کی یاد نہیں کہ کس قدر تھا تو اس صورت میں مہر ہندہ کا وہی سمجھا جائے گا جو زید اپنی زندگی میں دے مرا یا مہر مثل لازم آئے گا یا کم از کم مہر دس درہم سمجھا جائے گا اور ورثہ بھی اس جائداد میں حصہ پائیں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۲

الجواب:

جبکہ دو گواہان عادل شرعی شہادت شرعیہ کاملہ ادا کریں کہ ان کے سامنے یہ مال اور فلاں جائداد اس عورت کو اس کے فلاں شوہر نے بعوض دین مہر دی تو یہ گواہی کامل ہے عورت کی ملک بذریعہ خریداری بعوض مہر اس مال وجائداد میں ثابت ہو گئی، وارثوں کا دعوٰی ساقط ہوا گواہی میں بیان مقدار مہر کی کچھ حاجت نہ تھی کہ اس وجہ سے شہادت میں قصور سمجھا جائے نہ اب اس بحث کی کوئی ضرورت کہ مہر کتنا تھا یا کس قدر سمجھا جائے آخر وہ کتنا ہی تھا ذمہ زید سے ساقط ہوگیا اور اس کے بدلے یہ مال وجائداد ملک ہندہ میں آگیا۔ ردالمحتار میں ہے:

اشار الی انهما لو شهدا بالشراء ولم یبینا الثمن لم تقبل وتمامه فی البحر وقال الخیر الرملی فی حاشیته علیه المفهوم من کلامهم فی هذا المواضع وغیره انه فیما یحتاج فیه الی القضاء بالثمن لابد من ذکره وذکر قدره وصفته ومالایحتاج فیه الی القضاء به لاحاجة الی ذکره[1]۔	ماتن نے اشارہ کیا ہے اس بات کی طرف کہ گواہ اگر خریداری کی گواہی دیں اور ثمن نہ بیان کریں تو ان کی گواہی قبول نہ ہوگی، اس کا مکمل بحث بحر میں ہے، امام خیر الدین رملی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا کہ اس مقام پر اور دیگر مقامات پر فقہاء کی کلام سے یہ مفہوم حاصل ہوتا ہے کہ یہ حکم مذکور تب ہے جب ثمن کے ذریعے قضاء کی حاجت ہو اس صورت میں ثمن، اس کی مقدار اور اس کی صفت کا ذکر ضروری ہے اور جہاں ثمن کے ذریعے قضاء کی حاجت نہیں وہاں ثمن کو ذکر کرنا ضروری نہیں۔ (ت)

اسی میں مبسوط سے ہے:

وان قالا اقر عندنا انه باعها منه واستوفی الثمن ولم یسمیا الثمن فهو جائز لان الحاجة الی القضاء بالملك للمدعی دون القضاء بالعقد فقد انتهی حکم العقد باستیفاء الثمن[2]۔	اور اگر گواہوں نے کہا اس نے ہمارے پاس اقرار کیا کہ اس نے فلاں شخص کے ہاتھ گھر فروخت کیا اور ثمن وصول کرلیے گواہوں نے ثمن کو بیان نہیں کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہاں حاجت ملک مدعی کی قضا کی ہے نہ کہ عقد کے بارے میں قضا کی تو بلاشبہ ثمن کی وصولی سے حکم عقد انتہاء کو پہنچ گیا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الشهادات باب الاختلاف فی الشادة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الشهادات باب الاختلاف فی الشادة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹۰

منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں کلام مذکور کے بعد فرمایا:

ولان الجہالۃ انما تؤثر لانہا تفضی الی منازعۃ مانعۃ من التسلیم والتسلم الاتری ان مالایحتاج الی قبضہ فجہالتہ لاتضر وھو المصالح عنہ بخلاف ما یحتاج الی قبضہ وھو المصالح علیہ فاذا اقر باستیفاء الثمن فلا حاجۃ ھنا الی تسلیم الثمن فجہالتہ لا تمنع القاضی من القضاء بحکم الاقرار[1] اھ ومن تامل ھذہ الکلمٰت ظہر لہ الحکم فی مسألتنا ھذہ ظہورا بینا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ بیشک جہالت یہاں مؤثر ہے کیونکہ وہ ایسے نزاع کا باعث ہے جو تسلیم و تسلّم سے مانع ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ جہاں قبضہ کی حاجت نہ ہو اس کی جہالت مضر نہیں اور وہ مصالح عنہ ہے (جس شے پر نزاع واقع ہوا)۔ بخلاف اس چیز کے جس پر قبضہ کی حاجت ہے اور وہ مصالح علیہ ہے (جس شے پر صلح ہوئی)۔ اور جب بائع نے ثمن وصول کرلینے کا اقرار کرلیا تو یہاں تسلیم ثمن کی حاجت نہ رہی لہٰذا ثمن کی جہالت قاضی کو بوجہ اقرار قضاء سے مانع نہیں ہوگی اھ جو شخص ان کلمات میں غور کرے اس پر ہمارے زیر بحث مسئلہ کا حکم خوب واضح ہوجائیگا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو عورت قوم طوائف بوجہ آشنائی کسی مرد کے پاس عرصہ دراز تک بغیر ہونے نکاح کے ہمخانہ اور ہم صحبت رہی اور پھر اس مرد نے بوجہ مذکور جو ہبہ نامہ جائداد مشترک کا بنام ہذا عوض دین مہر کے اس عورت کے نام لکھ دیا اور اس میں لکھا ہو کہ نکاح میرا ساتھ اس کے ہوگیا ہے تو یہ اقرار مرد کا بمقابلہ حقدار شرعی شخص ثالث کے شرعاً ثبوت ہونے نکاح کا کافی ہے یانہیں؟ اور شہادت سماعی یا کسی شخص واحد کی کافی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور شرعاً شہادت کیسی اور کن آدمیوں کے واسطے ثابت ہونے نکاح کے جائز اور معتبر ہوگی؟ اور ایسا ہبہ نامہ بھی جائداد مشترک کا شرعاً جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شہادت شخص واحد کی ثبوت نکاح کے لئے کافی نہیں، دو مرد یا ایک مرد و دو عورت عادل ہونا چاہئے۔

فی الدر المختار ونصابہا لغیرھا من الحقوق سواء کان الحق مالاًاو	درمختار میں ہے: امور مذکور کے سوا دیگر حقوق میں نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادات ۷/ ۱۱۶

چاہے وہ حق مال ہو یا غیر مال جیسے نکاح، طلاق، وکالت، وصیت اور بچے کا آواز نکالنا اگرچہ گواہی وراثت کے لئے ہو، اور تمام مراتب میں قبول شہادت کے لئے لفظ اشھد (میں گواہی دیتا ہوں) لازم ہے اور وجوب قبول کے لئے شاہد کا عادل ہونا ضروری ہے اھ تلخیص (ت)	غیرہ کنکاح وطلاق ووکالۃ ووصیۃ واستلال صبی ولو للارث رجلان او رجل وامرأتان ولزم فی الکل لفظ اشھد لقبولھا والعدالۃ لوجوبہ[1] اھ ملخصًا۔

اور شہادت سماعی ثبوت نکاح کے لئے کافی ہے جب گواہ یہ کہیں کہ یہ امر ہمارے نزدیک مشہور ہے۔

یہ بھی اسی میں ہے بلکہ عزمیہ (حاشیہ درر) میں خانیہ سے منقول ہے کہ تفسیر شہادت (بالتسامع) کا معنی یہ ہے کہ گواہ یوں کہیں ہم اس لئے شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے لوگوں سے سنا ہے، لیکن اگر وہ یوں کہیں کہ ہم نے اس کا معائنہ نہیں کیا لیکن وہ ہمارے نزدیک مشہور ہے تو سب میں شہادت جائز ہے۔ شارح وہبانیہ وغیرہ نے اس کو صحیح قرار دیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)	فیہ ایضابل فی العزمیۃ عن الخانیۃ معنی التفسیر ان یقولا شھدنا لانا سمعنا من الناس اما لو قالالم نعاین ذٰلک، ولکنہ اشتھر عندنا جازت فی الکل وصححہ شارح الوھبانیۃ وغیرہ واللہ تعالٰی اعلم[2]۔

اور مرد وزن کا عرصہ دراز تک مثل زن وشوہمخانہ وہم صحبت رہنا عمدہ علامات مثبتہ نکاح سے ہے۔

فتاوٰی قاضیخان میں ہے اگر کسی نے ایک مرد اور عورت کو ایک گھر میں رہائش پذیر اور ایک دوسرے سے میاں بیوی کی طرح بے تکلف ہوتے دیکھا تو اس کے لئے حلال ہے کہ وہ ان دونوں کے نکاح کی گواہی دے۔ اور ہدایہ میں ہے کہ یوں اگر کسی نے ایک شخص کو مسند قضاپر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ لوگ اس کے پاس مقدمات لارہے ہیں	فی فتاوی قاضی خان ولورأی رجلا وامرأۃ یسکنان فی منزل وینبسط کل واحد منھما علی صاحبہ کما یکون بین الازواج حل لہ ان یشھد علی نکاحھما[3]، وفی الھدایۃ وکذالورأی انسانا جلس مجلس القضاء یدخل علیہ الخصوم حل لہ ان یشھد

[1] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱
[2] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳
[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب النکاح فصل فی دعوی النکاح نولکشور لکھنو ۱/ ۱۸۵

علی کونه قاضیا وکذا اذا رأی رجلا وامرأة یسکنان بیتا وینبسط کل واحد الی الاٰخر انبساط الازواج[1]۔	تو حلال ہے کہ وہ اس کے قاضی ہونے کی گواہی دے یوں اگر مرد اور عورت کو ایک گھر میں رہائش پذیر اور ایک دوسرے سے میاں بیوی کی طرح بے تکلفی کرتے دیکھا تو ان کے نکاح کی گواہی دے سکتا ہے (ت)

اور صرف اقرار مرد بھی ثبوت نکاح کے لئے کافی ہے بلکہ بعد اقرار کے منکر ہو اور عورت اس کی حیات میں یا بعد موت کے تصدیق نکاح کرے تاہم نکاح ثابت اور زن مستحق ارث ومہر ہے،

فی العالمگیریة رجل اقر انه تزوج فلانة بالف درهم فی صحة او مرض ثم جحده وصدقته فی حیاته او بعد موته فهو جائز ولها المیراث والمهر[2] الخ۔	عالمگیریہ میں ہے: اگر کسی مرد نے حالت مرض یا صحت میں اقرار کیا کہ اس نے فلاں عورت سے ہزار درہم کے عوض نکاح کیا ہے پھر اس اقرار سے انکار کیا حالانکہ عورت نے اس مرد کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد اس کی تصدیق کی تو نکاح جائز ہوگا اور عورت میراث اور مہر کی مستحق ہوگی الخ (ت)

اور ہبہ بالعوض حکم بیع میں ہے مشاع ومشترک ہونا موہوب کا اس کی صحت کو مضر نہیں بلکہ حصہ واہب میں ہبہ صحیح ونافذ رہے گا،

فی الدرالمختار اما لو قال وهبتك بکذا فهو بیع ابتداء وانتهاء[3] وفیه ایضا وبطل بیع قن ضم الی حر بخلاف قن ضم الی قن غیره فیصح بحصته فی عبده اھ[4] ملتقطا، والله تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اگر کسی نے کہا میں نے یہ چیز اتنے کے بدلے تجھے ہبہ کی تو یہ ابتداءً اور انتہاءً بیع ہے اور یہ بھی اسی میں ہے کہ اس غلام کی بیع باطل ہے جس کو آزاد کے ساتھ ملا کر فروخت کیا جائے۔ بخلاف اس غلام کے جس کو دوسرے کے غلام کے ساتھ ملا کر بیچا جائے کیونکہ یہاں بائع کے حصہ کی بیع اس کے غلام میں صحیح ہوگی اھ التقاط، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب الشہادت مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاقرار الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۰۶

[3] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[4] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

مسئلہ ۷: از بیلپور مرسلہ قاضی فراست علی صاحب ۲۳/جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

مسماۃ کا بیان ہے کہ میرے نکاح کو تخمیناً اٹھارہ

برس ہوئے مسمّٰی عبدالرحیم کے ساتھ ہوا، عرصہ دوڈھائی ماہ کا ہوا کہ میرے خاوند نے یہ دو مرتبہ کہا کہ تجھ کو طلاق ہے کہ جو تو اس بات کو صحیح نہ کرادے بعد اس کے چند شخصوں نے طرفین کو سمجھا کر جھگڑا دور کرادیا پھر دوبارہ کہ عرصہ بارہ روز کا ہوا صندوق مجھ سے میرے خاوند نے مانگا میں نے ان کو منع کیا وہ صندوق مجھ سے لیتے تھے اور میں نہیں دیتی تھی میرے شوہر نے یہ لفظ کہا کہ تجھ کو طلاق جو تو کچھ کرنہ گزارے، پھر مجھ سے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے تجھ کو طلاق ہے تجھ کو طلاق ہے، اس وقت میاں محمد امین اور میری والدہ موجود تھیں اور زوجہ حسین بخش کہ میرے اور ان کے درمیان میں ایک دیوار ہے اس پر کھڑی ہوئی تھیں سوائے اسکے اور کوئی موجود نہ تھا محمد امین میرے ماموں کا لڑکا ہے اور یہ جھگڑا میری والدہ کے مکان میں ہوا فقط۔

بیان مسمّٰی عبدالرحیم شوہر مسماۃ کا یہ ہے کہ میرے نکاح کو عرصہ تخمیناً سترہ اٹھارہ برس کا ہوا، دس گیارہ ماہ سے میں اپنی خسرال میں ہوں میری خوشدامن نے کئی مرتبہ کہا کہ تم علیحدہ چلے جاؤ، پھر عرصہ بارہ روز کا ہوا میں نے کہا کہ میری چیز بست نکال کر باہر رکھ دو، میں نے صدوق کو ہاتھ لگایا تو ساس ہماری بولی کہ تجھ کو صندوق سے کیا تعلق ہے وہ تو اس کے باپ نے اس کو دیا ہے میرے کوئی نہیں ہے جو تمہارا مقابلہ کرے اتنے میں محمد امین دوڑ آیا اس نے کہا ہٹ جاؤ صندوق کو مت چھوؤ اچھا نہیں ہے تمہارے لئے میں نے کہا کہ کیا تم مجھے ماروگے تو کہا پٹ کر ذلیل ہو کر یہاں سے جاؤگے، پھر میں نے گھر میں اپنے کہا کہ تو ہٹ جا، ماں ان کی بولی تو ہٹ جا تیرے چوٹ نہ لگ جائے، وہ ہٹ گئی اور چارپائی پر علیحدہ جا بیٹھی، پھر میں نے امین سے کہا کہ کھایا پیا تم کو حرام ہے اور طلاق ہے کہ جو تم اب مجھ کو نہ مارو، امین نے کہا کہ یہی بات ہے، پھر میں نے کہا یہی بات ہے کہ تجھ کو کھایا پیا حرام ہے اور طلاق کہ تم مجھ کو نہ مارو، چچی سے میں نے کہا کہ اب جو کچھ تم کو کرانا ہے کرواؤ، پھر انھوں نے کہا کہ ان کے بہنوئی قادر بخش کو اور بھائی محمد بخش کو اور بھائی محمد ظہور کو بلاوانہوں نے طلاق دی ہے میں کھڑا رہا اتنے میں کلن اپنے گھر میں سے آئے انہوں نے کہا کہ میں نے بھی سنا ہے یہاں تک آواز آرہا تھا کہ تم نے طلاق دی پھر میں نے کہا کہ اور کوئی الزام پکڑو کہ میں کھڑا ہوا ہوں لوگوں کو آنے دو، پھر میں نے کہا کہ کس کے سامنے طلاق دی مقابلہ میرا اور تمہارا اور چچی کا ہو رہا تھا یہ طوفان باندھنا اچھا نہیں ہے، اتنے میں قادر بخش پہلے آئے انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا واہیات مچائی ہے، میں نے کہا کچھ واہیات نہیں میں اپنی چیز علیحدہ کررہا تھا، امین میرے مقابلہ کو آیا تو میں اس سے یہ لفظ کہہ رہا تھا انہوں نے اس کا طومار باندھا ہے اور لڑائی کے وقت حبو بہشتی

دروازہ پر کھڑے تھے اور حسین بخش مجھ کو بلانے کو گئے تھے اور حبو بھی بلاتے رہے میں نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ میری کوئی لڑائی اور جھگڑا نہیں ہے آتا ہوں کلن مجھ سے عداوت رکھتے ہیں اس کو چار آدمیوں سے دریافت کرلو فقط۔

بیان والدہ مسماۃ کا یہ ہے کہ میں اپنا کام کرتی تھی دونوں میاں بی بی میں صندوق پر جھگڑا ہو رہا تھا اس کے شوہر نے کہا کہ تجھ کو طلاق جو تو کچھ کر نگزارے، بعد اس کے اسی وقت تین مرتبہ یہ کہا کہ تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے، اس وقت یہاں محمد امین موجود تھا اور حسین بخش کی زوجہ کو میں نے دیوار پر کھڑے ہوئے نہیں دیکھا وہ کہتی تھی کہ میں دیوار پر کھڑی تھی اور میرے بھائی کلن کی زوجہ ایک لفظ سن کر آئیں فقط طلاق کا۔

بیان زوجہ حسین بخش کا یہ ہے کہ ان کے گھر میں دونوں میں بہت دیر سے رنج ہو رہا تھا مجھ کو یہ نہیں معلوم کہ کس بات پر ہو رہا تھا میں اس وقت دیوار پر کھڑی تھی صندوق دونوں کے ہاتھ میں تھا زوجہ یہ کہتی کہ صندوق نہ لے جاؤ یہیں کیونکر کھول کر دیکھ لو، اور خاوند اس کا یہ کہتا تھا کہ میں صندوق لیجاؤں گا، اسی پر اس کے خاوند نے کہا کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی، اور اس وقت محمد امین اور والدہ مسماۃ کی موجود تھی فقط بقلم محمد یعقوب علی۔

العبد قاضی فراست علی بقلم خود یہ بیان کیا اور دوبارہ پوچھا گیا تو لفظ "میں" کی جگہ "تجھ" کو بیان کیا، میں نے زوجہ حسین بخش کو اول ہی مرتبہ جب سوال کیا کہ بیان کرو تو بجواب اس کے کہا کہ میں نے سنا اور یہ کہا کہ میں کم سنتی ہوں بقلم خود قاضی محمد فراست علی بقلم محمد یعقوب علی، تحریر تاریخ ۱۷/ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ

بیان محمد امین کا یہ ہے کہ عرصہ آٹھ روز کا ہوا کہ دونوں میں لڑائی ہونے لگی میں نے جاکر ان سے کہا آہستگی سے بات کرو جو تم کہو میں دلوادوں بعد اسکے صندوق پر چھینا جھپٹی ہونے لگی انھوں نے مارا اس کی ناک میں سے خون نکلا تو صندوق انکو دیدیا گیا پھر لوٹ پھیر ہونے لگی اسی صندوق پر انھوں نے یہ کہا کہ جو کچھ کرنہ گزارے تجھ کو طلاق ہے ایک زبان میں تین دفعہ کہا تجھ کو طلاق ہے ایک زبان میں تین دفعہ کہا تجھ کو طلاق ہے اس کے بعد میرے والد آگئے ان سے کہا کہ باہر جاؤ، وہاں پر میں تھا اور جو اس وقت کوئی موجود نہ تھا میری پھوپھی تھی اور پھوپھی کی لڑکی تھی فقط۔

بیان کلن پڑوسی کا یہ ہے کہ عرصہ آٹھ روز کا ہوا کہ میں باہر سے اپنے گھر میں سنا کہ شور وغوغا بہت سے مچا ہوا تھا میرے گھر میں ذکر کیا کہ آج عبدالرحیم نے اپنے گھر میں بہت مارا میں نے کہا اس سے مجھے کیا ہے میں روٹی کھانے کو بیٹھ گیا صندوق کے لئے دونوں میں کھینچاتانی ہو رہی تھی میں نے اپنے گھر میں سنا کہ تجھے طلاق ہے کرنہ گزارے بعد کو تین مرتبہ کہا تجھے طلاق تجھے طلاق تجھے طلاق بعد کو میں گیا میں نے کہا کہ اب

نکلو باہر ہو، انہوں نے کہا کہ مجھے مارو گے، میں نے کہا کہ مجھے کیا مطلب ہے۔

بیان محمد بخش میرے مکان پر امین گئے اور کہا کہ پھوپھی نے تجھ کو بلایا ہے کہ عبدالرحیم نے اپنے گھر میں طلاق دی دریافت کیا آن کرکے توزبانی محمد امین کے اور ان کی والدہ یعنی مسماۃ کے، اور مسماۃ سے معلوم ہوا کہ طلاق دی اور کسی کی زبانی نہیں معلوم ہوا۔

بیان ظہورالدین میرے پاس پہلے پہلے واسطے بلانے کے امین آئے دوبارہ حسین بخش بلانے کو آئے بعد کو پھر امین آئے اور بیان کیا کہ وہاں سب لوگ جمع ہیں میں گیا تو یہ سب لوگ وہاں موجود تھے وہ دونوں ماں بیٹے مجھے کچھ کہنے لگے لیکن میں نے ان کو جھڑک دیا ان کا حال کچھ سنا نہیں یہ کہہ دیا کہ جو کچھ ہوا وہ ہوا دو چار روز میں اور مکان لے کر جارہیں گے لیکن یہ لوگ جو اول میں مجھ کو بلانے آئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ طلاق دی ہے۔

بیان قادر بخش میں مسماۃ کے مکان پر گیا تو وہاں پر محمد امین نے اور عبدالرحیم کی خوشدامن نے کہا کہ عبدالرحیم نے طلاق دے دی میں وہاں خاموش بیٹھا رہا جس وقت کہ بھائی محمد بخش و ظہورالدین آئے تو انہوں نے کہا طلاق کا قصہ اچھا نہیں ہے تم اپنا کنارہ کرلو اور عرصہ چہار روز میں مکان لے لو یہاں سے سب چیز خوشی بخوشی اٹھالو۔

بیان شیخ ننھے یہ سب صاحب بیٹھے تھے محمد بخش و قادر بخش و ظہور الدین ان کے بھائی صاحب محمد بخش کہہ رہے تھے کہ اپنا مکان لے لو اور اپنی چیز بست نکال کرلے جاؤ۔

بیان حسین بخش گواہ عبدالرحیم میں یہاں شیخ ظہور الدین کے مکان میں کام کررہا تھا حبو بہشتی نے مجھے آن کر کہا کہ عبدالرحیم نے اپنے گھر میں مارا ہے تم جاکر بچادو، میں گیا کہا بھائی! یہاں آؤ بات سن جاؤ، یہ نہیں آئے میں لوٹ آیا، اس کے تھوڑی دیر میں نے یہ سنا کہ عبدالرحیم نے طلاق دی، میں نے طلاق کا لفظ اپنے بڑے لڑکے سے سنا اور راستہ میں امین مجھ کو ملے کہا بھائی شیخ ظہور الدین کو بلانے جاتا ہوں عبدالرحیم نے اپنے گھر میں طلاق دی ہے۔

بیان حبو بہشتی عبدالرحیم میں اور گھر میں لڑائی ہوتی تھی میں عبدالرحیم کو بلاتا رہا کہ عورتوں سے کیا لڑائی لڑتے ہو عبدالرحیم میرے بلانے سے نہیں آئے اور نہ میں نے کوئی لفظ طلاق کا سنا فقط۔

یہ بیانات میرے روبرو تحریر ہوئے العبد قاضی فراست علی بقلم خود

بعد سلام مسنون التماس ہے کاغذ ہذا واسطے طلب فتوٰی کے ارسال خدمت ہوتا ہے تصدیع خدمت ہے کہ کل مراتب مندرجہ بالا ملاحظہ فرماکر فتوٰی طلاق خواہ عدم طلاق کا تحریر فرماکر ابلاغ فرمائیے، عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں گے فقط۔ راقم قاضی محمد فراست علی از بیلپور

الجواب:

صورت مستفسرہ میں گواہیاں محض ناکافی ہیں ان سے طلاق ہر گز ثابت نہیں ہو سکتی ننھے وحبو کے بیان میں تو طلاق سننے کا ذکر ہی نہیں اور محمد بخش وظہور الدین وقادر بخش وحسین بخش اوروں کی زبانی سننا بیان کرتے ہیں اور طلاق ان چیزوں سے نہیں جن میں سنی سنائی پر گواہی مقبول ہوسکے۔ درمختار میں ہے:

لایشھد احدبمالم یعاینه بالاجماع الا فی اعشرة منھا العتق والولاء عند الثانی والمھر علی الاصح والنسب والموت والنکاح والدخول وولایة القاضی واصل الوقف، وقیل وشرائطه علی المختار کمامر. فله الشھادة اذااخبره بھذہ الاشیاء من یثق الشاھد به من خبر جماعة لایتصور تواطؤھم علی الکذب بلا شرط عدالة او شھادة عدلین الافی الموت فیکفی العدل ولو انثی وھو المختار، ومن فی یدہ شیئ سوی رقیق یعبر عن نفسه فلك ان تشھد انه له ان وقع فی قلبك انه مبلکه والالا[1] (ملتقطا)۔	اور بغیر معائنہ کے کوئی شخص بالاجماع گواہی نہیں دے سکتا سوائے ان چیزوں کے عتق، امام ابویوسف کے نزدیک ولاء، اصح قول کے مطابق مہر، نسب، موت، نکاح، دخول، ولایت قاضی، اصل وقف اور کہا گیا کہ قول مختار کے مطابق شرائط وقف جیسا کہ گزرچکا ہے، توان دس اشیاء مذکورہ کی گواہی سن کر دینا بھی جائز ہے جبکہ شاہد کو ایسا شخص خبر دے جس پر شاہد اعتماد کرتا ہو، یعنی ایسی جماعت کی خبر سے شاہد کو تسامع حاصل ہو جس جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا متصور نہیں یہاں مخبرین کی عدالت شرط نہیں، یا دو عادل مردوں کی شہادت سے سوائے موت کے اس میں ایک ہی عادل کی خبر کافی ہے اگرچہ خبر دینے والی عورت ہو اور یہی مختار ہے اور جس شخص کے قبضہ میں کوئی شیئ ہو سوائے اپنا حال بیان کرسکنے والے غلام کے تو تجھے اختیار ہے کہ تو قابض کے لئے اس مقبوض شیئ کی ملکیت کی گواہی دے بشرطیکہ تیرے دل میں یہ بات واقع ہو کہ یہ قابض کی ملک ہے ورنہ نہیں (ملتقطاً)۔ (ت)

اور والدہ مسماۃ کی گواہی یوں مردود ہے کہ وہ مدعیہ کی ماں ہے اور ماں باپ، دادادادی، نانانانی کی گواہی بیٹے بیٹی، پوتے پوتی، نواسے نواسی کے لئے اور ان کی ان کے لئے مقبول نہیں۔ درمختار میں ہے:

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

لاتقبل من الفرع لاصله وان علا وبالعکس للتهمة[1] (ملخصًا)	تہمت کی وجہ سے فرع کی گواہی اصل کے حق میں مقبول نہیں اگرچہ اصول اوپر تک چلے جائیں اور یونہی اس کے برعکس (یعنی اصل کی گواہی فرع کے حق میں قبول نہ ہوگی) (ملخصًا)۔ (ت)

کلن کی گواہی یوں مردود ہے کہ وہ صاف کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنے گھر میں سے عبدالرحیم کو طلاق دیتے سنا اور آڑ میں سے سننے پر گواہی بعض صورتوں کے سوا ہرگز مقبول نہیں کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے خصوصًا جب گواہ بیان کردے کہ میں نے آڑ میں سے سنا تو مطلقًا مردود ہے، درمختار میں ہے:

لایشهد علی محجب بسماعه منه الا اذا تبین القائل بان لم یکن فی البیت غیره لکن لو فسر لاتقبل درر الخ۔[2]	نہ گواہی دے اس شخص پر جو آڑ کے پیچھے پوشیدہ ہے اس کی آواز کو سن کر سوائے اس کے کہ ظاہر وواضح ہوجائے کہ اس مکان میں قائل کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہیں، لیکن اگر شاہد آڑ کی سماعت کو بیان کردے تو اس کی گواہی نہ ہوگی درر الخ (ت)

اب نہ رہے مگر محمد امین وزوجہ حسین بخش قطع نظر اس سے کہ ان کی شہادتوں میں کتنے خلل شرعی ہیں خصوصًا زوجہ حسین بخش کا بیان مضطرب ہے اگر کوئی خلل نہ بھی ہوتا تو صرف ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے طلاق ثابت نہیں ہوسکتی، دو مرد عادل یا ایک مرد دو عورتیں ثقہ درکار ہیں۔ درمختار میں ہے:

نصابها لغیره من الحقوق کنکاح وطلاق رجلان او رجل وامرأتان[3]۔ (ملتقطًا)	امور مذکورہ کے سوا دیگر حقوق میں نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے جیسے نکاح و طلاق وغیرہ میں (ملتقطا)۔ (ت)

مگر یہ ثبوت وعدم ثبوت قاضی ودیگر خلائق کے نزدیک واقع میں اگر عورت سچی ہے اس کے سامنے اسے تین طلاق دی ہیں تو عورت پر فرض ہے کہ جس طرح جانے اس سے جدا ہوجائے پھر اگر جدا نہ ہوسکے تو وبال مرد پر ہے یہ الزام سے بری رہے گی جب تک اس کے پاس رہے ہاتھ لگانے پر سچے دل سے ناراض ہو اور اپنی حد قدرت تک اس سے بچنے میں ہمیشہ کوشش کرتی رہے **والمسئلة منصوص**

[1] درمختار کتاب الشهادات باب القبول وعدمه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۴

[2] درمختار کتاب الشهادات باب القبول وعدمه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲۔۹۱

[3] درمختار کتاب الشهادات باب القبول وعدمه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

علیہا فی الدر المختار ورد المحتار وغیرہما من الاسفار (اس مسئلہ پر در مختار اور ردالمحتار وغیرہ ضخیم کتابوں میں نص کی گئی ہے۔ت) اور اگر واقع میں بھی عورت جھوٹی ہے اور یہ حیلہ کرکے اس سے جدا ہو جائے گی تو عمر بھر گرفتار گناہ عظیم رہے گی اور معاذاللہ لعنت الٰہی ولعنت ملائکہ کی مستحق ہوگی کما تفیدہ صحاح الاحادیث (جیسا کہ احادیث صحیحہ اس کا فائدہ دیتی ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸: از ریاست رامپور متصل زیارت شاہ ولی اللہ صاحب مرسلہ مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اور زید وعمرو میں ایک زمین کے بابت تخالف ہے، ہندہ کا قول ہے کہ یہ زمین مملوک ومقبوض ہندہ ہے۔زید وعمرو کہتے ہیں کہ یہ زمین بکر کی تھی اس نے عرصہ تخمیناً ۵۵ سال کا گزرا کہ واسطے قبرستان کے وقف کردی تھی مگر کسی کو اس کا متولی نہیں کیا تھا اور یہ زمین موروثی بکر کی ہے وقف وموروثی ہونے کی سماعی شہادت زید وعمرو کی ہے قابل تحقیق ودریافت یہ امر ہے کہ زید وعمرو کی صرف اس قدر سماعی شہادت سے کہ یہ زمین موروثی بکر کی ہے یہ زمین ملک بکر شرعاً قرار دی جائے گی یا نہیں؟ بعدہ زید وعمرو کی سماعی اس شہادت سے کہ وہ زمین بکر نے وقف کردی ہے شرعاً موقوفہ قرار دی جائے گی یا نہیں؟ جواب اس کا بحوالہ کتاب ومسائل مفتی بہ درج ہو، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر زید وعمرو شرائط شہادت کے جامع اور ان کا بیان جملہ شرائط عامہ وخاصہ کو مستجمع واقع ہوا تو زمین متنازعہ فیہا کا قبرستان کے لئے وقف ہونا ثابت ہو جائے گا کہ اصل وقف میں شہادت سماعی ضرور مقبول ہے اور صحت وقف مالکیت واقف پر موقوف، تو قبل وقف زمین کا مملوک بکر ہونا ضمن ثبوت میں رنگ ثبوت پائے گا اگرچہ ابتداء اثبات ملک کے لئے شہادت سماعی کافی نہیں،

وکم من شیئ یثبت ضمنا ولایثبت قصدا کاخبار مجوسی اتی بلحم ان فلانا المسلم ارسله الیك بهذا هدیة لك فانه یقبل قوله فی المعاملات والهدایا منها، ثم یثبت الحل ضمنا	بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں قصداً ثابت نہیں ہوتیں جیسے کسی شخص کے پاس کھانا لانے والے مجوسی کا خبر دینا کہ اس کو فلاں مسلمان نے یہ کھانا تیرے لئے بطور ہدیہ دے کر تیرے پاس بھیجا ہے، بیشک مجوسی کا قول معاملات میں مقبول ہوتا ہے اور تحائف بھیجنا معاملات میں سے ہے، پھر اس

وان کان قول الکافر لایقبل فی الدیانات ومنها الحل والحرمة اصلا۔ثم رأیت بحمد الله التعلیل بعین هذا فی تبیین الحقائق للامام الزیلعی حیث قال رحمه الله تعالٰی عاین ملکا بحدوده ینسب الی فلان بن فلان الفلانی وهو لم یعرفه بوجهه ونسبه ثم جاء الذی نسب الیه الملك وادعی ان المحدود ملکه علی شخص حل له ان یشهد استحسانا لان النسب یثبت بالتسامع۔فصار المالك معلوما بالتسامع و الملك بالمعاینة۔ولولم یسمع مثل هذا الضاع حقوق الناس لان فیهم الحجوب ومن لایبرز اصلا و لا یتصور ان یراه متصرفا فیه ولیس هذا اثبات الملك بالتسامع وانما هو اثبات النسب بالتسامع وفی ضمنه اثبات الملك به وهو لایمتنع وانما یمتنع اثباته قصدا[1]۔	کھانے کا حلال ہونا ضمناً ثابت ہوجائے گا اگرچہ امور دینیہ میں کافر کا قول بالکل مقبول نہیں ہوتا اور حلال وحرام ہونا امور دینیہ میں سے ہے، پھر میں نے بحمداللہ یہی تعلیل بعینہٖ علامہ زیلعی کی تبیین الحقائق میں دیکھی جہاں آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ملک کو اس کی حدود کے ساتھ دیکھا کہ فلاں ابن فلاں کی طرف منسوب ہوتی ہے جبکہ اس نے مالک کو نہ تو چہرے سے پہچانا اور نہ ہی اس کے نسب کو جانا پھر وہ شخص آیا جس کی طرف ملک محدود کی نسبت کی جاتی ہے اور خاص اسی ملک محدود کے مالک ہونے کا دعوی کیا تو شاہد کو اس کی ملک پر گواہی دینا بطور استحسان حلال ہے کیونکہ نسب سماع سے ثابت ہوجاتا ہے لہٰذا مالک لوگوں سے سن کر اور ملک دیکھ کر معلوم ہوگیا، اور اگر اس طرح کی گواہی مسموع نہ ہو تو لوگوں کے حقوق ضائع ہوجائیں گے کیونکہ لوگوں میں کچھ نقاب پوش ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں بالکل سامنے نہیں آتے تو ایسے شخص کو ملک میں تصرف کرتے ہوئے دیکھنا شاہد کے لئے متصور نہیں، اور یہ تسامع سے ملک کو ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو تسامع سے نسب کا اثبات ہے اور اس کے ساتھ ضمن میں ملک کا اثبات ہے اور یہ ممتنع نہیں، ممتنع تو قصداً تسامع سے ملک کا اثبات ہے۔(ت)

مسئلہ کتب میں دوار اور متون وشروح وفتاوٰی میں مستفیض وآشکار ہے، تنویر میں ہے:

تقبل فیه الشهادة بدون الدعوی و	وقف میں بلا دعوی شہادت قبول کی جاتی ہے اور

[1] تبیین الحقائق کتاب الشہادۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۲۱۷

الشهادة بالشهرة لاثبات اصله وان صرحوا به لا لشرائطه[1]۔	اصل وقف کے اثبات کے لئے شہرت کی گواہی مقبول ہے اگرچہ گواہ اس کی صراحت کردیں اور شرائط وقف کے اثبات کے لئے شہرت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی المنح کل مایتعلق بصحۃ الوقف ویتوقف علیه فهو من اصله ومالایتوقف علیه فهو من الشرائط[2]۔	منح میں ہے ہر وہ چیز جس کا تعلق صحت وقف کے ساتھ ہے اور وقف کی صحت اس پر موقوف ہے وہ اصل وقف سے ہے اور جس پر صحت وقف موقوف نہیں وہ شرائط وقف سے ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

بیان الجهة هو بیان المصرف ویأتی انه من الاصل لا من الشرائط فالمراد من الشرائط مایشرطه الواقف فی کتاب وقفه لاالشرائط التی یتوقف علیها صحة الوقف کالملك والافراز والتسلیم عند القائل به و نحو ذٰلك مما مر اول الباب[3]۔	بیان جہت مصرف کا بیان ہے اور آگے آئے گا کہ وہ اصل وقف سے ہے نہ کہ شرائط سے، تو وہاں شرائط سے مراد وہ شرطیں ہیں جو واقف نے اپنے وقف نامے میں ذکر کی ہیں وہ شرطیں مراد نہیں جن پر صحت وقف موقوف ہے جیسے ملک، جدا کرنا اور تسلیم اس کے نزدیک جو اس کے شرط ہونے کا قائل ہے اور دیگر شرائط جو باب کے شروع میں گزر چکی ہیں۔(ت)

یہاں واجب اللحاظ بات یہ ہے کہ وقف پر شہادت شہادت لوجہ اللہ ہے جسے شہادت حسبہ کہتے ہیں اور شاہد حسبہ اگر بلاعذر شرعی ادائے شہادت میں تاخیر کرے مثلاً وقف پر ناجائز قبضہ ناروا تصرفات دیکھا کرے اور خاموش رہے پھر کھڑا ہو اور گواہی دے کہ یہ وقف ہے تو اس کی شہادت مردود ہے کہ وہ اتنے دنوں باطل پر سکوت کرنے اور وقف پر ظلم روا رکھنے سے فاسق ہوگیا اور فاسق کی گواہی قبول نہیں تو اس کی شہادت کا ماننا ہی اس کی شہادت نہ ماننے کو مستلزم ہے ہاں اگر قاضی ایسی گواہی

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۷۔۸۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۳

[3] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۴

مان کر قضا کردے تو نافذ ہوجائے گی جبکہ اسے ایسی قضا کا اختیار ہو اور اگر مقید و پابند کیا گیا ہے کہ مذہب حنفی صحیح و مفتی بہ کے موافق فیصلہ کرے تو ایسی شہادت کی بناء پر قضائے قاضی بھی مردود، اور فیصلہ واجب الرد ہے کہ خلاف تقیید میں وہ قاضی نہیں بلکہ احد من الرعایا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

شاھد الحسبة اذا اخرھا بغیر عذر لاتقبل لفسقه اشباہ من القنیة وقال ابن نجیم فی رسالة المؤلفة فیما تسمع فیه الشھادة حسبة ومقتضاہ ان الشاھد فی الوقف کذالک[1]۔	شاہد حسبہ (لوجہ اللہ شہادت دینے والا) اگر بلاعذر شہادت میں تاخیر کرے تو فسق کی وجہ سے اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی (اشباہ بحوالہ قنیہ)، ابن نجیم نے ان امور کے بارے میں جن میں شہادت حسبہ مسموع ہوتی ہے تالیف کردہ اپنے رسالے میں فرمایا کہ اس کا مقتضایہ ہے کہ وقف میں گواہی دینے والے کا حکم بھی ایسا ہی ہو۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

سئل فیما اذا باع زید عقارہ المعلوم من عمرو و تصرف به عمرو مدة مدیدة ورجلان معاینان مشاھدان لذلك کله ومطلعان علیه ویریدان الآن ان یشھدا حسبة بان العقار وقف کذا وقد اخرا شھادتھما بلا عذر شرعی ولا تاویل فھل حیث کان الامر کما ذکر لا تقبل شھادتھما **الجواب** شاھد الحسبة اذا اخر شھادته بلا عذر شرعی مع تمکنه من ادائھا لا تقبل شھادته کما فی الاشباہ وغیرھا[2]۔	**سوال:** کیا گیا کہ زید نے اپنی مشہور و معروف زمین عمرو کے ہاتھ فروخت کی اور عمرو عرصہ دراز تک اس میں تصرف کرتا رہا جبکہ دو مرد اس سب کچھ کو دیکھتے رہے اور اس پر مطلع رہے اب وہ دونوں لوجہ اللہ گواہی دینا چاہتے ہیں کہ یہ زمین وقف شدہ ہے اور ان دونوں نے بغیر کسی عذر شرعی اور بغیر کسی تاویل کے گواہی میں تاخیر کی تو کیا یہاں بھی معاملہ وہی ہے جو مذکور ہوا کہ ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کیجائیگی، **جواب:** شاہد حسبہ اگر بلاعذر شرعی شہادت میں تاخیر کرے باوجودیکہ وہ اس کی ادائیگی پر قادر ہو تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

(لو قضی بشھادة فاسق	اگر قاضی فاسق کی شہادت پر فیصلہ کردے تو

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۳

[2] العقود الدریة کتاب الشھادة ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۴۶

نفذ)واثم فتح(الاان یمنع منه)ای من القضاء بشھادۃ الفاسق(الامام فلا)ینفذ لماامرانه یتأقت ویتقید بزمان و مکان وحادثة وقول معتمد حتی لاینفذ قضاؤہ باقوال ضعیفة[1]۔	نافذ ہوگااور قاضی گنہگار ہوگا(فتح) لیکن اگر حاکم نے قاضی کو فاسق کی شہادت پر فیصلہ کرنے سے منع کیا تو نافذ نہ ہوگا کیونکہ قاضی کو مخصوص زمانے مخصوص جگہ، مخصوص حادثے اور معتمد قول پر فیصلہ کرنے کے ساتھ مقید کیا جاسکتا ہے یہاں تک کہ اقوال ضعیفہ کی بنیاد پر کیا ہوااس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔(ت) ان سب امور کا لحاظ ضرور ہے،واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹ تا ۱۲: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خاں صاحب ۵/ شعبان ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) اگر کچھ طمع ناجائز سے کوئی شخص شہادت دے تواس کی شہادت کااعتبار ہوگا یانہیں؟

(۲) جو شخص پابند صوم صلوٰۃ نہ ہو اور مسکرات کا پابند ہو ایسے شخص کی شہادت شرعاً مانی جاسکتی ہے یانہیں؟

(۳) حواس سالم کے کیاعلامات ہیں ازروئے شرع شریف کے؟

(۴) شہادت شاہد کے واسطے عمر کی قید ہے یانہیں؟اور اگر ہے تو کس عمر سے کس عمر تک ناقابل شہادت مانا جاتا ہے؟

الجواب:

(۱) اظہار سائل سے معلوم ہوا کہ طمع ناجائز سے مراد رشوت ہے،ایسی شہادت باطل محض مردود ہے،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الراشی والمرتشی فی النار[2]۔رواہ الطبرانی فی الصغیر عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنھما۔واللہ تعالٰی اعلم۔	رشوت دینے والااور رشوت لینے والا جہنمی ہیں اس کو طبرانی نے معجم صغیر میں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا،واللہ تعالٰی اعلم(ت)

---

[1] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱،المعجم الصغیر دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۸

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۲۰۴۷ مکتبۃ المعارف الریاض ۳/ ۲۹

(۲) ہر گز نہیں کہ وہ فاسق ہے اور فاسق کی شہادت مردود ہے،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا" [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو چھان بین کرلو۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) باتیں مطابق عقل کے ہوں کام عاقلانہ ہوں، کبھی عاقلوں کبھی پاگل کے سے قول فعل نہ کرے یہ تصرفات کے لئے ہے، اور اگر امثال شہادت وروایت وقضا وافتا کے لئے سلامت حواس مقصود ہو تو یہ بھی ضرور ہے کہ شاہد وراوی کی یاد صحیح ہو سخت بھولنے والا نہ ہو اور قاضی ومفتی کی فہم وفکر ٹھیک ہو۔ درمختار میں ہے:

الشہادۃ شرطھا العقل الکامل والضبط [2]۔	شہادت کے لئے کامل عقل اور یادداشت شرط ہے۔(ت)

اسی کی کتاب القضا میں ہے:

ینبغی ان یکون موثوقا به فی عفافه وعقله وصلاحه وفهمه وعلمه،ومثله فیما ذکر المفتی [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	قاضی معتمد علیہ ہونا چاہئے پاکدامنی، عقل وصلاح فہم اور علم میں۔اور مذکورہ امور میں مفتی بھی قاضی کی مثل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۴) ادائے شہادت کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، نابالغ کی گواہی معتبر نہیں، نہ اتنا بوڑھا ہو کہ بوجہ پیرانہ سالی دماغ صحیح نہ رہا بات یاد نہ رہے کچھ کا کچھ کہے۔ درمختار میں ہے:

لاتقبل من اعمی مطلقًا ومرتد ومملوك وصبی و مغفل ومجنون الا ان یتحملا فی الرق والتمییز، وادیا بعد الحریة والبلوغ [4]۔	اندھے کی گواہی مطلقًا قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی مرتد، غلام، بچے، غافل اور پاگل کی مگر جب غلام اور بچہ غلامی اور تمیز کی حالت میں تحمل شہادت کریں اور آزادی وبلوغ کے بعد شہادت ادا کریں تو قبول ہوگی۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۹ /۶

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[3] درمختار کتب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳۔۷۲

[4] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۴

اسی میں ہے: شرائط الاداء الضبط[1] الخ (ادائے شہادت کی شرطوں میں سے یادداشت کا ہونا ہے الخ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳: از رامپور محلّہ مسجد ملا فقیر اخون صاحب مرسلہ نثار اللہ خان ۲۱/شعبان ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم ڈاکٹر نے ایک سرٹیفکیٹ بلوغ عمر عمرو کو اس امر کا دیا ہے کہ عمرو کی اس وقت ۱۸، اور ۱۹ سال کے درمیان میں عمر معلوم ہوتی ہے میری رائے میں عمرو کے چہرہ وغیرہ سے اس کی عمر ایسی نہیں معلوم ہوتی اب مونچھوں کا آغاز ہوا ہے پس سرٹیفکیٹ ڈاکٹر جو بمنزلہ شہادت کے ہے ایسے زمانہ کی بابت جس میں ڈاکٹر نے مشاہدہ نہیں کیا ہے محض اپنے قیاس اور رائے سے اظہار عمر کرتا ہے ہیں نسبت اپنی رائے کے ظاہر کرتا ہے کہ رائے کی غلطی ممکن ہے تو ایسی صورت میں یہ شہادت قابل قبول عدالت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

اسے شہادت سے کوئی تعلق نہیں، نہ اس پر شہادت کی تعریف صادق آتی ہے، یہ ایک رائے اور قیاس و تخمینہ ہے جس پر اسے خود وثوق نہیں اور اس میں غلطی کا احتمال بتاتا ہے شہادت کی تو شان یہ ہے کہ اگر شاہد اپنی آنکھ کی دیکھی ہوئی بات پر گواہی دے اور اس میں فیما اعلم یا فیما احسب کا لفظ ملادے یعنی میرے خیال میں ایسا ہوا تھا یا میرے علم ویقین میں ایسا ہے تو گواہی رد کردیجائیگی کہ گواہ سے اس کا مشاہدہ پوچھا جاتا ہے اس کا علم ویقین نہیں پوچھا جاتا، نہ کہ جہاں نہ علم نہ یقین بلکہ خود غلطی کا اقرار، درمختار جلد ۴ ص ۵۷۳:

حتی لو زاد فیما اعلم بطل للشک[2]۔	یہاں تک کہ اگر شاہد یہ لفظ بڑھادے کہ میرے علم میں ایسا ہے تو شک کی بنیاد پر گواہی باطل ہوگی۔(ت)

ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

لو قال لفلان علی الف درھم فیما اعلم لایصح الاقرار ولو قال المعدل ھو عدل فیما اعلم	اگر کہے کہ میرے علم کے مطابق فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں تو یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا، اور اگر تعدیل کرنیوالے نے کہا میرے علم کے مطابق وہ عادل

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

لایکون تعدیلا[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہے تو یہ تعدیل نہ ہوگی۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۴و۱۵: مسئولہ سراج الدین جج بہاولپور(پنجاب) ۱۵/شعبان المکرم شنبہ ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔بعالی خدمت جناب مولوی احمد رضاخان صاحب مدفیوضکم کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا مسلمان مرد عورت کے نکاح اثبات میں غیر مسلم کی شہادت پر حصر کرنا جائز ہے،حسب ذیل صورتوں میں کس طرح حکم دینا چاہئے:

(ا)ایک مسلم مرد کا نکاح ایک مسلمہ عورت کے ساتھ ہوا،گواہان ایجاب وقبول میں ایک گواہ یا دونوں گواہ غیر مسلم ہیں،آیا نکاح ثابت قرار دیا جاسکتا ہے؟

(ب)انعقاد نکاح کے وقت کی کئی شہادات ہیں لیکن غیر مسلم گواہ بروئے شہرت عامہ اس مسلم کا مسلمہ کے ساتھ نکاح سننا بیان کرتے ہیں،آیا ایسی صورت میں نکاح ثابت قرار دیا جاسکتا ہے؟**بینوا توجروا**

الجواب:نہ پہلی صورت میں نکاح ثابت ہوسکتا ہے،درمختار میں ہے:

شرط حضور شاہدین مسلمین لنکاح مسلمۃ[2]۔	مسلمان عورت کے نکاح کے لئے دو مسلمان گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے(ت)

نہ دوسری صورت میں مانا جاسکتا ہے،درمختار میں ہے:

الشہادۃ شرطھا الولایۃ فیشترط الاسلام لوالمدعی علیہ مسلما[3]۔	شہادت کی شرط ولایت ہے چنانچہ مدعی علیہ اگر مسلمان ہو تو شاہد کا مسلمان ہونا شرط ہوگا۔(ت)

اور قاعدہ کلیہ کہ کسی مسلمان مرد خواہ عورت پر نکاح،طلاق،بیع،ہبہ،اجارہ،وصیت،جہاں بھر کے کسی معاملہ میں کافر کی شہادت اصلًا کسی طرح مسموع نہیں،

قال اللہ تعالٰی"وَلَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾"[4]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:اللہ تعالٰی کافروں کیلئے مومنوں پر ہر گز کوئی سبیل نہ بنائیگا۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰
[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶ـ۱۸۷
[3] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰
[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

مسئلہ ۱۶: از ریاست رامپور مرسلہ جناب امداد حسین صاحب مورخہ ۳/جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بشیر نے اپنی زوجہ مسماۃ اکبری کی رخصت کا دعوٰی کچہری دیوانی میں مسماۃ اکبری اور اس کی دادی مسماۃ عجوبہ پر کہ جس نے مسماۃ اکبری کو روک لیا تھا کیا، مسماۃ اکبری نے باوجود اطلاع کچہری کے جواب دہی نہیں کی بلکہ سکوت کیا مسماۃ عجوبہ کچہری میں جوابدہ ہوئی اور منکر نکاح ہوئی، بشیر سے ثبوت نکاح طلب کیا گیا، اس نے پانچ گواہ پیش کئے تین گواہوں نے کہ جن کے نام عبدالعزیز، میر نجی، ننھے ہیں اس امر کی شہادت ادا کی مسماۃ اکبری نے ہمارے سامنے جھنا چودھری کو اپنے نکاح کے واسطے وکیل کیا، جھنا چودھری نے نکاح بشیر کے ساتھ پڑھوادیا نکاح ہوگیا اور چندہ میاں اور احسان ہر دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ جھنا چودھری نے ہمارے سامنے مسماۃ اکبری بنت علی حسین کا نکاح بشیر ولد مناکے ساتھ پڑھوایا اور بشیر نے قبول کیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ گواہان مذکور میں یہ اختلاف ہیں کہ ایک نے بیان کیا ہے کہ مسماۃ اکبری پستہ قد ہے دوسرے نے لانباقد بیان کیا ہے ایک نے دالان میں ایک نے آنگن میں جو ملے ہوئے نکاح ہونا بیان کیا ہے، ایک نے عمر دس بارہ سال اور باقیوں نے عمر بیس اور پچیس سال بیان کی ہے، آیا ان اختلافات کی وجہ سے شہادت قابل قبول ہے یا نہیں؟ اور باوجود سکوت مسماۃ اکبری اور مسماۃ عجوبہ نسبت عمر قابل قبول شرعًا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ باتیں زائد ہیں ان میں اختلاف سے شہادت پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ شہود ثقات وعدول وقابل قبول ہوں، اور اگر ایسے نہیں اور حاکم نے انہیں متہم سمجھا اور ایسے اختلافوں کی بناپر ان کی شہادتیں رد کردیں تو اسے اس کا اختیار ہے۔ عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

فی نوادر ابن سماعۃ عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا اتہمت الشہود فرقت بینھم ولاالتفت الٰی اختلافھم فی لبس الثیاب وعددمن کان معھم من الرجال والنساء ولاالی اختلاف المواضع بعد ان تکون الشہادۃ علی الاقوال، وان کان الشہادۃ	نوادر ابن سماعہ میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مروی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر گواہوں پر تہمت پاؤں تو ان میں تفریق کردوں گا اور ایسے اختلاف کی طرف التفات نہیں کروں گا کہ ان کا لباس کیا تھا اور ان کے ساتھ کتنے مرد اور عورتیں تھیں اور نہ ہی جگہوں کے اختلاف کی طرف التفات کروں گا بشرطیکہ شہادت اقوال پر ہو، اور اگر شہادت افعال پر ہو تو جگہوں کا

على الافعال فالاختلاف فى المواضع اختلاف فى الشهادة قال ابويوسف اذااتهمتهم و رأيت الريبة فظننت انهم شهود الزور افرق بينهم واسألهم عن المواضع والثياب ومن كان معهم ،فاذااختلفوا فى ذٰلك فهذاعندى اختلاف ابطل به الشهادة كذافى المحيط[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اختلاف شہادت میں قرار پائے گا۔امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کہا کہ اگر گواہوں کے بارے میں میرے دل میں کوئی تہمت اور شک آئے اور میرا گمان ہو کہ یہ جھوٹے گواہ ہیں تو میں ان کو جدا جدا کروں گا اور ان سے لباس، جگہ اور ان کے ساتھ موجود افراد کے بارے میں پوچھوں گا اگر اس میں ان کے بیان مختلف ہوئے تو میرے نزدیک یہ گواہی میں اختلاف ہے جس کی بنیاد پر میں گواہی مسترد کردوں گا، محیط۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷: از ملک بنگال معرفت محمد شجاعت علی خان طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۲۵ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

برائے شہادت طلاق نادانستی چیست؟ بینوا توجروا۔

شہادت طلاق میں تاخیر اور کوتاہی کا کیا حکم ہے؟ بیان کرو اجر پاؤگے۔(ت)

الجواب:

اگر طلاق رجعت است بتاخیر شہادت آثم نشود مگر آنکہ بداند رجعت نکرد وعدت گزشت و باز بے نکاح تصرف میخواہد آنگاہ تاخیر روانیست،ہمچناں اگر طلاق بائن است وبے تجدید نکاح دست از تصرف ندارد یا مغلظ است،بے تحلیل بحبالہ نکاح آوردن خواہد ادائے شہادت بے دعوی ہیچ مدعی فرض ست واگر بے عذر تاخیر کند مردود الشہادۃ بود در اشباہ است شاهد الحسبة اذااخر شهادته بلا عذر يفسق ولا تقبل شهادته[2]	اگر طلاق رجعی ہے تو گواہی میں تاخیر کرنے سے گنہگار نہ ہوگا مگر وہ شخص جو جانتا ہے کہ خاوند نے رجوع نہیں کیا اور عدت گزرچکی ہے اور وہ بغیر نکاح جدید اس عورت کو اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے تو اس صورت میں تاخیر شہادت جائز نہیں، اسی طرح طلاق بائن کی صورت میں اگر خاوند تجدید نکاح کے بغیر تصرف سے دستبردار نہیں ہوتا یا طلاق مغلظ دی ہے اور حلالہ کے بغیر دوبارہ اس کو نکاح میں لانا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں کسی مدعی کے دعوی کے بغیر ہی شہادت کی ادائیگی فرض ہے اگر بلاعذر تاخیر کرے گا تو مردود الشہادۃ ہوجائیگا،

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۹۴

کما فی القنیۃ درقنیہ قولے آوردہ است کہ مدتش پنج روز ست وصواب آنست کہ مدار بر تاخیر از وقت حاجت ست کم باش یا بیش کما بینہ فی غمز العیون۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اشباہ میں ہے کہ شاہد حسبہ (لوجہ اللہ گواہی دینے والا) اور بلاعذر گواہی میں تاخیر کرے تو فاسق ہوجانے کی وجہ سے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی جیساکہ قنیہ میں ہے، ور قنیہ میں یہ قول مذکور ہے کہ اس تاخیر کی مدت پانچ دن ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حکم مذکور کا مدار بوقت ضرورت گواہی میں تاخیر پر ہے چاہے مدت کم ہو یا زیادہ، جیساکہ غمز العیون میں بیان کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸: از ریاست رامپور کٹے باز خاں مسئولہ غلام حبیب خاں ۸ محرم ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر ایک باغ میں نصف نصف کے شریک تھے، زید نے اپنا حصہ نصفی بدست خالد سات سوروپے میں بیع کیااور واسطے اتلاف حق شفعہ بکر بیعنامہ میں بجائے سات سوروپے کے دوہزار لکھا لے گئے سات سوروپے نقد روبروئے رجسٹرار بائع کو دے گئے اور نسبت تیرہ سوروپے قیمت غیر واقعی کے یہ تحریر کیا گیا کہ میں نے مشتری کو معاف کئے جس کا ثبوت بابت سات سوروپے قیمت واقعی کے بیانات گواہان بکر سے بھی ظاہر ہے۔ پس ایسی صورت میں شرعًا کیا ہونا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اس میں تین شہادتیں ہیں اگر ان کے بیان شرائط کو جامع بھی ہوں توان میں دو باقرار خود داڑھی خشخاش کراتے ہیں اور یہ فسق ہے اور فاسق کی شہادت مقبول نہیں،

قال تعالٰی "ذَوَاعَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ"[1] وقال تعالٰی "مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم میں سے دو عادل گواہ۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان میں سے جنہیں گواہوں میں سے تم پسند کرتے ہو، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم واحکم ہے (ت)

مسئلہ ۱۸تا۱۹: از رام پور محلّہ گنج مرسلہ محمد یونس صاحب ۹/ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ شرع متین میں کہ زید کی اور ہندہ کی آپس میں نااتفاقی ہوئی اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۹۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

دو تین روز کے بعد ہندہ نے مشہور کیا کہ مجھے طلاق ہو گئی، زید نے پوچھا کیسے؟ جواب دیا عرصہ تین ماہ کا ہوا میں بوجہ شراب خوری پردہ کرتی تھی اور کہتی تھی کہ سامنے جب آؤں گی شراب چھوڑ دو گے، آخر ایک روز آیا اور یہ کہا کہ سامنے کر دو میں قسم کھا چکا ہوں، دریافت کیا کیا قسم کھائی؟ تو یہ کہا شراب پیوں تو جورو کو طلاق ہے اور تین مرتبہ کہا، اور اس تین ماہ کے عرصہ میں سیکڑوں مرتبہ شراب پی اور تین ماہ تک ہندہ زید کے پاس رہی اور روز ماں باپ کے پاس جاتی رہی، اس تین ماہ کے عرصہ میں کچھ نہیں کہا، جب نااتفاقی ہوئی تو یہ بات مشہور کی، ہندہ سے دریافت کیا گیا تم تین ماہ تک زید کے پاس رہیں جب سے تم نے کیوں نہیں کہا، ہندہ جواب نہ دے سکی، ہندہ کی ماں نے کہا کہ اسے یاد نہ رہی، گواہ ایک ہندہ کی ماں اور ایک ہندہ کا بھتیجا عمر ۱۳ یا ۱۴ برس اور ایک لڑکا خدمت گار عمر دس سال ہے اور اس حالت میں طلاق ثابت ہے یا نہیں؟ اور زید قطعی انکار کرتا ہے نہ میں نے قسم کھائی ہے نہ میں اس بات سے خبر دار ہوں۔

الجواب:

اگر یہی گواہ ہیں تو طلاق ثابت نہیں کہ نہ ماں کی گواہی بیٹی کے لئے معتبر نہ نابالغ کی گواہی مسموع، ہندہ کا بھتیجا بھی اگر نابالغ ہے جب تو ایک گواہ بھی نہ ہوا اور اگر وہ بالغ ہے تو ایک ہی گواہ ہوا، بہر حال ثبوت نہیں، مگر اللہ عزوجل ہر غیب کا جاننے والا ہے، اگر واقع میں اس شخص نے وہ کلمات کہے اور پھر شراب پی تو اللہ کے نزدیک ضرور عورت پر طلاق ہو گئی اور تین بار کہا تو بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی اللہ تعالٰی سے ڈرے اور عورت سے جدا ہو جائے اگر وہ نہ مانے اور عورت کو تحقیق صحیح طور پر معلوم ہے کہ زید نے وہ کلمات تین بار کہنے کے بعد پھر شراب پی تو عورت پر فرض ہے کہ جیسے جانے اس سے دور بھاگے اسے اپنے اوپر قابو نہ دے، اگر ہندہ اپنی سی کوشش پوری کرے اور اس سے بھاگنے پر قدرت نہ پائے تو گناہ زید پر رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰: از دارجلنگ ملٹری کلب گھر مرسلہ شمس الدین بیرا ۲۵/رجب مرجب ۱۳۳۱ھ

جناب مولانا صاحب حامی دین متین دام اقبالکم بعد ادائے آداب حضور والا کی خدمت میں عرض کرتا ہوں انجمن اسلامیہ دار جلنگ نے یہ فیصلہ کیا ہے حضور کے دولت خانہ کا انصاف ہونا چاہئے انجمن نے زبردستی طلاق لکھ دیا اور میرے اوپر ڈگری کر دیا نقل جو میں نے مانگی تو نقل کا مجھ سے پانچ روپیہ لیا از روئے شرع شریف انصاف فرمائیں۔

الجواب:

فیصلہ انجمن ملاحظہ ہوا، اس صورت میں ہر گز طلاق ثابت نہیں انجمن نے محض غلط و باطل وخلاف شرع

فیصلہ کیا۔

(۱) اس نے بنائے طلاق بیان زن پر رکھی شمس الدین نے اپنی زوجہ حیبن پر انجمن میں درخواست دی تھی کہ اس کے افعال ایسے ہیں میرا انتظام کردیا جائے، عورت نے جواب میں طلاق دینا بیان کیا، مجوزوں نے فیصلہ میں لکھا مدعا علیہا کے بیان سے ثابت ہے کہ مدعی نے اپنی بی بی مدعا علیہا کے سامنے اور اختر علی آبدار و پیر محمد گواہان مدعا علیہا کے روبرو طلاق مختلف اوقات میں تین دفعہ دے دی ہے انجمن نے جسے مدعا علیہا کہا وہ شرع میں مدعیہ ہے کہ طلاق دئے جانے کا دعوی کرتی ہے آج تک کسی نے مدعی کے بیان کو اس کے لئے سند مانا ہے، خانگی مثل مشہور ہے: باطل است آنچہ مدعی گوید (باطل ہے وہ جو مدعی کہتا ہے۔ت) یہ بالکل شرع مطہر کے خلاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لویعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم[1]۔	اگر لوگوں کو ان کے دعوی کے مطابق دیا جائے تو البتہ کچھ لوگ دوسروں کے خون اور مال کا دعوی کردیں گے۔(ت)

(۲) اس بنائے باطل پر فیصلہ لکھا حکم شریعت ہے کہ جب طلاق کے متعلق ایک ذرا بھی ثبوت پہنچ جائے تو پھر کسی صورت میں بھی شریعت زن و شوہر کو باہم زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ محض غلط ہے شریعت نے ایک سے دو طلاق رجعی تک بلا تکلف زن و شوہر کو زندگی بسر کرنے کی اجازت دی ہے۔ اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے:

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ"[2]۔	طلاق دو مرتبہ ہے پھر اچھے طریقے سے روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے(ت)

بلکہ تین طلاق میں بھی یہ کہنا غلط ہے کہ اس کی اجازت کسی صورت میں نہیں، صورت حلالہ میں ضرور اجازت ہے، قرآن عظیم میں ہے:

"فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ"[3]۔	پھر اگر تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس (خاوند سابق) کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب الیمین علی المدعی علیہ قدیمی کتب خانہ پشاور ۲/ ۷۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

پھر یہاں تین طلاقوں کا ثبوت مان لینا بھی محض ناواقفی ہے دو گواہ اگر طلاق پر گواہی دیں اور وقت مختلف بتائیں تو اگرچہ یہ اختلاف طلاق میں کہ قول ہے موجب رد شہادت نہیں مگر اس کے یہ معنی ہیں کہ دونوں کی مجموعہ شہادت سے ایک طلاق ثابت ہوگی نہ یہ کہ جداجدا دو طلاقیں ثابت ہوں گی اور تین گواہ ہوں تو تین طلاقیں ثابت ہوجائیں یہ نرا بے اصل ہے کہ ان میں سے جداجدا کسی طلاق پر نصاب شہادت کامل نہ ہوئی اور کوئی طلاق تنہا ایک کی گواہی سے ثابت نہیں ہوسکتی۔ در مختار میں ہے:

نصابہا لغیرہا من الحقوق سواء کان الحق مالا اوغیرہ کنکاح وطلاق رجلان اورجل وامرأتان[1]۔	حقوق مذکورہ کے سوا دیگر حقوق کے لئے نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے چاہے وہ حق مال ہو یا غیر مال جیسے نکاح وطلاق (ت)

(۳) انجمن کے سامنے صرف دو گواہ گزرے ایک پیر محمد خدمتگار ہوٹل اوڈلینڈ دوسرا اختر علی اسی ہوٹل کا آبدار، خدمتگار ان ہوٹل جن کے متعلق شراب وخنزیر وغیرہا حرام ونجس اشیاء کاخریدنا بنانا پکانا کھلانا رہتا ہے ہرگز عادل شرعی نہیں ہوسکتے اور اگر بالفرض یہ لوگ ثقہ بھی ہوں تو اختر علی خود جیبین مدعیہ کا باپ ہے اور باپ کی گواہی اولاد کے حق میں مقبول نہیں تو پیر محمد اکیلا رہ گیا اور ایک کی گواہی مقبول نہیں، در مختار میں ہے:

لاتقبل(ای الشہادۃ)من الفرع لاصلہ وبالعکس للتہمۃ[2]۔	تہمت کی وجہ سے فرع کی گواہی اصل اور اس کے برعکس یعنی اصل کی گواہی فرع کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔ (ت)

بحرالرائق میں ولوالجیہ سے ہے:

تجوز شہادۃ الابن علی ابیہ بطلاق امرأتہ اذالم تکن لامہ اولضرتہا لانہا شہادۃ علی ابیہ وان کان لامہ او لضرتہا لاتجوز لانہا شہادۃ	بیٹے کی گواہی باپ کے خلاف کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے جائز ہے بشرطیکہ وہ گواہی اس کے بیٹے کی ماں یا اس کی سوکن کے حق میں نہ ہو کیونکہ یہ گواہی باپ کے خلاف ہے (نہ کہ اس کے حق میں جو ناجائز ہے) اور اگر وہ

[1] در مختار کتاب الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] در مختار کتاب الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۴

لامہ[1] الخ وقد بسط الکلام ویظھر بھذا ان ھذا ھو اصح مایعتمد علیہ لشھادۃ مسائل کثیرۃ منقولۃ عن الجامع الکبیر۔	گواہی بیٹے کی ماں یا اس کی سوکن کے حق میں ہو تو ناجائز ہے کیونکہ یہ شاہد کی شہادت اس کی ماں کے لئے ہوئی الخ۔ صاحب بحر نے اس پر مفصل کلام کیا اور اس سے ظاہر ہوا کہ یہی اصح اور شہادت کے بارے میں ان مسائل کثیرہ کے لئے معتمد علیہ ہے جو جامع کبیر سے منقول ہے۔(ت)

بالجملہ فیصلہ محض بے بنیاد ہے اور طلاق ہر گز ثابت نہ ہوگی ڈگری غلط دی گئی، ہاں اگر واقع میں شمس الدین نے حبیبین کو تین طلاقیں دی ہیں تو عورت اس پر حرام ہوگئی بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا، اللہ عزوجل جانتا ہے ہر ظاہر وپوشیدہ کو۔ اللہ سے ڈرے اور حق نہ چھپائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱: از ریاست رامپور کوچہ لنگر خانہ مرسلہ سراج الدین صاحب آہنگر ۱۰/رجب مرجب ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین اہل اسلام بیچ اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے جو بذات خود اپنے شوہر سے ناراض نہیں ہے اس کا باپ اس کے شوہر سے ناراض ہے اور اس کا باپ چاہتا ہے کہ شوہر اول سے چھڑا کر بجائے دیگر مالدار اس کا عقد کرادے۔ عورت اپنے باپ کے پاس اور اس کے قبضہ میں ہے اس کے باپ نے اس عورت کی طرف سے وکالتًا دعوی باطلہ اثبات طلاق کا عدالت میں دائر کردیا، اس مقدمہ میں بذات خود عورت کا بیان یا اظہار نہیں ہوا ہے، شوہر کو دینے طلاق سے قطعاً انکار ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو ہر گز ہر گز طلاق نہیں دی ہے، عورت کی طرف سے جو گواہان مسموع ہوئے ہیں وہ سب غیر ثقہ اور رشتہ دار اس کے باپ کے ہیں ان کی شہادت مصنوعی اور تعلیمی معلوم ہوتی ہے جس کے بابت عدالت نے جس کے روبرو ان کے اظہارات ہوئے ہیں تحریر کیا ہے کہ ان کے بیان میں وہم صدق بھی نہیں بلکہ گمان غالب کذب ہے، شوہر کے طرف سے جو گواہان بطلان دعوی طلاق میں پیش ہوئے ہیں وہ آدمی نیک ونمازی اور حاجی اور معززین اپنی قوم کے چودھری ہیں انہوں نے جو بیانات گفتگوئے صلح باہمی عورت اور اس کے پدر کی زبان کا بہت عرصہ بعد طلاق مبینہ کے لکھ لیا ہے اس سے وقوعہ طلاق غلط اور بے وجود ثابت ہوتا ہے اس لحاظ سے حاکم عدالت نے وقوعہ طلاق کو غیر ثابت قرار دیا ہے اب زوجہ کی طرف سے بناراضی اس حکم کے مرافعہ کیا گیا ہے ________

---

[1] بحرالرائق کتاب الشہادات باب من تقبل شہادتہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۸۰۔۸۱

________ چونکہ یہ معاملہ نہایت نازک حلت وحرمت کا ہے لہٰذا حاکم عدالت کو بحال رکھنا فیصلہ حاکم عدالت اول کا اولٰی ہے یا واقعہ طلاق کو حسب پیروکاران عورت ثابت قرار دینا اولٰی ہے شرعًا اولویت ہر دو امر سے کس میں ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس مقدمہ میں نقول تجویزات ابتدائی واپیل نظر سے گزری جلیل القدر مفتی ذی علم مجوز اول نے اس بناپر کہ گواہان طلاق عادل نہیں اور حاکم کو ان کی تحری صدق نہ ہوئی بلکہ وہم صدق بھی نہ ہوا اور ان کے کذب کا ظن غالب ہوا اور ایسے گواہوں میں تاوقتیکہ تحری صدق نہ ہو ان کی شہادت پر عمل حرام ہے اگر قاضی عمل کرے خود آثم وفاسق و مستحق عزل ہوگا دعوی طلاق باطل فرمادیا، محکمہ اپیل نے وہ حکم اس بناپر منسوخ کیا کہ شہادتیں حلفیہ تھیں اور روبکار ریاست سے ثابت ہے کہ محض اس وجہ پر کہ گواہ مستور ہیں ان کی شہادت کو مسترد نہ کیا جائے گا کہ گواہ کا تزکیہ صرف بذریعہ حلف کافی ہے نیز اس کی یہ تائید پیش کی کہ پدر مدعیہ نے قسم ایسی بحوالہ قرآن شریف لرز کر کھائی کہ مدعا علیہ کچھ بول نہ سکا، یہ دونوں تجویزوں کا خلاصہ ہے، دارالافتاء شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت گار ہے حکم اللہ ورسول کے لئے ہے "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ"[1] (نہیں ہے حکم مگر اللہ کے لئے۔ت) کسی شخص کو جب کہ مسلمان ہو، رعیت ہو خواہ حاکم وافسر، والی ملک ہو خواہ سلطان ہفت کشور، حکم خدا ورسول کے حضور اصلًا مجال دم زدن نہیں، الاسلام گردن نہادن نہ کہ گردن کشیدن (اسلام گردن جھکانے کا نام ہے نہ کہ گردن کھینچنے کا۔ت) اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۳۶﴾"[2]	کسی مسلمان مرد یا عورت کو نہیں پہنچتا کہ جب اللہ ورسول کوئی حکم فرمادیں توانہیں اپنا ذاتی کوئی اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ ورسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑا۔

شریعت محمدیہ علٰی صاحبہا وآلہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ شریعت ابدیہ غیر منسوخہ ہے قیامت تک جس کا کوئی حکم بدلا نہیں جاسکتا، سلطان بلکہ سلطان سے بھی بڑھ کر خلیفہ روئے زمین کو اصلًا اختیار نہیں کہ روبکار یا دستور العمل اس کے کسی حکم کے خلاف نافذ کریں، نہ ہر گز حکام کو حلال ہے کہ ایسے روبکار وغیرہ پر

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۶

عمل کریں، نہ ہر گز حاکمان مرافعہ کو جائز ہو سکتا ہے کہ ایسے کسی حکم کو برقرار رکھیں، مسلمان حاکم یا رئیس یا سلطان کیونکر ان سخت جانگزا وعیدوں کو سہو ومحو کرسکتے ہیں، جو واحد قہار عزجلالہ نے قرآن عظیم میں "مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ"[1] (جو اللہ تعالٰی کے نازل کئے ہوئے پر فیصلہ نہ کرے۔ت) پر فرمائی ہیں، شریعت مطہرہ کے حکم سے **اولا** مفتی محکمہ ابتدائی کا وہ حکم سرے سے قابل اپیل ہی نہ تھا محکمہ ججی پر لازم تھا اپیل سنتا ہی نہیں کہ وہ حکم ایک عام حاکم عالم عادل نے کیا تھا اور ایسے حکم کا مرافعہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب اس سے یقیناً حکم میں خطائے بین واضح ظاہر واقع ہوئی ہو جس میں اصلاً جائے تردد نہیں یہاں تک کہ اگر اس کا حکم خطا ہونا محتمل ومشکوک ہو جب بھی اپیل مسموع نہیں کہ احتمال خطا ظہور خطا نہیں نہ کہ حکم صاف صواب مطابق شرع واقع ہو پھر اپیل کی جائے ایسی اپیل زنہار قابل سماعت نہیں، معین الحکام میں ہے:

القاضی نظرہ فی احکام غیرہ مختلف،فاما العالم العدل فلا یعترض لاحکامہ بوجہ قال ابوحامد علی القاضی ان لایتعرض لقضیۃ امضاھا الاول الاعلی وجہ التجویز لھا ان عرض فیھا عارض بوجہ خصومۃ، فاما علی وجہ الکشف لھا والتعقیب فلا وان سألہ الخصم ذٰلک،وھذا فیما جھل حالہ من احکامہ ھل وافق الحق اوخالفہ فھذا الوجہ الذی نفی عنہ الکشف والتعقیب الا ان یظھر لہ خطابین ظاھر لم یختلف فیہ وثبت ذٰلك عندہ فیردہ ویفسخہ عن المحکوم بہ علیہ[2]۔	قاضی کا دوسرے قاضی کے فیصلوں پر نظر کرنا مختلف فیہ ہے لیکن عالم عادل قاضی کے فیصلوں میں کسی طرح تعرض نہیں کیا جائیگا۔ابوحامد نے کہا قاضی پر واجب ہے کہ وہ کسی ایسے فیصلہ کا تعرض نہ کرے جسے قاضی اول نافذ کرچکا ہے، ہاں اس فیصلہ کو جائز قرار دینے کے لئے تعرض کرے گا جبکہ بطور خصومت اس فیصلہ کو کوئی عارضہ لاحق ہو، لیکن بطور تفتیش ومواخذہ اس کا تعرض نہیں کرسکتا اگرچہ فریق مخالف اس کا مطالبہ کرے،اور یہ اس صورت میں ہے جب قاضی اول کے فیصلے کا حال مجہول ہو کہ وہ حق کے موافق ہے یا مخالف اور تفتیش ومواخذہ کی نفی کا تعلق بھی اسی صورت کے ساتھ ہے مگر جب قاضی اول کے فیصلہ میں کھلم کھلا خطا ہو جس میں کسی کو اختلاف نہ ہو اور قاضی ثانی کے ہاں وہ پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ قاضی اول کے فیصلہ کو منسوخ اور محکوم بہ سے اسے رد کرسکتا ہے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

[2] معین الحکام کتاب القضاۃ فصل فی نقض القاضی احکام غیرہ مصطفی البابی مصر ص ۳۰

اسی میں ہے:

قیام المحکوم علیہ بطلب الحکم عنہ ان کان قیامہ علی القاضی العالم العادل لم تسمع دعواہ[1]۔	محکوم علیہ اگر اپنے خلاف فیصلہ کی منسوخی کا مطالبہ کرے تو عالم عادل قاضی کے خلاف اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔(ت)

فواکہ بدریہ پھر غمز العیون قاعدہ اولٰی نوع ثانی میں ہے:

قضاء القاضی العدل لایتعقب ویحمل حالہ علی السداد بخلاف غیرہ[2]۔	عادل قاضی کے فیصلہ پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور اس کے حال کو درستگی پر محمول کیا جائے گا بخلاف غیر عادل قاضی کے۔(ت)

ثانیًا: گواہوں پر حلف رکھنا **اول:** تو خود ہی باطل ہے یہاں تک کہ ہمارے علمائے کرام نے فرمایا اگر سلطان قاضیوں کو گواہوں سے حلف لینے کا حکم دے علماء پر فرض ہے کہ اسے نصیحت کریں کہ اے بادشاہ! وہ حکم نہ دے کہ نہ مانیں تو تیرا غضب ہو اور مانیں تو اللہ عزوجل کا غضب۔ اشباہ والنظائر و درمختار میں ہے:

وھذا نظم الدر، امر السلطان انما ینفذ اذا وافق الشرع والافلا، اشباہ من القاعدۃ الخامسۃ وفوائد شتی، فلو امر قضاتہ بتحلیف الشھود وجب علی العلماء ان ینصحوہ یقولوا لہ لاتکلف قضاتك الی امر یلزم منہ سخطك او سخط الخالق تعالٰی[3]۔	یہ در کی عبارت ہے کہ امر سلطان اسی وقت نافذ ہوگا جب موافق شرع ہو ورنہ نہیں، اشباہ کے پانچویں قاعدے اور فوائد متفرقہ میں ہے کہ اگر سلطان اپنے قاضیوں کو گواہوں سے حلف لینے کا حکم دے تو علماء پر واجب ہے کہ اس کو نصیحت کریں اور کہیں کہ تو اپنے قاضیوں کو ایسی چیز کا مکلّف مت بنا جس سے تیری (بصورت ترک) یا اللہ تعالٰی کی (بصورت عمل) ناراضگی لازم آئے۔(ت)

ولہٰذا علامہ محقق علی مقدسی نے تہذیب کا کلام آئندہ نقل کرکے رد فرمایا۔ منحۃ الخالق

---

[1] معین الحکام کتاب القضاۃ فصل فی قیام المحکوم علیہ بطلب فسخ الحکم عنہ مصطفی البابی مصر ص ۳۴

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۲

[3] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

میں ہے:

قال العلامة المقدسی بعد ذکر مافی التھذیب لا یخفی انه مخالف لما فی الکتب المعتمدة[1]۔	علامہ مقدسی نے تہذیب کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا مخفی نہ رہے کہ یہ کتب معتمدہ کی تصریحات کے مخالف ہے۔ (ت)

دوم بعض متاخرین کہ برخلاف مذہب اس طرف گئے وہ اسے قاضی مجتہد کی رائے پر رکھتے ہیں اور اب صدہا سال سے کوئی قاضی مجتہد نہیں، ابوالسعود ازہری پھر طحطاوی علی الدر پھر ردالمحتار میں ہے:

نقل عن الصیرفیة جواز التحلیف وھو مقید بما اذا راٰہ القاضی جائزا ای بان کان ذا رأی اما اذا لم یکن له رأی فلا[2]۔	صیرفیہ سے منقول ہے کہ گواہوں سے حلف لینا جائز ہے، یہ جواز مقید ہے اس صورت کے ساتھ کہ قاضی اس کو جائز سمجھے جبکہ قاضی اہل رائے ہو اور اگر وہ اہل رائے نہ ہو تو حلف مذکور جائز نہ ہوگا۔ (ت)

شامی میں ہے:

والمراد بالرأی الاجتھاد[3]۔	رائے سے مراد اجتہاد ہے۔ (ت)

سوم اس سے بھی قطع نظر ہو تو ان بعض کا برخلاف مذہب اس طرف میل اس ضرورت سے تھا کہ حلف کے سبب حاکم کو ان کے صدق پر غلبہ ظن حاصل ہو، بحر میں تہذیب قلانسی سے ہے:

فی زماننا لما تعذرت التزکیة بغلبة الفسق اختار القضاة کما اختار ابن ابی لیلی استحلاف الشھود لغلبة الظن[4]۔	ہمارے زمانے میں چونکہ فسق کے غلبہ کی وجہ سے گواہوں کا تزکیہ متعذر ہوگیا ہے لہٰذا غلبہ ظن کے حصول کے لئے قاضیوں نے گواہوں سے حلف لینے کو اختیار کیا جیسا کہ ابن ابی لیلٰی کا مختار ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ یہ ان متاخرین کے زمانے تک تھا جب تک جھوٹے حلف سے مستور لوگ پرہیز کرتے تھے

---

[1] منحة الخالق علی البحر الرائق کتاب الشھادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۶۳
[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۴
[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۴
[4] بحر الرائق کتاب الشھادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۶۳

خصوصًا پرائے لئے، اور اس زمانے میں جھوٹے حلف ایک بات ہوگئے لاکھوں کی گنتی پر ہوں گے جو روپے دو روپے بلکہ اس سے بھی کم پر بلکہ نری خاطر دوستی یا فریق ثانی سے ادنٰی رنجش یا کسی خفیف بے معنی غرض کے لئے حلف کے پھنکے اڑاتے ہیں تو وہ ضرورت جس کے لئے مذہب سے عدول ہوتا ہو اصلًا مندفع نہیں، اب یہیں دیکھئے کہ یہ گواہیاں حلفی تھیں اور تجربہ کار دانا ذی علم مجوز کو غلبہ وظن صدق درکنار وہم صدق بھی نہ ہوابلکہ غلبہ ظن کذب ہی رہا، ہر عاقل جانتا ہے کہ اب اگر صرف حلف گواہان کو قائم مقام تزکیہ مانا جائے تو ہزاراں ہزار دروازہ ظلم کھل جائیں لوگ چار چار آنے کے دو گواہ حلفی گزار کر مخلوق کی جائدادیں لے جائیں جو روئیں چھین لیں وہ فساد اٹھے جس کا بیان ناممکن ہو تو اب اس قول مرجوح بلکہ مخالف اجماع مذہب کے طرف میل باطل محض وخرق اجماع وجہل صرف تو تھا ہی کہ درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[1] ۔	قول مرجوح پر فیصلہ اور فتوٰی دینا جہل اور خلاف اجماع ہے۔ (ت)

فتح ابواب ظلم وقطع گردن مظلومان بھی ہوگا ولا یرضاہ من لہ عقل ودین (کوئی عاقل اور دیندار اس کو پسند نہیں کرتا۔ت) سائل اولیت پوچھتا ہے کہ فیصلہ اول بحال رکھنا اولٰی ہے یا طلاق ثابت قرار دینا، اولویت کیسی، حاکم مرافعہ اولٰی کہ شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اطاعت چاہے اور احکم الحاکمین جل جلالہ کے دربار میں اپنی حاضری وبازپرس سے ڈرے اس پر لازم فرض ہوگا کہ حکم ججی کو منسوخ اور فیصلہ اولٰی کو بحال کرے۔ رہی وہ تائید کہ پدرمدعیہ نے لرز کر حلف کیا اور مدعا علیہ نہ بولا ایسی بات ہے جسے نہ شرع سے تعلق نہ علم سے لگاؤ۔ پدر مدعیہ یہاں خود مدعی مخاصم ہے مدعی کا حلف اگر سن لیا جائے تو ہر جھوٹا جیتے اور حق وانصاف کے گلے کا تسمہ نہ لگا رہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال و اموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ[2] رواہ الشیخان عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔	اگر لوگوں کو ان کے دعوی کے سبب سے دیا جائے تو کچھ لوگ دوسروں کے خون اور مال کا دعوی کرینگے لیکن قسم مدعی علیہ پر ہے۔ اس کو شیخین نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[2] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب الیمین علی المدعی علیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴، صحیح البخاری کتاب التفسیر باب قولہ تعالٰی ان الذین یشترون بعھداللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۵۳

ریاست اسلامی کے حکام پر لازم ہے کہ احکام اسلام ہی کا اتباع کریں اللہ تعالٰی توفیق دے، آمین۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲: مسئولہ ابو محمد یوسف حسین متعلّم مدرسہ اسلامیہ ساپور ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۳۳ھ شنبہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوگیا اس کی بیوی اور بھائی عمرو موجود ہیں، ہندہ نے جائداد کا دعوی کیا ہے، عمرو یہ ثابت کرتا ہے کہ نکاح نہیں ہوا، ہندہ کی طرف سے نلح نے شہادت دی ہے کہ میں نے نکاح پڑھا ہے، اور ہندہ کی بہن فاطمہ نے بھی شہادت دی ہے کہ نکاح ہوا، شاہدین انکار کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ عمرو کے ملازم ہیں، مگر بہت سے لوگ جن سے زید نے اپنے نکاح کا اقرار کیا ہے شہادت دیتے ہیں کہ ہم سے زید نے نکاح کا اقرار کیا ہے، ایسی صورت میں ہندہ مستحق جائداد ہے یانہیں؟ فتح القدیر میں ایک صورت درج ہے جو تحریر کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائی جائے اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شہادت علی اقرار الزوج معتبر ہے:

واذاجحد احد الزوجین النکاح فاما اصلہ او شرطہ ففی اصلہ لوجحد الزوج فاقامت بینۃ بہ او علی اقرارہ قبلت ولایکون جحودہ طلاقا[1]۔ فتح القدیر ص ۱۵اس ۱۳ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔	اگر زوجین میں سے کوئی اصل نکاح یا شرط نکاح کا انکار کردے تو اصل کی صورت میں اگر زوج منکر ہے اور زوجہ نے نکاح پر یا شوہر کے اقرار پر گواہ قائم کردئے تو ان کی گواہی قبول کرلی جائے گی اور شوہر کا انکار طلاق نہ ہوگا۔ (ت)

امید کہ جواب براہ کرم جلد مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب:

نکاح پڑھانے والے کی گواہی مذکور معتبر نہیں لانہا شہادۃ علی فعل نفسہ وشہادۃ المرء علی فعل نفسہ لاتقبل[2] کما فی خزانۃ وغیرہا (کیونکہ یہ اپنے ہی فعل پر گواہی ہے اور کسی شخص کی گواہی اس کے اپنے فعل سے قبول نہیں کی جاتی جیسا کہ خزانہ وغیرہ میں ہے۔ت) اور بہن تنہا شاہد ہے بلکہ نصف، البتہ اقرار زوج پر اگر دو شاہد قابل قبول گواہی دیتے ہیں تو کافی ہے کہ وارثان زوج قائم مقام زوج ہیں اور اقرار زوج زوج پر حجت اور اس کے لئے عبارت مذکور فتح القدیر کفایت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتح القدیر کتاب النکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۱۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشہادات فصل ومن الشہادۃ الباطلۃ الخ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۴۳

مسئلہ ۲۳: از احمد آباد گجرات محلّہ چھیپان پانچ پیپلی مکان چھیپان سلطان جی علی جی کوڑے والے مسئولہ پیرزادہ غلام نبی صاحب ۱۷/رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں کہ ان دنوں شہر ناگور ضلع جودھپور مارواڑ میں ایک انجمن کمیٹی مدرسہ اسلامیہ حمیدیہ کے نام سے مقرر ہوئی جس میں ممبران ومنتظمان بازار کے بیٹھنے والے مثل دکاندار کفن وخوشبو فروش برائے مردہ ودلال ہیں ان کی شہادت شرع شریف کے نزدیک مقبول یا باطل، اور ایسے اشخاص قابل ممبر مدرسہ ہوسکتے ہیں یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہمارے بلاد میں کوئی پیشہ ور صرف کفن فروشی پر قناعت نہیں کرتا بزاز کپڑا بیچتا ہے اسی سے کفن بھی لیا جاتا ہے اسی سے شادی کے کپڑے اسی سے روزانہ پہننے کے۔ یونہی کوئی خاص حنوط فروش بھی نہیں کافور وغیرہ عام کاموں کے لئے جن دکانوں سے ملتے ہیں انہیں سے اس کے لئے بھی حاصل کئے جاتے ہیں اس کی وجہ سے ان کی شہادت میں کوئی فرق نہیں آسکتا ہاں دلال کا کام وکلاء کی طرح جھوٹ سچ ملانا ہے اور ان کی گواہی ضرور مردود، اور انہیں کسی جلسہ دینیہ کا منتظم بنانا نہ چاہئے۔ اسی طرح وکلاء مختار وغیرہم تمام ان لوگوں کو جن کے پیشے یا دیگر افعال علانیہ فسق ہوں جیسے داڑھی منڈانا وغیرہ۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لانہ فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ فاسق کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے جبکہ مسلمانوں پر ان کی توہین شرعًا واجب ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] تبیین الحقائق باب الامامۃ والحدیث فی الصلٰوۃ مطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

کتاب القضاء والدعاوی

(قضاء اور دعوٰی کا بیان)

مسئلہ ۲۴: از رام پور ۱۳/ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ لاولد فوت ہوئی، بعد وفات ہندہ کے زید اجنبی اپنے آپ کو شوہر ہندہ ظاہر کرتاہے اور ثبوت دعوٰی میں دو مرد اور دو عورتیں پیش کرتا ہے، مردوں کا یہ بیان ہے کہ ہندہ نے جو ہم سے پردہ کرتی تھی پردے کے اندر سے نکاح خواہ کو جو باہر بیٹھا تھا اجازت دی کہ میرا نکاح زید کے ساتھ پڑھادو، مسماۃ مکان کے اندر اور ہم سب لوگ صحن میں باہر بیٹھے تھے، عورتوں کا بیان ہے کہ ہم مسماۃ ہندہ کے قریب بیٹھے تھے مسماۃ متوفیہ نے نکاح کا خود اقرار کیا تھا، اس صورت میں دعوٰی زید کا ثابت ہوا یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر گواہان مذکور کا بیان صرف اسی قدر ہے جو سائل نے تحریر کیا تو وہ شہادتیں محض ناکافی و بیکار ہیں قطع نظر بہت وجوہ خلل ونقصان کے دونوں مردوں کی گواہی اثبات زوجیت سے متعلق ہی نہیں، نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا نہ یہی بیان کرتے ہیں کہ وہ اس کی زوجہ تھی بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ ہندہ نے فلاں کو اپنے نکاح کا وکیل کیا اس سے اگر ثابت ہوگی تو اس کی وکالت، اور وکالت مستلزم وقوع تزویج نہیں **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) تو دعوائے مدعی وبیان گواہان اصلاً مطابق

نہیں، اور قاعدہ کلیہ ہے کہ ایسی شہادت محض مہمل ہوتی ہے۔

فی الفتاوی الهندية والخيرية وغيرهما الشهادة ان وافقت الدعوی قبلت والالا[1]۔	فتاوٰی ہندیہ وخیریہ وغیرہما میں ہے شہادت جب دعوٰی کے موافق ہو قبول ہے ورنہ نہیں۔(ت)

رہیں دونوں عورتیں ان کا بیان بھی اگر اور وجوہ سے سالم مان لیا جائے تو یوں نامقبول ہے کہ نصاب کامل نہیں تنہا عورتوں کی گواہی ہرگز مثبت نکاح نہیں ہوسکتی،

فی الدرالمختار نصابها لغيرها من الحقوق كنكاح رجلان اورجل وامرأتان ولم تقبل شهادة اربع بلا رجل اھ[2] ملخصًا، والله تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے: شہادت کا نصاب حقوق وغیرہ مثلاً نکاح میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، اور مرد کے بغیر چار عورتوں کی شہادت مقبول نہیں اھ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵: ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چھوٹا سا کوچہ غیر نافذہ چند قدم کی مسافت کا جس میں گنتی کے گھر ہیں، شارع عام سے مغرب کی طرف جاکر شمال پھر مغرب پھر شمال کو گیا اور سربستہ ہوگیا اس کوچہ کے سرے پر زید کا مکان واقع ہے جس کی شرقی دیوار میں شرق رویہ دروازہ شارع عام کے قریب ہے اور اس کے آگے چند گز کا صحن جس سے اترتے ہی شارع عام کا کنارہ ہے اس مکان کی جنوبی ومغربی دیواریں اس کوچہ غیر نافذہ میں ہیں زید نے دیوار جنوبی میں ایک جدید دروازہ کوچہ سربستہ کی طرف نکالا اور اس کے آگے خاص اس راستے کی زمین میں ایک سیڑھی دروازہ پر جانے کو بنائی بعض ساکنان کوچہ اس فعل پر ناراض ہیں آیا یہ دروازہ نکالنا اور سیڑھی بنانا اسے جائز تھا یا ناجائز، اور وہ اس فعل سے گنہگار ہوا یا نہیں اور اس نے حق غیر میں ناحق تصرف کرکے ظلم کیا یا نہیں اور اس سیڑھی کا کھود ڈالنا اور دروازے کا بند کردینا شرعًا اس پر واجب ہے یا نہیں؟ اور ایسے تصرف کے جائز ہونے کے لئے تمام ساکنان کوچہ کی رضامندی چاہئے یا اکثر کی رضا کافی ہے اگرچہ بعض ناراض ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب السابع فی الاختلاف نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۹۴

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۹۱
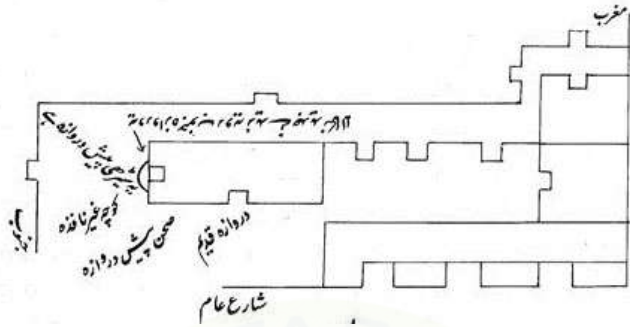
الجواب:

بیشک صورت مستفسرہ میں زید نے ظلم کیا اور سخت گناہ میں مبتلا ہوا، اس کی جنوبی دیوار سے ختم کوچہ تک جو راستہ گیا ہے وہ صرف ان لوگوں کا حق خاص ہے جو اندر رہتے ہیں زید کا اس میں کچھ دعوٰی نہیں اس کا حق مرور فقط اس کی شرقی دیوار سے اوپر اوپر یعنی شارع عام کی طرف ہے اس کے نیچے یعنی اپنے دروازہ و صحن دروازہ کی حد سے اندر اتر کر نیا دروازہ نکالنے کا اسے کوئی استحقاق نہیں۔ فتاوٰی امام قاضیخان میں ہے:

رجل له دار فی سکة غیر نافذة لها باب اراد ان یفتح لها بابا اٰخر اسفل من بابها اختلفوا فیه والصحیح انه لیس له ذٰلک[1]۔	کسی شخص کا بند گلی میں مکان ہو اور اس کا دروازہ بھی اس میں ہو اگر وہ دوسرا دروازہ نچلی طرف کھولنا چاہے تو فقہائے کرام نے اس میں اختلاف کیا اور صحیح یہ ہے کہ اس کو یہ حق نہیں ہے۔ (ت)

امام خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار اپنے فتاوٰی خیریہ میں یہ عبارت نقل کرکے فرماتے ہیں: مثله فی کثیر من کتب المذهب[2] (بہت سی کتب میں حکم ایسے ہی ہے۔ ت) اسی میں ہے:

ونقل فی التتارخانیة عن الفتاوٰی العتابیة انه لیس له ذٰلك وعلیه الفتوٰی[3]۔	اور تاتارخانیہ میں فتاوٰی عتابیہ سے منقول ہے کہ اس کو یہ حق نہیں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الصلح باب فی الحیطان نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۱۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدیات فصل فی الحیطان دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۳

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الدیات فصل فی الحیطان دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۳

اسی میں ہے:

المتون علی المنع وھو ظاہر الروایۃ کما صرح بہ فی جامع الفصولین فلیکن المعول علیہ[1]۔	متون منع پروارد ہیں اور یہی ظاہر روایت ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں اس کی تصریح ہے اور اسی پر اعتماد چاہئے۔ (ت)

اور خاص راستے کی زمین میں سیڑھی بنانا اور زیادہ ظلم اشد وگناہ عظیم ہے جب دروازہ نکالنا ناجائز ہوا حالانکہ وہ اپنی دیوار میں ایک عمارت تھی راستے کی زمین اس میں نہ دبتی تھی تو خاص پرائے حق کی زمین میں تعمیر کیونکر حلال ہوسکتی ہے یہاں تک کہ علماء تصریح فرماتے ہیں اگر اس فعل سے اس کوچے والوں کا کوئی حرج بھی نہ ہو جب بھی ناجائز ہے، ہدایہ میں ہے:

لیس لاحد من اھل الدرب الذی لیس بنافذ ان یشرع کنیفا ولامیزابا الا باذنھم لانھا مملوکۃ لھم ولھذا وجبت الشفعۃ لھم علٰی کل حال فلا یجوز التصرف اضربھم اولم یضر الا باذنھم[2]۔	بند گلی والوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ بیت الخلاء یا پرنالہ گلی والوں کی مرضی کے بغیر باہر نکالے کیونکہ یہ گلی ان سب کی مشترکہ ملکیت ہے اسی اشتراک کی بناپر ان سب کو ہر حال میں شفعہ کا حق ہے لہٰذا کوئی ضرر رساں تصرف ان کی مرضی کے بغیر وہاں جائز نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فی غیرالنافذ لایجوز ان یتصرف باحداث مطلقًا اضربھم اولا الا باذنھم[3]۔	بند کوچہ والوں میں سے کسی کو باقیوں کی اجازت کے بغیر ایسا تصرف کرنے کا مطلقًا حق نہیں جوان کے لئے ضرررساں ہو یانہ ہو (ت)

اور اس قسم کا تصرف جائز ہونے کو ایک ایک ساکن کوچہ کی رضامندی درکار ہے اکثر کی رضا ہرگز کافی نہیں یہاں تک کہ اگر سو میں ایک بھی ناراض ہے تو ہرگز جواز نہیں حتی کہ اگر سب نے راضی ہو کر اجازت دے دی پھر ان میں ایک نے اپنا مکان بیچ ڈالا تو اب مشتری کو اختیار ہے کہ مزاحمت کرے اور ازالہ کرادے اگرچہ پہلے سب اہل کوچہ راضی ہوچکے تھے، ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدیات فصل فی الحیطان دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۳

[2] الہدایۃ کتاب الدیات باب مایحدثہ الرجل فی الطریق مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۹۷

[3] درمختار کتاب الدیات باب مایحدثہ الرجل فی الطریق مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹۹

قولہ الاباذنھم ای کلھم حتی المشتری من احدھم بعد الاذن لما فی الخانیۃ رجل احدث بناء او غرفۃ علی سکۃ غیر نافذۃ ورضی بھا اھل السکۃ فجاء رجل من غیر اھلھا واشتری دارا منھا کان للمشتری ان یامر صاحب الغرفۃ برفعھا اھ سائحانی[1]۔	ماتن کا قول "ان کی اجازت کے بغیر" یعنی سب کی اجازت حتی کہ اجازت کے بعد اگر کسی نے وہاں مکان خریدا تو اس کی اجازت بھی ضروری ہے، خانیہ میں ہے کسی نے بند کوچہ میں کوئی تعمیر یا کھڑکی بنائی اور کوچہ والوں نے رضامندی ظاہر کردی ہو تو باہر سے آئے ہوئے ایک آدمی نے اس کوچہ میں کوئی مکان خریدا تو خریدار کو اب حق ہے کہ وہ کھڑکی والے کو بند کرنے پر مجبور کرے اھ سائحانی (ت)

بالجملہ زید پر شرعًا واجب ہے کہ فورًا اس دروازے کو بند کرکے بطور قدیم دیوار کرلے اور سیڑھی کا نام ونشان باقی نہ رکھے ورنہ سخت وعید شدید کا مستحق ہوگا، صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیمۃ الی سبع ارضین[2]۔	جو کسی قدر زمین ناحق لے لے قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقے تک دھنسادیا جائے گا۔

حکم بن حارث سلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ من طریق المسلمین شبرا جاء یوم القیمۃ یحملہ من سبع ارضین۔ اخرجہ الضیاء والطبرانی[3] باسناد حسن۔	یعنی جو شخص مسلمانوں کے راستے میں سے ایک بالشت بھر دبالے قیامت کے دن وہ زمین وہاں سے لے کر ساتویں طبقے تک اٹھا کر اسکی گردن پر رکھی جائے گی اور اسی طرح خدا تعالٰی کے حضور حاضر ہوگا والعیاذ باللہ تعالٰی (اسے ضیاء اور طبرانی نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا۔ ت)

زید کو چاہئے من دو من ڈھیلے گردن پر چنوا کر دیکھے اگر نہ اٹھ سکیں تو سمجھ لے کہ ساتوں طبقے کا اتنا بڑا ٹکڑا کیونکر اٹھا کر چلا جائے گا۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو نیک توفیق عطا فرمائے۔ آمین! واللہ سبحانہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الدیات باب مایحدثہ الرجل فی الطریق وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۸۱

[2] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب اثم من ظلم شیئا من الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۳۳۲

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۳۱۷۲ المتکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳ /۲۱۵

وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (اللہ تعالٰی بڑے علم والا ہے اور اس جل مجدہ کا علم اتم واحکم ہے۔ت)

مسئلہ ۲۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین متین زادھم اللہ شرفا اس صورت میں کہ مسماۃ راحت النساء ہمشیرہ محمد عیوض علی خان کی میر ارشد علی کے نکاح میں اور مسماۃ مہر النساء ہمشیرہ میر ارشد علی کی محمد عیوض علی خان کے نکاح میں تھی ہر دو زوج وزوجات نے بدون ادائے دین مہر کے وفات پائی اب ورثہ ہر دو زوجات دین مہران کا ان کے شوہروں کے متروکہ سے طلب کرتے ہیں ورثہ مسماۃ راحت النساء ہمشیرہ محمد عیوض علی خان فریق مقابل سے کہتے ہیں کہ دین مہر ہماری مورثہ کا تمہارے مورث پر اور تمہاری مورثہ کا ہمارے مورثہ پر ہے اول ان دونوں مہروں کا باہم معاوضہ اور مبادلہ کرلیاجائے بعد معاوضہ اور مبادلہ کے جس فریق کے جس قدر باقی نکلے وہ نقدًا ادا کی جائے اور جو نقدًا ادا نہ ہوسکے تو جائداد باقی دار سے مطالبہ کیا جائے، درجواب اس کے ورثہ مسماۃ مہر النساء ہمشیرہ میر ارشد علی کہتے ہیں کہ جو جائداد محمد عیوض علی خان پر بعوض دین مہر اپنے موروثہ کی ہم نے قبضہ کرلیا ہے ہم وہی جائداد دیں گے اور مقابلہ اور معاوضہ دین بالدین نہیں کریں گے دریں صورت از روئے شرع شریف حق بجانب کس فریق کے ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس حالت میں مہر زر نقد ہے اور جائدا اس کی جنس سے نہیں پس ورثہ مہر النساء جائداد پر قابض ہونے سے بے رضائے ورثہ راحت النساء اس کے مالک نہ ہوگئے ہر دو مہر باہم مقاص ہو کر اگر ایک کا مہر زائد ہو مابقے کی نسبت دوسری عورت کے ورثہ کو اختیار ہے خواہ زر نقد دیں یا جائداد سے ادا کریں،

فی بحث الدین من الاشباہ والنظائر وایفاؤہ و استیفاؤہ لایکون الابطریق المقاصۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ[1] الخ وفی مبحث الملك منہ وللوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا[2] قال العلامۃ حموی	اشباہ ونظائر کے دین کے باب میں ہے کہ اس کا پورالین دین سوائے ادل بدل کے جائز نہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں الخ، اور اس پر ملک العلماء کی بحث میں ہے وارث کو حق ہے کہ وہ قرضہ ادا کرکے ترکہ کی خلاصی کرائے اگرچہ وہ تمام ترکہ قرضے میں بند ہو۔ علامہ حموی نے اس پر

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۵

تحت قولہ ولاینفذ بیع الوارث الترکۃ المستغرقۃ بالدین وانما یبیعہ القاضی اقول: ینبغی ان یکون البیع بحضرۃ الورثۃ لمالھم من حق امساکھا وقضاء الدین من مالھم [1] الخ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب و الیہ تعالٰی المرجع والمآب۔	فرمایا: اور وارث کا ایسے ترکہ کو فروخت کرنا جو تمام کا تمام قرض میں بند ہے جائز نہیں اس کو صرف قاضی فروخت کرے گا۔ میں کہتا ہوں وارثوں کی موجودگی میں فروخت کرنا مناسب ہوگا کیونکہ ان کو حق ہے کہ وہ ترکہ کو روک لیں اور قرض خود ادا کریں الخ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ تعالٰی المرجع والمآب۔ (ت)

مسئلہ ۲۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے آپ کو بنت لیلٰی اور دختر زید کہا کہ اور تمام کاغذات میں اور دستاویزات میں ہمیشہ اپنا حسب یونہی لکھا اور زینب باوجود سکونت یک شہر ویک محلّہ وموافقت سالہا سال ہندہ کی کہ دونوں اسی حال پر سن رسیدہ ہوگئیں، اپنے آپ کو مجہول النسب کہتی اور کاغذات میں بنت نامعلوم لکھتی، اس بناء پر جب زینب نے سمجھا کہ اب موت قریب آئی اور میرے کوئی وارث شرعی نہیں چہارم نومبر ۱۸۶۸ء کو ہندہ واولاد ہندہ کے روبرو اپنی کل جائداد کی وصیت اپنی دختر منی اور مختار سربراہ کار کے نام کردی اور لکھ دیا کہ یہی دونوں بعد میرے میری کل جائداد کے مالک وارث ہوں گے، اس وصیت وتکمیل وصیت کے چند عرصہ بعد زینب نے بتاریخ ۱۹فروری ۱۸۷۰ء قضاء کی، اس کے انتقال کرتے ہی ایک شخص اجنبی نے براہ غصب اس تمام جائداد پر قبضہ کرلیا موصی لہا نے بربنائے وصیت دعوٰی کیا کہ بعد تنقیح تمام وہ وصیت بحکم شرع فتوائے علماء سے صحیح ونافذ وتام ولازم قرار پاکر ۱۱/ جنوری ۱۸۷۲ء کو حکام وقت کے یہاں سے وہ جائداد موصی لہا کو مل گئی یہ سب واقعات ہندہ واولاد ہندہ کے روبرو ہوئے لیکن کسی نے ترکہ زینب پر دعوٰی نہ کیا نہ اپنا کچھ استحقاق بتایا اوراس سے پہلے ماہ جون ۱۸۷۲میں حکام وقت کی طرف سے جائداد کو لاوارثی قرار دے کر دعوٰی یہی ہوا کہ محکمہ بالا سے اسی بناپر کہ پہلے سے کیوں نہ کہا تھا خارج ہوگیا، اس تحقیق وتنقیح اور لاوارثی ٹھہرانے اور دعوٰی دائر ہونے کے وقت بھی ہندہ اور اولاد ہندہ نے خبر نہ لی نہ اپنی وراثت کا ادعا کیا، جب موصی لہا کو جائداد ملی انہوں نے فوراً اس میں تصرفات مالکانہ شروع کردئے، نصف جائداد تو اسی وقت ایک شخص کو پیروی مقدمہ کے عوض میں دی کہ اس نے اوروں کے ہاتھ بیچ کر سب برابر کردی، نصف باقیماندہ پر بلامنازعت منازع خود

[1] غمز عیون البصائر الفن الثالث، القول فی الملك ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۵

قابض ومتصرف رہی بلامزاحم اس کے تحصیل تشخیص کرتے اور اپنے صرف خاص میں لاتے اور ان سب امور پر بھی ہندہ واولاد ہندہ کو خوب اطلاع تھی کہ وہ سب اسی شہر میں حاضر موجود تھے نہ کہ غائب ومفقود، بلکہ اسی عرصہ میں موصی لہانے اس نصب باقیماندہ سے بھی چند دیہات بیچ ڈالے کہ اب معدود باقی ہیں اور جب سے مشتریان تصرفات مالکانہ کرتے ہیں ہندہ واولاد ہندہ نے تصرف بیع وانتقال کے وقت بھی کبھی دعوی نہ کیا یہاں تک کہ ۱۳/ اکتوبر ۱۸۷۹ء کو ہندہ فوت ہوگئی ورثہ ہندہ اس کے مرے پر بھی دو سال سے زیادہ تک محض ساکت رہے اب باغوائے بعض مردان ۱۹ فروری ۱۸۸۲ کو موصی لہا پر بریں بنا دعوی دائر کیا کہ زینب موصیہ اور مدعیوں کی ماں ہندہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں ہندہ زینب کی وارث ہوئی اور ہم ہندہ کے ورثاء ہیں اور اظہار کرتے ہیں کہ ہندہ زینب کو اپنی بہن کہتی ہے اور شاید بعض دستاویزیں بتائیں کہ ان میں ہندہ بہن اور ہم ہمشیر زادہ لکھے گئے، آیا یہ دعوی ان کا شرعًا قابل سماعت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دعوی مدعیان ہرگز قابل سماعت نہیں، نہ کوئی ٹکڑا جائداد کا موصی لہا سے انہیں دلایا جائے نہ اب اس وصیت کے نفاذ ولزوم میں کلام ہوسکے، ہندہ اور ورثائے ہندہ کا اس مدت مدید تک سکوت اور باوصف ان واقعات مختلفہ وگیر وداد وکشمکش سالہاسال وتصرفات وبیع وانتقال کے مطلق تعرض نہ کرنا وقرینہ واضحہ ہے کہ یہ دعوی ان کا محض مکر وتزویر وتلبیس وفریب ہے، ہمارے ائمہ اصحاب متون وشروح وفتاوی تصریح فرماتے ہیں کہ جب ایک جائداد میں کوئی شخص ایک مدت تک خود تصرف مالکانہ کرتے رہے یا وہ بیع خواہ ہبہ خواہ اور طرح سے دوسرے کو تملیک کردے اور وہ دوسرا ایک زمانہ تک اس میں متصرف رہے پھر ایک مدعی عاقل بالغ جو اسی شہر میں موجود اور ان حالات پر مطلع ہوا اور اب تک ارجاع دعوی سے کوئی عذر معقول قابل قبول اسے مانع نہ ہو، دعوی کرنے لگے یہ جائداد میری ملک ہے اب وہ دعوی بجہت میراث ہو خواہ کسی دوسرے سبب سے ہرگز نہ سنا جائے گا اور اس کا ان تصرفات کے وقت خاموش رہنا اپنی جہت اور متصرف کے مالکیت کا صریح اقرار قرار پائے گا۔

فی فتاوی العلامۃ المرحوم سیدی محمد بن عبداللہ الغزی التمر تاشی مصنف تنویر الابصار سئل عن رجل لہ بیت فی دار یسکنہ مدۃ مزیدۃ علی ثلث سنوات ولہ جار بجانبہ والرجل	سیدی محمد بن عبداللہ الغزی مرحوم مصنف تنویر الابصار کے فتوی میں ہے آپ سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جس کا ایک حویلی میں مکان ہے وہ اس میں تین سال سے زائد مدت سے رہائش پذیر چلا آرہا ہے اور وہ پڑوس والے کے علم اور اطلاع کے

المذکور یتصرف فی البیت المزبورۃ ھدما وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ فھل اذا ادعی البیت اوبعضہ بعد ماذکر من تصرف الرجل المذکور فی البیت ھدماوبناء فی المدۃ المذکورۃ تسمع دعواہ ام لا،اجاب لاتسمع دعواہ علی ماعلیہ الفتوی انتھی[1]،وفی فتاوی الفاضل المحقق خیر الملۃ و الدین الرملی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سئل فی رجل اشتری من اٰخر ستۃ اذرع من ارض بیدالبائع وبنی بھا بناء و تصرف فیہ ثم بعدہ ادعی رجل علی البانی المذکوران لہ ثلثۃ قراریط ونصف قیراط فی المبیع المذکور ارثا عن امہ ویریدھدمہ والحال ان امہ تنظرہ یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین ھل لہ ذٰلک ام لا وھل تسمع دعواہ مع تصرف المشتری و رؤیۃ امہ لہ واطلاعھا علی الشراء المذکوروالتصرف المزبور مدۃ مدیدۃ ام لا،اجاب لاتسمع دعواہ و الحال مانص اعلاہ لان علمائنا نصوافی متونھم و شروحھم وفتاوٰھم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولوکان اجنبیا

باوجود اس مکان میں گرانے بنانے کے تصرفات مدت مذکورہ میں کرتا چلاآرہا ہے،تو مدت مذکورہ میں تصرفات مذکورہ کے باوجود پڑوسی اس کے کل یا بعض مکان پر بعد میں دعوی کرے تو کیا یہ دعوی مسموع ہوگا یا نہیں،تو انہوں نے جواب میں فرمایا نہیں سنا جائے گا،اسی پر فتوی ہے اھ،فاضل محقق الملۃ والدین الرملی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے فتاوی میں ہے کہ ان سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جس نے دوسرے شخص کی مقبوضہ زمین میں سے چھ گز زمین خریدی اور وہاں تعمیر کی اور تصرفات کئے پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے اس خرید کردہ زمین میں سے ساڑھے تین قیراط پر دعوی کردیا کہ یہ حصہ مجھے میری ماں سے میراث میں ملا ہے اور وہ اس تعمیر کو گرانا چاہتا ہے حالانکہ اس کی ماں خریدار کی تعمیر اور تصرفات کو زندگی میں دیکھتی رہی ہے تو کیا اس دعوی کا اس کو حق ہے یا نہیں ______________ حالانکہ ماں کو اس زمین کی خرید و فروخت اور اس پر خریدار کے تصرفات کی اطلاع مدت بھر رہی،کیا یہ دعوی مسموع ہوگا،تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ دعوی مسموع نہ ہوگا جب کہ مذکورہ بالاحالات تھے،کیونکہ ہمارے علماء نے اپنے متون، شروح اور فتاوٰی میں تصریح کی ہے کہ خریدار کا مبیع چیز پر،فریق مخالف اگرچہ اجنبی ہو،

---
[1] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوٰی غزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

بنحو البناء والغرس والزرع یمنعه من سماع الدعوی قال صاحب المنظومة اتفق اساتیذنا علی انه لا تسمع دعواه ویجعل سکوته رضی للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل والتلبیس وجعل الحضور وترك المنازعة اقرار بانه ملك البائع، وقال فی جامع الفتاوٰی وذکر فی منیة الفقهاء رای غیره یبیع عروضا فقبضها المشتری وهو ساکت وترك منازعة، فهو اقرارمنه بانه ملك البائع انتهی[1]، وفیها سئل فی رجل تلقی بیتا عن والده وتصرف فیه کما کان والده من غیرمنازع ولامدافع مدة تنوف عن خمسین سنة والاٰن برزجماعة یدعون البیت لجدهم الاعلٰی، فهل تسمع دعوٰهم مع اطلاعهم علی التصرف المذکور واطلاع اٰبائهم وعدم مانع یمنعهم عن الدعوی، اجاب لاتسمع هذه الدعوی[2]۔

کی اطلاع کی موجودگی میں، تعمیر، زراعت اور پودوں کی کاشت جیسے تصرفات کرنا اس فریق کے دعوی کے مسموع ہونے کے لئے مانع ہے، اور صاحب منظوم نے فرمایا کہ ہمارے اساتذہ ایسے دعوی کے نامسموع ہونے پر متفق ہیں اور جھوٹ، لالچ، حیلہ سازی اور تلبیس کے خاتمہ کے لئے مخالف فریق کے سکوت کو بیع پر رضامندی اور اس کی موجودگی اور عدم تنازع کو یہ اقرار تصور کیا جائے گا کہ زمین فروخت کرنیوالے کی ملکیت تھی، اور جامع الفتاوی میں فرمایا منیۃ الفقہاء میں مذکور ہے کہ دوسرے کو سامان فروخت کرتے ہوئے دیکھا اور خریدار نے قبضہ کیا تو بھی خاموش رہا اور کوئی اعتراض نہ کیا تو یہ اس کا اقرار متصور ہوگا کہ یہ سامان فروخت کرنیوالے کی ملک ہے اھ، اور اس میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے والد سے مکان حاصل کیا اور اس میں اسی طرح تصرف کرتا رہا جس طرح اس کا والد اس میں بغیر روک ٹوک پچاس سال سے زائد تک تصرف کرتا رہا اور اب ایک گروہ نے اپنا دعوی کرنا شروع کردیا کہ یہ مکان اس کے جداعلٰی کی ملک ہے تو کیا ان کی تصرفات مذکورہ پر اطلاع اور ان کے باپ کو اطلاع اور دعوی سے کوئی مانع نہ ہونے کی باوجود اب ان کا یہ دعوی مسموع ہوگا، تو جواب میں فرمایا کہ یہ دعوی مسموع نہ ہوگا۔

---

[1] فتاوٰی خیریه کتاب الدعوی دارالمعرفة بیروت ۲/ ۸۸۔۸۷

[2] فتاوٰی خیریه کتاب الدعوی دارالمعرفة بیروت ۲/ ۵۵

وفیھا عن البزازیة علیه الفتوی قطعاً للاطماع الفاسدة [1] وفی الولوالجیة ثم الخیریة والحامدیة و غیرہما رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل اخر رای الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوی ولدہ فتترك علی ید المتصرف لان الحال شاهد [2] انتهی،وفی الخیریة وبه افتی شیخ الاسلام شهاب الدین احمد الحلبی المصری [3]،وفی الدر المختار اذاسکت الجار وقت البیع التسلیم و تصرف المشتری فیه زرعًا وبناءً فحینئذ لاتسمع دعواہ علی ماعلیه الفتوی قطعاً للاطماع الفاسدة [4] انتهی،قال خاتمة المحققین مولانا السید محمد عابدین رحمة الله تعالٰی علیه فی الحاشیة قوله اذا سکت الجار وغیرہ من الاجانب بالاولٰی فتخصیص الجار بالذکر لانه مظنة انه فی حکم القریب و الزوجة، قوله وقت البیع والتسلیم ای	اسی میں ہے بزازیہ کے حوالہ سے کہ اسی پر فتوی ہے تاکہ فاسد لالچ وغیرہ کا خاتمہ ہوسکے،ولوالجیہ،پھر خیریہ اور حامدیہ وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص زمانہ بھر زمین میں تصرف کرتا رہااور دوسرا شخص اس زمین اور اس میں ان تصرفات کو دیکھتا رہااور کوئی دعوی نہ کیااور فوت ہوگیاتو اس کے بعد اس کی اولاد کااس زمین پر دعوی مسموع نہ ہوگا تو اس زمین کو قابض کے تصرف میں باقی رکھاجائیگا کیونکہ حال اس کا شاہد ہے،اور خیریہ میں ہے کہ اسی پر شیخ الاسلام شہاب الدین احمد حلبی مصری نے فتوی دیا ہے،درمختار میں ہے جب پڑوسی خرید وفروخت اور قبضہ دینے اور خریدار کے تعمیر وزراعت کے تصرفات کو دیکھتے ہوئے خاموش رہے تو مفتی بہ قول کے مطابق اب اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا تاکہ فساد طمع کو ختم کیاجاسکے اھ،حاشیہ میں خاتم المحققین مولانا سید محمد عابدین رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:ماتن کا قول جب پڑوسی خاموش رہے،تو دوسرے اجنبی لوگ بالاولٰی،پڑوسی کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا کہ قرب والصاق کی وجہ سے گمان دعوی کا مقام ہے،اس کا قول"قبضہ اور بیع کے وقت"یعنی جب ان

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفة بیروت ۲/ ۵۹
[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفة بیروت ۲/ ۵۵
[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفة بیروت ۲/ ۵۹
[4] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۷

وقت علمه بهما کما افاده کلام الرملی السابق وقد علمت ان البیع غیر قید بل مجرد السکوت عند الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی، قوله زرعا و بناء المراد به کل تصرف لایطلق الاللمالك فهما من قبل التمثیل، قوله لاتسمع دعواه ای دعوی الاجنبی ولوجارا، رملی[1] وفی الخیریة وقد کثر افتاء الحنفیة عن علماء مصر یتساوی الجار مع الاجنبی فی الحکم المذکور لاشتراکهما فی العلم والعلة الموجبة بعدم سماع دعوی الجار بعد تصرف المشتری زرعا وبناء علی ماعلیه الفتوی قطع الاطماع الفاسدة سدباب التزویر والتلبیس وهذاالقدر مشترك بین الجارو الاجنبی[2] الخ۔ وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة ثم ان مافی الخلاصة والولوالجیة یدل علی ان البیع غیر قید بالنسبة الی الاجنبی ولو جارا بل مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی[3] الخ، وفیهما بعد نقل فتوی العلامة الغزی کما ذکرناها، فانظر کیف افتی بمنع سماعها من غیر القریب بمجرد

چیزوں کا پڑوسی کو علم ہوجائے جیساکہ رملی کے کلام سے معلوم ہوا، آپ کو معلوم ہے کہ بیع کاذکر بطور قید نہیں بلکہ مشتری کے تصرفات پر اطلاع سے خاموشی اس کے دعوی سے مانع ہے، اس کا قول "زراعت وتعمیر" تو اس سے مراد ہر وہ تصرف جو صرف مالک ہی کرسکتا ہے ان دونوں کا ذکر بطور تمثیل ہے۔ اس کا قول "اس کا دعوی غیر مسموع ہوگا" سے مراد یہ ہے ہر اجنبی خواہ پڑوسی ہو، کادعوی غیر مسموع ہوگا، بحوالہ رملی، اور خیریہ میں ہے: مصر کے حنفی علماء کے فتاوٰی میں اکثر طور پر پڑوسی کو اجنبی کے مساوی حکم دیا گیا ہے کیونکہ مشتری کے زراعت وتعمیر کے تصرفات پر اطلاع کے بعد دونوں علم اور عدم سماعت دعوی کی علت میں مساوی ہیں حالانکہ فتوٰی کی بنیاد فاسد لالچ اور جھوٹ اور دھوکہ کو ختم کرنا اور وہ دونوں میں مشترک ہے اجنبی ہو یا پڑوسی ہو، الخ، عقود الدریہ وتنقیح الفتاوی میں ہے، کہ، پھر خلاصہ اور ولوالجیہ کے بیان میں اس بات پر دلالت ہے کہ بیع کا ذکر بطور قید نہیں کسی بھی اجنبی کے لئے خواہ وہ پڑوسی ہو بلکہ صرف تصرف پر اطلاع ہی دعوی سے مانع ہے الخ۔ ان دونوں کتب میں علامہ غزی کے فتوٰی کو جسے ہم نے ذکر کیا ہے نقل کرنے کے بعد، فرمایا: دیکھو انہوں نے پہلے بیع کا دعوی نہ ہونے اور پندرہ سال یازائد

---

[1] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴
[2] فتاوٰی خیریه کتاب الدعوٰی دارالمعرفة بیروت ۲ /۶۰
[3] العقود الدریه کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

التصرف مع عدم سبق البیع وبدون مضی خمس عشرۃ سنۃ اواکثر[1]،وفیھالم یقیدوہ بمدۃ ولا بموت کما تری[2]،وفیھا ولیس ایضا مبنیا علی المنع السلطانی کما فی المسئلۃ الاٰتیۃ(قال الفقیر المجیب یعنی مسئلۃ عدم سماع الدعوی خمس عشرۃ سنۃ وھو مثال للمنفی لاللنفی)ثم قال بل ھو حکم اجتھادی نص علیہ الفقھاء کما رأیت فاغتنم تحریرھذہ المسئلۃ فانہ مفردات ھذاالکتاب والحمدللہ المنعم الوھاب[3] انتھی،وفی ردالمحتار من مسائل شتی مجرد السکوت عند الاطلاع علی التصرف مانع وان لم یسبقہ بیع[4]وفیہ من کتاب القضاء امادعوی الاجنبی ولو جارا فلابدفی منعھا من السکوت بعد الاطلاع علی تصرف المشتری ولم یقیدوہ بمدۃ[5]الخ وفیہ من اٰخر کتاب الوقف لیس لھذا مدۃ محدودۃ

عرصہ کے ذکر نہ ہونے کے باوجود کسی بھی اجنبی کے دعوی کے غیر مسموع ہونے کو کیسے ذکر فرمایا ہے،اس میں مذکور ہے کہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کسی مدت یا موت سے فقہاء کرام نے مقید نہیں کیا،اور اس میں یہ بھی ہے کہ یہ کسی حاکم کے منع پر نہیں ہے جیسا کہ آئندہ مسئلہ میں آرہا ہے،مجیب کہتا ہے کہ پندرہ سال کی مدت کا ذکر عدم سماع دعوی میں منفی کی مثال ہے نفی کی نہیں،پھر فرمایا:بلکہ اجتہادی حکم ہے جیسے کہ تم فقہاء کرام کی اس پر تصریح کو دیکھ رہے ہو،اس مسئلہ کے بیان کو غنیمت سمجھو کیونکہ یہ اس کتاب کے منفرد مسائل میں سے ہے،الحمد للہ المنعم الوھاب اھ،اور ردالمحتار کے مسائل مختلفہ میں ہے:مشتری کے تصرفات پر مطلقًا اطلاع دعوی کے مانع ہے اگرچہ پہلے بیع کی اطلاع نہ پائی ہو اور اسی کتاب میں کتاب القضاء سے ہے کہ مشتری کے تصرفات پر اطلاع کے وقت سکوت کرنا اگرچہ بیع کا علم پہلے نہ ہوا ہو اجنبی خواہ پڑوسی کے دعوی کے لئے مانع ہے،اسکو انہوں نے کسی مدت سے مقید نہیں کیا الخ،اور اسی میں کتاب الوقف کے آخر میں ہے کہ اس کے لئے کسی مدت کی حد نہیں ہے،

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴

[2] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴

[3] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴

[4] ردالمحتار مسائل شتّٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۳

[5] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۴

واما عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرۃ سنة اذا ترکت بلا عذر فذاك فی غیر هذہ الصورة[1] الخ۔ قال الفقیر المجیب غفراللہ تعالٰی له وانما اکثرنا من النقول فی هذہ المسئلة لان منهم من وضعها فی البیع خاصة کالعلائی فی الدرالمختار والزاهدی فی الفتیة عــہ وابن نجیم فی الاشباہ وآخرین فی آخرو منهم من قید تصرف المشتری بالزرع والبناء کالفاضل الدمشقی فی الدرو العلامة الغزی فی التنویر اوالغرس ونحوہ ایضاً کالمحقق الرملی فی الفتاوٰی ومنهم صورها بموت المتصرف ودعوی المدعی علی ورثة کما فی فتاوٰی الخلاصة ومنهم من قررها فی عکس ذٰلك اعنی موت غیر المتصرف ودعوی ورثته علی المتصرف علی مافی الولوالجیة ومنهم من ادرج فی التصویر سکوته هذامدۃ تنوف عن کذاوکذاسنة کالخیریة وغیرہ ومنهم قصر الحکم علی الجارو

لیکن پندرہ سال کے بعد دعوٰی کا غیر مسموع ہونا جبکہ بلاعذر دعوٰی ترک کیا ہو، تو اس کا تعلق اس صورت سے نہیں ہے الخ۔ مجیب غفراللہ تعالٰی کہتا ہے ہم نے اس مسئلہ میں کثیر نقول اس لئے پیش کی ہیں کہ بعض نے اس مسئلہ کو بیع میں خاص کیا ہے جیسا کہ علامہ علائی نے درمختار میں اور علامہ زاہدی نے قنیہ اور ابن نجیم نے الاشباہ میں اور دیگر حضرات نے اپنی کتب میں بیان کیا، اور بعض حضرات نے مشتری کے خاص تعمیر اور زراعت کے تصرفات میں اس کو وضع کیا جیسا کہ فاضل دمشقی نے درر میں اور علامہ غزی نے تنویر اور بعض نے پودے لگانے کو بھی شامل کیا ہے جیسا کہ محقق رملی نے اپنے فتاوٰی میں اور بعض نے اسکی صورت تصرف کرنیوالے کی موت کے بعد اس کے وارثوں پر مدعی کے دعوٰی کو بنایا ہے جیسا کہ خلاصۃ الفتاوی میں، اور بعض نے اس کی صورت بالعکس بیان کی یعنی غیر قابض کی موت کے بعد اس کے وارثوں کا قابض متصرف پر دعوی، جیسا کہ ولوالجیہ میں اور بعض نے اس میں اجنبی کی خاموشی اتنے یا اتنے سال سے زائد کو صورت میں شامل کیا ہے جیسا کہ علامہ خیر الدین وغیرہ نے، اور بعض نے اس حکم کو صرف پڑوسی تک محدود کیا اور

عــہ: فی الاصل هکذا واظنه انه "قنیة" ۱۲عبد۔

اصل میں اس طرح ہے اور میرے گمان کے مطابق یہ لفظ قنیہ ہے ۱۲عبد (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۴۴۶

لم یفصح انه فی غیره جارحتی اشتبه ذٰلك علی بعض الفضلا کالسید الحموی والشیخ صالح بن عبدالله الغزی الی ان دفعه العلامة الرملی فی ماسرد نامن جواهرنصوص الفتح ان کل ذٰلك محض تصویر للمسئلة وتقریر للاسئلة من دون حصرولاقصروان لاتقدیر بمدة ولاتقیدبموت ولا تخصیص بجوار ولابتصرف دون تصرف بعد ان کان ممالایطلق الا للملاك ولا امتناع عن السماع قطعا للاطماع الا للسکوت وترك النزاع مع الوقف والاطلاع علی تصرف واختراع ولئلا یشتبه مانحن فیه بمسئلة عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرة سنة فانها تعم ماذاوقع التصرف اولاحصل الاطلاع ام لا وهی مسئلة تلاحمت فیها الآراء والاحلام و تشاجرت الظنون والافهام ومن قال فیها بعدم السماع فانما بنی الامر علی النهی السلطانی ثم اضطربت کلما تهم فی مجاریها فمن تارك لها علی الاطلاق ومن مستثن لاشیاء ثم لم یتفقوا فی المستثنیات علی کلمة واحدة ومنهم من عمم باخراج کل مافیه عذر للمدعی وهو اجمع واصوب	یہ ذکر نہ کیا کہ غیر میں بھی یہ حکم جاری ہے حتی کہ بعض فضلاء کو اشتباہ ہوگیا جیسے سید حموی اور شیخ صالح بن عبداللہ الغزی حتی کہ علامہ رملی کو اس کا دفاع کرنا پڑا، اور ہم نے فتح کے نصوص کے جواہر ذکر کئے کہ یہ تمام بیانات مسئلہ کی محض صورتیں ہیں اور سوالات کی تقریر ہے اس میں کوئی حصر، مدت کی تحدید، موت کی قید، پڑوسی کی تخصیص نہیں ہے اور نہ ہی کسی تصرف کا تعین ہے سوائے اس کے کہ یہ تصرف مالکانہ ہو اور مشتری کے تصرفات واختراعات پر اطلاع کے بعد سکوت ہو اور نزاع نہ پایا جائے تو فساد ولالچ کو ختم کرنے کے لئے دعوی کی سماعت ممتنع ہوگی اور اس لئے بھی کثیر نقول ذکر کی ہیں تاکہ اس مسئلہ کا پندرہ سال کے بعد عدم سماع والے مسئلہ سے اشتباہ نہ رہے، کیونکہ اس مسئلہ کا دائرہ عام ہے مشتری کا تصرف ہو یا نہ ہو پھر اس کی اطلاع اجنبی کو ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور اس مسئلہ میں آراء اور دلائل، ظنون اور افہام کا ٹکراؤ ہے جنہوں نے وہاں دعوی غیر مسموع کہا ہے انہوں نے سرکاری ممانعت کی بناپر کہا ہے پھر سرکاری ممانعت کو جاری کرنے میں فقہاء کرام کے کلام میں اختلاف ہے بعض نے علی الاطلاق اس کو جاری مانا ہے اور بعض نے بعض وجوہ سے استثناء کیا ہے پھر مستثنیات میں کسی ضابطہ پر اتفاق نہ کیا بعض نے جہاں مدعی کا عذر ہو وہاں سرکاری حکم سے علی العموم استثناء مانا ہے یہی موقف جامع اور درست ہے

ثم عظم الاعتراف فی دعوی المیراث فقوم یسمعون واٰخرون یمنعون کما فصله الفاضل المحقق العلامة سیدی امین الدین الشامی فی العقود الدریة ومنسوة عــــه وردامر الامارة مع استثنائها واٰخرهی بدونه کما ذکرہ ایضا فی ردالمحتار بخلاف مانحن فیه فلایقدر بمدة ولایبتنی علی نهی وانما هی حکم من الفقهاء الکرام قطعا لمادة الزور والتلبیس کما قد سمعت وھذا مما یستوی فیه دعوی الارث وغیرہ ولذا رأیتهم مطلقین القول ھهنا من دون تخصیص ولا استثناء و لاجرم ان افتی به الرملی فی مسئلتین مسوقتین فی دعوی الارث کما قرأنا علیك فافهم و تثبت فان المقام مزلة الاقدام۔	پھر بڑی معرکہ آرائی میراث کے دعوی میں ہوئی بعض نے اس دعوی کو قابل سماعت قرار دیا اور بعض نے غیر مسموع قرار دیا جیسا کہ اس کی تفصیل فاضل محقق علامہ سیدی امین الدین شامی نے عقود الدریۃ میں فرمائی اس اختلاف کا منشاء اور وجہ امیر کا حکم ہونا ہے کہ یہ حکم قابل استثناء ہے یا نہیں، جیسا کہ یہ بھی ردالمحتار میں مذکور ہے، اس تفصیل کے برخلاف ہمارے زیر بحث مسئلہ میں تو نہ کوئی مدت مقررہ ہے اور نہ ہی یہ سرکاری حکم منع پر مبنی ہے بلکہ یہ فقہاء کرام کا اجتہادی حکم ہے جو کہ جھوٹ اور جعل سازی کے خاتمہ کے لئے ہے جیسا کہ آپ نے سنا، اور اس میں وراثت اور غیر وراثت کا دعوی مساوی ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں فقہاء نے مطلق قول فرمایا ہے جسے تم نے دیکھا ہے کہ وہ یہاں نہ تخصیص کرتے ہیں اور نہ ہی استثناء کرتے ہیں، بہر حال رملی نے دعوی وراثت کے دو مسئلوں میں یہی فتوی دیا ہے جیسا کہ ہم نے آپ کو بیان کیا ہے، سمجھو اور ثابت قدم رہو کیونکہ پھسلنے کا مقام ہے۔

پس صورت مستفسرہ میں جبکہ موصی لہما نے جائداد میں اس قدر تصرفات کئے نصف ملتے ہی دے ڈالی اور لینے والے نے اوروں کے ہاتھ بیچی ادھر وہ آئی گئی فیصل ہوئی ادھر جو باقی رہی اس میں موصی لہما تحصیل تشخیص کرتے رہے اور کچھ اس میں سے بھی جدا کی جس پر خریدار قابض متصرف ہوئے اس عرصہ تک یہ مدعی کیونکر اپنا حق چھوڑے بیٹھے رہے اور اپنی اس قدر جائداد کثیر کا زید وعمرو من وتو کے ہاتھوں میں لوٹ پھیر جبکہ دیکھا، اگر فی الواقع یہ صاحب حق ہوتے تو کیونکر اس قدر مدت تک صبر کرتے، آخر نہ دیکھا کہ امام علامہ

عــــه: فی الاصل ھکذا واظنه انه منشؤہ وردامر الامارة مع استثنائها ۱۲ "عبد"۔

محمد بن عبداللہ غزی قدس سرہ الشریف نے تو کچھ اوپر تین برس گزرنے میں دعوی نامسموع ٹھہرایا یہاں تو چھ سال سے اونچے ہوچکے، بالجملہ اگر ایسی حالت میں ہندہ زندہ ہوتی اور وہ خود دعوی کرتی تو اس کی بھی نہ سنی جاتی اب کہ اس کے مرنے کے بھی کئی سال بعد ان مدعیوں کو یاد آیا کہ ہندہ تو زینب کی بہن تھی اور ہم اس کے ہمشیرہ زاد اور وہ خواہر کہلائی جاتی، ان کی بات پر کوئی بھی التفات نہ کیا جائے گا اور جائداد بدستور موصی لہما کے قبضہ میں رکھی جائے گی،

فی الفتاوی الخیریۃ فعلم بذلك ان الام لوکانت حیۃ ثم ادعت بعد ذٰلك لاتسمع دعوٰھا ومامنع المورث فی مثلہ منع الوارث بالاولٰی [1] وفی الحاشیۃ الشامیۃ من لاتسمع دعواہ لمانع لاتسمع دعوی وارثہ بعدہ کما فی البزازیۃ وغیرھا انتھی [2]. واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے: تو اس سے معلوم ہوا کہ ماں اگر زندہ ہوتی پھر بعد میں دعوی کرتی تو اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا اور جہاں مورث کا دعوی مسموع نہ ہوگا تو وہاں وارث کا دعوی بطریق اولی نہ سنا جائے گا، اور حاشیہ شامی میں ہے: جب مانع کی وجہ سے کسی کا دعوی مسموع نہ ہو تو اس کے بعد اس کے وارث کا دعوی وہاں مسموع نہ ہوگا اھ جیسا کہ بزازیہ وغیرہ میں ہے انتھی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸: ۲۲/ربیع الثانی شریف ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مسمیان وجیہ الدین وکریم الدین پسران نظام الدین مالک مشترک بحصہ مساوی ۱۰بسوہ حقیت زمینداری موضع رچھاپر گنہ فرید پور کے تھے ۵/اپریل ۱۸۴۹ء کو وجیہ الدین احد الشریک نے وفات پائی نجم النساء زوجہ صدق النساء مادر ونظام النسا ہمشیرہ حقیقی ذوی الفروض وکریم الدین برادر علاتی عصبہ، جملہ چار وارث شرعی چھوڑے، تاریخ ۱۵/ماہ مذکور کو صدق النساء مادر وجیہ الدین فوت ہوئی اس کی وارث مسماۃ نظام النساء دختر ہوئی اور ۱۱/ستمبر ۱۸۵۳ء کو کریم الدین نے قضا کی، مسماۃ بیگم زوجہ مسماۃ کنیز شیریں دختر ذوی الفروض ومسماۃ نظام النساء ہمشیرہ علاتی عصبہ وارث فوت ہوئے مگر تمام حقیت دیہہ مذکور پر قبضہ بطور خود بعوض دین مہر بیوگان مورثان کا رہا کہ ۱۸۷۳ء میں ۶بسوہ حسب نالش نجم النساء کی تقسیماً علیحدہ ہوگئے اور ۵ بسوہ مسماۃ کنیز شیریں وبیگم نے بدست قربان علی

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۸۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۴۶

فروخت کرڈالے اور ۱۸۷۶ء میں اول مسماۃ بیگم مری، اس کی وارث صرف مسماۃ کنیز شیریں دختر ہوئی، بعدہا مسماۃ نظام النساء اعلیٰ درجہ کی حصہ دار اور جو بانتظار بیباقی دین مہر میں بیوگان کے قبضہ جائداد سے دست کش تھی فوت ہوئی، اس کے وارث محض عوض وکریم بخش نبیر گان ثناء اللہ عم حقیقی متوفیہ بحق عصوبت ہوئے دین مہر مسماۃ نجم النساء کا ۱۸۷۸ء میں اور دین مہر مسماۃ بیگم کا ۱۸۸۲ء تک آمدنی جائداد سے ادا ہوگیا باوجود بیباق ہوجانے دین مہر کے نجم النساء نے منجملہ ۵ بسوہ بدست مسماۃ بیگم زوجہ قربان علی مذکور اور بھاگی رتھ کے فروخت کرڈالے اور ۲ بسوہ تمسک موسومہ مولچند میں مکفول کی کہ وہ بسوات مکفولہ بعلت ڈگری مطالبہ مذکور تاریخ ۲۰/مارچ ۱۸۸۸ء کو بخریداری ممتاز حسین پسر قربان علی نیلام ہو گئی یکم اگست ۱۸۸۶ء کو محمد عوض وکریم بخش وارثان نظام النساء نے کل حق حقوق اپنا واقع ۱۰ بسوہ مذکور بدست مسماۃ الٰہی بیگم بیع کیا کہ بوجہ خریداری کے مشتریہ نے نالشات دیوانی میں دائر کرکے ڈگریات اثبات حق ودخل بقدر ۰۳/ بسوہ کے بمقابلہ مسماۃ نجم النساء ونیز مشتریان اس کی کے علیحدہ علیحدہ حصہ دار حاصل کیں، بعد اسکے مسماۃ کنیز شیریں مہاجرہ حسب اتفاق بریلی آئی، ممتاز حسین مدعا علیہ نے ایک مختار نامہ عام مسماۃ کنیز شیریں سے اپنے حقیقی بھائی عاشق علی کے نام تحریر کرالیا، چنانچہ عاشق علی مذکور نے بعد چلے جانے مسماۃ کنیز شیریں کے نالش منجانب کنیز شیریں بدیں بیان رجوع کی ہے کہ ۰۳ بسوہ ڈگری شدہ الٰہی بیگم پر بذریعہ وراثت وجیہ الدین کے مسماۃ کنیز شیریں کو رسدی حصہ ملے، مدعاعلیہا کو یہ عذر ہے کہ ۱۰ بسوہ متروکہ مورثان میں مسماۃ نجم النساء کو ۱ بسوہ ۵ بسوانسی اور مسماۃ کنیز شیریں کو مع مسماۃ بیگم کے ۳ بسوہ ۷ بسوانسی اور محمد عوض وکریم بخش مدعاعلیہا کو ۵ بسوہ ۷ بسوانسی پہنچے تو جملہ حصہ داران نے کل حقوق اپنے فروخت کرڈالے بقائم مقامی ان کے مشتریان مالک ہیں، اور بوجہ عدم شمول مسماۃ نظام النساء کے تقسیم ونیز بیع منجانب نجم النساء ونیز مسماۃ کنیز شیریں کے جہاں تک حصہ شرعی مشتریہ مدعاعلیہا ہے کالعدم ہے اور بیع مستلزم تفریق حصص بائع ہے فقط بوجوہات معروضہ بالا کے شرعًا دعوی اجرائے توریث مدعیہ نسبت ۰۳ بسوہ مقبوضہ الٰہی بیگم مدعاعلیہا کے قابل قبول ہے یانہیں اور عذر مدعاعلیہا کس قدر قابل لحاظ ہے؟ بحوالہ کتب **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں کنیز شیریں کا دعوی محض باطل وبے بنیاد ہے، اس مسئلہ کی تحقیق میں چند امور تنقیح طلب کا جن کا حکم معلوم ہونے کے بعد باذن اللہ تعالٰی خود ہی منکشف ہوجائے گا:

(۱) پانچ پانچ بسوہ کی تقسیم کہ نجم النساء نے کرائی صحیح ہے جس کے سبب ترکہ وجیہ الدین میں حصہ کنیز شیریں صرف اسی پٹی سے متعلق ہے جو نجم النساء کے ہاتھ میں تھی یا باطل اور اس کا حق دونوں پٹیوں میں شائع۔

(۲) بائعان وغیر بائعان جملہ ورثہ کے حصص متروکات میں کس کس قدر ہیں۔

(۳) بیعین کہ نجم النساء وبیگم وکنیز شیریں ونیلام کنندگان نے کیں کہاں تک اثر رکھتی ہیں جس سے ظاہر ہو کہ مشتریوں کے ہاتھ میں کتنی حقیتیں اثر بیع سے محفوظ و قابل دعوی وارثان ہیں۔

(۴) ان محفوظ حقیتوں میں رسدی حصے کے حساب سے کنیز شیریں والٰہی بیگم کا حق کس نسبت سے ہے۔

(۵) شرکت ملک میں ایک شریک کو دوسرے کے حق سے کتنا تعلق ہے، باقی رہا یہ کہ نجم النساء وبیگم وکنیز شیریں کی بیعیں کیا حالت رکھتی ہیں اور مشتریوں کو بوجہ تفریق صفقہ کیا کیا اختیار حاصل اور اس کے سوا اور امور متعلقہ معاملہ سے تعرض نہ کروں گا کہ یہ باتیں اس مسئلہ میں زیر بحث نہیں۔ اب بتوفیق اللہ تعالٰی ہر امر کا جواب لیجئے۔

تقسیم مذکور محض باطل وبے اثر ہے، **اولًا:** نظام النساء اس میں شریک نہ کی گئی، ہدایہ میں ہے:

ظہر شریك ثالث لهما والقسمة بدون رضاه باطلة [1]۔	جب دو کے ساتھ تیسرا شریک ظاہر ہو جائے تو پھر اس کے بغیر تقسیم باطل قرار پائے گی۔ (ت)

ثانیًا: ظاہر ہے کہ نظام النساء کا حق وجیہ الدین وکریم الدین دونوں کے ترکہ میں بروجہ شیوع تھا تو الٰہی بیگم کہ بوجہ شراء اس کے ورثہ کے قائم مقام ہوئی دونوں حصص میں استحقاق شائع رکھتی ہے اور ایسا استحقاق بالاجماع باعث انتقاض تقسیم ہوتا ہے، عالمگیری میں ہے:

ان استحق جزء شائع من النصیبین انتقضت القسمة [2]۔	اگر دو حصوں کا استحقاق شائع جز یعنی ناقابل انقسام ہو تو وہ تقسیم ختم ہو جائے گی (ت)

پس ظاہر ہوا کہ یہ پٹیاں محض نامعتبر ہیں اور ترکہ میں وراثۃً خواہ شراءً جتنے حقدار ہیں سب کا حق بدستور مجموع ۱۰ بسوہ میں شائع یہاں تک کہ جو ذرہ زمین لیجئے اس میں سب کا استحقاق حصہ رسد میں ہے فان ھذا ھو معنی الشیوع کما نصوا علیہ قاطبۃ (کیونکہ شیوع کا معنی یہی ہے جیسا کہ فقہاء نے اس پر نص کی ہے۔ ت)

تفصیل حصص: وجیہ الدین جس کا ترکہ صورت مذکورہ میں ۹۶ سے منقسم ہو کر یوں بٹا:

نجم النساء: ۲۴، نظام النساء: ۶۷، کنیز شیریں: ۵ **کما یظہر بالتخریج** (جیسا کہ مسئلہ کی تخریج سے ظاہر ہے) اس کے پانچ بسوہ کی تقسیم یہ ہوئی: نجم النساء: ۱ بسوہ ۵ بسوانسی، نظام النساء: ۳ بسوہ ۹ بسوانسی ۱۵-۶/۵ کچوانسی،

---

[1] الہدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب العاشر فی القسمۃ یستحق الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۲۵

کنیز شیریں: ۵بسوانسی ۴-۶/۱ کچوانسی۔

اور کریم الدین جس کا ترکہ آٹھ سے تقسیم پاکریوں پہنچا: بیگم: ۱، کنیز شیریں: ۴، نظام النساء: ۳

اس کے پانچ بسوہ یوں منقسم ہوئے:

بیگم: ۱۲بسوانسی ۱۰کچوانسی، کنیز شیریں: ۲بسوہ ۱۰بسوانسی، نظام النساء: ۱بسوہ ۱۷ بسوانسی ۱۰کچوانسی۔ یہاں سے ظاہر ہے کہ ترکہ وجیہ الدین میں حصہ نظام النساء ۳بسوہ ۱۰بسوانسی گمان کرنا غلط تھا جس میں اس کے حق شرعی سے ۴-۶/۱ کچوانسی کی زیادتی اور کنیز شیریں کے حق میں اسی قدر کی کمی کی گئی۔ بیع ہر شخص کی اپنی ہی ملک میں نافذ ہوتی ہے اور بیع ملک غیر بے اذن غیر، اجازت پر موقوف رہتی ہے اگر نہ جائز رکھے باطل ہوجائے فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اذا باع الرجل مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالک[1]۔	جب بغیر اجازت کسی کے مال کو فروخت کیا ہو تو ہمارے نزدیک وہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی(ت)

اور مجرد سکوت یعنی بیع کی خبر پانا اور خاموش رہنا اجازت نہیں، عالمگیری میں ہے:

بلغ المالک ان فضولیا باع ملکہ فسکت لایکون اجازۃ[2]۔	مالک کو اطلاع ملی کہ ایک اجنبی نے اس کی ملکیت فروخت کردی ہے مالک خاموش رہا تو یہ اجازت نہ ہوگی۔(ت)

اور بعد موت مالک اس کے ورثہ جائز نہیں کرسکتے، فتاوٰی خانیہ میں ہے:

اذا مات المالک لاینفذ باجازۃ الوارث[3]۔	جب مالک فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کی اجازت سے بیع نافذ نہ ہوگی۔

بس نجم النساء وبیگم وکنیز شیریں کی بیعیں اگر نافذ ہوئیں تو صرف انہیں کے حصوں یعنی ۱بسوہ ۵بسوانسی ۱۲نسوانسی ۱۰کچوانسی ۲بسوہ ۱۰بسوانسی میں ہوئیں۔ عالمگیری میں ہے:

عبد بین رجلین غصبہ احدھما	ایک عبد دو مالکوں کی مشترکہ ملک تھا ان میں

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۳

[3] فتاوٰی قاضیخان کتب البیع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

من صاحبه فباعه بالف درہم ودفعه الی المشتری جاز البیع فی حصته[1]۔	سے ایک نے غصب کرکے فروخت کردیا او مشتری سے ہزار درہم لے کر اس کو قبضہ دے دیا تو فروخت کرنیوالے کے اپنے حصہ میں بیع جائز ہوگی (ت)

اور بیع نیلام کا غیر نافذ ہونا تو اظہر من الشّمس کہ جب نجم النساء اپنا حصہ بدست بیگم زوجہ قربان علی بیچ چکی تھی تو اب جائداد میں اس کا کیا باقی تھا جو اس کے قرضہ میں نیلام کیا جاتا بہر حال نفاذ بیع انہیں تین حصوں یعنی مجموع ۱۰بسوہ سے ۴بسوہ ۷ بسوانسی ۱۰کچو انسی تک محدود ہے باقی ۵بسوہ ۱۲بسوانسی ۱۰کچوانسی نفاذ بیع سے محفوظ ہیں، دونوں ترکوں میں حصہ نظام النساء کی محفوظی تو ظاہر خواہ بیعیں اس کی حیات میں ہوئیں یا بعد کہ بر تقدیر اول اس کے بے اجازت دیئے انتقال کرنے اور بر تقدیر ثانی اس بیع نے جو مالکوں یعنی محمد عوض و کریم بخش نے بدست الٰہی بیگم کی اگلی سب بیعوں کو جہاں تک ان کے حصوں سے متعلق نہیں باطل کر دیا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البزازیة من القاعدی طروالبات یبطل الموقوف اذاحدث لغیر من باشر الموقوف کما اذاباع المالك ماباعه الفضولی من غیر الفضولی ولو ممن اشتری من الفضولی[2] اھملخصا۔	بزازیہ میں قاعدی سے منقول ہے کہ قطعی فیصلے کا طاری ہونا موقوف بیع کو باطل کردیگا جب موقوف عمل کرنے والے کے غیر سے جدید بیع ہو جائے مثلاً فضولی نے جس چیز کو فروخت کیا اسی کو مالک نے کسی غیر فضولی کے پاس فروخت کردیا ہو اگرچہ یہ غیر وہی ہو جس کو فضولی نے فروخت کیا تھا اھ ملخصًا (ت)

تو مجموع ۱۰بسوہ سے ۵بسوہ ۷ بسوانسی ۵-۶/۵ کچوانسی ملک الٰہی بیگم ہوئیں۔ رہی کنیز شیریں اس نے اور اس کی ماں بیگم نے اگرچہ اپنی مقدار حصص سے بہت زائد یعنی ۵ بسوہ کی بیع کی مگر یہ بیع ان کے صرف انہی حصوں پر مقتصر رہی جو کہ ترکہ ذاتی کریم الدین سے انھیں ملی تھی نہ بدیں سبب کہ انہوں نے بعد تقسیم یہی پانچ بسوہ سے بیع کئے جو بالتعیین ترکہ کریم الدین فرض کرلئے گئے تھے کہ یہ فرض وتعین تو شرعًا محض بیہودہ وبے معنی تھی **کما اسلفنا** (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ت) بلکہ اس وجہ سے کہ انہیں صرف انہی حصص کی بیع مقصود تھی اور اسی قدر پر عقد وارد کیا **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) تو ۵بسوانسی ۴-۶/۱ کچوانسی کہ ترکہ وجیہ الدین سے انہیں پہنچیں ان کی بیع میں داخل نہ ہوئیں بلکہ غیر مالک یعنی نجم النساء خواہ نیلام کنندگان نے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب السادس فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۳۴۶

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۴۲

بے اذن مالکان بیچیں تو بیع اگر حیات بیگم میں واقع ہوئی تو بوجہ موت بلااجازت اس کے حصے یعنی ابسوانسی ۶/۵ کچوانسی میں باطل محض ہوگئی جسے کنیز شیریں بھی نافذ نہیں کرسکتی کما قدمنا عن الھندیۃ (جیسا کہ ہم پہلے ہندیہ سے نقل کرچکے ہیں۔ت) اور اس کے بعد ہوئی تو مثل حصہ کنیز شیریں اجازت کنیز شیریں پر موقوف رہی جس کی تنفیذ وابطال کا اختیار کنیز شیریں کو اب تک حاصل ہے۔

ولا تکون دعواھا مسقطۃ لخیارھا ومعینۃ لابطال البیع کما حققہ المولی المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر شرح الھدایۃ۔	اس کا دعوی اس کے خیار کو ساقط کرے گا نہ بطلان بیع کے لئے معاون ہوگا جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔(ت)

بہر طور مجموع ۱۰ابسوہ سے ۵بسوانسی ۴-۶/۱کچوانسی پر کنیز شیریں کو ہر طرح دعوی پہنچتا ہے۔

نسبت حصص: ہماری تقریر سے واضح ہوگیا کہ ۱۰ابسوہ کس قدر حقیت کنیز شیریں والٰہی بیگم کے لئے محفوظ، اور اس میں ہر ایک کا حق کتنا ہے، اب ان دونوں کے حصوں میں نسبت دریافت کرنے کے لئے بغرض تیسیر طریق سب کسور کو کسر اصغر یعنی سدس ۶/۱ کچوانسی کا ہمجنس کیجئے تو حصہ الٰہی بیگم (۵۷۸ء۱) ہے اور نصیب کنیز شیریں ۶۲۵ یہ دونوں توافق بخمس خمس خمس بجزء من مائۃ وخمسۃ وعشرین رکھتے ہیں اول کا وفق ۱۰۳دوم کا پانچ تو حصہ کنیز شیریں کو حق الٰہی بیگم سے وہی نسبت ہوئی جو پانچ کو ۱۰۳ سے ہوتی ہے اسی سے ہر جزو جائداد میں ان کا رسدی حصہ معلوم ہوجائے گا یعنی بوجہ بطلان تقسیم وبقائے شیوع جائداد محفوظ ۵بسوہ ۱۲بسوانسی ۱۰کچوانسی کا جو ٹکڑا جو ذرہ جہاں کہیں ہوگا اسکے ۱۰۸سہام سے ۵ سہم کنیز شیریں اور ۱۰۳ الٰہی بیگم کے ہیں۔

شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصے سے محض اجنبی ہوتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

شرکۃ ملك ان یتملك رجلان شیئا من غیر عقد الشرکۃ بینھما نحو ان یرثا مالا اویوھب لھما اویملکا بالشراء اوالصدقۃ لایجوز لاحدھما ان یتصرف فی نصیب الأخر الابامرہ وکل واحد منھما کالاجنبی فی نصیب صاحبہ ویجوز بیع احدھما نصیبہ بغیر اذنہ اھ ملتقطا۔[1]	شرکت ملک یہ ہے کہ دو شخص کسی ایک چیز کے عقد شرکت کے بغیر مالک ہوجائیں مثلاً دونوں ایک چیز کے وارث ہیں یا ایک چیز دونوں کو ہبہ ہوئی یا خریداری یا صدقہ کے ذریعہ ایک چیز کے مالک بنے، تو اس میں دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا اور اپنے حصہ میں دونوں ایک دوسرے سے اجنبی ہیں لہذا ہر ایک اپنے حصہ میں دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرف کرسکتا ہے اھ ملتقطا (ت)

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۳۰۱

تنویر الابصار میں ہے:

شرکة ملك وھی ان یملك متعدد عینا اودینا بارث اوبیع اوغیرھما وکل اجنبی فی مال صاحبه الخ[1]۔	شرکت ملک یہ ہے کہ متعدد اشخاص عین یا دین میں وراثت یا بیع یا کسی اور طرح مشترکہ مالک ہوجائیں اور ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہوگا الخ۔(ت)

توظاہر ہے کہ اگر ان میں ایک کسی غاصب پر دعوٰی کرکے اپنے مقدار حصہ میں اپنا اثبات ملک واستقرار حق کرائے تو اس ثبوت واستقراء میں دوسرے شریک کا ہر گز کوئی استحقاق نہیں آسکتا کہ جو سہام ایک کو پہنچتے ہیں دوسرے کا اس میں کیا حق ہے اس کے لئے اس کے سہام جدا ہیں پس ایک کے تقرر حق میں مزاحم ہونا گویا بعینہٖ یہ کہنا ہے کہ تو اپنے سہام میں مجھے شریک کرلے اور اپنے خاص حق سے مجھے کچھ دے دے اس کے کوئی معنی نہیں، نہ ایسا دعوٰی قابل سماعت، ہاں اگر ایک شریک بے تقسیم شرعی ملک مشاع سے کسی معین ٹکڑے پر قبضہ کرلے تو بیشک دوسرے کا اس پر دعوٰی پہنچتا ہے کہ جب شیوع ہے ہر ہر ذرہ میں دونوں کا استحقاق ہے۔

فلایقبض شیئا معینا الاوقد قبض ملك صاحبه مخلوطا مع ملك نفسه کمانص علیه فی الکتب جمیعا۔	تو کسی معین چیز کا قبضہ دوسرے کے حصہ پر مخلوط قبضہ کے بغیر اپنے حصہ پر نہ ہوسکے گا جیسا کہ تمام کتب میں اس پر تصریح ہے۔(ت)

یا ایک شریک جھوٹا دعوٰی کرکے اپنے حق سے زیادہ میں اپنے لئے اثبات ملک کرالے تو بھی دوسرے کی مزاحمت بجا ہے کہ اس نے اس کے حق میں دست اندازی کی یدل علی کل ذٰلک فروع جمۃ مذکورۃ فی کتب المذھب (اس پر کتب مذہب میں مذکور کثیر فروعات دال ہیں۔ت) غرض ان دو صورتوں کے سوا مجرد اثبات ملک واستقرار حق میں دوسرے شریک کی مزاحمت محض بیہودہ ونامسموع ہے۔ جب یہ امور منقح ہولئے اور پر ظاہر کہ یہاں احتمال صحت دعوٰی کی صورت اولٰی یعنی قبض شے معین مفرز تو واقع نہ ہوئی کہ الٰہی بیگم نے ان ۳بسوہ ۱۰بسوانسی کا پٹی بانٹ کرا کر کوئی مستقل قبضہ بالتعین نہ کیا تو صرف صورت ثانیہ یعنی حق سے زیادہ اثبات ملک کرالینے کا دیکھنا باقی رہا اگر یہ ۳بسوہ ۱۰بسوانسی حق الٰہی بیگم سے زائد ہیں تو بیشک کنیز شیریں کو صرف قدر زائد میں اختیار مزاحمت ہے ورنہ اصلاً نہیں، مگر ہم تحقیق کرآئے کہ ترکہ وجیہ الدین کو کریم الدین کی جدائی جو اس تقسیم باطل کا حاصل تھی محض غلط ہے بلکہ وہ ساری جائداد جس طرح حیات ہر دو برادر میں مختلط وغیر منقسم تھی اب تک بدستور

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۰

اسی حالت پر ہے تو صرف ان ۵ بسوں میں جو نجم النساء کے ہاتھ میں تھے کنیز شیریں کا حق جاننا اور دوسری پٹی میں نہ ماننا محض غلطی ہے بلکہ حکم شیوع جو ٹکڑا جہاں کہیں ہے ہر ایک میں کنیز شیریں والٰہی بیگم حصہ رسد شریک ہیں اب اگر اس فرضی جدائی کو اصلاً نظر سے ساقط کیجئے جب تو نہایت ظاہر کہ الٰہی بیگم نے اپنے حق سے بہت کم میں اثبات ملک کرایا حق اس کا ۵ بسوہ ۵-۶/۵ کچوانسی تھا اور ڈگری صرف ۳ بسوہ ۱۰ بسوانسی کی حاصل کی پھر کنیز شیریں اس کے حق خاص میں سے کس چیز کا صلہ مانگتی ہے۔ اور اگر یہ خیال کیجئے کہ گو تقسیم شرعی نہیں مگر دو ٹکڑے جدا جدا ہو لئے جن میں ایک پر قربان علی دوسرے پر اس کی زوجہ وپسر قابض ہوئے اور الٰہی بیگم نے بھی صرف ایک فریق پر دعوٰی کیا، تو اس نظر سے بھی دعوٰی الٰہی بیگم اس کے حصہ رسد سے کم ہے کہ اس پٹی میں بعد استثنائے حصہ نجم النساء کہ بدست بیگم زوجہ قربان علی بیع ہوا ۳ بسوہ ۵ بسوانسی حق الٰہی بیگم و کنیز شیریں ہیں انہیں بلحاظ نسبت مذکورہ ۱۰۸ پر تقسیم کیجئے تو حاصل قسمت ۱۳-۹/۸ کچوانسی ہے جسے ۵ میں ضرب دینے سے ۳ بسوانسی ۹-۹/۴ کچوانسی ہوتی ہیں اسی قدر رسدی حصہ کنیز شیریں ہے اور باقی ۳ بسوہ ۱۱ بسوانسی ۱۰-۹/۵ کچوانسی حق الٰہی بیگم تھے جس میں اس نے تین بسوہ دس بسوانسی میں اپنی ملک ثابت کرائی تو کنیز شریں کے حق میں کون سی مزاحمت کے دعوٰی کنیز شیریں کا حاصل یہ ہے کہ اس قدر بھی تیری ملک نہیں یا اگرچہ تیری ملک ہے مگر اس میں سے کچھ مجھے واپس دے حالانکہ اس سے زائد اس کی ملک ہے کہ اور ملک غیر پر دعوٰی کرنا محض بے معنی اور اگر ان سب تحقیقات نفیسہ سے قطع نظر کیجئے اور خواہی نخواہی مان ہی لیجئے کہ تقسیم مذکور صحیح تھی اور یہی ۵ بسوہ بالتعین ترکہ وجیہ الدین تھے اور خاص انہیں میں استحقاق کنیز شیریں ہے تاہم اس تقدیر باطل پر بھی دعوٰی کنیز شیریں کہ حصہ رسدی پاؤں کوئی معنٰی نہیں رکھتا رسدی حصہ کا تو یہ حاصل کہ جس قدر پر الٰہی بیگم نے ڈگری پائی یہ اور وہ ۵ بسوانسی کہ باقی رہیں دونوں ٹکڑوں میں الٰہی بیگم و کنیز شیریں اپنے اپنے حصوں کی نسبت سے شریک ہیں بحساب اربعہ متناسبہ اس مقدار ڈگری شدہ میں جو کچھ حصہ کنیز شیریں نکلے اب ملے باقی حصہ الٰہی بیگم ہو اور ۵ بسوانسی میں دونوں کا دعوٰی رہے حالانکہ اس تقدیر باطل پر الٰہی بیگم جس قدر ترکہ وجیہ الدین سے استحقاق رکھتی تھی اس سے ۴-۶/۱ کچوانسی زیادہ کی ڈگری پاچکی **کما یظھر مما اسلفنا بیانہ** (جیسا کہ ہمارے پہلے بیان سے ظاہر ہے۔ت) تو رسدی حصہ مانگنے کے کیا معنٰی، بلکہ قدر زائد یعنی ۴-۶/۱ کچوانسی کا دعوٰی کرنا تھا، غرض ساری غلطی کا منشایہ ہے کہ کنیز شیریں یعنی اس کے مختار عام نے اثبات ملک واستقرار حق کرانے کو بالتعیین ایک پارہ معینہ مفرزہ منقسم پر قبضہ کرلینا سمجھتا ہے حالانکہ ان کا بدیہی فرق ایسا نہیں جو کسی پر مخفی رہے، پس بہ نہایت پارہئ معینہ مفرزہ منقسم پر قبضہ کرلینا سمجھتا ہے حالانکہ ان کا بدیہی فرق ایسا نہیں جو کسی پر مخفی رہے، پس بہ نہایت وضوح روشن ہوگیا کہ کنیز شیریں کا دعوٰی اصلاً وجہ صحت و قابلیت سماعت نہیں رکھتا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

مسئلہ ۲۹: ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ذی مقدور تھا اس نے اپنی بیوی کو اپنی حیات میں زیور طلائی اور نقرئی بنادیا وہ اس کے مہر میں متصور کیا جائے گا یا کیا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عرف عام وشائع ہمارے بلاد میں یہ ہے کہ عورتوں کا مالک کردینا نہیں ہوتا بلکہ شوہر ہی کی ملک سمجھا جاتا ہے جب تک صراحۃً یا دلالۃً شوہر کی جانب سے تملیک ظاہر نہ ہو۔

ومعلوم ان الدفع الیھن یحتمل التملیك والعاریة والعاریة اولی فھی الثابتة مالم یدل علی خلافھا۔	یہ واضح بات ہے کہ ان کو دینے میں تملیک اور عاریۃ دونوں احتمال ہیں تو جب تک عاریۃ کے خلاف دلیل موجود نہ ہو تو عاریۃ ہونا ثابت ہوگا۔ (ت)

البتہ وہ استعمال میں عورتوں ہی کے رہتا ہے مگر اس سے ملک زناں ثابت نہیں ہوتی۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار وعقود الدریہ میں ہے:

لایکون استمتاعھا بمشریه ورضاہ بذلك دلیلا علی انه ملکھا ذلك کما تفھمه النساء والعوام وقد افتیت بذلك مرارا۔[1]	خاوند کی خریدی ہوئی چیز سے فوائد حاصل کرنا اور اس پر خاوند کا راضی ہونا بیوی کی ملکیت کی دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ عورتیں اور عوام سمجھے ہوئے ہیں، میں نے متعدد بار اس پر فتوٰی دیا ہے۔ (ت)

پس اگر گواہان عادل شرعی سے عورت کو اس زیور کا مالک کردینا نہ ثابت ہو تو وہ بدستور ملک شوہر پر ہے اس کا متروکہ ٹھہر کر سب ورثہ پر حسب فرائض منقسم ہوگا اور اگر ثابت ہو کہ شوہر نے عورت کو اس زیور کا مالک کردیا تھا تو بیشک وہ تنہا عورت کی ملک ہے، اب اس صورت میں اگر شوہر نے تصریح کی تھی کہ یہ تیرے مہر میں دیتا ہوں تو اس قدر مہر سے مجرا ہوگا اور اگر مہر کے سوا اور کسی جہت کی تصریح کی تھی مثلاً کہا یہ زیور میں نے تجھے احساناً دیا یا ہبہ کیا تو ہرگز مہر میں محسوب نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

بعث الی امرأته شیئا ولم یذکر جھة عند الدفع غیر جھة المھر کقوله شمع او حناثم قال انه من المھر	خاوند نے بیوی کو کوئی چیز دیتے ہوئے مہر یا کوئی اور وجہ ذکر نہ کی مثلاً اس نے چراغ یا مہندی کے لئے کہا اور پھر کہا کہ یہ مہر کے طور پر دی ہے، تو

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵

لم یقبل قنیة.لو قوعه هدیة فلاینقلب مهرااھ ملخصًا۔[1]	خاوند کی بات نہ مانی جائیگی،قنیہ، کیونکہ وہ ہدیہ بن چکا ہے تو اب مہر میں تبدیل نہ ہوسکے گا اھ ملخصًا(ت)

اور اگر صرف تملیک معلوم ہوئی اور یہ کچھ نہ ثابت ہوا کہ مہر میں دیا تھا یا مہر سے جدا اور زوجہ کو مہر سے الگ دینے کا دعوی ہے اور دیگر ورثہ مہر میں دینا بیان کرتے ہیں تو دیگر ورثہ کا قول ان کی قسم کے ساتھ مقبول ہوگا جب تک عورت گواہان عادل سے نہ ثابت کرادے کہ مجھے مہر سے جدا اس کا مالک کیا وہ زیور مہر ہی ٹھہرے گا۔ تنویر الابصار و در مختار و ردالمحتار میں ہے:

لو بعث الی امرأته شیئا ولم یذکر المهر ولاغیره فقالت هو هدیة وقال هو من المهر او عاریة فالقول له بیمینه والبینة لها فی غیر المهیاء للاکل[2] اھ ملخصة۔	جب خاوند نے بیوی کو کوئی چیز بھیجی اور مہر وغیرہ کا کوئی ذکر نہ کیا تو بیوی کہتی ہے یہ ہدیہ ہے اور خاوند کہتا ہے یہ مہر تھا یا عاریتًا تھا، تو خاوند کی بات قسم لے کر مان لی جائے گی اور عورت کی بات گواہی کے ساتھ مانی جائے گی، یہ صورت کھانے پینے والی چیزوں میں نہ ہوگی اھ ملخصًا(ت)

خیریہ میں ہے:

سئل فیما اذا بعث شیئا من جنس النقدین او مما لایستسارع الیه الفساد ثم اختلفا فقال الزوج انما بعثته لیحسب من المهر وقال هو هدیة هل القول قوله ام قولها اجاب القول قوله کما صرح به قاضیخان وغیره یعنی بیمینه معللا بانه المملك وهو اعرف بجهة التملیك[3] اھ ملخصا۔	سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بیوی کو نقد درہم و دینار یا ایسی چیز جو جلد خراب نہ ہونے والی ہو، بھیجی، پھر دونوں کا اختلاف ہوا۔ خاوند کہتا ہے کہ یہ مہر کے حساب میں تھی اور بیوی کہتی ہے کہ یہ ہدیہ ہے، تو کیا خاوند کی بات مانی جائے گیا یا بیوی کی؟ تو جواب دیا کہ خاوند کی بات قسم لے کر مانی جائے گی جیسا کہ قاضیخان نے یہ تصریح کی ہے اس وجہ سے کہ خاوند دینے والا ہے تو وہی تملیک کی وجہ بہتر جانتا ہے اھ ملخصا(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

[1] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

[2] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳، ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۳

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح باب المہر دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹

الوارث لقیامه مقام مورثه فیصدق فی جهة التملیک، فصولین، مما یکون القول فیه للمملک [1] اھ ملخصا. واللہ تعالٰی اعلم۔	وارث چونکہ مورث کے قائم مقام ہے اس لئے جہت تملیک کے بیان میں اس کی تصدیق کی جائے گی، جامع الفصولین، وہاں جہاں مالک بنانے والے کی بات مانی جاتی ہو اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰: ۸/ شعبان ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے مسماۃ ہندہ میری زوجہ نے مرتے وقت مجھے اپنا مہر بمواجہہ چار عورتوں کے معاف کردیا وارثان ہندہ نے جو ان عورتوں سے دریافت کیا ان میں سے دو نے محض انکار کیا، ایک کا بیان مذبذب رہا، چوتھی سے ابھی پوچھنے کی نوبت نہ آئی، ایسی حالت میں شرع شریف ایسی گواہیوں پر معافی مہر کا حکم دیتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نہ مذبذب بیان مسموع اذلاشهادة الاعن علم (کیونکہ شہادت بغیر علم نہیں ہوتی۔ت) نہ یہاں ایک کی گواہی معتبر اگرچہ مرد ہو لاشتراط العدد نصا (گواہوں کی تعداد مشروط ہونے پر نص ہے۔ت) نہ تنہا عورتوں کی شہادت مقبول اگرچہ دو چار ہوں کما نص علیه القراٰن العزیز (جیسا کہ اس پر قرآن عزیز نے نص فرمائی ہے۔ت) نہ وارث کے لئے مرض موت کی معافی بے اجازت دیگر ورثہ نافذ ہوسکے،

لانه فی حکم الوصیة ولاوصیة لوارث الاان یجیزها الورثة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وارث کے لئے وصیت نہیں مگر جہاں باقی ورثاء جائز تسلیم کرلیں، کیونکہ یہ معاملہ وصیت کے حکم میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱: از کلانور ضلع گورداسپور مرسلہ شیخ مراد علی خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ ۲۵/ شوال ۱۳۱۰ھ

حضرت من مولٰنا فیاض دارین جناب مولوی محمد احمد رضاخاں صاحب خاص مقیم بریلی زاداللہ فیضانہ۔ بعد السلام علیکم و تمنائے زیارت قدمین شریف کے التماس ہے کہ ایک صورت مسئلہ کی عرض کیا چاہتا ہے، جناب اس کے مقابلہ میں تحریر مسئلہ کی فرمائیں، ایک شخص کا ایک قبیلہ یعنی عورت زوجہ اور ایک اس زوجہ کا فرزند ہے س کے سوا اس شخص کا دوسرا زوجہ ہے اس کا بھی ایک فرزند ہے اور دو دختر ہیں اس شخص نے بخاطر زوجہ ثانی کے اول قبیلہ کے فرزند کو محروم الارث کرنا چاہتا ہے اور اس کی والدہ کو اخراجات

[1] العقود الدریہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۸و۱۹

دینے سے دست بردار ہے اور جس فرزند اول قبیلہ کو محروم کرنا چاہتا ہے بالغ اور جوان ہے ابتدا میں یہ اپنے باپ کے ساتھ کمانے میں بصورت تجارت کے شامل رہا اور پورا مددگار، پھر کچھ عرصہ علیحدہ ہو کر چند سال نوکری میں مصروف رہا بحالت نوکری اس کے باپ نے بہت خواہش سے نوکری سے جدا کر دیا، وجہ اس کا یہ ہے کہ اس شخص کے باپ کے زراعت کا کام بہت ہے اور ماسوا اس کے تنازعات اس کے لوگوں کے ساتھ بہت رہتے ہیں، جب وہ نوکری سے بموجب خواہش باپ کے الگ ہوا تو مقابلہ بھی لوگوں سے کرتا رہا، غرض اس نے کل کارروائی باپ کی کو بخوبی انجام دیا، باپ الگ ایک جگہ دوسرے شہر میں دکانداری کرتا رہا، باپ نے پیداوار زمینداری سے جو زیر اہتمام اس فرزند کے تھا چہارم حصہ پیداوار کا بلا خرچہ (خرچہ اپنے ذمہ رکھ کر) دیتا گیا، کچھ عرصہ تک وفا کیا اب بالکل بپاس خاطر زوجہ دوسری کے اور اس زوجہ کے فرزندان اور دختران کے پہلے قبیلہ اور اس کے فرزند بالغ کو جواب دے دیا اور اپنی خدمات سے الگ کر دیا، اب اس کے پاس کوئی اثاثہ نہیں ہے اور نہ توفیق ہے کہ باہر جا کر تلاش نوکری کی کرے، باپ کے قبضہ میں دو قسم کی جائداد ہے ایک وہ جو جدی ہے دوسری وہ جو بشمولیت اس فرزند بالغ کے خود پیدا کیا ہے، اس کے بارہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے کہ آیا فرزند بالغ کچھ لے سکتا ہے کہ نہیں؟ اور اگر باپ محروم کرنا چاہے تو ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

تجارت زراعت وغیرہا جس کام میں فرزند نے اپنے باپ کی اعانت ومددگاری کے طور پر کچھ کمایا وہ صرف ملک پدر ہے یعنی جب تک اس کا خورد ونوش ذمہ پدر تھا اور اپنا کوئی ذاتی مال وکسب جداگانہ نہ رکھتا تھا بلکہ اسے حرفت وکسب پدری میں جس طرح سعید بیٹے اپنے باپ کی اعانت کرتے اور اسے کام کی تکلیف سے محفوظ رکھتے ہیں اس کا معین ومددگار تھا تو جو کچھ ایسی وجہ وحالت میں کمایا سب باپ کا ہے جس میں بیٹے کے لئے کوئی حق ملک نہیں، فتاوٰی خیریہ پھر عقود الدریہ میں ہے:

حیث کان من جملۃ عیالہ والمعینین لہ فی امورہ واحوالہ فجمیع ماحصلہ بکدہ وتعبہ فھو ملك خاص لابیہ لاشیئ لہ فیہ حیث لم یکن لہ مال ولو اجتمع لہ بالکسب جملۃ اموال لانہ فی ذٰلك لابیہ معین حتی لوغرس	جب وہ والد کی عیال میں ہے اور والد کے معاونین میں سے ہے تو ایسی صورت میں والد کے امور اور احوال میں جو بھی اس کی محنت وکاوش سے حاصل ہوگا وہ خاص والد کی ملکیت ہوگا اس میں اس کے بیٹے کا مال نہ ہونے کی صورت میں کوئی ملکیت نہ ہوگی اگرچہ اس بیٹے کی محنت سے بہت سے اموال جمع ہوئے ہوں کیونکہ وہ اس میں والد کا معاون ہے

شجرة فی ہذہ الحالۃ فہی لابیہ نص علیہ علماؤنا رحمہم اللہ تعالٰی[1]۔	حتی کہ اگر وہ کوئی پودا لگائے تو اس حالت میں پودا والد کا ہوگا، اس پر ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے تصریح فرمائی ہے۔ (ت)

اور جو کچھ مال اس کے سوا پیدا کیا یعنی اس زمانہ میں کہ اس کا خورد ونوش باپ سے جدا تھا یا اپنے ذاتی مال سے کوئی تجارت کی یا کسب پدری سے الگ کوئی کسب خاص مستقل اپنا کیا جیسے صورت مستفسرہ میں نوکری کا روپیہ یہ اموال خاص بیٹے کے ٹھہریں گے، خیریہ وعقود میں ہے:

| سئل فی ابن کبیر ذی زوجۃ وعیال لہ کسب مستقل حصل بسببہ اموالا ہل ہی لوالدہ اجاب ہی للابن حیث لہ کسب مستقل واما قول علمائنا یکون کلہ للاب فمشروط کما یعلم من عبارتہم بشروط منہا اتحاد الصنعۃ وعدم مال سابق لہما وکون الابن فی عیال ابیہ فاذا عدم واحد منہا لایکون کسب الابن للاب وانظر الی ما عللوا بہ المسألۃ ان الابن اذا کان فی عیال الاب یکون معینا لہ فمدار الحکم علی ثبوت کونہ معینا لہ فیہ فاعلم ذٰلک[2] اھ ملخصًا۔ | ایسے جوان شادی شدہ عیالدار بیٹے جس کا اپنا مستقل کاروبار ہے اور کاروبار میں اموال حاصل ہوئے، کے متعلق سوال ہوا کہ کیا یہ اموال اس بیٹے کی ملک ہوں گے یا والد کے ہوں گے، جواب دیا کہ بیٹے کی ملک ہیں جبکہ یہ بیٹے کا اپنا مستقل کاروبار ہے ہمارے علماء کرام کا یہ ارشاد کہ وہ تمام والد کا ہے ان کا یہ ارشاد چند شرطوں سے مشروط ہے جیسا کہ ان کی عبارات سے معلوم ہے ان شرائط میں سے بعض یہ ہیں کہ باپ بیٹے کا کام ایک ہو، بیٹے کا پہلے سے اپنا مال نہ ہو، بیٹا باپ کے عیال میں شامل ہو تو ان شرائط میں سے جب کوئی شرط مفقود ہو تو بیٹے کی کمائی والد کے لئے نہ ہوگی، مسئلہ کے بیان میں علماء کی ذکر کردہ علت پر غور کرنا چاہئے انہوں نے فرمایا: جب بیٹا باپ کی عیال میں شامل ہو اور اس کا معاون ہو تو حکم کا مدار اس پر ہے کہ وہ اس میں باپ کا معاون ہو، یہ معلوم ہونا ضروری ہے اھ ملخصا۔ (ت) |

مگر جو چہارم حصہ پیداوار میں باپ نے اسے دینا کہا تھا اس کا دعوٰی اسے کسی حالت میں نہیں پہنچتا کہ اگر وہ کہنا محض بطور وعدہ واحسان تھا اور غالب یہی ہے جب تو پر ظاہر کہ لاجبر فی التبرع (تبرع میں جبر نہیں۔ت) اور اگر بروجہ معاوضہ محنت وعقد اجارہ تھا تو جہالت اجر وفساد اجارہ سے قطع نظر بیٹے کو

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۷
[2] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۷

اپنے کام کی اجرت باپ سے لینی جائز نہیں، نہ اس کی خدمت پر اجیر بن سکتا ہے کہ خدمت پدری طاعت الٰہی ہے اور طاعات پر اجارہ ناجائز، علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں کتاب الفرائض میں فرماتے ہیں:

الولد اذا اٰجر نفسه لوالده ليخدمه وكذا المرأة اجرت نفسها من زوجها لتخدمه لم يجز لان خدمتها تقع صلة للزوج فصارت مستحقة فلم تجز الاجارة[1] اھ ملخصًا۔	جب بیٹے نے اپنے آپ کو والد کا یا بیوی نے اپنے آپ کو خاوند کا مزدور بنایا تاکہ یہ ان کی خدمت کرسکیں تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ خدمت خاوند کے لئے صلہ ہے لہٰذا وہ اس خدمت کا حقدار ہے تو اجارہ جائز نہ ہوگا اھ ملخصًا (ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوی امام قاضیخان سے ہے:

الاب اذا استاجر ابنه البالغ فعمل الابن لا اجر له[2]۔	باپ جب اپنے بالغ بیٹے کو اجیر بنائے اور بیٹا کام کرے تو بیٹے کو اجرت نہ ملے گی۔ (ت)

رہا باپ کا اسے اپنی میراث سے محروم کرنا وہ اگر یوں ہو کہ زبان سے لاکھ بار کہے کہ میں نے اسے محروم الارث کیا یا میرے مال میں اس کا کچھ حق نہیں یا میرے ترکہ سے اسے حصہ نہ دیا جائے یا خیال جہال کا وہ لفظ بے اصل کہ میں نے اسے عاق کیا یا انہیں مضامین کی لاکھ تحریریں لکھے رجسٹریاں کرائے یا اپنا کل مال اپنے فلاں وارث یا کسی غیر کو ملنے کی وصیت کرجائے ایسی ہزار تدبیریں ہوں کچھ کارگر نہیں نہ ہرگز وہ ان وجوہ سے محجوب الارث ہوسکے کہ میراث حق مقرر فرمودہ رب العزۃ جل وعلا ہے جو خود لینے والے کے اسقاط سے ساقط نہیں ہوسکتا بلکہ جبرًا دلایا جائے گا اگرچہ وہ لاکھ کہتا رہے مجھے اپنی وراثت منظور نہیں میں حصہ کا مالک نہیں بنتا میں نے اپنا حق ساقط کیا پھر دوسرا کیونکر ساقط کرسکتا ہے،

قال اللہ تعالٰی "یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی تمہیں اولاد کے متعلق وصیت فرماتا ہے بیٹے کو دو بیٹیوں کا حصہ ہے۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض دار المعرفۃ بیروت ۴ /۳۶۷
[2] خزانۃ المفتین کتاب الاجارۃ قلمی نسخہ ۲/ ۱۶۲
[3] القرآن الکریم ۴ /۱۱

لو قال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه[1]۔	اگر وارث کہے میں نے اپنا حصہ چھوڑا تو اس سے اس کا حق باطل نہ ہوگا۔(ت)

غرض بالمقصد محروم کرنے کی کوئی سبیل نہیں، ہاں اگر حالت صحت میں اپنا مال اپنی ملک سے زائل کردے تو وارث کچھ نہ پائے گا کہ جب ترکہ ہی نہیں تو میراث کاہے میں جاری ہو مگر اس قصد ناپاک سے جو فعل کریگا عنداللہ گنہگار وماخوذ رہے گا۔ حدیث میں ہے حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیمة۔ رواہ ابن ماجة[2] عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	جو اپنے وارث کو اپنا ترکہ پہنچنے سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے۔(اسے ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔(ت)

یونہی ایک زوجہ کے پیچھے دوسری کی خبرگیری نہ کرنی دوہرا گناہ اور بنص قرآن حرام قطعی ہے۔ حدیث میں ہے حضور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاکانت عنده امرأتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیمة وشقه ساقط[3]۔ رواہ الترمذی وابوداود و النسائی وابن ماجة وابن حبان والحاکم عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	جس کے دو بیبیاں ہوں اور وہ انہیں برابر نہ رکھے قیامت کے دن اس حال پر آئے کہ اس کی ایک طرف کی کروٹ گری ہوئی ہو (اسے ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

مسئلہ ۳۲ تا ۳۵: از بلگرام شریف ضلع ہردوئی محلّہ سلھڑہ مرسلہ سید محمد زاہد صاحب ۴جمادی الآخر ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) زید کہ ایک علاقہ کا حاکم وقت کی جانب سے مہتمم مقرر ہے بذات خود حاکم نہیں ہے کہ کوئی حکم یا فیصلہ قطعی کرسکتا ہے تو ایسی صورت میں اگر بکر جو اسی علاقہ میں رہتا ہے بغیر کسی خواہش ود باؤ کے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۱۶۰

[2] سنن ابن ماجه ابواب الوصایا باب الحیف فی الوصیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۹۸

[3] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی التسویة بین الضرائر امین کمپنی دہلی ۱ /۱۳۶

بموجب رواج یا اخلاق انسانی کے زید کی دعوت کرے یا کوئی تحفہ کسی قسم کا پیش کرے تو اس کا لینا داخل رشوت ہے یا نہیں اور جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) زید بحکم حاکم وقت کے تحقیقات کے واسطے اسی علاقہ میں جس کا وہ مہتمم ہے کسی فریق کے مکان پر جائے یا بصورت نہ ہونے فریق ثانی بمقابلہ حاکم کے تحقیقات بکر کو جائے اس وقت کھانا کھلانا بکر کا یا معمولی تحفہ پیش کرنا اور زید کو اس کا قبول کرنا داخل رشوت و ناجائز ہوگا یا جائز درحالیکہ بغیر خدمت گزاری بکر کے بھی زید کا طریق عمل یکساں ہے۔

(۳) بخلاف ہر دو دفعات کے اگر زید حاکم مختار و فیصلہ قطعی کرسکتا ہے تو زید کو اپنے حدود علاقہ کے اندر دعوت و تحفہ کا قبول کرنا کیسا ہے، جائز یا ناجائز؟

(۴) جس حالت میں زید کے طریق عمل سے بکر واقف ہوجائے کہ دعوت و تحفہ سے زید میرے حق میں کچھ رعایت نہ کرے گا اپنے طریق عمل پر پورا قائم رہے گا اور باوجود اس عمل کے نمبر او ۲ کا برتاؤ کرے تو جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

جو شخص بذات خود خواہ از جانب حاکم کسی طرح کا قہر و تسلط رکھتا ہو جس کے سبب لوگوں پر اس کا کچھ بھی دباؤ ہوا گرچہ وہ فی نفسہ ان پر جبر و تعدی نہ کرے دباؤ نہ ڈالے اگرچہ وہ کسی فیصلہ قطعی بلکہ غیر قطعی کا بھی مجاز نہ ہو جیسے کوتوال، تھانہ دار، جمعدار یا دہقانیوں کے لئے زمیندار مقدم پٹواری یہاں تک کہ پنچایتی قوموں یا پیشوں کے لئے ان کا چودھری، ان سب کو کسی قسم کے تحفہ لینے یا دعوت خاصہ (یعنی وہ دعوت کہ خاص اسی کی غرض سے کی گئی ہو کہ اگر یہ شریک نہ ہو تو دعوت ہی نہ ہو) قبول کرنے کی اصلاً اجازت نہیں مگر تین صورتوں میں، اول اپنے افسر سے جس پر اس کا دباؤ نہیں، نہ وہاں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی طرف سے یہ ہدیہ ودعوت اپنے معاملات میں رعایت کرانے کے لئے ہو۔ دوم ایسے شخص سے جو اس کے منصب سے پہلے بھی اسے ہدیہ دیتا یا دعوت کرتا تھا بشرطیکہ اب سے اسی مقدار پر ہے ورنہ زیادت روا نہ ہوگی مثلاً پہلے ہدیہ ودعوت میں جس قیمت کی چیز ہوتی تھی اب اس سے گراں قیمت پر تکلف ہوتی ہے یا تعداد میں بڑھ گئی یا جلد جلد ہونے لگی کہ ان سب صورتوں میں زیادت موجود اور جواز مفقود، مگر جبکہ اس شخص کا مال پہلے سے اس زیادت کے مناسب سب زائد ہوگیا ہو جس سے سمجھا جائے کہ یہ زیادت اس شخص کے منصب کے سبب نہیں بلکہ اپنی ثروت بڑھنے کے باعث ہے۔ سوم اپنے قریب محارم سے، جیسے ماں باپ اولاد بہن بھائی نہ چچا ماموں خالہ پھوپھی کے بیٹے کہ یہ محارم نہیں اگرچہ عرفاً انہیں بھی بھائی کہیں۔ محارم سے مطلقاً اجازت ظاہر عبارت قدوری پر ہے ورنہ امام سغناقی نے نہایہ

پھر امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اسے بھی صورت دوم ہی میں داخل فرمایا کہ محارم سے بھی ہدیہ ودعوت کا قبول اسی شرط سے مشروط کہ پیش از حصول منصب بھی وہ اس کے ساتھ یہ برتاؤ برتتے ہوں مگر یہ کہ اسے یہ منصب ملنے سے پہلے وہ فقرا تھے اب صاحب مال ہوگئے کہ اس تقدیر پر پیش از منصب عدم ہدیہ ودعوت بربنائے فقر سمجھا جائے گا اور فی الواقع اظہر من حیث الدلیل یہی نظر آتا ہے کہ جب باوصف قدرت پیش از منصب عدم یا قلّت وبعد منصب شروع یا کثرت بربنائے منصب ہی سمجھی جائے گی اس تقدیر پر صرف دو ہی صورتیں مستثنیٰ رہیں پھر بہر حال جو صورت مستثنیٰ ہوگی وہ اسی حال میں حکم جواز پاسکتی ہے جب اس وقت اس شخص کا کوئی کام اس سے متعلق نہیں ورنہ خاص کام پڑنے غرض متعلق ہونے کے وقت اصلاً اجازت نہیں خواہ وہ افسر ہو یا بھائی یا پہلے سے ہدیہ وغیرہا دینے والا بلکہ ایسے وقت عام دعوت میں شریک ہونا بھی نہ چاہئے نہ کہ خاص، پھر جہاں جہاں مانعت ہے اس کی بنا صرف تہمت واندیشہ رعایت پر ہے حقیقۃً وجود رعایت ضرور نہیں کہ اس کا اپنے عمل میں کچھ تغیر نہ کرنا یا اس کا اس کی عادت بے لوثی سے آگاہ ہونا مفید جواز ہوسکے۔ دنیا کے کام امید ہی پر چلتے ہیں، جب یہ دعوت وہدایا قبول کیا کرے گا تو ضرور خیال جائے گا کہ شاید اب کی بار کچھ اثر پڑے کہ مفت مال دینے کی تاثیر مجرب ومشاہد ہے اس بار نہ ہوئی اس بار ہوگی، اس بار نہ ہوئی پھر کبھی ہوگی، اور یہ حیلہ کہ اس کا ہدیہ ودعوت بربنائے اخلاق انسانیت ہے نہ بلحاظ منصب، اس کا رد حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماچکے ہیں، جب ایک صاحب کو تحصیل زکوٰۃ پر مقرر فرما کر بھیجا تھا انہوں نے اموال زکوٰۃ حاضر کئے اور کچھ مال جدا رکھے کہ یہ مجھے ملے ہیں فرمایا اپنی ماں کے گھر بیٹھ کر دیکھا ہوتا کہ اب کتنے تحفے ملتے ہیں یعنی یہ ہدایا صرف اسی منصب کی بناپر ہیں اگر گھر بیٹھا ہوتا تو کون آکر دے جاتا، اس مسئلہ کی تفاصیل میں اگرچہ کلام بہت طویل ہے مگر یہاں جو کچھ مذکور ہوا بعونہ تعالٰی خلاصہ تنقیح وصالح تحویل ہے،

فی الدر المختار ویرد هدیة التنکیر للتقلیل وهی ما یعطی بلاشرط اعانة بخلاف الرشوة الامن اربع السلطان والباشا وقریبه المحرم او ممن جرت عادته بذٰلك بقدر عادته ولاخصومة لهما ویرد دعوة خاصة	درمختار میں ہے وہ ہدیہ کو رد کردے، ہدیہ کی تنکیر قلّت کے لئے، اور یہ وہ ہے کہ اس کو اعانت کی شرط کے بغیر دیا جائے بخلاف رشوت کہ اس میں اعانت کی شرط ہوتی ہے۔ قاضی صرف چار حضرات سے ہدیہ وصول کرسکتا ہے بادشاہ، گورنر، اپنے قریبی محارم، اور جس سے پہلے وصول کی عادت جاری تھی وہ بھی عادت کے مطابق، بشرطیکہ آخری دونوں کا

وھی التی لایتخذ ھا صاحبھا لو لاحضور القاضی ولا یجیب دعوۃ خصم ولوعامۃ للتھمۃاھ[1] ملخصا، وفی ردالمحتار الاصل فی ذٰلك مافی البخاری عن ابی حمید الساعدی قال استعمل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا علی الصدقۃ فلما قدم قال ھذا لکم وھذا لی قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھلاجلس فی بیت ابیہ او بیت امہ فینظر ایھدی لہ ام لاوتعلیل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دلیل علی تحریم الھدیۃ التی سببھا الولایۃ فتح، قال فی النھر الظاھر ان المراد بالعمل ولایۃ ناشئۃ عن الامام اونائبہ کالساعی والعاشر اھ **قلت** ومثلھم مشائخ القری و الحرف وغیرھم ممن لہ قھروتسلط علی من دونھم فانہ یھدی الیھم خوفامن شرھم اولیروج عندھم ورأیت فی حاشیۃ شرح المنھج للعلامۃ محمد الداودی الشافعی الفقیہ قال ع ش ومن العمال مشائخ

مقدمہ اس کے ہاں نہ ہو، اور وہ خاص دعوت کو رد کردے، خاص دعوت وہ ہے جس میں اگر قاضی نہ ہو تو دعوت نہ ہو، اور مقدمہ کے کسی فریق کی دعوت قبول نہ کرے اگرچہ یہ دعوت عام ہو کیونکہ مقام تہمت ہے اھ ملخصاً۔ اور ردالمحتار میں ہے: اس میں اصل یہ ہے کہ بخاری شریف میں ابوحمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو صدقہ پر عامل بنایا تو جب وہ واپس آیا تو اس نے صدقات پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ یہ مال آپ کے بیت المال کا ہے اور یہ میرا ہے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ اپنے باپ یا ماں کے گھر بیٹھ کر کیوں نہیں دیکھتا کہ اس کو ہدیہ ملتا ہے یا نہیں، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ وجہ ایسے ہدیہ کی حرمت کی دلیل جو کسی عہدہ کی بناپر ملے، فتح۔ اور نہر میں فرمایا: ظاہر ہے کہ ولایت وعہدہ سے مراد یہ ہے کہ وہ امام یا نائب امام کی طرف سے سونپا گیا ہو جیسا کہ زکوٰۃ یا عشر وصول کرنے والا، اھ۔ **میں کہتا ہوں** اسی طرح دیہاتوں اور حرفتوں کے نگران وغیرہ جن کو اپنے ماتحتوں پر تسلط اور غلبہ ہوتا ہے کیونکہ ان کے شر کا خوف یا ان سے طمع ہوتا ہے، میں نے علامہ محمد داؤدی شافعی فقیہ کی شرح منہج میں دیکھا ہے انہوں نے ع ش کے حوالہ سے فرمایا عاملین میں سے بازاروں، شہروں کے نگران اور

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۵۔۷۴

الاسواق والبلدان ومباشر الاوقاف وکل من یتعاطی امرا یتعلق بالمسلمن انتھی،وعبارۃ القلانسی ولا یقبل الھدیۃ الا من ذی رحم محرم او وال مقدم علیہ فی الرتبۃ ووجھہ ان منع قبولھا انما ھو للخوف من مراعاتہ لاجلھا وھوان راعی الملك ونائبہ لم یراعہ لاجلھا قولہ المحرم ھذاالقید لابدمنہ لیخرج ابن العم نھر قولہ ولاخصومۃ لھما قال فی البحر والحاصل ان من لہ خصومۃ لایقبلھا مطلقًا ومن لاخصومۃ لہ فان کان لہ عادۃ قبل القضاء قبل المعتاد والا لااھ ای سواء کان محرما او غیرہ علی مامرعن شیخ الاسلام،قال فی البحر فلوکان من عادتہ الدعوۃ فی کل شھر مرۃ فدعاہ کل اسبوع بعد القضاء لایجیبہ ولواتخذلہ طعاما اکثر من الاول لایجیبہ الاان یکون مالہ قد زاد کذافی التاتارخانیۃ اھ اھ ملتقطا[1]

اوقاف کے ذمہ دار اور تمام ایسے لوگ جن کو مسلمانوں کے امور سے متعلق کیا گیا ہو اھ،اور قلانسی کی عبارت یوں ہے کہ وہ صرف اپنے ذی رحم محرم یا اپنے سے بڑے مرتبہ والے کسی والی کا ہدیہ قبول کر سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدیہ قبول کرنے کی ممانعت صرف اس وجہ سے ہے کہ کہیں ہدیہ کی وجہ سے ہدیہ والے کی رعایت نہ کرے تو اگر وہ بادشاہ یا اس کے نائب کی رعایت کرے گا تو وہ اس کی رعایت نہ کرینگے،اور اگر کرے گا تو ہدیہ کی وجہ سے نہ کرے گا۔ماتن کا قول "محرم" تو یہ قید ضروری ہے تاکہ چچازاد اس اجازت سے خارج ہو جائے،نہر۔اور اس کا قول کی خصومت نہ ہو (یعنی ان کا مقدمہ نہ ہو) تو بحر میں فرمایا حاصل یہ کہ ان کا ہدیہ مطلقًا قبول نہ کرے اور جس کا مقدمہ نہ ہو تو اگر قضاء سے قبل اس سے ہدیہ وصول کرنے کی عادت تھی تو عادت سے زائد قبول کرنے کی ممانعت ہے،اگر وہ ایسا نہیں تو پھر قبول نہ کرے اھ، یعنی محرم ہو یا نہ ہو جیسا کہ شیخ الاسلام سے منقول گزار،بحر میں فرمایا:اگر قضا سے قبل ایک ماہ پر دعوت کی عادت تھی تو اب قضاء کے بعد ہر ہفتہ دعوت شروع کردی تو قبول نہ کرے اور اگر اب کھانا زیادہ پر تکلف ہو تو قبول نہ کرے،ہاں دعوت قبول کرنے والا پہلے سے زیادہ مالدار ہو گیا تو قبول کرے جیسا کہ تاتارخانیہ

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۱۰تا۳۱۲

وفی الھندیۃ یقبل الھدیۃ من الوالی الذی ولاہ ولوکان للخلیفۃ خصومۃ لم یقبل ھدیتہ الابعد الحکم کذافی العتابیۃ [1] اھ۔وفی فتح القدیر قال شیخ الاسلام قالوا ماذکر فی الضیافۃ فمحمول علی ماذاکان المحرم لم یجری بینھما الدعوۃ والمھاداۃ وصلۃ القرابۃ واحدث بعد القضاء ذٰلك فاذاکانت الحالۃ ھذہ فھو کالاجنبی سواء ومافی الھدیۃ محمول علی انہ کان جری بینھما المھاداۃ وصلۃ القرابۃ قبل القضاء فاذااھدی بعد القضاء لاباس بقبولہ انتھی فقد اٰل الحال الی انہ لافرق بین القریب والغریب فی الھدیۃ والضیافۃ [2] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں ہے اھ ملتقطا،اور ہندیہ میں ہے کہ قاضی اپنے والی کی دعوت قبول کرے جس نے اس کی تقرری کی ہے اور خلیفہ کا کوئی مقدمہ اس کے پاس ہو تو پھر فیصلہ کرنے کے بعد اس کی دعوت قبول کرے، جیسا کہ عتابیہ میں ہے اھ،اور فتح القدیر میں فرمایا: شیخ الاسلام نے فرمایا: فقہاء کرام نے کہا ہے کہ ضیافت کے متعلق جومذکور ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ محرم کی عادت اگر پہلے سے ہدیہ، دعوت اور قرابت کا صلہ جاری نہ ہو اور اب قضاء کے بعد ہدیہ دے تو ایسی حالت میں وہ محرم اور اجنبی مساوی ہیں،اور جو ہدیہ سے متعلق مذکور ہے وہ پہلے سے جاری ہدیہ اور صلہ قرابت پر محمول ہے اگر یہ قضاء کے بعد بھی ہدیہ دے تو قبول کرنے میں قباحت نہیں ہے اھ تو حال کا مآل یہ ہوا کہ ضیافت اور ہدیہ کے معاملہ میں قریبی اور غیر قریبی کا کوئی فرق نہیں الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ یعقوب علی خاں ۱۳/ رمضان مبارک ۱۳۱۱ھ

اکمل کامل وافضل افاضل مولانا احمد رضاخان صاحب بعد ابراز مراسم سلام مصدع خدمت ہے کہ اب بادشاہی اسلام کا ہندوستان میں نشان باقی نہیں اور جو بعض بعض ملک میں نواب اسلام ہیں وہ بھی اجرائے تمام احکام شرعی کے مجاز نہیں اور عہدہ قضاتوجب سے مفقود ہے،برائے نام قاضی ہیں ملبوس علم سے مبرا اور ان میں بھی ثقہ چیدہ چیدہ، باوجود ان وجوہات کے وہ قاضی وحکام ہنود وغیرہ ولایت عامہ کا خاصہ رکھتے ہیں یانہیں؟ اور اگر نہیں تو قاضی شرع کسے قرار دیا جائے کہ اسے ولایت صبی وصبیہ کی ہو۔زیادہ نیاز۔

الجواب:

اسلامی ریاستوں میں والیان مسلمین جن حکام کو مقدمات فیصل کرنے پر مقرر کرتے ہیں وہ شرعًا قاضی ہیں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب القضاء الباب التاسع فی رزق القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۳۰

[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۷۲

والی کی طرف سے جو اختیارات جائز انہیں سپرد ہوں گے وہ اختیار شرعی ہیں اگرچہ یہ ریاستیں زیر غلبہ کفار ہوں۔

فی جامع الفصولین کل مصر فیه وال مسلم من جهة الکفار تجوزفیه اقامة الجمع والاعیاد واخذالخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامٰی لاستیلاء المسلم علیهم واماطاعة الکفرة فهی موادعة ومخادعة[1] الخ ویأتی تمامه ونحوه فی ردالمحتار عن التتارخانیة وعن معراج الدرایة عن المبسوط وعن شرح مسکین عن الاصل۔	جامع الفصولین میں ہے جس شہر میں کفار کی طرف سے مقرر کردہ مسلمان والی ہو تو وہاں جمعہ، عیدین، خراج وصول کرنا، قاضی حضرات کو مقرر کرنا اور یتیم لڑکیوں کا نکاح کردینا جائز ہے کیونکہ مسلمانوں کا وہاں غلبہ ہے، رہا یہ کہ کفار کی اطاعت ہے تو یہ عارضی معاملہ اور دکھاوا ہے الخ اس کی مکمل بحث عنقریب آئے گی، اور ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ایسا ہی منقول ہے اور اس میں معراج الدرایہ بحوالہ مبسوط اور شرح مسکین بحوالہ اصل، سے بھی منقول ہے۔ (ت)

اور ان کا جاہل ہونا مذہب اصح پر منافی قضا نہیں کہ جاہل عالم سے فتوٰی لے کر کام کرسکتا ہے،

فی جامع الفصولین کونه عالما او مجتهدا لیس بشرط[2]۔	جامع الفصولین میں ہے کہ قاضی کا عالم یا مجتہد ہونا شرط نہیں ہے۔ (ت)

یونہی غیر ثقہ بلکہ فاسق ہونا بھی، اگرچہ فاسق کو قاضی کرنا گناہ ہے،

فی الفتح والوجه تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذو شوکة وان کان جاهلا فاسقاوهو ظاهر المذهب عندنا فیحکم بفتوی غیرہ[3] اھ، وفی الدرالمختار الفاسق اهلها فیکون اهله لکنه لایقلد وجوبا ویأثم مقلدہ کقابل شهادته به یفتی[4]۔	فتح میں ہے کہ صحیح وجہ یہ ہے کہ جس کو صاحب شوکت سلطان قاضی مقرر کردے اگرچہ وہ جاہل فاسق ہو اس کی قضا ہمارے ہاں نافذ ہوجائے گی یہی ظاہر مذہب ہے اور ایسی صورت میں وہ قاضی دوسرے کے فتوے پر عمل کرے گا اھ، اور درمختار میں ہے فاسق شہادت کا اہل ہے تو قضا کا اہل ہوگا لیکن لازم ہے کہ ایسے کو مقرر نہ کیا جائے اور مقرر کرنے والا گنہگار ہوگا جیسا کہ ایسے کی شہادت قبول کرنے والا گنہگار ہوگا، اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

[1] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء ومایتصل به المطبعة الازہریہ مصر ۱/ ۱۴

[2] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء ومایتصل به المطبعة الازہریہ مصر ۱/ ۱۴

[3] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷

[4] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

اسی طرح بعض احکام مثل حدود میں اجرائے حکم شرع سے ممنوع ہونا بھی کہ اگر یہ ممانعت یوں ہے کہ وہ مد جس میں شرع سے مخالفت کرتے ہیں اس قاضی کی حد سماعت ہی سے خارج رکھی اور اسے جن مقدمات کے سننے کے اختیار دیا ان میں اتباع شرع سے منع نہ کیاجب توظاہر کہ قضاہر طرح صالح تخصیص ہے کما نص علیه فی الاشباہ وغیرہا (جیسا کہ اس پر اشباہ وغیرہ میں تصریح ہے۔ت) اور اگر یوں کہ بعض امور مفوضہ میں مطابق شرع حکم دینے سے منع کیا تاہم قضا متحقق ہے اگرچہ ایسی جگہ اس کا اختیار کرنے والا فاسق ہے،

فی الدرالمختار یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعه عن القضاء بالحق فیحرم[1]۔	درمختار میں ہے کہ سلطان عادل ہو یا ظالم اس کا قاضی مقرر کرنا جائز ہے اور اگر کافر ہو تو بھی جائز ہے اس کو مسکین وغیرہ نے ذکر کیا ہے، ہاں اگر کافر قاضی کو حق کے فیصلوں سے منع کرے تو پھر اس کی طرف سے تقرری حرام ہوگی۔(ت)

ہاں مسلمانوں کے معاملات اور اطفال مسلمین کے ولایات میں قاضی کا مسلمان ہونا شرط ہے ہندو وغیرہ کفار کو مسلمان پر اصلاً ولایت نہیں ہوسکتی،

قال اللہ تعالٰی "وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی کافروں کو مسلمانوں پر کوئی ولایت نہ دے گا۔(ت)

غرض اسلامی ریاستوں میں قاضیان ذی اختیار شرعی کا موجود ہونا واضح، اور جہاں اسلامی ریاست اصلاً نہیں وہاں اگر مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے کسی مسلمان کو اپنے فصل مقدمات کے لئے مقرر کرلیا تو وہی قاضی شرعی ہے،

فی جامع الفصولین بعدما مر عنه اولا، واما فی بلاد علیها ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع و الاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین[3] الخ ونحوہ فیما مر معه من الکتاب۔	جامع الفصولین میں اولاً مذکور کے بعد ذکر کیا کہ لیکن وہ شہر جہاں کافر والی ہوں تو وہاں مسلمانوں کی رضا واتفاق سے جمعہ، عیدین کا قیام اور قاضی کا تقرر جائز ہوگا الخ اور ایسا ہی اس کے ساتھ کتاب میں بھی مذکور ہے۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۳

[2] القرآن الکریم ۴ /۱۴۱

[3] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۴

اور اگر ایسانہ ہو تو شہر کا عالم کہ عالم دین وفقیہ ہو اور اگر وہاں چند علماء ہیں تو جو ان سب میں زیادہ علم دین رکھتا ہو وہی حاکم شرع ووالی دین اسلام و قاضی وذوی اختیار شرعی ہے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے کاموں میں اس کی طرف رجوع کریں اور اس کے حکم پر چلیں، یتیمان بے ولی پر وصی اس سے مقرر کرائیں نابالغان بے وصی کا نکاح اس کی رائے پر رکھیں ایسی حالت میں اس کی اطاعت من حیث العلم واجب ہونے کے علاوہ من حیث الحکم بھی واجب،

فی الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ وفی العتابی اذاخلاالزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم و یصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم وقال السمھودی وھذا من حیث انعقاد الولایۃ الخاصۃ فلاینافی وجوب طاعۃ العلماء مطلقًا[1] الخ۔	حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے کہ عتابی میں ہے کہ جب سلطان اسلام سے زمانہ خالی ہو تو پھر امور علماء کے سپرد ہوں گے اور وہی والی قرار پائیں گے اور امت پر لازم ہوگا کہ ان کی طرف رجوع کریں اور ایک عالم پر اجتماع سب کے لئے دشوار ہو تو ہر علاقہ اپنے اپنے علماء کی اتباع کرے، اور اگر ایک علاقہ میں علماء کثیر ہوں تو بڑے عالم کی اتباع ہوگی، تو اگر وہ سب مساوی ہوں تو ایک کو قرعہ اندازی کے ذریعہ متعین کریں۔ سمہودی نے فرمایا: یہ بیان ولایت خاصہ کے متعلق ہے تو علماء کی مطلقًا اطاعت کے وجوب کے منافی نہ ہوگا الخ۔ (ت)

رہے یہ نکاح خوانی کے قاضی جو گاؤں گاؤں مقرر ہوتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں، نہ انہیں کچھ ولایت، کمالایخفی (جیساکہ پوشیدہ نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷: یکم صفر ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ ایک بھائی نے چھوٹے بھائی کی شادی کی، بعد انتقال والدین کے، اپنے پاس سے رسومات شادی میں مثل زیور اور پارچہ وغیرہ میں صرف کیا، بعدہ اولاد ہونے میں صرف کیا، اور جب اس بھائی کا انتقال ہوا تو صرف تجہیز و تکفین اور چہلم وغیرہ کا کیا، پس اس صورت میں زوجہ اور دختر کے حصہ سے کس قدر ملنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

سائل مظہر کہ چھوٹا بھائی وقت شادی بالغ تھا، قریب بیس برس کے عمر ہوگی، اور اس کا اپنا کچھ

[1] الحدیقۃ الندیۃ النوع الثالث من الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

مال نہ تھا، نہ بڑے بھائی نے مال مشترک سے اس کی شادی کا صرف کیا بلکہ خاص اپنا ذاتی مال اٹھایا اور اس صرف کی نہ چھوٹے بھائی نے درخواست کی تھی نہ بڑے نے اس سے اجازت لی، بلکہ بطور خود جیسے والدین اپنے بچوں اور ان کے نہ ہونے کی حالت میں بڑے بھائی اپنے چھوٹوں کی شادیاں کرتے ہیں شادی کردی، پس صورت مستفسرہ میں بڑا بھائی ان مصارف کو کسی سے مجرا نہیں لے سکتا،

فان من انفق فی امر غیرہ بغیر امرہ ولا مضطرا الیہ فانہ یعد متبرعا فلا یرجع بشیئ۔	کیونکہ جس نے غیر کے معاملہ میں اس کے حکم اور کسی مجبوری کے بغیر خرچ کیا تو وہ خرچہ بطور نیکی ہوگا لہٰذا اس خرچہ کی وصولی کے لئے رجوع نہ کرسکے گا۔(ت)

ہاں اگر رسم ورواج عام ظاہر سے کسی شیئ کی نسبت ثابت ہو کہ یہ چیز سامان شادی میں اس قوم میں محض بطور عاریت دی جاتی ہے دے ڈالنا مقصود نہیں ہوتا تو صرف اس شے کا استحقاق بڑے بھائی کو ہے اگر وہ شے موجود ہے لے لے اور تلف ہوگئی تو کسی سے مطالبہ نہیں کرسکتا **فان العواری امانات لاتضمن الابالتوی** (کہ عاریتًا لی ہوئی چیزیں امانت ہوتی ہیں ضائع کئے بغیر ان کا ضمان نہ ہوگا۔ت) اور اگر چھوٹے بھائی یا اس کی زوجہ نے خود خرچ کردی تلف کرڈالی تو جس نے کی اس سے اس کا تاوان لے سکتا ہے، اسی طرح بھائی کے اولاد ہونے میں جو اٹھایا اس کا بھی مطالبہ کسی سے نہیں جبکہ بنظر عرف صرف احسان وسلوک منظور ہوتا ہو، اور اگر عرف سے یہ ثابت ہو کہ اس تقریب میں جو کچھ بڑا بھائی چھوٹے کے یہاں دیتا ہے وہ بطور قرض ہوتا ہے کہ جب اس کے یہاں تقریب ہو تو اسے معاوضہ دینا پڑتا ہے تو اس صورت میں وہ قرض ہے اس کا عوض ترکہ برادر سے پائے گا کما یستفاد ذٰلک من نص الفتاوی الخیریۃ (جیسا کہ فتاوٰی خیریہ کی تصریح سے یہ مستفاد ہے۔ت) اور صورت مسئولہ میں جب کہ بڑا بھائی چھوٹے کا وارث ہے کہ زوجہ ودختر کے ساتھ بھائی بھی حصہ پاتا ہے تو جو کچھ اس نے چھوٹے بھائی کے کفن ودفن بقدر سنت میں لگایا اسی قدر مجرا لے سکتا ہے اس سے زائد جو کچھ فاتحہ وسوم وچہلم میں اٹھایا وہ بھی نرا احسان تھا جسے کسی سے مجرا نہ پائے گا **کما نص علیہ العلامۃ الطحطاوی فی فرائض حاشیۃ علی الدرالمختار** (جیسا کہ علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں اس پر تصریح کی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی صاحب غرہ ۲ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایام سابق میں قصبہ بڑوانی میں حاکم ہنود تھا اس کو بادشاہ اسلام نے مشرف باسلام کرکے عہدہ قضاء پر مقرر کیا تھا بعد معدودالایام کے وہ راہی سوئے جناں ہوا اس کی اولاد سے ورثہ مسلم نہ تھا اولاد ہنود اس کی اس کے قائم مقام ہوئی اور دفتر قضا بھی اس کے قبضہ میں رہا ان ایام میں

مسلمان وہاں کے مذہب سے واقف نہ تھے موافق حکم حکام ہنود نکاح ہوتا رہا اب جماعت اہل اسلام اپنا قاضی مسلم مقرر کیا چاہتی ہے، درست ہے یا کہ وہی حکام ہنود عہدہ قضاء پر قائم رہے اور چند ملازم مسلم اس کے طرفدار کس سزا کے مستحق ہیں، ان مسائل میں جو حکم مصدق بالتصدیق ہو بیان فرمائیں بعبارت کتب رحمۃ اللہ علیہ اجمعین۔

الجواب:

شریعت مطہرہ میں مسلمانوں پر کوئی عہدہ حکومت کسی کافر کو دینا روا نہیں،

قال تعالٰی لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ؏[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مومنین پر ولایت نہ دے گا۔ (ت)

نہ مسلمان کے نکاح بر طریقہ کفار کرنے روا ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: شیطانوں کے راستوں کی پیروی نہ کرو۔ (ت)

نہ مسلمانوں کو دینی کام میں کافر سے مدد لی جاسکتی ہے۔ حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انالا نستعین بمشرک[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہم کسی مشرک سے مدد نہ لیں گے۔ (ت)

جو مسلمان اس ہندو کے طرفدار و مددگار ہیں شرعاً مستحق تعزیر و گنہگار ہیں،

قال اللہ تعالٰی "لَا یَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ"[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مومن کفار کو اپنا دوست نہ بنائیں مومنین کے علاوہ۔ (ت)

ان پر اس ناجائز طرفداری سے توبہ لازم ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۪"[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور عداوت میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۶۸

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجہاد حدیث ۱۵۰۰۹ ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۴

[5] القرآن الکریم ۵/ ۲

مسئلہ ۳۹: ازبنارس کندیگر ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب غرہ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چاند محمد کے چار پسر تھے: تاج محمد، لطف اللہ، کریم اللہ، عبدالواحد۔ اور ایک دختر جان بی بی۔ چاند محمد نے ایک مکان خام سفالہ پوش اپنے روپے سے تاج محمد کے نام نیلام میں خرید کیا، کچھ روز بعد چاند محمد نے ایک مکان خام سفالہ پوش اور تھوڑی سی زمین تاج محمد مذکور اور لطف اللہ پسر ثانی کے نام اپنے روپے سے خرید کیا، بوقت خرید دونوں پسر بالغ تھے، چونکہ واقعہ ستر برس کا ہے لہذا یہ نہیں معلوم کہ الفاظ بیع وشراء کے کس کی جانب مضاف تھے لیکن قبالہ مکان وزمین چاند محمد نے تاج محمد ولطف اللہ کے نام کیا مگر قبضہ کسی کو نہ دیا کرایہ مکان ہمیشہ آپ لیتے رہے، بعد چند سال کے تاج محمد ایک پسر فیض اللہ کو چھوڑ کر اپنے والد وبرادران وخواہر کی حیات میں قضا کیا بعدہ چاند محمد نے دونوں مکان توڑ کر مع زمین کے اس پر مکان پختہ اپنے روپے خاص سے تیار کیا، بعد ازاں لطف اللہ نے انتقال کیا، غرض دونوں پسر جن کے نام مکان زمین خرید کی گئی انتقال کرگئے، بعدہ چاند محمد کو اتفاق سفر حج کا ہوا بوقت سفر حج کریم اللہ وعبدالواحد وغیرہ نے اپنے والد سے کہا کہ فیض اللہ تو محجوب ہوگئے لیکن ان کو کچھ دینا چاہئے بوجہ کہنے پسران کے چاند محمد نے کہا کہ فلاں مکان دیا جائے، چنانچہ سادہ کاغذ پر لکھ بھی دیا لیکن قبضہ نہ دیا چونکہ کاغذ گم ہوگیا لہذا مجبوری ہے ورنہ اس کے مضمون سے اطلاع دی جاتی، بعد واپسی سفر حج کے چاند محمد نے فیض اللہ محجوب اور ایک اپنے پسر عبدالواحد کو لے کر مکان تحریر میں قیام کیا، بعد ازاں چاند محمد کریم اللہ وعبدالواحد وجان بی بی کو چھوڑ کر انتقال کرگیا، اس وقت مکان مذکور میں فیض اللہ محجوب اور عبداللطیف مقیم ہیں، خلاصہ سوال یہ ہے کہ فیض اللہ اس مکان میں سے حصہ پائیں گے یا وہ مکان پائیں گے جو ان کے نام چاند محمد نے بوقت سفر حج کے لکھا تھا یا کچھ نہ پائیں گے، اگر مکان متنازع فیہ میں سے حصہ پائیں گے تو اس قدر مالیت دی جائے گی جو ان کے والد تاج محمد کے نام خرید ہوئی تھی یا جس قدر عمارت چاند محمد نے بعد انتقال تاج محمد کے بنوائی تھی سب فیض اللہ کو مع اس زمین سابق کے ملے گی، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مجرد قبالہ کوئی حجت شرعیہ نہیں، نہ صرف اس کی بناء پر کچھ حکم ہوسکتا ہے نہ کوئی اپنا استحقاق ثابت کرسکتا ہے، فتاوٰی امام قاضی خاں واشباہ والنظائر وفتاوٰی خیریہ وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للرملی اماالثبوت بمجرد اظهار الحجة بلا بينة شرعية فلاقائل به من ائمة الحنفية المعتمد علی	رملی کے الفاظ ہیں: محض خط کو حجت ظاہر کرنا ثبوت کے لئے بغیر گواہی کے، تو ائمہ احناف میں سے جن کے قول پر اعتماد ہے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے

قولھم لان الخط رسم مجرد خارج عن حجج الشرع الثلث التی ھی البینة والاقرار والنکول وھذا لاتوقف فیہ لاحد[1]۔	کیونکہ خط محض تحریر ہے جو شرعی تین دلائل سے خارج ہے شرعی دلائل گواہی، اقرار اور قسم سے انکار ہیں، اس میں کسی کو توقف نہیں ہے۔(ت)

خصوصًا صورت مستفسرہ کا قبالہ تو بنظر عرف غالب بھی قابل لحاظ نہیں، ایسی صورت میں اکثر یہی ہوتا ہے کہ باپ بطور خود خرید کر بغرض تخفیف خرچ و تقلیل مسافت قبالہ اولاد کے نام کرادیتا ہے مقصود اولاد کو تملیک کرنا ہوتا ہے نہ کہ فضولی بن کر کوئی عقد از جانب اولاد کرنا جس کا نفاذ اجازت اولاد بائعین پر موقوف ہے **یعلم ذٰلك کل من عرف العرف الشائع بینھم** (جو آپس کے مشہور عرف کو جانتا ہے اسے یہ معلوم ہے۔ت) ولہٰذا اس عقد کے بعد بائعین کو بلاتامل تحریر قبالہ وغیرہ تکمیلات عرفیہ کرادیتے ہیں اولاد کے منتظر نہیں رہتے۔ یہ قبالہ ان کے نام کرانا بحکم عرف جانب مشتری سے دلیل تملیک وہبہ ہوتا ہے، چاند محمد کا بعد تحریر قبالات مکانات پر اپنا قبضہ رکھنا شکست وریخت بنائے عمارت پختہ وغیرہا تصرفات مالکانہ کرتے رہنا فیض اللہ کو مجوب الارث مان کر اس کے لئے کسی جائداد لکھنے کی ذکر کرنا یہ سب معاملات دلیل واضح ہیں کہ وہ خریداریاں چاند محمد نے اسی عرف غالب کے طور پر کی تھیں اور ازانجا کہ تاج محمد و لطف اللہ پیش از قبضہ مکانات انتقال کرگئے وہ ہبہ عرفی باطل ہوگیا اور مکانات بدستور ملک چاند محمد پر رہے اگر بعقد شرعی اس کی ملک میں آگئے تھے، ورنہ اکثر یہ نیلام کہ ڈگریوں میں ہوا کرتے ہیں ہرگز بیع نافذ شرعی نہیں، نہ ان کے سبب وہ شے ملک مشتری میں داخل ہو جب تک اصل مالک اس بیع کو جائز ونافذ نہ کریں کما بیناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰینا (جیسا کہ اس کو ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیھا موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[2] اھ ملتقطا۔	عقد کرنے والے دونوں فریقوں میں سے ایک کی موت ہبہ میں رجوع کے لئے مانع ہے جب ہبہ پر قبضہ کے بعد موت واقع ہوئی ہو اور اگر قبضہ سے قبل موت واقع ہوئی تو ہبہ باطل ہوجائیگا اھ ملتقطا (ت)

پس فیض اللہ کا اس مکان میں اصلاً حق نہیں، ہاں اگر شہادت مقبولہ شرعیہ سے ثابت کرتا کہ خاص عقد بیع بنام تاج محمد واقع ہوا چاند محمد اس ایجاب وقبول میں محض فضولی تھا، پھر تاج محمد نے اس شراء فضولی کو جائز

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی ۲/ ۱۲، باب خلل المحاضر والسبحلات ۲/ ۱۹، کتاب الوقف ۱/ ۲۰۳و۲۲۸، کتاب الدعوی ۲/ ۷۴ اشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشھادۃ ۱/ ۳۳۸

[2] درمختار کتاب الھبة باب الرجوع فی الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

کیا اور مالک مکان ہوا تو البتہ جو مکان ملک تاج محمد تھا اس سے بقدر اپنے سہم شرعی کے فیض اللہ کو ملتا اور اس کے عملہ قدیم کا تاوان بھی بقدر اپنے حصہ کے ترکہ چاند محمد سے پاتا جسے اس نے توڑ ڈالا تھا، مگر یہ عمارت پختہ کہ چاند محمد نے اپنے روپے سے بنائی اس میں فیض اللہ کا یوں بھی حق نہ ہوتا جب تک شہادت شرعیہ سے ثابت نہ کرتا کہ یہ تعمیر چاند محمد نے بطور خود تاج محمد ہی کے لئے بنائی یا تاج محمد نے اس سے درخواست کرکے بنوائی،

فی الدر عمر دار زوجتہ بمالہ باذنہا فالعمارۃ لہا و النفقۃ دین علیہا ولو لنفسہ بلا اذنہا فالعمارۃ لہ ولہا بلا اذنہا فالعمارۃ لہا وھو متطوع فی البناء، ولو اختلفا فی الاذن وعدمہ ولا بینۃ فالقول لمنکرہ بیمینہ، وفی ان العمارۃ لہا اولہ فالقول لہ[1] اھ ملخصًا۔	در میں ہے اگر خاوند نے اپنے مال سے بیوی کا مکان تعمیر کیا اگر بیوی کی اجازت سے کیا تو مکان بیوی کا ہوگا خرچہ بیوی پر قرض ہوگا اور اگر بیوی کی اجازت کے بغیر اپنے لئے تعمیر کیا تو عمارت خاوند کی ہوگی، اگر بیوی کے لئے اس کی اجازت کے بغیر بنایا تو عمارت بیوی کی ہوگی اور تعمیر خاوند کی طرف سے مفت ہوگی، اور اگر اذن اور عدم اذن دونوں کا اختلاف ہو اور گواہی نہ ہو تو منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اور عمارت کی ملکیت میں اختلاف ہو کہ بیوی کا ہے یا خاوند کا ہے تو خاوند کا قول معتبر ہوگا اھ ملخصًا (ت)

یوں ہی وہ مکان کہ وقت سفر حج چاند محمد نے فیض اللہ کو دیا اور قبضہ دینے سے پہلے انتقال کیا اس میں بھی فیض اللہ کا کوئی حق نہ رہا،

لما علمت ان موت احدھما قبل القبض یبطل الھبۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ تجھے معلوم ہے کہ قبضہ سے قبل ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۰ تا ۴۱: ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کہتی ہے کہ میرا مہر پانسو روپیہ تھا اور گواہ کہتے ہیں کہ نکاح تو ہمارے سامنے ہوا لیکن مہر یاد نہیں تو ہندہ کو کس قدر مہر بموجب شرع شریف کے ملنا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

(۲) ہندہ کہتی ہے کہ مہر میرا مبلغ پانسو روپیہ کا تھا اور گواہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے مہر پانسو روپے کا باندھا گیا تھا اور ہم گواہ تھے لیکن مجوزان گواہوں پر اطمینان نہیں کرتے ہیں تو بموجب شرع شریف کے کس قدر مہر ہونا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

---
[1] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۸

الجواب:

(۱) اگر یہ پانسو روپے ہندہ کا مہر مثل یا مہر مثل سے کم ہے تو پورے پانسو دلائے جائیں گے گواہوں کی کچھ حاجت نہیں، اور اگر زیادہ ہے تو جتنا مہر مثل ہے اس قدر ضرور دلایا جائے، باقی زیادتی بے شہادت شرعی یا بے قبول زوج کے نہ دلائیں گے۔ فتاوٰی قاضیخان وعالمگیری میں ہے:

ان کان النکاح معروفا کان القول قول المرأۃ الی مهر مثلها یدفع ذلك الیها[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر نکاح مشہور ومعروف ہے تو مہر مثل تک بیوی کا دعوی قبول ہوگا اور اسے دے دیا جائے گا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۲) اگر وہ گواہ شرعًا قابل اطمینان نہیں تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اس صورت میں مہر مثل تک ہندہ کی بات بے گواہ مان لی جائے گی اس سے زیادتی مقبول نہ ہوگی جب تک شوہر یا اس کے وارث تسلیم نہ کریں یا عورت گواہان شرعی سے ثبوت نہ دے۔

مسئلہ ۴۲ تا ۴۳: ازالہ آباد محلّہ دوندے پور مکان صوبہ دار مرحوم مرسلہ مولوی محمد عبیداللہ صاحب ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۳ھ

جامع الکمالات العلمیہ والعملیۃ حاوی الفنون الاصلیۃ والفرعیۃ مخدومی المعظم ومطاع مفخم والاشان جناب مولوی کا احمد رضاخان صاحب دام مجدہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہ استفتاء پنجاب سے آیا ہے اصل مستفتی صاحب ذی علم کی عبارت بعینہا درج استفتاء ہے۔

سوال اول: چہ میفرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے روبروئے چند اشخاص اقرار نمود کہ باوالدہ منکوحہ خود زنا نمودم بعد از چہار پنج ماہ مثلًا منکوحہ خود را درخانہ خود آورد وآباد شد ند گرفت مرد مان طعن کردند از اقرار سابق رجوع نمود حکومت ایں امر پیش عالم شہر برد شہود براقرار ش بحضور آں پیش قاضی شہادت ادانمودند عالم موصوف بموجب شہادت حکم بحرمت آں منکوحہ کرد، براں حکم راضی شدہ ہموں وقت	**سوال اول:** کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے چند اشخاص کے روبرو یہ اقرار کیا کہ میں نے اپنی منکوحہ کی والدہ سے زنا کیا ہے، اس کے چند ماہ بعد وہ اپنی منکوحہ کو اپنے گھر لایا اور آباد کرلیا، لوگوں نے اس پر طعن کیا تو وہ اپنے سابقہ اقرار سے پھر گیا، یہ فیصلہ شہر کے عالم کے پاس گیا تو گواہوں نے اس کے اقرار پر قاضی کے سامنے شہادت دی تو عالم مذکور نے بموجب شہادت اس پر منکوحہ کے حرام ہونے کا حکم دیا

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۹

زوجہ خود را والد آں نمود واز خانہ بیروں کرد آیا در صورت مزبورہ منکوحہ برآں مقر حرام میشود یانہ وبعد گزشتن عدت نکاحش با شخص دیگر جائز یانہ؟ **بینوا توجروا۔**	تو وہ شخص اس حکم پر راضی ہوگیا اسی وقت اس نے زوجہ کو اس کے والد کے حوالے کردیا اور اپنے گھر سے نکال دیا، کیا مذکورہ صورت میں اقرار کرنے والے پر اس کی بیوی حرام ہوگئی ہے یانہیں؟ اور عدت گزارنے کے بعد وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یانہیں **بینوا توجروا۔** (ت)

سوال دوم: ایک اور مسئلہ بھی جناب محرر تحریر دام مجدہم نے جناب والا سے دریافت فرمایا ہے اس کے سوال کو بھی انہیں کی عبارت سے عرض کرتا ہوں:

"مسئلہ دیگر از فاضل علامہ بریلوی دام فیضہم پرسش فرمایند کہ حاکمان وقت کہ مقدمہ برضائے فریقین حوالہ عالمے مے نمایند وازاں عالم استدعائے فیصلہ مے نمایند عالم موصوف دراں مقدمہ حکم قاضی دارد یا حکم ست واگر فریقین یا کہ یک فریق بلا امر حاکم آنرا معزول کند معزول می شود کہ بسبب حوالہ کردن حاکم وقت حکم قاضی گرفت بغیر عزل حاکم معزول نمی گردد بتفصیل جواب ایں سوالات ازعلامہ موصوف استدعا کنند"۔ **انتہت بالفاظہا۔**	"دوسرا مسئلہ علامہ فاضل بریلوی دام فیضہم سے پوچھیں کہ حاکمان وقت نے فریقین کی رضامندی سے مقدمہ ایک عالم کے سپرد کیا اور اس سے فیصلہ طلب کیا، تو عالم مذکور کو اس مقدمہ میں قاضی کی حیثیت حاصل ہوگی یا ثالث کی اور اگر دونوں یا ایک فریق حاکم کی اجازت کے بغیر اس کو معزول کردیں تو وہ معزول قرار پائے گا یا حاکم وقت کے سپرد کرنے کی وجہ سے اس کا حکم قاضی والا ہوگا کہ حاکم کے معزول کئے بغیر معزول نہ ہوگا، اس سوال کا جواب علامہ صاحب سے بالتفصیل حاصل کریں"۔ سائل کے الفاظ ختم۔ (ت)

الجواب:

(ا) سائل فاضل بعد استکشاف وانمودند کہ مراد بقاضی مذکور فی السوال ہماں عالم ست غیر او عالمے جید دراں بلدہ نیست اہالی بلدہ وقت حاجت بمرضی خود رجوع باوی نمایند آں اعلم اہل بلد گاہے فیصلہ نزاع مے نماید وگاہے جواب می دہد قاضی شرع آنجا کسے نیست مردمان شہر	وضاحت طلب کرنے کے بعد سائل نے یہ ظاہر کیا ہے کہ سوال میں مذکور قاضی سے مراد عالم ہے جس سے بڑا کوئی عالم شہر میں نہیں ہے شہر والے لوگ اپنی ضروریات پر اپنی مرضی سے اس عالم سے رجوع کرتے ہیں تو شہر کا یہ بڑا عالم کبھی تنازع میں فیصلہ سناتا ہے اور کبھی جواب دے دیتا ہے، اس شہر میں کوئی قاضی شرع

کہ شخصے مذکور روبروئے ایشاں چندیں بار بمجالس متفرقہ اقرار زنا بمادر زنش کردو بازرہ انکار وجحود اقرار نورد حسب معمول ماجرا پیش عالم موصوف بردند و تصفیہ ایں امر باستماع شہود خواستند آں کس نیز پیش عالم رفتہ گفت کہ ایناں برمن دروغ بستہ اند گاہے اقرار ایں کار نہ کردہ ام ازروئے شرع شریف فیصلہ ایں امر فرمایند اگر اقرار من بموجب شریعت ثابت شود زوجہ مرااز من تفریق نمایند عالم موصوف باستدعائے اہالی بلد وآں مقر شہود را طلب نمود اقرار پیش مرد مان بسیار کردہ بود مگر چار اشخاص را کہ نزد او معتبر بودند پیش خواند گواہان نزد عالم بحضور آں مقر بغیبت زنش ادائے شہادت کردند، بعد ثبوت عالم بثبوت اقرار زنا حرمت زن حکم کرد مقر را فرمود کہ زن را فی الحال حوالہ والدش کن والد منکوحہ بمجلس حکم حاضر بود مقر تسلیم نمود وگفت اینک ہمچناں کنم مجلس برخاست مقر ہموں وقت زن راحوالہ پدرش نمود زوجہ را دریں باب دخلے نہ بود محض زوج واہالی بلدہ درخواست ایں فیصلہ نمودند لکن زوجہ بریں قضاوحکم راضی گشت انتہی ودر سوال افزودند کہ اگر زن را دریں صورت بشخصے دیگر نکاح رواست بسبب تفریق عالم ست یا بسبب حوالت کردن زوج ومحکم رااختیار تفریق مثل قاضی ہست یانے انتہی، درصورت مستفسرہ کہ بلاد بوجہ استیلائے نامسلمانان از قاضی شرع خالی ست اگر ہمہ از تصریح علماء کرام کہ درہیچو مقام

نہیں ہے وہ لوگ جن کے روبرو مذکور شخص نے مختلف مجلسوں میں متعدد بار اپنی منکوحہ کی والدہ سے زنا کا اقرار کیا بعد ازاں اس نے اپنے اقرار سے انکار کیا تو ان لوگوں نے حسب معمول ماجرا عالم موصوف کے ہاں پیش کیا اور گواہوں کی شہادت پر اس ماجرا کا فیصلہ طلب کیا اور وہ مذکور شخص بھی عالم کے پاس گیا اور کہا کہ ان لوگوں نے مجھ پر افتراء باندھا ہے میں نے اس کام کا اقرار نہیں کیا لہٰذا آپ ازروئے شرع شریف اس معاملہ کا فیصلہ فرمادیں اگر بموجب شرع میرا اقرار ثابت ہوجائے تو میری بیوی کو مجھ سے جدا کردیں، تو عالم موصوف نے شہر والوں اور اس اقرار کرنے کے مطالبہ پر گواہ طلب کئے اگرچہ متعدد لوگوں کے سامنے اس نے اقرار کیا ہے مگر صرف چار گواہ جو عالم مذکور کے نزدیک معتبر تھے طلب کئے اور گواہوں نے اقرار کرنے والے کی موجودگی اور اس کی بیوی کی غیر موجودگی میں گواہی دی تو عالم مذکور نے اقرار کے ثابت ہوجانے پر اس شخص پر اس کی بیوی کے حرام ہونے کا فیصلہ فرمایا، اور مقر کو حکم دیا کہ عورت کو فوراً اس کے والد کے حوالے کردو جبکہ منکوحہ کا والد فیصلہ کی مجلس میں موجود تھا، مقر نے اس فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ میں ایسے ہی کروں گا، مجلس ختم ہوگئی، اور مقر نے اسی وقت عورت کو اس کے والد کے سپرد کردیا، عورت کا اس میں کوئی دخل نہ ہوا، اور محض شہر والوں اور خاوند کی درخواست پر یہ فیصلہ ہوا، لیکن بیوی نے اس فیصلہ کو راضی خوشی قبول کیا، وضاحت ختم ہوئی،

عالم دین کہ اعلم اہل بلد باشد قاضی و والی شرع میشود،فی النوع الثالث من الفصل الثانی من الباب الثانی من الحدیقة الندیة الطریقة المحمدیة للعلامة العارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی عن الفتاوی العتابیة للامام الاجل ابی نصر احمد بن محمد بن عمر البخاری العتابی المتوفی ۵۸۶ھ اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایة فالامور موکلة الی العلماء ویلزم الامة الرجوع الیھم ویصیرون ولاة فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائه فان کثر وافالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم[1] الخ، قطع نظر کنیم تا رجوع مسلمین بلد بسوئے او در خصومات وترافع باو در قضا باو رضا بحکمش در فیصلها

سوال میں انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے اگر اس صورت میں عورت کو دوسرے شخص سے نکاح جائز ہو تو یہ جواز عالم کی تفریق سے ہوگا یا خاوند کی طرف سے بیوی کو اس کے والد کے سپرد کرنے کی وجہ سے ہوگا، اور کیا ثالث کو قاضی کی طرح تفریق کا اختیار ہے یا نہیں (اضافہ ختم ہوا) مسئولہ صورت میں حکم یہ ہے کہ جو علاقے کفار کے غلبے کی وجہ سے قاضی سے خالی ہوں تمام علماء کرام کی تصریح کے مطابق ایسے مقامات میں جو شہر کا بڑا عالم ہو وہ قاضی قرار پاتا ہے اور شرعًا والی بن جاتا ہے، طریقہ محمدیہ کی شرح حدیقہ ندیہ کی نوع ثالث کے باب ثانی کی فصل ثانی مصنفہ علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی (قدس سرہ القدسی) میں فتاوٰی عتابیہ مصنفہ امام اجل ابو نصر احمد بن محمد بن عمر بخاری عتابی متوفی ۵۸۶ھ کے حوالے سے منقول ہے کہ جب زمانہ شرعی سلطان سے خالی ہو تو امور علماء کے سپرد ہو جاتے ہیں اور امت پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان علماء کی طرف رجوع کرے اور یہ علماء والی بن جاتے ہیں تو جب تمام لوگوں کا ایک عالم پر اجتماع دشوار ہے تو ہر علاقہ اپنے علماء کی اتباع کرے اور اگر علاقہ میں علماء کثیر ہوں تو پھر سب سے بڑے عالم کی اتباع ہوگی اور اگر سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی سے متعین کیا جائے الخ، اس سے قطع نظر شہر کے مسلمانوں کا اپنے تنازعات میں اس کی طرف رجوع کرکے فیصلے لینا اور اسکے فیصلوں کو

---

[1] الحدیقة الندیة النوع الثالث من الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

برائے قضائے شرعی او بسند ست کہ بہمچو حالت تراضی مسلمین نائب مناب تقلید وتولیہ سلطان دین ست فی جمعۃ ردالمحتار عن معراج الدرایۃ عن المبسوط لوالولاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین اھ[1]. وفی قضائہ عن التتار خانیۃ امابلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین اھ قال وعزاہ مسکین فی شرحہ الی الاصل ونحوہ فی جامع الفصولین[2] اھ ای فی الفصل الاول منہ مثلہ بحروفہ وعنہ نقل فی البحر و اینجا شہادت شنودن وحکم نمودن را ہیچ حاجت بتقدیم دعوی از جانب زن نبود زیراکہ حرمت فرج از حقوق رب العزۃ عزوعلااست و اثبات مصاہرت ازابواب شہادت حسبہ فی وقف ردالمحتار تحت قولہ والذی تقبل فیہ الشہادۃ حسبۃ بدون الدعوی اربعۃ عشرۃ مانصہ وھی الوقف

رضامندی سے قبول کرنا یہ بھی اس عالم کی شرعی قضاء کے لئے خود سند ہے کیونکہ ایسی صورت میں مسلمانوں کا متفق ہونا سرکاری ولایت اور تقرری کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ ردالمحتار کے جمعہ کے باب میں معراج الدرایہ سے بحوالہ مبسوط منقول ہے اگر والی کافر ہوں تو مسلمانوں کو جمعہ کا قیام اور قاضی کا تقرر جائز ہے وہ مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوجاتا ہے اھ، اسی کے باب القضاء میں تاتارخانیہ سے منقول ہے وہ علاقے جن پر کفار والی ہیں وہاں مسلمانوں کو جمعہ، عیدین قائم کرنا جائز ہے اور ان کا باہمی رضامندی سے مقرر کردہ قاضی، قاضی قرار پائے گا، فرمایا اس کو مسکین نے اپنی شرح میں مبسوط کی طرف منسوب کیا ہے، اور جامع الفصولین میں بھی اس طرح ہے یعنی اس کی پہلی فصل میں انہی حروف کے ساتھ ایسے مذکور ہے اور اسی سے بحر میں منقول ہے، یہاں شہادت کی سماعت اور فیصلہ کرنے کے لئے عورت کی طرف سے دعوی کی حاجت نہیں ہے کیونکہ شرمگاہ کی حرمت حقوق اللہ میں سے ہے اور حرمت مصاہرت کا اثبات شہادت حسبہ (یعنی حقوق اللہ کے تحفظ کے لئے) کے باب سے ہے، ردالمحتار کے باب الوقف میں ماتن کے قول، وہ مقام جہاں حسبہ شہادت بغیر دعوی قبول ہوتی ہے وہ چودہ مقام ہیں، اس کی عبارت یوں ہے، وہ مقام،

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۴۱۔۵۴۰

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

وطلاق الزوجة(الٰی قولہ)وحرمة المصاھرة [1] الخ پس حکم تفریق کہ از عالم مذکور صادر شد قضائے شرعی تام و نافذ وواجب الاتباع ست از ہموں وقت مدت عدت بشمار آید واگر ازیں ہم در گزریم وحضور پدر زن نیز از جانب او بروجہ وکالت فی الخصومۃ درخواست حکم نبودہ باشد تا بترافع خصمین معنی تحکیم پدید آمدے واوراختیار تفریق ہمچو قاضی بحکم تحکیم حاصل شدے فان الحکم لہ الحکم فی کل مالیس بحد ولا قود ولادیة علی عاقلة فی التنویر حکما رجلا فحکم بینھما ببینة اواقرار اونکول صح لوفی غیرحد وقود ودیة علی عاقلة [2]، ونیز زن را از خانہ برآوردن وحوالت بہ پدرش کردن کہ از زوج صادر شد ایں راہم بجائے متارکہ نفہیم جائیکہ زن مدخولہ باشد وشوئے چیزے از الفاظ متارکہ برزبان نیاورد ہمچناں دستش گرفتہ بدست پدر داد بناء علی ظاہر مافی البحر وغیرہ واللفظ لہ لاتحقق للمتارکة الابالقول ان کانت مدخولا بھا کقولہ تارکتك اوتارکتھا اوخلیت سبیلک،

وقف، طلاق زوجہ، اسکے قول، حرمت مصاہرت الخ، تو عالم مذکور کا حکم تفریق شرعی قضاکے طور تام اور نافذ اور واجب الاتباع ہے اور اسی وقت سے عدت شمار ہوگی، اگر ہم اس حیثیت کو درگزر بھی کرلیں تو عورت کی طرف سے اس کے والد کا بطور وکیل مقدمہ حاضر ہونا بھی فیصلہ کا مطالبہ قرار پاکر دونوں فریقوں کی طرف سے مقدمہ کی پیشی سے عالم مذکور کے لئے ثالثی کا حکم ظاہر کرتا ہے جس سے بحیثیت ثالث قاضی کی طرح اس کو تفریق کے فیصلہ کا اختیار حاصل ہوتا ہے کیونکہ ثالث کو حدود، قصاص، دیت کے ماسوا فیصلہ کرنا جائز ہے۔ تنویر میں ہے کہ دونوں فریقوں نے ایک شخص کو ثالث بنایا تو اس نے گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار کی بناء پر فیصلہ کیا تو صحیح ہے بشرطیکہ حدود، قصاص اور عاقلہ پر دیت کا معاملہ نہ ہوا ھ۔ نیز بیوی کو گھر سے نکال کر اس کے باپ کے سپرد کرنا خاوند کا یہ عمل متارکہ کے قائم مقام ہوسکتا ہے جہاں پر بیوی مدخولہ ہو اور خاوند نے متارکہ کا لفظ زبان سے ادا نہ کیا ہو، اور یوں ہی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے والد کے سپرد اس کو کردیا ہو، بحر وغیرہ کے ظاہر بیان کے مطابق۔ بحر کے الفاظ ہیں کہ متارکہ کا تحقق خاوند کے قول کے بغیر نہ ہوگا جبکہ بیوی مدخولہ ہو، مثلاً قول یوں ہو کہ میں نے تجھے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲

اوخلیت سبیلها اوخلیتها[1] الخ وان کان لایبعدان یقوم الفعل الدال علیه مقام القول وانما المراد نفی التحقق بمجرد الترك علی عزم ان لایعود کما یستبین بمقابلته به تاہم گفتن زوج مر عالم راکہ اگر اقرار من ثبوت یابدزن مراازمن جداکن توکیل بتفریق ست وتوکیل تعلیق رامے پذیرد فی بیوع ردالمحتار عن البزازیة تعلیق الوکالة بالشرط جائز[2]، پس تفریق عالم بحکم توکیل متارکہ از جانب شوئے شدو حکم فرقت وعدت وملک نفس بعد ازاں بروئے کار آمد و اگر ازیں جملہ وجوہ پنجگانہ دامن نظر برچنیم وہمچناں گیریم کہ عالم بے قضاوبے تحکیم وبے توکیل برستم فضولی حکم تفریق نمودہ است نیز رنگ نفاذ یافت زیراکہ حکم فضولی نزد ماباطل نیست بلکہ بر تنفیذ متخاصمین موقوف اینجاکہ زن وشوہر ہر دوبراں حکم راضی شدند وبراں بستہ تنفیذش کردند بنفاذانجامید وتسلیم لاحق ہمچو تحکیم سابق گردید کمانص علیه فی ردالمحتار

چھوڑا، یااس کو چھوڑا، یامیں نے تیراراستہ کھول دیا، یااس کا راستہ کھول دیا، کہے، الخ۔ اور اگر کوئی ایسا فعل جو قول کے قائم مقام بن سکتا ہو تواس فعل کو قول پر دال قرار دینا بعید نہیں ہے۔ بحر کے قول میں صرف دوبارہ عود نہ کرنے کے عزم کے طور پر بیوی کو ترک کرنے پر متارکہ کاعدم تحقق مراد ہے جیساکہ مقابلہ کے طور پر اس کو ذکر کرنے سے ظاہر ہورہا ہے، تاہم خاوند کاعالم مذکور کو یہ کہنا اگر میرے اقرار کا ثبوت ہوجائے تو میری بیوی کو مجھ سے جدا کردو، یہ عالم کو اپنی طرف تفریق کا وکیل بنانا ہے جبکہ توکیل میں تعلیق ہوسکتی ہے، ردالمحتار کے بیوع کے باب میں بزازیہ سے منقول کہ توکیل کو کسی شرط سے معلق کرنا جائز ہے، پس اس صورت میں عالم کا تفریق کرنا خاوند کی طرف سے اس کو متارکہ کی توکیل کی بناء پر ہے، اس تفریق پر حکم فرقت، عدت اور بیوی کا خود مختار ہونا، مرتب ہو کر نافذ ہوا ہے، اگر ہم پانچ مذکورہ وجوہ سے صرف نظر کر بھی لیں (یہ قرار دیں کہ عالم مذکور نے بغیر قضاء، بغیر تحکیم (ثالثی) اور بغیر توکیل یہ تفریق کی ہے اور بطور فضولی یہ کارروائی کی ہے، تب بھی یہ تفریق نافذ ہوجائے گی کیونکہ ہمارے نزدیک فضولی کا عمل باطل قرار نہیں پاتا بلکہ فریقین کی تنفیذ پر موقوف رہتا ہے جبکہ یہاں مرد اور عورت دونوں نے

[1] بحر الرائق کتاب النکاح باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۷۲

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۰

عن الطحطاوی عن الهندیة عن المحیط،وفی البحر لو حکم بغیر رضاهمالم یجز الاان یجیزا بعد الحکم اھ[1] مختصراوفیه عن المحیط لوامر القاضی رجلا ان یحکم بین رجلین لم یجز اذالم یکن ماذونا بالاستخلاف الاان یجیزه القاضی بعد الحکم اویتراضی علیه الخصمان[2] اھ۔

بالجملہ کیفما کان فرقت میان ایں زن و شو حاصل شد و درفتوائے سابقہ روشن کردہ ایم کہ اقرار زنا بمادر زن مثبت حرمت مصاہرت ست واصرار برآں نامشروط ورجوع ازاں نامقبول پس بعد عدت عناں زن ھم بدست زن باشد جزیں کس باہر کہ خواہد عقد زنا شوئی بندد۔واللّٰہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

اس عالم کے عمل پر رضامندی ظاہر کردی ہے اوراس کے عمل کے نفاذ کو پختہ کردیا تو وہ عمل نافذ ہوگیا اگرچہ عالم کے عمل کے بعد راضی ہوئے لیکن بعد کا تسلیم کرنا بھی تحکیم سابق کی طرح ہے یعنی گویا انہوں نے اس کو پہلے ثالث بنایا اور تسلیم کرلیا جیسا کہ اس پر ردالمحتار میں طحطاوی سے بحوالہ ہندیہ تصریح منقول ہے کہ محیط میں ایسے ہے۔اور بحر میں ہے اگر کسی نے فریقین کی اجازت کے بغیر ثالثی فیصلہ دیا تو جائز نہ ہوگا الایہ کہ فریقین فیصلہ کے بعد اس کو تسلیم کرلیں اھ مختصرا۔اور اسی میں محیط سے منقول ہے اگر قاضی نے کسی شخص کو فریقین میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا تو قاضی کا حکم جائز نہ ہوگا بشرطیکہ قاضی کو اپنا خلیفہ بنانے کی اجازت نہ ہو،مگر اس صورت میں کہ اس شخص کے فیصلہ کے بعد قاضی اس کی توثیق کردے یا فریقین اس شخص کے فیصلہ کو باہمی رضامندی سے تسلیم کرلیں،تو وہ فیصلہ نافذ ہوجائیگا اھ،

خلاصہ یہ کہ اس مرد وعورت کے درمیان متارکہ اور فرقت ہوچکی ہے،اور پہلے ہم اپنے فتوی میں واضح کرچکے ہیں کہ اپنی بیوی کی والدہ سے زنا کے اقرار سے حرمت مصاہرہ ثابت ہوجاتی ہے اور یہ کہ حرمت کے لئے اس اقرار پر اصرار کرنا شرط نہیں ہے اور اس اقرار سے رجوع بھی صحیح نہیں ہے،پس عدت گزر جانے کے بعد یہ عورت خود مختار ہے وہ اس مرد کے سوا جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب القضاء باب التحکیم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۹

[2] بحرالرائق بحوالہ محیط کتاب القضاء باب التحکیم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۵

(۲) والیے کہ تفویض خصومتے بعالمے مستجمع شرائط صلوح للقضاء کند اگر او خود مسلمان ست ہمچو نوابان ریاستہائے اسلامیہ اگرچہ زیر دست سلطان کافر باشد سپردنش بلاریب معتبر بود وعالم درخصوص آں خصومت مثل قاضی شدہ کہ بعزل ہیچ یک از فریقین از قضا نرود زیراکہ والی راچوں اختیار تقلید قضادر جملہ امورست در امرے خاص بالاولٰی باشد والقضاء ممایختص بکل ما خصه المقلد کما نصوا علیه وفی جامع الفصولین والبحر والتتارخانیة والمبسوط والمعراج وغیرہا کل مصر فیه وال مسلم من جهة الکفار تجوز فیه (ولفظ الاخیر من یجوز له[1]) اقامة الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیهم[2] اھ وفی البحر عن المحیط الامام الذی استعمل القاضی امر رجلا ممن یجوز شهادته ان یحکم بین رجلین وھو

(۲) قضا کی اہلیت والی شرط کا جامع عالم ہو تو اس کو کسی والی نے کوئی مقدمہ سپرد کیا ہو اگر وہ والی خود مسلمان ہے جیسا کہ اسلامی ریاستوں کے نواب حضرات اگرچہ وہ کافر سلطان کے ماتحت ہیں تو یہ سپرد داری بلاشک معتبر ہوگی، اور اس خاص مقدمہ میں وہ عالم قاضی کی مثل ہوگا کہ فریقین میں سے کسی کے معزول کرنے سے وہ معزول نہ ہوگا کیونکہ جب ایسے والی کو جملہ اختیار والے قاضی کی تقرری کا اختیار ہے تو خاص ایک اختیار والے قاضی کی تقرری کا اختیار بطریق اولٰی ہوگا اور قضاء ان امور میں سے ہے کہ تقرری کرنے والے کی تخصیص کی وجہ سے خاص ہو جاتی ہے جیسا کہ اس پر فقہاء نے تصریح فرمائی ہے۔ جامع الفصولین، بحر، تاتارخانیہ، مبسوط اور معراج وغیرہ میں ہے وہ تمام شہر جن میں کفار کی طرف سے مسلمان والی ہوں وہاں اقامت جمعہ، عیدین، خراج کی وصولی، قاضیوں کا تقرر اور یتیم لڑکیوں کا نکاح کرنا جائز ہے، آخری کے الفاظ میں (جن کو جائز ہے) کیونکہ ان پر مسلمان والی ہے اھ، بحر میں محیط سے منقول ہے کہ جو امام قاضی کی تقرری کرتا ہے وہ ایسے شخص کو فیصلہ کرنے کا حکم دے جو شہادت کی اہلیت رکھتا ہو تو جائز ہوگا اور وہ شخص

---

[1] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ باب الجمعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۴۰

[2] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴، بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۲

بمنزلۃ القاضی المولی اھ[1] واگر مفوض کافر ست مفوض الیہ بتفویض او برمذہب معتمد مؤید بدلائل شرعیہ وقواعد ملیہ قاضی نشود ووجھہ **اقول**:ان الکافر لایلی فکیف یولی قال تعالٰی "لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾"[2].المولی بالفتح انما یستفید نفاذ القول من المولی بالکسر قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح اذالم یکن سلطان ولامن یجوز التقلد منہ کما ھو فی بلاد المسلمین غلب علیھم الکفار کقرطبۃ فی بلاد المغرب الاٰن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منھم[3] اھ مختصرا.قال فی النھر ھذا ھو الذی تطمئن النفس الیہ فلیعتمد[4] اھ قال الشامی الاشارۃ بقولہ وھذا.الی ماافادہ کلام الفتح من عدم صحۃ تقلد القضاء من کافر[5] الخ **اقول**:

قاضی کے قائم مقام ہوگا اھ،اور اگر تقرر کرنے والا خود کافر ہو تو شرعی دلائل اور دینی قواعد سے مؤید قول کے مطابق مقرر کردہ شخص قاضی نہ ہوگا،میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر خود مسلمانوں کا ولی نہیں تو دوسرے کو کیسے ولی بناسکتا ہے،اللہ تعالٰی نے فرمایا:اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مسلمانوں پر راہ نہ دے گا۔مولٰی(فتح کے ساتھ)کے قول کا نفاذ مولی(کسرہ کے ساتھ)سے مستفاد ہوتا ہے۔محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا جب مسلمانوں کا نہ کوئی سلطان ہو نہ ہی کوئی ایسا والی جو قاضیوں کا تقرر کرسکے جیسا کہ مسلمانوں کے بعض علاقوں پر کفار کا غلبہ مغرب میں ہوا ہے مثلاً قرطبہ آج کل،تو مسلمانوں پر وہاں واجب ہے کہ وہ اپنے اتفاق سے کسی ایک پر راضی ہوجائیں اھ مختصراً۔نہر میں فرمایا:اسی پر طبیعت مطمئن ہے لہٰذا اسی پر اعتماد چاہئے اھ،علامہ شامی نے فرمایا:ھذا کے ساتھ ان کا اشارہ فتح کے اس کلام کی طرف ہے جس میں کافر کی طرف سے تقرری قضا کو نادرست کہا گیا ہے الخ۔**میں کہتا ہوں** کہ پہلے

[1] بحرالرائق کتاب القضاء باب التحکیم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۵
[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱
[3] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۵
[4] ردالمحتار بحوالہ نہر کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸
[5] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

ویؤیدہ ماقد منافی مسألۃ الاولی عن المبسوط والمعراج وجامع الفصولین وغیرہا ثم رأیت العلامۃ البحر ایدہ بہ فی البحر حیث قال بعد نقل کلام الکمال ویؤیدہ مافی جامع الفصولین[1] الخ. وظاہرًا حکم نیز نشود اگر رفتن متخاصمین پیش او ہمیں بربنائے تفویض حاکم ست قال فی ردالمحتار فی البحر عن البزازیۃ قال بعض علمائنا اکثر قضاۃ عہد نافی بلادنا مصالحون لانہم تقلدواالقضاء بالرشوۃ ویجوز ان یجعل حاکما بترافع القضیۃ واعترض بان الرفع لیس علی وجہ التحکیم بل علی اعتقاد انہ ماضی الحکم الاتری ان البیع ینعقد ابتداء بالتعاطی لکن اذا تقدمہ بیع باطل او فاسد وترتب علیہ التعاطی لاینعقد البیع لکونہ ترتب علی سبب اٰخر فکذا ھنا[2] اھ باختصار آرے اگر خصمین برضائے خود	مسئلہ میں ہم نے جو مبسوط، معراج، جامع الفصولین وغیرہ کا بیان نقل کیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے پھر میں نے علامہ بحر کو اسی سے اس کی تائید بحر میں کرتے ہوئے دیکھا جہاں انہوں نے کمال کے کلام کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ جامع الفصولین کا بیان اس کی تائید کررہا ہے الخ۔ ظاہر یہ ہے کہ کافر کا مقرر کردہ قاضی ثالث بھی نہیں بن سکتا بشرطیکہ فریقین اس نظریہ سے اس کے ہاں پیش ہوں کہ یہ حاکم کا مقرر کردہ ہے، ردالمحتار میں ہے کہ بحر میں بزازیہ سے منقول ہے کہ ہمارے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہمارے علاقہ کے اکثر قاضی ثالث ہیں کیونکہ انہوں نے رشوت سے قضاء حاصل کی ہے تو قاضی نہ ہوئے، تاہم اگر مقدمہ پیش ہو تو وہ ثالث کی حیثیت سے فیصلہ کرسکتے ہیں، اس پر اعتراض ہوا کہ ان کے ہاں مقدمہ بطور ثالث پیش نہیں ہوا بلکہ فریقین نے اس اعتقاد پر پیش کیا کہ وہ قاضی نافذ الحکم ہے، تو یہ فیصلہ درست نہ ہوگا، کیا دیکھتے نہیں کہ ابتداء بیع لین دین سے منعقد ہوجاتی ہے لیکن وہی بیع پہلے باطل یا فاسد ہوچکی ہو تو اب لین دین کے تبادلہ سے وہ بیع منعقد نہ ہوگی کیونکہ یہ دستی لین دین کا تبادلہ اب پہلے فاسد سبب پر مرتب ہے (تو یہاں بھی اگرچہ ابتداء ثالث ہوسکتا تھا لیکن اب فاسد عمل پر مرتب ہونے کی وجہ سے وہ ثالث قرار نہ پائیگا)

[1] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۴

[2] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۷۔۳۴۸

ا ھ مختصراً۔ہاں اگر فریقین اپنی مرضی سے ثالث سمجھ کر اس کے ہاں پیشی کریں تو وہ ثالث ہوسکے گا اور فیصلہ سے قبل فریقین میں سے ہر ایک کی معزولی سے معزول قرار پائے گا جیسا کہ ثالثی کا حکم و قانون ہے اور یہ واضح بات ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)	سوئے او ترافع کنند حکم می شود وپیش از حکم بعزل ہر یکے متعزل گردد کما ھو حکم الحکم وھو ظاہر ،واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۴: علمائے دین اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ زید کی دو زوجہ ہیں،زید نے زوجہ اول کو کل جائداد اپنی بالعوض مہر بیع کردی اور قبضہ و دخل مثل نفس خاص اپنے کے کرادیا۔اب زوجہ ثانی کہتی ہے کہ میرا بھی مہر ادا کرو ورنہ میں نالش کرکے نصف جائداد بالعوض اپنے مہر کے تقسیم کرالوں گی،آیا زوجہ ثانی تقسیم کرالینے نصف جائداد کی مستحق ہے یا نہیں؟زید کہتا ہے کہ ابھی مہر تجھ کو بذریعہ نالش وصول نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ طلاق نہ ہوجائے میں محنت مزدوری کرکے ادا کروں گا،آیا یہ قول زید کا درست ہے یا غلط؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں جب زید نے وہ جائداد زوجہ اولٰی کے ہاتھ بیع کردی زوجہ ثانیہ کو اس سے نصف جائداد عوض مہر لینے کا اختیار نہیں اور دربارہ مہر جب شرط تعجیل وتاجیل سے عاری ہو اعتبار عرف کا ہے ان دیار کا عرف نہیں کہ قبل از فرق مہر ادا کیا جائے پس مطالبہ زوجہ ثانیہ محض نامسموع،البتہ اس کا مہر ذمہ زید واجب الادا ہے یہ حکم قضاءً صحیح ہے مگر دیانۃً اگر اس کا اس بیع سے زوجہ ثانیہ کو محروم رکھنا ہے تو اپنی اس نیت فاسد اور اس بیع پر کہ مبنی اس نیت پر ہے عنداللہ ماخوذ ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید فوت ہوا اور ترکہ زید متوفی کا عوض دین مہر زوجہ ہندہ کے مکفول تھا عمرو نے نالش انفکاک رہن باد ائے ایک سو تریسٹھ روپیہ دین مہر کے عدالت میں دائر کرکے ڈگری حاصل کی اور بحکم عدالت کل دین مہر ہندہ کو عمرو نے ادا کردیا بعدہ ہندہ نے اپنا حصہ بدست حسینی دختر اپنی کے بیع کردیا اب حسینی حصہ ہندہ کا چاہتی ہے اس صورت میں حسینی بلاادائے دین مہر اس کے جو کل عمرو نے ادا کردیا ہے حصہ ہندہ کا تقسیم کراسکتی ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل مظہر ہے کہ وہ ادا کرنا جانب عمرو سے بطریق تبرع نہ تھا اور یہ دین ترکہ سے کم ہے اور سوا اس کے میت پر اور دین نہیں، پس تصرف ہندہ کا اپنے حصہ میں بیع کے ساتھ صحیح ہوا کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں مگر باوجود اس کے بوجہ تعلق حق دائن یا مرہون کے لئے محبوس رہے گا،اور دائن اگر

بیع کو جائز نہ رکھے تو بیع مذہب راجح پر نفاذ نہ پائے گی،

قال العلامة السید الطحطاوی فی حاشیة الدرمن کتاب الفرائض حکم الترکة قبل قضاء الدیون کحکم المرھون بدین علی المیت فلا تنفذ تصرفات الورثة فیھا ھذااذاکانت الترکة اقل من الدین او مساویة له واما اذا کان فیھا زیادة علیه ففی نفوذ تصرفات الورثة وجھان احدھما النفوذ الی ان یبقی قدر الدین واظھرھما عدم النفوذ علی قیاس المرھون اھ عجم زادہ عــــہ۔[1]	علامہ سید طحطاوی نے در کے حاشیہ میں کتاب الفرائض میں فرمایا: میت پر قرض کی ادائیگی سے قبل اس کا ترکہ قرض میں رہن کے حکم میں ہوگا تو اس ترکہ میں ورثاء کے تصرفات نافذ نہ ہوں گے جبکہ ترکہ قرض سے کم یا مساوی ہو لیکن اگر ترکہ قرض سے زائد ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ زائد میں ورثا کا تصرف نافذ ہوگا یہاں تک کہ مقدار دین باقی رہ جائے، دوسری یہ کہ ان کا تصرف نہ ہوگا مرہون چیز پر قیاس کی وجہ سے، دونوں صورتوں میں یہ دوسری زیادہ ظاہر ہے اھ عجم زادہ۔(ت)

پس مشتری تاوقتیکہ ترکہ ایفا یا ابرادین سے نہ ہو جائے حصہ ہندہ پر قبضہ نہیں کر سکتی اور صرف اس کا بقدر حصہ رسدی اپنے کے ادا کر دینا کافی نہ ہوگا جب تک کل دین ادا نہ ہو جائے،

کماذکرنامن ان الدین ولولم یکن محیطا یمنع نفاذ تصرفات الورثة۔	جیسے ہم نے ذکر کیا کہ دین اگرچہ وراثت کو محیط نہ ہو وہ ورثاء کے تصرفات کے نفاذ سے مانع ہے۔(ت)

ہاں اگر دائن روا رکھے اور اس امر پر راضی ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ حبس اس کے حق کے لئے تھا پس حسینی اس تقدیر پر قابض ہو سکتی ہے اور حصہ ہندہ کے عوض ان کے ثمن حق دائن میں محبوس رہیں گے کما ھو حکم المرھون المصرح به فی المتون (جیسا کہ متون میں مرہون چیز کا حکم تصریح شدہ ہے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں، چالیس برس کا عرصہ ہوا

عــــہ: لفظ عجم زادہ کے بعد اصل میں بیاض ہے۔

[1] حاشیه الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض دار المعرفة بیروت ۴/ ۳۶۷

مسمّٰی زید فوت ہوا، بعد وفات شوہر بموجودگی دیگر ورثاء شرعی کل متروکہ زید پر مساۃ ہندہ زوجہ بعوض دین مہر قابض ودخیل ومتصرف مالکانہ ہوئی اور تین لڑکیاں بھی زید کی تھیں، گودین مہر کثیر التعداد تھا اور اس قدر جائداد مورث نہ تھی کہ مکتفی دین مہر کو ہو اور منجملہ جائداد متروکہ شوہری مساۃ نے ایک قطعہ زمین بعد وفات شوہر بعوض مبلغ (صہ/) روپیہ رہن رکھا اور اس میں یہ لفظ تحریر ہے کہ مالکانہ قابض ودخیل ومتصرف ہوں اور اس فعل مالکانہ کو ورثہ تسلیم کرتے رہے اور بھی افعال مالکانہ بلا شرکت احدے ہوتے رہے، چنانچہ اس متروکہ شوہری سے اپنے بھتیجوں کو ایک مکان پختہ اراضی شوہری میں بنوایا اور بعلم وآگاہی واطلاع اور موجودگی ورثا ایک مدت تک تعمیر ہوتا رہا، کوئی مزاحم ومعترض نہ ہوا، اور یہ سب افعال ملکیتی تسلیم ہوتے رہے، اور لڑکیاں جو شوہر نے چھوڑی تھیں کبھی ہارج ومزاحم نہ ہوئیں، نہ تقسیم چاہی نہ ترکہ معین ہوا، بالکلیہ زوجہ مالک و قابض ومتصرف رہی اور جمیع افعال ملکیت پر عملدرآمد ہوتا رہا کوئی مخالفت نہ کی، اور اس کے بعد بجیات مساۃ ہندہ کے ہوتے رہے کسی لڑکی نے نہ تقسیم چاہی نہ ترکہ طلب کیا، مجرد اپنی والدہ ہندہ کے پاس آتی جاتی رہیں اور شفقت مادرانہ ہوتی رہی اب عرصہ پندرہ سولہ سال کا ہوا کہ مساۃ ہندہ فوت ہوئی اور اس کے ورثاء میں سے دو لڑکیاں اور دو بھتیجے ہیں بموجب فرائض شریف کے دو دو لڑکیوں کے اور ایک ایک برادرزادہ کا حصہ ہوتا ہے اور ۶ سے مسئلہ قرار پاتا ہے چونکہ اب لڑکیوں نے کہ حصہ قلیل ہوا جاتا ہے اور برادرزادگان مستحق حصہ شرعی ہیں محض اتلاف حق کے لئے چالیس برس کے بعد یہ امر بیان ہوتا ہے کہ آج تک کبھی اس امر کا تذکرہ بھی نہیں آیا تھا کہ مساۃ ہندہ کل ترکہ پر قابض بوجھ ترکہ ہوگئی ہوگی اور کبھی یہ حیلہ پیش ہوتا ہے کہ جنازہ اٹھتے وقت اکثر مہر معاف بھی ہوجاتا ہے، رواجًا معاف کردیا ہوگا، اور کبھی یہ بیان کہ معاف کردیا اس امر کا بیان کنندہ سوائے ان دو لڑکیوں متوفیہ کے کہ وہ خود اپنی کمی ترکہ کے سبب سے اور باغوائے اپنے اہل وعیال کے اس وقت بیان کرتی ہیں کبھی سابق بیان بھی نہیں کیا ابطال وکمی حق برادرزادگان مساۃ متوفیہ کے لئے باوجود عملدرآمد ہونے افعال ملکیت مساۃ ہندہ کے ۲۵، ۳۰ سال تک اور اظہار قبضہ دین مہر اور عدم اظہار معافی مہر سوائے بیان سال حال مجرد بیان خیالی دو لڑکیوں کا بغیر علم وآگاہی دیگر بزرگان خاندان کے اور نہ ہونے کسی وثیقہ تحریری کے بلکہ برخلاف اس کے عمل درآمد ہوتا رہا اور کسی وارث نے یہ ذکر نہ کیا اور انتقالات تحریری اور زبانی مساۃ ہندہ ہمیشہ مسلم کئے پس ایسی حالتوں میں یہ مہر معاف سمجھا جائے گا یا کیا؟ اور تقسیم ترکہ اب مساۃ ہندہ کی ہوگی یا شوہر ہندہ کی قرار دینا چاہئے اور یہ عملدرآمد کیسا سمجھا جائے گا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں دعوی دختران ہر گز قابل سماعت نہیں، نہ اب وہ ترکہ ترکہ شوہر ٹھہر سکے، نہ مجرد ان کے بیان سے مہر کی معافی سمجھی جائے اور بیان بھی کیسا مضطرب کہ کبھی تو بربنائے رواج یہ احتمالی حکم کہ جنازہ اٹھتے وقت مہر معاف ہو جاتا ہے یہاں بھی ہو گیا ہوگا، حالانکہ یہ کلیہ بھی غلط ہے، کوئی معاف کر دیتا ہے کوئی نہیں کرتا، اور سب معاف کر دیا کرتے تو کیا تھا، خاص ہندہ کی معافی ثابت ہونا چاہیئے تھی اور کبھی کچھ سمجھ کر یہ قطعی دعوی کہ معاف کر دیا اگر معاف کر دیا تھا تو تم نے بربنائے مہر کل جائداد پر ہندہ کو کیوں قبضہ کرنے دیا تھا اور چوبیس پچیس برس تک اس کے تصرفات مالکانہ دیکھ کر کیوں خاموش رہیں اور اس کے انتقال پر بھی پندرہ سولہ برس کا سکوت کس کے لئے تھا یہ خاموشی چہل سالہ شرعًا قرینہ واضحہ ہے کہ دعوی بربنائے زور وتلبیس واتلاف حق برادر زادگان ہے، ہمارے ائمہ اصحاب متون وشروح وفتاوٰی تصریح فرماتے ہیں کہ جب ایک جائداد میں کوئی شخص ایک مدت تک خود تصرفات مالکانہ کرتا رہے یا بیع خواہ ہبہ خواہ کسی اور طرح دوسرے کو تملیک کرے اور وہ دوسرا ایک زمانہ تک اس میں متصرف رہے پھر ایک مدعی جو اس شہر میں موجود ہو اور ان حالات پر مطلع ہو دعوی کرنے لگے کہ یہ جائداد میری ملک ہے اب وہ دعوی بجہت میراث ہو خواہ کسی دوسرے سبب سے ہر گز ہر گز نہ سنا جائے گا اور اس کا ان تصرفات کے وقت خاموش رہنا اپنی اجنبیت اور متصرف کی مالکیت کا صریح اقرار قرار پائے گا،

فی فتاوی العلامۃ المرحوم سیدی محمد بن عبداللّٰہ الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار سئل عن رجل لہ بیت فی داریسکنہ مدۃ تزید علی ثلث سنوات ولہ جاربجانبہ والرجل المذکور یتصرف فی البیت المزبور ھدماوعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ فھل اذاادعی البیت اوبعضہ بعد ماذکر من تصرف الرجل المذکور فی البیت ھدماً و بناءً فی المدۃ المذکورۃ تسمع دعواہ ام لااجاب لاتسمع دعواہ علی ماعلیہ الفتوی[1]، وفتاوی الامام	سیدی علامہ محمد بن عبداللہ الغزی التمرتاشی مرحوم مصنف تنویر الابصار کے فتاوٰی میں ہے کہ ان سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جو ایک حویلی کے کمرہ میں عرصہ زائد از تین سال سے رہائش پذیر ہے اور وہ اپنے کمرہ میں توڑ پھوڑ ومرمت کرتا رہا اس کا پڑوسی اس کے یہ تصرفات دیکھتا رہا تو اب اس پڑوسی کو مذکورہ تصرفات پر اطلاع کے باوجود اس کمرہ کے کل یا بعض پر دعوی کا حق ہے اور کیا اس کا دعوی قابل سماعت ہوگا یا نہیں؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اس کا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا اس پر ہی فتوی ہے، اور امام علامہ

[1] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوٰی غزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

العلامة خیر الملة والدین الرملی سئل فی رجل اشتری من اٰخر ستة اذرع من ارض بید البائع وبنی بہا بناء وتصرف فیه ثم بعدہ ادعی رجل علی البانی المذکوران له ثلثة قراریط ونصف قیراط فی المبیع المذکور ارثا عن امه ویرید ھدمه والحال ان امه تنظرہ یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین ھل له ذلك ام لا، اجاب لاتسمع دعواہ لان علمائنا نصوا فی متونھم وشروحھم وفتاوٰھم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولوکان اجنبیا بنحو البناء والغرس والزرع یمنعه من سماع الدعوی قال صاحب المنظومة اتفق اساتیذنا علی انه لاتسمع دعواہ ویجعل سکوته رضا للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل والتلبیس وجعل الحضور وترك المنازعة اقرارا بانه ملك البائع[1] اھ ملخصا وفیہا ایضا سئل فی رجل تلقی بیتا عن والدہ وتصرف فیه کما کان والدہ من غیر منازع ولا مدافع مدة تنوف

خیر الدین رملی کے فتاوٰی میں ہے ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے دوسرے سے چھ ذراع زمین خریدی جو کہ بائع کے قبضہ میں تھی جس کو خریدنے کے بعد خریدار نے اس پر تعمیر کی اور دیگر تصرفات کئے پھر بعد میں ایک اور شخص نے اس خریدار مذکور پر دعوٰی کردیا کہ مبیع زمین میں ساڑھے تین قیراط میری ملکیت ہے جو مجھے والدہ سے وراثت میں ملی ہے اور وہ تعمیر کو گرانے کا مطالبہ کررہا ہے حالانکہ مدعی کی والدہ خریدار کو تعمیر وغیرہ تصرفات کرتے ہوئے دیکھتی رہی ہے تو اس مدعی شخص کو اس دعوٰی کا حق ہے یا نہیں، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا کیونکہ ہمارے علماء نے متون، شروح اور فتاوٰی میں نص فرمائی ہے کہ مبیع میں خریدار کے تصرفات پر مخالف کو اطلاع ہونے کے باوجود کہ وہ تعمیر، پودے اور زراعت جیسے تصرفات کررہا ہے اتنی مدت خاموش رہنا اس کے دعوٰی کی سماعت کے لئے مانع ہے اگرچہ ایسا مدعی اجنبی کیوں نہ ہو۔ صاحب منظومہ نے فرمایا کہ ہمارے اساتذہ نے فرمایا ہے کہ ایسے شخص کا دعوٰی قابل سماعت نہ ہوگا اور اس کی خاموشی کو اس بیع پر رضامندی قرار دیا جائیگا تاکہ فریب لالچ، حیلہ سازی اور تلبیس کا دروازہ بند ہوسکے اور موجودگی کے باوجود اس کا منازعت نہ کرنا یہ اس بات کا اقرار ہے کہ یہ چیز بائع کی ملکیت تھی اھ ملخصًا، اور اس میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے اپنے والد سے مکان حاصل

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوی دارالمعرفة بیروت ۲ / ۸۷ و ۸۸

عن خمسین سنة والآن برز جماعة یدعون ان البیت لجدھم الاعلی فھل تسمع دعوٰھم مع اطلاعھم علی التصرف المذکور واطلاع اٰبائھم وعدم مانع یمنعھم من الدعوی، اجاب لاتسمع ھذہ الدعوی[1] وفیھا عن البزازیة علیه الفتوی قطعا للاطماع الفاسدة[2] وفی الولوالجیة ثم الخیریة ثم الحامدیة وغیرھما رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل اٰخر رأی الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذٰلك لم تسمع بعدذٰلك دعوی ولدہ فتترك علی ید المتصرف لان الحال شاھد[3] وفی الخیریة وبه افتی شیخ الاسلام شھاب الدین احمد المصری[4]. وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی[5] و	کیا اور اپنے والد کی طرح اس میں بغیر رکاوٹ وممانعت تقریبًا پچاس سال کی مدت تک تصرفات کرتا رہا اور اب ایک جماعت نے دعوی شروع کردیا کہ یہ مکان ہمارے جداعلٰی کا ہے تصرفات مذکورہ پر ان کو اور ان کے آباء کو اطلاع ہونے کے باوجود ان کا منع نہ کرنا حالانکہ رکاوٹ نہ تھی، تو کیا اس گروہ کا دعوی قابل سماعت ہے، توانہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ دعوی مسموع نہ ہوگا اور اس میں بزازیہ سے منقول ہے کہ اسی پر فتوی ہے تاکہ طمع فاسد کا سد باب ہوسکے۔ ولوالجیہ پھر خیریہ پھر حامدیہ وغیرہا میں ہے کہ ایک شخص زمانہ بھر زمین میں تصرف کرتا ہے اور دوسرا شخص زمین اور اس میں تصرفات دیکھتا رہا اور کوئی دعوی نہ کیا اسی حال میں وہ فوت ہو گیا تو اب اس کے بیٹے کا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا بلکہ زمین کو قابض کے پاس رہنے دیا جائے گا کیونکہ اس پر حال شاہد ہے، اور خیریہ میں ہے کہ شہاب الدین شیخ الاسلام احمد حلبی مصری نے اسی پر فتوی دیا ہے۔ عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ میں ہے کہ تصرفات پر اطلاع ہونا ہی دعوی کے لئے مانع ہے اور

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفة بیروت ۲ /۵۵
[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفة بیروت ۲ /۵۹
[3] فتاوٰی خیریہ بحوالہ فتاوٰی الولوالجی کتاب الدعوٰی دارالمعرفة بیروت ۲ /۵۵
[4] فتاوٰی خیریہ بحوالہ فتاوٰی الولوالجی کتاب الدعوٰی دارالمعرفة بیروت ۲ /۵۹
[5] العقود الدریہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

فیھا لم یقیدوہ بموت ولابمدۃ کما تری[1]،وفی ردالمحتار من مسائل شتی مجرد السکوت عند الاطلاع علی التصرف مانع وان لم یسبقہ بیع[2]،وفی الدر المختار باع عقارا اوحیوانا اوثوبا وابنہ وامرأتہ اوغیرھما من اقاربہ حاضر یعلم بہ ثم ادعی الابن مثلاً انہ مبلکہ لاتسمع دعواہ کذااطلقہ فی الکنز والملتقی وجعل سکوتہ کالافصاح قطعا للتزویر و الحیل[3]عـــہ۔	اس میں ہے کہ فقہاء نے اس حکم کو موت اور مدت سے مقید نہیں فرمایا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو،اور ردالمحتار کے مسائل شتی میں ہے کہ اطلاع ہوجانے پر سکوت ہی دعوی کے لئے مانع ہوگا اگرچہ بیع نہ ہو___اور درمختار میں ہے ایک شخص نے زمین یا جانور یا کپڑا فروخت کیا جبکہ اس کا بیٹا یا بیوی یا دیگر اقارب حاضر تھے اور جانتے تھے پھر مثلاً بیٹے نے دعوی کردیا کہ فروخت شدہ چیز میری ہے تو اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔اس کو کنز اور ملتقی میں یوں ہی مطلق ذکر کیا اور اس موقعہ پر سکوت کو اقرار کی طرح قرار دیا تاکہ حیلہ سازی اور فریب کاری کا سدباب ہوسکے۔(ت)

مسئلہ ۴۷: از رامپور مرسلہ سید محمد منور علی صاحب تحصیلدار بھوپال ۲۲ شعبان معظم ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپناایک مکان جس کا جار ملاصق زید ہے غیبت زید میں جبکہ وہ اپنی نوکری پر بھوپال میں تھا عمرو کے ہاتھ بیع کیااور بیعنامہ بعبارت معمولی لکھااس مکان کے جانب شمال جو دیوار مکان مبیع و مکان شفیع میں حد فاصل ہے اصل الفاظ بیع کے ذکر میں اس دیوار پر ایراد عقد کا کچھ تذکرہ نہیں،نہ تفصیل عملہ مبیعہ میں،بآنکہ ایک ایک چیز مفصلاً لکھی ہے اس کا نام ہے،حدود مبیع جہاں لکھے ہیں وہاں زیر حد شمالی یہ لفظ ہیں (شمالی مکان میاں منور علی و پاکھ کلاں شامل میاں منور علی و دیوار سراسر و دخل مبیعہ ہذا) زید جب بھوپال سے آیا اور بیع پر اطلاع پائی مدعی شفعہ ہوااور عرضی میں بنائے شفعہ ثابت کرنے کو یہ الفاظ لکھے (امراؤبیگم مدعاعلیہا بائعہ نے مکان مدعا بہا

عـــہ: اصل میں ایک صفحہ کی بیاض ہے شاید جواب مکمل دستیاب نہ ہوا۔

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

[2] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۳

[3] درمختار مسائل شتّٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۴۶

معلومہ مقبوضہ اپنا عوض مبلغ ماصہ عہ / قیمت اصل بموجب بیعنامہ رجسٹری شدہ ۲۲/اگست ۱۸۸۹ء بغیبت مدعی بدست مدعا علیہ بیع صحیح شرعی کیا) دیوار مذکور جس پر ہمیشہ سے زید و مورث زید کا قبضہ تھا اور رہے مکان زید کی کھپر یلیں اور ان کی ترکیبیں اس پر پڑی ہیں اور ہندہ و عمرو کا کوئی قبضہ اس پر نہ تھا، نہ ہے، نہ ان کے مکان کی کوئی کڑی یا ترک وغیرہ اس دیوار پر ہے، اب عمرو مدعی ہوا کہ یہ دیوار مکان مبیع ہندہ کی ہے اور میں بحکم بیع اس کا مالک ہوں زید سے دلادی جائے مگر کوئی ثبوت اس دیوار میں اپنی ملک کا نہ دے سکا سوا اس کے کہ زید نے دعوی شفعہ میں بوجہ عبارت مذکورہ امراؤ بیگم نے اپنا مکان مقبوضہ بیع صحیح شرعی کیا اس بیعنامہ کو مسلم رکھا اور اس کے حوالہ دینے سے زید کا بیعنامہ دیکھنا ظاہر ہے اور اس میں دیوار مذکور بھی داخل بیع تھی تو زید کا بذریعہ شفعہ اسے طلب کرنا صریح اقرار ہو چکا کہ دیوار ملک عمرو مشتری ہے حالانکہ زید نے ہرگز بیعنامہ نہ دیکھا نہ اس کے سامنے لکھا گیا نہ وہ اس وقت اس شہر میں تھا اثبات بنائے شفعہ کے لئے تاریخ رجسٹری معلوم کرکے عرضی دعوی میں ذکر بیعنامہ کیا تھا۔ اس صورت میں علمائے شرع مطہر سے استفسار ہے کہ زید کا وہ الفاظ لکھنا دیوار ملک عمرو ہونے کا شرعًا اقرار قرار پائے گا یا نہیں؟ اور اس بناء پر عمرو کا استحقاق اس دیوار پر ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں دعوی عمرو محض بے ثبوت ہے، نہ اس بناء پر دیوار اسے دلائی جا سکتی ہے **اولًا** جبکہ دیوار حسب تحریر سوال زید کے استعمال میں ہے اور عمرو و ہندہ کا کوئی عملہ اس پر نہیں جس سے ان کا استعمال ثابت ہو تو بحکم ظاہر دیوار ملک خاص زید ہے۔ تنویر الابصار و درمختار وغیرہما میں ہے:

الحائط لمن جذوعه علیه[1]۔	دیوار اس کی ہے جس کا اس پر شہتیر ہے۔ (ت)

معین الحکام میں ہے:

ان لاحدهما علیه جذوع ولاشیئ علیه للاٰخر یقضی به لرب الجذوع لانه مستعمله[2]۔	ایک فریق کا اس پر شہتیر ہے اور دوسرے کا کچھ نہیں ہے تو دیوار کا فیصلہ شہتیر والے کے حق میں ہوگا کیونکہ وہ اس کو استعمال کر رہا ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی باب دعوی الرجلین مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۷

[2] معین الحکام الباب التاسع والاربعون مصطفی البابی مصر ص ۱۶۳

اور خود عمرو جبکہ تخلیہ دیوار کا نالشی ہوا تو اپنا خارج اور زید کا ذوالید و قابض ہونا تسلیم کرلیا بہر حال عمرو اس مقدمہ میں شرعًا مدعی ہے پس تاوقتیکہ ثبوت مقبول شرعی سے اپنا دعوی ملک منور نہ کرے مقبول نہیں ہوسکتا دعوی شفعہ میں زید کا حوالہ بیعنامہ دینا کون سی دلیل شرعی ہے کہ اس نے بیعنامہ دیکھا اور اس کا لفظ لفظ تسلیم کرلیا بیان سائل کہ اثبات بنائے شفعہ کے لئے تاریخ رجسٹری معلوم کرکے ذکر بیعنامہ کیا گیا ہر گز قابل التفات نہیں۔

ثانیًا اگر فرض کریں کہ بیان مذکور سائل بعید از قیاس نہ ہے تو غایت یہ کہ یہ ایک قرینہ ظاہرہ ہوگا اور ظاہر مدعی کو کام نہیں دیتا، نہ اس کی بناء پر ثبوت ملک ہوسکتا ہے۔ درمختار وغیرہ عامہ کتب فقہیہ میں ہے:

الظاہر یصلح حجۃ للدفع لاللاستحقاق[1]۔	ظاہر دفع کی صلاحیت رکھتا ہے نہ کہ ثبوت استحقاق کی۔ (ت)

ثالثًا: تسلیم ہی کیجئے کہ اس سے نہ صرف ظاہرًا بلکہ قطعًا ویقینًا زید کا بیعنامہ کو دیکھ کر دینا اور عبارت مذکورہ لکھنا ثابت ہے تاہم اس سے کس قدر ثبوت ہوا یہ کہ زید مکان مبیع کو مملوک و مقبوض ہندہ جانتا اور بیع کو صحیح مانتا اور بذریعہ شفعہ لینا چاہتا ہے اس سے اب کب زید کو انکار ہوا وہ اب بھی کہے گا کہ واقعی ہندہ نے اپنا ہی مکان مملوک و مقبوض بیع کیا اور یہ بیع صحیح بھی ہے اور میں بذریعہ شفعہ اس کا خواستگار بھی ہوا، رہی یہ دیوار، نہ یہ مملوک و مقبوض ہندہ تھی نہ اس پر بیع وارد ہوئی، نہ میں نے شفعہ میں مانگی، الفاظ عقد بیع میں مکان ہندہ کا ذکر ہے مکان ہندہ جس قدر تھا وہی ایجاب و قبول میں داخل ہوا، اسی کو بذریعہ شفعہ طلب کیا گیا ذکر حدود عقد بیع نہیں، نہ وہ حاکی ایجاب و قبول ہے، تو تسلیم صحت بیع سے تسلیم صحت جملہ الفاظ زائدہ مندرجہ بیعنامہ کیونکر لازم ہوسکتی ہے، علماء تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے بیعنامہ پر خود اپنی گواہی لکھ کر مہر کردی تاہم یہ اسکا اقرار نہ قرار پائے گا کہ شے مبیع ملک بائع ہے میری ملک نہیں وہ اس گواہی کردینے کے بعد بھی مکان مبیع پر دعوی ملک کرسکتا ہے جبکہ اس کے الفاظ سے صراحۃً اس کا خلاف نہ ثابت ہو۔ درمختار میں ہے:

یؤیدہ مسألۃ کتابتہ وختمہ علی صك البیع فانہ لیس باقرار	اس کی تائید اس مسئلہ سے ہوتی ہے فروختگی کی رسید پر گواہ کے دستخط اور مہر ہونے کے باوجود

[1] درمختار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶

بعدم ملکہ[1]۔	یہ اس کے مالک نہ ہونے کا اقرار نہیں

رابعًا: ان سب سے قطع نظر کرکے مان ہی لیں کہ نفس عقد دیوار پر بھی وارد ہوا اور وہ بھی طلب شفعہ میں داخل تھی تاہم اس سے زید کا اس قدر اقرار حاصل ہوگا کہ یہ دیوار میری ملک نہیں، نہ یہ کہ عمرو کی ملک ہے ہمارے مذہب راجح میں کہ ظاہر الروایہ ہے اور اکثر تصحیحات ائمہ اسی جانب ہیں، اگر زید عمرو سے کوئی چیز مانگے کہ مجھے ہبہ کردے یا عاریۃً دے دے یا میرے ہاتھ بیچ ڈال یا اس کے مثل اور اقوال، تو ان سے صرف اپنی ملک نہ ہونے کا اقرار ثابت ہوتا ہے عمرو کی ملک ہونے کا اقرار نہیں نکلتا زیادات وصغری وینابیع و عمادیہ وتتارخانیہ وسراجیہ ومنیہ ووہبانیہ وغیرہا میں اسی کی تصحیح کی، امام اجل قاضیخان نے افادہ فرمایا کہ یہ اقرار ہو بھی تو بحسب ظاہر ہے اور ظاہر حجت استحقاق نہیں تو مدعی اس سے فائدہ نہیں اٹھاسکتا۔ ردالمحتار میں منح الغفار سے ہے:

الحاصل روایۃ الجامع ان الاستیام والاستیجار والاستعارۃ ونحوھا اقرار بالملك للمساوم منه والمستاجر منه وروایۃ الزیادات انه لایکون ذلك اقرار بالملکیۃ وھو الصحیح کذا فی العمادیۃ وحکی فیھا اتفاق الروایات علی انه لاملك للمساوم ونحوه فیه[2]۔	جامع الصغیر کی روایت کے مطابق سودا لگانا، اجارہ پر طلب کرنا اور عاریتًا مانگنا یہ قابض جس سے چیز لی یا مانگی جارہی ہے، کی ملکیت کا اقرار ہے اور زیادات کی روایت کے مطابق یہ اس کی ملکیت کا اقرار نہ ہوگا، یہی صحیح ہے جیسا کہ عمادیہ میں ہے اور اس میں مذکورہ صورت میں ملک نہ ہونے پر روایات کا اتفاق بیان کیا گیا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال الانقروی والاکثر علی تصحیح مافی الزیادات و انه ظاہر الروایۃ[3]۔	انقروی نے کہا کہ اکثریت کا مؤقف زیادات کی تصحیح ہے، اور یہ ظاہر الروایۃ میں ہے۔(ت)

انقرویہ میں ہے:

فی الصغری عین فی یدرجل	صغری میں ہے کہ کوئی چیز کسی شخص کے قبضہ سے

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۲

[2] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۳

[3] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۳

اقدم اُخر علی الشراء منه یکون اقرارا بملکیة العین للبائع علی روایة الجامع وعلی روایة الزیادات لاوھو الصحیح اھ.وکذافی التاتارخانیة من الصغری والنا بیع وفی السراجیة الاقدام علی الاستیام لایکون اقرارا بملکیة ذلك لذی الید علی روایة الزیادات وعلی روایة الجامع یکون اقراراوالاول اصح وکذا فی المنیة فظھران فیه اختلاف التصحیح والاکثر علی تصحیح ما فی الزیادات وانه ظاہر الروایة وقال قاضیخان روی ھشام عن محمد ان المساومة اقرارمنه له بالملك والصحیح ماذکر فی ظاہر الروایة انه اقرار من حیث الظاہر فلا یصلح حجة للاستحقاق اھ[1] مختصرًا۔	خریدنا چاہتا ہے تو یہ اس چیز پر بائع کی ملکیت کا اقرار ہے جامع کی روایت کے مطابق۔ جبکہ زیادات کی روایت کے مطابق ایسا نہیں اور یہی صحیح ہے اھ، اور تاتارخانیہ میں صغری اور ینابیع سے ایسے منقول ہے، اور سراجیہ میں ہے کہ کسی سے چیز کو خریدنے کا اقدام یہ قابض کی ملکیت کا اقرار نہیں ہے زیادات کی روایت پر جبکہ جامع کی روایت کے مطابق یہ اقرار ہے اور اول صحیح ہے، اور منیہ میں بھی ایسے ہی ہے تو ظاہر ہوا کہ اس مسئلہ کی تصحیح میں اختلاف ہے اور اکثریت زیادات کی تصحیح پر ہے اور یہ کہ ظاہر الروایت ہے، اور قاضی خان نے فرمایا کہ ہشام نے امام محمد سے روایت کیا ہے کہ خریدنے کا اقدام قابض کی ملکیت کا اقرار ہے، اور صحیح وہ ہے جو ظاہر الروایۃ میں ہے کہ یہ ظاہر میں اقرار ہے تو یہ ظاہری معاملہ استحقاق کے لئے حجت نہیں بن سکتا اھ مختصراً (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

القاعدة ان العمل بما علیه الاکثر[2]۔	قاعدہ کے مطابق اکثریت کی رائے پر عمل ہے۔ (ت)

قرۃ العیون میں ہے:

قلت فیفتی به لترجحه بکونه ظاہر الروایة وان اختلف التصحیح[3]۔	**میں کہتا ہوں** کہ، تو اس پر فتوی دیا جائے کیونکہ اکثریت اور ظاہر الروایت کی وجہ سے یہی راجح ہے اگرچہ تصحیح میں اختلاف ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی انقرویه کتاب الدعوی الباب الثانی عشر دارالاشاعة العربیه قندھار افغانستان ۲ /۱۴۸

[2] العقود الدریة مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحة حاجی عبدالغفار وپسران دارالاشاعة العربیه قندھار افغانستان ۲ /۳۵۶، ردالمحتار باب صلٰوۃ المریض داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ /۵۱۰

[3] قرۃ عیون الاخیار کتاب الاقرار مصطفی البابی مصر ۲ /۹۸

غمز عیون البصائر میں ہے:

فی تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم ان مایصححہ قاضیخان من الاقوال یکون مقدما علی مایصححہ غیرہ لانہ کان فقیہ النفس[1]۔	علامہ قاسم کی قدوری میں ہے کہ اقوال میں سے جس کو قاضیخان صحیح قرار دیں وہ دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ یہ فقیہ النفس ہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

کن علی ذکر مماقالوا لایعدل عن تصحیح قاضیخان فانہ فقیہ النفس[2]۔	توفقہاء کے قول کے مطابق عمل کر جو کہتے ہیں قاضیخان کے قول سے اعراض نہ کیا جائے کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں(ت)

تو یہ اقرار حق عمرو میں کچھ نافع نہ ہوا، مانا کہ دیوار حسب اقرار زید ملک زید نہیں مگر ملک عمرو ہونے کااقرار بھی تو نہیں، تو مدعی بے بینہ عادلہ شرعیہ یا اقرار مدعا علیہ یا نکول محض اپنے زعم پر کوئی چیز کسی سے کیونکر لے سکتا ہے اور قاضی کیونکر دلا سکتا ہے، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

القاضی انما یقضی بالبینۃ اوالاقرار او النکول[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	قاضی صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار پر فیصلہ دے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۴۸: ۳/ شوال المکرم ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جبکہ کسی شخص کا گاؤں بلا قید آمدنی ہو یعنی جب پیداوار اچھا ہو آمدنی معقول ہو اور خراب تو کم اور یہ گاؤں اس کے والدین نے ایام نابالغی میں اس کے نام کیا بعد بلوغ باہم ایک پنچایت نامہ ۸۵ء میں بخیال زمانہ نازک ہوا پنچ نے والدین کے نام چھ سو روپے سالانہ اس کے گاؤں کی آمدنی سے دینا اس کے ذمہ قرار دے اور کوئی تفرق حصص والدین نہ کی بلکہ لکھا کہ یہ جملہ آمدنی بدست والد رہے گی وہ جس قدر چاہیں گے خود لیں گے اور جس قدر چاہیں گے اس کی والدہ کو دیں گے اس کا باپ ۸۶ء میں فوت ہوگیا اب اس کی ماں علیحدہ ہو کر پچاس روپے ماہوار کل بیٹے سے لینا چاہتی ہے تو شرعاً چھ سو روپے سالانہ سے کس قدر والدہ کو چاہئے کس قدر لڑکے کو؟ بینوا توجروا۔

---

[1] غمز عیون البصائر کتاب الاجارات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۵۵

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالفکر بیروت ۲/ ۶۷

الجواب:

سائل مظہر کہ یہ گاؤں اس کے والد کا تھا اس نے اپنی زوجہ کو مہر میں دیا پھر زوجہ سے اس پسر نابالغ کے نام ہبہ کرالیا پھر بعد بلوغ اس بناء پر کہ آمدنی جائداد کا تحفظ چاہتے ہیں یہ پنچایت نامہ ہوا، والدہ صاحب مال وزیور ہے محتاج نفقہ نہیں، اس صورت میں لڑکا گاؤں کا مالک مستقل ہوگیا اور یہ پنچایت محض بے معنی تھی جس کی پابندی ہرگز لازم نہیں ہوسکتی کہ شرط حکم صحت دعوی ہے اور دعوی طلب حق، اور یہاں والدین کا کوئی حق جائداد وتوفیر میں نہ رہا تھا کہ ان کا دعوی صحیح ہوسکتا اور یہ پنچایت پنچایت ٹھہرتی، غایت یہ کہ اس کا قبول کرلینا لڑکے کی طرف سے ایک وعدہ قرار دیا جائے گا اور وعدہ کی وفا پر جبر نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

لایلزمه الوفاء بالمواعید[1]۔	وعدوں کا ایفاء ضروری نہیں ہے۔ (ت)

ہاں ماں کی خدمت دارین کی سعادت ہے جس قدر ہو بہتر ہے یہ امر دیگر ہے اور انسان کی اپنی مرضی پر ہے جب حالت یہ ہے کہ ماں محتاج نفقہ نہیں ورنہ بقدر نفقہ دینا واجب۔ عالمگیری میں ہے:

یجبر الولد الموسر علی نفقة الابوین المعسرین مسلمین کانا او ذمیین قدرا علی الکسب اولم یقدرا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	والدین تنگ دست ہوں تو امیر بیٹے کو بہر صورت ان کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا، والدین مسلمان ہوں یا ذمی، وہ کسب پر قادر ہوں یا نہ ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۹: از ریاست رامپور بزریا ملا ظریف گھر منشی عبدالرحمان خاں مرحوم مرسلہ عبدالرؤف خان ۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان زید نے خریدا، وقت خرید کے حد رابع کوچہ تھا، جب زید نے دعوی بنام عمرو کیا تو اسی حد رابع میں جو بیعنامہ میں کوچہ نافذہ لکھا تھا بموجب حد مندرج بیعنامہ کوچہ نافذہ لکھا گیا عمرو نے بھی اس کو مان لیا دوران مقدمہ میں زید کو معلوم ہوا کہ قبل رجوع دعوی ہذا سے بکر نے کوچہ نافذہ کو بند کرلیا اپنا مکان بجائے حد مذکور بنالیا ہے زید نے ایک سوال پیش قاضی اسی مضمون کا باظہار اس کے کہ پہلے وقت شراکے کوچہ تھا قبل رجوع دعوی سے بکر نے اسی حد میں کوچہ بند کرکے اپنا مکان بنالیا ہے وقت رجوع دعوی کے میں نے نہ دیکھا تھا اب دیکھا تو تبدیل حد مذکور کی ہوگئی ہے بصورت مذکورہ توفیق

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارہ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷

[2] کتاب الطلاق الباب السابع عشر الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۶۴

ہو گی یا نہیں اور اس توفیق سے دعوی زید قابل سماعت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

ہاں اور دعوی میں کچھ خلل نہ رہا،

فی جامع الفصولین برمز شیخ الاسلام شمس الائمۃ السرخسی ان الشاھد لواخطاء فی بعض الحدثم تدارك واعادالشھادۃ واصاب قبلت شھادتہ لو امکن التوفیق سواء تدارك فی المجلس اوفی مجلس اٰخر ومعنی امکان التوفیق ان یقول کان صاحب الحد فلانا الاانہ باع دارہ من فلان اٰخر وما علمنا بہ او یقول کان صاحب الحد بھذا الاسم الاانہ سمی بعد ذٰلك بھٰذا الاسم الاٰخر وما علمنا بہ وعلی ھذا القیاس فافھم ھذااذا ترك الشاھد احدالحدود او غلط فیہ ولو ترك المدعی احد الحدود او غلط فیہ فحکمہ کالشاھد جملۃ[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جامع الفصولین میں شیخ الاسلام سرخسی کی علامت دے کر کہا کہ اگر حد بندی کے بیان میں گواہ خطا کرے اور پھر خطا کاازالہ کرکے شہادت دے اور درستی کردے تو یہ شہادت مقبول ہوگی بشرطیکہ دونوں بیانوں میں موافقت ہوسکے خطا کا ازالہ اسی مجلس میں کردے یا کسی دوسری مجلس میں کر دے، موافقت کا معنی یوں کہ حد بندی والا فلاں ہے، کہہ کر، پھر کہے، مگر اس نے اپنا مکان دوسرے کو فروخت کیا جو فلاں ہے اور اس کا مجھے علم نہیں یوں کہ، حدود والے کا نام یہ ہے، پھر کہے، بعد میں اس کا یہ دوسرا نام بتایا گیا ہے اور مجھے علم نہیں ہے علٰی ہذاالقیاس، اس کو سمجھو، یہ گواہ کے متعلق ہے کہ وہ حدود میں سے کسی حد کا ذکر چھوڑدے یا غلطی کرے تو اگر مدعی حدبندی کے بیان میں ایسا کرے تو اس کا حکم بعینہٖ گواہ کی طرح کا ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۵۰: ازریاست رامپور مرسلہ منا بھائی ۱۷/ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

صورت یہ ہے کہ زید کے مکان کے بالاخانوں کے ایک ہی سمت اور سلسلے میں بہت دریچے ہیں جن میں سے دو ۲ دریچے جدید ہیں اور باقی تمام قدیم، ہندہ کا مکان زید کے مکان کے مقابل کوئی ستر قدم کے فاصلے پر ہے اور ان دونوں مکانوں کے درمیان ایک وسیع شارع عام اور ایک کھنڈر واقع ہے۔

[1] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۹۵

ہندہ نے اس بناء پر کہ اس کے مکان کی بے پردگی ہوتی ہے منجملہ تمام دریچوں کے پانچ دریچے بند کرادینے یا ان کے سامنے دیوار قائم کرادینے کی نالش دائر کردی ان پانچ دریچوں میں سے دو جدید ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا اور باقی قدیم چنانچہ فریقین کی شہادت سے یہ بات ثابت ہے اور درحقیقت اس بے پردگی کا باعث یہ ہے کہ ہندہ کا ایک مکان جو مانع بے پردگی تھا باختیار ہندہ منہدم ہوگیا اور اب بے پردگی میں دریچہائے متنازع فیہا اور زید کے مکان کے دوسرے دریچے اور وہ لوگ جو بہ سواری اسپ وفیل وشتر وغیرہ شارع عام سے گزرتے ہیں سب برابر ہیں۔ زید ہندہ سے کہتا ہے کہ دریچے بند ہوجانے سے میرے ہزارہا روپے کے مکانات غارت ہوجائیں گے اور تمہارا ہر طرح سے صرف دس بارہ گرہ دیوار بلند کرلینے سے پردہ ہوسکتا ہے اور اگر تمہیں بار ہو تو صرف بھی میں ہی دوں گا، اس صورت میں علمائے کرام سے سوال یہ ہے کہ آیا مطابق مذہب ائمہ حنفیّہ ہندہ زید کو اپنی ملک میں تصرف سے مانع ہوسکتی ہے اور ہندہ دریچے بند کرادینے کی مستحق ہے۔ جواب مدلل بنقل وروایات ہو۔ **واللّٰہ لایضیع اجر المحسنین** (اللہ تعالٰی نیکی والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں دعوٰی ہندہ باطل ونامسموع ہے، ائمہ حنفیّہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اصل مذہب وظاہر الروایۃ ومرجّح ومصحح ومفتٰی بہ یہ ہے کہ انسان اپنی ملک میں تصرف کا مطلقاً اختیار رکھتا ہے دوسرا اپنے کسی نفع نقصان کی وجہ سے مالک کو اپنی ملک خاص مستقل میں کسی تصرف سے منع نہیں کرسکتا، خود محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ مبسوط میں کہ کتب ستہ ظاہر الروایۃ سے ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

ان کف عما یوذی جارہ فھو احسن، ولایجبر علٰی ذٰلك ولو فتح صاحب البناء فی علو بنائه بابا او کوۃ لم یکن لصاحب الساحة منعه ولصاحب الساحة ان یبنی فی مبلکه مایستر جھته[1]۔	اپنے پڑوسی کو تکلیف دہ امور نہ کرے تو اچھا ہے جبکہ اس پر اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا، اگر مکان والے نے مکان کے اوپر دروازہ یا کھڑکی کسی کے صحن کی طرف کھولی تو صحن والے کو منع کا حق نہیں ہے تاہم اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں عمارت بناکر اس کی کھڑکی کو بند کردے۔ (ت)

وجیز امام شمس الائمہ کردری میں ہے:

[1] فتح القدیر بحوالہ مبسوط لامام محمد کتاب القضاء مسائل شتی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۴۱۴، خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الحیطان مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۲۶۳

الامام ظھیر الدین کان یفتی بجواب الروایۃ[1]۔	امام ظہیر الدین اس روایت پر فتوٰی دیا کرتے تھے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال فی الفتاوٰی عن استاذنا انہ یفتی علی قول الامام[2]۔	انہوں نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا کہ ہمارے استاذ سے مروی ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے اس قول پر فتوٰی دیا کرتے تھے۔(ت)

محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں: الوجہ لظاہر الروایۃ[3] (فتوٰی کی وجہ ظاہر الروایۃ ہے۔ت) شرح تنویر الابصار میں ہے:

جواب ظاہر الروایۃ عدم المنع مطلقًا وبہ افتی طائفۃ کالامام ظھیر الدین وابن الشحنۃ ووالدہ ورجحہ فی الفتح وفی قسمۃ المجتبی وبہ یفتی واعتمدہ المصنف ثمہ فقال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاہر الروایۃ[4]۔	ظاہر الروایۃ میں جواب کہ مطلقًا منع نہیں ہے، اسی پر ایک جماعت کا فتوٰی ہے، جیسا کہ امام ظہیر الدین، ابن شحنہ اور ان کے والد، اسی کو فتح میں ترجیح دی ہے، اور مجتبٰی کے باب القسمۃ میں ہے اور اس پر فتوٰی دیا جائے اور مصنف نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے وہاں فرمایا فتووں میں اختلاف ہے جبکہ ظاہر روایت پر اعتماد چاہئے۔(ت)

بحر الرائق میں ہے:

ذکر العلامۃ ابن الشحنۃ ان فی حفظہ ان المنقول عن ائمتنا الخمسۃ ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد و زفر والحسن بن	علامہ ابن شحنہ نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ ہمارے پانچوں ائمہ ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد، زفر اور حسن بن زیاد رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول ہے کہ اپنی ملکیت

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الحیطان نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۱۴

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الحیطان نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۱۸

[3] فتح القدیر کتاب القضاء مسائل شتی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۴۱۴

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۸۶

زیاد رضی اللہ تعالٰی عنہم انہ لایمنع عن التصرف فی ملکہ وان اضربجارہ قال وھوالذی امیل الیہ واعتمدہ وافتی بہ تبعا لوالدی شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالٰی[1]۔	میں تصرف سے منع نہ کیا جائے اگرچہ پڑوسی کو اس سے تکلیف ہو،اور فرمایا مجھے یہی پسند ہے اسی پر اعتماد کرتا ہوں اور فتوٰی دیتا ہوں یہ اپنے والد شیخ الاسلام کی پیروی میں کرتا ہوں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔(ت)

اور فقہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ جب فتوٰی مختلف ہو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع ہے اور اس سے عدول ناجائز،اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے مرجوع عنہ ہے اور ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں،

صرح بکل ذٰلك فی الخیریۃ والبحر والدروردالمحتار وغیرہا من معتمدات الاسفار وقد سردنا نصوصھم فی کتاب النکاح وغیرہ من فتاوٰنا۔	اس تمام کی تصریح خیریہ،بحر،در اور ردالمحتار وغیرہا قابل اعتماد کتب میں ہے،ان کی نصوص کو ہم نے اپنے فتاوٰی کے باب النکاح میں جمع کردیا ہے۔(ت)

متاخرین نے کہ برخلاف مذہب جملہ ائمہ مذہب بنظر "لاضرر ولاضرار فی الاسلام[2]" منع پر فتوٰی دیا صاف تصریح فرمائی کہ اس کا محل وہاں ہے کہ مالک کا وہ تصرف دوسرے کو ضرر شدید صریح پہنچاتا ہو جس کی وجہ سے اس کا مکان گر جائے یا اصلاً قابل انتفاع نہ رہے ورنہ بالاجماع ممانعت نہیں۔تنویر الابصار میں ہے:

لایمنع الشخص من تصرفہ فی مبلکہ الااذاکان الضرر بینا[3]۔	کسی شخص کو اپنی ملکیت میں تصرف سے منع نہ کیا جائیگا الایہ کہ اس سے واضح ضرر پیدا ہو۔(ت)

بحر میں ہے:

صحح النسفی فی الحمام ان الضرر ان کان فاحشا یمنع والافلاوالحاصل ان الذی علیہ غالب المشائخ من	امام نسفی نے تصحیح فرمائی ہے کہ اگر حمام کی وجہ سے فحش ضرر ہو تو منع کیا جائے ورنہ نہیں،حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں متاخرین کی غالب اکثریت

[1] بحرالرائق کتاب القضاء مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳۳
[2] نصب الرایۃ کتاب الجنایات باب مایحدث الرجل فی الطریق الخ مکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۳۸۴
[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۵

المتاخرین الاستحسان فی اجناس ھذہ المسائل وافتی طائفۃ بجواب القیاس المروی واختار فی العمادیۃ المنع اذاکان الضرر بینا وظاہر الروایۃ خلافہ[1]۔	نے استحسان پر عمل کیا اور ایک گروہ نے قیاس کے مطابق جواب دیا ہے اور عمادیہ میں منع مذکور ہے جب ضرر واضح ہو،اور ظاہر روایت اس کے خلاف ہے۔(ت)

ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

ترك القیاس فی موضع یتعدی ضررہ الی غیرہ ضرر افاحشا وھو المراد بالبین وھو مایکون سببا للھدم او یخرج عن الانتفاع بالکلیۃ وھو مایمنع الحوائج الاصلیۃ کسد الضوء بالکلیۃ واختاروا الفتوی علیہ فاما التوسع الی منع کل ضررما فیسد باب انتفاع الانسان بملکہ کماذکرنا قریبا[2]۔	جہاں غیر کو اس کا ضرر فاحش پہنچے وہاں قیاس کو ترک کیا جائے گا اور واضح ضرر سے یہی مراد ہے کہ دوسرے کی عمارت کے انہدام کا سبب بنے یا انتفاع کلی طور پر ختم ہوجائے وہ یہ کہ حوائج اصلیہ مثلاً روشنی کو مکمل ختم کردے اسی پر فتوی ہے لیکن ہر قسم کے ضرر کی وجہ سے منع کرنا وسیع ہو تو پھر انسان اپنی ملکیت میں تصرف وانتفاع سے محروم ہوجائیگا جیسا کہ قریب ذکر ہوا۔(ت)

یہاں اگر فرض کیا جائے کہ اب ہندہ کا ایسا ہی ضرر ہے جس کے سبب اس کا مکان اصلاً قابل انتفاع نہ رہا تو یہ ضرر دریچوں نے نہ پہنچایا کہ وہ تو قدیم سے ہیں اب تک ہندہ نے اپنے مکان سے کیونکر انتفاع کیا بلکہ یہ نقصان اس دیوار ہندہ کے انہدام سے پیدا ہوا جو حسب بیان سائل خود باختیار ہندہ منہدم ہوئی اور کوئی شخص خود اپنے لئے سبب ضرر پیدا کرکے دوسرے کا گریبان گیر نہیں ہوسکتا ورنہ کل کو ہندہ اپنی دیوار پردہ سے گزدو گز اور اتار کر شارع عام بند کرنے کی خواستگار ہوگی لوگوں کے گزرنے سے میری بے پردگی ہے،ایسے مہمل دعوے اگر سن لئے جائیں تو ایک عورت کہ محلّہ کے وسط میں رہتی ہو اہل محلّہ کی عافیت تنگ کرسکتی ہے اپنے کچے جھونپڑے کی چاروں دیواریں گراکر چار طرف کی نشست گاہوں پر دعوی کردے کہ ان سے میری بے پردگی ہے سب تیغا کرادی جائیں یا ان کے سامنے دیواریں کھنچوادی جائیں گراتے وقت کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا کہ وہ کہے گی میں اپنی ملک خاص میں تصرف کرتی ہوں تم کون،اور جب

---

[1] بحرالرائق کتاب القضاء مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳۳

[2] ردالمحتار کتاب القضاء مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۱

گرا چکی تو اب لوگوں کی نشستگاہوں سے اس کا ضرر ظاہر ہے، انصافاً اس وقت مفتی کیا فتوٰی اور قاضی کیا حکم دے گا، کیا ہندہ کے اپنے پیدا کئے ہوئے ضرر کے سبب اس کا لایعنی دعوٰی سن لیا جائے گا یا اسی کو اپنا پردہ بدستور درست کرلینے کا حکم کردیا جائے گا خصوصاً جس حالت میں کہ زید محض تبرع واحسان یہ بھی کہتا ہے کہ میں اپنے صرف سے دیوار اونچی کردوں، پھر ہندہ کا نہ ماننا سوا تعنت وایذارسانی کے کس امر پر محمول ہوسکتا ہے **ولاضرر ولاضرار فی الاسلام**[1] (اسلام میں ضرررسانی جائز نہیں ہے۔ ت) بالجملہ صورت مستفسرہ میں ہمارے جملہ ائمہ مذہب رضی اللہ عنہم کے اصل مذہب مفتی بہ پر تو دعوٰی ہندہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں، انصافاً مختار متاخرین بھی اس صورت سے بیگانہ ہے کہ اضرار جانب زید سے نہیں **فعلیك بترك الاعتساف والانصاف خیر الاوصاف** (کج روی کو ترک کرنا لازم ہے اور انصاف بہترین خوبی ہے۔ ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۱: از ملک اپر برہما مانڈلہ زیجو بازار مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد اپنی زوجہ ہندہ کے قبضہ میں چھوڑی، بعد ازیں انتقال کیا، اور اپنی بہن کا نواسہ عمرو اور زوجہ ہندہ کو چھوڑا بعد وفات زید کے جائداد متروکہ پر ہندہ قابض رہی، اب ہندہ نے وہ جائدا جو اس کے قبضہ میں تھی اس میں سے کچھ بنام خالد اپنے بھتیجے کو ہبہ کرکے دستاویز رجسٹری کرادی اور کچھ اپنی بہن زینب وفاطمہ اور کچھ کلثوم اپنی بہن متوفاۃ کی بیٹی کو اور دو بھتیجوں کو تقسیم کرکے ان کے نام رجسٹری کرادی، بعد اس کے ہندہ نے انتقال کیا، اب عمرو جائداد مذکورہ کا دعوٰی کرتا ہے شرعاً جائداد کس کو ملنا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر عمرو عاقل بالغ اسی شہر میں موجود ہندہ کے ان تصرفات پر مطلع تھا اور دعوٰی نہ کیا اب بعد انتقال ہندہ مدعی ہوا تو یہ دعوٰی اصلاً قابل سماعت نہیں کہ ان تصرفوں پر مطلع ہوکر ساکت رہنا صریح دلیل ہے کہ عمرو کا جائداد میں کوئی حق نہ تھا، خلاصہ میں ہے:

رجل تصرف فی ارض زمانا ورجل اٰخر یری تصرفہ فیہا ثم مات المتصرف ولم یدع الرجل	ایک شخص ایک زمانہ سے زمین میں تصرف کررہا ہے اور دوسرا شخص زمین میں اس کے تصرفات کو دیکھ رہا ہے پھر تصرف کرنے والا فوت ہوا تو اب وفات

[1] نصب الرایۃ کتاب الجنایات باب مایحدثہ الرجل فی الطریق المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۳۸۴

حال حیاته لاتسمع دعواه بعد وفاته[1]۔	کے بعد دوسرے نے زمین پر دعوی کیا تو اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا کیونکہ اس کی زندگی میں دوسرے نے دعوی نہ کیا۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

فی فتاوی المرحوم العلامة الغزی صاحب التنویر سئل عن رجل له بیت فی دار یسکنه مدة تزید علی ثلث سنوات وله جار بجانبه والرجل المذکور یتصرف فی البیت المزبور ھدما وعمارة مع اطلاع جاره علی تصرف فی المدة المذکورة فھل اذا ادعی البیت او بعضه تسمع دعواه ام لا اجاب لاتسمع دعواه علی ماعلیه الفتوی[2]۔	علامہ غزی صاحب تنویر کے فتاوٰی میں ہے ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص کا حویلی میں مکان ہے وہاں وہ تین سال سے زائد عرصہ رہائش پذیر ہے اور وہ اپنے مکان میں توڑ پھوڑ اور مرمت کاکام کرتا رہا اس کے پڑوس والا شخص اس کے ان تصرفات کو دیکھتا رہا اور مدت مذکورہ میں خاموش رہنے کے باوجود اب اس مکان کے کل یا بعض پر دعوی کرے تو اس کا دعوی مسموع ہوگا یا نہیں؟ تو جواب میں فرمایا کہ فتوی کے مطابق اب اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔ (ت)

اور اگر اس وقت تک بچہ یا مجنون یا غائب تھا اب عاقل بالغ ہوا یا اطلاع پائی تو اگر ثابت ہو کہ زید کی جائداد قبضہ ہندہ میں بطور ہبہ یا بعوض دین مہر تھا جب بھی دعوی عمرو نامقبول ہونا خود ظاہر، اور اگر اس کا ثبوت نہ ہو تو دیکھیں گے کہ دین مہر ہندہ ترکہ کو مستغرق یعنی اس کی قیمت سے زائد مساوی ہے یا نہیں، اگر مستغرق ثابت ہو جب بھی عمرو کا اصل بنائے دعوی عن ملک بذریعہ وراثت حاصل ہی تھا کہ دین جب ترکہ کو محیط ہو تو وارث اس کے مالک نہیں ہوتے نہ وہ اسے لے سکتے ہیں کل جائداد ادائے دین میں صرف کی جائیگی، اشباہ میں ہے:

الدین المستغرق للترکة یمنع ملك الوارث[3]۔	میت پر قرضہ اس کے ترکہ کے برابر یا زائد ہو تو وارث کی ملکیت کے لئے مانع ہے (ت)

---

[1] العقود الدریة بحوالہ الخلاصہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳

[2] العقود الدریة کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۲۰۴

ہاں اگر عمرو کہے کہ میں تمام وکمال دین مہر اپنے پاس سے اداکئے دیتا ہوں تو بیشک اسے اختیار ہوگا کہ دین ادا کرکے ترکہ چھڑالے۔ اشباہ میں ہے:

للوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا[1]۔	وارث کو قرضہ ادا کرکے ترکہ کو حاصل کرلینے کا حق ہے اگرچہ وہ ترکہ قرضہ میں مستغرق ہو۔(ت)

اس صورت میں اور نیز جبکہ دین مستغرق نہ ہو بعد ادائے دین جو باقی بچے اس کے ثلث میں زید کی وصیت اگر اس نے کچھ کی ہو نافذ کرکے مابقی بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین چار سہم ہو کر ایک سہم ہندہ اور تین سہام عمرو کو ملیں گے ان تقدیرات پر جن میں کل جائداد مملوک ہندہ نہ ٹھہری جتنے ہبہ ہندہ نے جس جس کے نام کئے سب باطل ہوجائیں گے چہارم حصہ جو ہندہ کو پہنچا اس کے وارثان شرعی پر حسب فرائض تقسیم ہوجائیگا۔ درمختار میں ہے:

الاستحقاق شیوع مقارن لاطارئ فیفسد الکل[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	غیر منقسم حصوں کا استحقاق ابتداء سے مقارن ہو طاری نہ ہو تو تمام حصوں کو فاسد کردے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۵۲: از ریاست رامپور مرسلہ احمد خان صاحب ۶/جمادی الاآخرہ ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مدعی ہوا کہ میں نے آٹھ ہزار روپے یا فتنی عمرو کے میرے ذمے تھے عمرو کو پہنچادئے اور چند گواہ متفق اللفظ والمعنی حاکم کے حضور گزرائے جنہوں نے بالاتفاق رقم مذکور کی نسبت عمرو کے اقرار وصول کرنے پر شہادت دی زید نے اس رقم کی رسیدیں کبھی پیش کیں جن کی تحریر سے بھی عمرو کو اقرار ہے، عمرو اس کے جواب میں کہتا ہے کہ ان میں ایک رسید تین سو کی تو میں نے دی ہی نہیں اور دو رسیدیں ایک تین سو اور ایک دو سو چالیس کی زید نے چالاکی سے بڑھالی ہیں وہ سو اور یہ صرف چالیس کی میں نے دی تھی، اس مضمون پر عمرو نے چند گواہ دئے کہ یہ رسیدیں سو اور چالیس کی عمرو نے لکھی تھیں، اس صورت میں دفع دعوی زید کے لئے یہ گواہ مقبول ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئولہ میں نہ عمرو کا یہ جواب مقبول نہ اس میں اس مضمون کی شہادت مسموع۔ شرع میں

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

[2] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

ایسی جگہ اقرار حجت شرعیہ ہے اور اس پر شہادت ثبوت دعوی کے لئے کافیہ وافیہ، جامع الفصولین فصل حادی عشر میں ہے:

لوادعی قضاء دینه اشهداانه اقر باستیفائه تقبل[1]۔	اگر مدعی نے قرض ادا کرنے کا دعوی کیا ہو دو گواہوں نے یہ شہادت دی کہ مدعی نے قرض وصول کر لینے کا اقرار کیا ہے، تو شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

بخلاف رسیدات کہ یہ کوئی حجت نہیں حاصل انکار عمرو یہ ہوگا کہ منجملہ آٹھ ہزار کے سات سو مجھے نہ ملے کہ اس قدر کی رسید میری لکھی ہوئی نہیں، ایسا فضول جواب بعد ثبوت اقرار کیا قابل التفات ہو سکتا ہے، بالفرض اگر ایک رسید کو بھی عمرو نہ مانتا یا اصلاً کوئی رسید ہوتی ہی نہیں تو ثبوت اقرار ثبوت ایصال کو بس تھا اور جب یہ جواب خود مہمل ہے تو اس پر شہادت بھی قطع نظر اس سے کہ معنی نفی پر شہادت ہے جس کا حاصل یہ کہ اتنے روپے نہ پہنچے خود فضول و مہمل ہے کہ یہ شہادت ایسی ہی چیز ہے جس کا وجود وعدم یکساں، تو بعد ثبوت حجت شرعیہ ایک امر غیر حجت میں خلل ہو بھی تو کیا۔ فتاوٰی قاضیخان واشباہ والنظائر وفتاوٰی خیریہ وعقود الدریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

واللفظ للعلامة الرملی فی فتاوٰی المقرر عندعلماء الحنفیة انه لااعتبار بمجرد الخط ولاالتفات الیه حجج الشرع ثلثة وهی البینة اوالاقرار اوالنکول کما صرح به فی الاقرار الخانیة[2]۔	فتاوٰی میں علامہ رملی کے الفاظ ہیں کہ علماء احناف کے ہاں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ محض خط کا کوئی کااعتبار ہے نہ وہ قابل توجہ ہے کیونکہ شرعی دلائل تین ہیں: گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار، جیسا کہ خانیہ کے باب الاقرار میں تصریح ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

القاضی لایقضی الابالحجة وهی البینة اوالاقرار او النکول کمافی اقرار الخانیة وقد نقله الشیخ زین فی اشباهه ونظائره فی	قاضی صرف حجت پر فیصلہ دے گا اور وہ صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے جیسا کہ خانیہ کے باب الاقرار میں ہے اور اس کو شیخ زین الدین نے اپنی اشباہ ونظائر میں کتاب القضاء کے شروع

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۷

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب القضاء دار الفکر بیروت ۲/ ۱۲

اول کتاب القضاء [1] ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	میں ذکر کیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۳: از ریاست رامپور محلّہ مدرسہ مولوی حکیم نجم الغنی خاں صاحب طبیب شفاخانہ فوجی ریاست رامپور ۱۶/رجب ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یعقوب علی خاں نے اپنے برادر عینی عبدالغنی خاں اور ان کی زوجہ وپسر محمدی بیگم ونجم الغنی خاں پر حاکم شرع کے حضور نسبت مکان مسکونہ مدعا علیہم دعوی دخلیابی بریں بنادائر کیاکہ یہ مکان عبدالغنی خان نے ۱۹/ مئی ۱۸۹۷ء کو علی محمد خان کے ہاتھ بیع کیا پھر یکم جون ۱۸۹۷ء کو اس سے کرایہ پر لیا بعدہ علی محمد خان مالک مشتری نے ۱۳/جولائی ۱۸۹۸ء کو میرے ہاتھ بیچا عبدالغنی خان اصالۃً اور انکی زوجہ وپسر بالتبع بذریعہ کرایہ قابض اب تخلیہ نہیں کرتے عبدالغنی خان نے دعوی مدعی قبول کیااور علی محمد خان نے بھی اس کی تصدیق کی محمد بیگم ونجم الغنی خان نے جواب دیا کہ دعوی بہ سازش عبدالغنی خاں برادر حقیقی مدعی دائر ہوا ہے عبدالغنی خاں نے یہ مکان یکم جنوری ۹۷ء کو مجھ محمدی بیگم کے ہاتھ تین سو روپے کو بیچ کر بیعنامہ مہری اپنامرتب بگواہی گواہان کرکے مجھے حوالہ کردیااور زر ثمن میرے مہر میں مجرا کیا مجھے مالک مستقل بناکر قابض کرادیا جب مجھے معلوم ہواکہ بیعنامہ غیر مصدقہ رجسٹری ہے تو میرے اعتراض پر رجسٹری کرادینے کا وعدہ کیااور لطائف الحیل میں رکھا پھر کہہ دیا ہمارا تمہارا معاملہ زن وشوکا ہے تصدیق کی کیا ضرورت، پھر خارجًا اس بیع فرضی کی کارروائی کی، محمدی بیگم نے اپنے ثبوت میں بیعنامہ مذکور مہری عبدالغنی خان اور آٹھ مرد دو عورتیں گواہ پیش کئے حاکم مجوز نے حسب سرکلر مجریہ نواب خالد آشیاں کے جس کاغذ بے رجسٹری کے ثبوت پر وجہ وجیہہ گزر جائے تو اسے ثبوت میں لینے اور باضابطہ تحقیقات کرنے کی نسبت حکام بالا سے اجازت لے کر بعد تحقیقات فیس اسٹامپ وتاوان رجسٹری لے کر مثل کاغذات مصدقہ سمجھا جائے حاکم مجوز نے بعد سماع ثبوت اجازت تحقیقات مزید حاصل کی پھر بعد مزید تحقیقات فیس اور تاوان لے لیا، یہ ثبوت و تحقیقات انہیں گواہان پیش کردہ محمدی بیگم سے ہوئے ان میں سید حشمت علی ویوسف علی خاں صاحبان شہود ایجاب وقبول ہیں کہ ہمارے سامنے عبدالغنی خاں نے اپنی زوجہ محمدی بیگم سے کہا یہ مکان میں نے تمہارے ہاتھ تین سو روپے کو بیچااور زر ثمن تمہارے مہر میں مجرا کیا بیعنامہ دو چار روز میں لکھادوں گا محمدی بیگم نے کہا میں نے سید اشرف علی کاتب بیعنامہ اور شمس الدین خاں غلام محی الدین خاں نثار علی شاہ عبدالرزاق خان پانچوں گواہان حاشیہ بیعنامہ ہیں، ان میں کاتب کا بیان ہے میں نے یہ بیعنامہ عبدالغنی خان کے کہنے سے لکھا، عبارت عبدالغنی خاں بتاتے گئے مہر اپنی انہوں نے اپنے ہاتھ سے لگائی، عبدالرزاق خان نے کہا میں مولوی عبدالغنی خان کے بیٹے سے ملنے گیا مولوی عبدالغنی خان نے مکان متنازعہ کا کاغذ نکالااور کہا کہ یہ مکان

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب القضاء دارالفکر بیروت ۲ /۱۹

میں نے اپنی زوجہ محمدی بیگم کے ہاتھ تین سو روپے کو بیچا ہے تم اس پر اپنی گواہی لکھ دو میں نے لکھ دی ان کے علاوہ باقر حسین ومنور بیگم وفرخندہ بیگم وفرزندہ بیگم نے شہادت دی۔ حاکم مجوز نے اس پر یہ تجویز صادر فرمائی کہ بیع بنام محمدی بیگم اس بیع نامہ سادہ سے ثابت نہیں، نہ شرعًا نہ ضابطۃً نہ عقلاً۔

شرعًا بدیں وجہ کہ مدار ثبوت بیع قولی مجلس واحد میں وجود ایجاب وقبول پر ہے عدالت نے خود اظہار محمدی بیگم لیا جس میں اس نے بیان کیا کہ یہ مکان شوہر مظہرہ نے بمعاوضہ سہ صد روپیہ منجملہ مہر مظہرہ بیع کرکے کاغذ میرے حوالہ کیا کاغذ بعد گفتگوئے بیع لکھا گیا گفتگوئے بیع یہ ہوئی تھی بائع نے کہا میں کاغذ بیعنامہ تمہیں لکھوائے دیتا ہوں، میں نے کہا آمین، وقت گفتگوئے بیع اور لانے بیعنامہ کے کوئی نہ تھا صرف میرا خاوند اور میں تھی، اولاً صرف یہ کہنا بائع کا کہ بیعنامہ لکھوائے دیتا ہوں، وعدہ ہے نہ ایجاب، بالفرض ایجاب بھی ہوتا تو تعیین ثمن ایجاب وقبول میں ضرور ہے وہ یہاں مفقود۔ دوم گواہی یوسف علی خان وسید حشمت علی صریح زوری ومصنوعی خلاف بیان مدعا علیہا ہے یہ صاف صاف اپنے سامنے ایجاب وقبول ہونا بیان کرتے ہیں اور مدعا علیہا لکھا چکی کہ وقت گفتگوئے بیع کوئی نہ تھا اور گفتگوئے بیع وہ تھی، غلام محی الدین خان لکھاتا ہے بائع نے سقف مکان مبیعہ پر مجھ سے کہا تھا کہ میں نے اپنا مکان بقیمت سہ صد روپیہ بدست محمدی بیگم بیچا ہے میں نے زیر سقف نزد محمدی بیگم آکر دریافت کیا تو مسماۃ نے کہا میں نے یہ مکان بقیمت سا/ خریدا ہے تم گواہی کردو، اگر عدالت کلام بائع کو جو بالائے سقف کہا ایجاب قرار دیتی ہے تو قبول مدعا علیہا نے زیر سقف ظاہر کیا ہے مجلس مغائر ہے اور وہ موجب بطلان وعدم انعقاد بیع ہے۔ شمس الدین خاں لکھاتا ہے بائع نے بالائے سقف کہا میں نے یہ مکان بدست محمدی بیگم فروخت کیا ہے تم بھی گواہی کردو، پھر مظہر محمدی بیگم کے پاس آیا اور مبارکی دی، محمدی بیگم نے کہا ہاں پرسوں میرے زوج نے یہ مکان میرے ہاتھ بیچا ہے اگر قول بائع کو ایجاب مان لیا جائے تو قبول ندارد کہ محمدی بیگم نے اپنے خریدنے سے خبر دی ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ بیع پہلے ہوئی، شرف علی کاتب نے صرف کتابت بیعنامہ یعنی اپنے فعل پر گواہی دی ہے ایسی گواہی جائز نہیں۔ باقر حسین گواہ صرف اقرار کا ہے بوجہ واحد ہونے کے نصاب نہیں، علاوہ برآں جملہ گواہ رجال غیر ثقہ غیر معتمد ہیں کوئی قرینہ صداقت شہادت نہیں، نہ بیعنامہ رجسٹر، نہ بر کاغذ اشٹام، نہ محررہ بقلم بائع، نہ دستخط اس کے، نہ گواہی کسی اہل محلّہ کی۔ فرخندہ بیگم نواسی مدعا علیہا کی گواہی بحق نانی غیر مقبول کہے، نثار علی شاہ صریح نامقبول الشہادۃ کہ باقرار خود داڑھی مونچھ چودہ سال سے صفار کھتا ہے۔

ضابطۃً: اس بناء پر کہ اس زمانہ فتنہ میں بلحاظ سد باب زور سرکار نے دستور العمل مرتب فرمادیا ہے جس میں پیش از تقرر کو نسل زیادہ دس روپے سے ہونا رجسٹری انتقالات قطعی جائداد غیر منقول لازمی تھا

زمانہ کونسل میں زائد از پنجاہ روپیہ لازمی رکھ کر بہت سے قیود اسٹامپ وغیرہ بڑھادئے گئے بلحاظ پابندی دستور العمل وجدید بیعنامہ سادہ عندالعدالت ساقط الاعتبار ہے خاصۃً ایسے محل پر کہ حسب تحریر مدعاعلیہا بائع آدم فریبی وجعلساز ہے، مانا کہ عدالت نے اسٹامپ وفیس لے لیا ہے مگر مقصود سوا اس کے نہ تھا کہ عدالت انکشاف اصلیت معاملہ کرکے عذر کسی کا باقی نہ رکھے۔

عقلاً: حالت اشتباہی بیعنامہ ظاہر ہے بائع لکھا پڑھا آدمی ہے، نہ اس کے قلم کی تحریر، نہ دستخط، نہ اہل محلّہ یا عزیز واقارب کی شہادت، نہ اسٹامپ، نہ وثائق نویس رجسٹری کا لکھا ہوا، حدود جنوبی وشمالی مشکوک، مہر عرفاً محفوظ نہیں رہتی جس کا دستیاب ہونا اہل خانہ کو دشوار ہو، جس حالت میں بیع مدعاعلیہا ثبوت کو نہ پہنچی اس بناء پر اول مدعاعلیہا کو کوئی منصب اعتراض کا بیعنامہ رجسٹری شدہ موسومہ مدعی وبائع مدعی پر نہیں۔ دوم ہر دو بیعنامہ مدخلہ مدعی رجسٹری شدہ وباضابطہ نہیں۔ سوم بائع کو ہر دو بیع مظہرہ مدعی مسلم ومقبول ہیں۔ لہٰذا حکم ہوا کہ فیصلہ بحق مدعی ہوکر خرچہ مدعی ذمہ محمدی بیگم ونجم الغنی خاں عائد ہو فقط۔ اب علمائے شرع سے استفسار ہے کہ شرعاً اس صورت میں حکم کیا ہے شہادات پیش کردہ محمدی بیگم بوجوہ مذکورہ مردود ہیں یا نہیں، شہود پر نہ کوئی جرح لی گئی نہ وہ مجروح ہیں، ایسی حالت میں انہیں بلاثبوت غیر ثقہ وغیر معتمد قرار دینا کیسا ہے۔ عبدالرزاق خاں کا ذکر تجویز میں اصلاً نہ فرمایا گیا جس کے ملاحظہ کے بعد باقر حسین تنہا گواہ اقرار نہیں ثبوت بیع کیلئے خاص ایجاب وقبول پر شہادت گزرنا ضرور ہے یا اقرار بائع کا ثبوت بھی کافی، اور برتقدیر ثبوت اقرار یہاں فیصلہ شرعاً بحق یعقوب علی خاں ہونا چاہئے یا بحق محمدی بیگم؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ طالب حق یہاں چند امر ملحوظ رکھے کہ باذنہ تعالیٰ وضوح حکم میں دقت نہ رہے،

اول: ثبوت بیع کے دو معنی ہیں: ثبوت فی نفسہ یعنی بیع فی الواقع کا موجود ومنعقد ہونا، اور ثبوت عندالقاضی یعنی حاکم کے نزدیک اس کا پایہ ثبوت کو پہنچنا۔ ثبوت فی نفسہ نہ صرف بیع قولی بلکہ ہر بیع کا قولی ہو یا فعلی وجوہ ایجاب وقبول پر موقوف ہے کہ وہ ارکان عقد ہیں اور کوئی عقد بے اپنے رکن کے متحقق نہیں ہوسکتا ہاں ایجاب وقبول اس سے عام ہیں کہ قولاً ہوں یا فعلاً، صراحۃً ہوں یا دلالۃً عبارۃً ہوں یا اقتضاءً ہوں خطاباً یا کتاباً، غرض کوئی قول کوئی فعل طرفین سے ایسا ہونا چاہئے جو باہم مبادلہ مال بالمال کی تراضی پر دلیل ہو کہ ان عقود میں معنی ہی اعتبار کا ہے زبانی تلفظ پر مدار نہیں، ولہٰذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بیع جس طرح "**بعت اشتریت**" کہنے سے ہوجاتی ہے یونہی تحریر سے بھی کہ قلم بھی ایک زبان ہے۔ اشباہ

میں ہے:

الکتابۃ یصح البیع بھا قال فی الھدایۃ والکتاب کالخطاب[1]۔	تحریری بیع صحیح ہے جس کو ہدایہ نے بیان کیا، اور تحریر زبانی خطاب کی طرح ہے(ت)

ولہٰذا فرماتے ہیں تعاطی سے بھی ہو جاتی ہے جہاں نہ تقریر نہ تحریر، ایک تھان رکھا ہے، بزاز سے پوچھا قیمت کیا ہے؟ کہا دس روپے، اس نے روپے رکھ کر تھان اٹھالیا، اس نے روپے لے لئے بیع ہو گئی اگرچہ نہ بزاز نے فروختم کہا نہ اس نے خریدم۔ ہدایہ میں ہے:

المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود لھذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس ھو الصحیح لتحقق المراضاۃ[2]۔	ان عقود میں معنی معتبر ہوتا ہے لہٰذا دستی ادل بدل سے اعلٰی اور ادنٰی چیز میں بیع منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ فریقین کی رضامندی پائی گئی ہے۔(ت)

اور شک نہیں دستاویز بیعنامہ بطور مرسوم و معہود لکھ کر گواہیاں کرا کر مشتری کو حوالہ کرنا اور اس کا بخوشی لے لینا قطعاً دلیل تراضی ہے۔ عندالانصاف اسی قدر تحقق ایجاب وقبول کے لئے کافی ہے اگرچہ اس سے پہلے زبانی گفتگو صرف اسی قدر آئی ہو کہ اس نے کہا میں بیعنامہ تمہیں لکھوا کر دیتا ہوں، اس نے کہا آمین کہ یہاں تک اگرچہ صرف وعدہ و پسند تھا مگر بیعنامہ بطور مذکور لکھوا کر دینا لینا دلیل تراضی ہو کر ایجاب وقبول ہو گیا جس طرح شائع وذائع ہے کہ والدین کوئی جائداد اپنے روپے سے خرید کر بیعنامہ اپنے کسی بچے کے نام لکھواتے ہیں تمام عالم جانتا ہے کہ اس سے مقصود اس کی تملیک ہی ہوتی ہے اور وہ جائداد اسی بچے کی ٹھہرتی ہے اگرچہ زبان پر ہبہ کا حرف بھی نہ آیا۔ احکام الصغار استروشنی میں ذخیرہ و تجنیس سے ہے:

امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملك الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لانھا تصیر واھبۃ والام تملك ذلك ویقع قبضھا عنہ[3]۔	ایک عورت نے اپنے مال سے نابالغ بیٹے کے لئے زمین خریدی، یہ خریداری والدہ کی ہوگی کیونکہ وہ نابالغ بیٹے کے لئے خریدار نہیں ہو سکتی اور یہ زمین بیٹے کی ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوئی کیونکہ ماں کو ہبہ کا حق ہے اور پھر بیٹے کی طرف سے قبضہ لیا ہے۔(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۶

[2] الہدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۵۔ ۲۴

[3] احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین باب فی مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷

دوم: ثبوت عندالقاضی جس طرح شہادت اصل عقد سے ہوتا ہے یعنی گواہ کہیں ان دونوں نے ہمارے سامنے خریدم وفروختم کہا، یونہی شہادت اقرار سے بھی کہ گواہ کہیں ہمارے سامنے اس نے اقرار بیع کیا، جامع الفصولین فصل ۱۱ میں برمز "می" منتقی الامام الحاکم الشہید سے ہے:

ادعی بیعا وشھدا انہ اقر بالبیع تقبل[1]۔ (ملتقطا)	ایک شخص نے بیع کا دعوی کیا اور دو گواہوں نے اس کے بیع کے اقرار پر شہادت دی تو شہادت قبول ہوگی۔ (ملتقطا)۔ (ت)

یوں ہی شہادت مختلط سے بھی یعنی ایک گواہ عقد بیع پر شہادت دے اور دوسرا اقرار بیع پر، بیع ثابت ہوجائے گی، جامع الفصولین میں برمز فقط فتاوٰی امام قاضی ظہیر سے ہے:

فی البیع والاجارۃ والصلح لو شھد احدھما بعقد والاٰخر باقرارہ بہ لایضر[2]۔	بیع، اجارہ اور صلح کے معاملات میں ایک نے شہادت دی کہ عقد کیا ہے دوسرے نے اقرار کی شہادت دی تو یہ اختلاف مضر نہیں۔ (ت)

اسی میں برمز لبس مبسوط سے ہے:

ادعی شراء وشھد احدھما بہ والاٰخر انہ اقربہ تقبل[3]۔	مدعی نے خریداری کا دعوی کیا، ایک گواہ نے خریدنے کی اور دوسرے نے خرید کرنے کے اقرار کی شہادت دی تو مقبول ہوگی۔ (ت)

اسی میں برمز لط لطائف الاشارات سے ہے:

شھد بنحو بیع والاٰخر باقرارہ بہ تقبل[4]۔	ایک نے بیع کی اور دوسرے نے اس بیع کے اقرار کی شہادت دی تو مقبول ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

ادعی الشراء وشھد احدھما ببیع	مدعی نے خریداری کا دعوی کیا، ایک نے فروخت

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۴

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۳

[3] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۴

[4] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۴

وشھد الاٰخر "کہ بائع ازومہ ثمنش طلب کرد" تقبل لان طلب الثمن اقرار منہ بالبیع[1]۔	کرنے اور دوسرے نے یہ شہادت دی کہ بائع نے اس مشتری سے قیمت طلب کی ہے شہادت مقبول ہوگی کیونکہ قیمت طلب کرنا فروخت کرنے کا اقرار ہے۔(ت)

یہاں سے ثابت ہوا کہ شہادت اقرار کے بعد شہادت ایجاب وقبول کی اصلاً حاجت نہیں ولہٰذا تنہا اقرار کی گواہی کافی ہوجاتی ہے ولہٰذا ایک گواہ اقرار کے ساتھ ایجاب وقبول کی ایک ہی شہادت کافی ہے حالانکہ نفس عقد پر صورت اولٰی میں شہادت اصلاً نہیں، اور صورت ثانیہ میں نصاب ناتمام اور جب شہادت اقرار کے ساتھ نفس عقد کی تفتیش ہی نہ رہی تو آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ اس کے ہوتے حاکم کو اس بحث کی کچھ گنجائش نہیں کہ مشتری کے لفظ تو معلوم ہی نہ ہوئے یا بیان اس مجلس میں نہ تھا یا اس کا کلام انشائے قبول نہ تھا اخبار تھا، یہ تحقیقات تو نفس ایجاب وقبول سے متعلق تھی جب شہادت اقرار بائع کی نسبت سے بیع ثابت ہوگئی الفاظ مشتری یا اتحاد وتعدد مجلس سے کیا بحث رہی۔

سوم: املا یعنی عبارت بتاتے جانا اور دوسرے سے لکھوانا اپنے لکھنے سے کسی طرح کم نہیں بلکہ اس سے اقوی ہے، علماء فرماتے ہیں کتابت تین قسم ہے: ایک نامعلوم جیسے ہوا یا پانی پر لکھنا، یہ محض باطل ہے دوسری مرسوم یعنی طریقہ معہودہ معروفہ پر لکھنا، جس طرح خطوط میں القاب وآداب سے آغاز یا تمسکات میں منکہ فلاں بن فلاں سے شروع، یہ ضرور معتبر ہے۔ تیسری معلوم غیر مرسوم جیسے کاغذ پر وہ تحریر کہ طریقہ معہودہ پر نہ ہو اس کے ساتھ جب تک نیت یا دلیل نیت نہ پائی جائے معتبر نہیں، دلیل نیت مثلاً لکھ کر گواہ کرنا یا عبارت بتابتا کر دوسرے سے لکھوانا کہ قول راجح میں اس کے بعد گواہ کرنے کی حاجت نہیں تو ثابت ہوا کہ عبارت بتا کر لکھوانا اپنے لکھنے سے قوی تر ہے کہ غیر مرسوم طور پر خود لکھے اور گواہ نہ کرے تو معتبر نہیں اور دوسرے سے لکھوائے تو بے گواہ کئے معتبر ہے۔ عقود الدریہ میں ہے:

فی الزیلعی والملتقی اٰخر الکتاب فی مسائل شتی قالوا الکتاب علٰی ثلث مراتب، مستبین مرسوم وھو ان یکون معنونا ای مصدرا بالعنوان وھو ان یکتب فی صدرہ من فلان الٰی فلان علی	زیلعی اور ملتقی مسائل شتی کے آخر میں ہے، فقہاء کرام نے فرمایا تحریر تین مراتب پر ہے، ایک یہ کہ واضح معنون ہو وہ یہ کہ اس کے شروع میں یہ عنوان ہو کہ فلاں سے فلاں کی طرف جیسا کہ چٹھی میں طریقہ مروجہ ہے، یہ چٹھی بالکل زبانی گفتگو

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

ماجرت به العادة فهذا كالنطق فلزم حجة، ومستبين غير مرسوم كالكتابة على الجدران واوراق الاشجار وعلى الكاغذ لاعلى الوجه المعتاد فلايكون حجة الا بانضمام شيئ اٰخر اليه كالنية والاشهاد عليه و الاملاء على الغير حتى يكتبه لان الكتابة قد تكون للتجربة ونحوها وبهذه الاشياء تتعين الجهة وقيل الاملاء بلااشهاد لايكون حجة والاول اظهر، و غير مستبين كالكتابة على الهواء والماء وهو بمنزلة كلام غير مسموع ولايثبت به شيئ من الاحكام وان نوى اھ ومثله فی الهداية وفتاوی قاضی خان[1]۔	کی طرح حجت ہے، دوسری واضح غیر معنون جیسا کہ کسی دیوار پر، درخت کے پتوں یا عام کاغذ پر غیر مروجہ طریقہ پر لکھی گئی ہو یہ کسی دوسری چیز کی مدد کے بغیر حجت نہ ہوگی مثلاً نیت یا گواہی یا دوسرے کو املاء کئے بغیر حجت نہ بنے گی کیونکہ ایسی تحریر کبھی تجربہ کے لئے ہوتی ہے لہٰذا مذکور قرائن سے اس کی وجہ متعین ہوسکے گی، بعض نے کہا ہے کہ املاء کی صورت میں جب تک گواہی نہ ہو حجت نہ بنے گی لیکن اول قول درست اور اظہر ہے تیسری وہ کہ واضح نہ ہو جیساکہ ہوا اور پانی پر تحریر ہو تو اس کی حیثیت غیر مسموع کلام جیسی ہے اس سے کوئی حکم ثابت نہ ہوسکے گا اگرچہ نیت بھی کی ہو اھ، ھدایہ اور فتاوی قاضی خان میں بھی ایسے ہی ہے۔(ت)

چہارم: بیع نام ایجاب وقبول کا ہے اور وہ جب الفاظ میں ہو خود گفتگو ہے اور کسی شے کی گفتگو بمعنی اس چیز کی بات چیت اور مشورے اور قرار کے بھی مستعمل مثلاً کسی کے نکاح کا مشہور ہوا ہو تو اس سے کہیں آج تمہارے بیاہ کی گفتگو تھی اس کے یہ معنی نہیں کہ ایجاب قبول ہوگیا بلکہ وہ مشورہ اور بات چیت مراد ہے تو لفظ گفتگوئے بیع دو معنی کو محتمل، اول اضافت بیانیہ یعنی وہ گفتگو کہ بیع ہے، اس تقدیر پر اس سے مقصود نفس ایجاب وقبول ہوگا۔ دوم اضافت لامیہ یعنی بیع کا مشورہ اور اس کی بات چیت، اس تقدیر پر ہرگز اس کے معنی ایجاب وقبول نہیں بلکہ پیش از عقد اس کے باب میں مکالمہ باہمی، وھذا ظاھر جدا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت)

پنجم: جب کسی معاملے کے متعلق کوئی شہادت پیش ہو اور حاکم اسے ایک امر میں قبول کرلے تو اسی مقدمہ کے متعلق کسی دوسرے امر میں بھی اسے رد نہیں کرسکتا سوا بعض صورت استثناء کے،

---
[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹

نہ کہ خاص اسی امر میں کہ یہ تو حاکم کا صریح تناقض ہوگا۔ در مختار میں ہے:

الشھادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل الافی عبد بین مسلم ونصرانی فشھد نصرانیان علیھما بالعتق قبلت فی حق النصرانی فقط اشباہ **قلت** وزاد محشیھا خمسۃ اخری معزیۃ للبزازیۃ[1]۔	شہادت جب بعض حصہ میں باطل ہو تو کل میں باطل قرار پاتی ہے مگر ایک صورت میں کہ مسلمان اور نصرانی کا مشترکہ غلام ہو تو دو نصرانیوں نے شہادت دی کہ دونوں مالکوں نے اسے آزاد کردیا ہے، یہ شہادت صرف نصرانی مالک کے حصہ میں مقبول ہے، **میں کہتاہوں** کہ محشّی نے ایسی مزید پانچ صورتوں کا اضافہ کیا ہے اور یہ بزازیہ کی طرف منسوب ہیں۔(ت)

ردالمحتار وغیرہ میں ان صور استثناء کا مفصل بیان ہے جنہیں اس مقدمہ سے کوئی تعلق نہیں،

اقول: واذا ثبت ان الشھادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل لزمہ انھا اذاقبلت فی البعض قبلت فی الکل والالبطلت فی البعض فبطلت فی الکل مع انھا قد قبلت فی البعض ھذا خلف فاحفظہ فانہ فائدۃ جلیلۃ مھمۃ۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) جب ثابت ہے کہ بعض میں باطل کل میں باطل ہوجاتی ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ شہادت بعض میں مقبول ہو تو کل میں مقبول ہوجائے ورنہ بعض میں باطل ہونے سے کل میں باطل ہوجائے گی حالانکہ بعض میں مقبول ہوچکی ہے تو کل میں باطل ہونا متحقق نہ ہوا، یہ مفروض کے خلاف ہے، اس کو محفوظ کرلو کیونکہ یہ فائدہ جلیلہ ہے۔(ت)

ششم: غیر ثقہ اہل شہادت ہے اور شہادت فاسق مقبول نہ ہونے کے یہ معنی کہ اس کی شہادت کا قبول واجب نہیں، نہ یہ کہ صحیح ہی نہیں، یہاں تک کہ اگر حاکم صریح فاسقوں کی شہادت قبول کرلے تو وہ بھی مقبول ہوجائے گی اگرچہ حاکم اس قبول کے باعث آثم ہو۔ بحرالرائق ودر مختار میں ہے:

والنظم للدر باب القبول وعدمہ ای من یجب علی القاضی قبول شھادتہ ومن لایجب لامن یصح قبولھا اولایصح لصحۃ الفاسق مثلاً کما حققہ المصنف تبعا لیعقوب باشا	الفاظ در کے ہیں، باب القبول وعدمہ، یعنی کس کی شہادت کو قبول کرنا قاضی پر واجب ہے اور کس کو قبول کرنا واجب نہیں، یہ مطلب نہیں کہ کس کو قبول کرنا صحیح ہے یا نہیں، کیونکہ مثلاً فاسق کی شہادت قبول کرنا صحیح ہے جیساکہ مصنف نے یعقوب پاشا

[1] درمختار کتاب الشھادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

وغیرہ[1]۔	وغیرہ کی اتباع میں محقق کیا ہے۔(ت)

درر وغرر میں ہے:

لو قبل القاضی وحکم بہا کان اٰثما لکنہ ینفذ وفی الفتاوی القاعدیۃ ھذا اذا غلب علی ظنہ صدقہ وھو مما یحفظ[2]۔	اگر قاضی نے فاسق کی شہادت قبول کرکے فیصلہ دے دیا تو نافذ ہوجائے گا لیکن قاضی گنہگار ہوگا۔ فتاوٰی قاعدیہ میں ہے یہ تب ہوگا جب قاضی کو ظن غالب ہو کہ فاسق سچا ہے، یہ محفوظ کرنے کے قابل ہے۔(ت)

تنویر الابصار وجامع البحار وشرح علائی کتاب القضاء میں ہے:

اھلہ اھل الشھادۃ والفاسق اھلھا فیکون اھلہ لکنہ لایقلد وجوبا ویاثم مقلدہ کقابل شھادتہ، بہ یفتی وقیدہ فی القاعدیۃ بما اذاغلب علی ظنہ صدقہ فلیحفظ درر[3] اھ ملتقطا۔	قضاء کا اہل وہی ہے جو شہادت کا اہل ہو اور فاسق شہادت کا اہل ہے لہٰذا وہ قضاء کا اہل ہے لیکن اس کو قضاء پر مقرر نہ کیا جائے اس کو قضاء پر مقرر کرنے والا گنہگار ہوگا، جیساکہ اس کی شہادت قبول کرنے والا گنہ گار ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائے، اور فتاوٰی قاعدیہ میں اس کو قاضی کے ظن غالب سے مقید کیا ہے کہ فاسق کی شہادت صدق پر مبنی ہے، اس کو محفوظ کرو، درر، اھ ملتقطا۔(ت)

ہفتم: اگر زید مثلاً کسی مکان پر دعوٰی کرے کہ یہ میرا ہے میں نے بکر سے خریدا ہے اور عمرو مدعا علیہ جس کے قبضے میں وہ مکان ہے جواب دے کہ بلکہ مکان میرا ہے میں نے بکر مذکور سے خریدا ہے تو اس صورت میں وہ مدعا علیہ مدعی اور یہ مقدمہ باب دعوی الرجلین سے ہوجائے گا دونوں طرف سے شہادت مسموع ہوگی اور اب یہ دیکھیں گے کہ ان میں ایک نے اپنی خریداری کی تاریخ بیان کی ہے یا دونوں نے یا کسی نے نہیں، اور اگر دونوں نے بیان کی ہے تو تاریخ ذوالید کی مقدم ہے یعنی عمرو جس کے قبضے میں مکان ہے یا خارج کی یعنی زید جس کے قبضے میں نہیں ان سب صورتوں میں ڈگری صاحب قبضہ کی ہوگی مگر جبکہ خارج کی تاریخ مقدم ہو، غرض یہاں اول ترجیح تقدم تاریخ سے ہے کہ اس کے بعد قبضہ ہونے نہ ہونے پر بھی لحاظ نہیں ہوتا اس کے بعد ترجیح قبضے سے ہے کہ دوسرے کی تاریخ مقدم نہ ہو تو ہر طرح اسی کو ترجیح رہتی ہے۔ فتاوٰی

---

[1] درمختار کتاب الشھادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

[2] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب القضاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۴۰۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

عالمگیریہ میں ہے:

ان ادعیا الشراء من واحد وکانت العین فی ید احدھما فھی لذی الید سواء ارخ ام لم یؤرخ اذا ارخا وتاریخ الخارج اسبق فیقضی بھا للخارج کذافی الکافی اھ ملتقطا۔[1]	اگر دو شخص ایک شخص سے کسی چیز کی خریداری کے مدعی ہوں تو جس کا قبضہ ہوگا وہی مالک قرار دیا جائے گا وہ تاریخ بیان کرے یا نہ کرے۔ برابر ہے اور دونوں نے تاریخ بیان کی تو غیر قابض مدعی کی تاریخ پہلے ہو غیر قابض کو مالک قرار دیا جائیگا، کافی میں یونہی ہے اھ ملتقطا (ت)

فصول عمادی پھر فتاوٰی ہندیہ باب فیماتدفع بہ دعوی المدعی میں ہے:

اذاادعی عینا فی یدی رجل انی اشتریته من فلاں منذسبعة ایام وقال ذوالید لابل هو ملکی اشتریته من ذٰلك الذی تدعی الشراء منه منذ عشرة ایام وقام البینة یکون لاسبقهما تاریخا۔[2]	ایک شخص کسی چیز کے متعلق جو کہ دوسرے کے قبضہ میں ہے دعوٰی کیا کہ میں نے یہ چیز فلاں شخص سے ایک ہفتہ قبل خریدی ہے قابض نے کہا یہ غلط ہے بلکہ یہ چیز میری ملک ہے میں نے اسی فلاں شخص سے ایک عشرہ قبل خریدی ہے اور قابض نے اپنے دعوٰی پر گواہی پیش کردی تو یہ چیز پہلی تاریخ والے یعنی قابض کی ملک قرار دی جائے گی (ت)

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہاں محمدی بیگم کے مدعیہ ہوجانے پر بھی بحث کی گئی ہے حالانکہ یہ تو بہت واضح بات ہے جب اس نے اپنی خریداری کا دعوٰی کیا مدعیہ ہوجانے میں کیا شبہ رہا کما ذکرنا (جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں۔ت) علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر زید عمرو پر دعوٰی کرے کہ یہ مال جو اس کے قبض میں ہے میرا ہے، عمرو جواب دے کہ بلکہ بکر کا ہے اس نے ودیعۃً مجھے سپرد کیا ہے تو عمرو مدعی ہوگیا حالانکہ اس نے اپنی ملک کا دعوٰی بھی نہ کیا تو دعوٰی شراء میں مدعیہ نہ ہوجانے کے کیا معنی، جامع الفصولین فصل ۱۰ میں برمز فش فتاوٰی امام رشید الدین سے ہے:

اذا طلب المدعی یمین ذی الید انه ودیعة لیس له ذلك لانه جعل نفسه مدعیا فی انه ودیعة ولا یمین	مدعی نے قابض سے قسم کا مطالبہ کیا کہ یہ چیز اس کے قبضہ میں بطور امانت ہے تو مدعی کو قابض سے قسم لینے کا حق نہیں کیونکہ قابض نے یہ ظاہر کرکے کہ میرے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوے الباب السادس فیما تدفع بہ دعوی المدعی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۱

علی المدعی[1]۔	پاس یہ فلاں کی امانت ہے امانت کا مدعی بن گیا ہے جبکہ مدعی سے قسم کا مطالبہ درست نہیں ہے (ت)

ہشتم: فرق ہے اس میں کہ مدعی بعد صدور شہادت اپنے شہود کی نسبت اقرار کرے کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی یا یہ حاضر واقعہ نہ تھے کہ اس تقدیر پر وہ اپنے اقرار پر مواخذ ہوگا **کما افادہ فی البحر والشامیۃ وغیرھما** (جیسا کہ بحر اور فتاوٰی شامی میں اس کا افادہ کیا ہے۔ت) اور اس میں کہ مدعی پیش از شہادت کہے میرا کوئی گواہ نہیں یا کہے میں جو شہادت لاؤں محض جھوٹی اور جعلی ہوگی یا کہے فلاں و فلاں جو کچھ گواہی میرے لئے دیں وہ جھوٹ ہے، اس کے بعد وہ گواہ پیش کرے اور فلاں فلاں اس کے واسطے شہادت دیں تو مذہب صحیح میں یہ شہادت مان لی جائے گی اور مدعی کے وہ پہلے اظہار واقرار اس کے قبول میں خلل انداز نہ ہوں گے کہ یہاں توفیق ممکن ہے انسان نسیان کے لئے ہے ممکن کہ مدعی کو اس وقت یہی یاد تھا کہ کوئی شخص حاضر واقعہ نہ تھا یا خاص فلاں و فلاں موجود نہ تھے لہٰذا اس وقت یہ اظہار کیا اور بعد کو یاد آیا اور گواہ حاضر لایا، درمختار میں ہے:

تقبل البینۃ لو اقامھا المدعی وان قال قبل الیمین لا بینۃ لی، سراج، خلافا لما فی شرح المجمع عن المحیط[2]۔	اگر مدعی نے مدعی علیہ کی قسم سے پہلے گواہی پیش کردی تو قبول کرلی جائے گی اگرچہ وہ قبل ازیں کہہ چکا ہو کہ میرے پاس گواہ نہیں ہیں، سراج۔ اور وہ جو کہ محیط سے شرح المجمع میں منقول ہے یہ اس کے خلاف ہے۔ (ت)

حاشیہ علامہ ابرساہیم حلبی پھر ردالمحتار میں ہے:

(قولہ خلافا لما فی شرح المجمع) لیس فیہ ماینافی ذٰلك بل حکی قولین[3]۔	اس کے قول (شرح المجمع کے خلاف) کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس کے منافی ہے بلکہ انہوں نے دو قول نقل کئے ہیں۔ (ت)

تنویر الابصار و شرح مدقق دمشقی میں ہے:

(قال لا بینۃ لی وطلب یمینہ فحلفہ	ایک نے کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں لہٰذا مدعی علیہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۳
[2] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۷۔۱۱۸
[3] ردالمحتار کتاب الدعوٰی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۲۴

القاضی ثم برھن)علی دعواہ بعد الیمین(قبل ذٰلک البرھان عند الامام(منہ)وکذالو قال المدعی کل بینۃ اٰتی بھا فھی شھود زور،ثم برھن علی الحق قبل خانیۃ وبہ جزم فی السراج کما مر(وقیل لا) یقبل والاصح القبول لجواز النسیان ثم التذکر کما فی الدرر واقرہ المصنف[1] اھ مختصرا۔	سے قسم لی جائے،تو قاضی نے قسم لے لی،پھر مدعی نے گواہی پیش کردی تو اس کی گواہ قبول کی جائے گی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک،اور یونہی اگر مدعی نے کہا ہو کہ میں جو بھی گواہ پیش کرونگا وہ گواہ جھوٹے ہوں گے،پھر بعد میں مدعی نے اپنے حق میں گواہی پیش کردی تو مقبول ہوگی،خانیہ،اور اسی پر سراج میں جزم کیا ہے جیسا کہ گزرا ہے،بعض نے کہا یہ گواہی قبول نہ ہوگی،اور اصح یہ ہے کہ قبول ہوگی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بھول جانے کے بعد یاد آئی ہو یا پہلے علم نہ تھا اب گواہی کا علم ہوگیا ہو،جیسا کہ درر میں ہے،اور مصنف نے اسے ثابت مانا ہے اھ مختصرا۔(ت)

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

لان الشھادۃ تتعلق بالشھود ویجب علیھم اداؤھا ویاثم کاتمھا وھذاالقول منہ لایثبت زور العدل لانہ قبل الشھادۃ[2] الخ۔	کیونکہ گواہی کا تعلق گواہوں سے ہے اور ان پر شہادت کا ادا کرنا واجب اور گواہی چھپانے والا گنہگار ہے،مدعی کے کہنے سے وہ جھوٹے نہ ہوگئے کیونکہ مدعی کی یہ بات شہادت کی ادائیگی سے قبل ہے الخ۔(ت)

غرر میں ہے: لاصح القبول[3] (اصح قبول کرنا ہے۔ت) درر میں ہے:

لجواز ان یکون لہ بینۃ او شھادۃ فنسیھا ثم ذکرھا اوکان لایعلمھا ثم علمھا[4]۔	ہوسکتا ہے کہ فی الواقع گواہی تھی تو وہ بھول گیا اور اب یاد آگئی،یا علم نہ تھا اب معلوم ہوگیا(ت)

جامع الفصولین برمز فقط ہے:

وکذا لو قال کل بینۃ اٰتی بھا	یونہی اگر مدعی نے کہہ دیا کہ جو بھی شہادت پیش کروں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۹
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۰۰
[3] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الدعوٰی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۷
[4] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الدعوٰی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۷

فھی زور ثم اتی اوقال کل شھادۃ یشھد لی فلان وفلان فھی کذب ثم شھدا [1]۔	یونہی اگر مدعی نے کہہ دیا کہ جو بھی شہادت پیش کروں وہ جھوٹی ہے یا یوں کہا فلان فلاں کی ہر شہادت میرے حق میں جھوٹ ہے اس کے گواہوں نے شہادت دی مقبول ہوگی۔(ت)

جب یہ مقدمات ثمانیہ ممہد ہولئے بفضلہٖ تعالٰی حکم مسئلہ واضح ہوگیا اور چند مفید بحثوں نے رنگ انجلا پایا:

بحث اول: سید اشرف علی شمس الدین خاں، غلام محی الدین خاں، عبدالرزاق خاں، باقر حسین کی گواہی میں اصلاً کوئی غبار نہیں وہ صاف صاف شاہد اقرار عبدالغنی خاں ہیں نہ شاہدان مجلس ایجاب وقبول توغلام محی الدین خاں وشمس الدین خاں کے بیانات پر یہ اعتراض کہ اگر کلام بائع کو ایجاب قرار دیں تو قبول اس مجلس میں نہیں یا محمدی بیگم کا بیان قبول نہیں اخبار ہے محض بے محل ہے، نہ ان شاہدوں نے دعوی کیا کہ ہم حاضر مجلس ایجاب وقبول تھے نہ ان کے بیان کئے ہوئے الفاظ حکایت ایجاب وقبول ہیں وہ صراحۃً اقرار عبدالغنی خاں بیان کررہے ہیں جن کے بعد محمدی بیگم کا کلام زیر سقف ہونا یا خبر محض ہونا یا اصلاً کچھ نہ ہونا کچھ بھی مضر نہیں، نہ اس پر لحاظ، کما بیناہ فی الامر الثانی (جیسا کہ اسے امر ثانی میں بیان کیا گیا ہے۔ت)

بحث دوم: سید اشرف علی نے صرف اپنے فعل پر شہادت ہرگز نہ دی بلکہ اس گواہی میں صراحۃً عبدالغنی خاں کا کتابت بیعنامہ کے لئے حکم کرنا اور خود عبارت بتاتے جانا اور اپنے ہاتھ سے مہر لگانا مذکور ہے، یہ افعال واقوال عبدالغنی خان کے ہیں یا سید اشرف علی کے، ان کے ساتھ اگر اپنا لکھنا بیان ہوا تو ان سب پر شہادت کیوں صرف اپنے فعل پر شہادت قرار پاگئی۔

فی الھندیۃ عن المحیط عن النوادر عن الامام ابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ اذاشھد شاھدان ان فلانا امرنا ان نبلغ فلانا انہ قد وکلہ ببیع عبدہ وقد اعلمناہ اوامرنا ان نبلغ امرأتہ انہ جعل امرھا	ہندیہ میں محیط سے منقول کہ نوادر روایات میں سے امام ابویوسف سے منقول ہے کہ جب دو گواہ شہادت دیں کہ فلاں شخص نے ہمیں کہا کہ ہم فلاں کو یہ اطلاع دے دیں کہ اس نے اس کو وکیل بنایا ہے کہ اس کے غلام کو فروخت کردے تو ہم نے اس فلاں کو اطلاع پہنچادی یا گواہوں نے یہ شہادت دی کہ اس شخص

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۶

بیدھا فبلغناھا وقد طلقت نفسھا جازت شھادتھما[1]۔	نے ہمیں کہا کہ ہم اسکی بیوی کو مطلع کردیں کہ اس نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے تو ہم نے اس کی بیوی کو مطلع کردیا ہے اور اس کی بیوی نے اپنے نفس کو طلاق دے دی ہے، تو یہ شہادت جائز ہوگی۔(ت)

بحث سوم: ظاہر ہوا کہ باقر حسین تنہا گواہ اقرار نہیں بلکہ اس کے پانچ گواہ ہیں اور ایسی جگہ یہ بحث کہ ثبوت بیع ایجاب وقبول بمجلس واحد سے ہوتا ہے معنی ثبوت میں تفرقہ نہ کرنے سے ناشی و ثبوت فی نفسہ ہے ثبوت عند القاضی کے لئے صرف ثبوت اقرار کافی ہے۔

بحث چہارم: اظہار محمدی بیگم میں کہیں ایجاب وقبول کی نفی نہیں، نہ اس کے بیان مذکور تجویز میں کوئی لفظ حصر ہے کہ اس کے سوازن وشو میں دربارہ بیع کوئی کلام نہ آیا نہ باوصف شہادت اقرار حاکم کے حضور تذکرہ ایجاب وقبول آنا کچھ ضرور، محمدی بیگم نے وقوع عقد والفاظ ایجاب وقبول کو ان لفظوں میں ادا کردیا کہ یہ مکان شوہر نے بیع کرکے کاغذ میرے حوالہ کیا اور وہ گفتگوئے بیع جو اس نے بیان کی کہ میں بیعنامہ تمہیں لکھوائے دیتا ہوں، میں نے کہا آمین، بیان ایجاب وقبول نہ تھی بلکہ وہ گفتگو بمعنی قرار داد و مشورہ بیع تھی جیسا کہ صراحۃً اس کے لفظ سے ظاہر ہے اگر کہئے ممکن کہ اس کے مراد گفتگوئے بیع سے یہی ایجاب وقبول تو ہم کہیں گے ممکن کہ اس کی مراد وہی قرار داد و مشورہ ہو غیب پر حکم کردینا اور امر محتمل سے ایک معنی بطور خود سمجھ لینا کیونکر صحیح ہوا بلکہ جب لفظ صراحۃً مشورے ہی کے ہیں تو اسی پر حمل واضح، ہاں اگر اس کے کلام میں تصریح ہوتی کہ اس کے سوا بیع کوئی بیع کا کوئی مکالمہ عبدالغنی خاں نے مجھ سے نہ کیا تو یہ معنی ٹھیک ہوتے اور جب ایسا نہیں تو عقلاً ونقلاً احتمال قاطع استدلال۔

بحث پنجم: یہیں سے ظاہر ہوا کہ یوسف علی خاں وسید حشمت علی کے بیانوں کو اظہار محمدی بیگم سے اصلاً تنافی نہیں، وہ دو وقت کسی اور کے ہونے کا انکار کرتی ہے، وقت مشورہ اور وقت دادن بیعنامہ وقت ایجاب وقبول کسی کے موجود ہونے نہ ہونے کا اس کے اظہار میں کچھ ذکر نہیں اور یہ دونوں وقت ایجاب وقبول اپنا ہونا بیان کرتے ہیں وقت قرار داد و وقت عطائے بیعنامہ سے کچھ بحث نہیں تو منافات کہاں ہوئی اور ایسی محتمل بات پر مسلمانوں کی گواہی محض زوری و جعلی کیونکر ٹھہر سکی۔

بحث ششم: اگر فرض ہی کیجئے کہ گفتگوئے بیع سے محمدی بیگم کی مراد ایجاب وقبول ہی ہے جب بھی بربنائے مذہب صحیح کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے اس کے اظہار سے

---
[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۷۲

شاہدین ایجاب وقبول کی شہادت پر اصلاً آنچ نہیں آتی، بیان سائل سے معلوم ہوا کہ محمدی بیگم کا اظہار سید حشمت علی ویوسف علی خاں بلکہ تمام شہود کے اظہار سے پہلے ہوا اور امر ہشتم میں واضح ہوچکا کہ اگر محمدی بیگم صراحۃً اپنے اظہار میں یوں لکھاتی کہ ایجاب وقبول کی جو شہادت دی محض جھوٹا ہے نری بناوٹ کرتا ہے اور اس کے بعد شہادت گزرتی اظہار مدعیہ یعنی محمدی بیگم سے اسے کچھ مضرت نہ تھی جب مردوں کے حق میں یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعی بھول گیا تو عورات خصوصاً اس عمر میں زیادہ مستحق اس عذر کی ہیں خلاف مذہب مصحح امام مسلمانوں کی شہادت کو مصنوعی بتادینے کا کوئی حق نہ تھا۔

بحث ہفتم: ان ابحاث سے روشن ہوا کہ یہ سات شہادتیں فی نفسہا ہر غبار واعتراض سے پاک وصاف ہیں رہا شہود کو غیر ثقہ نامعتمد بتانا قطع نظر اس کہ اگر بے دلیل شرعی صرف اس بناپر ہو کہ ان کی تحقیقات نہ کی گئی تو یہ کمی خود حاکم کی طرف سے ہے حاکم پر واجب ہے کہ احوال شہود سے خود بروجہ کافی آگاہ نہ ہو تو خفیہ تحقیقات کرے جس سے معلوم ہو کہ ان کی شہادت قابل اعتبار شرع ہے یا نہیں، اگرچہ فریق ثانی کی طرف سے اس کی تحریک نہ بھی ہو بے تحقیقات کے جزافاً ثقہ غیر ثقہ کہہ دینے کے کوئی معنی نہیں، درمختار میں ہے:

عندھما یسأل فی الکل اذا جھل بحالھم بہ یفتی[1]۔	صاحبین کے نزدیک قاضی جب گواہوں کے حالات کو نہ جانتا ہو تو اسے تمام قسم کے گواہوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا حق ہے، اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے: یسأل ای وجوبا[2] (قاضی پر واجب ہے کہ معلومات حاصل کرے۔ ت) منحۃ الخالق میں علامہ خیر رملی سے ہے:

مقتضاہ ان القاضی یأثم بترك السوال[3]۔	اس کا مطلب یہ ہوا کہ معلومات حاصل نہ کرنے پر قاضی گنہگار ہوگا۔ (ت)

بحر میں ہے:

فی السراجیۃ والفتوٰی علی انہ یسأل فی السر[4]۔	اور سراجیہ میں ہے کہ فتوی یہ ہے کہ قاضی انکے متعلق خفیہ طریقہ سے معلومات حاصل کرے (ت)

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۲

[3] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۶۳

[4] بحرالرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۶۴

یہاں محل نظریہ ہے کہ اسی بیعنامہ محمدی بیگم کے تحقیقات میں حاکم نے انہیں شہود کی شہادت پر اعتماد کیا اور اسی کی بناپر یہ پابندی سرکلر بیعنامہ کو ثابت مان کر فیس اسٹامپ وتاوان رجسٹری لیا تو اب انہیں شہادتوں کا اسی ثبوت میں معتبر ومردود بتانے کا کوئی محل نہ رہا جیسا کہ امر پنجم میں واضح ہوچکا وہ غیر ثقہ نہیں فرضًا کھلے فساق ہوتے جب حاکم خود انہیں قبول کرکے حکم کرچکا شہادت نافذ ہوگئی، امر ششم میں واضح ہوا کہ فاسق بھی اہل شہادت ہے پھر بعد قبول رد کے کیا معنی، سائل نے نہ عبارت سرکار پیش کی جس کی تعمیل پر حاکم کی یہ کارروائی تھی نہ اس امر کے متعلق تجویز حاکم کی یہ کارروائی تھی نہ اس امر کے متعلق تجویز حاکم کی نقل نظر سے گزری کہ اس قبول وتنفیذ شہادت کا حال کماینبغی منکشف ہوتا پھر بھی اس قدر میں شک نہیں کہ یہ امر بہت قابل لحاظ ہے اور مخالفت ضابطہ کا جواب تو اس سے بداہۃً واضح اگرچہ خدام شرع کو بحمداللہ تعالٰی ضوابط شرع مطہر کے سوا کسی ضابطے سے بحث نہیں، جب خود صاحبان ضابطہ ہی نے وہ سرکلر جاری کیا اور اسی کے مطابق اب بعد ظہور وجہ وجیہ واجازت وحصول تحقیقات مزید وہ کاغذ مثل کاغذات رجسٹری ٹھہر گیا تو مخالفت ضابطہ کہاں رہی، فیس وتاوان رجسٹری لینے کے بعد بھی سادہ وساقط الاعتبار بتانا یعنی چہ، کیا سرکلر اس لئے وضع ہوا تھا کہ اسٹامپ کے دام رجسٹری کا تاوان سب کچھ لے لیجئے اور پھر کہہ دیجئے کہ کاغذ سادہ ہے ساقط الاعتبار ہے یہ کہنا تو پہلے ہی حاصل فیس وتاوان کس بات کے لئے اور اس میں کون سا رفع عذر ہوا جسے مقصود عدالت بتایا جاتا ہے کیا قبل ظہور وجہ وجیہ وتحقیقات مزید کاغذ سادہ کو سادہ کہا جاتا تو شکایت ہوتی اب کے بعد ان تمام مراتب کے فیس وتاوان لے کر مصدقہ بناکر سادہ ساقط الاعتبار کہہ دینے سے کوئی عذر باقی نہ رہا۔

بحث ہشتم: قرائن صدق شہادات کی یوں نفی کہ نہ بیعنامے پر رجسٹری، نہ کاغذ اسٹامپ کا، نہ بائع کے ہاتھ کا لکھا، نہ دستخط، نہ اہل محلّہ واقارب کی شہادت کہ انہیں سے بعض کے بے ثبوتی بیعنامہ کا دلیل عقلی بنایا گیا ہے اصلًا قابل التفات نہیں۔

اولًا: یہ اعتراض خود اپنے حکم پر ہے کہ انہیں شہادات کو ذریعہ ثبوت وجہ وجیہ مان کر فیس وتاوان لیا گیا۔

ثانیًا: رجسٹری واسٹامپ نہ ہونا اگر دلیل عقلی بطلان شہادات ہو تو انہیں کی بناپر فیس وتاوان لے کر کاغذ کو مصدقہ رجسٹری واسٹامی بنانا طرفہ دور کارنگ ہوگا کہ مصدقہ ماننا تو موقوف ہوا قبول شہادات پر قبول شہادات مصدقہ ہونے پر۔

ثالثًا: امر سوم میں واضح ہوچکا کہ اپنے لکھنے سے دوسرے پر املا اقوی ہے۔

رابعًا: یہ سب زوائد وفضول باتیں ہیں شرع مطہر مس قبول شہادات کو وجودًا وعدمًا ان باتوں سے

علاقہ نہیں شہود اگر معتبر شرعی ہیں ان کی شہادت کا قبول واجب اگرچہ یہ امور سب منتفی ہوں ورنہ نہیں اگرچہ یہ امور سب موجود ہوں، یہ سرسری نگاہ سے اتنے ابحاث ہیں، اور ہنوز بہت امور باقی ہیں کہ بخیال تطویل ترک کئے۔
بالجملہ تجویز بوجہ کثیرہ غیر صحیح ہے اور اس مسئلہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر ان سات شاہدوں میں دو گواہ بھی معتبر شرعی ہیں خواہ وہ صرف اقرار عبدالغنی خاں کے گواہ ہوں یا صرف ایجاب وقبول کے یا ایک اقرار کا ایک ایجاب وقبول کا، تو ازانجا کہ یہاں محمدی بیگم دونوں وجوہ ترجیح کی جامع ہے تاریخ بیع بھی اسی کی پہلی ہے اور قبضہ بھی اسی کا ہے لہٰذا ہر طرح فیصلہ بحق محمدی بیگم ہونا لازم، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۴: از رامپور ۱۸/ رمضان المبارک ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ کا نکاح ہوا مہر مؤجل ومعجّل کے ساتھ زید نے جائداد مملوکہ وموجودہ خود مہر معجّل ہندہ میں مستغرق کردی اور یہ بھی اقرار کیا کہ آئندہ جو جائداد مجھ کو کسی ذریعہ سے حاصل ہو، تا مقدار مہر معجّل ہندہ مستغرق ومکفول سمجھی جائے اگر یہ تحریر واقرار زید شرعًا صحیح ہے فہو المراد، ورنہ جو شرعًا قابل قبول قضاء ہو وہ الفاظ بتائے جائیں جو کہ لکھے جائیں جو شرعًا نافذ وجاری ہوں فقط

الجواب:

شرعًا استغراق جائداد بلا قبضہ جس طرح آجکل رائج ہے محض مہمل وبے معنی ہے، ہاں رہن مع قبضہ مرتہن ضرور عقد شرعی ہے مگر وہ دخلی حرام اور اس سے نفع لینا حرام اور زید کا وعدہ نسبت جائداد آئندہ اور بھی مہمل تر ہے معدوم کی نسبت اقرار کیا معنی، مہر معجّل کا دعوٰی عورت کو پیش از وقوع وطی ہر وقت پہنچتا ہے اور بعد وطی بھی لان کل وطائۃ معقود علیہا (کیونکہ ہر وطی پر عقد ہے۔ ت) تو جائداد موجود مہر میں دے دے یا عورت کے پاس رہن شرعی کردے اور باقی جو جائداد پیدا ہو عورت برضائے شوہر یونہی لیتی جائے نہ دے تو نالش وسوال امتناعی ونیلام سے کاربرآری آج کل رائج ہے کہ جس میں دو صورتیں شرعی بھی نکل سکتی ہیں، ایک دیانۃً صرف مقدار دین کو خود نیلام میں لے کر زائد کو واپس دینا **بناء علی ما افتی بہ الاٰن من اخذ الحق من خلاف الجنس** (اب موجودہ فتوٰی کی بناء پر صاحب حق اپنا حق خلاف جنس میں حاصل کرسکتا ہے۔ ت)، دوسرے نیلام مقدار مطالبہ سے زائد پر ہونا اور مقدار زیادت کو مدیون کا لے لینا **فانہ یکون تنفیذ اللبیع کما نصوا علیہ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا** (تو یہ بیع کو نافذ کرنا قرار پائے گا جیسا کہ فقہاء کی اس پر تصریح ہے، اور جو اللہ تعالٰی سے ڈرے وہ اس لئے راستہ بنادیتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۵۵: مرسلہ محمد اللہ یار خان مقیم ریاست رامپور محلّہ بزریا ملا ظریف گھر منشی عبدالرحمٰن مرحوم ۲۶/ربیع الاول ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اوپر مہر تیس ہزار تیس اشرفی رائج الوقت عقد کیااس کے بعد زید نے دو دکانیں مملوکہ اپنی بعوض کل دین مہر ہندہ کو ہبہ کردیں اور کاغذ ہبہ نامہ رجسٹری شدہ سرکاری بھی مسماۃ ہندہ نے برضاورغبت بشہادت مردمان ثقات کے اپنے کل دین مہر کاادا ہونااور ایک حبہ زید کے ذمہ نہ رہنا قبول کرلیا یہاں تک کہ زید کی زندگی میں دس روپیہ ماہوار کرایہ دکانوں کا گیارہ برس آٹھ مہینے سے لیتی رہی اور اب زید مرگیااب بھی لیتی ہے اور اپنی تمام عمرلے گی،اب سائل سوال کرتا ہے کہ زید نے ہبہ نامہ میں تفصیل تیس ہزار تیس اشرفی کی نہیں لکھی ہے اور جو قرار پایا تھاتو اب زید نے یوں لکھادیا کہ مسماۃ ہندہ کے کل دین مہر کے ادا ہونے کے بدلے یہ دکانیں مجھ زید نے لکھ دیں اب ایک حبہ میرے ذمہ دین مہر مسماۃ ہندہ کادینا باقی نہ رہا،پس لفظ کل کے تحریر کرنے سے زید بری الذمہ ہوگیایا نہیں،اب زید مرگیا،مسماۃ ہندہ نے دوہزار روپیہ کے بابت مہر کی پھر نالش کردی ہے،یہ دعوی مسماۃ ہندہ کو عدالت میں پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

دعوی مذکورہ محض باطل ونامسموع ہے،جب ہبہ کل مہر کے عوض ہندہ نے قبول کرلیا کل مہر بحکم مقاصہ ساقط ہوگیا اب اس میں سے کسی جزکادعوی صریح ظلم ہے،

فان الھبۃ بالعوض بیع ابتداء وانتھاء کما فی الدرالمختار[1] والمشتری لایبقی لہ ملك فی شیئ من الثمن وامثال المقام لاتحتاج الی التسمیۃ بل ولاالی علم المقدار لعدم الحاجۃ الی التسلیم والتسلم فی الھندیۃ ھذابیع لایحتاج فیہ الی التسلیم وبیع ما لم یعلم البائع والمشتری مقدارہ،اذاکان لایحتاج فیہ	تو بیشك ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً بیع ہے جیسا کہ درمختار میں ہے اور خریدار کی ادا کردہ ثمن میں ملکیت ختم ہوجائے گی،ایسے مقامات پر مبیع و بیع کا ذکر بلکہ مقدار مبیع کا علم بھی ضروری نہیں کیونکہ یہاں لینا دینا کچھ نہیں ہوتا،ہندیہ میں ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں کچھ سونپنے کی ضرورت ہے نہ ہی مبیع کی مقدار کا جاننا بائع یا مشتری کو ضروری ہے تو جس بیع میں سونپنا اور قبضہ دینا نہ ہو تو وہاں مقدار

[1] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

الی التسلیم جائز الایری ان من اقرانه غصب من فلان شیئا اواقر ان فلانا اودعه شیئا ثم ان المقر اشتری ذٰلك الشیئ من المقرله جاز وان کان لا یعرفان مقداره۔واللہ اعلم۔	کے علم کے بغیر بیع جائز ہے،کیا دیکھا نہیں کہ کوئی شخص اقرار کرے کہ میں نے فلاں کی چیز غصب کی ہے یا یہ اقرار کرے اس نے میرے پاس امانت رکھی پھر اقرار کرنیوالا مقرلہ سے وہ چیز خرید لے تو جائز ہے اگرچہ دونوں کو چیز کی مقدار کا علم نہ ہو۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۵۶: از لشکر گوالیار محلّہ یکہ مرسلہ محمد بخش ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس معاملے میں کہ مسماۃ حرہ نے اپنے شوہر پر اس بیان سے طلاق کا دعوی پیش کیا ہے کہ میرے شوہر نے بموجودگی چار عورتوں کے ایک جلسہ میں مجھ کو تین بار طلاق دی اور اس کو عرصہ دو مہینے کا ہوا اب ان چار عورتوں میں ایک عورت زمانہ طلاق کا تخمیناً ڈیڑھ سال بیان کرتی ہے اور دوسری عورت سوایاڈیڑھ سال کہتی ہے اور باقی دوعورتوں کی نسبت مسماۃ کا یہ بیان ہے کہ مجھ کو ان کی شہادت دلانا منظور نہیں،علاوہ ان کے دو مرد مسلمان اور تین مرد ہندو جن کی نسبت مسماۃ سننے نہ سننے کی لاعلمی بیان کرتی ہے،ان میں ایک گواہ زمانہ طلاق کا چودہ پندرہ ماہ کا بیان کرتا ہے اور دوسرا قریب دوسال بیان کرتا ہے اور تین ہندو کوئی سوابرس کوئی ڈیڑھ برس اور مسماۃ زمانہ طلاق کا دو مہینے کا بتاتی ہے اور شوہر کو طلاق دینے سے انکار ہے،پس اس صورت میں مسماۃ کا دعوی طلاق کا شہادت مذکور سے شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسلمانوں پر کسی معاملے میں ہنود کی گواہی اصلاً معتبر نہیں،نہ تنہا عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہوسکے کم سے کم دو مسلمان مرد عاقل بالغ متقی پرہیزگار یا ایک مرد دو عورتیں سب مسلمان عاقل بالغ متقی پرہیزگار درکار ہیں،اگر ایسے گواہ نہیں تو شوہر سے قسم لی جائے اگر وہ قسم کھا کر طلاق ہونے سے انکار کردے دعوی حرہ رد ہوجائے گا اور اگر شوہر قسم نہ کھائے تو طلاق ثابت ہوجائے گی اور اگر ویسے گواہ شرعی موجود ہیں تو دعوی طلاق آپ ہی ثابت ہے اور مدعیہ و گواہان اور نیز باہم گواہوں کا زمانہ طلاق میں اختلاف کچھ مضر شہادت نہیں،درمختار میں ہے:

یشترط الاسلام لو المدعی علیه مسلما[1]۔	اگر مدعی علیہ مسلمان ہو تو گواہوں کا مسلمان ہونا شرط ہے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

اسی میں ہے:

ونصابھا لنکاح وطلاق رجلان اورجل وامرأتان ولاتقبل شھادۃ اربع بلا رجل[1] اھ مختصرًا۔	نکاح وطلاق کے لئے نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، مرد کے بغیر چار عورتوں کی شہادت مقبول نہ ہوگی اھ مختصراً (ت)

عالمگیری میں ہے:

اختلفا فی الوقت اوالمکان فان کان المشھود بہ قولا محضا کالبیع والاجارۃ والطلاق والعتاق جازت شھادتھما[2] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر دونوں گواہوں کا وقت یا مکان میں اختلاف ہو اور شہادت والا معاملہ گفتگو سے متعلق ہو مثلاً بیع، اجارہ، طلاق اور عتاق، تو یہ شہادت جائز ہے اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۷تا۵۸: از ریاست رامپور مرسلہ منشی واحد علی صاحب پیشکار محکمہ مال ۱۹/ربیع الآخر شریف ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) جو ضوابط واحکام واسطے فیصلہ خصومات اور رجوع نالش کے خلیفہ یا قاضی وقت نے مقرر کئے ہیں ان کی پابندی حاکم کو شرعًا لازم وواجب ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

(۲) زید نے اپنی تحریر میں یہ لکھا ہے کہ (عمرو شہر سے باہر گئے ہیں) ازروئے احکام شرعی الفاظ مذکورہ سے فرار عمرو ثابت ہے یانہیں بلکہ صرف معمولی طور پر جانا پایا جاتا ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) والی ملک حاکم اسلام یا اس کے یہاں کے افسر بالا دست مثل قاضی القضاۃ نے جسے اس نے لوگوں کو عہدہ قضا پر اپنے دستخطوں سے مقرر کردینے کا اختیار دیا ہو، بالجملہ جس کے نصب سے حاکم شرعًا حاکم ہوجاتا ہے اور بے رضائے فریقین فیصلہ کرنے کا اختیار پاتا ہے ایسے شخص نے جس کے نصب میں جو شرائط حکم قضا کے لئے لگائے ہوں یا سلطان خواہ اس کے ماذون مجاز نے جسے وضع ضوابط کا اختیار ہو جو ضابطے فیصلہ خصومات ورجوع مقدمات کے واسطے مقرر کئے ہوں ان کے پابندی صورت اولٰی میں اس خاص حاکم اور ثانیہ میں اس ریاست کے تمام حکام پر خواہی نخواہی ضرور ہے، ان کے خلاف جو فیصلہ

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ کراچی ۳/ ۵۰۷۔۸

ہوگا سراسر مردود بے اثر ونامعتبر ہوگا جیسے کسی راہ چلے کا کوئی فیصلہ بطور خود کردینا۔ درمختار میں ہے:

القضاء یتخصص بزمان ومکان وخصومة حتی لوامر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمسة عشر سنة فسمعها لم ینفذ[1]۔	قضا کو مکان، زمان اور مقدمہ سے مختص کیا جاسکتا ہے حتی کہ اگر سلطان نے حکم دیا کہ پندرہ سال گزر جانے کے بعد دعوی کی سماعت نہ ہوگی تو کسی قاضی نے یہ سماعت کی تو فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

عزاہ فی الاشباہ الی الخلاصة وقال فی الفتح الولایة تقبل التقلید والتعلیق بالشرط[2]۔	اشباہ میں اس کو خلاصہ کی طرف منسوب کیا ہے اور فتح میں فرمایا کہ ولایت شرط کے ساتھ مقید اور معلق ہوسکتی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فیکون القاضی معزولا عن سماعها لما علمت من ان القضاء یتخصص[3]۔	قاضی اس کے سماعت سے بے اختیار ہوگا کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ قضا کو خاص کیا جاسکتا ہے۔(ت)

ہاں اگر ان دوصورتوں کے سوا کسی قاضی غیر مجاز نے بے اذن والی بطور خود کچھ ضوابط مقرر کئے ہوں تو ان کی پابندی کسی پر لازم نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔**(۲)** الفاظ مذکورہ سے فرار عمرو ہرگز ثابت نہیں، "باہر جانا" ترجمہ خروج کا ہے اور فرار کا ترجمہ "بھاگ جانا"۔خروج سے "فرار" ہرگز لازم نہیں۔اللہ عزوجل زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں فرماتا ہے:

"فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ"[4]۔	اپنی قوم پر محراب سے باہر آئے۔

اللہ تعالٰی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

"وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"[5]۔	باہر جاؤ تو اپنا منہ کعبے کی طرف کرو۔

---

[1] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۲

[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

[4] القرآن الکریم ۱۹/ ۱۱

[5] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۹

صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے فرماتا ہے:

"اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ"[1]	اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری مرضی چاہنے تو کافروں سے دوستی نہ کرو۔

ظاہر ہے کہ بھاگ جانے میں باہر جانے سے ایک امر زائد ہے اور زیادت بے ثبوت زائد ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی، ہدایہ وغیرہا کتب مذہب میں جابجا ہے الاقل ھو المتیقن (قلیل یقینی امر ہوتا ہے لک۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۹: از ریاست ٹونک محلّہ قافلہ مرسلہ مولوی سید ظہور اللہ صاحب ۱۷/شوال ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بلاوصول دین مہر خود، درنگی بکر زوج اپنے کے فوت ہوگئی اس نے ایک بکر زوج خود اور دو پسر ایک عمرو اور دوسرا زید وارث چھوڑے، بعد تخمیناً آٹھ سال کے عمرو بھی فوت ہوگیا اور اس نے ایک زوجہ اور دو پسر اور دو دختر وارث چھوڑے، اب زوجہ عمرو نسبت بکر خود کے اس طرح دعویدار ہوئی کہ میرا دین مہر میرے زوج عمرو کے ذمہ چاہیے اور عمرو کی والدہ ہندہ کا مہر ذمہ بکر خسر میرے کے واجب ہے جس میں عمرو کا بھی حصہ ہے پس اس کے حصہ میں سے اول یہ دین مہر مجھ کو وصول کرایا جاکر مابقے اس کا مجھ کو اور دو پسر اور دو دختر اولاد عمرو پر موافق فرائض اللہ تقسیم کیاجائے، بجواب مطالبہ ہذا بکر پدر عمرو کو یہ عذر ہے کہ دعوی زوجہ عمرو کا دو طرح سے مجھ پر نہیں پہنچتا اولا تو یہ کہ زوجہ عمرو وارثہ ہندہ کی نہیں دوسرے بقول اس کے اس کا دین مہر اپنے زوج عمرو پر ہے اور عمرو کی والدہ ہندہ کا دین مہر مجھ بکر پر بقول اس کے باقی ہے تو گویا دعوی اس کا مدیون کے مدیون پر ہوا جو عندالشرع قابل سماعت نہیں بموجب اس روایت کے:

لواقام البینۃ علی مدیون مدیونہ لایقبل ولایملك اخذالدین[2] کذافی الخلاصۃ۔	اگر کسی نے اپنے مقروض کے مقروض پر گواہی پیش کی تو مقبول نہ ہوگی وہ قرض حاصل کرنے کا حقدار نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ میں ہے (ت)

صورت مسئولہ میں اگر جواب بکر کا موافق کتاب کے ہے تو اس استفتاء پر مواہیر ثبت فرمائی جائیں اور اگر خلاف شرع بکر کا جواب ہے تو اس کا حکم مع روایت ذیل میں قلمبند فرمایا جاکر مواہیر ثبت فرمائی جائیں،

[1] القرآن الکریم ۶۰/ ۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۸

بینوا توجروا (بیان کرو اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زوجہ عمرو کا دعوٰی صحیح و مسموع اور بکر کے عذرات باطل ومدفوع ہیں، زوجہ عمرو ضرور وارثہ ہندہ نہیں مگر اب وہ دین بھی دین ہندہ نہیں **فان الموت ناقل للملک** (کیونکہ موت ملکیت کو منتقل کرتی ہے۔ت) بعد موت ہندہ بقدر حصہ عمرو دین عمرو ہوا اور زوجہ عمرو وارثہ عمرو بھی ہے اور دائنہ بھی مہر زوجہ وغیرہ دیون کہ ذمہ عمرو ہوں جبکہ محیط ترکہ نہ ہوں تو مابقے بعد انفاذ وصایا علی حسب الفرائض خود ملک ورثہ ہے جن میں زوجہ بھی ہے تو اس قدر میں بکر خود مدیون زوجہ عمرو ہے نہ مدیون مدیون اور قدر دیون مہر وغیرہ میں اگرچہ ترکہ ملک عمرو پر باقی رکھا جائے **لانصرافها الی حاجة المیت** (میت کی اپنی حاجت کیلئے ترکہ منتقل ہونے کی وجہ سے) مگر دائن میت ومدیون میت جبکہ دونوں وارثان میت ہوں تو ایسے دائن کا ایسے مدیون مدیون پر دعوٰی قطعًا مسموع ومقبول ہے، عدم سماع یا عدم قضا اس صورت میں ہے کہ وہ دونوں یا ان میں ایک میت سے اجنبی ہو۔ تحقیق مقام کہ یہ دائن میت کو مدیون میت پر دعوٰی کرکے وصول پاسکنے کے لئے دو باتوں کی حاجت ہے:

اولًا: میت کا دین اس پر ثابت کرے اور جب یہ میت سے اجنبی ہے اسے ملک میت مدیون میت پر ثابت کرنے کا کیا استحقاق ہے **فانه لایصلح خصماعنه** (کیونکہ وہ اس کا فریق بننے کا صلاحیت نہیں رکھتا) اس کے لئے میت کے وصی یا وارث کا دعوٰی درکار ہے۔

ثانیًا: اپنا دین میت پر ثابت کرے اور جب مدعا علیہ میت سے اجنبی ہے میت پر اثبات دین کے لئے اس کا حضور کافی نہیں **فانه لایقدم خصماعنه** (کیونکہ بطور فریق اسکی طرف سے پیش نہیں ہوسکتا) میت کا جو کوئی وصی یا وارث ہو تو میت پر دین ثابت کرنے کے لئے ان میں کسی کا حاضر ہونا ضرور ہے غرض عدم سماع کی وجہ عدم امکان ثابت ہے اگر دونوں امر کا ثبوت کسی طرح ہوجائے تو دعوٰی ضرور قابل قبول ہے ولہذا اگر دین دائن ذمہ میت نزد قاضی ثابت ہو اور مدیون میت مدیون میت ہونے کا اقرار کرے تو قاضی مدیون میت سے دائن میت کو دین دلادے گا، خلاصہ وہندیہ میں ہے:

لواقام البینة علی مدیون مدیونه لاتقبل ولایملك اخذ الدین منه اما اذا ثبت الدین فی ترکته عند القاضی واقر رجل عند القاضی ان	اگر اپنے مقروض کے مقروض پر گواہی پیش کی تو مقبول نہ ہوگی اور وہ قرض وصول کرنے کا حقدار نہ ہوگا، لیکن جب میت کے ترکہ میں قرض (کسی پر) قاضی کے ہاں ثابت ہوجائے اور قرضدار شخص یہ اقرار کرے

للمیت علیه دینا قدره کذا یأمره بالدفع الی رب الدین[1]۔	کہ مجھ پر میت کا قرض ہے جس کی مقدار یہ ہے تو قاضی اس کو ادائیگی کا حکم دے گا کہ میت پر جس کا قرض ہے اس کو دے دے۔(ت)

ولہٰذا اگر دائن میت وارث میت ہو اور مدیون میت اجنبی اور دوسرا وارث حاضر نہیں تو مدیون میت پر دین میت ثابت کرنے کے حق میں اس دائن وارث کا دعوی مسموع ہوگا اور بوجہ اول اس مدیون پر دین میت کی ڈگری کردینگے مگر بوجہ ثانی وہ دین اس مدعی کو ابھی نہ دلائیں گے کہ مدیون اجنبی ہے اور دوسرا وارث غائب۔ محیط وعالمگیریہ میں ہے:

رجل مات وله ابنان احدهما غائب فادعی الحاضر ان له علی ابیه الف درهم دینا و لامال لمیت غیر الف درهم علی رجل فانی اقبل بینة الابن الحاضر فی اثبات الدین علی الاجنبی ولااسمع بینته علی ابیه بدینه ولااقضی له من الالف التی قضیت علی الاجنبی بشیئ فاوقف الالف حتی یجیئ الاخ کذافی المحیط[2] ۔	ایک شخص فوت ہوا اس کے وارث دو بیٹے تھے جن میں سے ایک غائب ہے تو حاضر بیٹے نے اپنے باپ پر ایک ہزار درہم قرض کا دعوی کیا جبکہ میت (باپ) کاایک غیر شخص پر ایک ہزار قرض کے بغیر کوئی ترکہ نہ ہو، تو اس صورت میں حاضر بیٹے کی گواہی کہ غیر شخص پر باپ کا قرض ہے، میں قبول کر لوں گا، اور اس کی اپنے باپ پر قرض کی گواہی کو نہ سنوں گا، اور نہ ہی غیر پر ثابت قرض میں سے حاضر بیٹے کو کچھ دلاؤں گا، اور میں غیر پر باپ کے ثابت شدہ قرض ہزار درہم کو موقوف رکھوں گا تاوقتیکہ اس کا غائب بھائی نہ آجائے، ایسے ہی محیط میں ہے۔(ت)

اور جب دائن ومدیون دونوں وارثان میت ہیں جس طرح یہاں بکر وزوجہ عمرو تو اب سماع وقبول کی تمام وجوہ متحقق ہیں زوجہ عمرو اپنی وراثت کے سبب بکر کے دین میت کا دعوی کرسکتی ہے اور وراثت بکر کے سبب اس کے موجہ میں میت پر اپنے دین کا دعوی۔ واقعات پھر جامع الفصولین میں ہے:

احدالورثة ینتصب خصما عن المورث فیما له وعلیه الخ[3]۔	ورثا میں سے ایک کو مورث کی طرف سے لین دین کے لئے فریق مقرر کیا جائے گا الخ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب الخامس کتب خانہ کراچی ۴/ ۳۹

[3] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴

خزانۃ المفتین میں ہے:

لوادعی علی المیت دینا بحضرۃ احد الورثۃ یثبت الدین فی حق الکل وکذا لوادعی احد الورثۃ دینا علی انسان للمیت واقام بینۃ یثبت الدین فی حق الکل و یدفع الی الحاضر نصیبہ مشاعا[1] الخ۔	اگر کسی نے میت پر قرض کا دعوٰی کرکے ورثاء میں سے ایک کی موجودگی میں ثابت کردیا تو وہ قرض تمام ورثاء پر ثابت ہوجائے گا اور یونہی ورثاء میں سے ایک نے اپنے والد کا قرض کسی شخص پر ثابت کردیا اور گواہ بھی پیش کردئے تو یہ قرض تمام ورثاء کے حق میں ثابت ہوجائے گا اور ثابت کرنے والے موجود وارث کو غیر منقسم حصہ کے طور پر بطور حصہ اس کو دے دیا جائیگا الخ (ت)

لاجرم جامع الفصولین میں فتاوٰی امام رشید الدین سے نقل کیا:

لایملک الدائن اثبات الدین علی مدیون المیت ولا علی الموصی لہ ولو اثبت علی من یصح اثباتہ علیہ کوصی ووارث ثبت لہ حق الاستیفاء منہما ولو انکر وارثہ وجود ترکۃ بیدہ فللدائن اثباتہا لا لو اجنبیا فلا تقبل علیہ بینۃ الدائن اذلیس بخصم فی اثبات الملك للمیت[2]۔	میت کے قرضخواہ کو میت کے مقروض یا موصٰی لہ پر قرض ثابت کرنے کا اختیار نہیں اور اگر اس نے ایسے شخص پر قرض ثابت کردیا جس پر اثبات سے وصی اور وارث کے لئے حق ثابت ہوجاتا ہے تو اس کو وصی اور وارث سے اپنا قرض وصول کرنے کا حق ہوگا اور اگر وارث میت کا ترکہ اپنے قبضہ میں ہونے سے انکار کردے تو قرض خواہ کو قبضہ کے اثبات کا حق ہوگا اگر اجنبی شخص انکار کرے تو اس کے خلاف قرض خواہ کی گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ وہ اجنبی میت کی ملکیت کے اثبات میں فریق نہیں ہے (ت)

پس صورت مسئولہ میں زوجہ عمرو کا دعوٰی ضرور صحیح ہے مگر مہر ہندہ سے جس قدر حصہ عمرو ہو اس میں سے وہ مقدار کہ ترکہ عمرو سے خود حصہ بکر ہوئی چھوڑ کر باقی پر دعوٰی پہنچے گا،

لانہا لادعوی لہا ولا فی الذی لزوجہا وما کان لزوجہا قد سقط منہ ماورثہ منہ ابوہ کما	کیونکہ اس میں خود بیوی کو اور نہ ہی اسکے خاوند کے حصہ میں دعوٰی ہے اور جو خاوند کا حصہ تھا اس میں سے والد جتنے کا وارث بنا ساقط ہوجائیگا

[1] خزانۃ المفتین کتاب الدعوٰی فصل دعوی المیراث قلمی نسخہ ۲/ ۸۲

[2] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵

سقط اولاالربع من مھر ھندۃ لصیرورتہ حق المدیون بنفسہ وھو الزوج۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس طرح اولاً اس میں سے چوتھائی حصہ ہندہ کے مہر کا ساقط ہوگیا ہے اس وجہ سے کہ وہ خود مدیون کا حق بن گیا اور وہ خود خاوند ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۰: از بریلی محلّہ گندہ نالہ مرسلہ ظہور حسن ۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

زید وہندہ نے جو حقیقی بہن زید کی ہے خالد کو ایک دستاویز لکھ دی ہندہ کی طرف سے جو ناخواندہ ہے اور پردہ نشین ہے زید اس کے حقیقی بھائی نے دستخط کی بایں عبارت (ہندہ بقلم زید) اس دستاویز میں لکھا کہ زر مندرجہ دستاویز ہم نے وصول پالیا ایسا ہی زید نے لکھا بلا تفریق مقدار روپیہ کے اور دونوں نے جائداد غیر منقولہ مکفول کی وقت رجسٹری کے ہندہ نے اقرار تحریر دستاویز اور وصولیابی زر مندرجہ دستاویز سے اقرار کیا، اور چونکہ ہندہ ناخواندہ اور پردہ نشین ہے زید نے ہندہ کی طرف سے حسب بالا دستخط کردی اب خالد نے دونوں سے مطالبہ دستاویز کیا اور شناخت ہندہ کی اس کے دوسرے بھائی حقیقی اور بھتیجا نے کی کہ مسماۃ مقرہ ونویسندہ دستاویز ہندہ ہے جس نے اقرار کیا ہے خالد مطالبہ دستاویز کا دونوں مدیون سے کرتا ہے ہندہ یہ عذر کرتی ہے کہ میں نے روپیہ نہیں لیا اور دستاویز پر نہ میرے دستخط ہیں اور نہ نشانی ہے زید میرا بھائی میری دستخط کرنے کا مجاز نہ تھا اور ہندہ ایک نظیر ہائی کورٹ کی پیش کرتی ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ صرف اقرار وصولیابی زر کافی نہیں ہے جب تک کہ مدیون کے دستخط یا نشانی نہ ہو۔

سوال: آیا اقرار تحریر دستاویز واقرار وصولیابی زر مندرجہ دستاویز جو سامنے مصدق دستاویز کے ہندہ نے کیا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو رائے حکام انگلشیہ ہائیکورٹ عدالت انگریزی کو بمقابلہ حکم شرعی کے فوقیت دی جائے گی یا نہیں اور ہندہ پر پابندی اپنے اقرار کی شرعاً لازم ہے اور یا یہ کہ پابندی حکم ہائیکورٹ کی اور دائن ومدیون یعنی دونوں فریق تابع شریعت اسلام ہیں اور کوئی فریق منکر شرع شریف کا نہیں ہے۔

الجواب:

حکم اللہ ورسول کے لیے ہے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ"[1] (حکم نہیں مگر اللہ کا۔ت) جب ہندہ منکر ہے تو شہادت عادلہ شرعیہ دو مرد یا ایک مرد دو عورت ثقہ کی درکار ہے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۵۷

کہ ہندہ نے ہمارے سامنے روپیہ لیا ہمارے سامنے اقرار کیا فقط دستاویزا اگرچہ خود ہندہ کے دستخط بقلم خود اس پر لکھے ہوتے یا اہلکار رجسٹری کی تحریر کہ میرے سامنے اقرار کیا اصلاً کافی نہیں۔ فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجة والحجة هی البینة او لاقرار اما الصك فلا یصلح حجة[1]۔	قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ کرسکتا ہے اور حجت، گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے اور رسید کسی طرح حجت نہیں بن سکتی۔ (ت)

رہا یہ کہ ہندہ کس چیز کی پابندی کرے ہندہ اپنے معاملہ کو خوب جانتی ہے اگر واقعی اس پر روپیہ عنداللہ چاہئے تو اسے انکار کرنا سخت حرام ہے اس پر فرض ہے کہ حق کو قبول کرے اور عنداللہ نہ چاہئے تو اگرچہ اس نے کسی دباؤ سے یا ناواقفی سے یا کسی وجہ سے اقرار غلط کردیا ہو اس کی پابندی اس پر اصلاً لازم نہیں، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۱ تا ۶۲: از رامپور متصل زیارت شاہ ولی اللہ صاحب مرسلہ حافظ مولوی عنایت اللہ خاں صاحب ۱۶/ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

سوال اول: زید اور عمرو نوعیت طرز عمل تزکیہ شہود میں مختلف الاقوال ہیں، زید کہتا ہے کہ تین طرح سے قاضی شاہد کے چال چلن کے بابت تحقیق و دریافت کرسکتا ہے: رسول بھیج کر یا رقعہ مزکی کے نام بھیج کر یا خود قاضی موقع پر جاکر مصلیان مسجد محلّہ یا دیگر اشخاص اہل محلّہ سے، اور اس تیسری صورت میں قاضی پر یہ لازم نہیں ہے کہ جس شخص کو کہ وہ جانتا ہو مخصوص اسی سے دریافت حال شاہد کرے بلکہ نمازی صورت ہو شخص غیر معلوم سے بھی وہ دریافت حال کرسکتا ہے اور اس شخص مجہول الحال کے نام دریافت کرنے یا اس کا نام دفتر قضاء میں برائے علم آئندہ درج کرنے کی قاضی کو کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ تحقیقات قاضی بر سر موقع قاضی کے اطمینان اور مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے لئے رائے قائم کرنے کو شرعاً کافی ہے **انتھی کلامہ** (عمرو کا یہ بیان ہے کہ شرعی اصول پر بقول صاحبین تزکیہ شہود کا دو طرح سے ہوسکتا ہے سرّاً وعلانیۃً جو کتاب الشہادۃ غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ودیگر کتب فقہیہ میں بصراحت مذکور ہے، یہ بھی بیان عمرو کا ہے مزکی ایسا شخص ہو جو لوگوں کے احوال سے خوب واقف ہو اور ان سے اختلاط رکھتا ہو اور بنفسہٖ عادل ہو، اور جرح وغیر جرح میں

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل دعوی الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲، الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الدعوٰی والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

فرق کر سکتا ہو نا بچی اور مفلس نہ ہو۔ قاضی علی الخصوص ایسے ہی شخص کو جو بصفات مذکورہ متصف ہو مزکی مقرر کر سکتا ہے، پس اس امر میں دو قسم کی واقفیت ضرور ہے ایک بذاتہ علم قاضی بصفات متنسبہ الی المزکی۔ دوسرے اطلاع مزکی نسبت احوال شہود مطلوبۃ التزکیۃ بعد تشریح اقوال زید وعمرو مفتیان شرع شریف سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ ازروئے شرع زید کا قول صحیح اور قابل عمل ہے یا عمرو کا جواب صاف بحوالہ روایات مستندہ کتب فقہیہ عنایت ہو۔

سوال دوم: زید کا قول ہے کہ اگر کسی ضرورت سے قاضی برسر موقع تحقیقات کرے تو جو گواہ موقع پر جمع ہوں وہ علیحدہ بٹھلائے جائیں اور ان میں سے ایک ایک شخص کو قاضی اپنے روبرو طلب کرکے ضرور سوالات کرے۔ اور فریقین یا وکلاء فریقین کو بھی موقع سوالات وجرح کا دیا جاوے، سب اہل محلّہ کو ایک جلسہ میں ان سے قاضی کے دریافت حال کرنے میں یہ نقص ہے کہ سب لوگ حال مستفسرہ کو یک زبان ہو کر کہیں گے اور اس صورت میں اصلی واقعہ کا انکشاف قابل اطمینان نہ ہوگا بکر کہتا ہے کہ جیسا زید کہتا ہے ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ قاضی ایک ہی جلسہ میں کل گواہان سے دریافت حال کرکے قلم بند کرکے قاضی کا ایسا کرنا خلاف شرع نہیں ہے۔ یہ تحقیقات قاضی کے اطمینان کے واسطے ہے، مفتیان شرع شریف سے یہ التماس ہے کہ ازروئے شرع مبارک زید کا قول قابل عمل ہے یا بکر کا؟ بحوالہ کتب وعبارت جواب عنایت ہو۔

الجواب:

(ا) زید کا قول باطل ہے، مزکی کا عادل ہونا ضروری ہے، مجہول الحال خود محتاج تزکیہ ہے وہ دوسرے کا تزکیہ کیا کر سکتا ہے۔

معین الحکام میں ہے:

ینبغی للقاضی ان یختار للمسألة عن الشهود من هو اوثق الناس واورعهم دیانة واعظمهم درایة واکثرهم خبرة واعلمهم بالتمییز فطنة فیولیه. المسألة لان القاضی مامور بالتفحص عن العدالة فیجب علیه المبالغة والاحتیاط فیه[1] اھ۔	گواہوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے قاضی ایسے حضرات کو مقرر کرے جو مناسب ترین دیانت میں متقی سمجھداری میں بڑے، خبرداری میں کثیر، اور پرکھنے کا زیادہ علم رکھتے ہوں تو ایسے لوگوں کو یہ معاملہ سپرد کرے کیونکہ قاضی گواہوں کے عدل کو معلوم کرنے کا پابند ہے، تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس معاملہ میں مبالغہ اور احتیاط سے کام لے اھ

[1] معین الحکام الفصل السادس فصل فی المسئلة عن الشهود مصطفی البابی مصر ص۸۵و۸۶

ردالمحتار مسئلہ تعدیل الخصم للشہود بیان مذہب امام میں ہے:

تزکیۃ الکاذب الفاسق لاتصح[1]۔	جھوٹے اور فاسق کو گواہوں کا تزکیہ درست نہیں۔(ت)

نیز مذہب صاحبین میں ہے:

تصح ان کان من اھلہ(ای اھل التعدیل)بان کان عدلا[2]۔	تزکیہ کرنے والا اہل ہو تو صحیح ہے یعنی تزکیہ گواہوں کو عادل ثابت کرنا تب صحیح ہوگا جب وہ خود عادل ہو۔(ت)

ظاہر ہوا کہ مزکی میں عدالت باتفاق ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم شرط ہے، تہذیب پھر بحر الرائق پھر درمختار میں ہے:

المجھول لایعرف المجھول[3]۔	مجہول الحال کسی مجہول کو معلوم نہیں کرسکتا۔(ت)

خانیہ وہندیہ میں ہے:

ان کان فاسقا او مستورا لایصح تعدیلہ[4]۔	مزکی اگر فاسق یا مستور الحال ہو تو اسے عادل قرار دینا صحیح نہیں۔(ت)

اگر شاہد کے ہمسایگان مسکن وبازار واہل محلّہ میں کوئی ثقہ نہ ملے نہ اس کے بارے میں کوئی تواتر صحیح شرعی ہو تو قاضی اہل محلّہ کے بیان پر دو شرط سے اعتماد کرسکتا ہے، ایک یہ کہ وہ سب بالاتفاق یکزبان ایک ہی بات کہتے ہوں سب اسے عادل کہیں یا سب مجروح ہی بتاتے ہوں، دوسرے یہ کہ قاضی کے قلب میں آئے کہ یہ سچ کہہ رہے ہیں تو اس وقت ان کا اتفاق مع اس تحری کے قائم مقام تواتر ہوجائے گا اور تواتر میں عدالت کی حاجت نہیں، نہ یہ کہ جس نمازی صورت محلے والے مجہول الحال سے چاہیں پوچھ لے اور یہی کافی ہو یہ محض افتراء زید ہے۔ محیط وعالمگیریہ میں ہے:

ان لم یجد فی جیرانہ واھل سوقہ من یصلح للتعدیل بل یسأل اھل محلتہ، وان وجد کلھم غیر ثقات یعتمد فی ذٰلک علی تواتر الاخبار، و	اگر پڑوس اور بازاروں میں کسی کو تعدیل کا اہل نہ پائے تو پھر قاضی اہل محلّہ کے متعلق سوال واستفسار کرے اگر ان میں سے کسی کو بھی اہل نہ پائے تو پھر گواہوں کے متعلق متواتر خبروں پر اعتماد کرے

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۳
[2] ردالمحتار کتاب الشہادات احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۳
[3] درمختار بحوالہ البحر عن التہذیب کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱
[4] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ قاضیخان کتاب الشہادات الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۷

كذٰلك اذا سأل جيرانه واهل محلته وهم غير ثقات فاتفقوا على تعديله او جرحه ووقع فى قلبه انهم صدقوا كان ذٰلك بمنزلة تواتر الاخبار[1]۔	اور یوں ہی جب گواہوں کے پڑوس اور اہل محلّہ سے پوچھا حالانکہ یہ تمام لوگ خود غیر ثقہ ہیں، اور وہ تمام گواہوں کو عادل بتاتے ہیں یا مجروح بتاتے ہیں تو قاضی اگر ان کو سچا سمجھتا ہے تو ان کے قول پر عمل کرلے یہ بھی متواتر خبروں کی طرح ہے (ت)

عمرو نے جو صفات مزکی میں بیان کیں قاضی کو مناسب ہے کہ ایسے ہی شخص کو مزکی مقرر کرے طامع و مفلس نہ ہونا اور لوگوں سے اختلاط شرائط اولویت ہیں جبکہ ان سے ارجح وصف مثل علم فقہ ان کے معارض نہ ہو مثلاً اور اس میں زیادہ حاجت ہے، گوشہ گزیں اپنے معتمدین سے پوچھ کر تزکیہ کرسکتا ہے اور جاہل کے اسباب جرح و تعدیل میں امتیاز دشوار۔ محیط و ہندیہ میں ہے:

ينبغى للقاضى ان يختار للمسألة عن الشهود من كان عدلا صاحب خبرة بالناس و ان لايكون طماعا و ينبغى ان يكون فقهيا يعرف اسباب الجرح و التعديل وان يكون غنيا وان وجد عالما فقيرا وغنيا ثقة غير عالم او عالما ثقة لايخالط الناس وثقة غير عالم يخالط الناس اختار العالم[2]۔ والله تعالٰى اعلم۔	قاضی کو مناسب ہے کہ گواہوں کی تعدیل کیلئے ایسے لوگوں کو مقرر کرے جو خود عادل اور خبردار ہوں اور وہ لالچی نہ ہوں، بہتر ہے کہ وہ فقہ والے ہوں تاکہ جرح و تعدیل کے اسباب کو پہچانتے ہوں اگر وہ غنی ہوں تو بہتر ہے اگر عالم فقیر ہو اور غنی ثقہ ہو اور عالم نہ ہو یا عالم ثقہ ہو لیکن لوگوں سے میل جول نہیں اور غیر عالم ثقہ ہے اور لوگوں سے میل جول رکھتا ہے تو ان حالات میں عالم کو ترجیح دے۔ والله تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) حق یہ کہ یہ امر رائے قاضی پر مفوض ہے اگر گواہوں پر کوئی بدگمانی ہو تو قاضی پر واجب ہے کہ انہیں جدا جدا ادائے شہادت کا حکم دے مگر دو عورتوں کہ ان کی شہادت مل کر شرعاً بجائے شہادت واحدہ ہے ان میں تفریق نہیں لقولہ تعالٰی "اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحۡدٰىهُمَا الۡاُخۡرٰى"[3] (اللہ تعالٰی کے ارشاد کے مطابق کہ عورتوں میں سے ایک غلطی کرے تو دوسری یاد دلائے۔ ت) اور اگر قاضی کو اطمینان کافی ہو کہ یہ لوگ اہل صدق و

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

دیانت ہیں ہر ایک اپنے علم کے مطابق شہادت دے گا نہ کہ دوسرے کی سنی سیکھی پر تو تفریق کی حاجت نہیں مگر اس زمانے میں ایسا اطمینان شاذ ونادر ہے۔ مبسوط امام محمد پھر محیط عالمگیریہ میں ہے:

اذا ارتاب القاضی فی امر الشهود فرق بینهم ولا یسعه غیر ذٰلک[1]۔	قاضی کو گواہوں کے متعلق شک ہو تو جدا جدا کرکے شہادت لے، اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

(ورجل وامرأتان) ولا یفرق بینهما لقوله تعالٰی "فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى"[2]۔	ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تو عورتوں کو جدا جدا نہ کرے کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا وہ دونوں ایک دوسری کو یاد دلائیں (ت)

رہے وکلاء کے سوالات جرح جس کا حاصل چار طرف سے گھیر کر گھبرا لینا اور سچے کو خواہی نخواہی جھوٹا بنا چھوڑنا ہے یہ سخت بدعت شنیعہ مردودہ ہے اس سے احتراز فرض ہے کہ ہمیں اکرام شہود کا حکم ہے اور یہ خاص اہانت، خطیب وابن عساکر اور مالک نے اپنے جزء میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اکرموا الشهود فان الله یستخرج بهم الحقوق ویدفع بهم الظلم[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	گواہوں کا احترام کرو کیونکہ ان کے ذریعے اللہ تعالٰی بندوں کے حقوق ظاہر فرماتا ہے اور ظلم کو دفع فرماتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۳: از رامپور راج دوارہ مرسلہ عبدالرحمٰن خاں ۱۸/ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید وعمرو نے دعوٰی حصہ موروثی مکانات کا باستثنائے بعض عملہ مکانات کے دائر کیا اور گواہان نے بلا استثنائے عملہ کے مکانات بحیثیت موجودہ کو مملوکہ مورث قرار دیا پس یہ شہادت شہادت علی الزیادۃ ہے یا نہیں۔ دوم یہ کہ جب مدعی نے استثناء کیا اور لکھ دیا کہ فلاں عملہ فلاں کا ہے پس اس کا دعوٰی مدعی کرسکتا ہے یا نہیں۔ سوم یہ کہ شہادت شاہد کی جب بعض مدعا بہا میں مردود عندالقاضی قرار پائے تو باقی میں قابل قبول ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[3] تاریخ بغداد ترجمہ ۳۱۷۷ براہیم بن عبدالصمد دارالکتاب العربی بیروت ۶/ ۱۳۸، تہذیب تاریخ ابن عساکر ترجمہ احمد بن محمد الکلبی دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۵۳

الجواب:

اظہار سائل وملاحظہ فیصلہ متعلقہ مقدمہ سے واضح ہوا کہ مدعیان نے حصہ مکان مدعابہا بذریعہ وراثت سے بعض عملہ اس لئے استثناء کیا کہ وہ خود بناکردہ مدعیان ہے اور بعض اسلئے کہ بعض مدعا علیہم نے بعد موت مورث بنوایا ہے اور اس کے ایک قطعہ سے ۱۲ گز زمین کو بھی استثناء کیا اس لئے کہ وہ خاص احد المدعیین ہے باقی بعد الاستثناء ملک مورثان قرار دے کر اس میں سے اپنے سہام کا دعوی کیا شہود نے جملۃ بلا استثناء مجموع مکان ملک مورثان ہونے کی شہادت دی یہ شہادت ضرور شہادت علی الزیادۃ ہے اور اصلًا قابل قبول نہیں، مدعیان بعض عملہ میں اپنا حق نہیں بتاتے کہ وہ معمول مدعا علیہم ہے اور شہود بلا استثناء جمیع اجزائے مکان میں ان کا حق ثابت کرتے ہیں شہادۃ علی الزیادۃ ہمیشہ مردود ہوتی ہے مگر جبکہ مدعی اپنے دعوی اور شہود کے بیان میں توفیق و تطبیق کردے مثلًا مدعی نے مکان سے ایک کوٹھری کا استثناء کیا تھا شہود نے بلا استثناء شہادت دی مدعی نے تطبیق کی کہ وہ کوٹھری بھی پہلے میری ہی تھی شاہدوں کو اسی وقت کا حال معلوم تھا بعد کو میں نے وہ کوٹھری بیچ ڈالی لہٰذا دعوی سے استثناء کردیا، یہاں بھی اگرچہ توفیق ممکن تھی کہ بعد موت مورث وہ مکان گر گیا اور بعض مدعا علیہم نے اپنے روپے سے تعمیر کیا مگر استحسانًا مکان توفیق کافی نہیں بالفعل توفیق کردینا ضرور ہے اور وہ مدعیوں سے واقع نہ ہوا لہٰذا شہادت نا قابل قبول رہی بلکہ یہاں صرف زبانی دعوی توفیق بھی کافی نہ ہوتا اس پر گواہ دینے ضرور تھے کہ یہ توفیق ایسے امر سے تھی جو صرف ان کی زبان سے ادا ہو سکتا لہٰذا جب شہادت شرعیہ سے توفیق کا ثبوت نہ دیتے مقبول نہ ہوتی اور وہ اصلًا نہ ہوا تو شہادت مذکورہ ضرور مردود ہے، درمختار میں ہے:

الشہادۃ باکثر من المدعی باطلۃ بخلاف الاقل للاتفاق فیہ[1]۔	دعوی سے زائد شہادت باطل ہے جبکہ بالاتفاق دعوی سے کم ہو جائز ہے۔(ت)

فتح القدیر وبحر الرائق میں ہے:

المراد بالموافقۃ المطابقۃ اوکون المشہود بہ اقل من المدعی بہ بخلاف ماذاکان اکثر[2]۔	موافق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شہادت مطابق ہو یا مدعٰی سے کم ہو بخلاف جبکہ زائد ہو(ت)

انہیں میں ہے:

من المخالفۃ المانعۃ ماذا شہدت باکثر، ومن فروعہا دارفی	قبولیت کے لئے مانع وہ مخالفت ہے جو کہ شہادت دعوی سے زائد ہو، اور اس کی تفریعات میں ایک

[1] درمختار باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

[2] بحر الرائق بحوالہ فتح القدیر باب الاختلاف فی الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۳

یدرجلین اقتسماھا وغاب احدھما فادعی رجل علی الحاضران لہ نصف ھذہ الدار مشاعا فشھدوا ان لہ النصف الذی فی یدالحاضر فھی باطلۃ لانھا باکثر من المدعی بہ ولوادعی دارا و استثنی طریق الدخول و حقوقھا ومرافقھا فشھدواانھا لہ ولم یستثنوا شیئا لاتقبل،وکذالو استثنی بیتا ولم یستثنوہ الا اذا وافق فقال کنت بعت ذٰلک البیت منھافتقبل[1]۔	یہ ہے کہ ایک مکان دو حضرات کے قبضہ میں ہے دونوں نے تقسیم کیا اور ایک غائب تھا تو اس نے موجود حاضر فریق پر دعوی کردیا میرا اس مکان میں غیر منقسم حصہ ہے تو گواہوں نے شہادت دیتے ہوئے کہ اس کا نصف وہ ہے جو حاضر موجود کے قبضہ میں ہے تو یہ شہادت باطل ہے کیونکہ مدعی سے زائد ہے(یوں ہی)دعوی مکان ہواور اس دعوی میں داخلہ کے راستہ او دیگر حقوق وسہولیات کا استثناء کیا تو گواہوں نے مکان کی شہادت اس کے حق میں دیتے ہوئے راستہ حقوق اور سہولیات کا استثناء نہ کیا،شہادت مقبول نہ ہوگی اور یونہی مدعی نے حویلی میں سے ایک کمرہ کا استثناء کیا اور گواہوں نے نہ کیامگر مدعی ان کی موافقت میں کہہ دے کہ وہ کمرہ میں نے فروخت کردیا تھاتو قبول ہوگی۔(ت)

نیز بحر میں ہے:

والحاصل انھم اذاشھد واباقل مما ادعی تقبل بلا توفیق وان کان باکثر لم تقبل الااذا وفق،فلوادعی الفافشھدابالف وخمسمائۃ فقال المدعی کان لی علیہ الف وخمسمائۃ الاانی ابرأتہ من خمس مائۃ او قال استوفیت منہ خمس مائۃ ولم یعلم بہ الشھود تقبل وکذافی الالف والالفین ولایحتاج الی اثبات التوفیق	حاصل یہ کہ جب گواہوں نے دعوی سے کم چیز کی شہادت دی تو قبول ہوگی اور موافقت بنانے کی ضرورت نہ ہوگی او راگر زیادہ کی شہادت ہو تو پھر موافقت بنائے بغیر قبول نہ ہوگی مثلًا مدعی نے ہزار کا دعوی کیا گواہوں نے ڈیڑھ ہزار کی شہادت دی مدعی کہہ دے میرا قرضہ اس پر ڈیڑھ ہزار تھا لیکن میں نےاس کو پانچسو معاف کردئے یامیں نے پانچ صد پہلے وصول کرلئے یہ گواہوں کو معلوم نہیں ہوا،تو اب شہادت مقبول ہوگی،ہزار اور دو ہزار میں بھی ایسے ہوگا،موافق بنانے میں گواہی کی

[1] بحرالرائق بحوالہ فتح القدیر باب الاختلاف فی الشھادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۳

بالبینۃ لان الشیئ انما یحتاج الی اثباته بالبینة اذا کان سببا لایتم بدونه ولا ینفرد باثباته کما اذا ادعی الملك بالشراء فشهد الشهود بالهبة فان ثمة یحتاج الی اثباته بالبینة، اماالابراء فیتم به وحده ولو اقربا لاستیفاء یصح اقراره ولا یحتاج الی اثباته لکن لابدمن دعوی التوفیق هنا استحسانا والقیاس ان التوفیق اذاکان ممکنا یحمل علیه وان لم یدع التوفیق تصحیحا للشهادة وصیانة لکلامه وجه الاستحسان ان المخالفة بین الدعوی والشهادة ثابتة صورة فاذاکان التوفیق مرادا تزول المخالفة و ان لم یکن مرادا لاتزول بالشك فاذاادعی التوفیق ثبت التوفیق وزالت المخالفة وذکر الشیخ الامام المعروف بخواهر زاده ان محمدا شرط فی بعض المواضع دعوی التوفیق ولم یشترط فی البعض وذاك محمول علی مااذا ادعی التوفیق اوذاك جواب القیاس فلابدمن دعوی التوفیق[1]۔

ضرورت نہیں کیونکہ کسی چیز کو گواہی سے ثابت کرنے کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ وہ ایسا سبب ہو جس کے بغیر چیز تام نہ ہو اور وہ اکیلے ثابت نہ ہوسکے جیسا کہ مدعی نے خریداری کے ذریعے ملک کا دعوٰی کیا اور گواہوں نے ہبہ کے ذریعے ملک ثابت کی تو ایسی صورت میں اس کے اثبات کے لیے گواہی کی ضرورت ہے لیکن بری کرنا ایسی چیز ہے جو اکیلے بغیر سبب تام ہو جاتی ہے اور اگر وصولی کا اقرار کرتا ہے تو اقرار صحیح ہے اس کے اثبات کی ضرورت نہیں ہے تاہم اس کے ساتھ موافقت کا دعوٰی بطور استحسان ضروری ہے جبکہ قیاس میں یہی ہے کہ اگر توفیق ممکن ہو تو اس پر محمول کرینگے اگرچہ توفیق کا دعوٰی نہ بھی ہو تاکہ شہادت صحیح ہوسکے اور کلام غلط نہ ہوسکے استحسان کی وجہ یہ ہے کہ دعوٰی اور شہادت میں صورتًا مخالفت ثابت ہے تو اگر توفیق مراد بنے تو مخالفت زائل ہوگی، اور اگر وہ مراد نہ ہو تو مخالفت زائل نہ ہوگی، مراد ہونے نہ ہونے میں شک کی وجہ سے مخالفت ختم نہ ہوگی تو جب موافقت کا دعوٰی ہوگا تو مخالفت ختم ہوجائے گی اور توفیق ثابت ہوجائے گی، اور شیخ امام المعروف خواہر زادہ نے ذکر فرمایا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے بعض جگہ پر موافقت کے دعوٰی کو بیان فرمایا ہے اور بعض جگہ اس کو بیان نہیں کیا اور اس کو دعوٰی موافقت پر محمول کیا جائے گا یا اس کو قیاس کا جواب قرار دیا جائیگا لہٰذا دعوٰی موافقت ضروری ہے۔

[1] بحرالرائق باب الاختلاف الشهادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۴

مدعی جب ایک چیز کا دوسرے کے لئے اقرار کرچکا اب اپنے لئے دعوی نہیں کرسکتا لاجل التناقض (تناقض کی وجہ سے۔ت) شہادت جب بعض میں مردود ہو کل میں مردود ہے مگر آٹھ مسائل مذکورہ شروح اشباہ میں **اقول:** **وباللہ التوفیق** (میں کہتا ہوں توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ان کا محصل یہ کہ شہادت کو اگر دو چیزوں سے تعلق ہے ایک میں وہ نصاب کامل ہے دوسرے میں نہیں یا ایک میں تہمت سے دوری ہے دوسرے میں نہیں یا ایک پر شاہدوں کو ولایت شہادت ہے دوسرے پر نہیں تو جہاں نصاب کامل ولایت حاصل تہمت زائل ہے اتنے میں مقبول ہوگی دوسرے میں مردود۔ در مختار میں ہے:

الشہادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل الا فی عبد بین مسلم ونصرانی فشھدنصرانیان علیھما بالعتق قبلت فی حق النصرانی فقط اشباہ۔ قلت وزاد محشیھا خمسۃ اخری معزیۃ للبزازیۃ[1] اھ وراجع للسبع البواقی ردالمحتار وما علقنا علیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب بعض چیز میں شہادت باطل ہو تو کل چیز میں باطل ہوجائے گی مگر ایک صورت میں کہ غلام مسلمان اور نصرانی کا مشترکہ ہو تو دو نصرانیوں نے گواہی دی کہ انہوں نے غلام آزاد کردیا ہے تو ان کی شہادت فقط نصرانی کے متعلق قبول ہوگی، اور اس کے محشّٰی نے پانچ صورتوں کا اس پر اضافہ کیا ہے جن کو انہوں نے بزازیہ کی طرف منسوب کیا ہے اھ، اور باقی صورتوں کے لئے ردالمحتار اور اس پر ہمارے حاشیہ کی طرف رجوع کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۴: از رامپور مرسلہ نظام علی خان ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

فردوس بیگم مدعیہ کا دعوی ہے کہ مکان محدودہ مندرجہ عرضی دعوی سعیدی بیگم نے بدست مدعیہ عوضی اماصہ / کے بتاریخ یکم فروری ۱۹۰۰ء بیع قطعی کیا مدعیہ نے بہ قبول بیع صہ / بیعانے کے مدعا علیہا مذکور کو دئے اور باقی روپے کا دینا یکم مارچ ۱۹۰۰ء کو وقت تصدیق و تکمیل بیعنامہ ٹھہر البعدہ مہ عہ ۲/ مدعی علیہا نے بعد کو مدعیہ سے لے کر مطالبہ سرکاری میں ۲۰/ فروری ۱۹۰۰ء کو داخل عدالت کئے، مدعی علیہا نے حسب وعدہ تکمیل بیعنامہ نہیں کرایا اور بلا بزادی قیمت مکان مذکور بدست عباسی عباسی بیگم وغلام محمد خاں فروخت کرڈالا بدہانید اماصہ عہ ۱۴/ بقیہ زر ثمن تکمیل و تصدیق بیعنامہ مدعا علیہا سے کرادی جائے اور دخل مدعیہ کا مکان متنازعہ پر کرادیا جائے سعیدی بیگم مدعا علیہا کو بیع کرنے مکان اور لینے صہ / بیعنامہ اور مہ عہ ۲/

[1] درمختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

مندرجہ دعوی سے قطعی انکار ہے منجانب مدعیہ جو گواہ ثبوت دعوی میں گزرے ہیں ان میں سے نظام علی خاں گواہ نے بیان کیا کہ عرصہ تخمیناً ڈیڑھ سال کا ہوا بوقت چار گھڑی دن رہے سعیدی بیگم زوجہ عبدالرشید خاں مدعا علیہا نے مکان متنازعہ کہ متصل مکان مظہر کے ہے بدست فردوس بیگم مدعیہ ائما صہ/ کا بیع کیا مدعا علیہا نے کہا میں نے اماصہ/ کو فردوس بیگم کے ہاتھ مکان بیچا اور مدعیہ نے کہا کہ میں نے قبول کیا اسی وقت صہ/ بیعانہ کے بذریعہ بھورے میاں مدعیہ نے مدعا علیہا کو دیئے اور باقی روپے کے نسبت وقت رجسٹری دستاویز بمدت یک ماہ دینا قرار پایا تھا یہ واقعہ پہلی تاریخ انگریزی مہینے کے ہوا تھا اس کے کوئی ۲۵ دن کے بعد مدعا علیہا مذکور نے اپنے ماموں مسمّٰی ابراہیم خاں کو بمکان مظہر بھیجا مدعیہ اس وقت میرے مکان پر مہمان تھی ابراہیم خان نے مدعیہ سے میری معرفت کہلا بھیجا کہ سعیدی بیگم نے تم کو بلایا ہے چلو اور (☆☆۲/) بھی لے چلو کہ وہ عدالت میں بابت کورس داخل کرینگی چار پانچ دن میں بیعنامہ تصدیق ہوگا تو یہ (☆☆۲/صہ/) بیعانہ زر ثمن میں محسوب ہونگے چنانچہ فردوس بیگم گئی اور (☆☆۲/) لے گئی تھی مجھ کو اپنے بھانجے احمدینی عرف پیارے کے ہمراہ لے گئی تھیں چنانچہ بمواجہہ پیارے مدعیہ نے وہ (☆☆۲/) حسب الطلب سعیدی بیگم کو دے دئے اور مدعا علیہا نے داخل عدالت کردئے نشان دہی مکان متنازعہ کی کردوں گا، مولوی ارشد علی گواہ عرف بھورے میاں کا بیان ہے کہ مجھے تخمیناً یاد ہے کہ عرصہ تخمیناً ڈیڑھ سال کا ہوا ہے کہ صبح کے وقت نظام علی خان میرے پاس آئے تھے کہ فردوسی بیگم کی طرف سے یا ہاجرہ فردوسی بیگم دونوں کی طرف سے اس قدر بھول گیا ہوں بیعنامہ مکان کا دینا چاہتا ہوں مظہر کو اول سے علم تھا کہ مکان کی یعنی مکان متنازعہ کی بیع ہوتی ہے چنانچہ بمکان سعیدی بیگم مظہر نظام علی خان علی احمد خاں گئے عورتیں اندر مکان کوٹھے میں ہوگئیں ہم جاکر چارپائیوں پر بیٹھ گئے مظہر نے آواز دے کر کہا کہ نظام علی خاں فردوسی بیگم کی طرف سے بیعنامہ دیا چاہتے ہیں چونکہ سعیدی بیگم اندر کوٹھے کے تھیں اور سعیدی بیگم کی بہن اور ماں بھی تھیں اس وجہ سے میں نے اپنے ذہن میں سعیدی بیگم سے مخاطب ہوکر کہا کہ مکان بیچتی ہو اندر سے آواز آئی بیچتی ہوں، یہ نہیں یاد کہ کس نے جواب دیا، میں نے اندر ہاتھ بڑھا کہ صہ دے دئے، نہیں معلوم کس نے اپنے ہاتھ میں بیعانہ لیا اور عورات اندر تھیں مگر مجھے معلوم نہیں کون تھیں، علی احمد خاں جس کی موجودگی وقت ایجاب وقبول نظام علی خاں گواہ نے بیان کی ہے وہ اپنے مکان میں نسبت ایجاب وقبول یا بیع مکان متنازعہ کچھ بیان نہیں کرتا، احمد نبی خاں گواہ مدعیہ لکھتا ہے کہ عرصہ ڈیڑھ سال کا ہوا کہ سعیدی بیگم زوجہ عبدالرشید خاں نے مکان متنازعہ بدست فردوس بیگم مدعیہ بقیمت (ائما☆) بیچا تھا اور مدعا علیہا مذکور نے کہا تھا کہ میں نے اپنا مکان (ائما☆/) کو فردوس بیگم کے ہاتھ بیچا اور مدعیہ نے کہا کہ میں نے قبول کیا اور پانچ روپے بیعانہ کے

بھورے میاں کے ہاتھ سے سعیدی بیگم کو مدعیہ نے دئے تھے اور جس وقت علی احمد خاں و بھورے میاں آئے تھے تو سعیدی بیگم دالان میں بیٹھی رہی تھیں اور مدعیہ کوٹھری میں ہو گئی تھیں بھورے میاں کے سامنے گفتگو بیع وشراء کی ہو کر (صہ/) بیعانہ کے دئے گئے اور دو مرتبہ گفتگو بیع وشراء ہوئی تھی مدعیہ نے کہا تھا کہ بھورے میاں کے ہاتھ میں بیعانہ دلوادوں گی اور گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ سوال علمائے دین و مفتیان شرع متین سے یہ ہے کہ بیانات گواہان مندرجہ بالا سے بموجودگی اپنے وقت بیع وشراء کے درمیں متعاقدین ظاہر کرتے ہیں آیا بیع وشرا مکان متنازعہ کی باہم متعاقدین شرعًا واقع ہو گئی کہ قابل نفاذ ہے یا نہیں ہوئی، موافق مسائل شرعی کے حسبةً ﷲ جواب عنایت فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نظام علی خاں واحمد نبی خاں عرف پیارے خاں گواہان مدعیہ کا بیان ذکر ایجاب وقبول متعاقدین پر بھی شامل ہے اور سعیدی بیگم کے اقرار بالبیع پر بھی ان دونوں سے جو بات ہوئی شہادت میں لئے جانے کے لئے کافی ہے بیعانہ وغیرہ امر فضول ہے جسے بیع سے کچھ تعلق نہیں، بھورے میاں گواہ مدعاعلیہاکا بیان محض مختل مہمل ہے، دونوں گواہان مدعیہ اگر جامع شرائط شہادت ہیں ان کا بیان حاکم مجوز کے سامنے حسب شرائط ہولیا ہے تو بیع بنام فردوس بیگم ضرور ثابت ہے، باقی روداد مقدمہ مذکورہ سوال بھی مدعیہ کی مؤید ہے، میری رائے میں بصورت مذکورہ فیصلہ بحق مدعیہ ہونا لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۵: از رام پور بازار نصر اللہ خاں مرسلہ فدا علی خان صاحب ۱۳/ذی القعدہ ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مکان کے کوچہ غیر نافذہ میں دروازہ جدید دوسرا عمرو کے حق مرور کی طرف منجانب اسفل جس طرف زید کے واسطے شرعًا حق مرور نہ تھا برآمد کیا ہے اور عمرو اس فتح باب کا مانع ہے پس وہ احداث شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ اور عمرو کو منع کرنا پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں قول معتمدہ وظاہر الروایۃ مفتی بہا واجب العمل یہی ہے کہ زید کو اس دروازہ جدید کا احداث جائز نہیں عمرو کو حق منع حاصل ہے،

فی ردالمحتار لو اراد فتح باب اسفل من بابہ والسکۃ غیر نافذۃ	ردالمحتار میں ہے کہ اگر کوئی شخص بند گلی میں اپنے دروازہ سے نچلی جانب دروازہ یا کھڑکی کھولنا چاہے

یمنع منه وقیل لا،وفی کل من القولین اختلاف التصحیح والفتوی قال فی الخیریة والمتون علی المنع فلیکن المعول علیه[1] اھ ورأیتنی کتبت علی ھامشه مانصه فقد نقل فی جامع الفصولین ان له ذلك مطلقًا وعلیه الفتوی ونقل فی الخیریة عن التتارخانیة عن العتابیة انه لیس له ذٰلك وعلیه الفتوی وھو الذی صححه فی الخانیة قال فی الخیریة ومثله فی کثیر من کتب المذھب قال وھو ظاھر الروایة کما صرح به فی جامع الفصولین فلیکن المعول علیه اھ قلت کیف لاوقد نصوا ان الفتوی متی اختلف رجح ظاھر الروایة کما فی البحرالرائق وغیرہا وصرحوا ان قاضی خان فقیه النفس لایعدل عن تصحیحه کما فی غمز العیون وغیرہ واطبقوا ان التقدیم للمتون لانہا الموضوعة لنقل المذھب کما فی الدر وغیرہ فقد ترجح بوجوہ[2]،واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	تو اس کو منع کیا جائے اور بعض نے کہا منع نہ کیا جائے اور دونوں اقوال میں فتوٰی اور تصحیح کا اختلاف ہے، خیریہ میں کہا کہ متون منع پر وارد ہیں اور اس پر ہی اعتماد چاہئے اھ مجھے اس پر اپنا حاشیہ یاد ہے کہ جس کی عبارت یہ ہے کہ جامع الفصولین میں منقول ہے کہ اس کو مطلقًا یہ اختیار ہے اور اسی پر فتوٰی ہے،اور خیریہ میں تاتارخانیہ سے اور وہاں عتابیہ سے منقول ہے کہ اس کو اختیار نہیں ہے اور اس پر فتوٰی ہے اور اسی خانیہ میں ترجیح ہے خیریہ میں فرمایا کہ اکثر کتب میں اسی طرح ہے اور کہا یہ ظاہر الروایۃ ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے تو اس پر اعتماد چاہیے، میں کہتا ہوں یہ کیونکر نہ ہو کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب فتوٰی میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایہ کو ترجیح ہوتی ہے جیسا کہ بحرالرائق وغیرہ میں ہے،اور یہ بھی انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ چونکہ قاضی خان فقیہ النفس ہیں لہٰذا اس کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے گا جیسا کہ غمز العیون وغیرہ میں ہے،اور سب کا اتفاق ہے کہ متون کو اولیت ہے کیونکہ وہ مذہب کو بیان کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں جیسا کہ در وغیرہ میں ہے تو یہ کئی وجوہ سے ترجیح یافتہ ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۰

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

انصح الحکومۃ فی فصل الخصومۃ ۱۳۲۱ھ

(جھگڑا ختم کرنے کے لئے خالص ترین فیصلہ)

مسئلہ ۶۲: فیصلہ نالش تجویز حکیم عبدالعزیز بیگ پنچ مقبول متخاصمین ازروئے اقرار نامہ مورخہ ۵/ذی القعدہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۴/فروری ۱۹۰۳ء

سید محمد افضل صاحب ولد سید محمد امیر علی صاحب مختار مرحوم ساکن بریلی متصل جامع مسجد بریلی مدعی سید محمد احسن صاحب ولد سید محمد امیر علی صاحب مختار مرحوم وسید افضال حسین صاحب ولد سید محمد افضل صاحب مذکور ساکنان محلّہ مذکورہ مدعا علیہما دعوی توفیر موضع جگت پور پرگنہ تحصیل وضلع بریلی محال زردو معافی واقع جگت پور مذکور محال سبز وسفید ومفروقہ واقعہ جگت پور محال سفید و کھنڈ سار موضع جگت پور مذکور مع منافع کھنڈ سار مذکور از اپریل ۱۸۹۸ء لغایت دسمبر ۱۹۰۲ء وبقایائے توفیر مذکور و کھنڈسار مذکور ذمہ اسامیان بابت مدت مذکور لغایت مارچ ۱۹۰۳ء بصیغہ قرض وادنی داموررداس وغیرہ و تقسیم پنج قطعہ مکانات محدودہ ذیل واقعہ محلّہ مذکور وسرمایہ مکان محدود ذیل نمبرا بابت مدت مذکور واثاث البیت متروکہ پدری،

نمبر ۱	نمبر ۲	نمبر ۳	نمبر ۴	نمبر ۵
مکان مسکونہ شرقی غربی مکان ۲ مکان ۲ عبدالکریم خاں بدست فریقین جنوبی کوچہ نافذہ شمالی اراضی منسوبہ بنام سید احمد حسین ابن سید نثار الدین حسین	مکان جبیعہ محمد حسین وغیرہ بدست والدہ فریقین و اشخاص دیگر و جبیع باقی شرکاء بدست فریقین شرقی غربی مکان ۳ مکان ۱ جنوبی مکان سید اکرام علی ولد سید کرامت علی شمالی اراضی مذکور سید رضا حسین پربھودیال	مکان تین ربع مرہون سید غازی الدین بنام فریقین ویک ربع جبیع سید احمد حسین بنام سید امیر حسن و سید افضال پسران مدعی و احمدی بیگم زوجہ مدعا علیہ شرقی غربی مکان پربھودیال مکان ۲ جنوبی شمالی مکان اراضی سید اکرام علی پربھودیال و سید کرامت علی و سید نظام علی	مکان مرہون عبدالکریم خاں زد محمد احسن مدعا علیہ و پسران مدعی شرقی غربی مکان ۱ شاہراہ جنوبی شمالی کوچہ نافذہ مکان ۵ و مکان منسوبہ بنام مدار طوائف	مکان جبیعہ احمد حسین صاحب بنام سید محمد احسن و پسران مدعی شرقی غربی مکان احمد حسین شاہراہ معروف بنام مدار طوائف جنوبی شمالی مکان ۴ مرور ایں مکان و مکان مدار طوائف مذکور

ہر سہ فریق مذکورین نے بروئے اقرار نامہ مورخہ ۵/ذی القعدہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۴/فروری ۱۹۰۳ء کو واسطے تصفیہ نزاعات مسطورہ بالاکے برضائے خود ہاپنج مجاز وماذون مقرر کیا مقدمہ بحاضری ہر سہ فریق مذکورین ہمارے سامنے پیش ہوا سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور نے سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ مسطور پر دعوی کیا کہ موضع جگت پور ومعافی ومفروقہ مذکوران اور کھنڈ سار موضع جگت پور مع جملہ اسباب بیل وغیرہ مثل کرہاآہنی وغیرہ میرے اور ان سید محمد احسن مدعا علیہ کے شرکت بالمناصفہ میں ہے اوائل ۱۸۹۸ء تک میں اور مدعا علیہ مذکور بشرکت اکجائی کام کرتے رہے اپریل ۱۸۹۸ء سے میں پیلی بھیت چلاگیا جب سے مجھے توفیرات مذکورہ ومنافع کھنڈ سار مذکور نہ ملی بروئے حساب مجھے ان سید محمد احسن مدعا علیہ سے دلائی جائے اور جو بقایا ذمہ اسامیان وغیرہ ہے بابت توفیر جگت پور معافی و مقروضہ کھنڈ سار جگت پور مذکورات ہو ااس کے نصف میں میرے استقرار حق کاحکم کیا جائے اور اثاث البیت متروکہ والد جس کی فہرست پیش کرتا ہوں ان سید محمد احسن کے قبضہ میں ہے نصف اس سے مجھ کو دلایا جائے

مکانات محدودہ بالا میں بذریعہ وراثت پدری ومادری وبیع ورہن میرا اور ان سید محمد احسن کا بالمناصفہ چاہئے دستاویزوں میں سید افضال حسین وسید امیر حسن مرحوم پسران مدعی واختری بیگم زوجہ محمد احسن مذکور کا نام فرضی ہے سوامکان نمبر ا کے کہ اس میں اراضی کا کچھ حصہ خرید کردہ والد ہے اور زیادہ حصہ میری نانی صاحبہ ولایتی بیگم کے والد میر سید محمد صاحب کا خرید کردہ ہے ان کے تین وارث ہوئے: سید نثار الدین حسین پسر اور ولایتی بیگم ولالہ بیگم دختران، اس میں سے نانی صاحبہ ولایتی بیگم نے اپنے حصہ کا ہبہ نامہ میری والدہ سردار بیگم کے نام لکھ دیا اور سید نثار الدین حسن صاحب نے اپنے حصہ کا ہبہ نامہ میرے اور سید محمد احسن کے نام لکھا لالہ بیگم دختران کا جس قدر حصہ اراضی میں تھا اس کا ہبہ نامہ سید محمد احسن کے نام لکھا گیا اور تعمیر اس کی کل والد صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے کی ہے مکانات مذکورہ تقسیم یکجائی کردی جائیں کہ نزاع نہ رہے کمی بیشی بجائے قسمت روپیہ سے پوری کردی جائے مکان نمبر ۵ کرایہ پر رہا جس قدر زر کرایہ حاصل ہوا اس کا حساب ان سید محمد احسن سے لے کر میرا نصف ان سید محمد احسن سے مجھے دلایا جائے، سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ مذکور نے بیان کیا کہ کھنڈ سار جگت پور تنہا میں نے کی ان سید محمد افضل کی اس میں کوئی شرکت نہیں مکان نمبر ا کا ہبہ نامہ میرے نام ہے اس کا تنہا مالک میں ہوں، مکان نمبر ۲ میں ان سید محمد افضل صاحب کی شرکت تسلیم ہے نیز یہ مکان نمبر ۳ میں بقدر اپنے حصہ کے شریک ہیں مکان نمبر ۴ وہ میری خرید کئے اور بنائے ہوئے ہیں مگر نام افضال حسین وامیر حسن کا بھی درج ہے تقسیم مکانات یکجائی بروئے معاوضہ کمی بیشی جس طرح مجوز کی رائے میں مناسب ہو مجھے منظور ہے اثاث البیت متروکہ پدری جو میرے پاس ہے اس کا نصف ان سید محمد افضل صاحب کو دے دیا جائے اور جو کچھ ان سید محمد افضل صاحب کے پاس ہے اس کا نصف مجھے دلایا جائے، سید افضال حسین مدعا علیہ مذکور نے بیان کیا کہ مکان نمبر ۴ کے سوا کل مکانات متنازعہ میرے دادا سید اکبر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے خریدے ہیں اور رہن لئے ہیں اور جس جس کو جتنا دینا منظور تھا اس کا نام بیعنامہ ورہن نامہ میں درج کرادیا، مکان نمبر ۴ میرے حصہ کے قدر میرا مرہونہ ہے کہ بعد انتقال سید امیر علی صاحب رہن لیا، مکان نمبدر ۳ کی نسبت دونوں مدعا علیہما نے بیان کیا کہ یہ مکان سید امیر علی صاحب نے ہماری خالہ زاد بہن، پھوپھی قادری بیگم بنت سید نجم الدین احمد زوجہ سید وارث علی کو ہبہ کردیا تھا اس میں جگت پور کی کھنڈ سار ہوتی تھی اور اب بھی مکان خالی کرکے قبضہ نہ دلایا مگر چالیس روپیہ مجھ سید محمد احسن نے قادری بیگم مذکورہ کو دئے سید محمد احسن صاحب مذکور نے توفیر ومنافع کھنڈ سار وکرایہ مکان وبقایان مذکوران کا حساب مطلوب من ابتدائے یکم نومبر ۱۸۹۸ء لغایت ۳۰/نومبر ۱۹۰۲ء جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اور قرضہ دامودر داس ہم فریقین پر تمام وکمال بالمناصفہ تھا اور ہے اگرچہ پانچسو روپیہ کا رقعہ بنام دامودر داس تنہا میرے نام سے تحریر ہوا سید محمد احسن اب اس سے انکار کرکے مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، انصافاً بعد تحقیقات اس کا نصف بھی

ان سید محمد احسن صاحب پر ڈالا جائے۔

آمدنی ۵ سالہ		خرچ ۵ سالہ	
از کھنڈسار جگت پور	[illegible]	نقصان کھنڈسار ابھی پور نوپیا	[illegible]
از توفیر جگت پور	[illegible]	نقصان کھنڈسار پالسو کمالپور	[illegible]
کرایہ مکان ۵	[illegible]	خرید اراضی محمد ولی جان	[illegible]
بقایا ذمہ اسامیان موضع جگت پور بابت کھنڈسار و دیہہ مع مکان وغیرہ	[illegible]	مرمت جملہ مکانات سوائے مکان ۴	[illegible]
		قرضہ سابق بموجودگی سید محمد افضل صاحب	[illegible]
		عیدین	[illegible]
		خیرات و نیاز	[illegible]
		خوراک خانہ	[illegible]

نیز سید محمد احسن صاحب نے بیان کیا کہ مبلغ (☆/) معرفت شیخ تصدق حسین صاحب اور (☆☆/) معرفت سید فرحت علی صاحب اور تخمیناً دس پندرہ متفرق اس پانچ سال میں میرے پاس سے ان سید محمد افضل صاحب کو پہنچے ہیں جو اسی گوشوارہ خرچ میں کہ پیش کیا گیا ہے مندرج ہیں فقط ہر حساب سید محمد افضل صاحب کو دکھایا گیا انہوں نے (☆/) معرفت شیخ تصدق حسین صاحب اور (☆☆/) معرفت سید فرحت علی صاحب پانا قبول کیا اور باقی متفرق کو فرمایا مجھ کو یاد نہیں اور گوشوارہ مذکورہ کے رقوم کی نسبت سید محمد احسن صاحب سے حلف چاہا اور وجوہ خرچ میں عذر کیا کہ انصافاً جو اس میں میرے ذمہ ہونا چاہئے میرے یافتی سے مجرا ہوجائے باقی سے میں بری کیا جاؤں ان سید محمد احسن صاحب حسب الطلب جملہ رقوم آمد وخرچ گوشوارہ پر حلف کرلیا سید محمد احسن صاحب وسید افضال حسین صاحب مدعا علیہما مذکورین نے دفع دعوی سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور میں نسبت مکانات سات دستاویزیں مفصلہ ذیل سنداً پیش کیں:

متعلق مکان ۱

۱ ہبہ نامہ از لالہ بیگم زوجہ سید برکات علی وسید محمد شاہ ولد میر بادشاہ بنام سید محمد احسن مذکور

مورخہ ۲۸ جون ۱۸۸۰ء

متعلق مکان ۲

۲ بیعنامہ اراضی و دروازہ از محمد حسین ولد خیراتی بنام سردار بیگم والدہ فریقین وسید اکرام علی وغیرہ

مورخہ ۱۰ جون ۱۸۶۷ء

بیعنامہ اراضی از سید اکرام علی وغیرہ بنام فریقین

مورخہ ۳۰ جون ۱۸۷۷ء

متعلق مکان ۳

۴ رہن نامہ رجسٹری شدہ میعادی ۲۵ سال بطور بیع الوفاء از سید غازی الدین حسین ولد سید نثار الدین حسین بنام فریقین بابت سہ ربع مکان مذکور

مورخہ ۲۲ جون ۱۸۸۱ء

[۵]بیعنامہ از سید احمد حسن ولد سید نثار الدین حسین بنام سید امیر حسن وسید افضال حسین پسران سید محمد افضل مدعی واحمدی بیگم زوجہ سید محمد احسن مدعا علیہ بابت کل ربع باقی مکان مذکور مورخہ ۱۰/جون ۱۸۸۴ء متعلق مکان نمبر ۴ [۶]رہن نامہ بعوض (ما ☆) از عبدالکریم خاں کنبوہ نصف مکان بدست سید محمد احسن مذکور	ونصف بدست سید امیر حسن وسید افضال حسین مذکوران مورخہ ۴/جون ۱۸۹۴ء متعلق مکان نمبر ۵ بیعنامہ اراضی مع خشب وبناء عـــہ نصف بنام سید محمد احسن مذکور نصف بنام سید امیر حسن وسید افضال حسین مذکوران مورخہ ۱۰/نومبر ۱۸۸۴ء

یہ سب دستاویزیں سید محمد افضل مدعی کو دکھائی گئیں سید محمد افضل سید محمد مدعی نے ان کی تصدیق فرمائی مگر دستاویز نمبر۵ونمبر۶ونمبر۷متعلقہ مکان نمبر۳ونمبر۴ونمبر۵میں سید امیر حسین وسید افضال حسین واحمدی بیگم کے نام فرضی بتائے اور کہا کہ ایک ربع مکان نمبر۳واراضی مکان نمبر۵سید امیر علی صاحب والد فریقین نے خریدکیں اور مکان نمبر۵کی تعمیر بھی انہیں کی دستاویزوں میں اور ناموں کے اندراج سے ان کا مقصود ایک نہیں دونوں بھائیوں کو دینا تھا جسے مختلف صورتوں میں ظاہر کیا کبھی ہم دونوں بھائیوں کے نام درج فرمائے جیسے دستاویز نمبر۳ونمبر۴میں کبھی میری جگہ میرے بیٹوں کے جیسے دستاویز نمبر۷میں ولہٰذا نصف میں سید محمد احسن کا نام ہوا اور نصف میں میرے دونوں بیٹوں کا کہ حقیقۃً ہم دونوں بھائیوں کو بالمناصفہ کرنا مقصود تھا کبھی میری جگہ میرے بیٹوں سے اور سید محمد احسن کی جگہ ان کی زوجہ احمدی بیگم کا جیسا دستاویز نمبر۵میں دستاویز نمبر۶بعد انتقال والد صاحب مرحوم تحریر ہوئی اور اسی طریقہ جاریہ پر میری جگہ میرے بیٹوں کے نام لکھے گئے زر رہن خالص میرا اور سید محمد احسن کا تھا امیر حسن اور افضال حسین کا اس میں کچھ نہ تھا اس کی تعمیر میرے اور محمد احسن کے مشترک روپیہ سے ہوئی۔ مکان نمبر۱کی دستاویز ہبہ نامہ کل مکان مذکور سے متعلق نہیں لہٰذا واہبان نے خود حقوق کا لفظ لکھا ہے اس کے متعلق دو ہبہ نامہ اور ہیں ایک از جانب ولایتی بیگم بنام سردار بیگم والدہ فریقین دوسرا از جانب سید نثار الدین حسین بنام فریقین یہ دونوں کاغذ سید محمد احسن کے پاس ہیں اس مکان کی عمارت بھی والد صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے بنوائی ہے۔

عـــہ: اصل میں صاف پڑھا نہ گیا اندازہ سے بنادیا۔

تنقیحات ذیل قائم

(۱) آیا مکان نمبر ا میں بذریعہ ترکہ مادری یا تعمیر پدری یا ہبہ نامہ سید نثار الدین حسین بنام فریقین سید محمد افضل صاحب مدعی کا کون حق ہے؟

(۲) آیا مکان نمبر ۳ سید امیر علی صاحب مرحوم نے قادری بیگم مذکور کو ہبہ کیا اور اگر کیا تو اس کا کیا اثر ہے؟

(۳) آیا مکان نمبر ۳ و نمبر ۴ و نمبر ۵ میں سید افضال حسین ایک فریق مقدمہ کا کوئی حق ہے؟

(۴) ان تینوں مکانوں میں سید محمد افضل صاحب کو حق مرتہنی حاصل ہے، اگر ہے تو کس قدر؟

(۵) آیا کھنڈسار جگت پور خالس سید محمد احسن صاحب کی ہے سید محمد افضل صاحب کی اس میں شرکت نہیں؟

(۶) مدات خرچ پیش کردہ مدعا علیہا کیا کیا رقم ذمہ سید محمد افضل صاحب ہونا چاہئے؟

(۷) اثاث البیت متروکہ سید امیر علی صاحب مرحوم فریقین کے قبضہ میں کیا کیا ہے اور اس کی تقسیم کیونکر چاہئے؟

(۸) مکانات کی تقسیم یکجائی کس طرح ہونا مناسب ہے؟

(۹) آیا (صما ۵۰۰/) قرضہ دامودرداس بابت رقعہ محررہ سید محمد افضل تنہا ذمہ سید محمد افضل صاحب ہے اور باقی قرضہ فریقین پر کس قدر ہے؟

(۱۰) بقایا مندرجہ گوشوارہ مذکورہ میں سید محمد افضل صاحب کا حصہ کس قدر ہے؟

تجویز: (۱) مکان نمبر ا کی نسبت سید محمد افضل صاحب مدعی کا دعوی قطع نظر اس سے کہ محض غیر معین تھا مدعی مذکور نے کوئی شہادت خواہ کوئی دستاویز اپنے مفید پیش نہ کی سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کو کوئی ہبہ نامہ اس مکان کے کسی جز کا از جانب ولایتی بیگم بنام سردار بیگم والدہ فریقین یا از جانب سید نثار الدین حسین بنام فریقین لکھا جانا تسلیم ہے مدعی مذکور نے صرف اپنے ماموں سید محمد شاہ صاحب خلف سید میر بادشاہ صاحب کے بیان پر (کہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے ماموں اور خسر بھی ہیں) حصر رکھا۔ سید محمد شاہ صاحب مذکور بوجہ امراض معذور ہیں اور اس مکان نمبر ا میں اپنی دختر و داماد سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے پاس رہتے ہیں مجوز نے مکان مذکور میں جاکر ان کا اظہار لیا، سید محمد شاہ [عہ]

عہ: تحریر نمبر ۸ شامل مسل ہے ۱۲۔

صاحب مذکور نے بیان کیا کہ یہ مکان جس میں اس وقت موجود ہوں میرے نانا میر سید محمد صاحب کا تھا ان کے صرف تین وارث ہوئے: میری والدہ ولایتی بیگم اور خالہ لالہ بیگم اور ماموں سید نثار الدین حسین، ان ماموں صاحب نے اپنا حصہ یعنی نصف مکان مذکور اپنی دونوں بہنوں میری والدہ وخالہ کو ہبہ بلا تقسیم کردیا ان ماموں صاحب کے بیٹوں سید غازی الدین حسین وسید احمد حسین نے اب تک کوئی تعرض نہ کیا میری تینوں بہنوں سردار بیگم والدہ سید محمد افضل وسید محمد احسن اور برکاتی بیگم وآبادی بیگم نے اپنی والدہ ولایتی بیگم سے پہلے وفات پائی، ولایتی بیگم مذکور کا میں تنہا وارث ہوں، بعد انتقال والدہ میں اور میری خالہ لالہ بیگم نصف نصف اس تمام مکان کے مالک ہوئے ہم دونوں مالکان مکان مذکور نے یہ مکان تمام وکمال ان سید محمد احسن کو ہبہ کردیا تعمیر کی نسبت کہا میں اس وقت یہاں نہ تھا میری والدہ زندہ تھیں یہ میرے علم میں نہیں کہ میری والدہ کے روپے سے بنا، یا سید امیر علی کے روپے سے تعمیر ہوا، ظاہر ہے کہ ان گواہ کے بیان میں کوئی لفظ مفید مدعی نہیں البتہ دستاویز مذکورہ کے تینوں فریق مقدمہ کے مصدقہ ومسلمہ ہیں اس میں سے دستاویز نمبر ۲ میں مکان نمبر ۲ کی حد غربی میں کہ یہی مکان نمبر ایک ہے سردار بیگم زوجہ سید امیر علی کا نام لکھا ہے اور دستاویز نمبر ۶ میں مکان نمبر ۴ کی حد شرقی میں کہ یہی مکان نمبر ا ہے مکان محمد احسن مرتہن ومحمد افضل بیگ پر ایک قرینہ ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ۱۸۶۷ء تک یہ مکان نمبر ا سردار بیگم والدہ فریقین کی طرف منسوب تھا اور ۱۸۹۴ء میں فریقین کی طرف مضاف ہوا مگر قطع نظر اس سے کہ مجرد نسبت واضافت خواہی نخواہی دلیل ملک نہیں اور وہ بھی ایسی کہ مدعی کے ثبوت استحقاق میں بکار آمد ہو خود سید افضل صاحب مدعی نے اپنی نیک نیتی سے صاف اقرار کیا کہ ولایتی بیگم کا سردار بیگم یا سید نثار الدین حسین صاحب کا فریقین کو اپنے اپنے حصص واقعہ مکان مذکور ہبہ کرنا بلا تقسیم تھا اور اب تک کہ سردار بیگم وسید نثار الدین حسین کی وفات ہوچکی مکان بدستور نا مقسم ہے غالبًا بیان مدعی نسبت ہبہ نامجات مذکورہ صحیح ہے اور انہیں کی بناء پر ۶۷ء تک مکان ملک سردار بیگم اور ۱۸۹۴ء میں مکان ملک فریقین تصور کیا جاتا ہو لیکن قابل قسمت شے میں ہبہ شرعًا ناجائز ہے اور جبکہ تقسیم سے پہلے موہوب لہ یا وارث انتقال کر جائے جیسا کہ بیان ہوا وہ ہبہ محض باطل وکالعدم ہوجاتا ہے عالمگیری جلد ۴ ص ۱۳۱:

لاتصح فی مشاع یقسم[1]۔	تقسیم سے قبل مشاع چیز کا ہبہ صحیح نہیں۔ (ت)

درمختار صفحہ ۵۱۲:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۶

الميم موت احد العاقدين بعد التسليم فلو قبله بطل[1]۔	ہبہ کے فریقین میں سے ایک کی موت قبضہ دینے کے بعد میم سے مراد ہے اگر قبضہ سے پہلے ہو تو ہبہ باطل ہو جائے گا۔ (ت)

توان دونوں ہبہ کی نسبت کسی بحث وتفتیش کی حاجت نہیں کہ خود باقرار مدعی ان کا باطل ہونا ثابت ہے اور اگرچہ بعینہٖ یہی وجہ اس مکان میں سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے حق کو بھی باطل کرے گی کہ جب مکان بالاتفاق موروثی اور ہنوز نامقسم ہے تو سید نثار الدین حسین صاحب کا اپنا حصہ اپنی بہنوں ولایتی بیگم ولالہ بیگم کو ہبہ کرنا باطل ہوا اور نصف میں ان کے بیٹوں سید غازی الدین حسین وسید احمد حسین کا حق ملک رہا اور اب جو سید محمد شاہ صاحب ولالہ بیگم نے اپنی مشاع ونامقسم حصے سید محمد احسن صاحب کو بذریعہ ہبہ نامہ نمبر ایک ہبہ کئے یہ ہبہ بھی ناجائز ہوا اور لالہ بیگم کی وفات سے ان کے حصہ کا ہبہ محض باطل ہو کر ان کے بھتیجوں سید غازی الدین حسین وسید احمد حسین کا حق قرار پایا سید محمد شاہ صاحب زندہ ہیں اگر اپنا حصہ کہ ترکہ ولایتی بیگم سے انہیں پہنچا جدا تقسیم کراکر سید محمد احسن صاحب کو قبضہ دے دیں ہبہ صحیح ہو جائیگا ورنہ باطل، مگر ان وجوہ کا نفع ان اشخاص کی طرف راجع ہے جو فریقین مقدمہ نہیں اور اس ہبہ کے بطلان سے مدعی کو کوئی فائدہ نہیں کہ سردار بیگم والدہ مدعی کا اپنی والدہ ولایتی بیگم سے پہلے انتقال کرنا بالاتفاق ویقین ثابت ہے لہٰذا سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور کا دعوی اس مکان نمبر ا پر کسی وجہ سے قابل سماعت نہیں۔

(۲) تنقیح دوم کی نسبت اس قدر کہنا بس ہے کہ یہ ہبہ اگر ثابت بھی ہو تو محض بے معنی ہے سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے اولاً اپنے بیان میں عـــہ صاف تسلیم کیا کہ سید محمد افضل صاحب مدعی مکان نمبر ۳ میں بقدر اپنے حصہ کے شریک میں بعدہ اظہار میں مدعا علیہما نے اس تمام مکان کا بنام قادری بیگم ہبہ ہونا ظاہر ہو کیا حسب طلب مدعا علیہما سید محمد افضل صاحب مدعی سے بھی اس ہبہ کی نسبت سوال ہوا انہوں نے اتنا اقرار کیا کہ سید امیر علی صاحب مرحوم نے قادری بیگم سے کہا تھا کہ اگر تم یہاں رہو تو یہ مکان تمہیں دیتا ہوں مگر وہ نہ رہیں ان سب سے قطع نظر کیجئے بالفرض سید امیر علی صاحب مرحوم نے تمام مکان کے تین ربع نامنقسم ہنوز رہن ہیں اور رہن ملک مرتہن نہیں ہوتا کہ اسے ہبہ کر دینے کا اختیار ہو ایک ربع باقی اگر ملک سید امیر علی صاحب ہو بھی تو رہن مشاع ہے کہ بعد انتقال سید امیر علی اور کا ہبہ باطل ہو گیا۔

عـــہ: تحریر نمبر ۲ شامل مسل ۱۲۔

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

(۳) تنقیح سوم ایک ظاہر بات تھی دستاویزات نمبر ۵ و نمبر ۶ و نمبر ۷ میں سید افضال حسین کا نام زمرہ مشتریان ومرتہنان میں موجود ہے دستاویز سب فریقوں کے مصدقہ مسلمہ ہیں سید محمد افضال حسین صاحب یا سید محمد احسن صاحب کا باوجود تسلیم صحت دستاویزات یہ ادعا کہ سید افضال حسین صاحب کا نام فرضی ہے بے ثبوت کافی ہرگز مسموع نہ ہوگا نہ دونوں فریق مذکور نے اس کا کوئی ثبوت پیش کیا مگر سید افضال حسین صاحب نے نیک نیتی سے اپنے اظہاروں میں صاف اقرار کردیا^{عہ} کہ مکان نمبر ۴ عبدالکریم خان والا میرے چچا صاحب نے رہن لیا میرا اس میں کچھ روپیہ نہ تھا تو صاف ظاہر ہوا کہ رہن نامہ میں سید افضال کا نام محض فرضی ہے اگر یہ کہئے کہ اصل دائن نے اپنا روپیہ راہن کو قرض دے کر سید افضال حسین کا نام اس غرض سے درج دستاویز کرایا کہ وہ دین ان کا قرار پائے اور ضرور عرف ورواج سے یہی ظاہر ہے بزرگ اپنے روپے سے کوئی عقد کرتے اور اپنے کسی خورد کا نام اسی غرض سے درج دستاویز کراتے ہیں کہ وہ ملک یا حق ان کے لئے قرار پائے مگر شرعًا یہ ارادہ رہن میں محض بے اثر ہے کہ یہ غیر مدیون کو دین کا ملک کرنا ہوگا اور وہ صحیح نہیں۔ درمختار ص ۵۱۵:

تملیك الدین ممن لیس علیه باطل[1]۔	غیر مدیون کو دین کا مالک بنانا باطل ہے۔(ت)

نیز سید افضال حسین صاحب نے اپنے اس اظہار میں کہ اپنی طرف سے اصالۃً اور اپنے چچا سید محمد احسن صاحب کی طرف سے بذریعہ مختار نامہ عام ہے صاف اقرار فرمایا کہ مکان نمبر ۴ کی تمام بیع ورہن حقیقۃً سید امیر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپے سے اپنے لئے بیع ورہن لئے اور اپنی طرف سے جس جس کو جس جس قدر کا مالک یا مستحق کرنا چاہا ان کا نام بیعنامہ ورہن نامہ میں درج کرادیا، اور واقعی عادات ناس سے معہود یہی ہے بائع سے گفتگوئے بیع وشراء خود کرتے ہیں ایجاب وقبول میں یہ لفظ نہیں ہوتے کہ بائع کہے کہ میں نے فلاں شے تیرے فلاں فلاں عزیز کے ہاتھ بیچی یہ کہے میں نے اپنے فلاں فلاں عزیزوں کی طرف سے قبول کی بلکہ گفتگو باہم ختم ہوجاتی ہے اس کے بعد دستاویز میں اپنے جس عزیز کا نام چاہتے ہیں لکھوادیتے ہیں یہ بیع حقیقۃً خود انہیں اشخاص عاقدین کے لئے منعقد ہو کر دستاویز میں اندراج نام عزیز اان عزیزوں کے نام ہبہ ہوتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

عــــہ: تحریر نمبر ۱۴ شامل مسل ۱۲۔

---

[1] درمختار کتاب العلم فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵، کتاب الھبة الفصل فی مسائل متفرقه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

الاب اشتری لھا فی صغرھا او بعد ما کبرت وسلم الیھا وذٰلك فی صحته ولا سبیل للورثة علیه ویکون للبنت خاصةاھ[1] منح۔	باپ نے اپنی صحت وتندرستی میں بیٹی کے لئے کوئی چیز خرید کر اس کے قبضہ میں دے دی وہ چیز خاص بیٹی کے لئے ہوگی خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ ہو دیگر ورثاء کا اس چیز پر کوئی حق نہ ہوگا۔اھ منح(ت)

عقود الدریہ جلد ۲ص ۲۸۱:

امرأة اشترت لولدھا الصغیر بمالھا علی ان لاترجع بالثمن علی الولد جاز استحسانا وتکون مشتریة لنفسھا ثم تصیر ھبة منھا للصغیر[2]۔	کسی عورت نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی اس عہد پر کہ بیٹے سے رقم نہ لوں گی تو استحسانًا جائز ہے اور وہ خریداری عورت کی اپنے لئے ہوگی پھر عورت کی طرف سے بیٹے کو ہبہ قرار پائے گی۔(ت)

اور جب حسب اقرار سید افضال حسین صاحب بیع مکان نمبر ۵ میں ان کا نام بذریعہ ہے اور ہبہ مشاع بعد انتقال واہب باطل ہوجاتا ہے تو ثابت ہوا کہ ہر سہ مکانات مذکور نمبر ۳ و ۴ و ۵ میں سید افضال حسین صاحب کا کوئی حق ملک ورہن اصلاً نہیں۔

(۴) مکان نمبر ۳ کی نسبت بالاتفاق اظہارات عــہ ہر سہ فریق ثابت ہوا کہ اس کی بیع ورہن نامہ سب حقیقةً بنام سید امیر علی صاحب مرحوم تھی اندراج نام دیگراں اسی قاعدہ معہودہ بزرگان کی بناء پر تھا بالخصوص مدعا علیہ کا بیان کہ یہ تمام وکمال مکان سید امیر علی صاحب مرحوم نے فریقین کے خالہ زاد ہمشیر قادری بیگم کو ہبہ کردیا صراحةً اس کے متروکہ امیر علی صاحب ہونے کا اقرار ہے۔سید امیر علی نے انتقال فرمایا اور ان کے وارث یہی دو صاحبزادے سید محمد افضل صاحب وسید محمد احسن صاحب ہوئے تو مکان کے متروکہ مورث ہونے کا اقرار نصف مکان بذریعہ وراثت ملک سید محمد افضل صاحب ہونے کا اقرار ہوا لیکن یہ اقرار حق راہن پر کہ نہ حاضر ہے نہ فریق مقدمہ ہے مؤثر نہ ہوگا تو ایک ربع مکان مذکور باقرار

عــہ: تحریر نمبر ۱ و نمبر ۱۴ شامل مسل ۱۲۔

[1] ردالمحتار کتاب العاریة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

[2] العقود الدریہ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

سید محمد احسن متروکہ سید امیر علی صاحب تین ربع مرہونہ سید امیر علی صاحب قرار پائیں گے یہ رہن اگرچہ بوجہ مشاع ہونے کے فاسد اور بوجہ دخلی ہونے کے شرعًا حرام ہے مگر تاوصول دین اس پر قبضہ رکھنے کا اختیار ضرور حاصل، اس بارے میں رہن صحیح و فاسد کا حکم ایک ہی ہے۔عہ درمختار صفحہ ۶۱۶:

لایصح رہن مشاع مطلقًا ثم الصحیح انه فاسد۔[1]	غیر منقسم چیز کا رہن مطلقًا صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ رہن فاسد ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے: ص ۶۲۸:

کل حکم عرف فی الرہن الصحیح فھو الحکم فی الرھن الفاسد کرھن المشاع[2] (ملخصًا)	جو حکم صحیح رہن کا ہے وہ حکم فاسد رہن، مثلًا غیر منقسم رہن چیز، کا ہے۔(ت)

اور بعد انتقال مرتہن اس کے ورثہ اس کی جگہ مرتہن ہو جاتے ہیں، درمختار ص ۶۲۳:

لایبطل الرہن بموت الراھن ولا بموت المرتھن ولا بموتھما ویبقی الرھن رھنا عند الورثة[3]۔	راہن یا مرتہن یا دونوں کی موت سے رہن باطل نہیں ہوتا بلکہ ان کے ورثاء میں رہن باقی رہے گا۔(ت)

تو اس مکان کے تین ربع کی مرتہنی بنام فریقین اگرچہ حسب اقرار فریقین بطور اسم فرضی تھی مگر بعد انتقال مرتہن اصلی واقعی و حقیقی ہوگئی اور اس میں کسی فریق کو نزاع بھی نہیں ایک ربع باقی کے بیعنامہ میں تین نام مندرج ہوئے سید امیر حسن مرحوم و سید افضال حسین پسران مدعی و احمدی بیگم زوجہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ ان میں سید افضال حسین صاحب تو اپنے اقرار مذکور تنقیح سوم کے رو سے جدا ہوگئے لیکن ہر سہ فریق کا اتفاق سید امیر حسن و احمدی بیگم پر اثر نہیں ڈال سکتا کہ اقرار حجت قاصرہ ہے اثر صرف مقر کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے ہم صدر تنقیح سوم میں بیان کر آئے کہ دستاویزات مصدقہ مسلمہ ہر سہ فریق میں ان کاموں کا اندراج دفع دعوی دیگران کے لئے بس ہے جب تک وہ بینہ سے ان اسماء کا فرضی ہونا ثابت کریں جس کا ثبوت اصلًا فریقین سے کسی نے نہ دیا تو اس ربع میں اقرارات کا اثر صرف ایک ثلث موسوم سید افضال حسین پر پڑے گا، اور وہ باقرار ہر سہ فریق متروکہ سید امیر علی صاحب قرار پاکر سید محمد افضل صاحب سید محمد احسن صاحب میں نصف نصف ہوا سید امیر حسن مرحوم و احمدی بیگم

عــــہ: تحریر نمبر ۱ و نمبر ۴ شامل مسل ۱۲۔

---

[1] درمختار کتاب الرہن باب مایجوز ارتھانہ ومالایجوز مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۸

[2] درمختار کتاب الرہن فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۹

[3] درمختار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۷

نہ فریق مقدمہ ہیں نہ ان کے ابطال حق پر فریقین سے کسی نے کوئی ثبوت دیا لہٰذا اس قدر میں کسی کا دعوٰی مسموع نہیں سید امیر حسن مرحوم کے وارث صرف ان کے والد سید محمد افضل صاحب مدعی ہیں تو اس ربع کا ایک ثلث کہ شرعاً ملک سید امیر حسن مرحوم تھا وراثۃً ملک سید محمد افضل صاحب ہوا سید محمد افضل صاحب کو بھی اگرچہ اقرار تھا کہ یہ مکان متروکہ پدری ہے جس کے رو سے اگرچہ اقرارات ہر سہ فریق حق سید امیر حسن مرحوم پر مؤثر نہ ہوا مگر جب ثلث بدعوٰی ارث سید محمد افضل صاحب کو پہنچے سید محمد احسن صاحب ان کے اقرار پر مواخذہ کرکے اس ثلث میں نصف کے مدعی ہو سکتے تھے لیکن سید محمد احسن صاحب بعد اقرار مذکور ہر سہ فریق کے صراحۃً تحریر کرچکے کہ امیر حسن کے حق کی بابت گزارش ہے کہ روپیہ والد صاحب کا تھا اور اس سے بیع ورہن کیا گیا اگر شرعاً اس میں میرا حق ہے تو مجھ کو دعوٰی ہے اور نہیں ہے تو دعوٰی نہیں ہے فقط اور اوپر معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً سید امیر حسن مرحوم کے حق میں سید محمد احسن کا کوئی حق نہیں، نہ خریداری میں روپیہ والد کا ہونا، ملک والد کو مستلزم۔ فتاوٰی خیریہ ص ۲۰۱:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[1]۔	والد کے مال سے خرید کردہ چیز ضروری نہیں کہ والد کے لئے ہو۔ (ت)

اور لادعوٰی کسی شرط واقعی پر معلق کرنا بلاشرط لادعوٰی ہے، درمختار ص ۴۰۷:

علقه بامر کائن کان اعطیته شریکی^{عــــه} فقدا برأتك وقد اعطاه صح[2]۔	برأت کو معلق کیا کسی امر ماضی محقق پر جیسے طالب کا مدیون سے کہنا کہ اگر تو نے فلاں چیز میرے شریک کو دی تو میں نے تجھ کو بری الذمہ کیا حالانکہ مدیون وہ چیز اس کے شریک کو دے چکا تو یہ تعلیق صحیح ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار جلد ۲ ص ۳۴۹:

لانه علقه بشرط کائن فتنجز۔[3]	کیونکہ اس نے پائی جانیوالی شرط پر معلق کیا ہے تو فوراً نافذ ہوگیا۔ (ت)

تو سید محمد افضل صاحب کا اقرار حصہ سید امیر حسن مرحوم کے بارے میں سید محمد احسن صاحب کے لادعوے

عــــه: شریکی کی جگہ اصل میں بیاض ہے۔

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[2] درمختار کتاب البیوع باب مایبطل بالشرط الفاسد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب مایبطل بالشرط الفاسد الخ مکتبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

سے رد ہو گیا، اشباہ ص ۲۵۵ :

المقرله اذا ردالاقرار ثم عادالی التصدیق فلاشیئ له[1]۔	مقرلہ نے جب اقرار کو رد کر دیا اور بعد میں اقرار کی تصدیق کر دی تو بھی محروم رہے گا (ت)

ایضًا صفحہ ۲۵۳:

المقرله اذا کذب المقر بطل اقراره[2] الخ۔	مقرلہ نے جب اقرار کرنے والے کو جھوٹا قرار دیا تو اقرار باطل ہو جائے گا الخ (ت)

تو یہ ثلث کہ ملک سید امیر حسن مرحوم تھا خاص ملک سید محمد افضل صاحب ہوا اور نصف اس ثلث اسمی سید افضال حسین صاحب کا ان کی ملک قرار پایا تھا مجموع ڈیڑھ ثلث یعنی اس رابع مبیع کا نصف مملوکہ سید محمد افضل صاحب ہوا مکان نمبر ۴ کی اگرچہ سید محمد احسن صاحب مدعاعلیہ کا اپنے اظہار میں بیان کہ وہ میرا خرید کیا ہوا ہے صریح سہو ہے وہ مکان بیع نہیں رہن ہے مگر سید محمد احسن صاحب مذکور نے اپنے اظہار میں نیک نیتی سے تسلیم فرمالیا کہ اس مکان میں نصف ان کا حصہ ہے جو انہوں نے خواجہ محمد حسن صاحب کے قبضہ میں مع نصف مکان نمبر ۵ مستغرق کیا ہے انھوں نے اپنی تحریر عـــہ۱ میں صراحتًا اقرار کرلیا کہ یہ رہن کھنڈ سار مشترک کی آمدنی سے لیا گیا اور تحریر کر دیا کہ جب سید محمد افضل صاحب شریک کھنڈ سار ہیں تو نصف ان کا ور نصف میرا ہے فقط، لاجرم یہ نصف بحق سید محمد افضل صاحب ہے، یہی حالت ہے اس کی نسبت اگرچہ بیان واظہار سید محمد احسن صاحب بہت مختلف واقع ہوئے مگر ہر شخص کا بیان اس قدر کہ اس کی ذات کے لئے نافع ہو بلادلیل قابل قبول نہیں ہو سکتا اور جس قدر فریق دیگر کے لیے نافع ہے اس کے حق میں حجت ہو جاتا ہے سید محمد احسن صاحب نے اپنے اظہار میں صاف فرمایا ہے کہ نصف مکان نمبر ۴ کے ساتھ مکان نمبر ۵ پھاٹک والا احمد حسین والا کہ اس کا بھی نصف میرا ہے اسی قرضہ خواجہ عـــہ۲ صاحب میں مستغرق ہے نیز سید محمد احسن صاحب کے مختار عام سید افضال حسین صاحب نے اپنے اظہار عـــہ۳ اور اپنے بیان عـــہ۴ دونوں میں صاف فرمایا ہے کہ مکان نمبر ۴ کے سوا کہ

عـــہ۱: خط کشیدہ عبارت اندازہ سے بنائی گئی ہے۔ عـــہ۳: تحریر نمبر ۱۹ شامل مسل ۱۲۔

عـــہ۳: تحریر نمبر ۳ شامل مسل ۱۲۔ عـــہ۴: تحریر نمبر ۱۴ شامل مسل ۱۲۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹

وہ تو سید امیر علی صاحب مرحوم کے بعد رہن لیا گیا باقی سب مکانات ان کے دادا سید امیر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپے سے بیع ورہن لئے ہیں اور اپنی طرف سے جس جس کو جتنا دینا منظور تھا اس کا نام بیعنامہ اور رہن نامہ میں درج کرادیا، اور سید محمد احسن صاحب نے اپنے اظہار میں فرمایا ہے کہ سید افضال حسین میرا مختار عام ہے اس مقدمہ دائرہ میں جو بیان سید محمد افضال حسین صاحب نے کئے مجھ کو قبول و منظور ہیں اور سید محمد احسن صاحب نے اپنی اخیر تحریر عــہ۱ میں خود صاف لکھا کہ یہ بیع ورہن والد صاحب کے روپے سے تھے تو اپنے اگلے بیانوں کو صراحۃً رد فرمایا بالجملہ باقرار مدعاعلیہا ثابت ہوا، نیز اس کی تعمیر کی نسبت سید محمد احسن صاحب مجوز سے زبانی فرمادیا گیا تھا کہ کھنڈ سار جگت پور کے روپے سے ہوئی اور یہ کہ اس وقت سوا اس کے ہماری کوئی آمدنی نہ تھی بعدہ اظہار میں اس عمارت کی نسبت بہت تفصیل بیان فرمائی ہے جس سے اس کی کچھ متفرق ہے مشرک کچھ خاص ان کے ثابت ہوتے ہیں اور تحریر فرمایا ہے پہلے جو میں نے مکان نمبر ۵ کی نسبت تعمیر عملہ کی مجوز صاحب سے عرض کیا تھا کہ کھنڈ سار جگت پور کی آمدنی سے کہ وہ میرا سہو تھا صحیح یہ عــہ۲ ہے جو میں نے مفصل لکھا مگر کوئی مقر اپنے اقرار سے بدعوی سہو ولغزش پھر نہیں سکتا، اشباہ ص ۲۵۴:

اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطاء لم تقبل[1]۔	جب کسی چیز کا اقرار کرکے پھر خطا کا دعوی کرے تو یہ دعوی قبول نہ ہوگا۔ (ت)

تو میں اس امر میں شک کی کوئی وجہ نہیں پاتا کہ تمام و کمال مکان نمبر ۵ بھی نصف ملک سید محمد افضل صاحب ہے اور اس پر ایک قرینہ واضحہ یہ بھی ہے کہ سید محمد احسن صاحب اپنے اظہار عــہ۳ میں فرماتے ہیں کہ یہ مکان نمبر ۵ تمام و کمال میں نے اور سید محمد افضل نے بالمناصفہ داموردراس کی دستاویز میں ہزار والی میں مستغرق کیا ہے۔

(۵) سید محمد احسن صاحب نے بکمال نیک نیتی اپنے بیان واظہار میں جابجا صاف تسلیم کرلیا کہ کھنڈ سار جگت پور ان کی اور سید محمد افضل صاحب کی مشترک ہے خود ابتدائی بیان جس میں اس کھنڈ سار کو تنہا اپنی فرمایا ہے اسی کے آخر میں آمد و خرچ پیش کردہ سید افضال حسین کو صراحۃً لکھ دیا کہ میرا اور سید محمد افضل صاحب کا بشرکت ہے اس آمد میں آمدنی کھنڈ سار مذکور شامل ہے بلکہ حساب طلب بھی اس آمدنی کا ہوا تھا

عــہ۱: تحریر نمبر ۲۲ شامل مسل ۱۲۔ عــہ۲: تحریر نمبر ۱۹ شامل مسل ۱۲۔ عــہ۳: تحریر نمبر ۱۹ شامل مسل ۱۲

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰

جو فریقین کی مشترک ہے تو اس میں آمدنی کھنڈ سار مذکور کا درج فرمانا ہے صراحۃً دلیل شرکت تھا نہ کہ جب بیان شرکت کی تصریح بھی کردی نہ کہ جب تحریر میں صاف لکھ دیا کہ یہ کھنڈ سار میری اور سید محمد افضل صاحب کی شرکت میں ہے، لہٰذا مجموعہ آمدنی (☆☆☆/) سے نصف یعنی (☆☆☆) حق افضل صاحب ہیں۔

(۶) مدات خرچ میں اراضی محمد ولی جان فریقین کا مشترک ہونا اور اس کی قیمت کی (☆☆/) فریقین کے ذمے بالمناصفہ ہونا فریقین کو تسلیم ہے اور (☆☆) کہ قرضخواہ کو رقم خلاف شرع یعنی سود میں سید احسن صاحب کے ہاتھ سے گئی ان کے حلف کے بعد سید محمد افضل صاحب نے مشترک ہونا قبول کرلئے مرمت مکانات کی (☆☆) جن کی تفصیل فریقین سے کوئی نہ بتا سکا نہ ان کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ کہ کس قدر کس مکان کی مرمت میں صرف ہوا مکان نمبر ۴ کے سوا باقی چاروں مکانوں پر بحصہ مساوی قابل انقسام وہی مکان نمبرا میں جب کہ سید محمد افضل صاحب کا کوئی حق ثابت نہ ہوا اور سید محمد احسن صاحب اسے تنہا اپنی ملک بتاتے ہیں تو اس رقم کا ایک ربع (☆☆) پائی خاص سید محمد احسن صاحب پر اور باقی ربع کا نصف (☆☆☆) پائی ذمہ سید محمد افضل صاحب ہوا عیدین و خیرات و نیاز و خوراک خانہ وغیرہ سب کی نسبت سید محمد احسن صاحب کو اپنے بیان تحریری [عہ۱] میں اقرار ہے کہ یہ بعد جانے سید محمد افضل صاحب کے خود سید محمد احسن صاحب نے صرف کئے البتہ کنبے داری کے خرچ شادی و غمی کو فریقین نے مشترک تسلیم کیا اس پر ہم مجوز نے سید محمد احسن صاحب سے اس رقم کی فہرست طلب کی مگر سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے اس رقم کا حصہ ذمہ سید محمد افضل صاحب ڈالنے سے دستبرداری کی اور قبول فرمایا کہ یہ خفیف رقم بھی میرے ہی ذمے رکھی جائے کھنڈ سارا بھی پوڑنودیا کی نسبت خود محمد احسن صاحب اپنے تحریری [عہ۲] بیان میں اقرار فرماتے ہیں کہ وہ میں نے خود کی تھی محمد افضل کی کوئی شرکت نہیں تھی فقط نیز اپنے اظہار [عہ۳] میں اس کھنڈ سار بالی بور کمال پور سب کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ سید محمد افضل صاحب کے پیلی بھیت جانے کے ایک دو سال بعد میں نے سید محمد افضل صاحب سے کوئی اجازت نہیں لی تھی تو یہاں سے ظاہر ہوا کہ ان میں سے کسی کھنڈ سار میں سید محمد افضل صاحب کی شرکت نہ تھی نہ سید محمد افضل صاحب کو ان میں شرکت تسلیم ہے اور سید محمد احسن صاحب کا لکھنا کہ نہ سید محمد افضل صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں ان کھنڈ ساروں میں شریک نہیں ہوں ان کو علم تھا کہ یہ کھنڈ ساریں کی گئی ہیں اور کسی کام کی بابت بھی کوئی خاص اجازت نہ لی جاتی تھی ہمیشہ ان کے شریک پیلی بھیت سے آیا کرتے اور یہ بھی آتے وہ سب خرچ اس کھنڈ ساری آمدنی سے ہوتا تھا فقط کچھ انہیں

عہ۱: تحریر نمبر ۲ شامل مسل ۱۲۔ عہ۲: تحریر نمبر ۳ شامل مسل ۱۲۔ عہ۳: تحریر نمبر ۱۹ شامل مسل ۱۲

مفید نہیں سید محمد افضل صاحب نے انہیں شرکت کی نفی نہ کی تو اقرار بھی نہ کیا اور علم ہونا شریک ہونے کو مستلزم نہیں کھنڈساروں کی مخلوط آمدنی جن میں مشترک کھنڈسار جگت پور بھی تھی مہمانداری سے سید محمد افضل صاحب وغیرہ میں خرچ ہونا بھی ان کھنڈساروں میں دلیل شرکت نہیں جوان کے جانے کے سال دو سال بعد سید محمد احسن صاحب نے بطور خود بے اجازت لئے گیں، آخر خود سید محمد احسن صاحب صراحۃً لکھ چکے ہیں [عہ۱] کہ ابھی پوڑ ونودیا کی کھنڈساروں میں سید محمد افضل صاحب کی شرکت نہیں اگرچہ دلائل موجب شرکت ہوتے تو ان میں بھی شرکت ثابت ہوئی جس سے خود مدعا علیہ کو انکار ہے تو ثابت ہوا کہ ان سب کھنڈساروں میں نقصانات سید محمد افضل صاحب پر ڈالنے کی کوئی وجہ نہیں پس مدات خرچ میں صرف تین مدیں ذمہ سید محمد افضل صاحب ہوئیں، نصف قیمت اراضی ولی محمد خان و نصف رقم ناجائز سود کہ قرض خواہ کو گئی و بابت مرمت مکان کل (☆☆ ۱۳/ ۲-۸/۵/ ۸ کل صمالہ معہ ۲-۸/۵/۸) پائی کہ نصف آمدنی ان کی یافتنی (☆☆☆۱۰/ ۶) پائی سے منہا ہو کر (☆☆۳/۳-۸) پائی رہے لیکن سید محمود حسن صاحب نے دعوی کیا کہ مبلغ (☆/) معرفت شیخ تصدق حسین اور (☆☆) معرفت سید فرصت علی اور تخمیناً دس پندرہ روپے متفرق سید محمد افضل صاحب کے پاس پہنچے جو اسی گوشوارہ خرچ میں مندرج ہیں پہلی دو رقموں کا سید محمد افضل صاحب نے اقرار کیا تو یہ (☆☆) اور مجرا ہو کر (☆☆☆) پائی سید محمد افضل کی یافتنی ذمہ سید محمد احسن صاحب پر رہے یہ حساب ظاہراً سید افضال حسین صاحب مختار عام سید محمد احسن صاحب بہت جلدی میں تحریر فرمایا ہے رقم خرچ رقم آمدنی کے برابر (☆☆☆) قائم کی اور تتمہ ندارد لکھ دیا اور مدات خرچ کی جو تفصیل فرمائی ان کا جوڑ صرف (☆☆) آتا ہے اسی روپے کا فرق ہے اور ایسی ہی سو روپے کی غلطی رقم بقایا میں ہے جس کا خود اقرار تحریر فرمایا مگر ازانجا کہ ذمہ مدعی ان تین مدوں کے سوا باقی سے بری ہے اس تحقیقات کی کچھ حاجت نہیں کہ یہ اسی (☆/) کی غلطی کہاں گئی۔

(۷) اثاث البیت کے دعوی سے فریقین نے دست [عہ۲] برداری لکھ دی۔

(۸) مکان نمبر۱ میں تو کوئی سید محمد افضل صاحب کا ثابت نہ ہوا اور مکان نمبر۴ فریقین کے پاس رہن ہے نمبر۳ کے بھی تین ربع فریقین کے پاس رہن ہیں رہن مملوک مرتہن نہیں ہوتا اس مکان کا ربع اگرچہ مملوک ہے مگر بوجہ اختلاط رہن وہ یکجائی نہ ہوسکے گا تو صرف دو مکان قابل تقسیم یکجائی ہے مکان نمبر۲ جس کا نصفاً نصف ہونا ابتداء سے مسلم [عہ۳] فریقین تھا اور مکان نمبر۵ کے اب نصفا نصف ثابت ہوا ان دونوں مکانوں کا مفصل تخمینہ

عہ۱: تحریر نمبر۲ شامل مسل ۱۲۔ عہ۲: تحریر نمبر۱۵ و نمبر۱۶ شامل مسل ۱۲۔ عہ۳: تحریر نمبر۲ شامل مسل ۱۲۔

معتبر راجوں نے بمواجہ سید محمد احسن صاحب کیا مکان نمبر ۲ کی قیمت [عہ۱] (☆۱۹۰ /)قرار پائی اور مکان نمبر ۵ کی [عہ۲] (☆☆۹ ۴۴۹) یہاں اتفاقاً قرعہ برداری درکار تھی مگر سید محمد احسن صاحب نے کہا کہ مکان نمبر ۵ میرے والد کو بہت پسند تھا وہ اس میں سوتے تھے یہ مجھے مل جائے اور زیادت کا معاوضہ مجھ سے دلایا جائے سید محمد افضل صاحب پہلے فرما چکے تھے کہ جو مکان وہ پسند کرلیں لے لیں اور کمی بیشی کا معاوضہ ہو جائے بعد اس پسند کے بھی سید محمد افضل صاحب نے اسے منظور رکھا للہذا مکان نمبر ۲ خالص سید محمد افضل صاحب اور مکان نمبر ۵ خالص سید محمد احسن صاحب کا قرار پایا اور بابت کمی حصہ سید محمد افضل صاحب میں آئی (☆☆۸/) سید محمد احسن صاحب پر سید محمد افضل صاحب کی واجب الادا ہوئی کہ رقم سابق سے مل کر مجموع (☆☆ ۲/۳/۸) پائی ہوئی۔

(۹) (صما/) قرض دامودر داس کو سید محمد احسن صاحب نے اپنے بیان تحریری میں بکمال نیک نیتی صاف تسلیم فرمالیا کہ یہ قرضہ ان پر اور سید محمد افضل صاحب مشترکہ ہے، باقی قرضہ کی نسبت تحقیقات در پیش تھی کہ ۶ / مئی ۱۹۰۳ء کو جناب سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے ایک درخواست بدیں مضمون پیش کی کہ مبلغ (☆☆۹/ ۵) پائی جو سید محمد افضل صاحب کی بھی ہیں ان کے قلم کی تحریر کی ہوئی ان کے تحویل میں باقی ہیں مجھ کو مجرا دلائی جائیں عریضہ شامل مسل فرمایا جائے، یہ دعوی جدید کئی مہینے بعد جناب سید محمد احسن صاحب کو یاد بیان تحریری مورخہ ۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۶مارچ ۱۹۰۳ء میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں تھا وللہذا اس کی نسبت کوئی تنقیح قائم نہ ہوئی تھی نہ ایسے جدید دعوی کا کسی فریق کو اختیار تھا مگر جناب سید محمد احسن صاحب کے اصرار پر درخواست شامل مسل کی گئی اور سید محمد افضل صاحب سے جواب طلب ہوا انہوں نے اس رقم کے اپنے پاس رہنے سے صاف انکار کیا سید محمد احسن صاحب نے شہادتیں پیش کیں جن میں اس رقم کی نسبت سید محمد افضل صاحب کے پاس رہنا کسی شاہد نے اصلاً بیان نہ کیا بلکہ سید محمد حسین صاحب برادر عمہ زاد فریقین نے اتنا کہا یہ میں نے نہ سنا کہ محمد افضل اپنے ساتھ کچھ نہ لے گئے نہ میں نے سنا کہ کچھ روپیہ تحویل میں ہے یا محمد افضل لے گئے ہیں بلکہ یہ سنا کہ پیلی بھیت میں محمد افضل نے کچھ زیور گرو رکھا کچھ روپیہ مقبول حسین خاں نے دیا، مرزا ہدایت بیگ نے بیان کیا میں نے کبھی نہ سنا کہ کچھ روپیہ محمد افضل پیلی بھیت لے گئے نہ محمد احسن نے بیان کیا نہ کسی نے، یہ تو نا اتفاقی

عہ۱: تحریر نمبر ۱۲اشال مسل ۱۲۔ عہ۲: تحریر نمبر ۱۱شامل مسل ۱۲

بیان کیا، باقی گواہوں کے بیان میں اصلاً کچھ تذکرہ نہیں، سید محمد احسن صاحب نے یہ شہادتیں اس غرض سے پیش کیں کہ تمام آمدنی کی تحویل سید محمد افضل صاحب کے پاس ہونا ثابت کریں یہ شہادتیں اس امر کے اثبات میں بھی ناتمام ہیں سید مہدی حسن صاحب و سید ممتاز علی صاحب و مرزاہدایت بیگ صرف شیرے کی آمدنی سید محمد افضل صاحب کے پاس آنا بیان کرتے ہیں، سید محمد احسن صاحب صاف کہتے ہیں کہ یہ میرے علم میں کچھ نہیں کہ تحویل ان دونوں بھائیوں میں کس کے پاس ہوتی تھی سید محمد افضل صاحب کے بھی دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ اوپر سے دادنی و یافتنی کی رقمیں جداجدا لکھتے آئے ہیں اور یافتنی کی مجموع رقوم کو تتمہ قرار دیتے ہیں اگرچہ بعد مجرائی دادنی و تتمہ جو تحویل میں باقی نہیں قرار پاسکتا بارہ سو سے قدرے زائد ایک رقم اختر حسین خاں کے دادنی اور بارہ سو ان سے یافتنی دونوں مدوں میں تھی یہ یافتنی ملا کر رقم تتمہ (☆☆) لکھی گئی تھی اس کے بعد کے حساب میں وہ رقم دادنی و یافتنی دونوں میں سے چھوڑ دی ہے اور یوں (☆☆) دادنی اور (☆☆۰۹/) یافتنی لکھے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حساب برابر ہے تتمہ کچھ نہیں ایسی رقم و تحویل میں باقی ٹھہرانا سخت عجیبہ ہے ولہذا آج تک سید محمد احسن صاحب نے اس کا کوئی ذکر نہ فرمایا نہ وہ ان کے خیال میں تھا بلکہ بیان تحریر میں صراحۃً اس کے خلاف تحریر تھا کہ سید محمد افضل صاحب کو شاید بیس پچیس روپے گئے ہوں گے اگر یہ پندرہ سولہ سو کی رقم بھی پیلی بھیت جانے کے وقت ان کے پاس ہی ہوتی تو اتنی بڑی رقم کثیر چھوڑ کر صرف بیس پچیس روپے کے ذکر پر کیوں قناعت فرمائی جاتی اور وہ بھی لفظ شاید کے ساتھ، پھر اس درخواست کے دو روز بعد یعنی ۸/ مئی کو جو تفصیل قرضہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے پیش کی اس میں تو اس نزاع کو یک سرطے فرمادیا اور یہی ان کی نیک نیتی سے متوقع تھا اس کے آخر میں صراحۃً تحریر فرمایا کہ اس کے سوا کوئی مطالبہ سید محمد احسن صاحب وغیرہ کا ذمہ سید محمد افضل صاحب نہیں ہے سوائے (☆☆☆) کے کہ معرفت شیخ تصدق حسین صاحب و سید فرحت علی صاحب کے سید محمد افضل صاحب کو پہنچے ہیں، الحمدللہ کہ حق واضح فرمادیا، اس دعوی کے جواب میں ۱۱ مئی کو سید محمد افضل صاحب نے بھی ایک جدید دعوی (☆☆☆) کا پیش کیا محاسبات میں سید افضال حسین صاحب مختار عام نے یہ رقم نقد آمدنی کھنڈ سار کی بتائی تھی کہ آسامیوں سے علاوہ اسکے آئی تھی مگر شرائط پیش کردہ میں اس کا کچھ ذکر نہ تھا، سید افضال حسین صاحب نے بعد استفسار بیان کیا کہ یہ رقم ادھر سے آئی ادھر گئی یعنی یافتنی میں آئی دادنی میں گئی لہذا قائم نہ کی گئی اس پر سید محمد افضل صاحب نے استفسار کیا کہ کس دادنی میں گئی انہوں نے خالص اپنے قرضے میں دی یا مشترک میں اس کا جواب ۱۲ / مئی کو سید محمد احسن صاحب نے لکھا کہ یہ رقم تحویل میں نہیں رہی بلکہ قرضے میں الٹ پھیر میں گئی صرف میرے ذمے پر تنہا قرضہ کوئی نہ تھا بلکہ مشترک قرضہ متعلق کھنڈ سار کے تھا اس میں گئی، شرعًا شریک کا حلفی بیان ایسے امور میں مقبول ہے اگرچہ اصلاً تفصیل نہ بتائے۔

درمختار صفحہ ۳۳۴:

سئل قارئ الھدایۃ عمن طلب محاسبۃ شریکہ فاجاب لانلزمہ بالتفصیل ومثلہ المضارب والوصی والمتولی، نھر[1]۔	قاری الہدایہ سے سوال ہوا کہ کوئی شخص اپنے شریک سے حساب کا مطالبہ کرے تو جواب دیا کہ ہم تفصیلی حساب لازم نہیں کریں گے۔اسی طرح مضارب، وصی اور متولی کا معاملہ ہے، نہر۔(ت)

تو ان سولہ سو کی طرح یہ دوہزار بھی ناقابل سماعت ہیں،اس جملہ معترضہ کے بعد اصل تنقیح بقیہ قرضہ کی طرف عطف عنان کریں (☆☆☆) کہ قرضے کے دکھائے گئے اور سید محمد احسن صاحب نے اپنے بیان تحریری میں فرمایا کہ وہی قرضہ اب تک چلاآتا ہے اس میں سے (☆صما) قرضہ دستاویز واقعہ دامودرداس تو یقیناً اب تک چلاآتا ہے باقی رقوم کی تفصیل جو سید محمد احسن صاحب نے بابت ۱۳۰۶ھ فصلی جبکہ سید محمد افضل صاحب پیلی بھیت گئے تھے اور اب بابت شرع ۱۳۱۰ھ فصلی اپنی بہی سے لکھائی اور وہ شامل مسل ہے،اس کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ اس قرضے میں ایک حبہ قرضہ سید فرحت علی صاحب کے کچھ باقی نہیں ۱۳۱۰ھ میں سب رقوم جدید ہیں سید فرحت علی صاحب کے ۱۳۰۶ھ میں (☆☆☆) لکھے تھے اور بابت ۱۳۱۰ھ میں (صمالہ) تحریر ہیں سید محمد احسن صاحب نے اپنی اخیر تحریر میں ذکر فرمایا ہے کہ اب یہ (لہ ☆) بھی ادا ہوگئے ان کے فقط (صما) باقی ہیں تو دامودرداس کے (☆☆) اور سید فرحت علی صاحب کے (صما) جملہ (☆☆) نکال کر (☆☆☆۰۹/) سید محمد احسن صاحب نے ادا کئے اور یہ قرضہ مشترک تھا تو سید محمد احسن صاحب کا حاصل دعوی یہ ہوا کہ اس کا نصف یعنی (☆☆☆۰۴/) کہ سید محمد احسن صاحب نے از جانب سید محمد افضل صاحب ادا کئے ہیں سید محمد افضل صاحب سے ان کو دلائے جائیں قرضہ اگر بابت کھنڈسار مشترک ہوتا تو یہ امر دیکھنا کہ قرضہ مذکور سید محمد احسن صاحب نے کس مال سے ادا کیا اگر آمدنی مشترک کھنڈسار سے ادا ہوا تو کوئی وجہ مطالبہ نہیں کہ مشترک مال سے ادا ہوا اور اب سید محمد احسن صاحب کا وہ بیان مورخہ ۱۲/ مئی وارد ہوتا کہ (☆☆☆۰۱۳/) نقد آمدنی کھنڈسار اور ہوئے تھے جو قرضہ مشترکہ کے ادا میں گئے مگر سید محمد احسن صاحب اپنے بیان تحریری میں صاف لکھ چکے ہیں کہ یہ قرضہ سابق میں جبکہ خرچ ان کے یعنی سید محمد افضل صاحب کے تعلق تھا ہوا تھا بابت خرچ خانگی کے جو ان کے بہی سے ثابت ہے اور اخیر تحریر مورخہ ۸/جون ۱۹۰۳ء میں لکھا قرضہ (☆☆☆) میں (☆☆) قرضہ دامودرداس کے ہیں اور (☆☆۰۹/) جو دیگر صاحبان کا متفرق چاہئے یہ بات خرچ خانگی ہے کھنڈسار جگت پور میں کبھی نقصان نہ ہوا نہ اس کو اس سے کچھ

---

[1] درمختار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۳

تعلق ہے ان دونوں بیانوں سے صاف روشن ہوا کہ اس قرضہ کو عقد شرکت کے مال یعنی کھنڈسار سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ خانگی ہیں جو قرضہ دونوں صاحبوں پر تھا وہ سید محمد احسن صاحب نے ادا کیا ہے اب اگر اس کی ادا مال مشترک سے ہوئی (جیسا کہ اس بیان اخیر سے پتا چلتا ہے کہ کھنڈسار کسی وقت محتاج قرضہ نہ ہوئی تھی اور یہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس (☆☆☆) کا قرضہ کھنڈسار کے ادا میں صرف ہونا غالباً سہو بیان تھا) جب تو ظاہر ہے کہ سید محمد احسن صاحب کو اس قرضہ کی بابت کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا اور اگر فرض ہی کرلیا جائے کہ یہ قرض سید محمد احسن صاحب نے خاص اپنے مال سے خواہ کسی سے قرض لے کر ادا کیا تو یہ ایک قرض ہے کہ ایک بھائی پر آتا تھا دوسرے نے بطور خود ادا کردیا بھائی کے ساتھ حسن سلوک ہوا اور نیک سلوک پر ثواب کی امید ہے مگر معاوضہ ملنے کا استحقاق نہیں کہ کوئی شخص نیک سلوک واحسان کرکے عوض جبراً نہیں مانگ سکتا ولہذا کتابوں میں تصریح ہے کہ جو شخص دوسرے کا قرضہ بے اس کے امر کے ادا کردے وہ اس سے واپس نہ پائے گا۔ عقود الدریہ جلد ۲ ص ۲۰۷:

المتبرع لایرجع بماتبرع بہ علی غیرہ کمالوقضی دین غیرہ بغیرہ امرہ[1]۔	غیر پر نیکی کرنے والا نیکی میں دی ہوئی چیز واپس نہ پائیگا جیسے غیر کی طرف سے اس کے امر کے بغیر قرض ادا کردے۔ (ت)

اسی طرح جامع الفصولین وغیرہ میں ہے، تو ثابت ہوا کہ سید محمد احسن صاحب کو کوئی مطالبہ بابت قرضہ سید محمد افضل پر نہیں پہنچتا دستاویز ورقعہ کا مطالبہ ہے تو دامودرداس کا ہے کا اور ان (صمار) کا نصب ہے تو سید فرحت علی صاحب کا ہے اس میں سید محمد افضل صاحب کو عذر بھی ہے کہ سید فرحت علی صاحب کے پانسو باقی ہیں کہ مجموع اڑھائی سو ہوں گے مگر اس کی تحقیقات کی یہاں ضرورت نہیں یہ دعوٰی سید محمد احسن صاحب کا نہیں اس میں مدعی ہوں تو سید فرحت علی صاحب ہونگے جن کو اس مقدمہ سے تعلق نہیں۔

(۱۰) سید محمد احسن صاحب نے بقایا ذمہ آسامیان (☆☆) لکھی ہے جو پہلے براہ سہو (☆☆) لکھی گئی اور بعد کو اس کی تصحیح فرمادی ہے اس رقم میں بقایا بابت مکان عبدالکریم خاں والا اور بقایا رس جگت پور ذمہ آسامیاں اور بقایا توفیر ذمہ آسامیاں دیہ شامل ہے اور اس کی اور تفصیل وہی ہے کہ اس میں اس قدر وصولی یعنی متوقع الوصول اور اس قدر غیر وصولی ہے جس کے وصول کی امید

---

[1] العقود الدریہ کتاب المداینات ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۴۸

نہیں اور اپنے رقعہ مورخہ ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ میں اقرار فرمایا کہ بقایا رس سے تخمیناً (☆☆) کا رس اور وصول ہوگیا اور اس تخمینہ کو ان کے مختار عام سید افضال حسین صاحب نے بعد بہت محاسبات کے یوں ظاہر فرمایا کہ (☆☆) کا رس حقیقتاً وصول ہوا ہے تو اس قدر تو بقایا میں نہ رہا اور اسکا نصف (صما☆☆) ذمہ سید محمد احسن صاحب یافتنی سید محمد افضل صاحب اور واجب الادا ہو کر اس وقت تک مجموع رقم ان کے ذمے (☆☆☆☆۷/ ۳-۳/ ۸) پائی ہوئی بقایا رقم (☆☆☆) کی نسبت اگرچہ محمد احسن صاحب کی یہ خواہش ہو کہ کمی وصولی کا کچھ کم کرکے باقی کی تنصیف کردی جائے خواہ دستاویز میں بانٹ دی جائیں خواہ ایک سے دوسرے کو ان کا معاوضہ دلا کر جملہ بقایا ایک فریق کی کردی جائے کہ اب کھنڈسار میں شرکت رکھنا منظور نہیں اور سید محمد افضل صاحب بھی قطعی شرکت پر راضی نہیں مگر تحصیل بقایا سے اپنے آپ کو معذور محض بتاتے ہیں کہ میں اسامیوں کو جانتا بھی نہیں ہمیشہ کام سید محمد احسن صاحب نے کیا اور اسامیان انہیں کے قبضے میں ہیں مجھے کچھ وصول نہ ہوسکے گا مگر شرعاً دودائن مدیون کو تقسیم نہیں کرسکتے نہ غیر مدیون سے دین وتبادلہ ممکن، لہٰذا اس بقایا کو خواہ وصولی ہو یا غیر وصولی بدستور اس کے حال پر چھوڑنا لازم اور جس فریق کو جس قدر ان میں سے وصول ہوتا جائے اس کا نصف دوسرے کو ادا کرنا واجب، البتہ اگر کسی مد میں بقایا اس قدر سے کم ثابت ہو جو سید محمد احسن صاحب نے بتائی ہے تو ظاہر ہوگا کہ اس قدر اور ان کو وصولی ہوگیا تھا لہٰذا اس کمی کا نصف بحق سید محمد افضل صاحب ادا کرنا ان کے ذمے لازم ہوگا سید محمد احسن صاحب نے بقایا بابت رس ذمہ اسامیان جگت پور (☆☆۲۰/) لکھائی ہے کہ (☆☆) بعد کو وصول ہوکر (سما☆☆) رہے بعد کو یہ عذر کہ اس میں سہو ہوا ان میں (لہ☆☆) بابت خرید جائداد نیلام ہیں باقی اس جگت پور کے ہیں قابل رقم نہیں کہ وہ کاغذ حلفی تھا اور یہ رقم خرید نیلام ایک غیر وصولی رقم ہے جسے سید محمد احسن صاحب غیر وصولی نقصان میں ڈال چکے ہیں اور کوئی اقرار کنندہ آئندہ اپنے اقرار میں اپنی مفید غلطی و سہو بتانے کا مجاز نہیں خصوصاً اس حالت میں کہ یہ غلطی انہوں نے تقریباً دو مہینے بعد ظاہر کی حلفی کاغذ ۱۶/ذی الحجہ کو پیش کیا تھا اور یہ غلطی ۸/صفر کو بتائی ہے مع ہذا خواہ ان کی بہی کے ملاحظہ سے ظاہر ہوا کہ یہ رقم اس میں بھی سہو ہوتی رہی بعد کو بڑھائی گئی ہے جو اوپر لکھے ہوئے جوڑ سے بڑھتی ہے اور اس کی تحریر بھی صاف جدا قلم و سیاہی سے نظر آتی ہے ۱۳۰۸ف اور ۱۳۰۹ف کا جمع خرچ بھی سید محمد احسن صاحب کے ملاحظہ سے یہ امر ظاہر ہے لہٰذا کسی طرح یہ استثناء قابل قبول نہیں اسی قطع شرکت کی غرض سے فریقین نے یہ بھی چاہا کہ کھنڈسار جگت پور کے کڑھاؤ (جس میں سید محمد افضل صاحب نے نو بیان کیا تھا اور سید محمد احسن صاحب نے سات تسلیم کئے) قیمت لگا کر ایک فریق کو دلادئے جائیں سید محمد احسن صاحب نے ان کی مجموعی قیمت

(☆☆☆) تجویز کی اور لکھا کہ سید محمد افضل صاحب اس قدر قیمت میں خود لے لیں یا ہم کو دے دیں۔ سید محمد افضل صاحب نے خود لینا پسند کیا پس حصہ سید محمد احسن صاحب کے (☆☆) ان کی یافتنی مذکور سے کم ہو کر (☆☆☆۲ / ۳-۳/ ۸) پائی ان کے لئے محمد احسن صاحب پر رہے اور کڑھاؤ ساتوں سید محمد افضل صاحب کے ہوئے لہٰذا حسب ذیل حکم ہوا:

(۱) جملہ مکانات متنازعہ میں سید افضال حسین صاحب کا دعوی نہیں۔

(۲) مکان مسکونہ نمبر ا میں سید محمد افضل صاحب کا کوئی حق نہیں۔

(۳) مکان نمبر ۳ کے تین ربع مبیع سے نصف ملک سید محمد افضل صاحب اور ایک ربع مرہون سے نصف ان کا مرہون ہے۔

(۴) مکان نمبر ۴ عبدالکریم خاں والا بالمناصفہ سید محمد افضل و محمد احسن صاحبان کے مرتہنی میں ہے۔

(۵) مکان نمبر ۱۵ احمد حسین خاں والا خالص ملک سید محمد احسن صاحب قرار پایا اس میں سید محمد افضل صاحب کا کوئی حق نہ رہا۔

(۶) مکان نمبر ۲ محمد بخش والا خالص ملک سید محمد افضل صاحب قرار پایا اس میں سید محمد احسن صاحب کا کوئی حق نہ رہا۔

(۷) اثاث میں کسی فریق کا دوسرے پر دعوی نہ رہا۔

(۸) بقایا بدیں تفصیل بابت رس ذمہ اسامیان جگت پور (سما☆☆)، بابت توفیر ذمہ اسامیان دیہہ لغایت ۱۰۹ ف ☆☆، بقایا بابت مان پور و پرسا کھیڑا (☆☆۱۲ ۱۰/) مطالبہ مرتہنان بابت مکان مرہون عبدالکریم خان والا (☆☆) مجموع (☆☆) آخر ۱۳۰۹ ف تک سید محمد افضل صاحب و سید محمد احسن صاحب کے بالمناصفہ ہیں ان میں جو کچھ جس فریق کو وصول ہوا اس کا نصف دوسرے کو ادا کرے اگر کسی مد میں اس مقدار سے کمی ظاہر ہو تو سید محمد احسن صاحب پر لازم ہوگا کہ اس کمی کا نصف سید محمد افضل صاحب کو ادا کریں۔

(۹) کھنڈسار جگت پور میں شروع ۱۰ سے سید محمد افضل صاحب کی شرکت رہی اس کے ساتوں کڑھاؤ سید محمد افضل صاحب کے قرار پائے سید محمد احسن صاحب وہ ساتوں کڑھاؤ سید محمد افضل صاحب کے مکان پر پہنچوادیں، سید محمد افضل صاحب کرایہ وباربرداری ادا کرینگے۔

(۱۰) قرضہ دامودرداس بابت دستاویز (☆☆واقعہ صما/) دونوں فریق سید محمد افضل و سید محمد احسن صاحبان پر نصف نصف ہے اس کی وجہ سے جو کچھ بار یا مطالبہ آئے گا دونوں فریق پر بحصہ مساوی

ہوگا شروع ۱۳۰۶ھ ف تک جبکہ سید محمد افضل صاحب پیلی بھیت گئے ہیں جو رقم سید فرحت علی صاحب کی یافتنی ذمہ فریقین تھی اس میں سے بعد ادا آخر ۱۳۰۹ھ ف تک جو کچھ باقی رہا جو حسب بیان سید محمد احسن صاحب مجموع (صماء) روپے اور حسب بیان سید محمد افضل صاحب مجموعی دو سو (مال) یا ڈھائی سو (مال ☆) یہ قرضہ بھی پانسو کی مقدار تک جتنا ثابت ہو سید محمد افضل وسید محمد احسن صاحبان پر نصفا نصف ہے ان تینوں مدات مذکورہ کے سوا باقی قرضے سے فریقین بری ہیں۔

(۱۱) آخر ۱۳۰۹ھ ف تک بابت جملہ حساب کتاب فریقین میں ایک کے دوسرے پر یافتنی محسوب ومجرا ہو کر ایک ہزار سات سو اٹھانوے روپے دو آنے تین پائی اور ایک پائی کے آٹھ حصوں سے تین حصے سید محمد احسن صاحب پر سید محمد افضل کے یافتنی نکلے یہ سید محمد احسن صاحب رقم مذکور ان سید محمد افضل صاحب کو ادا کریں ۱۳۱۰ھ فصلی کا حساب بابت توفیر دیہہ علیحدہ ہے فقط ۹/ ربیع الاول شریف ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۶/ جون ۱۹۰۳ء

مسئلہ ۶۷: از پیلی بھیت محلّہ بھورے خاں مرسلہ امیر حسن خان صاحب ۲۲/ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اسلام و شرع متین اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی حافظ محمد میر خان نے منجملہ ۱۰بسوہ ۱۳بسوانسی ۶کچوانسی ۱۳انوانسی ۷نوانسی کے ۵بسوہ حقیت زمینداری موضع منڈریا پرگنہ پیلی بھیت وایک منزل مکان مسکونہ واقع پیلی بھیت قیمتی (معمہ ۷۰۰۰ /) اپنی زوجہ مسماۃ اشرف بیگم کو بالعوض دین مہر تعدادی (☆۵۰۰۰ ") روپے کے دے کر داخل خارج کراکر قبضہ مستقل دے دیا اس کے بعد محمد میر خاں ساڑھے چار برس زندہ رہے بعد انتقال محمد میر خاں کے جو ۵بسوہ ۱۳بسوانسی ۶کچوانسی ۱۳ انسوانسی ۷نوانسی ودیگر جائداد معافیات وغیرہا بنام محمد میر خان کے تھی اس میں سے حق چہارم مسماۃ اشرف بیگم کو ملا اور بقیہ ورثائے محمد میر خان پر تقسیم ہوگئی مسماۃ اشرف بیگم کل جائداد مذکورہ بالا پر ساڑھے انیس برس مالکانہ قابض ودخیل رہی بعد اس کے جائداد مذکور کو مسماۃ مذکور نے مختلف ایام میں اپنی حیات میں بدست امیر حسن خان بالعوض مبلغ (معہ ۷۰۰۰) روپے کے فروخت کرکے داخل خارج وغیرہ اپنی موجودگی میں بنام امیر حسن خان کرادیا وقت بیع سے اس وقت تک امیر حسن خان مشتری برابر قابض ودخیل ہے تحریر بیعنامہ سے ایک سال تک مسماۃ زندہ رہی اب انتقال مسماۃ کو عرصہ ڈیڑھ برس کا ہوا جس وقت مسماۃ نے جائداد بیع کی تھی اس وقت وارثان محمد میر خان عاقل وبالغ تھے اور اسی محلّہ کے ساکن بلکہ قریب مکان مبیعہ کے سکونت رکھتے تھے اور رکھتے ہیں اور جس وقت داخل خارج بنام امیر حسن خان مسماۃ نے کرایا تو اس کے اشتہار وغیرہ موضع میں آویزاں کئے گئے اور اسی موضع میں وارثان محمد میر خاں

کی حقیت علیحدہ تھی اور اب ہے کوئی عذر کسی قسم کا نہیں کیا بعد اس کے امیر حسن خان نے ۵ بسوانسی منجملہ ۵ بسوہ خرید کردہ اپنے کے ایک مسجد کے نام وقف کردیں، کسی نے کوئی عذر نہیں کیا ان سب کارروائیوں سے وارثان محمد میر خاں بخوبی آگاہ اور واقف تھے اب وارثان محمد میر خاں نے دعوٰی کیا ہے کہ یہ جائداد بالعوض دین مہر کے دی گئی مگر حین حیات یعنی مسماۃ اپنی حیات تک اس کی مالک تھی اور بعد وفات مسماۃ کے جائداد مذکور بالا وارثان محمد میر خاں کو پہنچی، آیا اس حالت میں یہ جائداد ورثائے شوہر مسماۃ کو شرعًا واپس ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئولہ میں وہ جائداد ہر گز ورثائے شوہر کو واپس نہیں ہوسکتی، نہ ان کا دعوٰی اصلًا سنا جائے گا کہ وہ صریح حیلہ وفریب ہے اور بعوض دین مہر جو کچھ جائداد دی جائے وہ بیع ہے اور بیع کا مشتری کے حین حیات تک ہونا کیا معنی، یہ محض مہمل و بیہودہ عذر ہے، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قال صاحب المنظومۃ اتفق اساتیذنا علی انہ لاتسمع دعواہ ویجعل سکوتہ رضی للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل والتلبیس وجعل الحضور وترك المنازعۃ اقرار بانہ ملك البائع، وقال فی جامع الفتاوٰی وذکر فی منیۃ الفقہاء رأی غیرہ یبیع عروضا فقبضھا المشتری وھو ساکت وترك منازعتہ فھو اقرار منہ بانہ ملك البائع انتہی[1]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	صاحب منظومہ نے فرمایا ہمارے اساتذہ کا اتفاق ہے کہ اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا اور اس کے سکوت کو بیع پر رضامندی قرار دیا جائے گا تاکہ جعل سازی اور لالچ، دھوکہ دہی اور حیلے ختم کئے جاسکیں اور اس کی موجودگی اور منازعت نہ کرنا اس بات کا اقرار قرار دیا جائے گا کہ یہ بائع کی ملکیت تھا، اور جامع الفتاوٰی میں فرمایا اور منیۃ الفقہاء میں مذکور ہے کہ ایک شخص دوسرے کو سامان فروخت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہو تو مشتری کے قبضہ کرنے پر وہ خاموش رہا اور منازعت نہ کی تو وہ اس بات کا اقرار ہے کہ یہ بائع کی ملکیت ہے اھ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۸: ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو میں باہم نزاع تھی دونوں نے برضائے خود پنچایت کی پنچوں نے فیصلہ کردیا مگر انگریزی طور پر اس کا نفاذ نہ ہوا فریقین پھر متنازعہ کرتے رہے دوبارہ پھر پنچایت برضائے فریقین ہوئی نفاذ اس کا بھی قانونی طور پر نہ ہوا تھا لہٰذا فریقین کو گنجائش انحراف رہی یہاں تک کہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۸۸۔۸۷

نوبت کچہری میں نالش کی پہنچی اب پھر سہ بار پنچایت قرار پائی اس صورت میں ان پنچوں کو اگلے فیصلوں کی نسبت کیا کرنا چاہئے انہیں بحال رکھیں یا وہ منسوخ ہوگئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

کسی کو پنچ کرکے جب تک وہ فیصلہ نہ کرے ہر فریق کو اس کی پنچایت سے عدول کا اختیار ہوتا ہے مگر جب اس نے حکم کردیا اب وہ فریقین کو لازم ہوگیا اس سے پھرنے کا دونوں میں سے کسی کو اختیار نہیں ہوتا قانونی نفاذ ہونا کچھ ضرور نہیں تو صرف بربنائے انحراف فریقین وہ فیصلے منسوخ نہیں ہوسکتے ان پنچوں کو چاہئے ان فیصلوں کو دیکھیں ان میں جو فیصلہ مطابق شریعت موافق مذہب حنفی ہو، پنچوں پر لازم ہے کہ اسے نافذ کریں بحال رکھیں کہ موافق شرع کا خلاف مخالف شرع ہوگا اور مخالف شرع فیصلہ دینے کا کسی کو اختیار نہیں، اور اگر دونوں فیصلے خلاف مذہب تھے تو پنچوں پر لازم ہے کہ انہیں کرکے موافق شرع فیصلہ کریں،

فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار ینفرد احدھما بنقض التحکیم بعد وقوعه(قبل الحکم فان حکم لزمهما ولا یبطل حکمه بعزلهما لصدوره عن ولایة شرعیة [1] اھ ملتقطا وفی ردالمحتار عن بحرالرائق لو رفع حکمه الی حکم اخرحکماه بعد فالثانی کالقاضی یمضیه ان وافق رأیه والاابطله [2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ ثالث کے فیصلہ سے قبل فریقین میں سے ہر ایک کو ثالثی ختم کرنے کا اختیار ہے اور ثالث نے فیصلہ سنادیا تو دونوں فریقوں پر لازم ہوجائیگا اور اب وہ حکم فریقین کے کالعدم کرنے سے باطل نہ ہوگا کیونکہ وہ فیصلہ شرعی ولایت کی بنیاد پر صادر ہوا ہے اھ ملتقطا، اور ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے کہ اگر فریقین ثالثی فیصلہ کو بعد میں اپنے بنائے ہوئے کسی دوسرے ثالث کے پاس پیش کریں تو وہ اس فیصلہ کو نافذ کرنے میں قاضی کی طرح ہوگا اگر اس کی رائے کے موافق ہو تو نافذ کردے ورنہ باطل کردے اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲، ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۹۔۵۰

مسئلہ ۶۹: از جالندھر محلّہ راستہ دروازہ پھگواڑہ مرسلہ محمد احمد صاحب ۱۴/جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی آبادی سے سالہا پہلے عمرو کے گھر کا تمام برساتی پانی اور روز مرہ کا پانی چلاآیا ہے جب زید نے اس حویلی کو خریدااور از سر نو بنائی تو زید نے اپنے گھر میں سے عمرو کے پانی گزرنے کا حق ثابت کرکے اپنی دیوار میں ایک بدرو رکھ کر اپنے گھر کے صحن میں ایک پختہ نالی بناکر اس میں اپنا تمام پانی اور عمرو کے گھر کا تمام پانی ڈال کر باہر کو نکال دی جس کو عرصہ ۳۴ سال کا ہوچکا ہے کہ عمرو کے گھر کا ہر ایک قسم کا پانی مثل دستور سابقہ زید کے گھر سے گزر کر شارع عام میں جا گرتا ہے، زید کی وفات کے بارہ سال بعد ماشکیوں کے بے وقت پانی دینے کی وجہ سے عمرو نے اپنے گھر میں ایک کنواں لگوالیا ہے اب زید متوفی کی زوجہ سوائے برساتی پانی کے روز مرہ کے پانی کو بند کرتی ہے اور عمرو کی طرف سے پانی نکلنے کو کوئی راستہ نہیں بجز زید کی طرف سے، اور یہ بھی واضح ہو کہ زید نے حسن سلوک کی وجہ سے عمرو کا پانی اپنے گھر میں جاری نہیں کیا بلکہ استحقاق پچھلا ثابت کرکے عمرو کا پانی اپنے گھر میں جاری رکھا ہے، اب علمائے کرام سے دریافت کیاجاتا ہے کہ حسب شریعت صورت مندرجہ بالا میں عمرو کو اپنے گھر کا پانی گزارنا زید متوفی کے گھر سے بلارضامندی زوجہ زید متوفی کے جائز ہے یا نہیں؟ اور زید متوفی کی زوجہ بوجوہات بالا عمرو کے پانی کو شریعۃً بند کرسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا بالصواب جزاکم اللہ تعالٰی یوم الحساب۔**

الجواب:

اگر صورت واقعہ یہی ہے کہ عمرو کا ہر قسم کا پانی بارانی و غیر بارانی بالاستحقاق مکان زید سے گزر کر جاتا ہے تو زوجہ زید کو عمرو کے کسی پانی کو روکنے کا ہر گز اختیار نہیں لان الحق لایرد والمسیل لایسد (کیونکہ حق رد نہیں ہوسکتا اور پانی کے بہاؤ کو روکا نہیں جاسکتا۔ت) یہاں زوجہ زید کو بھی عمرو کے مطلق استحقاق سے انکار نہیں، نزاع اس میں ہے کہ برسات کے سوا روز مرہ کے پانی بہانے کا بھی عمرو کو حق ہے یا نہیں، اس کے لئے زمین عمرو کا ڈھال مکان زید کی طرف ہونا مکان زید میں عمرو کی طرف سے آنے والے پانی کے لئے بدرو ہونا اس کے ثبوت کو کافی نہیں کہ یہ استحقاق ہر قسم کے پانی کو عام ہے بلکہ اس کا ثبوت صرف تین طور پر ہے یا تو وارثان زید اقرار کریں کہ واقعی عمرو کو استحقاق عام حاصل ہے یا عمرو گواہان عادل سے اپنا عموم استحقاق ثابت کرادے یعنی گواہ شہادت دیں کہ عمرو کو ہر قسم کے پانی بہانے کا حق اس مکان میں حاصل ہے یا گواہی دیں کہ زید یا وارثان زید نے اس کے عموم استحقاق کا ہمارے سامنے اقرار کیا اور اگر فقط اتنی ہی گواہی دیں گے کہ ہم نے مدتوں سے عمرو کا ہر قسم کا مکان زید میں جاتے دیکھا تو اس سے کچھ ثابت نہ ہوگا۔

لانہ لایدل علی الاستحقاق لجواز ان	یہ استحقاق پر دلالت نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ زید کی

يكون برضا زيد ان يتصرف عمرو فی حق زيد من دون ان يكون لعمرو فيه حق يجبر عليه۔	مرضی سے عمرو نے اس کے حق میں تصرف کیا ہوا اور وہ عمرو کی ملک نہ ہو جس پر مجبور کیا جاسکے۔(ت)

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو زوجہ زید سے قسم لی جائے کہ عمرو کو غیر بارانی پانی اس مکان زید میں بہانے کا حق نہیں اگر وہ قسم کھانے سے حاکم کے حضور انکار کرے گی عمرو کا حق ثابت ہو جائے گا۔

فی الهندية ادعى على اٰخر حق المرور ورقبة الطريق فی داره فالقول قول صاحب الدار ولو اقام المدعی البينة انه كان يمر فی هذه الدار لم يستحق بهذا شيئا كذا فی الخلاصة[1] فان اقام البينة على ان له حق المسيل وبينوا انه لماء المطر من هذا الميزاب فهو لماء المطر وليس له ان يسيل ماء الاغتسال والوضوء فيه وان بينوا انه لماء الاغتسال والوضوء فهو كذٰلك وليس له ان يسيل ماء المطر فيه وان قالوا له فيها حق مسيل ماء ولم يبينوا الماء المطر او غيره صح والقول لرب الدار مع يمينه انه لماء المطر اولماء الوضوء والغسالة كذا فی محيط السرخسی[2]، ولو لم تكن للمدعی بينة اصلا استحلف صاحب الدار و يقضی فيه بالنكول كذا فی الحاوی[3] ولو اراد اهل الداران يبنوا حائطا ليسدوا مسيله لم يكن لهم ذلك كذا فی البدائع[4] اھ ملتقطا والله تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہے ایک شخص نے دوسرے پر دعوٰی کیا کہ مجھے یہاں سے گزرنے کا حق ہے حالانکہ راستہ مدعی علیہ کی حویلی میں ہے تو حویلی والے کی بات معتبر ہوگی اور اگر مدعی یہ گواہی بھی پیش کردے کہ وہ یہاں سے گزرتا تھا تو اس کا حق ثابت نہ ہوگا خلاصہ میں یوں ہے اگر وہ گواہی پیش کردے کہ مجھے یہاں سے پانی بہالیجانے کا حق ہے تو گواہوں نے اگر کہا کہ اس پرنالہ سے بارش کا پانی یہاں بہتا ہے تو صرف بارش کا ثابت ہوگا اس کو غسل ووضو کا پانی وہاں بہالیجانے کا حق نہ ہوگا اور اگر گواہوں نے غسل ووضو کے پانی کے متعلق بیان کیا تو بارش کا پانی گزارنے کا حق نہ ہوگا اور اگر انہوں نے مطلقًا پانی بہنے کی بات کی ہو بارش یا غسل وغیرہ کا ذکر نہ کیا تو بیان صحیح ہوگا جبکہ اس صورت میں حویلی والے کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی کہ وہ پانی بارش کا ہے یا غسالہ کا پانی ہے جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے، اگر مدعی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو حویلی والے سے قسم لی جائیگی اور اگر وہ قسم سے انکار کرے تو اس پر فیصلہ دیا جائیگا، حاوی میں یوں ہے، اگر حویلی والے چاہیں کہ پانی روکنے کے لئے دیوار بنادیں تو ان کو یہ اختیار نہ ہوگا، بدائع میں یوں ہے اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴
[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۶

مسئلہ ۷۰: از ریاست رام پور متصل مسجد جامع مرسلہ بیچے خان ۱۴ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تخمیناً تین سال کا ہوا کہ مسمّٰی زید نے چند قطعہ مکانات واقع شہر رام پور بنام مسماۃ ہندہ زوجہ خود بعوض دین مہر بیع کرکے بیعنامہ بنام ہندہ تحریر کردیااور حسب قاعدہ رجسٹری کرادی اور قبضہ بھی مکانات پر ہندہ کا کرادیا اور زید خود ایک موضع میں رہنے لگا بعد ازاں زید کی زوجہ متوفیہ اولٰی کے بطن سے جو اولاد ہے اس نے بابت حق وحصہ شرعی منجملہ دین مہر یا فتنی والدہ خود ذمگی زید کے زید پر کچہری میں نالش کرکے کچہری سے ڈگری حاصل کی اور ڈگری مذکور جاری کراکے صیغہ اجرائے ڈگری میں مکانات مذکورہ کو قرق کرایا، قاعدہ مروجہ کچہری یہ ہے کہ اگر کوئی جائداد صیغہ اجراء ڈگری میں قرق کی جائے اور کوئی شخص بربنائے قبضہ مستقلّا نہ اس کی بابت عذر کرے تو بشرط ثبوت قبضہ مستقلّا نہ عذر دار کی وہ جائداد قرقی سے واگزاشت ہوجاتی ہے، اب مسماۃ ہندہ نے نسبت قرقی مکانات اپنے کے کچہری میں عذر داری کی کہ یہ مکانات مملوکہ ومقبوضہ میرے ہیں، قرقی سے واگزاشت فرمائے جائیں ثبوت میں بیعنامہ اقراری زید اور بہت سے گواہان پیش کئے کہ جن کی شہادت سے مالک وقابض ہونا ہندہ کا بموجب بیعنامہ بذریعہ سکونت ومرمت مکانات ووصول کرایہ اور حسب اقرار زید کے ثابت ہے، سوالات جرح میں گواہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ زید گاؤں میں رہتا ہے، کبھی کبھی رامپور میں آتا ہے تو اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ اور اپنی اولاد کے پاس انہیں مکانات میں ٹھہرتا ہے دوچار روز رہ کر پھر گاؤں کو چلاجاتا ہے ڈگری داران حجت پیش کرتے ہیں کہ حسب روایات فقہ مندرجہ ذیل قبضہ ہندہ کا نہیں ہے شرعاً زوجہ مع متاع خود بقبضہ شوہر ہے لہٰذا مکانات بھی مقبوضہ شوہر ہیں **روایات:**

لان المرأۃ ومافی یدھا فی یدالزوج[1] ۱۲ بحرالرائق۔ وفی الاشباہ ھبۃ المشغول لایجوز الااذا وھب الاب لطفلہ[2] **قلت** وکذا الدارالمعارۃ والتی وھبتھا لزوجھا علی المذھب لان المرأۃ ومتاعھا فی یدالزوج فصحت التسلیم	کیونکہ عورت اور اس کے زیر قبضہ تمام خاوند کے قبضہ میں ہے، بحرالرائق۔ اور اشباہ میں ہے کہ مشغول چیز کا ہبہ ناجائز ہے مگر وہ کہ والد نے نابالغ لڑکے کے لئے کیا ہو، اور **میں کہتا ہوں** یوں ہی جب مکان عاریتاً ہو اور وہ مکان جو بیوی نے خاوند کو ہبہ کیا ہو، یہ مذہب ہے کیونکہ عورت اور سامان خاوند کے قبضہ میں ہے تو ہبہ پر قبضہ صحیح ہوجائیگا،

[1] بحرالرائق کتاب الدعوٰی باب التحالف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۲۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الھبۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۴۰

اذاوھب لرجل دارا والواھب ساکن فیھا لاتصح الھبۃ بخلاف مااذا وھبت الزوجۃ لزوجھاوھی ساکنۃ فیھا لانھاومافی یدھا فی یدہ[1] ۱۲خزانۃ۔	اور جب ایک شخص نے اپنامکان دوسرے کو ہبہ کیا حالانکہ واہب خود اس میں رہائش پذیر ہے تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا۔بخلاف جبکہ عورت اپنا رہائشی مکان خاوند کو ہبہ کرے تو صحیح ہے کیونکہ خود عورت اور اس کا سامان خاوند کے قبضہ میں ہے ۱۲خزانہ (ت)

کیاروایات مذکورہ صورت مقدمہ مذکورہ سے متعلق ہیں اورازروئے روایات مذکورہ مکانات مقبوضہ ہندہ نہیں متصور ہوں گے؟ یاروایات مذکورہ معاملہ ہبہ سے متعلق ہیں جس میں قبضہ ضرور ہےاوراسی صورت سے متعلق ہیں کہ جہاں کوئی شہادت قبضہ کی نہ گزرے اس مقدمہ میں بیعنامہ اقرار شوہر اور شہادت قبضہ زوجہ زید کی موجود ہے، توروایات مذکورہ اس مقدمہ سے غیر متعلق ہیں یاکیا؟جوابات بحوالہ روایات معتبرہ تحریر فرمایئے؟بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مکانات مملوکہ ہندہ کا واگزاشت کرنا حاکم پر واجب ہے اور ان کا نیلام سخت حرام ڈگری داروں کی حجت محض باطل وصریح جہالت،

اولاً: جب بیع بنام ہندہ گواہوں سے ثابت ہے تو ملک ہندہ ثابت ہےاور قبضے کی بحث سرے سے لغو وبے معنی کہ بیع صحیح میں قبضہ شرط ملک نہیں نفس عقد سے شے ملک بائع سے نکل کر ملک مشتری میں داخل ہوجاتی ہے اذالم یکن توقف ولاخیار (جب بیع میں اختیار اور وقف نہ ہو۔ت) یہ تو صراحۃً بیعنامہ بعوض مہر تھااگر ہبہ نامہ بعوض مہر ہوتاجب بھی قبضے کی اصلاً حاجت نہ تھی حالانکہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا اور وجہ یہ کہ ہبہ بالعوض (نہ بشرط العوض)اگرچہ صورۃً واسماً ہبہ ہے مگر نظراً بمعنی حقیقۃً وحکماً ہے تومحتاج قبضہ نہیں۔درمختار میں ہے:

الھبۃ بشرط العوض المعین ھبۃ ابتداء فیشترط التقابض فی العوضین و یبطل بالشیوع بیع انتھاء فتردبالعیب وخیار الرؤیۃ وتوخذ	معین چیز کے عوض ہبہ ابتداءً ہبہ ہے اس لئے عوضین میں قبضہ شرط ہےاور غیر منقسم ہوجانے پر باطل ہوجائے گااور یہ بشرط العوض ہبہ انتہاءً بیع ہے اس لئے عیب اور خیار الرؤیۃ کی بناء پر واپس

[1] خزانۃ المفتین کتاب الہبہ قلمی نسخہ ۲/ ۱۵۳

بالشفعة هذا اذا قال وهبتك على ان تعوضنى كذا اما لو قال وهبتك بكذا فهو بيع ابتداء وانتهاء[1] اه اختصار۔	ہو سکتا ہے اور شفعہ کے دعوی پر لیا جاسکتا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ ہبہ دینے والا، کہے یہ چیز میں تمہیں فلاں چیز کے عوض ہبہ کرتا ہوں اور اس نے اگر یوں کہا ہو کہ میں تجھے ہبہ کرتا ہوں، تو یہ ابتداءً وانتہاءً بیع ہے اھ اختصار (ت)

ثانیًا: اگر بفرض باطل قبضہ کی حاجت بھی ہو تو جبکہ شہادت شرعیہ کافیہ سے قبضہ ہندہ رنگ ثبوت پائے اس پر ان عبارات سے ایراد محض جہل وعناد، مستدلوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ علماء مافی یدھا فی یدہ فرمارہے ہیں یعنی جو کچھ عورت کے قبضے میں ہے وہ ازانجا کہ عورت خود قبضہ شوہر میں ہے بالواسطہ قبضہ شوہر میں ہے کہ "مقبوض المقبوض مقبوض" اس میں صراحۃً قبضہ زن کا اثبات اور اس کے ذریعہ سے قبضہ شوہر کا اقرار داد ہے نہ کہ قبضہ زن کی راسًا نفی۔ علماء نے "مافی یدھا" فرمایا ہے نہ کہ "لیس فی یدھا"۔

ثالثًا: ایسا ہو تو خود قبضہ شوہر بھی منتفی ہو جائے گا اور کلام اپنے مقصود پر نقص کرتا پلٹ آئے گا کہ قبضہ شوہر بواسطہ قبضہ زن مانا تھا بقیاس مساوات کے "قابض القابض قابض" جب سرے سے قبضہ زن منفی ہو جائیگا قبضہ شوہر کہ اس کے واسطے سے تھا کہاں سے آئیگا ھل ھذا الاجھل مبین (یہ کھلی جہالت ہے۔ت) تو خود یہی روایات کہ ڈگری داروں نے پیش کیں ان کا صریح رد ہیں۔

رابعًا: کلام علماء باب حدیث انت ومالك لابیك[2] سے ہے جیسے بیٹے کے لئے ارشاد ہوا کہ وہ اور اس کا مال سب اس کے باپ کا ہے کوئی عاقل اس سے یہ وہم نہیں کرسکتا کہ بیٹے کی ملک کی نفی فرمائی ہے ایسا ہو تو باپ بیٹے کا وارث نہ ہوسکے، اور آیہ کریمہ "لِاَبَوَیۡهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ"[3] (ور میت کے ماں باپ ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا۔ت) کا معاذاللہ صاف انکار لازم آئے کہ ارث ترکہ مورث میں جاری ہوگی اور ترکہ مثبت ملک جب ملک منتفی توارث کہاں، یونہی علماء کے اس کلام سے کہ زن ومقبوضات زن سب مقبوض شوہر ہیں قبضہ زن کے نفی کی طرف کسی ذی عقل کا گمان نہیں جاسکتا بلکہ وہ حقیقی بالذات ہے اور یہ حکمی بالواسطہ۔

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۰۴

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

خامسًا: اگران عبارات کایہی مطلب باطل قرار دیاجائے کہ عورت کا قبضہ سرے سے معدوم ہے اس کاہاتھ شرعًا ہاتھ نہیں جیسے صبی لایعقل کاہاتھ، تو تمام کتب مذہب متون وشروح وفتاوٰی سب کے اجماعی مسائل مردود و باطل ہوجائیں، کتب مذہب کا اجماع قطعی ہے کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا نیز اجماع قطعی ہے کہ زوجیت مانع رجوع ہے شوہر نے اگر اپنی زوجہ کو کوئی شیئ ہبہ کی اور قبضہ کرادیا کہ تکمیل ہوگئی، اب اسے رجوع کااختیار نہیں، مذہب کی جو کتاب اٹھالیجئے اس میں ان دونوں مسئلوں کی تصریح پایئے، مگراس مطلب باطل کی تقدیر پر ان دونوں میں ایک مسئلہ ضرور باطل ہے کہ جب عورت کا قبضہ شرعًا قبضہ ہی نہیں بلکہ اس کے شوہر ہی کا قبضہ ہے تواب وہ چیز جو شوہر نے ہبہ کرکے اس کے قبضہ میں دی ہبہ تمام اور عورت مالک ہوئی یا نہیں، اگر کہئے ہوئی تو پہلا مسئلہ باطل ہوا کہ یہ ہبہ بے قبضہ تمام وکامل ہوگیا، اور اگر کہئے نہ، تو دوسرا مسئلہ باطل ہوگیا کہ جب عورت کے لئے ہبہ ہوہی نہیں سکتا تو رجوع ناجائز ماننا کیا معنی، غرض یہ ایسی بدیہی البطلان بات ہے جسے کوئی جاہل بھی گوارا نہ کرسکے، اور یہیں سے واضح ہوا کہ عبارات مذکورہ سوال کو صورت بیع سے متعلق ہونا درکنار وہ مطلقًا ہر صورت ہبہ سے بھی متعلق نہیں، آخر نہ دیکھا کہ ہبہ شوہر برائے زن میں ان کا اجراء محض باطل ہے بلکہ وہ صرف ہبہ زن برائے شوہر میں ہیں کہ یہاں موہوب کا متاع زن سے مشغول ہونا مانع تمام نہیں ہے کہ یہ شغل مانع قبضہ شوہر نہیں کہ زن و متاع زن سب مقبوض شوہر ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۱: مرسلہ لال محمد صاحب احسن منزل مرزاپور ۲۶/صفر ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس اس کے مکان میں ہندہ عرصہ چالیس سال سے ہے زید نے لاولد ہندہ کو اپنے مکان میں چھوڑ کر وفات پائی اور اپنے زمانہ حیات میں زید نے بذریعہ چند دستاویزات کے ہندہ کو اپنی زوجہ منکوحہ لکھا ہے اور اپنے جملہ جائداد میں سے بعض جائداد ایک جزو دین مہر کے دیا بھی ہے اب ہندہ کے دعوی زوجیت کے لئے بمقابلہ زید متوفی کے دوسرے شرعی ورثاکے جو منکر زوجیت ہندہ کے ہیں زید کی تحریر وتسلیم زوجیت ہندہ جو بذریعہ اس کے دستاویزات رجسٹری شدہ کے ہوئے، اگر ہندہ کو اپنے نکاح کے شہود وغیرہ نہ ملیں شرعًا ثبوت کافی ہے یا نہیں، اور ہندہ اس جائداد کے پانے کی جو زید نے اس کو بعوض ایک جزودین مہر کے دی اور باقی حصہ دین مہر کے پانے کی باقی متروکہ زید سے مستحق ہے یا نہیں، اور زید کے متروکہ سے وراثتًا کس قدر حصہ ہندہ کا ہے؟ بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب:

اگر ان دستاویزات پر گواہ شرعی موجود ہیں کہ ہمارے سامنے زید نے لکھوائیں اور ہندہ کو اپنی زوجہ بتایا کہ ہمارے سامنے جز جائداد ہندہ کو مہر میں دیا تھا اقرار زید کے گواہ ہوں کہ وہ ہندہ کو اپنی زوجہ کہتا تھا یا کچھ نہ سہی وہ لوگ جو اس مدت مدید تک زید و ہندہ کو باہم ایک مکان میں مثل زن و شو رہتے دیکھا کئے اور وہ اس بناء پر شہادت شرعیہ دیں کہ ہندہ زوجہ زید ہے یا عام طور پر ہندہ کا زوجہ زید ہونا مشہور ہو بعض شاہدان شرعی اسی شہرت کے اعتماد پر زوجیت ہندہ کی گواہی دیں تو زوجیت ثابت ہو جائیگی اور خاص گواہان نکاح پیش ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہندہ اپنا مہر و حصہ پانے کی مستحق ہوگی اور اس کا حصہ بعد ادائے مہر و دیگر دیون و وصایا چہارم متروکہ ہے اور اگر ان صورتوں میں کچھ نہ پائی جائے تو نری دستاویزیں اگرچہ ہزار رجسٹری شدہ ہوں بے شہادت معتبرہ کے کوئی چیز نہیں۔ جامع الفصولین میں ہے:

ادعت نکاحه فشهد احدهما انها امرأته والاخر انها کانت امرأته تقبل وکذالوشهد احدهما انه اقر انها امرأته والاخر انه اقرانها کانت امرأته لان الشهادة باقرارہ بنکاح کان شهادة باقرارہ بنکاح حالی[1]۔	عورت نے ایک مرد پر اپنے نکاح کا دعوی کیا، ایک گواہ نے کہا کہ یہ اس کی بیوی ہے، دوسرے نے کہا یہ اس کی بیوی تھی، تو یہ گواہی مقبول ہوگی، اسی طرح شہادت میں ایک گواہ کہے کہ مرد نے اقرار کیا ہے کہ یہ اس کی بیوی ہے، دوسرا گواہ کہے کہ اس نے اقرار کیا کہ یہ اس کی بیوی تھی، یہ گواہی مقبول ہوگی، کیونکہ گزشتہ نکاح کی شہادت یہ موجودہ نکاح کی شہادت ہے۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

الشهادة بالشهرة والتسامع تقبل فی اربعة اشیاء بالاجماع وهی النکاح والنسب والموت والقضاء کذافی محیط السرخسی[2]۔	شہرت اور سماع کی بناء پر چار چیزوں میں بالاجماع شہادت مقبول ہے وہ چار، نکاح، نسب، موت اور قضاء ہیں، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایعمل بمجرد الدفتر ولا بمجرد الحجة	محض خط اور محض رجسٹر پر بغیر حجت عمل نہ ہوگا کیونکہ

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۷

لما صرح به علماؤنا من عدم الاعتماد علی الخط وعدم العمل به [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ نہ خط پر اعتماد ہے نہ اس پر عمل کیا جائے اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۲: از پیلی بھیت محلّہ پنجابیاں مرسلہ جناب شیخ عبدالعزیز صاحب ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ورثاء میں سے شوہر دعوٰی کرے کہ فلاں زیور میں نے اس کو کل یا جز بنواکر استعمال کے واسطے دیا تھااور اسی طرح سے اس کے والدین وغیرہ دعوٰی کریں کہ فلاں فلاں زیور اور دیگر اشیاء ہم نے اس کے جہیز میں دی تھیں اس کے استعمال کے واسطے، وہ ہم کو واپس ملنی چاہئیں، کیا یہ دعویدار اپنے دعوے کے موافق مستوجب واپسی کے ہوسکتے ہیں اور عنداللہ استحقاق واپسی ان کو حاصل ہے یا نہیں؟ بیان فرمائیے ثواب پایئے۔

الجواب:

والدین کا دعوٰی کہ ہم نے فلاں شیئ جہیز میں عاریۃً دی تھی بے شہادت عادلہ مسموع نہیں کہ خلاف عرف ظاہر و ناشی ہے، شوہر کا قول سن لیاجائیگا، جو زیور اس نے بنواکر دیا جب وہ تملیک کردینے کا مقر نہیں تو بغیر شہادت عادلہ ملک ہندہ ثابت نہ ہوگی، لان الدافع ادری بجھۃ الدفع ولاعرف قاضیا ھٰھنا۔ کیونکہ دینے والا بہتر جانتا ہے کہ اس نے کس طرح دیا ہے جبکہ یہاں واضح عرف نہیں جس پر فیصلہ دیا جائے۔ (ت) درمختار میں ہے:

جھز ابنته بجھاز وسلمھا ذٰلك لیس له الاسترداد منھا وبه یفتی والحیلة ان یشھد عندالتسلیم الیھا انه انما سلمه عاریة [2]۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	بیٹی کو جہیز دیا اور اس کو سونپ دیا تو اب والد کو واپسی کا حق نہیں ہے، فتوٰی اسی پر ہے، اور واپسی کا حیلہ یہ ہے جہیز دیتے ہوئے گواہ بنالے کہ میں نے یہ عاریتًا دیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۱۸

[2] درمختار کتاب النکاح باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

مسئلہ ۷۳: مرسلہ صفدر علی صاحب ۱۴/ شوال ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علماء ومفتیان دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع شراکت زید اور عمرو چلاآتا تھااور زید بوجہ نمبرداری اس پر قابض اور دخیل تھا زید نے بلااجازت عمرو کے ایک باغ جو واقعہ موضع مذکور تھا فروخت کرکے قیمت اپنے تصرف میں لایااور عمرو کو بابت حصہ اس کے کچھ نہ دیا جواب عمرو نے تقسیم موضع مذکور کی کرائی تو یہ امر معلوم ہوا جب عمرو نے اپنے حصہ کا مطالبہ زید سے طلب کیا تو زید نے عذر تمادی کا پیش کیا، صورت ہذا میں حقوق عمرو کا عنداللہ ذمہ زید کے ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائے ثواب پائے۔ت)

الجواب:

بیشک ہےاور عذر تمادی محض باطل و مہمل،

فی الاشباہ الحق لایسقط بتقادم الزمان [1]۔	اشباہ میں ہے کہ زمانہ قدیم ہوجانے پر حق ساقط نہ ہوگا۔ (ت)

زید سخت گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا کہ عمرو کا حصہ بے اس کی اجازت کے بیچ کر کھاگیا،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ (ت)

اب دوسرا گناہ عظیم یہ جھوٹا عذر مردود پیش کرتا ہے اللہ عزوجل سے ڈرے اور روز قیامت کی سخت شدتیں نار دوزخ کے قہر عذاب اپنے سر نہ لے۔

مسئلہ ۷۴: ۱۰/ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

زید نے عمرو سے ایک شے ایک روپے کو خریدی، زید نے پوچھا یہ شیئ کتنے کو دوگے، اس نے کہاایک روپے کو، مشتری اس کو خرید کے گھر لے آیا بطور قرض، دوسرے روز جب دام دینے گیا تو بائع نے کہا میاں! میں نے تو اس کے دو روپے کہے تھے، مشتری کو اس امر میں کہ بائع نے اس کے دریافت پر وقت بیع کے ایک روپیہ کہا ذرا بھی شک نہیں، اب شے مبیعہ یاہلاک ہوگئی ہے بلکہ نہیں معیب بعیب فاحش ہے زر ثمن یا اصل مبیعہ کا کس طرح فیصلہ ہے بائع و مشتری دونوں نمازی اور ایکدوسرے کے نزدیک موتمن بھی ہیں۔ **بینوا توجروا بالروایۃ الصحیحۃ وھی لکم عندالحساب اجر وذخیرۃ** (بیان کرو اجر پاؤ، صحیح روایت سے ہو اور وہ تمہارے لئے روز حساب اجر اور ذخیرہ ہے۔ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۵۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ مبیع ہلاک یا معیب بعیب فاحش ہو گئی ہے تحالف نہیں بلکہ بائع سے گواہ لئے جائیں گے اگر اس نے بینہ شرعیہ سے ثابت کردیا کہ دو روپے ثمن ٹھہرے تھے تو وہی دینے ہوں گے اور اگر نہ دے سکا تو مشتری سے قسم لی جائیگی، اگر اس نے حلف کرلیا کہ ایک ہی روپیہ قرار پایا تھا تو ایک ہی دینا آئے گا اور حلف سے نکول وانکار کیا تو دو روپے کی ڈگری کی جائیگی،

فی الدر المختار لاتحالف اذا اختلفا بعد ھلاك المبیع اوخروجه عن ملکه او تعیبه بما لایرد به وحلف المشتری[1]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے مبیع کے ہلاک ہوجانے یا مشتری کی ملکیت سے نکل جانے کے بعد یا ایسے عیب پیدا ہونے کے بعد جس کی وجہ سے واپس نہ ہوسکے اختلاف ہو تو دونوں سے قسم جائز نہیں اور مشتری سے قسم لی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۵: از ہلدوانی مرسلہ منشی ولایت حسین صاحب ٹھیکہ دار ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس امر میں کہ زید نے اپنا مال بکر کے پاس امانت رکھا، جب بکر سے طلب کیا تو بکر نے مال دینے سے انکار کیا بوجہ مال نقد اور زیور ہونے سے زید نے حاکم وقت کے یہاں دعوی دائر کیا اور گواہان ثبوت حاکم کے روبرو حاضر کئے، بکر بوجہ کرنے انکار کے قسم شرعی کھانے کو موجود ہے، جب ثبوت مدعی موجود ہووے تو بموجب حکم شرع شریف کے بکر قسم کھاسکتا ہے یا نہیں یا موجودگی شہادت مدعی کے فقط۔

الجواب:

صورت مذکورہ میں اگر بکر بطور خود قسم کھانا چاہتا ہے تو محض نامسموع، اگر کھا بھی لے گا دعوی مدعی کو نقصان نہ پہنچے گا، اور اگر بکر سے زید قسم لیتا ہے تو اسے بھی اس کا اختیار نہیں اور اس حالت میں بھی یہ قسم ناقابل سماعت، قسم مدعا علیہ کا وقت جب ہے کہ مدعی نے شہادت مقبولہ نہ پیش کی ہو۔ درمختار میں ہے:

اصطلحا علی ان یحلف عند غیر قاض ویکون بریئًا فھو باطل لان الیمین	مقدمہ کے فریقین نے اتفاق کرلیا کہ کسی غیر قاضی کے سامنے قسم کھا کر بری ہوجائے تو یہ باطل ہے کہ فریق

[1] درمختار کتاب الدعوی باب التحالف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۱

حق القاضی مع طلب الخصم ولاعبرۃ لیمین ولا نکول عند غیر القاضی[1]۔	مخالف کے مطالبہ پر قسم صرف قاضی کا حق ہے غیر قاضی کے پاس قسم یا قسم سے انکار کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الیمین کالخلف عن البینۃ فاذاجاء الاصل انتھی حکم الخلف[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	قسم گویا گواہی کا خلف ہے تو جب اصل آجائے تو خلیفہ کا حکم ختم ہوجاتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۶: از ریاست رامپور مرسلہ سید نصیر الدین صاحب ۱۴/شوال مکرم ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو پر بلا تحریر دستاویز بربنائے شہادت گواہان دس روپے کی نالش دائر کی اور تاریخ موعود پر گواہان ثبوت دعوی کو بذریعہ کچہری کے طلب کرایا اس تاریخ پر کسی وجہ سے سماعت بیان گواہان کی نہ ہوئی اور تاریخ دوسری کچہری نے واسطے حاضر کرنے انہیں گواہان ثبوت کے مقرر کئے اور عمرو مدعاعلیہ کو دعوی مدعی سے قطعی انکار ہے جب کہ تاریخ ثانی ادخال شہادت کے واسطے مقرر ہوئی تو مدعی نے اس تاریخ پر ایک درخواست کچہری میں پیش کی کہ مدعاعلیہ کا حلف لیا جائے گواہ اپنے سنوانا نہیں چاہتا،تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں مدعاعلیہ حلف اٹھانے پر مجبور کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر گواہ شہر میں موجود ہیں تو مدعاعلیہ سے حلف نہیں لے سکتا بلکہ مدعی ہی سے گواہ لئے جائیں گے اور اگر دور ہیں تو حلف مانگ سکتا ہے،

فی الدرالمختار قال المدعی لی بینۃ حاضرۃ فی المصرو طلب یمین خصمہ لم یحلف ولو غائبۃ عن المصر حلف وقدر فی المجتبٰی الغیبۃ بمدۃ	درمختار میں ہے مدعی نے کہا میرے گواہ شہر میں ہیں،اس کے بعد اس نے مدعٰی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا تو قسم نہ لی جائیگی،ہاں اگر شہر میں موجود نہ ہوں تو قسم لے لی جائیگی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر،بعض نے فرمایا کہ گواہوں کا مسافت سفر تک غائب

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶
[2] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۸

السفر [1] اھ اقول: عبارۃ المجتبی علی مافی قرۃ العیون قال بینتی غائبۃ عن المصر حلف عندابی حنیفۃ وقیل قدر الغیبۃ بمسیرۃ سفر اھ [2] وقد قالوا کمافی البحر وغیرہ ان لو بعد مکان القاضی بحیث ان حضر للشھادہ لم یؤوہ اللیل الی اھلہ لم یلزمہ الحضور، فافھم، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہونا معیار ہے جیسا کہ مجتبٰی میں ہے۔ **میں کہتا ہوں** قرۃ العیون میں مجتبٰی کی عبارت یوں ہے مدعی نے کہا میرے گواہ شہر سے غائب ہیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک قسم لی جائیگی، بعض نے فرمایا مسافت سفر پر ہونا گواہوں کا غائب ہونا مراد ہے اھ، حالانکہ فقہاء کرام نے فرمایا جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے کہ اگر قاضی کا مقام اتنی دور ہے کہ گواہ شہادت کیلئے حاضر ہوں تو واپس رات گھر نہیں پہنچ سکتے تو ایسی صورت میں مدعی کو گواہوں کا حاضر کرنا لازم نہ ہوگا، اس کو سمجھو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۷: از ریاست رامپور مکان حافظ محمد عنایت اللہ خاں صاحب متصل مرزا شاہ ولی اللہ صاحب صاحبزادہ امجد علی خان صاحب ۱۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مقدمہ میں عدالت سے جانب مدعا علیہ حسب درخواست مدعی حلف متوجہ ہوا اور حلف لینے کے لئے دوسرے محکمہ کے نام عدالت نے حکم دیا جس مضمون کے ساتھ واسطے لینے حلف کے ہدایت اور ایما ہوا وہ حسب یادداشت عدالت دیوانی معطوفہ سوال ہذا ہے محکمہ حلف گیرندہ نے ہر ہر چیز انکاری واقراری کی بابت جدا جدا حلف لیا لیکن عدالت دیوانی کی یادداشت کے جواب میں جو یادداشت جوابی لکھی ہے وہ معطوفہ سوال ہذا ہے اور یہ امر بھی لائق اظہار ہے کہ جن الفاظ اور مضمون کے ساتھ حلف لیا گیا وہ حسب منشاء وکیل مدعی لیا گیا اب مدعی کو یہ عذر ہے کہ حسب منشاء تحریر عدالت حلف نہیں لیا گیا کیونکہ منشاء حکم عدالت کا یہ تھا کہ مدعا علیہا سے اس طرح پر حلف لیا جائے تاکہ اشیائے مندرجہ فرد میں سے کل یا جزو یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی اس قیمت اور اس وزن کی یا اس سے کم قیمت اور کم وزن کی بابت متروکہ ضیاالنساء بیگم کے مدعٰی علیہاکے پاس نہیں ہے نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعاعلیہاکے قبضہ میں آئے اور عدالت گیرندہ حلف نے مضمون انکاری کے ساتھ نہ قید متروکہ ضیاء النساء بیگم کی لگائی نہ حلف کل یا جزو یعنی اس قیمت اور وزن کے اشیاء پر جو مندرجہ فرد ہیں یا اس سے کم قیمت اور کم وزن پر لیا گیا لہٰذا امور ذیل کے بابت جواب مطلوب ہے:

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۹

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الدعوٰی مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۵۰

اوّل: جو یادداشت عدالت گیرندہ حلف نے بجواب یادداشت عدالت دیوانی تحریر کی ہے اس سے پورے طور پر تعمیل حکم عدالت دیوانی ہو گئی یا نہیں۔

دوم: یادداشت عدالت دیوانی میں جو یہ مضمون تحریر ہے (کہ اشیائے مندرجہ فرد منسلکہ حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد متروکہ ضیاء النساء بیگم سے کل یا جز و یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم کے پاس مدعا علیہاکے نہیں ہے اھ) اس کا منشا یہ ہے کہ اشیائے مندرجہ فرد حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد میں کل چیزیں یا بعض چیزیں اس قیمت اور وزن کی جو مندرجہ فرد ہیں مدعا علیہاکے پاس نہیں ہیں نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعٰی علیہاکے قبضہ میں آئیں یا منشاء حکم عدالت یہ ہے کہ کل یا جز و اشیائے مندرجہ بہ تعداد قیمت مندرجہ یعنی اسی قیمت اور وزن کے اشیاء یا اس سے کم وزن اور قیمت کے اشیاء بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم مدعا علیہاکے پاس نہیں ہیں نہ مسماۃ مذکور کے مرنے کے بعد مدعا علیہاکے قبضہ میں آئیں یعنی لفظ کل اور جزو کا اطلاق تعداد اشیاء پر ہے یعنی کل اور جزو اشیاء کا مراد ہے۔

سوم: یادداشت میں محکمہ گیرندہ حلف نے جو لفظ متروکہ ضیاء النساء بیگم تحریر نہیں کیا اس سے حلف کی تعمیل میں کوئی نقصان تو پیدا نہیں ہوا اس لئے کہ پیشتر مدعا علیہا سے بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم سوال کرکے حلف لیا گیا ہے دوسرے اس محل پر نفی مطلق سے نفی مقید ہو گئی یا نہیں۔

چہارم: ایک مرتبہ جن الفاظ کے ساتھ وکیل مدعی نے جس کو حق حلف لینے کا حاصل تھا چاہا اسکے موافق حلف لیا گیا اب دوبارہ مدعی کو یا عدالت کو دوسرے طور پر پھر حق حلف لینے کا حاصل ہے یا نہیں۔

پنجم: اشیاء متدعویہ کے انکار پر حلف لیا جاتا ہے نہ غیر متدعویہ پر، پس یہ بات لائق دریافت ہے کہ جب مدعی نے ایک عدد زیور وغیرہ کے وزن اور قیمت کے ساتھ مقید کرکے دعوی کیا تو اس وزن اور قیمت سے کم مقدار اور وزن کے وہ شے متدعویہ قرار پائے گی یا نہیں۔

نقل یادداشت عدالت دیوانی بمقدمہ خیر النساء بیگم مدعیہ بنام امیر النساء بیگم بنت صاحبزادہ محمد باقر علی خاں زوجہ صاحبزادہ محمد ہادی علی خاں صاحب مرحوم مدعا علیہا ساکن محلّہ قریب گھیر عثمان خاں دعوی دہایندگی حصہ فرائض از جائداد متروکہ مسماۃ ضیاء النساء بیگم مدعا علیہا نے نسبت جائداد مدعا علیہا اکثر کی نسبت انکار ترکہ ضیاء النساء بیگم سے کیا ہے اور مدعیہ نے نسبت جائداد منقولہ بحالت انکار حلف مدعا علیہا پر کیا ہے اور مدعا علیہا کو ادائے حلف میں انکار نہیں ہے اور فریقین اہل خاندان سے ہیں اس لئے تعمیل حلف کو نسل خاندان کے ذریعہ سے ہونا مناسب ہے لہٰذا بذریعہ یادداشت ہذا نقل حکم و نقل فرد اشیاء مرسل ہو کر گزارش ہے کہ کاغذات ہذا بنابر تعمیل حلف کو نسل خاندان میں ارسال

فرمائے جائیں کہ مدعا علیہا سے اسی طرح حلف لیا جائے کہ اشیائے مندرجہ فرد منسلکہ حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد متروکہ ضیاء النساء بیگم سے کل یا جزو یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم کے پاس مدعا علیہا کے نہیں ہے نہ ضیاء النساء کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضہ میں آئی اشیاء مندرجہ کی قیمت اور وزن اور تعداد اول مدعا علیہا کو سنا کر بمواجہہ وکلاء فریقین حلف لیا جائے۔ دستخط حاکم **نقل یادداشت محکمہ گیرندہ حلف** حسب صدور حکم اجلاس اعلیٰ مثبتہ ناصیہ یادداشت حاکم عدالت دیوانی ضلع بمقدمہ خیر النساء بیگم مدعیہ موسومہ امیر النساء بیگم مدعا علیہا بدعوی دہانیدگی سہ سہام منجملہ ۱۸ اسہام مالیتی مبلغ (ماع صما) روپیہ از کل جائداد منقولہ متروکہ مسماۃ ضیاء النسا بیگم واقع شہر رام پور قیمتی (صہ عہٖ) روپیہ فہرست منسلکہ زیور و ظروف وغیرہ حرفاً حرفاً مدعا علیہا کو بمواجھہ وکلاء فریقین بشناخت صاحبزادہ فرخ طور خاں بہادر مدعیہ سنائے گئے اور قرآن شریف ہاتھ میں دیگر بموجب منشاء مضمون یادداشت عدالت دیوانی متوجہ بحلف کیا گیا مدعا علیہا نے ہر ایک عدد زیور طلائی و نقرئی و دیگر سامان نقرئی مندرجہ فہرست معہ تعداد وزن و قیمت سن کر بحلف بیان کیا کہ کل اشیائے زیور طلائی و نقرئی و دیگر سامان نقرئی اس قیمت اور اس تعداد اور اس وزن کا میرے پاس نہیں ہے اور کل پارچہائے پوشیدنی قسم گوٹہ وغیرہ ہر ایک تفصیل وار سن کر بحلف کہا کہ میرے پاس اس تعداد اور اس قیمت کے نہیں ہیں جملہ سامان فروش تفصیل وار سن کر دو غلیچہ رنگ سیاہ قیمتی (ﻋﮧ) روپیہ کی نسبت حلفاً کہا کہ میرے پاس ہیں لیکن اس قیمت کے نہیں ہیں باقی کل قسم فرش کے بابت حلف مذہبی نسبت عدم موجودگی کیا سامان چوبی مفصلاً مدعا علیہا کو سنایا گیا منجملہ کل سامان کے بیس عدد چوکیاں چوب سار قیمتی مبلغ تیس روپے کی نسبت حلف سے انکار کیا اور دو پلنگ نواڑ کلاں قیمتی مبلغ بیس روپے کی نسبت مدعا علیہا نے بحلف کہا کہ میرے پاس ہیں لیکن قیمت کا حال معلوم نہیں ما بقے کل سامان چوبی کی عدم موجودگی پر حلف لیا چونکہ کارروائی حلف کی بہ تعمیل حکم اجلاس اعلیٰ حسب منشاء عدالت دیوانی ہوگئی لہٰذا جملہ کاغذات ذریعہ یادداشت ہذا باجلاس اعلیٰ نواب مدار المہام صاحب بہادر مرسل ہیں فقط دستخط حاکم **بینوا توجروا**۔

الجواب:

کل یا جز سے مراد یہی ہے کہ اشیائے مدعی بہا جمیع یا بعض نہ یہ کہ خود وہ اشیاء یا ان سے کم وزن و قیمت کی چیزیں خود عبارت حاکم دیوانی میں تفسیر موجود تھی کہ اشیائے مندرجہ فرد حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد سے کل یا جز یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی اور یہی طریقہ مقررہ استحلاف ہے کہ احتیاط بعض دعوی بھی شامل حلف کر لیتے ہیں۔

ہندیہ میں ہے:

یحلف باللہ ماھذا العین لفلان بن فلان ولاشیئ منہ یجمع بین الکل والبعض احتیاطا کذافی المحیط[1] ۔	حلف یوں دے گا خدا کی قسم یہ خاص چیز یا اس کا کچھ حصہ فلاں بن فلاں کا نہیں ہے قسم میں اس چیز کے کل اور بعض کو ذکر کرے احتیاطًا، محیط میں ایسے ہے۔(ت)

عامہ کتب میں تمام امثلہ دیکھی جائیں یہی بڑھاتے ہیں کہ ولاشیئ اٰخر اقل منہ قیمۃ و وزنا (نہ کسی اور چیز کو جو اس سے قیمت اور وزن میں کم ہے۔ت) اس میں یہ ہے کہ حلف دعوی پر لیا جاتا ہے نہ کہ امر خارج عن الدعوی پر۔ ہدایہ میں ہے:

وان عجز عن ذٰلک وطلب یمین خصمہ استحلفہ علیہا[2] ۔	مدعی اگر گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو اور مخالف کی قسم کا مطالبہ کرے تو قسم لی جائے (ت)

غایۃ البیان میں ہے:

ای ان عجز المدعی عن اقامۃ البینۃ وطلب یمین المدعی علیہ استحلفہ القاضی حینئذ علی دعواہ[3] ۔	یعنی اگر مدعی گواہی پیش کرنے سے عاجز ہو اور مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے تو اس پر قاضی مدعی علیہ سے دعوی کے متعلق قسم لے (ت)

یمین دعوی صحیحہ کے سوا فاسدہ پر مترتب ہوتی نہیں، معدومہ پر کیونکر مترتب ہوسکتی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

الاستحلاف یجری فی الدعاوی الصحیحۃ دون فاسدتہا کذافی الفصول العمادیۃ[4] ۔	قسم صحیح دعووں پر جاری ہوگی فاسد دعووں پر نہ ہوگی، فصول العمادیہ میں یونہی ہے۔(ت)

اور بعض دعوی داخل دعوی ہے ولہٰذا اگر شاہدین یا ایک بعض دعوی پر شہادت دیں قدر بعض

---

[1] فتاوی ہندیۃ کتاب الدعوی الباب الثالث الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۷

[2] ہدایہ کتاب الدعوی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۰۱

[3] غایۃ البیان

[4] فتاوی ہندیۃ کتاب الدعوی الباب الثالث الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳

میں قبول کرلیں گے۔خانیہ میں ہے:

اذا ادعی کل الدار فشھد والہ بنصف الدار جازت شھادتھم ویقضی بالنصف من غیر توفیق[1]۔	مدعی نے کل مکان کا دعوی کیا تو گواہوں نے نصف مکان کی شہادت دی فیصلہ نصف مکان پر ہوگا بغیر موافقت پیدا کئے(ت)

بخلاف دیگر اشیاء مخالفۃ الوزن والقیمۃ کہ وہ غیر مدعی بہا ہیں اور وزن وقیمت میں کم ہونا بعضیت نہیں ہر عاقل جانتا ہے کہ مثلاً دو تولے سونے کے دو بالے قیمتی ساٹھ روپے اور دو بالے ایک تولے سونے کے تیس روپے قیمت کے ہوں، یہ بالے ان کے بعض وجز نہیں بلکہ غیر وجدا چیز ہیں، شیئ غیر حاضر میں ذکر وزن وقیمت اس کی تعریف وتعیین ہی کے لئے ہے تو اس کا غیر معین کا غیر ہے نہ جزء۔ہدایہ میں ہے:

لایقبل الدعوٰی حتی یذکر شیئا معلوما فی جنسہ وقدرہ لان فائدۃ الدعوی الالزام بواسطۃ اقامۃ الحجۃ والالزام فی المجھول لایتحقق فان کان عینا فی ید المدعی علیہ کلف احضارھا لیشیر الیھا بالدعوی وکذا فی الشھادۃ والاستحلاف لان الاعلام باقصی ما یمکن شرط وذٰلك بالاشارۃ فی المنقول، وان لم تکن حاضرۃ ذکر قیمتھا لیصیر المدعی معلوما لان العین لاتعرف بالوصف والقیمۃ تعرف بہ[2]۔	جنس اور قدر میں معلوم چیز کے ذکر کے بغیر دعوی قبول نہ ہوگا کیونکہ دعوی کا فائدہ حجت کے ذریعہ الزام قائم کرنا ہے اور مجہول کا الزام متحقق نہیں ہوسکتا اور اگر وہ چیز مدعٰی علیہ کے قبضہ میں ہو تو اس کو حاضر کرنے کا پابند بنایا جائے گا تاکہ مدعی اس کی طرف دعوی کرتے ہوئے اشارہ کرسکے، اور شہادت اور قسم میں بھی ایسے کیا جائے کیونکہ تمام مراحل میں ہر ممکن حد تک تعارف ضروری ہے اور یہ منقول چیز میں اشارہ سے ہی حاصل ہوسکتا ہے اگر وہ چیز حاضر نہ ہو تو اس کی قیمت ذکر کرے تاکہ مدعا واضح ہوسکے کیونکہ خاص چیز کا تعارف اس کے وصف سے نہیں بلکہ اس کی قیمت سے ہوتا ہے(ت)

ہندیہ میں ہے:

اذاادعی جوھرا لابد من ذکر الوزن اذاکان غائبا وکان المدعی علیہ	اگر کسی جوہری چیز کا دعوی ہو تو اس کے وزن کا ذکر ضروری ہے اگر وہ غائب ہو اور مدعا علیہ اس کے قبضہ

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الشھادات باب من الشھادۃ التی یکذب المدعی مطبع نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۴۶

[2] الھدایہ کتاب الدعوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۰۰

منکرا کون ذٰلك فی یدہ کذافی السراجیة وفی اللؤلؤ یذکر دورہ وضوءہ ووزنہ کذافی خزانة المفتین[1]۔	سے انکاری ہو، سراجیہ میں یوں ہے اور موتیوں کے دعوی میں اس کی گولائی، چمک اور وزن کو ذکر کرے جیسا کہ خزانۃ المفتین میں ہے (ت)

وجیز امام کردری نوع اخیر فصل خامس عشر من الدعوی میں ہے:

فی دعوی الدیباج والجوہر یشترط ذکر الوزن اذالم یکن حاضرا وان حاضرا فلا لتفوت القیمة بتفاوت الوزن[2]۔	ریشمی کپڑے اور جواہر میں وزن کا ذکر شرط ہے جب حاضر نہ ہو اور اگر حاضر ہو تو ضروری نہیں کیونکہ وزن کے اختلاف سے قیمت میں اختلاف ہوتا ہے (ت)

اسی کی نوع مذکور میں ہے:

ذکر الوتار، ادعی زندنیجا طولہ بذرعان خوارزم کذا وشھدوابذلك کذٰلك بحضرة الزندنیجی فذرع فاذا ھو ازید اوانقص بطلت الشھادة والدعوی کما اذا خالف سن الدابة الدعوی او الشھادة وقولھم الذرع وصف فیلغوفی الحاضر ذٰلك فی الایمان والبیع لافی الدعوٰی والشھادة فانھما اذاشھدابوصف فظھر خلافہ لایقبل وذکر ایضا ادعی حدیدامشاراالیہ و ذکرانہ عشرة امناء فاذاھو عشرون او ثمانیة تقبل الدعوی والشھادة لان الوزن فی مشار الیہ لغوا[3] اھ قلت وقولاہ علی اختلافھما مجمعان	زندنیجا کا دعوی کیا اس کی پیائش خوارزمی گزوں سے بتائی کہ اتنی ہے اور گواہوں نے بھی یہی گواہی دی زندنیجی حاضر کی گئی اور پیائش کرنے پر مذکورہ پیائش سے کم یا زیادہ ہوئی تو دعوی اور شہادت دونوں باطل ہوجائیں گی جیسا کہ دعوی اور شہادت میں جانور کی عمر کا معاملہ ہے، باقی رہا فقہاء کا یہ ارشاد کہ پیائش وصف ہے تو حاضر میں اس کا ذکر لغو ہوتا ہے تو یہ ضابطہ قسم اور بیع میں ہے دعوی اور شہادت میں نہیں کیونکہ ان دونوں میں جب وصف کو ذکر کیا تو اس کا خلاف ظاہر ہونے پر مقبول نہ ہونگے، اور یہ بھی ذکر کیا کہ موجود لوہے پر اشارہ کرتے ہوئے دعوی کیا اور بتایا کہ اس کا وزن دس من ہے تو وہ بیس یا آٹھ من نکلا تو دعوی اور شہادت مقبول ہوگی کیونکہ مشار الیہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب الدعوی نوع من الفصل الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۲۵

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب الدعوی نوع من الفصل الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۲۱

علی اعتبار الوزن فی الغائب اما الاول فظاہر فانه اذا اعتبر الوصف فی الحاضر فاعتبار العین فی الغیب اولی بدرجتین اماعرف فی موضعه ان الذراع وصف و القدر عین واما الثانی فلان الالغاء للاشارۃ فاذا انتفی انتفی۔	میں وزن کاذکر لغو ہے اھ قلت (میں کہتا ہوں) اس کے دونوں متخالف قول غائب چیز میں وزن کے اعتبار میں جمع ہوسکتے ہیں پس اول ظاہر ہے اس لئے کہ جب حاضر میں وصف کا اعتبار ہوگا تو غائب میں بطریق اولیٰ دو درجہ ہوگا کیا معلوم نہیں کہ ذراع وصف اور قدر عینی چیز ہے اور دوسرا اس لئے کہ لغو ہونا اشارہ کی وجہ سے ہے تو جب اشارہ معدوم ہوجائے تو لغو ہونا معدوم ہوجائیگا (ت)

غرض وکیل مدعیہ کا یہ عذر مسموع نہیں اب باقی امور کی طرف چلئے پیش از حلف جو مکالمہ محکمہ حلف گیرندہ وحالفہ میں آیا وہ نہ یادداشت میں مسطور نہ سوال میں مذکور جس پر بالخصوص رائے قائم کی جائے مگر ملاحظہ یادداشت محکمہ حلف سے ایساظاہر ہوتا ہے کہ فرداشیائے مدعی بہا بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم امیر النساء بیگم کو سنا کر اسے متوجہ حلف کیا گیا یعنی اس سے کہا گیا کہ ان اشیاء کی نسبت بحلف بیان کرو اس نے کلام مذکور یادداشت کہا جو ہر طرح سخن مستقل ہے اور اس میں ترکہ ضیاء النساء بیگم کا کہیں ذکر نہیں ہوسکتا تو عبارت حلف سے پیشتر کسی کلام میں ذکر متروکہ آجانا نفس حلف میں ذکر نہیں ہوسکتا جس نے ان معاملات میں علمائے کرام کی احتیاطیں دیکھی ہیں وہ اس کا ناکافی ہونا جانے گا جہاں آہستہ سے کسی لفظ کے بڑھا لینے کا احتمال پاتے ہیں وہاں اس کے قطع کی ہدایت فرماتے ہیں مثلاً شاہد کہے یہ چیز اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق یوں نہ مانیں گے کہ شاید حق کے بعد آہستہ سے نہیں کہہ لے بلکہ یوں کہلوائیں گے کہ اور اس کا حق ہے، یوں ہی مدعی سے' تو جہاں کچھ بڑھانے کی بھی حاجت نہیں صرف قطع نیت وصرف ارادت سے کام چلتا ہے وہاں کیونکر پسند کریں گے، ہندیہ میں ہے:

فی فتاوٰی النسفی ینبغی للشاہد ان یقول فی شہادته ایں عین ملک ایں مدعی است وحق وی است حتی لایمکن ان یلحق به وحق وے نے بنفی وکان الشیخ الامام فخر الاسلام علی البزدوی یقول اذا قال المدعی فلاں چیز ملك من ست وحق من لایکتفی به وینبغی ان یقول وحق من ست ویقول فی قوله	فتاوٰی نسفی میں ہے گواہ کو چاہئے کہ وہ اپنی شہادت میں یوں کہے یہ عین چیز اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق ہے تاکہ نفی کے لاحق ہونے کا احتمال نہ رہے اور امام شیخ فخر الاسلام علی بزدوی فرماتے ہیں جب مدعی کہے یہ چیز میری ملک ہے اور میرا حق، تو کافی نہ ہوگا، بلکہ یوں کہے اور میرا حق ہے، اور اپنے قول میں، فلاں کے قبضہ میں ناحق، کی بجائے، فلاں کا قبضہ ناحق ہے،

وبدست فلاں بنا حق بدست فلاں بناحق است و کذٰلك فی نظائرہ حتی لایلحق بہ کلمۃ النفی قال الاحتیاط فی ھذا ولکن ھذا الاحتیاط فی موضع یطالب بالتسلیم کذافی الذخیرۃ[1]۔	اور اس قسم کے بیان میں، ایسا چاہئے تاکہ نفی کے احق ہونے کا احتمال نہ رہے، اور فرمایا احتیاط یہی ہے، لیکن یہ احتیاط وہاں ضروری ہے جہاں قبضہ لینے کا مطالبہ ہو، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔(ت)

اور اگر پیشتر بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم سوال کرکے حلف لئے جانے کے یہ معنی ہوں کہ اول امیر النساء بیگم سے کہلوالیا گیا کہ وہ دربارہ متروکہ ضیاء النساء بیگم حلف سے کہے گی یاواللہ اس باب میں جو کہے گی حق کہے گی کما ھو رائج فی زماننا (جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رائج ہے۔ت) تو یہ محض مردود و باطل ہے جو حلف شرع مطہر نے مدعا علیہ پر لازم کیا ہے اس سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا کہ یہ دربارہ مستقل یمین منعقدہ ہے جس کا کفارہ بہت آسان اور یہاں مقصود وہ یمین ہے کہ اگر کاذب ہو تو غموس ہو جس کا انجام معاذاللہ ہلاکت ہے اور اس کے لئے کوئی کفارہ ہی نہیں، شرح ہدایہ للعلامۃ الاتقانی صدر باب الاستحلاف میں ہے:

الیمین الکاذبۃ مھلکۃ فالمدعی علیہ متی اتوی حق المدعی فالشرع جعل الیمین الکاذبۃ حقالہ حتی تصیر مھلکۃ ایاہ بازاء مااھلك من المال اھلاکا بازاء اھلاک[2]۔	جھوٹی قسم ہلاکت ہے، تو مدعی علیہ جب مدعی کے حق کو ضائع کرتا ہے تو شریعت نے مدعی کے لئے جھوٹی قسم کو حق قرار دیا ہے تاکہ وہ مدعٰی علیہ کے لئے مال کو ہلاک کے عوض ہلاکت بن جائے(ت)

اسی طرح کافی ونتائج الافکار وغیرہا اسفار میں ہے کلام مذکور امیر النساء بیگم کا اولاً نفی مطلق ہونا محل نظر ہے پاس بمعنی ملک بھی مستعمل ہے کسی سے کوئی کتاب عاریۃً مانگے اور وہ اس کے کتب خانہ میں نہ ہو تو کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس نہیں اگرچہ دور رکھی ہے اول متروکہ ضیاء النساء بیگم سے مباین ہے اور دوم خاص من وجہ بہر حال اس کی نفی اس کی نفی کو مستلزم نہیں اور عموم ہی مانئے تاہم بے ضابطگی واضح، یہ استلزام نکتہ بعد الوقوع سہی مگر شرعاً یمین اس طور پر لینی چاہئے کہ نکول کرے تو دعوی کا بذل یا اقرار ظاہر ہو

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰ و۴۶۱
[2] غایۃ البیان

یہاں ہر گز ایسا نہیں اگر بے تقید متروکہ مطلقاً قسم لیتے کہ فلاں فلاں اشیاء اس قیمت ووزن کی تیرے پاس نہیں وہ قسم کھانے سے انکار کرتی تو مطلق کا اقرار ہوتا جو مقید کا اقرار قرار نہ دیا جاسکتا تو نکول مہمل وفضول رہتا، جامع الفصولین میں ہے:

لایفید تحلیفہ لانہ لنکول ھو کاقرار [1]۔	اس کو قسم دینا مفید نہیں کیونکہ اس کے انکار پر وہ اقرار قرار پائے گا۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

فائدۃ التحلیف القضاء بالنکول فاذالم یجز القضاء بالنکول عما ذکر فکیف یجوز التحلیف بہ لان التحلیف انما یقصد لنتیجتہ واذالم یقضی بالنکول فلا ینبغی الاشتغال بہ وکلام العقلاء یصان عن اللغو کما اشار لذلك فی البحر المنح اھ [2] باختصار	قسم کھلانے کا فائدہ انکار قسم پر فیصلہ کرنا مقصود ہے تو جہاں قسم کے انکار پر فیصلہ جائز نہ ہو قسم کھلانا کیونکر جائز ہوگا، کیونکہ مقصود نتیجہ خیز قسم ہے اور جب قسم کے انکار پر فیصلہ نہ کیا جاسکے تو قسم کا شغل نہ کیا جائے حالانکہ عقلاء کے کلام کو لغو ہونے سے بچایا جاتا ہے جیسا کہ اسکی طرف بحر اور منح میں اشارہ ہے اھ باختصار (ت)

ان امور میں زیادہ نظر کی حاجت نہیں جبکہ بالبداہۃ آشکارا ہے کہ حلف مذکور محض ناکافی و مہمل واقع ہوا اور حکم حاکم دیوانی کی اصلاً تعمیل نہ ہوئی حاکم نے یادداشت میں صراحۃً یہ الفاظ لکھے تھے کہ کوئی چیز اس فہرست میں کے بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم پاس مدعاعلیہا کے نہیں ہے نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعاعلیہا کے قبضے میں آئی اس دوسرے فقرے پر مطلق لحاظ نہ ہوا صرف پاس نہیں موجود نہیں پر حلف لیا گیا جس نے حلف کو محض ناقص و ناقابل قبول کردیا ممکن کہ بعد انتقال ضیاء النساء بیگم اشیائے دعوی کل یا بعض قبضہ امیر النساء بیگم میں آئی ہوں اور اب موجود نہ ہوں اب اس کے قبضے میں نہ ہوں صرف کردی ہوں تلف کردی ہوں ہبہ کردی ہوں تو قبضہ موجودہ ووجود فی الحال کی نفی سے کیا کام نکلا لاجرم حلف میں مدعیہ کے لئے نظر یکسر متروک ہوئی اور اس کے حق تلفی صاف محتمل رہی۔ جامع الفصولین میں ہے:

ذکر الخصاف فی دعوٰی الودیعۃ اذا لم تکن حاضرۃ یحلفہ باللہ مالہ ھذا المال الذی ادعاہ فی یدك ودیعۃ	خصاف نے ذکر کیا ہے کہ امانت کے دعوی میں اگر چیز حاضر نہ ہو تو مدعٰی علیہ سے یوں قسم لی جائے کہ خدا کی قسم وہ مال جو تیرے قبضہ میں بطور امانت ہونے

---

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۲

[2] العقود الدریۃ تنقیح فتاوٰی حامدیہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۹

ولاشیئ منه ولاله قبلك حق منه لانه متی اتلفه اودل انسانا علیه لم یکن فی یدہ فیکون علیه قیمته فلایکتفی بقوله فی یدك بل یضم الیه ولاله قبلك حق منه احتیاطا[1]۔	کا دعوٰی کرتا ہے وہ اس کا حق نہیں اور نہ اس میں سے کچھ اس کا حق ہے اور نہ ہی تیری طرف اس کا کوئی حق ہے کیونکہ جب اس نے امانت کو تلف کردیا ہو یا کسی اور کو دے دی اور اپنے قبضہ میں نہ ہو، تو اس صورت میں اس پر قیمت لازم ہوگی، تو تیرے قبضہ والی بات کافی نہ ہوگی بلکہ اس کے ساتھ، اور تیری طرف کوئی حق اس کے لئے نہیں ہے، شامل کرنا بطور احتیاط ضروری ہے۔ (ت)

حلف دینا مدعی یا وکیل مدعی کا حق نہیں حق حاکم ہے حق مدعی حلف لینا یعنی طلب حلف ہے وبس، ولہٰذا اگر مدعی خود حاکم کے سامنے دارالقضاء میں بطور خود مدعا علیہ کو حلف دے لے مقبول نہیں اگرچہ وہ حلف بروجہ کافی ہی دیا گیا ہو۔ عالمگیریہ میں ہے:

لوحلف بطلب المدعی یمینه بین یدی القاضی من غیر استحالف القاضی فهذا لیس بتحلیف لان التحلیف حق القاضی کذافی القنیة وهکذافی البحر الرائق[2]۔	اگر مدعی از خود قاضی کی موجودگی میں مدعی علیہ سے قسم طلب کرے تو قاضی کی طلب کے بغیر قسم کھلانا جائز نہیں کیونکہ قسم کا مطالبہ اور قسم کھلانا قاضی کا حق ہے قنیہ اور بحر الرائق میں یوں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

المدعی لواسقطه ای الیمین قصدا بان قال برئت من الحلف اوترکته علیه اووهبته لایصح وله التحلیف بخلاف البرائة عن المال لان التحلیف للحاکم، بزازیة[3]۔	مدعی نے اگر مدعی علیہ سے قسم کو ساقط کرتے ہوئے کہا میں نے تجھے قسم سے بری کیا، یا، تجھ سے قسم لینا میں نے ترک کیا یا میں نے تجھے یہ حق ہبہ کردیا تو مدعی کا قصداً قسم کو ساقط کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ قسم کھلانا قاضی وحاکم کا حق ہے، اس کے برخلاف اگر مدعی اس کو مال سے بری کردے تو جائز ہے۔ بزازیہ۔ (ت)

اسی میں ہے:

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۵
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳
[3] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۰

اليمين حق القاضی مع طلب الخصم [1]۔	فریق مخالف کے مطالبہ پر قسم قاضی کا حق ہے (ت)

اسی میں ہے:

ونقل المصنف عن القنية ان التحليف حق القاضی فمالم يكن باستحلافه لم يعتبر [2]۔	مصنف نے قنیہ سے نقل کیا ہے کہ قسم کھلانا قاضی کا حق ہے تو جو قسم قاضی کی جانب سے نہ ہو وہ معتبر نہیں۔ (ت)

تو ہدایت صاحب حق یعنی حاکم کے خلاف جو ناکافی و ناتمام حلف رکھا گیا اگرچہ خود وکیل مدعیہ یا مدعیہ نے آپ ہی رکھا ہو کیا معتبر ہوسکتا ہے بلکہ ناکافی حلف تو خود حاکم کا رکھا ہوا بھی مقبول نہیں اسے بیکار ٹھہرا کر دوبارہ حلف دینا ہوگا۔ محیط وجامع الفصولین و تبیین الحقائق وعالمگیریہ ودرر الحکام ودرمختار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے:

فی كل موضع وجبت اليمين فيه علی البتات فحلف علی العلم (ولفظ جامع الفصولين عن المحيط فحلفه القاضی علی العلم) لاتكون معتبرة حتی لايقضی عليه بالنكول و لاتسقط اليمين عنه [3]۔	جس مقام پر قطعیت پر قسم چاہئے تو وہاں علم کی قسم کھائی، (اور جامع الفصولین میں محیط سے منقول الفاظ یہ ہیں) تو قاضی نے وہاں اس سے علم کی قسم لی، تو یہ معتبر نہ ہوگی حتی کہ ایسی قسم کے انکار پر فیصلہ نہ کرسکے گا اور نہ ہی قسم ساقط ہوگی (ت)

وجیز امام کردری نوع ثالث فصل سابع کتاب القضاء میں ہے:

من له حق الحلف علی البتات اذا حلف القاضی خصمه علی العلم يبقی لخصمه حق البتات [4]۔	جہاں پر صاحب حق کو قطعیت پر قسم مطلوب ہو وہاں قاضی مدعی علیہ سے علم کی قسم لے تو دوسرے فریق یعنی مدعی کو قطعیت پر قسم کا حق باقی ہے۔ (ت)

ان عبارات سے واضح کہ حلف جب فی نفسہٖ ناکافی ہو تو اگرچہ دونوں صاحب حق اعنی مدعی و قاضی کی مرضی مجتمع ہوجائے جب بھی مقبول و مسقط حلف نہ ہوگا اور بہ طلب مدعی دوبارہ حلف دینا لازم آئے گا۔

فافهم رتبواعدم اعتباره علی وقوعه	جس طور قسم واجب تھی اس کے خلاف قسم پر فقہاء نے

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶

[2] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ التبیین کتاب الدعوٰی الباب الثالث الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۴، جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۴

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب القضاء فصل سابع نوع ثالث اسلامی کتب خانہ کراچی ۵/ ۲۰۵

لاعلی الوجه الذی وجب لوکان بلا تحلیف القاضی لم یعتبر قط وان وقع علی الوجه الواجب کما سلف وکذا لوکان بلا طلب المدعی۔فی جامع الفصولین اواخر الفصل الخامس عشر عن فتاوی رشید الدین القاضی لو حلف بغیر طلب المدعی ثم طلب المدعی تحلیفه فله ان یحلفه ثانیا[1] اھ فعلم ان وقوعه لا علی الوجه الواجب مستقل بالرد وان وقع بطلب المدعی وتحلیف القاضی۔	عدم اعتبار کو مرتب کیا ہے کہ قاضی کی طرف سے قسم طلب کئے بغیر صحیح طور بھی قسم ہوئی تو ہر گز معتبر نہ ہوگی جیسا کہ گزرا ہے اور یونہی اگر وہ قسم مدعی کے مطالبہ کے بغیر ہوئی ہو، جامع الفصولین کی پندرہویں فصل میں فتاوی رشید الدین سے منقول ہے کہ قاضی نے اگر مدعی کے مطالبہ کے بغیر قسم لے لی، اور اس کے بعد مدعی نے قسم کا مطالبہ کیا ہو تو اس کو دوبارہ قسم کھلانے کا حق ہوگا اھ، تو معلوم ہوا کہ واجبی طور کے خلاف ہونا یہ نا اعتباری کی مستقل وجہ ہے اگرچہ یہ مدعی کے مطالبہ اور قاضی کے قسم لینے پر ہو۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں لازم کہ حاکم امیر النساء بیگم سے دوبارہ حلف تام شرعیہ بروجہ صحیح وکافی لے۔واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه وجل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۷۸: از ریاست رام پور تھانہ حجیانے متصل زیارت نعیم شاہ صاحب مرسلہ سید چھٹن میاں صاحب غرہ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک منزل مکان اپنا وقف کرکے زید کو متولی اس کا کردیا، زید قابض مکان مذکور ہے، اب زید پر بکر نے دعوی ایک دیوار پچھیت وپاکھے مکان اپنے کا دائر کچہری کیا، زید نے بکر کی دیوار پچھیت وپاکھے سے انکار کیا، بکر نے حصر دعوی اپنے کا حلف زید پر کیا، زید کہتا ہے کہ میں مالک مکان موقوفہ نہیں ہوں مجھ پر شرعًا حلف متوجہ نہیں ہوتا ہے، پس دریافت کیا جاتا ہے کہ زید پر حلف شرعًا نسبت دعوی بکر آتا ہے یا بوجہ متولی اور غیر مالک مکان ہونے کے حلف متوجہ نہیں ہوتا۔بیّنوا توجروا۔

الجواب:

فی الواقع صورت مستفسرہ میں زید متولی پر حلف متوجہ نہیں متولی پر حلف صرف اس وقت میں آتا ہے جب خود اس پر کسی عقد کا دعوٰی کیا جائے مثلًا کوئی مدعی ہو کہ فلاں زمین وقفی اس نے میرے اجارے میں دی عقد تمام ہوگیا اور اب قبضہ نہیں دیتا یا اس کے مثل اور دعوی۔تنویر الابصار میں ہے:

---
[1] جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۰۵

الوصی والمتولی وابوالصغیر یملك الاستحلاف ولا یحلف[1]۔	وصی، متولی، نابالغ کا باپ قسم لے سکتے ہیں اور ان سے قسم نہیں لی جاسکتی۔(ت)

درمختار وتنویر الابصار وبحرالرائق میں ہے:

لایستحلف الاب فی مال الصبی ولا الوصی فی مال الیتیم ولا المتولی للمسجد والاوقاف الااذاادعی علیہم العقد[2]۔	والد سے نابالغ بیٹے کے مال سے متعلق ولی سے یتیم کے مال اور متولی سے مسجد واوقاف کے متعلق قسم نہ لی جائے گی ان سے قسم صرف اس صورت میں لی جائیگی جب ان پر کسی عقد کا دعوی ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لایستحلف الاب اھ ای لوجنی الصبی جنایۃ فانکر ابوہ اووصیہ او ادعی احد جدارالمسجد او الدار الموقوفۃ اوانہ انفق علی الوقف شیئًا باذن المتولی السابق[3]۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول کہ "باپ سے قسم نہ لی جائے گی الخ" یعنی بچے کی جنایت کا دعوی ہو اور باپ اس کا انکار کرے یا اس بچے کے لئے وصی ہو وہ انکار کرے یا کوئی متولی پر مسجد یا وقف شدہ مکان اور اس کی دیوار کا دعوی کرے یا یہ کہ اس نے پہلے متولی کی اجازت سے وقف پر اپنا مال خرچ کرنے کا دعوی کیا ہو تو ان پر قسم نہ ہوگی۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۷۹: از شہر مدرسہ اہل سنت مسئولہ مولوی عبدالرحیم متعلّم مدرسہ مذکور جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

ماقولکم رحمکم اللہ(اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیافرمان ہے۔ت) کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا اور اس سے ایک لڑکا عمرو پیدا ہوا بالقضائے الٰہی زید فوت ہوا والد زید خالد موجود ہے جو دادا عمرو کا ہوتا ہے اب بوجہ نزاع جائداد کے خالد دادا عمرو کا یہ قول ہے کہ زید کا نکاح ہندہ سے نہیں ہوا تھا اور نیز قاضی جس نے نکاح پڑھایا تھا اس سے اس امر میں جھوٹ بلوانا چاہتا ہے کہ جھوٹی گواہی

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۸
[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۴۰۱،بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۰۹
[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۴۹

دے دو کہ میں نے نکاح نہیں پڑھایا کفارہ ادا کر دیا جائے گا، آیا جائز ہے کہ قاضی نکاح کچہری میں کہہ دے کہ میں نے نکاح نہیں پڑھایا یا سچ بولے اور شہادت کاذبہ میں کفارہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

جھوٹی قسم جو آئندہ کی بابت کھائی جائے اس کا کفارہ ہے اور جھوٹی گواہی کا کچھ کفارہ نہیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جھوٹ گواہی دینے والا گواہی دینے کی جگہ سے اپنے پاؤں ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ تعالٰی اس کے لئے جہنم واجب کر دیتا ہے"۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۰: از نباہٹرہ علاقہ ریاست ٹونک مرسلہ خدابخش ابراہیم ۳۰/ رمضان ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بحکم شرع شریف میں دعوی کیا مبلغ (☆☆☆) کا مدعا علیہ نے (☆☆) کا اقرار کیا باقی رقم مذکور سے انکار کیا تو عدالت شریعت نے مدعی کے پاس سے ثبوت طلب کیا اس میں مدعی نے پانچ گواہ پیش کئے گواہ مذکور عدالت شریعت میں قابل التفات کے نہیں اس وجہ سے کہ گواہوں میں اختلاف بہت اور مجہول گواہی دینے سے عدالت شریعت نے گواہی نامنظور فرمائی اور ازروئے حدیث شریف کے مدعا علیہ پر قسم کا حکم دیا وہ حدیث شریف یہ ہے:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر [1]۔	گواہی مدعی پر اور قسم منکر پر لازم ہے (ت)

آیا اس صورت میں حدیث شریف کا مطلب یہی ہے کہ گواہ پیش ہونے پر بھی مدعا علیہ پر بھی قسم عائد ہوتی ہے یا نہیں، جواب استفتاء بحوالہ کتب وعبارت عنایت فرمائیں اس لئے کہ میرے مقدمہ کی پیشی ۱۴/ شوال ۱۳۳۸ھ ہے، براہ کرم جواب جلد عنایت ہو۔

الجواب:

شہادت کے موجود ہوتے مدعی مدعا علیہ کا حلف طلب نہیں کر سکتا مگر شہادت وہ ہے کہ مفید مدعا ہے ورنہ نام شہادت ہے حقیقۃً شہادت معدوم ہے ایسی صورت میں مدعا علیہ پر حلف عائد ہو سکتا ہے مگر حاکم بطور خود اس پر حلف نہیں رکھ سکتا بلکہ مدعی کا طلب کرنا شرط ہے وہ چاہے کہ مدعا علیہ سے حلف لیا جائے

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الدعوٰی باب البینۃ علی المدعی الخ دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲، صحیح البخاری کتاب الرہن باب اذا اختلف الراہن والمرتہن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ما جاء ان البینۃ علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰

تو قاضی اس سے حلف لے اس لئے کہ حلف حق مدعی ہے جس طرح حلف لینا حق قاضی ہے بالجملہ جب مدعی شہادت اصلاً نہ دے یا جو گواہ پیش کرے ان سے ثبوت دعوی نہ ہو تو اگر مدعی مدعا علیہ کا حلف نہ مانگے مقدمہ خارج کردیا جائے،

لانہ ادعی ولم ینور دعواہ بالبینۃ والمدعی علیہ منکر وھذا لایطلب حلفہ فانسدت طرق القضاء۔	کیونکہ دعوی کرکے گواہی پیش نہ کرے اور مدعی علیہ منکر ہے مدعی اس سے قسم بھی طلب نہ کرے تو فیصلہ کے راستے بند ہوگئے۔ (ت)

اور اگر مدعی حلف مانگے تو بطور خود مدعا علیہ پر قسم نہیں رکھ سکتا اگر رکھے گا اور وہ حلف سے انکار کردے یہ انکار معتبر نہ ہوگا کہ حلف لینا حق قاضی ہے حاکم بر طلب مدعی مدعا علیہ پر حلف رکھے اب اگر مدعا علیہ حلف سے انکار کردے تو دعوی ڈگری کیا جائے اور حلف کرلے تو ڈسمس۔ ہدایہ میں ہے:

| اذاصحت الدعوٰی سأل القاضی المدعی علیہ عنھا لینکشف وجہ الحکم فان اعترف قضی علیہ بھا، وان انکر سأل المدعی البینۃ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الک بینۃ فقال لافقال لک یمینہ سأل و رتب الیمین عما فقد البینۃ فلا بد من السوال لیمکنہ الاستحلاف وان احضرھا قضی بھا لانتفاء التھمۃ عنھا، وان عجز عن ذلک وطلب یمین خصمہ استحلفہ علیھا لمارو ینا ولا بد من طلبہ لان الیمین حقہ الا تری انہ کیف اضیف الیہ بحرف اللام فلا بد | جب دعوی صحیح ہو تو قاضی مدعا علیہا سے دعوی کے متعلق سوال کرے تاکہ فیصلہ کا طریقہ واضح ہوسکے تو اگر مدعٰی علیہ دعوی کو مان لے تو اس کے خلاف دعوی کا فیصلہ کردے اور اگر وہ انکار کرے تو اب قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدعی کو فرمایا کیا تیرے پس گواہی ہے تو اس نے کہا نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا اب تجھے مدعی علیہ کی قسم کا حق ہے پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدعی سے پوچھا اور قسم کو گواہی نہ ہونے پر مرتب فرمایا تو گواہی کا سوال ضروری ہے تاکہ موجود نہ ہونے پر قسم لی جاسکے، اور اگر مدعی نے گواہی پیش کردی تو قاضی اس پر فیصلہ کردے کیونکہ کوئی اعتراض نہ رہا اور اگر گواہی پیش کرنے سے معذور ہے اور وہ مدعی علیہ سے قسم طلب کرے تو قاضی قسم لے جیسا کہ ہم نے روایت کیا مدعی کا قسم طلب کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اس کا حق ہے، دیکھا نہیں کہ |

من طلبه [1] اھ فانظر الی قوله ان احضرها قضی بها فانما اراد البینة المثبتة للدعوی والیها الاشارة فی قوله وان عجز عن ذٰلک،فمن اتی ببینة لم تفت فقد عجز عن اقامتها علی دعواہ۔	حدیث کے الفاظ میں قسم کو مدعی کی طرف حرف لام سے مضاف کیا ہے تو مدعی کا طلب کرنا ضروری ہے،اھ مصنف کے قول"اگر گواہی پیش کردے تو فیصلہ دے دے"پر غور کرو،تو یہ گواہی صرف وہی ہوسکتی ہے جو دعوٰی کے لئے مثبت ہو اور ایسی ہی گواہی کے متعلق اشارہ فرمایا،اگر اس سے عاجز ہو،تو اگر مدعی گواہی پیش کرے جو مفید نہ ہو تو وہ اپنے دعوٰی پر گواہی سے عاجز ہوا(ت)

غایۃ البیان میں ہے:

اذاقال المدعی لی بینة حاضرة وطلب الیمین لم یستحلف عند ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه احتج بماروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه قال للمدعی الك بینة قال لا قال لك یمینه فالنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رتب الیمین علی البینة فدل علی ان الیمین انما تکون حجة عندعدم البینة ولان الیمین الکاذبة مهلکة فالمدعی علیه متی اتوی حق المدعی فالشرع جعل الیمین الکاذبة حقاله حتی تصیر مهلکة ایاہ بازاء ما اهلك من المال اهلاکا بازاء اهلاك وانما یستحق اتواء الحق علی المدعی اذالم تکن بینة فاما اذاکان له بینة لایتوی حقه بل	جب مدعی نے بتایا کہ میرے گواہ موجود ہیں،اس کے باوجود قسم کا مطالبہ کرے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک قاضی قسم نہ لے گا،ان کی دلیل،نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مدعی سے یہ استفسار کہ کیا تیری گواہی ہے اس نے جواب میں عرض کیا نہیں ہے،تو اس کو فرمایا تجھے قسم کا حق ہے،تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قسم کو گواہی پر مرتب فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ قسم تب حجت ہوگی جب گواہی نہ ہو،اور اس لئے بھی کہ جھوٹی قسم ہلاکت ہے مدعٰی علیہ جب مدعی کا مال ضائع کرے تو شریعت نے مدعی کو اس کی جھوٹی قسم کا حق دیا ہے تاکہ جھوٹی قسم مدعی علیہ کے لئے ہلاکت بن جائے تاکہ مدعی کا مال ہلاک کرنے کے بدلے اس کو ہلاکت ملے،تو اس وجہ میں مدعٰی علیہ مدعی کے حق کو نقصان تب پہنچاسکے گا جب مدعی کے پاس گواہی نہ ہو تو جب تک گواہی ہے

[1] الهدایة کتاب الدعوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۰۱

یمکنه اثبات حقه بالبینة فلا یجعل الیمین المهلکة حقاله فی هذه الحال لانه فی غیر وقته[1] اھ ومعلوم ان الاتواء حاصل مع بینة لم تثبت دعواہ فکانت کلا بینة بناءً علی ان البینة اذالم توافق الدعوی و منه الشهادة بالمجهول بقیت بلا دعوی والدعوی شرط الشهادة فی حقوق العباد وانتفاء الشرط انتفاء المشروط فظهرانه عجز من البینة فله طلب حلف المدعی علیه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا حق ضائع نہ کرسکے گا بلکہ مدعی اپنے حق کو گواہی کے ذریعے ثابت کرلے گا لہٰذا اس حال میں ہلاک کرنیوالی قسم مدعی کا حق نہ بنے گی کیونکہ وہ وقت نہیں ہے اھ اور یہ بات واضح ہے کہ ایسی گواہی جو دعوی کو ثابت نہ کرسکے تو وہ کالعدم قرار پائے گی اس بناء پر کہ وہ گواہی دعوی کے موافق نہ ہوئی، اس کی ایک صورت یہ ہے کہ شہادت مجہول ہو تو گویا دعوی ثابت نہ ہوا، حالانکہ شہادت کے لئے دعوی ضروری شرط ہے تو جب شرط نہ ہوئی تو مشروط نہ ہوا، تو ظاہر ہوگیا کہ دعوی پر گواہی سے عاجز ہے تو اسے قسم طلب کرنے کا حق ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۱: از شہر مسئولہ غلام رسول ۲۷/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک پنچایت قائم ہوئی اور ایک شخص پر ایک امر میں حلف قائم کیا اور سب پنچوں نے اسے منظور کیا اس شخص نے حلف سے بیان کیا وہ معاملہ فیصل ہوگیا بعد کو چند اشخاص نے پنچ سے علیحدہ ہو کر یہ کہا کہ حلف کو نہیں جانتے اور ہمارے یہاں حلف نہیں ہے ہم حلف کو نہیں جانتے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں یہ قول قائل کا کہ ہم حلف کو نہیں جانتے ہمارے یہاں حلف نہیں ہے اگر وہ شخص اہل اسلام سے ہے اور بوجہ جہالت و نادانی یہ قول کرتا ہے تو گنہگار ہے توبہ چاہئے اور اگر جانتا ہے کہ یہ حکم شرع ہے اور تکذیب کرتا ہے یا اہانت کرتا ہے تو حکم کفر عائد ہوتا ہے اس لئے کہ یہ حکم حدیث مشہور **البینة للمدعی والیمین علی من انکر**[2] (گواہی مدعی کو لازم اور قسم مدعی علیہ منکر پر ہے۔ ت) سے ثابت ہے

---

[1] غایۃ البیان

[2] صحیح البخاری کتاب الرہن باب اذا اختلف الراہن والمرتہن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء ان البینة علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰، سنن الدارقطنی باب فی المرأۃ تقتل اذا ارتدت نشر السنة ملتان ۴/ ۲۱۸، السنن الکبرٰی کتاب الدعوی باب البینة علی المدعی الخ دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

اور اجماع تمام امت مرحومہ کا اس پر ہے، ھذا صورت الجواب واللہ اعلم بالصواب فقط

بیشک حلف حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ **الجواب صحیح** العبد المجیب محمد عبدالغفار خاں عفی عنہ

العبد محمد ہدایت اللہ عفی عنہ محمد عبدالجبار خاں عفی عنہ مہر

الجواب:

سائل غلام رسول ترہ فروش پوری نے واقعہ بیان کیا کہ ان کی برادری کا کوئی شخص بدایوں سے آیا تھا حسب رواج قوم اسے دعوت دینی تھی، ایک برادر اسے دعوت دینے گیا وہ نہ ملا پھر پنچایت میں دعوت نہ دئے جانے کا شاکی ہوا اس پر اس برادر سے کہا گیا تم حلف سے کہہ دو کہ تم دعوت دینے گئے تھے اس نے حلف سے کہہ دیا اس پر چند اشخاص نے وہ لفظ کہے، نیز غلام رسول نے بیان کیا کہ وہ اور حافظ علاء الدین اور جماتین شخص مجیب کے پاس گئے اور واقعہ مذکورہ ہمارے سامنے حافظ مذکور نے مجیب سے کہا اور نشان انگوٹھا غلام رسول

انگوٹھے کا نشان جلد ۱۸ ص ۳۰۸

فتوٰی طلب کیا جس پر یہ جواب لکھا، اگر یہ بیان واقعی ہے تو یہاں ہر گز نہ کوئی شرعی دعوٰی تھا نہ کوئی مدعی نہ مدعا علیہ نہ کسی پر حلف عائد، اسے حدیث **البینۃ للمدعی والیمین علی من انکر**[1] (گواہی مدعی کو لازم اور قسم مدعی علیہ منکر پر ہے۔ت) کے تحت میں داخل کرنا صریح جہل وظلم ہے، اور بفرض باطل اگر اس کا کہنا کہ میں دعوت دینے گیا تھا دعوٰی ہوتا تو منکر تو بدایوں والا تھا اس پر حلف آتا نہ کہ مدعی پر، یہ دوسری جہالت شدیدہ ہے، بلاشبہہ ایسا حلف شریعت میں نہیں اور اس نے ٹھیک کہا تو اس پر حکم گناہگاری و توبہ تیسری جہالت ہے اور سب سے سخت تراشدوہ کہ اس باطل محض کو معاذ اللہ حکم شرع ٹھہرا کر اس کی تکذیب کے سبب مسلمان پر حکم کفر عائد کرنا، حالانکہ اگر عقل سے کام لینا ہو تو باطل محض کو حکم شرع قرار دینے ہی پر یہ کہنا لازم کہ یہ قرار دینے والا اگرچہ بوجہ جہالت و نادانی یہ قول کرتا ہے تو گنہگار ہے توبہ چاہئے اور اگر جانتا ہے کہ یہ حکم شرع نہیں اور قصداً اللہ و رسول پر جھوٹی شریعت کا افتراء کرتا ہے تو حکم کفر عائد ہوتا ہے اس لئے کہ قرآن عظیم میں ہے:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الرہن باب اذا اختلف الراہن والمرتھن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء ان البینۃ علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰، سنن الدار قطنی باب فی المرأۃ تقتل اذا ارتدت نشر السنۃ ملتان ۴/ ۲۱۸، السنن الکبری للبیہقی کتاب الدعوٰی والبینات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

" اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ "[1]	جھوٹ کا افتراء وہ لوگ کرتے ہیں جو مومن نہ ہوں (ت)

اور فرماتا ہے:

" اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ "[2]	جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء باندھتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے۔ (ت)

ظاہر صورت اولٰی ہے کہ بوجہ جہالت ایسا کہا ہے جس پر "**ھذا صورت الجواب**" بتائے کشیدہ قرینہ ہے مگر یہ فقط اس قول باطل ہی کا گناہ نہیں جاہل کو فتوٰی دینا کس نے حلال کیا، حدیث میں ہے:

من افتی بغیر علم لعنتہ ملٰئکۃ السمٰوت والارض[3] اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جو بے علم فتوٰی دے آسمانوں اور زمین کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں (یا جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ ت) والعیاذ باللہ تعالٰی۔

اور بالفرض اگر سائل کا بیان غلط ہے اور مجیب سے واقعہ بیان نہ کیا گیا جب بھی اتنے بیان سوال سے مجیب کا یہ ٹھہرالیناکہ ترہ فروشوں کی قومی پنچایت میں کوئی شرعی دعوٰی پیش ہوااور یہ کہ انہوں نے منکر پر حلف رکھا جہالت ہے قومی پنچائتوں کو کون نہیں جانتا و**من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاہل**[4] (جو اہل زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ ت) اور مدعی و منکر کی شناخت ہزاروں جگہ علماء کو تو سخت دشوار ہوتی ہے نہ کہ جہال، مگر مجیب نے اپنے شہر کے ترہ فروشوں کو شاید امام مجتہد فرض کرلیا، مسلمان پر حکم معصیت بلکہ ایک وجہ پر حکم کفر لگانے کے لئے تنقیح ضرور تھی کہ کیا معاملہ کیسا حلف، مگر اسے تو وہ جانے جسے علم و دین سے حصہ عطا ہوا، بہر حال جواب رام پور جہل و ظلم ضرور، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۶: از عظیم آباد پٹنہ مرسلہ قاضی محمد عبدالوحید صاحب ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے انتقال کیا اور شوہر اورایک شیر خوار بچہ اور ایک نانی اور دو بھائی حقیقی چھوڑے، بعد وفات ہندہ آپس میں من حیث ترکہ پانے کے نزاع واقع ہوئی، ہندہ کے بھائیوں نے ہندہ کے شوہر سے دین مہر خالدہ اخت ہندہ کاجو قبل شوہر ہندہ کے نکاح میں تھی اور بعد لاولد فوت ہونے اس کے ہندہ نکاح میں

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۹۰۱۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۹۳، الفقیہ والمتفقہ باب ماجاء من الوعید لمن افتی بغیر علم حدیث ۱۰۴۳ دار ابن جوزی ریاض ۲/ ۳۲۷

[4] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

آئی تھی ادا کاری کا مطالبہ کیا اور چونکہ خالدہ اخت ہندہ کا دین مہر واقعی واجب الادا تھا تو جو حصہ ۸/ متروکہ کہ شوہر نے پایا وہ شوہر ہندہ نے محض دیانتداری سے بعوض دین مہر چھوڑ دیا، مگر از انجا کہ برادراں ہندہ کی جس نے اپنا دین مہر معاف کر دیا تھا نیت صاف نہ تھی چہارم حصہ متروکہ ہندہ کو ابھی اسی دین مہر سابق میں ملا کر ہضم کرنا چاہا اور ہندہ کی نانی کو بھی نالش پر ابھارا تو شوہر ہندہ نے محض بغرض استحفاظ حصہ چہارم اپنے مصلحۃً یہ بیان کرنا شروع کیا کہ ہندہ نے مرض الموت میں اپنی کل جائداد اپنے شیر خوار بچہ کو ہبہ کر دی جس کا کوئی گواہ بجز شوہر ہندہ کے نہ تھا اور بعض مقامات میں بذریعہ تحریری شوہر ہندہ نے اس وقت تک ہبہ کا اقرار کیا کہ وہ ششم حصہ بھی خود اپنے مال سے اسم فرضی اپنے پسر کے خرید لیا اور زمن بعد برابر کا غذات وغیرہ پر خود اپنے اور اپنے شیر خوار لڑکے کی طرف سے بحیثیت ولایت کے دستخط کرتا رہا اور برابر وہ جائداد پسر ہندہ کے قبضہ میں حسب حصہ رسد کے رہی تاآنکہ وہ لڑکا عاقل و بالغ ہوا پھر اس کی شادی بھی ہوئی تو اب وہ لڑکا کل متروکہ اپنے مادر متوفیہ ہندہ پر دعوی کرتا ہے اور چہارم حصہ پدری اور اس حصہ پر جو اس کے باپ شوہر ہندہ نے اپنے پسر کے نام سے اسم فرضی ہندہ کی نانی سے خریدا تھا دونوں کو ہضم کرنا چاہتا ہے اور کچہری میں مقدمہ دائر کیا ہے اور اپنے پدر کے اقرار ہبہ کو جو مثل خریداری ششم حصہ کو وہ مصلحۃً بیان کرتا رہا استدلال میں پیش کرتا ہے اور کسی حال میں باوجود فہمائش بلیغ منازعت سے باز نہیں آتا اور باپ کی تعظیم و تکریم تو درکنار ماں و پدر کو غلط اور لغو جانتا ہے اور حقوق پدر کا مطلق خیال نہیں کرتا تو ایسی صورت میں علمائے دین کا اس مصلحتی اقرار پدر متعلق ہبہ کے کیا ارشاد ہے اور اس پسر کے اس تکرار و فساد کو صحیح و درست جانتے ہیں یا بالعکس؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اولاد کو حقوق پدری کا خیال نہ کرنا اس کے ساتھ تمرد و مخالفت سے پیش آنا اپنے لئے عذاب شدید نار و غضب رب قہار کا واجب کرتا ہے، اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں فرض کیا کہ والدین کے ساتھ احسان کرو، انہیں ہُوں نہ کہو، ان سے اعزاز و اکرام کا کلام کرو، ان کے لئے خاص محبت سے تذلل کا بازو بچھاؤ، ان کے لئے دعا کرو کہ الٰہی! ان پر رحم فرما جیسا انہوں نے مجھے چھٹپن میں پالا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه والدیوث و الرجلة من النساء[1]۔ رواہ	تین شخص ہیں کہ جنت میں نہ جائیں گے، ماں باپ کو ستانے والا اور دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت

---

[1] سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۳۵۷، کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب البر والصلہ باب العقوق مطبع موسسة الرسالة بیروت ۲/ ۳۷۲

النسائی والبزار باسنادین نظیفین والحاکم فی صحیحہ المستدرك عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	(اس کو نسائی اور بزار نے صاف سندوں سے اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ مستدرک میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ثلثة لایقبل اللہ عزوجل منھم صرفا ولا عدلا عاق ومنان ومکذب بقدر[1]۔رواہ ابن ابی عاصم فی کتاب السنة باسناد حسن عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تین شخص ہیں کہ اللہ تعالٰی نہ ان کے نفل قبول کرے نہ فرض: ماں باپ کو ایذا دینے والا اور صدقہ دے کر فقیر پر احسان رکھنے والا اور تقدیر کا جھٹلانے والا (اس کو ابن ابی عاصم نے سند حسن کے ساتھ کتاب السنۃ میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ملعون من عق والدیہ ملعون من عق والدیہ ملعون من عق والدیہ[2]۔رواہ الطبرانی والحاکم عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے، ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے۔ ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے (اس کو طبرانی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رضا اللہ فی رضا الوالد وسخط اللہ فی سخط الوالد[3]۔ رواہ الترمذی و	اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ ناراضی والد کی ناراضی میں (اس کو ترمذی اور حاکم نے

---

[1] العلل المتناہیہ حدیث ۱۲۳۹ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۵۱، مجمع الزوائد باب ماجاء فیمن یکذب بالقدر الخ دار الکتاب بیروت ۷/ ۲۰۶

[2] المعجم الاوسط حدیث ۸۴۹۲ مکتبہ المعارف ریاض ۹/ ۲۲۶، الترغیب والترہیب بحوالہ الطبرانی والحاکم الحدیث ۴ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۷

[3] المستدرك للحاکم کتاب البر والصلة دار الفکر بیروت ۴/ ۱۵۲، جامع الترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۲

الحاکم بسند صحیح عن عبداللہ بن عمرو والبزار عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن عمرو اور بزار نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل الذنوب یوخر اللہ تعالٰی منہا ماشاء الی یوم القیمۃ الاعقوق الوالدین فان اللہ یعجلہ لصاحبہ فی الحیات قبل الممات[1] رواہ الحاکم والاصبہانی والطبرانی فی الکبیر عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	سب گناہوں کی سزا اللہ تعالٰی چاہے تو قیامت کیلئے اٹھار کھتا ہے مگر ماں باپ کو ستانا کہ اس کی سزا مرنے سے پہلے زندگی میں پہنچاتا ہے (اس کو حاکم، اصبہانی اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

ماں کے لئے ماں باپ سے مخاصمت کتنی بے حیائی بیباکی کافر نعمتی ناپاکی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتعقن والدیك وان امراك ان یخرج من اھلك و مالک[2]۔ رواہ الامام احمد بسند صحیح علی اصولنا والطبرانی فی الکبیر۔	خبردار ماں باپ کی نافرمانی نہ کہ اگرچہ وہ تجھے حکم دیں کہ اپنے جورو بچوں مال و متاع سب سے نکل جا (اس کو امام احمد نے ہمارے اصول پر صحیح سند کے ساتھ اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا۔ ت)

دوسری روایت میں ہے:

اطع والدیك وان اخرجاك من مالك ومن کل شیئ ھولک[3]۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط بسند صالح کلاھما عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اپنے ماں باپ کا حکم مان اگرچہ وہ تجھے تیرے مال اور تیری سب چیزوں سے تجھے باہر کردیں (اسے طبرانی نے اوسط میں، اسے اور مذکورہ بالاحدیث (دونوں) کو معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

او ناشکر، خدا ناترس! مال لایا کہاں سے، تیرا گوشت پوست استخوان سب تیرے ماں باپ

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب البر والصلۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۵۶

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۳۸

[3] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۹۵۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/ ۴۶۰

کا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: انت ومالك لابیك (تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا)
یہ اس وقت ارشاد ہوا کہ ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! مال وعیال رکھتا ہوں اور میرے ماں باپ میرا سب مال لینا چاہتے ہیں یعنی پھر میں اور میرے بال بچے کیا کھائیں گے، فرمایا: "تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے تجھے اس سے انکار نہیں پہنچتا"

اس کو ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر اور طبرانی نے کبیر میں حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔(ت)	رواہ ابن ماجۃ[1] بسند صحیح عن جابر والطبرانی فی الکبیر عن سمرۃ بن جندب وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

حدیث میں ہے ایک شخص حاضر خدمت ہو کر عرض رساں ہوئے:
ان ابیہ یرید ان یاخذ مالہ۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ میرا مال لے لینا چاہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ادعہ لی انہیں ہمارے حضور میں حاضر لاؤ۔ جب حاضر ہوئے ان سے ارشاد ہوا تمہارا بیٹا کیا کہتا ہے تم اس کا مال لینا چاہتے ہو، عرض کی حضور اس سے پوچھ دیکھیں کہ میں وہ مال لے کر کیا کرتا ہوں، یہی اس کی مہمانی اور اس کی قرابتی میں، یا میرا اور میرے بال بچوں کا خرچ، اتنے میں جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! اس مرد پیر نے اپنے دل میں کچھ اشعار تصنیف کئے ہیں جو ابھی خود اس کے کان نے نہیں سنے یعنی ہنوز زبان تک نہ لایا، حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اپنے دل میں کچھ اشعار تصنیف کئے ہیں جو ابھی تمہارے کان نے بھی نہ سنے وہ سناؤ۔ ان صاحب نے عرض کی: اللہ ہمیشہ حضور کے معجزات سے ہمارے دل کی نگاہ ہمارا یقین بڑھاتا ہے، پھر یہ اشعار عرض کرنے لگے: ؎

غذوتك مولودا ومنتك یافعا تعل بما اجنی علیك وتنھل
اذا لیلۃ ضاقتك بالسقم لم ابت لسقمك الاساھر اَتَمَلْمَلُ
تخاف الردی نفسی علیك وانھا لتعلم ان الموت حتم موکل

[1] سنن ابن ماجہ ابواب التجارات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۷، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۶۹۶۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۷ /۲۳۰

کانی انا المطروق دونك بالذی — طرقت به دونی فعینی تهمل

فلما بلغت السن والغایة التی — الیك مدی ما کنت فیك اومل

جعلت جزائی غلظة وفظاظة — کانك انت المنعم المتفضل

فلیتك اذلم ترع حق ابوتی — فعلت کما الجار المجاور یفعل

واولیتنی حق الجوار ولم تکن — علی بمالی دون مالك تبخل

میں نے تجھے غذا پہنچائی جب سے تو پیدا ہوا اور تیرا بار اٹھایا جب سے تو ننھا ہوا میری کمائی سے تو بار بار مکرر سیراب کیا جاتا، جب کوئی رات بیماری کا غم لے کر تجھ پر اترتی میں تیری ناسازی کے باعث جاگ کر لوٹ کر صبح کرتا میرا جی تیرے مرنے سے ڈرتا حالانکہ اسے خوب معلوم تھا کہ موت یقینی ہے اور سب پر مسلط کی گئی ہے میری آنکھیں یوں بہتیں کہ گویا وہ مرض جو شب کو تجھے ہوا تھا نہ مجھے، مجھے ہوا تھا نہ تجھے، میں نے تجھے یوں پالا اور جب تو پروان چڑھا اور اس حد کو پہنچا جس میں مجھے امید لگی ہوئی تھی کہ اس عمر کا ہو کر تو میرے کام آئے گا تو تو نے میرا بدلہ سختی ودرشت خوئی کیا گویا تیرا ہی مجھ پر فضل واحسان ہے، اے کاش جب تو نے حق پدری کا لحاظ نہ کیا تھا تو ایسا ہی کرتا جیسا پاس کا ہمسایہ کرتا ہے ہمسایہ میں کا حق تو مجھے دیا ہوتا اور مجھ پر اس مال سے کہ اصل میں تیرا نہیں میرا ہی تھا بخل نہ کرتا۔ ان اشعار کو استماع فرماکر حضور پر نور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گریہ کیا اور بیٹے کا گریبان پکڑ کر ارشاد فرمایا:

اذهب انت ومالك لابیك[1]۔ رواه الطبرانی فی المعجم الصغیر والبیهقی فی دلائل النبوة عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالٰی عنهما۔	جا تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے (اس کو طبرانی نے معجم صغیر اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

حکم سعادت تو یہ ہے مگر بینہم قضاءً باپ بیٹے کی ملک جدا ہے۔ باپ اگر محتاج ہو تو بقدر حاجت بیٹے کے فاضل مال سے بے اس کی رضا واجازت کے لے سکتا ہے زیادہ نہیں اور یہ لینا بھی

[1] المعجم الصغیر للطبرانی باب من اسمه محمد ترجمه حضرت جابر بن عبد الله رضی الله عنه دار الکتب العلمیه بیروت ۲ /۶۳، دلائل النبوة للبیهقی باب ماجاء فی اخباره من قال فی نفسه شعرًا الخ دار الکتب العلمیه بیروت ۶ /۵۔۳۰۴

کھانے پینے، پہننے، رہنے کے لئے، اور حاجت ہو تو خادم کے واسطے بھی، بیٹے کے روپے پیسے سونے چاندی ناج کپڑے یا قابل سکونت پدر مکان سے ہو، ہاں یہ اشیاء نہ ملیں تو نہیں اغراض ضروریہ کے لئے اس کے اور اموال سے جو خلاف جنس حاجت ہوں بحکم حاکم یا حاکم نہ ہو تو علی المفتی بہ بطور خود بھی لے سکتا ہے مثلاً کھانے کی ضرورت ہے اناج یا روپیہ نہ پایا تو کپڑے. برتن لے سکتا ہے یا کپڑوں کی ضرورت ہے اور دام یا کپڑے نہ ملے تو ناج وغیرہ بیچ کر بنا سکتا ہے نہ یہ کہ اس کی جائداد ہی سرے سے اپنی ٹھہرالے۔ درمختار میں ہے:

فی المبتغی للفقیر ان یسرق من ابنہ الموسر مایکفیہ ان ابی ولاقاضی ثمۃ والا اثم[1]۔	مبتغی للفقیر میں ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے انکار پر اس کا اتنا مال چوری کرلے جتنا اس کو نفقہ کے لئے ضرورت ہے جبکہ وہاں قاضی نہ ہو ورنہ گنہگار ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

سیاتی قریبا لو انفق الابوان ماعندھما للغائب من ما لہ علی انفسھما وھو من جنس النفقۃ لایضمنان لوجوب نفقۃ الابوین والزوجۃ قبل القضاء حتی لو ظفر بجنس حقہ فلہ اخذہ ولذافرضت فی مال الغائب بخلاف بقیۃ الاقارب ونحوہ فی المنح و الزیلعی وفی زکاۃ الجوھرۃ الدائن اذاظفر بجنس حقہ لہ اخذہ بلا قضاء ولارضاء وفی الفتح عند قولہ و یحلفھا باللہ مااعطاھا النفقۃ وفی کل موضع جازا القضاء بالدفع کان لھا ان تأخذ بغیر قضاء	عنقریب آئے گا کہ اگر غائب بیٹے کا مال پاس ہو تو والدین ضرورت نفقہ کے لئے اسے صرف کرلیں درانحالیکہ وہ مال جنس نفقہ ہو تو والدین ضامن نہ ہوں گے کیونکہ والدین اور بیوی کا نفقہ قضاء کے بغیر بھی واجب ہے لہٰذا وہ اپنے حق والی جنس پر قابو پالیں تو قبضہ کرسکتے ہیں، اسی وجہ سے غائب کے مال میں ان کا نفقہ بقدر ضرورت نافذ ہوتا ہے. بخلاف باقی اقارب کے۔ اسی طرح کا بیان منح، زیلعی اور جوہرہ کے باب زکوٰۃ میں ہے، قرض خواہ اپنے حق والی جنس پر قابو پانے پر لے سکتا ہے خواہ رضا اور قضا نہ ہو۔ اور فتح میں اس کے قول کہ "بیوی سے قاضی قسم لے گا کہ خاوند نے مجھے نفقہ نہیں دیا" کے تحت ہے جہاں قاضی کو بیوی کے لئے نفقہ نافذ

[1] درمختار کتاب الطلاق باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۴

من ماله شرعا اھ فیقول المبتغی ولا قاضی ثمة محمول علی ما اذا کان یاخذہ من خلاف جنس النفقة، فلا حاجة فیھا الی القاضی وتمامه فی حاشیة الرحمتی وقد اطال واطاب[1]۔	کرنے کا اختیار ہے وہاں بیوی کو یہ جائز ہے کہ شرعًا وہ بغیر قضاء خاوند کے مال سے حاصل کرلے اھ، تو مبتغی کا یہ قول کہ "وہاں قاضی نہ ہو" یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ غیر جنس نفقہ سے لے، تو جنس نفقہ کی صورت میں قاضی کی ضرورت نہیں، یہ تمام بیان رحمتی کے حاشیہ میں ہے انہوں نے اچھی طوالت سے بیان کیا ہے۔ (ت)

یہاں کہ شوہر ہندہ نے کل متروکہ اپنے پسر کے نام جانب ہندہ سے ہبہ بتایا اور اسی پر کارروائی کی وہ شرعًا اپنے اقرار پر مواخذ ہے اور اس کا دعوی کہ اس وقت اپنی چہارم بچانے کے لئے ایسا مصلحۃً محض غلط کہہ دیا تھا ہرگز یوں مسموع نہیں جب وہ خود اتنی مدت تک چہارم کے لئے جھوٹ ظاہر کرتے رہنے کا مقر ہے تو کیا اعتبار ہے کہ اس کے وہی بیانات ممتدہ سچے ہوں اور اب بیٹے کی حرکات کے باعث ناراض ہوکر اس کے اضرار کے لئے یہ اظہار کرتا ہو، غرض کوئی مقر صرف اپنے اقرار سے پھر کر نفع نہیں پاسکتا، مرض الموت کا ہبہ جبکہ وارث کے نام ہوا گرچہ تمام وکمال اجازت دے کر ورثہ پر موقوف رہتا ہے اور بعض نہ مانیں تو ان کے حق میں باطل ہوجاتا ہے مگر ماننے والے کے حق پر ضرور نافذ رہتا ہے اور یہ شیوع کہ بعد کو عارض ہوا تمامی ہبہ کو مضر نہیں ہوتا، تنویر میں ہے:

المانع شیوع مقارن لاطارئ[2]۔	غیر منقسم حصہ ہونا ابتداءً مانع ہے بعد والا طاری ہو تو مانع نہیں ہے۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

لایمنع الشیوع صحة لاجازة[3]۔	غیر منقسم ہونا صحتِ اجازت کے لئے مانع نہیں ہے۔ (ت)

تو وہ اجازت شوہر ہندہ اس کے اپنے حق چہارم پر ضرور اثر انداز ہوئی اور اسے محض دعوی چہارم پانے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ رہا نانی کا ششم کہ اس کے عدم تسلیم کے باعث محفوظ رہا تھا جبکہ اسے اپنے پسر کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۷۷۔۷۸

[2] درمختار کتاب الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[3] فتاوٰی ہندیة

نام خریدا وہ بھی اس کا ہوگیا اگر اصل خریداری اسی کی طرف سے اسی کے نام سے ہوئی جب توظاہر ہے کہ ابتداء لڑکا ہی اس کا مالک ہوا اور اگر خود خریدا اور بیعنامے میں لڑکے کا نام لکھا دیا تواب یہ نہ ٹھہرائیں گے کہ خریداری سے اصل مالک یہ خود ہوا،

لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ[1] کما فی الدر وغیرہ۔	کیونکہ خریداری کا جب نفاذ مشتری (خریدار) پر ہو تو بیع نافذ ہو جائے گی، جیسا کہ درو غیرہ میں ہے۔(ت)

اور پھر لڑکے کے نام بیعنامہ لکھانا اس کی طرف سے پسر کو ہبہ ہوا لانہ دلالۃ التملیك وقد بیناہ فی فتاوٰنا (کیونکہ یہ مالک بنانے پر دلالت ہے، اس کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) تاکہ وہم گزرے کہ جب ماورائے ششم کا بوجہ ہبہ ہندہ حسب اقرار شوہر ہو چکا اور یہ ششم بذریعہ شراء اس شخص کی ملک ہوا اور ہنوز منقسم ہے تو بیٹے کے نام لکھا دینا شیئ مشاع کا اپنے شریک کو ہبہ کرنا ہوا اور وہ علی المذہب المعتمد جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

تم بالقبض فی مقسوم ومشاع لایقسم الافی ما یقسم ولو لشریکه کما فی عامة الکتب فکان ھو المذہب[2] الخ مختصرا۔	تقسیم شدہ اور ناقابل تقسیم کے قبضہ سے ہبہ تام ہو جاتا ہے مگر اس غیر منقسم کا ہبہ جو قابل تقسیم ہو قبضہ سے تام نہ ہوگا اگرچہ یہ ہبہ شریک کو ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ عام کتب میں ہے تو وہی مذہب ہے الخ مختصراً (ت)

بلکہ جب وہ مال اس کے قبضہ میں پہنچا اور یہ اقرار کر چکا تھا کہ وہ تمام و کمال بذریعہ ہبہ ملک پسر ہے تو اپنے اسی اقرار پر مواخذ ہو کر یہ ششم بھی سپرد پسر کرنا ہوگا اور وہ بیعنامہ میں اس کا نام لکھانا اس کی تکمیل ٹھہرے گا، بالجملہ اقرار کے باعث اب یہ دعوی ایسا نہ رہا جیسا کہ ایک وارث ثابت الوراثت کا دعوی صاف وآسان ہوتا۔ اب حکم یہ ہے کہ صورت مستفسرہ میں اگر مہر ہندہ واقعی معاف ہوگیا اور اس کے بھائی اسے ناحق دباتے تھے اور اس کے کوئی ذریعہ تحفظ سوائے اس اقرار کے نہ تھا جسے اب وہ غلط و بربنائے مصلحت بتاتا ہے تو اولاً اس سے گواہ مانگے جائیں گے اگر گواہان شرعی سے ثبوت دے دے کہ یہ اقرار محض کاذب و فرضی تھا فبہا ورنہ بیٹے سے حلف لیا جائے کہ واللہ میرے باپ کا اقرار مذکور

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰

[2] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

سچا تھا اور فرضی نہ تھا اگر وہ حلف سے انکار کرے تو اس کے باپ کا دعوی ثابت مانا جائے گا اور حلف کرلے تو رد ہو جائے گا۔ در مختار میں ہے:

اقررجل بمال فی صك واشهد علیه به ثم ادعی ان بعض هذاالمال المقربه قرض وبعضه ربا علیه فان اقام علی ذٰلك بینة تقبل وان کان متناقضا لانا نعلم انه مضطر الی هذاالاقرار شرح وهبانیه[1]۔	ایک شخص نے رسید میں درج مال کا دوسرے کیلئے اقرار کیا اور مدعی نے اس پر شہادت پیش کی پھر مقر نے کہا کہ اس مال میں سے کچھ قرض ہے اور کچھ سود ہے اس پر مقر نے گواہ پیش کردئے تو یہ گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ یہ بات پہلے اقرار کے مناقض ہے کیونکہ ہمیں علم ہے کہ وہ اس اقرار پر مجبور تھا، شرح وہبانیہ۔(ت)

اسی میں ہے:

اقر ثم ادعی المقرانه کاذب فی الاقرار یحلف المقرله ان المقر لم یکن کاذبا فی اقراره عند الثانی وبه یفتی درر[2]۔	اقرار کرکے پھر کہتا ہے میں نے جھوٹا اقرار کیا ہے تو مقرلہ (جس کے حق میں اقرار کیا) سے قسم لی جائیگی کہ اقرار کرنیوالے نے سچا اقرار کیا ہے نہ کہ جھوٹا، یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے، اور اسی پر فتوی دیا جائے گا، درر۔(ت)

یہ فیصلہ قضا ہے اور فیصلہ سعادت وہ تھا انت ومالك لابیك[3] تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ اپنے دونوں جہان کی بھلائی چاہتا ہے تو اسی فیصلہ پر سر رکھ دے کہ یہ فیصلہ اس کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہے، اور مسلمان وہی ہے جو ان کا فیصلہ دل سے مان لے، اللہ عزوجل فرماتا ہے "تیرے رب کی قسم مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے باہمی جھگڑوں میں تجھے حکم نہ بنائیں پھر تیرے فیصلہ سے اپنے دلوں میں اصلاً تنگی نہ پائیں گے اور قبول کرلیں مان کر"[4]۔ اللہ عزوجل توفیق عطا فرمائے، آمین! واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

[2] درمختار کتاب الاقرار فصل مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۳

[3] مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ عمرو بن شعیب دارالفکر بیروت ۲/ ۲۰۴

[4] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

مسئلہ ۸۳: از ریاست رام پور محلّہ متصل دروازہ انگوری باغ مرسلہ علی رضا خان ۱۱محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کی خدمت میں بعد ادائے آداب بزرگاں گزارش ہے کہ ہندہ شب کو اپنے باپ کے مکان سے نکل کر زید کے مکان پر آئی اور زید سے برضائے خود نکاح کرلیا، ہندہ کے باپ نے استغاثہ فراری دختر کا کیا، اور ہندہ بحکم سرکار اپنے باپ کے سپرد کردی گئی اور زید نے نالش مفتی کے یہاں کی، مفتی صاحب نے دعوی فسخ کردیا، عرضی دعوی اور جواب دعوی اور جواب و تنقیح عدالت و ثبوت مدعی و صفائی مدعا علیہا و اظہارات گواہان و فیصلہ عدالت سب کی نقلیں حاضر ملاحظہ ہیں اس ثبوت پر دعوی مفتی نے خارج کردیا ہے، اب علمائے دین کی خدمت میں عرض ہے کہ بعد ملاحظہ کاغذات حکم شرعی سے معزز فرمائیں۔ عرضی علی رضا خاں برادر حسن رضا خاں ساکن رام پور۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب اللہ عزوجل تبارک وتعالٰی احکم الحاکمین عزجلالہ نے خادمان علم سے عہد لیا ہے کہ جب تم سے کسی مسئلہ شرعیہ کا استفسار ہو بے رورعایت حق کا اظہار ہو ورنہ **معاذ اللہ** مستحق لجام نار ہو، فیصلہ مع جملہ کاغذات مرسلہ نظر سے گزرا بنگاہ اولین واضح ہوا کہ معزز ذی علم مجوز کی نظر کو یہاں بوجوہ کثیر سخت لغزشوں کا سامنا ہوا محض نامکمل مقدمہ پر فیصلہ دے دیا گیا جو کسی طرح جائز نہ تھا، ذی علم مجوز نے بناء فیصلہ چند امور پر رکھی ہے:

(۱) ابطال مبنائے ثبوت دعوی

(۲) قرائن سے ظہور غلطی دعوی

مگر افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی وجہ قوانین شرع مطہر کی معیار مبارک پر صحیح نہ اتری تفصیل موجب تطویل لہٰذا مختصر وجوہ غلطی فیصلہ پر اقتصار کریں **وباللہ التوفیق**۔

بنائے دعوی

(۱) ذی علم مجوز نے اس دعوی کا اصلی مبنٰی اس امر کا ثابت ہونا قرار دیا ہے کہ عصمت جہاں بیگم نے حسن رضا خاں کے ساتھ اپنے نکاح کا وکیل بوستاں خاں کو کیا ہے کیونکہ بذریعہ ولی جائز کے نکاح ہونے کا دعوی نہیں ہے بلکہ بوستاں خاں شخص اجنب کے اور مدعا علیہا بوستاں خاں کی توکیل سے منکر ہے یہاں تک کہ فرمایا صحت نکاح موقوف توکیل ہے جب توکیل غیر ثابت ہے تو اگر نکاح ہو بھی گیا تو بوجہ عدم صحت توکیل کے نکاح ثابت نہیں، یہاں تمام کتب مذہب کی روشن تصریحوں سے سخت ذہول

واقع ہوا، صحت نکاح ہر گز تقدم توکیل پر موقوف نہیں، نہ ثبوت نکاح ثبوت توکیل سابق علی النکاح پر۔ اگر کوئی فضولی راہ چلتا محض بلا اجازت و بلا اطلاع ہندہ کا نکاح زید سے خواہ زید کی طرف سے فضولی ہو کر اس کا نکاح ہندہ سے کردے اور طرف ثانی یعنی پہلی صورت میں زید اور دوسری صورت میں ہندہ خود یا اس کا وکیل یا ولی یا اس کی طرف سے بھی کوئی راہ چلتا اسی مجلس میں دو گواہوں کے سامنے کے سنتے سمجھتے ہوں قبول کرلے نکاح ضرور صحیح و منعقد ہوجائے گا جبکہ کوئی اس قابل ہو کہ اسے خبر پہنچے اور وہ اس فعل فضول کو روا رکھے تو جائز ہوسکے گا ہاں اس کا نفاذ خود منکوحہ یا ناکح یا دونوں یا ان کے اولیا کی اجازت پر موقوف رہے گا یعنی منکوحہ یا ناکح صرف ایک کی طرف سے کوئی فضولی تھا تو اس کی اپنی اجازت چاہئے اگر بالغ ہو ورنہ ولی کی اور دونوں کی طرف سے فضولیوں نے ایجاب و قبول کیا تو دونوں کی اپنی اجازت پر توقف ہوگا اگر بالغ ہوں یا اولیا کی اگر نابالغ ہوں یا ایک کی اپنی اور دوسرے کے ولی کی اگر ایک بالغ دوسرا نابالغ ہو بہر حال صحت نکاح میں شبہہ نہیں، ایسا نکاح اگر حاکم کے سامنے ثابت ہو تو ہر گز اس بناء پر رد نہ کرے گا کہ توکیل تو ہوئی ہی نہ تھی لہٰذا نکاح ثابت نہیں بلکہ اس وقت تنقیح اس کی لازم ہوگی کہ آیا اجازت پائی گئی یا نہیں، اگر بعد نکاح اجازت قولاً خواہ فعلاً کسی طرح ثابت ہو ضرور ثبوت نکاح کا حکم کرے گا ورنہ نہیں۔ در مختار فصل فضولی میں ہے:

کل تصرف صدر منه کبیع وتزویج وطلاق واعتاق وله مجیز حال وقوعه العقد موقوفا[1]۔	فضولی شخص کا ایسا تصرف کہ اس کے تصرف کے وقت کوئی جائز کرنے والا موجود ہو مثلاً بیع، نکاح کرنا، طلاق و اعتقاق، تو یہ تصرفات موقوف طور پر منعقد ہوں گے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الموقوف من قسم الصحیح وھو احد طریقین للمشائخ وھو الحق[2]۔	موقوف تصرف صحیح اقسام میں سے ہے، یہ مشائخ کے دو طریقوں میں سے ایک ہے اور یہی حق ہے (ت)

فتاوٰی خیریہ و بحر الرائق و ردالمحتار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ[1]۔	بعد کی اجازت سابق وکالت کی طرح ہے۔(ت)

تو وکالت بوستاں خاں کو صحت نکاح کا موقوف علیہ اور ثبوت توکیل بوستاں خاں کو ثبوت دعوی کا اصل مبنی ماننا دونوں باتیں ناقابل قبول ہیں۔

(۲) جلال خاں وامجدی بیگم وسروری بیگم گواہان توکیل ہیں، ذی علم مجوز نے صحت دعوی کا دوسرا مبنی گواہوں کا مقرہ کو پہچاننا قرار دیا اور اس پر اعتراض کیا کہ جلال خاں کو عدم شناخت مقرہ کی تسلیم ہے اپنے اظہار میں لکھایا ہے کہ عصمت جہاں بیگم پردہ نشین ہے جس وقت گواہی دریافت کرنے کے لئے میں گیا تھا اس وقت کے علاوہ میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہیں دیکھا تھا میں نے عصمت جہاں بیگم کو ایسے پہچانا کہ اس نے اپنا نام مجھے بتایا اور عورات نے بھی مجھ کو بتایا یہ شناخت کافی نہیں اول تو وہ عورات غیر معین ان کا نام گواہ نے نہ لیا کہ ان کی حیثیت کا اندازہ ہوتا نہ صراحت کی کہ کس طرح اس کو بتایا ان سے قطع نظر تعریف اناث بلا شمول مردے نیک اصلاً قابل قبول نہیں پس بوجہ عدم شناخت مقرہ شہادت جلال خاں کی کالعدم ہے، سروری بیگم وامجدی بیگم کی شہادتوں میں نقصان نہ بھی ہوں تو بلا شمول شہادت مرد حجت نہیں پس شناخت و توکیل دونوں مفقود ہیں، ذی علم معزز مجوز نے لحاظ نہ فرمایا کہ جلال خاں کو فی الحال عصمت جہاں بیگم کی شناخت نہ ہونی تسلیم ہے یا یہ کہ اس وقت سے پہلے نہ پہچانتا تھا گواہ کو وقت شہادت مشہود علیہ کا پہچاننا چاہئے یا پہلے سے جان پہچان ہونا ضروری ہے، جلال خاں نے یہ کہا کہ اس وقت کے علاوہ میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہ دیکھا تھا یا یہ کہ اس وقت بھی میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہ دیکھا تھا اور جب صراحۃً وہ اس وقت عصمت جہاں بیگم کو دیکھنا بیان کررہا ہے تو کسی مرد یا عورت کی تعریف کی کیا ضرورت تھی اگر کوئی عورت بھی اس سے نہ کہتی کہ یہ عصمت جہاں بیگم ہے جب وقت اقرار اس نے خود اپنی آنکھ سے اسے دیکھا اور اس کا منہ دیکھ کر پہچانی ہوئی عورت کے اقرار پر گواہ ہوا تو اس قدر صحت شہادت کے لئے یقیناً کافی ووافی تھا لاکھوں مردوں پر ایسی ہی شہادتیں تحمل کی جاتی ہیں کہ شاہدین نے اس وقت سے پہلے انہیں کبھی نہ دیکھا تھا کیا یہ شہادتیں مردود ہیں یا شاہدوں کو لازم ہے کہ کہیں سے اپنی جان پہچان سے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پکڑ کرلائیں اور پہلے انہیں دکھا کر مشہود علیہ کی تعریف کرالیں اس کے بعد تحمل شہادت کریں کوئی عاقل اس کا قائل نہیں خود وہ عبارات کہ ذی علم مجوز نے فیصلہ کے ساتھ اپنی تجویز کی سند میں پیش کیں تجویز کی رد پر گواہ عادل ہیں کیا ذی علم مجوز نے درمختار کی یہ عبارت نقل نہ کی:

اویری شخصھا ای القائلۃ مع شھادۃ	یا یہ کہنے والی عورت کہ میں فلانی بنت فلاں بن فلاں ہوں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۳۹

اثنتین بانہا فلانۃ بنت فلان بن فلان [1]۔	اس پر اس کے ساتھ دو گواہ بھی ہوں، کے تشخص کو دیکھا جارہا ہو۔(ت)

کیا اسکی شرح میں ردالمحتار کی یہ عبارت نقل نہ کی:

احترز برؤیۃ شخصہا عن رؤیۃ وجہہا قال فی جامع الفصولین حسرت عن وجہہا وقالت انا فلانۃ بنت فلاں بن فلاں وھبت لزوجی مہری فلایحتاج الشہود الی شہادۃ عدلین انہا فلانۃ بنت فلاں ما دامت حیۃ اذیمکن للشاھد ان یشیر الیہا [2]۔	شخصیت کو دیکھنے کے قول نے چہرے کو دیکھنے سے بچادیا، جامع الفصولین میں فرمایا: عورت نے چہرے سے پردہ اٹھایا اور کہا کہ میں فلانہ بنت فلاں بن فلاں نے اپنا مہر اپنے خاوند کو دیا تو گواہوں کو یہ کہنے والے دو عادل گواہوں کی ضرورت نہیں کہ وہ فلانہ بنت فلاں بن فلاں ہے کیونکہ اس کی زندگی میں گواہ کو اشارہ سے بتانا ممکن ہے(ت)

کیا شامی کی یہ عبارت نقل نہ کی:

کذا اذا وکلت بالتزویج فہو علی ھذا اھ ای ان رأوھا او کانت وحدھا فی البیت یجوز ان یشہدوا علیہا بالتوکیل [3]۔	یوں ہی جب عورت نے اپنے نکاح کے لئے وکیل بنایا اور عورت کو گواہ دیکھ سکتے ہوں یا وہ مکان میں اکیلی ہو تو گواہوں کو اس کی وکالت پر شہادت جائز ہے۔(ت)

کیا ان عبارتوں میں صاف تصریح نہ تھی کہ دو مرد یا ایک مرد دو عورات کی تعریف اس وقت ضرور ہے جب مقرہ شاہد کے سامنے نقاب یا برقع میں ہو کہ اس کے قد و قامت و بدن و جسامت کا اندازہ کپڑوں میں چھپا نظر آتا ہے چہرہ نہیں دکھائی دیتا او اگر منہ کھول کر کہے کہ میں فلانہ بنت فلاں بن فلاں ہوں، تو جب تک عورت زندہ ہے گواہ کو اصلاً تعریف کی حاجت نہیں، غرض بربنائے عدم تعریف شہادت جلال خاں کا کالعدم قرار پانا اور اس کی بناء پر سروری بیگم وامجدی بیگم کی گواہیوں کا شہادت مرد سے خالی رہ جانا اور اس کی بناء پر توکیل بوستاں خاں کا ثابت نہ ہونا اور اسکی بناء پر دعوی نکاح کا بے ثبوت رہنا یہ سب بنائے فاسد علی الفاسد ہے، ہاں یہاں ضرور قصور رہا کہ شاہد جبکہ عصمت جہاں بیگم کو پہلے سے نہ پہچانتا تھا کہ وقت توکیل اسے دیکھ کر خود ہی پہچان لیتا اور وقت شہادت اپنے علم ذاتی سے گواہی دیتا کہ وہ عورت جس نے میرے سامنے توکیل کی عصمت جہاں بیگم

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲
[2] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۳
[3] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۲

ہی تھی بلکہ اس نے اسی وقت مقرہ کو دیکھا اور اسی کی زبانی یا اور عورات کے بیان سے بھی جانا تھا کہ یہ عصمت جہاں بیگم ہے تو احتمال تھا کہ واقع میں وہ کوئی اور عورت تھی جس نے بفریب اپنے آپ کو عصمت جہاں بیگم ظاہر کیا اس شبہ کے رفع کو حاکم پر لازم تھا کہ عصمت جہاں بیگم کو وقت شہادت جلال خاں کے سامنے کرتا اور اس کا منہ کھلوا کر شاہد سے گواہی لیتا کہ یہ وہی عورت ہے جسے تونے وقت توکیل دیکھا تھا اگر جلال خاں شناخت کرتا تو اس کی گواہی کامل تھی ورنہ باطل، مگر یہ قصور شاہد کا نہیں، شاہد کا کیا زور تھا کہ عصمت جہاں بیگم کو جو اس وقت اپنی توکیل سے منکر اور برسرخلاف ہے بالجبر حاضر لاتا اور اس کا منہ کھول کر دیکھ کر گواہی دیتا یہ کام تو حاکم کا تھا جو متروک رہا اور محض بے ترتیب و نامکمل مقدمہ پر فیصلہ دے دیا گیا مجوز کا فرمانا کہ شناخت کرانا مقرہ کا گواہ مذکور کو شرط تھا جو متروک ہے نہایت حق و بجا ہے واقعی شناخت کرنا گواہ کا کام تھا وہ اس نے متروک نہ کیا کہ نہ وہ اس کے اختیار میں تھا نہ اس سے چاہا گیا ہاں شناخت کرنا حاکم کا کام تھا وہ ضرور متروک رہا مگر ترتیب مقدمہ میں مجوز کا خود قصور رکھنا اور اپنے فعل کا الزام گواہ کو دے کر بلاوجہ شہادت و دعوٰی رد فرمادینا ایک سخت تعجب انگیز بات ہے۔

(۳) اختلافات: ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب میں اختلاف وہ مضر ہے جو اصل معاملہ پر اثر انداز ہے زائد و فضول باتیں کہ یوں ہوں تو ضرر نہیں محض نظر انداز ہیں ان میں اختلافات ہزار ہوں اصلًا قابل لحاظ نہیں یہاں دعوٰی صرف اس قدر ہے کہ عصمت جہاں بیگم سے میرا نکاح ہوا ہے وہ مجھے دلادی جائے مہر وغیرہ کچھ زیر بحث نہیں تو شاہدوں یا شہود و دعوٰی میں مقدار مہر یا جنس مہر کا اختلاف اصل دعوٰی میں کچھ مخل نہیں، کیا اگر مہر میں دس اشرفیاں ٹھہری ہوں تو نکاح ہوگا بیس ٹھہری ہوں تو نہ ہوگا اور جب مہر درباره نکاح ایک امر زائد ہے تو محض بالائی لغو باتیں کہ بوستاں خاں کے جاتے وقت جلال خاں دروازہ میں کھڑا تھا یا اس کے پیچھے پیچھے گیا تھا، عصمت جہاں بیگم نے تین بار اجازت دی یا ایک بار کہا تھا، جلال خاں نے عصمت جہاں بیگم سے سوال کیا یا اس نے خود بے سوال کہا تھا، عصمت جہاں بیگم نے شمسن بیگم کے کہنے پر بوستان خاں سے خطاب کیا یا وہ کہنے نہ پائی تھی کہ اس نے کہہ دیا، نکاح میں بتاشے بٹے تھے یا چھوہارے یا مٹھائی۔ محمد حسین خاں اپنے بیٹے کے ساتھ آیا یا بعد وغیر وغیرہ لغویات کا کیا ذکر، میں بعونہ تعالٰی ان تمام امور پر تفصیلًا بحث کیا چاہتا ہوں یہاں اس عام وجامع مہم و نافع قاعدہ کو خوب سمجھ لیا جائے کہ فیصلوں میں بار بار ایسی بیکار بحثیں پیش آتی ہیں اور ان کے سبب مسلمانوں کے حقوق پر برا اثر پڑتا ہے، بہت ادب سے تاکیدی گزارش کی جاتی ہے کہ اسلامی عدالتیں توجہ تام سے ان احکام شرعیہ کو سنیں اور ان پر کار بند رہیں کہ حقوق مسلمین ضائع نہ ہوں صفر ۱۳۱۶ھ

میں اسی ریاست سے مقدمہ بگا بیگم بنام عباس علی خاں کا فیصلہ بغرض استصواب یہاں آیا تھا اس میں بھی ایسے ہی زائد و لغو اختلافات کی بناپر ذی علم مجوز نے دعوی مدعیہ رد فرمایا تھا جس کا جواب مظہر صواب بہ تفصیل تام یہاں سے بھیج دیا گیا انہیں جواہر زواہر چند کلمات کا التقاط پھر کیا جاتا ہے زائد و فضول و بیکار باتوں میں تفاوت اصلاً لائق التفات نہیں۔ وجیز امام کردری میں ہے:

التناقض فیما لایحتاج الیہ لایضر، اصلہ فی الجامع الصغیر اھ[1]۔	غیر ضروری چیز میں تناقض ہو تو اصل واقعہ کے ثبوت میں مضر نہیں ہے اس کی اصل جامع صغیر میں ہے اھ (ت)

جامع الفصولین کی فصل ۱۱ میں ہے:

القاضی لوسأل الشھود قبل الدعوی عن لون الدابۃ فقالوا کذا ثم عندالدعوٰی شھدا بخلاف ذٰلک اللون تقبل لانہ سأل عما لایکلف الشاھد بیانہ فاستوٰی ذکرہ وترکہ ویخرج منہ مسائل کثیرۃ[2]۔	قاضی نے اگر دعوی سے قبل گواہوں سے جانور کا رنگ پوچھا تو انھوں نے کوئی رنگ بتایا اور دعوی کے ساتھ گواہوں نے کوئی دوسرا رنگ بتایا تو ان کی گواہی مقبول ہوگی کیونکہ اس نے ایسی چیزوں کا سوال کیا جن کے بیان کا شاہد پابند نہیں تھا تو ان چیزوں کا ذکر اور عدم ذکر برابر ہے اور اس قاعدہ سے بہت سے مسائل کی تخریج ہے۔ (ت)

خلاصہ اور ہندیہ میں ہے:

لو سأل القاضی الشھود عن لون الدابۃ و ذکر وا ثم شھدوا عند الدعوی وذکروا الصفۃ علی خلافہ تقبل والتناقض فیما لایحتاج الیہ لایضر[3]، کذافی الخلاصۃ۔	اگر قاضی نے دعوی سے قبل گواہوں سے جانور کا رنگ پوچھا انہوں نے کوئی بتایا اور دعوی کے ساتھ انہوں نے کوئی دوسرا رنگ بتایا تو دعوی مقبول ہوگا اور یہ تناقض غیر ضروری چیزوں میں ہے لہٰذا مضر نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ (ت)

خانیہ و بحر الرائق و ظہیریہ و عالمگیریہ میں ہے:

لو اختلفا فی الثیاب التی کانت علی الطالب	اگر گواہوں نے ان کپڑوں میں جو طالب، مطلوب

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب الشھادات نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۵۱
[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۰
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات باب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۶۰

اوالمطلوب او المرکب اوقال احدھما کان معنا فلان وقال الاخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انہ یجوز ولا تبطل ھذہ الشھادۃ[1] ۔	یاسواری پر تھے کہ متعلق مختلف بیان دیا، یا ایک نے کہا ہمارے ساتھ فلاں تھا اور دوسرے نے کہا نہیں تھا تو امام محمد نے اصل (مبسوط) میں فرمایا کہ یہ شہادت جائز ہوگی باطل نہ ہوگی (ت)

فتاوٰی قاعدیہ وفتاوٰی انقرویہ میں ہے:

قال الشھادۃ لو خالفت الدعوٰی بزیادۃ لایحتاج الی اثباتھا او بنقصان کذالك فان ذالك لایمنع قبولھا مثالہ لو شھدا علی اقرارہ بمال فقال اقرفی یوم کذا والمدعی لم یذکر الیوم او شھدا ولم یؤرخا والمدعی ارخ اوشھدا انہ اقر فی بلد کذا وقد اطلق المدعی او ذکر المدعی المکان ولم یذکراہ او ذکر المدعی مکانا وھما سمیا غیر ذٰلك المکان او قال المدعی اقر وھو راکب فرس او لابس عمامۃ وقال اقروھو راجل او راکب حمارا و لا بس قلنسوۃ واشباہ ذٰلك فانہ لا یمنع القبول لان ہذہ الاشیاء لایحتاج الی اثباتھا فذکرہا والسکوت عنھا سواء کذا لو وقع مثلا ھذا التفوت فی الشھادتین لایضر[2] ۔	انہوں نے فرمایا اگر دعوی سے زائد کسی ایسے امر میں جو دعوی کے اثبات میں ضروری نہیں یا یوں ہی کسی کمی جس سے دعوی میں کوئی اثر نہیں پڑتا، میں گواہوں نے اختلاف کیا تو اس سے دعوی کو قبول کرنے میں کوئی ممانعت نہیں، مثلاً گواہوں نے بیان دیا کہ فلاں نے میرے پاس مال کا اقرار کیا گواہوں نے کہا فلاں روز اس نے اقرار کیا حالانکہ مدعی نے دعوی میں کسی دن کو ذکر نہ کیا، یوں ہی گواہوں نے اقرار کی تاریخ بیان نہ کی جبکہ دعوی میں تاریخ کا ذکر ہے، یایوں کہ گواہوں نے کہافلاں شہر میں اقرار کیا جبکہ مدعی نے کسی شہر کو ذکر نہ کیا ہو یا مدعی نے جگہ ذکر کی اور گواہوں نے جگہ کو ذکر نہ کیا، یامدعی نے دعوی میں ایک جگہ ذکر کی گواہوں نے دوسری جگہ کو ذکر کیا، یامدعی نے کہا اس نے گھوڑے پر سواری یا عمامہ پہنے ہوئے اقرار کیا جبکہ گواہوں نے پیدل یا گدھے پر سواری یا ٹوپی پہنے اقرار کا ذکر کیا، تو ایسے اختلاف سے دعوی کے مقبول ہونے میں ممانعت نہ ہوگی کیونکہ مذکورہ

[1] بحرالرائق کتاب الشھادات باب الاختلاف فی الشھادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۱۱۳

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الشھادات الثامن فی الاختلاف الخ دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۹۵۔ ۳۹۴

اشیاء دعوی کے اثبات کے لئے ضروری نہیں ہیں اسلئے ان کاذکر اور عدم ذکر برابر ہے یونہی ان چیزوں میں اگر گواہوں نے بھی اپنے بیانوں میں اختلاف کیاتو دعوی کے لئے مضر نہیں ہے (ت)

اصل شہادت میں اتفاق شافی ووافی کے بعد بعض فضولیات میں ایسے ناموثر ہلکے آسان اختلافوں کو دستاویز بناکر شہادات متفقہ کو رد کردینے کا اگر فتح باب ہو تو عامہ حقوق ضائع ہوجائیں ظالمین اموال وفروج پر دسترس پائیں مظلوم اپنے حق سے محروم رہ جائیں، کچہریاں صرف اعانت ظلم کے صیغے نظر آئیں، کہ انسان نسیان کے لئے ہے اور زوائد ضائعہ کی طرف نہ ذہن ابتداءً التفات تام کرتا ہے نہ حافظہ انتہاءً ان کا اہتمام، ایسی کسی بات میں اختلاف ہوجانا درست نہیں بلکہ غالب ہے خصوصًا اس بدعت شنیعہ کے ہاتھوں جو آج کل کے وکلا نے اتلاف حقوق وتکذیب صدوق کے لئے تراشی اور قضات نے اس پر تقریر کی کہ محض براہ مغالطہ شہود کا بیان متزلزل کردینے کے لئے صدہا سوالات فضول ومہملات سوسو طرح کے پیچ دے کر کرتے اور شرع نے جن کے اکرام کا حکم دیا جنہیں ذریعہ دادرسی مظلوم بنایا ان کے اغواء وتضلیل وازلال وتذلیل میں کوئی دقیقہ نامرعی نہیں رکھتے اس بیہودہ بے معنی کشاکش پریشان کن میں آدمی کے آئے حواس جاتے ہیں خصوصًا نساء وضعفاء وارباب سلامت صدور اور وہ لوگ جنہیں کچہریوں کا اتفاق کم ہو یہ تو ان حضرت کے سخرہ ودستمال ہیں، جب فہرست شہود میں ایسوں کا نام پاتے ہیں برائے تفاخر فرماتے ہیں وہ بہت سیدھے مسلمان ہیں دیکھنا دو سوالوں میں بول جائیں گے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بھولا راست باز جھوٹا ٹھہرتا ہے اور جھوٹا فسوں ساز سچا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المؤمن غر کریم والفاجر خب لئیم[1]، رواہ ابوداؤد والترمذی والحاکم بسند جید عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مومن کریم ہونے پر دھوکہ کھاتا ہے اور فاجر شخص شاطر ہونے کی بناء پر دھوکہ ساز ہوتا ہے۔ اس کو ابوداؤد ترمذی اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

وہاں ایسے کسی اختلاف یسیر کا بھی اصلًا واقع نہ ہونا ہی تعجب ہے تو ان پر نظر کا حاصل سوا اضاعت حقوق واعانت عقوق کے اور کیا قرار پاسکتا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی پر ظاہر کہ اس میں حرج صریح ہے اور حرج بنص قطعی مدفوع، جامع الفصولین میں ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی حسن المعاشرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۴

عدم القبول فی امثالہ یفضی الی الحرج و التضییق و تضییع کثیر من الحقوق وامرنا بیسر لا بعسر و الحرج مدفوع شرعا[1]۔	ایسی صورتوں میں دعوی کا غیر مقبول ہونا، حرج اور تنگی اور کثیر حقوق کے ضیاع کا باعث ہوسکتا ہے حالانکہ ہمیں آسانی کا حکم ہے مشکل کا نہیں حالانکہ حرج شرعًا مدفوع ہے۔ (ت)

روایت نادرہ ابی یوسف کو مذہب امام ابی یوسف کہنا کس قدر خلاف فقاہت ہے، نہ قاضی و مفتی کو اس پر عمل کی اجازت، جامع صغیر و مبسوط امام محمد و بحر الرائق واشباہ والنظائر وزواہر الجواہر ودر مختار وفتاوی صغری وفصول عمادی وخزانۃ المفتین وجامع الفصولین وغایۃ البیان و فتاوٰی انقرویہ ورد المحتار وفتاوی خلاصہ وکافی ولسان الحکام و معین الحکام وعقود دریہ ووجیز کردری وفتاوٰی خانیہ وفتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی قاعدیہ وغیرہ کتب معتمدہ مذہب کی عبارات کثیرہ اوپر گزریں کہ اس روایت نادرہ کے سراسر خلاف ہیں اور انہیں پر انحصار نہیں عامہ کتب مذہب میں اس کا خلاف موجود، نوادر میں بھی یہ صرف روایت ابی یوسف ہے۔ برخلاف امام اعظم وہمام اقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ توجماہیر کے خلاف امام کے خلاف ظاہر الروایۃ کے خلاف دلیل کے خلاف بے تصحیح صریح وترجیح رجیح ائمہ افتاء ایک روایت شاذہ نادرہ پر فیصلہ کیونکر روا۔ ائمہ وعلماء کی روشن تصریحات ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں وہ مرجوع عنہ ہے، قول مرجوح پر افتاوقضا جہل وخرق اجماع ہے نہ کہ مرجوع عنہ کہ سرے سے قول ہی نہ رہا، لاجرم ایسے فیصلے کو منسوخ کردینے کا حکم فرمایا، ردالمحتار میں ہے:

قد صرحوا بان العمل بما علیہ الاکثر[2]۔	فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اکثریت کے قول پر عمل ہوگا (ت)

بحر الرائق میں ہے:

یجب علینا الافتاء بقول الامام[3]۔	ہم پر امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوی ضروری ہے۔ (ت)

خیریہ میں ہے:

المقرر ایضا عندنا انہ لایفتی و	ہمارے ہاں یہ بھی مسلم ہے کہ فتوی اور عمل صرف

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر فی الاختلاف بین الدعوٰی اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

[2] ردالمحتار فصل فی البئر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۵۱

[3] بحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹۔۲۷۰

لایعمل الابقول الامام الاعظم اھ[1]۔	امام اعظم رضی اللہ تعالٰی کے قول پر ہوگا اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ماخالف ظاہر الروایۃ لیس مذہبا لاصحابنا[2]۔	جو ظاہر روایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہے (ت)

بحرالرائق میں ہے:

ما خرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنه و المرجوع عنه لم یبق قولا له[3]۔	جو قول ظاہر روایت سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہوتا ہے اور جو مرجوع عنہ ہو وہ امام صاحب کا قول نہیں رہتا۔ (ت)

تصحیح القدوری ودرمختار میں ہے:

الحکم و الفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[4]۔	فتوٰی اور حکم مرجوح قول پر جہالت اور اجماع کے خلاف ہے۔ (ت)

حواشی ثلثہ سادات ثلثہ ابراہیم حلبی واحمد مصری ومحمد شامی میں ہے:

اولی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاہر الروایۃ اذالم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنه[5]۔	ظاہر روایت جس کی تصحیح نہ ہوئی ہو کے خلاف فتوی دینا اور مرجوع عنہ پر فتوی دینا اس سے بھی زیادہ باطل ہے (ت)

تنویر وشرح علائی میں ہے:

لایخیر الااذاکان مجتھدا، بل المقلد(لایخیر اذالم یکن مجتھدا کذافی بعض النسخ)متی خالف معتمد مذھبه لاینفذ حکمه وینقض ھو المختار	خیار نہیں ہوگا مگر جبکہ وہ مجتہد ہو بلکہ قاضی مقلد بھی جب اپنے قابل اعتماد مذہب کے خلاف کرے تو جائز نہیں اس کا حکم نافذ نہ ہوگا اور کالعدم قرار پائے گا،

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالفکر بیروت ۲/ ۳۳
[2] ردالمحتار کتاب احیاء الموات داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۸
[3] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۰
[4] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵
[5] ردالمحتار خطبۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱

للفتوٰی[1]۔	یہی فتوی کے لئے مختار ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذاحکم بغیرہ لم یصح[2]۔	قاضی، امام صاحب کے اصح اقوال پر حکم کا پابند ہے اگر غیر اصح پر حکم دیا تو صحیح نہ ہوگا۔(ت)

(۴) تفصیلی اختلافات کی طرف چلئے، جلال خاں کے بیان سے اس کا وقت آنے بوستاں خاں کے کھڑا ہونا بیرونی دروازہ میں پہلے سے اور مسماتوں کے بیان سے جلال خاں وکالے خاں کا ان کے پیچھے پیچھے آنا ثابت ہے یہاں اظہاروں کی عبارات پر قدرے بے غوری واقع ہوئی، جلال خاں کا بیان یہ ہے جب بوستاں خاں اندر مکان کے چبوترے پر گئے ہیں تو میں دروازہ اندرونی میں مکان کے اندر کھڑا تھا مجھ میں اور بوستاں خاں میں تخمیناً فاصلہ ۴ گز کا تھا اور امجدی بیگم سروری بیگم کہتی ہیں پھر محمد رضا خاں اور بوستاں خاں گھر میں آئے اور پیچھے پیچھے کالے خاں وجلال خاں بھی آئے، عورتیں ان گواہوں کے گھر میں آتے وقت کا حال بیان کرتی ہیں کہ آگے آگے بوستاں خاں اور پیچھے پیچھے جلال خاں گھر میں آئے اور جلال خاں گھر میں داخل ہونے کے بعد اس وقت کا حال کہتا ہے جب بوستاں اندر مکان کے چبوترے پر گیا تھا، ان میں کیا اختلاف ہوا بوستاں خاں اور اس کے پیچھے جلال خاں گھر میں آئے جلال خاں دروازہ اندرونی پر رک رہا بوستاں خاں چبوترہ پر گیا دونوں بیان صادق ہیں، ذی علم مجوز کی نظر نے اس لفظ میں لغزش فرمائی ہے کہ جلال خاں کے بیان سے وقت آنے بوستاں خاں کے، حالانکہ اس کا یہ بیان مکان کے اندر چبوترہ پر بوستاں خاں کے جانے کے وقت کا ہے، کہاں بوستاں خاں کا مکان میں آنا اور کہاں اس کا اندرونی مکان چبوترہ پر جانا۔

(۵) جلال خاں نے بیان کیا میں نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تم کیا کہتی ہو تو اس نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کا اختیار حسن رضا خاں کے ساتھ نکاح پڑھوانے کے لئے بوستاں خاں کو دیا، مسماتان مذکور دریافت کرنا جلال خاں کا عصمت جہاں بیگم سے، بیان نہیں کرتیں، سروری بیگم وامجدی بیگم نے اگر عصمت جہاں بیگم سے جلال خاں کا دریافت کرنا بیان نہ کیا تو یہ بھی تو نہ کہا کہ جلال خاں نے دریافت نہ کیا، بے اس کے پوچھے خود ہی عصمت جہاں بیگم نے بتایا تھا، پھر یہ اختلاف کیا ہوا کیا عدم ذکر ذکر عدم ہوتا ہے، بھلا یہ تو لغو وفضول بات ہے خاص متعلق اصل معاملہ میں تصریح علماء ہے کہ شاہدین میں جب ایک ایک بات بیان کرے دوسرا نہ بیان کرے

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۶

تو جتنی بات میں دونوں متفق ہیں شہادت مقبول ہوگی اور جتنی بات صرف ایک کے بیان میں ہے وہ بوجہ عدم نصاب شہادت ثابت نہ ہوگی مثلاً زید وعمرو نے گواہی دی کہ بکر نے خالد کو وکیل کیا زید نے اپنی شہادت میں اتنا اور بڑھایا کہ پھر معزول کردیا عمرو نے عزل کا ذکر نہ کیا تو وکالت ثابت ہوجائے گی اور معزولی ثابت نہ ہوگی، فصول عمادیہ وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

لو شھدا بالوکالۃ و زاد احدھما انہ عزلہ جازت شھادتھما علی الوکالۃ ولم تجز علی العزل[1]۔	اگر گواہوں نے وکالت کی گواہی دی اور ایک نے یہ بات زائد کہی کہ وہ معزول ہوچکا ہے تو نفس وکالت پر دونوں کی شہادت مقبول ہوگی، معزول کی زائد بات معتبر نہ ہوگی۔ (ت)

(٦) مسماتان مذکور کہتی ہیں عصمت جہاں بیگم نے تین مرتبہ کلمات اجازت کہے جلال خاں تین مرتبہ اجازت دینا بیان نہیں کرتا، یہ بھی وہی عدم ذکر وذکر عدم میں فرق نہ کرنا ہے جلال خاں یہ بھی تو نہیں کہتا کہ عصمت جہاں بیگم نے تین مرتبہ نہ کہا صرف ایک ہی بار کہا تھا، اس مقدمہ بگا بیگم بنام عباس علی خاں میں بھی اس قسم کے اختلافات تجویز فرمائے گئے تھے جنہیں فقیر نے اپنے فتوی میں لکھا، رب العزت جلا وعلانے سورہ نمل میں فرمایا:

"یٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۟ۖ ﴿۱۰﴾ "[2]	اے موسٰی (علیہ السلام)! آپ خوف نہ کریں میرے حضور رسولوں کو خوف نہیں ہوتا (ت)

اور سورہ قصص میں فرمایا:

"یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ "[3]	اے موسٰی (علیہ السلام)! آگے بڑھو خوف نہ کرو آپ بیشک امن والوں میں ہیں (ت)

اور سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا:

"قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ ٝ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾ "[4]	فرمایا اسے پکڑو اور خوف نہ کرو ہم اسے عنقریب پہلی حالت پر پھیر دیں گے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفصول العمادیۃ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۷

[2] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۰

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۱

[4] القرآن الکریم ۲۰/۲۱

ان دونوں سورتوں میں ذکر ندا ہے یہاں نہیں بلکہ جملہ لاتحف کے سواہر جگہ نیا کلام نقل فرمایا ہے، کیا معاذاللہ یہ قرآن مجید کا اختلاف ٹھہرے گا، ہماری رائے میں ایک بڑا اختلاف ذکر سے رہ گیا، اظہارات کی نقلیں کہ یہاں آئی ہیں ان میں سروری بیگم وامجدی بیگم کے بیان میں جتنی جگہ عصمت جہاں بیگم کا نام آیا ہے سب جگہ مع لفظ بیگم ہے اور جلال خاں کے بیان میں ایک جگہ لفظ بیگم نہیں تو ارشاد فرمانا تھا کہ عورتیں عصمت جہاں بیگم کہتی ہیں اور جلال خاں نے ایک جگہ بے لفظ بیگم کہا لہٰذا گواہیاں بوجہ اختلاف مردود ہیں۔

(۷) جلال خاں نے بیان کیا کہ جب بوستاں خاں اندر مکان کے گئے تو حسن رضاخاں کی ہمشیرہ سے کہا کہ تم اس عورت سے میرے روبرو کہلوادو، چنانچہ انہوں نے اس عورت سے کہا کہ تم خود اپنے منہ سے کہو، تو اس نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کا اختیار الخ، مسماتوں نے یہ کہا ہے کہ بوستاں خاں نے میری بڑی نند سے کہا کہ بیگم اب لڑکی سے کہو کہ کیا کہتی ہے جو میں بھی سنوں، میری نند کہنے بھی نہ پائی کہ عصمت جہاں بیگم نے کہا کہ میں ہوں عصمت جہاں بیگم میں نے حسن رضا کے ساتھ الخ۔ سارے اختلافوں میں یہ بڑا بھاری اختلاف ہے کہ ظاہرًا نفی واثبات کا فرق ہے، جلال خاں کہتا ہے شمسن بیگم کے کہنے پر عصمت جہاں بیگم نے کہا عورتیں کہتی ہیں شمسن بیگم کہنے بھی نہ پائی تھی کہ اس نے کہہ دیا مگر انصاف کیجئے تو یہ اعتراض بھی مہمل ہے۔

اولًا: اظہار جلال خاں کی نقل جو یہاں آئی اس کی عبارت یہ ہے بوستاں خاں اندر مکان کے گئے حسن رضا کی ہمشیرہ سے جا کر کہا کہ تم میرے روبرو کہلوادو، چنانچہ انہوں نے اس عورت سے کہا کہ کہہ دو، تب اس عورت نے اپنی زبان سے کہا کہ میں نے اپنے نفس کا اختیار کہہ دو، ایک چار حرفی کلمہ ہے، شمسن بیگم عصمت جہاں بیگم کے پاس بیٹھی تھی اس نے آہستہ سے کہا کہہ دو سروری بیگم وامجدی بیگم نے نہ سنا سروری بیگم کے بیان میں کہیں نہیں کہ وہ اس وقت شمسن بیگم یا عصمت جہاں بیگم کے پاس ہی زانوں سے زانو ملائے بیٹھی تھی اور خصوصًا امجدی بیگم نے تو صاف بیان کیا ہے کہ جوان عورت ہوں میرا تینوں سے پردہ ہے میں اس وقت اوٹ میں ہو گئی تھی دولائی اوڑھ کر اوٹ کرکے ذرا آڑ سے بیٹھی تھی خصوصًا ایسے وقت لوگوں کے کان دلہن کے بیان کی طرف لگے ہوتے ہیں بالائی لوگوں کے ایں وآں کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

ثانیًا: محتمل کہ ادھر تو شمسن بیگم نے اس سے کہا کہہ دو یا یہی کہ تم خود اپنے منہ سے کہو ادھر عصمت جہاں بیگم نے بوستاں خاں سے خطاب شروع کردیا، دونوں بیان ایسے متصل معًا واقع ہوئے کہ سامع کو اشتباہ ہو کہ یہ عصمت جہاں بیگم نے بطور خود کہا یا شمسن بیگم کے کہنے سے کہا جلال خاں غیر آدمی اس نے حسب عادت زنان دوشیزہ نیک گمان کیا کہ شمسن بیگم کے کہنے ہی سے کہا ہوگا سروری بیگم عصمت جہاں بیگم کی بھانجی ہے

وہ اپنی خالہ کے طلاقت لسانی سے خوب آگاہ تھی جس کا اظہار عصمت جہاں بیگم کے اظہاروں میں ہوا ہے جن کا بیان ان شاء اللہ تعالٰی آگے آتا ہے اس نے جانا کہ اس کی چنچلی طبیعت کا گرم توسن کیا محتاج مہمیز ہوتا شمسن بیگم کے منہ سے پوری بات بھی نہ نکلی تھی کہ اس نے توکیل کا خطبہ پڑھنا شروع کر دیا، ذرا غور سے سروری بیگم کے لفظ دیکھئے وہ یہ نہیں کہتی کہ میری نند کچھ نہ بولی بلکہ کہتی ہے میری نند کہنے بھی نہیں پائی کہ عصمت جہاں بیگم نے کہا یعنی اس کا کہنا ختم نہ ہوا تھا کہ عصمت جہاں بیگم نے خطاب آغاز کیا، اہل زبان جانتے ہیں کہ کسی فعل کا ہو پانا اس کے تمام واختتام پر ہوتا ہے نہ کہ وسط وآغاز میں، مثلاً امام قعدہ اولٰی بھول کر تیسری رکعت کو کھڑا ہوا سیدھا نہ ہوا تھا کہ مقتدی نے تسبیح کی امام نے بعد سلام کہا تم نے بیجا بتایا تمہاری نماز نہ ہوئی کہ قعدہ اولٰی سے کھڑے ہو کر عود کا محل نہیں تو مقتدی کہے گا آپ ابھی اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ میں نے بتایا یعنی قیام ہنوز تمام نہ ہوا تھا۔

(۸) مسماتوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ بوستاں خاں کو لڑکی پہلے نہ جانتی تھی آگے بڑھ کر لکھا یا کہ اجازت دیتے وقت کہا بوستاں خاں بھائی تم کو وکیل کیا جب مدعاعلیہا بوستاں خاں کو پہلے نہ جانتی تھی تو بوستاں خاں کا نام کیسے جانا کیونکہ مسماتوں نے کسی جگہ نہ لکھا، یا کہ کس نے اس کا نام بتایا تھا، یہ اعتراض بھی سخت حیرت انگیز ہے۔

اولاً: تو کسی شخص کو جاننا اس کے ساتھ شناسائی وتعارف کو کہتے ہیں اجنبی آدمی جسے کبھی نہ دیکھا ہو اس وقت اس کا نام کسی کی زبان سے سن لینے سے یہ نہ کہا جائیگا کہ ہم اسے جانتے ہیں۔

ثانیاً: بالفرض کہا بھی جائے تو امجدی بیگم وسروری بیگم نے جاننے کی مطلقاً نفی کب کی وہ تو صاف کہہ رہی ہیں کہ پہلے سے نہ جانتی تھی کیا کسی کا نام معلوم کرنے کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ پہلے سے اسے جانے ورنہ نام معلوم نہیں ہوسکتا، عورتوں کو اس بیان کی کیا ضرورت تھی کہ عصمت جہاں بیگم نے بوستاں خاں کا نام کس سے سنا، ایسے مواقع کے عام معمولی واقعات پر نظر فرمائی جاتی تو خود معلوم ہو جاتا کہ عصمت جہاں بیگم کو اس کا نام کیونکر معلوم ہوا، ذی علم مجوز نے خود فرمایا ہے کہ بوستاں خاں اجنبی شخص تھا سروری بیگم کے اظہار میں ہے کہ جو مرد اس وقت مکان میں آئے جلسے کی نصف عورتوں کا ان سے پردہ تھا امجدی بیگم نے خود اپنا بیان کیا کہ میرا کوئی رشتہ بوستاں خاں سے نہیں ہمارے خاندان میں پردہ کا رواج ہے ایسے جلسے میں غیر مرد ہرگز بلا اطلاع نہیں جاتے ضرور اول سے کہا گیا کہ بوستاں خاں اذن لینے کو آتے ہیں اور جب وہ آیا اور اس نے شمسن بیگم سے کہا کہ بیگم میرے سامنے کہلوادو ضرور عصمت جہاں بیگم نے معلوم کیا کہ یہی بوستاں خاں ہے پھر نام معلوم کرنے کو بعید از عقل بتانا کیونکر قرین عقل ہوا۔

ثالثاً: واقعات رائجہ کو جانے دیجئے ذرا اظہارات جلال خاں وبوستاں خاں وامجدی بیگم وسروری بیگم پر

نظر فرمایئے یہ سب بالاتفاق کہہ رہے ہیں کہ بوستاں خاں کے گھر میں جانے سے پہلے عصمت جہاں بیگم سے بوستاں کے نام کی توکیل کرالی گئی تھی دوبارہ بوستاں خاں اپنے سامنے توکیل کرانے کو گھر میں گیا تو عصمت جہاں بیگم کو اس کے جانے سے پہلے ضرور اس کا نام معلوم ہو چکا تھا آگے جو بیباکی و بیحیائی کا اعتراض فرمایا ہے اس کا حال بعونہ تعالٰی ذکر قرائن میں آتا ہے۔

(۹) بوستاں خاں نے اول بیان کیا ہے کہ جب میں اندر گیا تو عصمت جہاں دالان پشت پھیرے بیٹھی تھی پھر آخر قول میں لکھایا کہ جب میں گیا تو اس نے مجھ سے ایسا پردہ کیا تھا کہ میں نصف چہرہ دیکھ سکتا تھا اور اوپر کے حصے پر گھونگھٹ تھا یہ دونوں قول متناقض ہیں جب پشت بیٹھی تھی تو نصف چہرہ دکھائی دینا محالات سے ہے،

اولاً: یہ محال سہی کیا پیٹھ پھیرے بیٹھنے والے کو وقت خطاب ادھر منہ کرنا بھی محال ہے بوستاں خاں نے اول بیان میں یہ کہا ہے کہ میں مکان میں گیا تو پشت پھیرے عصمت جہاں بیگم بیٹھی تھی، یہ نہیں کہا کہ اخیر تک وہ پشت ہی پھیرے بیٹھی تھی، آخر بیان میں یہ کہا ہے کہ وقت نکاح میں عصمت جہاں کو ناک کے نیچے سے دیکھا تھا نصف اوپر کی ناک پر گھونگھٹ تھا، یہ نہیں کہا کہ جس وقت میں مکان میں گیا اسی وقت عصمت جہاں کو اس طرح اپنے سامنے بیٹھا پایا پھر دونوں میں تنافی کیا ہوئی، یہاں جو نقل اظہار آئی اس کے الفاظ یہ تھے اور اگر بالفرض بیان آخر میں وہی لفظ ہوں کہ جب میں گیا تو اس نے مجھ سے ایسا پردہ کیا تھا کہ میں نصف چہرہ الخ جب بھی بات صریح ظاہر ہے وہ مکان میں جاتے وقت کا ابتدائی حال ہے اور یہ وقت خطاب پردہ وحجاب کا یہاں بھی یہ نہ کہا کہ جب میں گیا تو وہ ایسی بیٹھی تھی کہ میں نصف چہرہ الخ۔

ثانیاً: ممکن کہ عصمت جہاں بیگم اول تا آخر پشت پھیرے ہی بیٹھی رہی ہو مگر بیان میں یہ کہیں نہیں آیا کہ وہ دیوار سے ملی بیٹھی تھی وہ وسط دالان میں ہوگی بوستاں خاں مزید وثوق کے لئے خود اندر گیا تھا کہ میرے سامنے عصمت جہاں بیگم اقرار توکیل کرے اس نے اقرار سن لیا مگر سمجھا کہ مقرہ کی معرفت چہرہ چاہئے کہ طریق توثیق جو اس کا مقصود خاص تھا اس میں ہے لہٰذا وہ آگے بڑھا اور سامنے سے عصمت جہاں بیگم کو دیکھا، کیا یہ بھی محال ہے غرض مثبت اختلاف مستدل ہے اور احتمال قاطع استدلال ہے۔

(۱۰) شفیع حیدر خاں کی خاص متعلق معاملہ گواہی کو جس طرح محض بے علاقہ خیال فرمایا گیا اس کا ذکر تو بعونہ تعالٰی دیگر اعتراضات کے جواب میں آئے گا یہاں بھاری اختلاف یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جلسے میں شریک ہی نہ تھا اس لئے کہ بوستاں خاں بعد نکاح کے تقسیم ہونا بتاشوں کا اور صاحبزادے نظام الدین خاں چھوہاروں کا اور یہ گواہ خلاف ان کے تقسیم ہونا شیرینی کا بیان کرتا ہے واقعی

شفیع حیدر خاں سے یہ بھاری غلطی ہوئی کہ اس نے بتاشوں کو شیرینی کہا اسے کیا معلوم تھا کہ بتاشے کھٹے ہوتے ہیں،

اولاً: ذی علم مجوز نے سنا ہوگا کہ حسب رسم قدیم نکاح میں چھوہارے ضرور ہوتے ہیں پھر کہیں ان کے ساتھ شکر بھی ہوتی ہے، کہیں بتاشے چھوٹے کہیں بڑے، کہیں اور قسم کی مٹھائی اور شیرینی کا لفظ ان سب کو عام ہے، یہاں اگر چھوہارے اور بتاشے تقسیم ہوئے اور ایک گواہ نے ایک شے دوسرے نے دوسری کا خاص نام تیسرے نے عام ذکر کیا، کیا گناہ ہوا!

ثانیاً: بعض لوگ نکاح ختم ہوتے ہی معًا اٹھ جاتے ہیں اور خرموں کی تقسیم معًا ہوتی ہے ممکن کہ نظام الدین خاں بھی فورًا اٹھ گیا ہوا سکے سامنے خرما ہی تقسیم ہوئے تھے بعد کو بتاشے بٹے، وہ اس نے نہ دیکھے کہ انہیں بیان کرتا، بوستاں خاں شفیع حیدر خاں نے خرموں کی تقسیم کا ذکر ضروری جانا کہ وہ تو عادۃً تقسیم ہوتے ہی ہیں دوسری چیز جو تقسیم ہوئی اس کا بیان کیا اگرچہ وہ بھی محض بے ضرورت وزائد تھا۔

(۱۱) مہر میں بوستاں خاں نے قسم اشرفی نادر شاہی اور اس گواہ نے محمد شاہی بیان کی ہے حالانکہ شہادت ایک وقت اور جلسے کی ہے یہ دلیل ہے کہ گواہ مذکور شریک جلسہ نہ تھا۔

(۱۲) نیز گواہ نے تعداد اشرفی کی خلاف دعوی مدعی کے بیان کی ہے مدعی نے اپنے بیان میں دس لکھایا ہے گواہ نے بیس، پس یہ شہادت کالعدم ہے، تمام اختلافات میں یہی دو اصل معاملہ نکاح سے کچھ متعلق ہیں کہ مہر بدل نکاح ہے مگر اگر کتب فقہ پر نظر فرمائی جاتی تو ظاہر ہوتا کہ مہر نکاح میں مقصود نہیں وہ محض تابع وزائد ہے، یہاں تک کہ عقد نکاح میں اگر نفی مہر کی شرط کرلی جائے نکاح صحیح ہوجائے گا اور مہر مثل لازم آئے گا تو ایسی چیز جس کا سرے سے ہونا نہ ہونا ہی اصل نکاح پر کچھ اثر نہیں ڈالتا اس کی کمی بیشی یا سکہ کے تفاوت سے کیا ضرر ہوسکتا ہے، لاجرم ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمائی کہ ایک گواہ ہزار روپے مہر بتائے اور دوسرا پندرہ سو، یا گواہ سو اشرفی مہر کہتے ہوں اور مدعی ڈیڑھ سو، یا مدعی ہزار دینار بتاتا ہو اور گواہ دو ہزار، سب صورتوں میں نکاح ثابت ہے، اور ان اختلافات سے گواہیوں یا دعوی پر کوئی برا اثر نہ پڑے گا۔ ہدایہ وکافی و تبیین الحقائق وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

واللفظ لها فی النکاح یصح باقل المالین عند ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه سواء کانت الدعوی من الزوج او من المرأة، ویستوی	الفاظ عالمگیری کے ہیں نکاح کے باب میں، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں دو مذکور رقموں میں سے کم رقم پر نکاح درست قرار پائیگا دعوی مرد کا ہو یا عورت کا اس میں بڑی رقم کا

فیہ دعوی اقل المالین او اکثر ھما فی الصحیح[1]۔	دعوی ہو یا کم کا ہو کوئی فرق نہیں صحیح مذہب میں۔(ت)

جامع الفصولین میں ہے:

اختلفا فی قدر البدل لاتقبل الا فی النکاح[2]۔	کسی بدل میں گواہوں کا اختلاف ہو تو نکاح کے علاوہ کسی اور معاملہ میں قبول نہ ہوگی (ت)

درمختار میں ہے:

شھد واحد بشراء عبد او کتابتہ علی الف وآخر بالف وخمس مائۃ ردت وصح النکاح بالف مطلقًا استحسانا[3] (ملتقطا)	گواہوں میں سے ایک نے عبد خریدنے یا اس کی کتابت میں ہزار اور دوسرے نے ڈیڑھ ہزار کا ذکر کیا تو شہادت مردود ہوگی اور اگر نکاح میں یہ اختلاف ہو تو استحسانًا ایک ہزار پر شہادت قبول ہوگی (ملتقطا)۔(ت)

تبیین الحقائق پھر قرۃ العیون میں ہے:

ویستوی فیہ دعوی اقل المالین فی الصحیح لاتفاقھما فی الاصل وھو العقد فالاختلاف فی التبع لایوجب خللافیہ[4]۔	کم مقدار میں دونوں کی گواہی متفق ہوپائیگی کیونکہ اس اصل مقدار میں دونوں متفق ہیں اور اصل سے زائد میں اختلاف خلل کا موجب نہیں ہے(ت)

جب کتب مذہب میں روشن تصریحیں تھیں کہ مہر کے اختلافات خواہ باہم گواہوں میں ہوں خواہ گواہ مدعی میں ہوں دعوی نکاح اور شہادتوں سے ثبوت نکاح کو مطلقًا کچھ ضرر نہیں دیتے یہی مذہب امام ہے یہی استحسان ہے یہی صحیح ہے تو حاکم یا مفتی کو اس سے عدول کیونکر حلال ہوا۔

(۱۳) حسن رضا خاں مدعی نے اپنے اظہار ۱۹/اکتوبر میں بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے نکاح میں اپنے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۶، الہدایۃ کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۶۸

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۴

[3] درمختار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۹

[4] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۲

پھوپھی زاد بھائی محمد حسین خاں کو شریک کیا تھا محمد حسین خاں گواہ اپنی شرکت جلسہ نکاح میں بیان نہیں کرتا اس گواہ کو بروز خانہ تلاشی زبانی والدہ مدعی کے نکاح کا علم ہوا جس سے بے اصلیت دعوی کی معلوم ہوتی ہے محمد حسین خاں کو گواہی وکالت یا عقد نکاح سے متعلق نہیں بلکہ وہ صرف عصمت جہاں بیگم کے جواب دعوی کی تکذیب کرتی ہے مگر سخت قابل افسوس یہ بات ہے کہ اظہار حسن خاں کی نقل جو یہاں آئی اس میں صاف یہ لفظ لکھے ہیں میں نے کسی کو نہیں بلایا میری شہر میں رشتہ داری ہے محمد حسین خاں میرے پھوپی زاد بھائی ہیں میں نے ان کو نہیں بلایا تھا اور محمد حسین خاں کی زوجہ کو بھی نہیں بلایا تھا میں نے بار بار بہ تکرار سائل سے دریافت کیا کہ اس نقل میں کوئی تفاوت تو نہ ہوا اس نے بوثوق تمام کہا کہ ایک حرف کا ہرگز فرق نہیں میں نے کئی بار کہا کہ فیصلے میں تو یہ لکھا ہے، سائل نے باصرار کہا کہ اظہار میں وہی تھا کہ نہیں بلایا فیصلے میں اس کا عکس نقل کیا ہے اب اس کو کیا کہا جائے میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسی حالت میں بے اصلی دعوی کی معلوم ہوتی ہے یا فیصلے کی۔

(۱۴) نکاح نامہ جو ثبوت میں پیش کیا گیا اس میں تاریخ نکاح ۲۵ اپریل ہے دعوی اس نکاح کی بابت ہے جس کا وقوع بقول مدعی ۲۴/اپریل کو ہوا ہے یہ وجہ بھی واسطے بے اصلیت دعوی کے ظاہر ہے۔ذی علم مجوز نے نکاح نامہ کو وجہ ثبوت میں لیا اور بوجہ اختلاف تاریخ بے اصلی دعوی کے دلیل قرار دیا، یہاں اولاً جو فقہی مباحث ہیں خادم فقہ پر پوشیدہ نہیں مگر اتنی بات تو عام فہم ہے کہ عوام رات کو روز گزشتہ کا تابع ٹھہراتے ہیں شب آئندہ کے بارہ بجے جو آنے والا ہوا سے آج دن میں کہیں گے کہ آج رات کے بارہ بجے آئے گا اور اہل علم باتباع شرع رات کو روز آئندہ کا تابع مانتے ہیں شب جمعہ اس رات کو کہیں گے جس کی صبح کو جمعہ ہو نہ کہ وہ جو بعدہ جمعہ آئی سوالیالی حج کے کہ وہ حج میں تابع روزہائے گزشتہ ہیں لہٰذا اگر دسویں شب میں طلوع صبح سے پہلے وقوف عرفہ کرلیا حج ہوگیا کہ وہ رات عرفہ ہی کی رات ہے یہ نکاح آدھی رات کو یا اس کے قریب اپریل کی پچیسویں شب میں ہوا جس کی صبح کو ۲۵ تھی مدعی نے عرف عام عوام کے طور پر ۲۴/اپریل کہی کہ رات تابع روز گزشتہ سمجھی نکاح نامہ میں ذی علم قاضی نے ۲۵ /اپریل لکھی کہ شب تابع روز آئندہ تھی۔

ثانیًا: جب انگریزی تاریخ انگریزی مہینہ تحریر میں آیا اور انگریزی میں تاریخ میں رات آدھی رات سے بدلتی ہے ولہٰذا ریل و تار کے دفاتر میں آدھی رات سے آدھی رات تک پورے ۲۴ گھنٹے شمار ہوتے ہیں فلاں ریل گاڑی ۱۴ بجے چلے گی یعنی دن کے دو بجے، یہ تار بیس بجے دیا گیا یعنی شام کے ۸ بجے۔ ممکن کہ نکاح کہ نکاح خواں نے ۱۲ بجے جانا سمجھ کر خیال کیا ہو کہ انگریزی تاریخ بدل گئی لہٰذا ۲۵/اپریل لکھی۔

(۱۵) نکاح نامہ میں سکونت مدعاعلیہا کی محلّہ مدرسہ تحریر ہے قاضی نکاح خوان جس سے ترتیب وخانہ پری نقشہ کے متعلق ہے اس نے اپنی گواہی میں تحریر کرایا ہے کہ میں نے اس کی سکونت کی بابت دریافت

نہ کیا تھا پس بلادریافت نقشہ میں سکونت اندراج یہ کارروائی برادر مدعی کی ہے جیسا کہ نکاح خوان نے بیان کیا ہے کہ یادداشت نکاح نامہ برادر حسن رضاخاں سے میں نے لکھائی تھی، **اولاً:** مقدمہ موجودہ میں نکاح خواں کی شہادت کہ اس عہدہ سے استعفا کے بعد اپنے فعل پر ہے حاکم کو اس کا لینا سننا ہی ممنوع تھا **لانہ اشتغال بما لایصح کما سیأتی** (کیونکہ یہ غیر صحیح کام میں مشغولیت ہے جیسا کہ آئیگا۔ت) اور جب وہ شہادت شرعًا کوئی چیز نہیں تو اس کے اختلاف سے دعوی پر اثر ڈالنا یعنی چہ۔

ثانیًا: قاضی کے اظہار میں یہ ہے کہ حسن رضاخاں کے بھائی سے کاغذ لکھوایا تھا میں نے یہ دریافت نہیں کیا کہ لڑکی کی عمر کس قدر ہے میں نے اور کچھ نہیں پوچھا کہ لڑکی کون سے مکاں میں رہتی ہے اور کوئی بات میں نے نہیں دریافت کی، یہاں اس دریافت کی نفی ہے کہ لڑکی کس مکان میں رہتی ہے، نہ اس دریافت کی کہ کس محلّہ میں رہتی ہے، ظاہر ہے کہ مکان محلّہ سے خاص ہے اس سے سوال کی نفی محلّہ سے سوال کی نفی نہیں کرسکتی جبکہ سوق عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ محلّہ سے سوال کیا کہ وہ کہتا ہے اور کچھ نہیں پوچھا اور کوئی بات دریافت نہ کی، یہ اور کا لفظ بڑھانا ہی صاف کہہ رہا ہے کہ اسی قدر پوچھا اس سے زیادہ کچھ نہ پوچھا اگر اس نے اتنا بھی نہ پوچھا ہوتا تو یہ نہ کہتا کہ اور کچھ نہ پوچھا بلکہ یوں کہتا کہ میں نے کچھ نہ پوچھا ان دونوں محاوروں کا فرق اہل زبان پر ظاہر ہے، رہا یہ کہ آخر کیا پوچھا اس کا پتہ مظہر نے ان لفظوں سے دیا کہ اس نے برادر حسن رضاخاں سے کاغذ لکھوایا تھا یعنی خانہ پری نقشہ کے لئے جتنی ضرورت ہے بس اسی قدر پوچھا اور محمد رضاخاں سے خانہ پری کو کہا اور کچھ نہ پوچھا کہ عمر کتنی ہے کس مکان میں رہتی ہے۔

ثالثًا: اندراج نقشہ کے لئے واقفیت درکار ہے خواہ بعد سوال ہو یا بلاسوال تو نفی سوال نفی علم کو مستلزم نہیں وقت نکاح کی گفتگو دن میں لوگوں کے تذکرہ سے اس نے بے دریافت کے سن لیا ہوگا کہ عصمت جہاں بیگم محلّہ مدرسہ میں رہتی ہے بلکہ انصافاً تذکرہ مردمان کی بھی حاجت نہیں پیشہ نکاح خوانی والے کو اکثر اہل شہر سے واقفیت ہو جاتی ہے اور عصمت جہاں بیگم کا باپ خود ایک مشہور آدمی تھا اس کا نام اس وقت ضرور لیا گیا تھا کہ مسعود خاں کی بیٹی کا نکاح ہے جیسا کہ خود قاضی کے اظہار میں موجود ہے وہ جانتا تھا کہ مسعود خاں ساکن محلّہ مدرسہ ہے لہٰذا عصمت جہاں بیگم کی سکونت مدرسہ اسے بلادریافت معلوم ہو گئی۔ محمد رضاخاں نے جب بحکم قاضی خانہ پری کی جس کا قاضی کو اعتراف ہے تو وہ خود قاضی کی خانہ پری تھی اور یہ کارروائی قاضی کی کارروائی ہوئی نہ کہ محمد رضاخاں کی،

فان فعل المامور یرجع الی الاٰمر لاسیما فیما لاتتعلق الحقوق	کیونکہ مامور کا فعل آمر کی طرف راجع ہوتا ہے خصوصًا ان امور میں جہاں حقوق کا تعلق مامور سے نہیں ہوتا

بالمامور کماھٰھنا۔	جیسا کہ یہاں ہے۔(ت)

(۱۶) تعداد مہر مندرج نکاح نامہ اس کا جواب نمبر ۱۲میں گزرا، نکاح نامہ اگر ہو تو ایک گواہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور گواہ مدعی کے بیان میں اختلاف تعداد مہر دعوی نکاح کو اصلاً مضر نہیں **کماعلمت**۔

(۱۷) محمد حسین خاں نے اپنا آنا بمکان حسن رضا خاں بروز خانہ تلاشی ہمراہی اپنے پسر محمد حسن خاں کے بیان کیا ہے محمد حسین خاں لکھاتا ہے کہ میرے والد جب آئے تھے کہ اظہار ہو چکا تھا اپنے بعد آنا اپنے باپ کا بیان کیا ہے **اولاً:** محمد حسین خان کے بیان میں یہ ہے کہ میں آیا اور میرا لڑکا آیا، اس میں ہمراہی کا لفظ کہیں نہیں لفظ (اور) حرف (و) کا ترجمہ ہے جس سے نہ معیت مفہوم ہو نہ ترتیب ہو نہ تراخی نہ تعقیب، صرف اشتراک پر دلیل ہے کما صرح بہ جمیع کتب الاصول (جیسا کہ تمام کتب اصول میں اس کی تصریح ہے۔ت) یہاں تو محمد حسین خاں نے اپنے اور اپنے لڑکے کے لئے دو فعل جداجدا ذکر کئے کہ میں آیا اور میرا لڑکا آیا، اگر ایک ہی فعل میں لفظ "اور" کے ساتھ جمع کرتا ہر گز معیت مفہوم نہ ہوتی، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۚ"[1]	فرعون آیا اور اس سے پہلے والے اور گناہ کا ارتکاب کرنے والے۔(ت)

ایک کلمہ جاء میں سب کو جمع فرمایا یہاں اس بیان کی کیا ضرورت کہ فرعون و قوم لوط میں تقریبًا دوہزار برس کا فاصلہ تھا کہ خود من قبلہ فرعون پر واؤ کے ساتھ معطوف ہے قبلیت و معیت کیونکر جمع ہوئیں۔

ثانیًا: بالفرض محمد حسین خاں یہی کہتا کہ میں اپنے لڑکے کے ساتھ آیا تھا اور محمد حسن خاں کہتا میرے بعد آئے تو اس اختلاف کا بھی کچھ اثر نہ پڑتا، فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما کی عبارت نمبر ۳ میں گزری کہ

لوقال احدھما کان معنا فلان وقال الاٰخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انہ یجوز ولا تبطل ھذہ الشھادۃ[2]۔	ایک گواہ نے کہا ہمارے ساتھ فلاں تھا اور دوسرے نے کہا ہمارے ساتھ نہیں تھا تو اصل میں ذکر فرمایا کہ یہ گواہی جائز ہے باطل نہ ہوگی(ت)

ایک گواہ نے کہا ہمارے ساتھ فلاں تھا اور دوسرے نے کہا ہمارے ساتھ نہیں تھا تو اصل میں ذکر فرمایا کہ یہ گواہی جائز ہے باطل نہ ہوگی(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶۹/ ۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

(۱۸) جو واقعات محمد حسن خاں نے لکھائے محمد حسین خاں نہیں لکھاتا کیونکر لکھاتا حالانکہ وہ اظہار عصمت جہاں بیگم کے بعد آیا تھا جیسا کہ محمد حسن خاں نے بیان کیا محمد حسین خاں اگر وہ سب واقعات لکھاتا تو اس بیان محمد حسن کی تکذیب کہ اظہار ہو چکا تھا کچھ باقی تھا جب میرے والد آئے، یہ طرفہ بات ہے کہ دلیل کذب نہ پائے جانے کو دلیل کذب قرار دیا جاتا ہے، _____ معہذا پر واضح ہو چکا کہ اگر دونوں معًا آتے اور ایک کچھ واقعات بیان کرتا کہ دوسرے کے بیان میں نہ آتے ہر گز اختلاف نہ تھا کہ عدم ذکر ذکر عدم نہیں، یہ تھے وہ تمام بے اصل وبے اثر اختلافات جن کی بناء پر ذی علم مجوز نے شہادتوں کو رد فرمادیا اب شہادات پر دیگر اعتراضات کی طرف چلئے۔

دیگر اعتراضات

(۱۹) جلال خاں نے تمام اظہار میں مدعا علیہا کا نام نہ لیا اس کا اظہار نسبت ایک عورت غیر معین کے قلمبندی ہوا ہے بعد پورا لکھا دینے اظہار کے اس نے کہا اور کچھ نہ لکھاؤں گا بعد سننے اظہار اور کرنے انکار کے اس نے بیان کیا کہ جس کا یہ نکاح ہوا تھا اس عورت نے اپنا نام عصمت جہاں بنت مولوی مسعود خاں بتایا تھا،

اولًا: یہاں جو نقل اظہار جلال خاں آئی اس میں شروع سے یہ لفظ ہیں، محمد رضا خاں نے مجھ سے کہا یہ عورت عصمت جہاں بیگم حسن رضا خاں کے ساتھ نکاح کرتی ہے تم گواہی دو۔ پھر یہ لفظ ہیں میں گھر میں اندر گیا تو والدہ حسن رضا خاں نے عصمت جہاں کو مجھ کو دکھادیا، تو کیونکر صحیح ہو کہ اظہار میں مدعا علیہا کا نام نہ لیا۔

ثانیًا: کچہریوں کا ضابطہ یہ ہے کہ گواہ بیان کرتا ہے اور اہلکار لکھتا جاتا ہے ظاہر ہے کہ کہنے اور لکھنے میں بڑا فرق ہے کچھ الفاظ کا رہ جانا مستبعد نہیں ولہذا یہ امر لازم رکھا گیا ہے کہ اظہار لکھ کر گواہ کو سنالیا جائے کہ کہیں کچھ فرق کچھ کمی بیشی ہو تو صحیح ہو جائے اظہار اس وقت مکمل سمجھا جاتا ہے جب بعد سنانے کے تطبیق ہو جائے اب اگر کچھ لفظ لکھنے سے رہ جائیں تو فرمایئے گواہ کیا کرے اگر سکوت کرتا ہے تو اظہار ناقص رہتا ہے بتاتا ہے تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تو بیان سننے کے بعد کہتا ہے اگر واقع ابتدائی اظہار جلال خاں میں وہ فقرے کہ ہم نے اوپر نقل کئے مکتوب نہیں تو ذی علم مجوز نے بہت مناسب تحریر فرمایا کہ اظہار ایک غیر معین عورت کی نسبت قلمبند ہوا ہے قلمبند یونہی ہوا ہو گا جس کی تصحیح جلال خاں نے سناتے وقت کردی۔

ثالثًا: یہی سہی کہ گواہ نے اولًا تمام اظہار میں عصمت جہاں بیگم کا نام نہ لیا مگر ابھی کہ مجلس اظہار ختم نہ ہوئی گواہ نے وہاں سے قدم نہ ہٹایا اگر ایک امر کہ اگلے بیان کے کسی حرف سے اصلًا مخالف نہ تھا زائد کیا کیا گناہ ہوا خصوصًا وہ بھی کہ شاہد کو اس کا بیان نہایت ضرور تھا، ادائے شہادت کہ اللہ عزوجل نے اس پر فرض کیا بے اس کے ناقص رہا جاتا تھا، بھلا یہاں تو ابھی مجلس نہ بدلی تھی شاہد وہاں سے ہٹنے بھی نہ پایا تھا، علماء کرام یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر شاہد عدل مجلس شہادت بدلنے کے بعد دوسری مجلس میں آکر کہے کہ جس کے باب میں میں نے گواہی دی اس مدعی کا یہ نام ہے یا مدعا علیہا کا نام مجھ سے چھوٹ

گیا تھا اس کا یہ نام ہے جب بھی قبول کرلیں گے اور شہادت میں اصلاً نقص نہ جانیں گے کہ ان ناموں کا بیان سے رہ جانا کوئی محل تہمت نہیں اور اگر مجلس ہنوز نہ بدلی جب تو موضع شبہہ و تہمت کی تبدیلیں بھی قبول کرلیں گے مثلاً گواہی دی کہ اس مدعی کے اس مدعا علیہا پر ہزار روپے آتے ہیں، ختم شہادت کے بعد کہا میں بھول گیا تھا پانسو آتے ہیں یا مجھے یاد نہ رہا تھا دو ہزار آتے ہیں ان تبدیلیوں سے قبول شہادت میں کچھ فرق نہ آئے گا جبکہ مجلس ہنوز نہ بدلی ہو اور شاہد شاہد شرعی ہو یہاں کہ نہ مجلس بدلی نہ شاہد نے کوئی تبدیلی کی صرف ایسی بات بیان کرتا ہے جس میں بتصریح علماء تہمت نہیں اور اس کا تدارک ادائے فریضہ شہادت کے لئے اس پر لازم تھا بعد سماع اظہار اس کے بڑھانے کو وجہ نقص قرار دینا اصلاً صحیح نہیں ہوسکتا، کافی و بحر الرائق وعنایہ وعالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ لهذه ان كان عدلا قبلت شهادته فى غير موضع الشبهة مثل ان يدع لفظة الشهادة او يترك ذكر اسم المدعى او المدعى عليه اوالاشارة الى احدهما سواء كان فى مجلس القضاء اوفى غيره اما فى موضع شبهة التلبيس كما اذا شهد بالف ثم قال غلطت بل هى خمسمائة او بالعكس تقبل اذا قال فى المجلس، وبعد ماقام عن المجلس فلم تقبل[1] اهباختصار۔	الفاظ عالمگیری کے ہیں، اگر گواہ عادل ہو تو موضع شبہہ کے غیر میں اس کی یہ شہادت کہ لفظ شہادۃ یا مدعی یا مدعی علیہ کا نام یا دونوں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ چھوٹ گیا مقبول ہوگی خواہ مجلس قضاء ہو یا غیر ہو لیکن مقام شبہہ میں مثلاً پہلے اس نے ہزار کی شہادت دی اب کہتا ہے یہ غلطی ہوئی بلکہ پانچ سو ہے یا اس کا عکس کرتا ہے تو مجلس قضاء میں قبول کی جائیگی اور مجلس قضاء ختم ہونے کے بعد قبول نہ ہوگی اھ اختصاراً (ت)

رابعاً: بفرض غلط یہ بھی سہی کہ جلال خاں کا پچھلا الحاق نہ مانا جائے گا پھر کیا ہوا اسی قدر ناکہ عصمت جہاں بیگم کا نام اس نے نہ لیا مگر اس سے غیر معین عورت پر شہادت کہاں سے لازم آئی وہ صراحۃً کہہ رہا ہے کہ میں نے اس عورت کا منہ دیکھا تھا، نام سے تو وہ تعیین ہو بھی نہیں سکتی جو منہ دیکھنے سے ہوتی ہے تو وہ ضرور ایک معین عورت پر گواہی دے رہا ہے جو اس کی دیکھی ہوئی ہے ہاں مجوز کو معلوم نہ ہوا کہ عصمت جہاں بیگم ہی وہ عورت ہے جسے گواہ نے دیکھا اور اس پر گواہی ادا کی یا وہ کوئی اور عورت تھی ہم اوپر بیان کرآئے کہ اس کا چارہ کار مجوز کے ہاتھ میں تھا نہ کہ گواہ کے، مجوز نے عصمت جہاں بیگم کو کیوں نہ بلوایا شاہد کے سامنے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۶۳

اس کا منہ کیوں نہ کھلوایا کہ وہ شناخت کرتا عصمت جہاں بیگم اگر ذی عزت خاندان سے پردہ نشین مخدرہ تھی کہ کچہری میں اس کا آنا مناسب نہ تھا حاکم نے اپنے امین کے ساتھ جلال خاں کو عصمت جہاں بیگم کے مکان پر بھیج کر تکمیل شہادت کرائی ہوتی، خود شہادت کامل نہ ہونے دینا اور شاہد پر اعتراض کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بالجملہ کچھ خاص اسم و نسب ہی کے ساتھ معرفت لازم نہیں بلکہ یا یہ ہو یا معرفت چہرہ۔ جامع الفصولین میں ہے:

المعرفة بالوجه او بالنسب لابد منها لاداء الشهادة[1]۔	شہادت کی ادائیگی میں چہرے یا نسب کی شناخت ضروری ہے (ت)

اس اظہار میں اگر قسم اول متروک تھی، ثانی مذکور تھی اور اس کی تکمیل بدست حاکم تھی **فافہم**۔

(۲۰) سروری بیگم وامجدی بیگم کی شہادتوں پر اعتراض فرمایا کہ مدت واقعہ کی بلا ایراد حرف یا کے اس طرح بیان کی ہے کہ عرصہ سات آٹھ ماہ کا ہوا جو محمول دو مدت پر ہے ایسی شہادت بوجہ جہالت شرعاً قابل قبول نہیں، بلا ایراد حرف یا کا ذکر تو بیکار ہے حرف یا کے ساتھ ہوتا جب بھی تعیین نہ ہوتا بلکہ جب تعیین نہ ہونا اور اظہر تھا مگر ذی علم مجوز نے اتنا خیال نہ فرمایا کہ ثبوت نکاح تعیین زمان پر موقوف نہیں، نہ جہالت زمانہ اس کو مضر، تردد تردید سے آخر اسی قدر تو مفہوم ہوگا کہ گواہ کو تاریخ یاد نہیں پھر کیا حرج ہوا۔ علماء تو فرماتے ہیں اگر حاکم گواہ سے وقت پوچھے اور وہ صراحۃً اپنی بے علمی بیان کرے کچھ مضر نہیں کہ یہ لغو وزائد بات ہے جس کی تعیین کی ضرورت نہیں، وجیز کردری پھر قرۃ العیون میں ہے:

لوسألهما القاضی عن الزمان او المکان فقال لا نعلم تقبل لهما لم یکلفا به[2] اھ وفیها عن الدر المنتقی عن الفتح وغیره لایکلف الشاهد الی بیان الوقت والمکان[3] اھ **اقول**: وبون بین بین اختلافهما فی المکان او الزمان وبین تردد احدهما فی احدهما فان کلا	اگر قاضی جگہ یا زمانہ کے متعلق گواہوں سے سوال کرے اور وہ لاعلمی ظاہر کریں تو گواہی قبول ہوگی کیونکہ وہ اسکے پابند نہیں ہیں اھ۔ اسی میں الدر المنتقی سے فتح وغیرہ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ گواہ کو مکان یا زمان کے بیان کا پابند نہیں کیا جائے اھ، **میں کہتا ہوں** گواہوں کا زمان یا مکان کے بیان میں اختلاف اور دونوں میں سے ایک کا بیان میں تردد کرنا، ان دو صورتوں میں واضح فرق ہے، اختلاف کی

---

[1] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۱

[3] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۱

المختلفین قاطع بمقالہ وباختلاف الزمان والمکان یختلف الفعل وما الحق بہ اما المردد فلم یقطع بشیئ فلم یکن الا کعدم البیان فلا خلف فلا محذور۔	صورت میں دونوں کی بات ایک دوسرے کی بات کیلئے قاطع ہے جبکہ تردد کرنیوالا دوسرے کی بات کا قاطع نہیں ہے تو یہ عدم بیان کی طرح ہے جس سے دوسرے کا خلاف نہ ہوا تو خرابی نہ ہوئی۔(ت)

(۲۱) بوستاں خان کی شہادت غیر معتبر کہ وکیل نکاح ہے بذریعہ وکالت خود عقد کرانا مدعاعلیہا کا بیان کیا ہے اور وکیل کی شہادت جس امر میں وہ وکیل ہونا جائز ہے۔یہ اعتراض اگر کچھ اصلیت رکھتا تو نہ فقط شہادت بوستاں خاں بلکہ خود حاکم مجوز پر بھی تھا،بیان مدعی و تنقیحات مجوز سے ظاہر ہے کہ پیش از شہادت علم مجوز میں آچکا تھا کہ اسے وکیل بتایا گیا ہے اور یہ اپنی وکالت سے وقوع تزویج کی شہادت دے گا تو اسی وقت مجوز پر لازم تھا کہ اسے ہرگز شہود میں نہ لیں اور نہ اتنی طویل دیر تک سماع شہادت وجرح وغیرہ میں اپنا اور اس کا اور وکلائے فریقین کا وقت ضائع نہ فرمائیں کہ جو امر اصلاً صحیح نہیں اس سے اشتغال تضییع وقت کے علاوہ ممنوع و ناجائز وگناہ ہے،قنیہ و در مختار وغیرہما میں ہے:

تکرہ تحریما لانہ اشتغال بما لا یصح[1]۔	مکروہ تحریمہ ہے کیونکہ یہ غیر صحیح امر میں اشتغال ہے۔(ت)

مگر بحمد اللہ نہ ذی علم مجوز کا وقت ضائع ہوا نہ گواہ کا،نہ اس سماع شہادت میں مجوز نے کوئی شرعی گناہ کیا کہ شرعاً بوستاں خاں کی شہادت اس مقدمہ میں ضرور قابل سماعت و قبول تھی وکیل کی شہادت جس امر میں وہ وکیل ہو اس وقت ناجائز ہے کہ مشہود بہ یعنی امر مقصود بالشہادت خود اس وکیل کا فعل ہو کہ انسان کی شہادت اپنے فعل پر مقبول نہیں،خود عبارات منسلکہ فیصلہ میں قرۃ العیون سے ہے:

قولہ والوکیل ای بالنکاح قولہ لو باثبات النکاح ای لا تقبل باثبات النکاح لانہا شہادۃ علی فعلہ[2]۔	اس کا قول،اور وکیل یعنی نکاح کا۔اس کا قول اگر نکاح کے اثبات میں ہو،یعنی اثبات نکاح میں قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ اپنے فعل پر شہادت ہے۔(ت)

نیز یہی علت در مختار سے نقل فرمائی مگر یہاں ایسا نہیں،یہاں فعل و مشہود بہ دو ہیں نکاح کی اجازت دینی

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۱۱

کہ عصمت جہاں بیگم کا فعل تھا اور تولی عقد یعنی ایجاب یا قبول کرنا کہ قاضی نکاح خوان کا فعل تھا ان دونوں میں بوستاں خاں کا کوئی فعل نہیں وہ بیچ میں صرف مبلغ اجازت تھا جیسا کہ ان بلاد کے عرف عام میں ہر وکیل نکاح کا حال ہے کہ نکاح پڑھوانا قاضی سے مقصود ہوتا ہے اور یہ وکیل صرف مبلّغ اجازت، نہ یہ کہ آپ تولی عقد کرے "**والمعہود عرفا کالمشروط لفظا کما نصوا علیہ قاطبۃ**" (عرف میں معینہ چیز لفظوں میں مشروط کی طرح ہے جیسا کہ اس پر سب نے نص کی ہے۔ت) ولہٰذا ذی علم مجوز نے بھی عقد کرانا کہا نہ کہ عقد کرنا، اور مبلغ کی شہادت مقبول ہے اگرچہ وہ اپنا فعل تبلیغ بھی شہادت میں بیان کرے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

عن ابی یوسف فی النوادر اذا شھد شاھدان ان فلانا امرنا ان نبلغ فلانا انہ قد وکلہ ببیع عبدہ وقد اعلمناہ او امرنا ان نبلغ امرأتہ انہ جعل امرھا بیدھا فبلغناھا وقد طلقت نفسھا جازت شھادتھما ولو قال نشھد انہ قال لنا خیرا امرأتی فخیرناھا فاختارت نفسھا لاتقبل شھادتھما کذا فی المحیط[1]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے نوادر میں مروی ہے کہ جب کوئی گواہ یہ شہادت دے کہ مجھے فلاں نے حکم دیا ہے کہ ہم فلاں کو یہ بات پہنچا دیں کہ اس نے اس فلاں کو بیع کا وکیل بنایا ہے او ہم نے اس تک وہ بات پہنچادی، یا یہ شہادت دی کہ ہمیں حکم دیا کہ ہم اس کی بیوی کو اطلاع دیں کہ اس نے طلاق کا اختیار اسے تفویض کیا ہے تو ہم نے بیوی کو اطلاع کر دی ہے اور اس نے اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے، یہ گواہی جائز ہے اور اگر گواہوں نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ اس نے ہمیں اپنی بیوی کی طلاق کا اختیار سونپا ہے اور ہم نے اس کی بیوی کو اختیار دے دیا اور اس نے اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے تو یہ شہادت قبول نہ ہوگی، محیط میں ایسا ہی ہے۔(ت)

(۲۲) سید فضل علی شاہ قاضی نکاح خواں اگرچہ نیک آدمی اور بہت اچھا ہے لیکن شہادت بوجہ جہالت غیر مفید ہے کہ شہادت مذکور سے نہ تعین تاریخ ثابت ہے نہ مہینہ نہ اسمائے گوہان نہ وکالت نہ اسم منکوحہ جو شرط ہے اس مقدمہ میں، سید صاحب موصوف کی شہادت ضرور محض نامسموع ہے اور یہی وہ شہادت ہے جس کا سننا اور اس میں اپنا اور شاہد و وکلائے فریقین کا وقت ضائع کرنا مجوز کا ہرگز جائز نہ تھا کہ جب وہ پیش از شہادت ہرگز صحیح نہیں اور اس کا سننا سنانا سب ناجائز و تضییع وقت تھا۔ اس شہادت پر اعتراض

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۲

یہ ہے نہ یہ کہ تعین تاریخ وماہ وذکر اسماء گواہان ووکالت سے خالی ہونے کے باعث بوجہ جہالت غیر مفید ہے شہادت نکاح میں ان اشیاء سے کسی کا ذکر اصلاً لازم نہیں، تاریخ وماہ کی نسبت عبارات نمبر ۲۰ میں گزریں اور وکالت واسمائے گواہان کا ذکر اس سے بھی زیادہ لغو وغیر ضروری، کیا ذی علم مجوز کسی کتاب سے ثبوت دے سکتے ہیں کہ شہادت نکاح جب تک اسماء گواہان و وکالت کا ذکر نہ ہو مردود ہے؟ ہر گز نہیں، رہا اسم منکوحہ اگرچہ قاضی صاحب نے عصمت جہاں بیگم کا نام زبانی نہ لیا صرف اتنا کہا کہ نام رجسٹر میں لکھا ہے مگر یہ ضرور کہا کہ مسعود خاں کی دختر نے اپنے نفس کا اختیار دیا مسعود خان کی دختر جو اپنے نفس کا اختیار دینے کے قابل ہو ایک یہی عصمت جہاں بیگم ہے، اس کی دو چھوٹی بہنیں بہت صغیر سن ہیں کہ کسی تصرف کی اجازت دینے کے قابل نہیں اور مقصود منکوحہ کا تعین ہے اگرچہ کسی طرح ہو کچھ نام لینے ہی کی ضرورت نہیں مثلاً گواہ گواہی دیں کہ زید نے اپنی بڑی لڑکی کا نکاح کیا شہادت مقبول ہے یہاں تک کہ اگر گواہ یہ بھی کہیں کہ مگر ہم نہیں جانتے کہ یہ مدعاعلیہا زید کی بڑی لڑکی ہے جب بھی گواہی مقبول ہوگی اور مدعی سے اس پر گواہ لئے جائیں گے کہ یہی مدعی علیہا اسکی دختر کلاں ہے،

عالمگیریہ میں ہے:

فی الخزانة قال زوج الکبری لکن لاندر الکبری یکلفه باقامة البینة ان الکبری ھذہ[1]۔	خزانہ میں ہے کہ گواہوں نے بڑی لڑکی کا ذکر کیا اور ساتھ ہی کہا لیکن ہمیں بڑی لڑکی کا تعارف نہیں ہے تو گواہوں کو پابند کیا جائیگا کہ بیان کریں کہ بڑی لڑکی یہ ہے۔ (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

شھدا انه زوج بنته منه ولا نعرفھا بوجھھا فلو لم تکن له الابنت واحدة تقبل لزوال الجھالة[2]۔	گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے اپنی لڑکی کا فلاں سے نکاح کیا ہے لیکن ہم لڑکی کو چہرہ سے نہیں پہچانتے تو اگر اس شخص کی ایک ہی لڑکی ہو تو شہادت قبول کی جائیگی کیونکہ جہالت نہ رہی (ت)

(۲۳) محمد جان کی شہادت ضرور لغو ومہمل ہے کہ وہ صراحۃً کہتا ہے میں نے نہ سنا کیا نام مسماۃ کا لیا تھا اور نام کے علاوہ بھی کوئی پتہ اصلاً نہیں بتایا مگر علی حسین کی گواہی اگرچہ لغو رہی کہ ناکح ومنکوحہ کسی کا نام نشان نہیں لیکن انصافاً، وہ لغو رکھی گئی شاہد جب ایسی گول مجمل بات کہے تو حاکم کو حکم ہے کہ اس سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب السابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۵۰۳

[2] جامع الفصولین الفصل العشرون فی دعوی النکاح الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱ /۲۵۷

استفسار کرے تاکہ بات صاف ہوجائے ناتمام بات کہے تو اس سے پوچھے کہ بات پوری ہوجائے۔ معین الحکام میں ہے:

ينبغي ان يسهل اذن البينات ولا يمطلهم فاذا حضروا انسهم وقر بهم وبسطهم و سالهم عن شهادتهم فان كانت تامة قيدها وان كانت ناقصة سألهم عن بقيتها وان كانت مجملة سألهم عن تفسيرها[1]۔	گواہوں کی اجازت کا معاملہ آسان بنانا مناسب ہے اس معاملہ میں گواہوں کو تاخیر میں مبتلا نہیں کرنا ہوگا جب وہ حاضر ہوجائیں تو قاضی ان کو انس، قرب اور فراخی دے کر ان سے شہادت لے اگر شہادت مکمل ہو تو نوٹ کرلے ورنہ ناقص ہو تو بقیہ امور پوچھے اور اگر شہادت مجمل ہو ان سے تفسیر پوچھے۔(ت)

اور یہ تلقین نہیں بلکہ نظر ہے جس کے لئے قاضی مقرر ہوا، اکثر ابنائے زمانہ جاہل ہیں وہ نہیں جانتے کہ شہادت میں شرعًا کیا کیا ضرور ہے اگر انہیں کے بیان پر چھوڑا جائے عام شہادتیں ناقص و ناتمام اتریں گی اور حقوق مسلمین ضائع ہوں گے ولہذا اگر حاکم جانے کہ مدعی دعوی بروجہ صحیح ادانہ کرسکے گا تو اسے اجازت ہے مدعی کو دعوی کرنے کا طریق سکھادے ورنہ وہی حاصل ہوگا کہ صاحب حق حق سے محروم رہے گا، عالمگیریہ میں ہے:

رجل لایحسن الدعوٰی والخصومة فامر القاضی رجلین فعلماه الدعوی الخصومة ثم شهدا علی تلك الدعوی جازت شهادتهما ان كانا عدلین ولاباس بذٰلك علی القاضی بل هو جائز فیمن لایقدر علی الخصومة ولا یحسن الدعوی خصوصا علی قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی كذا فی الظهیریة۔[2]	اگر کوئی شہادت یا بحث کا طریقہ نہیں جانتا قاضی دو آدمیوں کو حکم دے کہ وہ اس کو شہادت اور بحث سکھائیں پھر وہی دو شخص اگر اس دعوی کے گواہ ہوں تو ان کی شہادت جائز ہوگی بشرطیکہ وہ دونوں شخص عادل ہوں اس میں قاضی پر کوئی اعتراض نہ ہوگا بلکہ یہ جائز ہوگا جبکہ مدعی شخص دعوی اور بحث بہتر کرنے کی قدرت نہیں رکھتا خصوصًا امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ظہیریہ میں یوں ہے۔(ت)

[1] معین الحکام الفصل السادس فی سیرتہ مع الخصوم مصطفی البابی مصر ص ۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۸۵

(۲۴) شفیع حیدر خاں کی شہادت پر اعتراض کہ وہ گواہ نہ توکیل کا ہے نہ شناخت کا، جو الفاظ نکاح کے بابت گواہی دی ہے اس میں نہ نام ناکح کا لیا نہ منکوحہ کا، سخت تعجب خیز ہے نقل اظہار کہ یہاں آئی اس کا شروع ان لفظوں سے ہے، عرصہ کم و بیش سات ماہ کا ہوا کہ حسن رضا خاں کا نکاح مسماۃ عصمت جہاں بیگم مولوی مسعود خاں کی بیٹی سے ہوا میرے روبرو میں اس جلسہ نکاح میں شریک تھا، اب اسے کیا کہا جائے یہ تو کھلا گواہ نکاح ہے اور ناکح و منکوحہ دونوں کا نام لے رہا ہے، ہاں اخیر میں یہ لکھا یا ہے کہ بوستاں خاں باہر آئے اور کہا کہ چندامیاں نکاح پڑھاؤ تب قاضی صاحب نے خطبہ پڑھا بعد ایجاب و قبول نکاح پڑھایا، یہاں بیشک زوجین کا نام نہ لیا پھر کیا ضرور تھا جبکہ اول صراحۃً بتا چکا۔

(۲۵) نظام الدین خاں کی گواہی کا وہی حال ہے جو نمبر ۲۳ میں علی حسین کی نسبت گزرا۔

(۲۶) جلال خاں کا حصہ بیان بابت انعقاد نکاح اس وجہ سے قابل لحاظ نہیں کہ جبکہ اس کی شہادت نسبت ثبوت توکیل جو اصل بنا و موقوف علیہ صحت دعوی ہے کالعدم ہے تو اس بارے میں اس کا حصہ بیان کیا معتبر ہو سکتا ہے،

اولاً: بیانات سابقہ میں واضح ہو گیا کہ نہ ثبوت توکیل موقوف علیہ صحت دعوی تھا نہ جلال کی گواہی نسبت توکیل کالعدم، دونوں باتیں غلط ہیں۔

ثانیاً: بالفرض اگر ایک حصہ بیان بوجہ عدم تعریف مقبول نہ ہو تو دوسرا حصہ بیان کہ امر جداگانہ کے متعلق ہے کیوں مردود ہونے لگا، نمبر ۵ میں فصول عمادیہ و فتاوی عالمگیریہ سے گزرا کہ ایک گواہ نے صرف وکالت پر گواہی دی دوسرے نے وکالت وعزل دونوں پر یعنی وکیل بھی کیا پھر معزول بھی کر دیا تو دوسرے کی گواہی دربارہ عزل مردود ہے کہ نصاب تام نہیں اور دربارہ وکالت مقبول کہ اس پر نصاب کامل ہے، درمختار میں ہے:

شہدا بألف وقال احدھما قضی خمس مائۃ قبلت بألف الا اذا شھد معہ اٰخر[1]۔	دونوں نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے یہ بھی کہہ دیا کہ اس نے پانچ سو ادا کر دئے ہیں تو ایک ہزار میں گواہی درست ہوگی مگر جب پانچ سو کی ادائیگی میں کوئی دوسرا ساتھ گواہی دے۔(ت)

دیکھو یہاں بھی ایک گواہ کا یہ حصہ شہادت کہ مدعی علیہ پر ہزار روپے آتے تھے مقبول ہوا اور دوسرا حصہ کہ ان میں سے پانچسو ادا کر چکا ہے نہ سنا گیا کتب فقہ میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی،

[1] درمختار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۰۰

اماقول الدر الشہادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل [1] فقد حققنا فیما علقنا علی ردالمحتار ان معناہ ان المشہود بہ الواحد لایقبل مرۃ ویرد اخری بل اذارد مطلقًا ابدا الااذاکان لہ تعلق بامرین وقام بہ وجہ الرد نظر االی احدھمادون الاٰخر کما فی صور الاستثناء الثمان منہا شرب الخمر الثابت بشہادۃ رجل وامرأتین یقبل فی حق العتق والطلاق المعلقین بہ لا فی حق الحد اذلا شہادۃ للنساء فی الحدود وھکذا فی البواقی ولیس المراد ان الشاہد بعدۃ امور فردت شہادتہ فی احدھما لا یختص بہ لانقدح فی الشاہد ردت فی الامور الباقیۃ ایضا فان ھذا باطل قطعا [2] ثم ذکرت الفرعین المذکورین۔	لیکن در کا یہ قول کہ جب بعض شہادت باطل ہوئی تو کل باطل ہوجائے گی، تو اس کی تحقیق ہم نے ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں کردی ہے کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ ایک مشہود بہ (جس بات کی شہادت دی جارہی ہو) کو ایک دفعہ رد کرنے پر دوبارہ قبول کرنا جائز نہیں، جب کردیا تو رد ہی ہوگا دوبارہ قبول کرنا جائز نہ ہوگا بشرطیکہ اس ایک مشہود بہ کا تعلق دو مختلف صورتوں سے نہ ہو اور اگر اس کا تعلق دو مختلف صورتوں سے ہے اور ایک صورت رد کی ہے دوسری نہیں ہے، جیسا کہ آٹھ استثناؤں میں سے ایک یہ کہ شراب خوری جب ایک مرد اور دو ۲ عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو تو یہ شہادت شراب خوری سے معلق کردہ امور عتق اور طلاق میں مقبول ہے اور یہی شہادت شراب خوری پر حد کے لئے مقبول نہ ہے کیونکہ حد میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں، یوں ہی باقی امور میں بھی۔ ردالمحتار کی عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ گواہ جب متعدد امور کی شہادت دے اور ایک میں شہادت اس کی خصوصیت کی بناء پر مردود ہوجائے تو باقی امور میں بھی شہادت مردود ہوجائے کیونکہ یہ بات قطعًا باطل ہے، پھر میں نے اس پر مذکور دو ۲ فرعیں ذکر کی ہیں۔ (ت)

(۲۷) محمد حسن خاں کی شہادت اس وجہ سے لغو ہے کہ اس تمام بیان میں کہیں تذکرہ نام مدعا علیہا کا نہیں، نہ کوئی ثبوت اس کی شناخت کا ہے بلکہ ایک حکایت ہے کہ کوٹھری میں سے جو آواز آرہی تھی اس کا اعادہ کیا ہے، یہ اعتراض بھی تمام شبہات پر نظر نہ فرمانے سے ناشی ہے،

اولًا: محمد حسن خاں نے جہاں یہ کہا ہے کہ ایک کوٹھری جس میں کواڑ نہیں ہیں پردہ پڑا تھا اس میں سے یہ آواز آرہی تھی کہ میں اپنی خوشی سے آئی ہوں میری سوتیلی ماں سے ہمیشہ رنج رہتا تھا میرے والد مولوی مسعود خاں شہر میں نہیں ہیں حسن رضا کے ساتھ میرا بیڑا بھی ہوچکا تھا اس وجہ سے میں یہاں چلی گئی اور ان سے آکر کہا میرا آج ہی نکاح کردو نہیں تو میں جیسے پہلے چلی گئی تھی ویسے ہی چلی جاؤں گی، وہاں یہ بھی کہا ہے کہ

---

[1] درمختار کتاب الشہادت باب قبول الشہادۃ وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

پردہ سے منہ بھی نکالا تھا میں نے منہ بھی دیکھا تھا پھر ثبوت شناخت کی کیا ضرورت، یہاں بھی وہ مباحث پیش آئیں گے جو امر ۱۹ اور ۲ میں نسبت شہادت جلال خاں گزرے محمد حسن خاں صرف کوٹھری کی آواز کا حاکی نہیں بلکہ آواز والی کو اسی وقت منہ دیکھ کر پہچانے ہوئے ہے۔

ثانیاً: دربارہ نام مدعا علیہا وہ بحث جو زیر امر ۲۲ گزری عائد ہے مولوی مسعود خاں کی بیٹی جو اس اظہار کے قابل ہو صرف عصمت جہاں بیگم ہے رفع جہالت کو اس قدر بس ہے اگرچہ نام نہ لیا گیا، یہ اور اس کو باپ کی گواہی ثبوت نکاح کے لئے نہ تھی بلکہ اس سے بیان عصمت جہان بیگم کی تکذیب مقصود ہے کہ وہ برضائے خود آئی ہے نہ کہ دوسری طرح۔

(۲۸) محمد حسن خاں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ تھانہ دار نے نہال الدین خاں او محمود خاں سے کہا تم نے اس کوٹھری میں یہ بھی دیکھ لیا کہ کوئی اور تو نہیں انہوں نے کہا اس میں ہماری ہی بھانجی ہے اور کوئی نہیں یہ قول بھی محمد حسن خاں کا غلط ہے اس لئے کہ مسماۃ نہال الدین کی بہن اور محمود خاں کی بھتیجی ہے نہ کہ بھانجی۔

اولاً: کسی امر عظیم میں اشغال کے وقت کی زبان ایک آدھ لفظ میں بہک جانا کچھ مستبعد نہیں ہوتا محمود خاں کے لئے اس واقعہ کا سخت امر عظیم ہونا باتفاق فریقین ثابت ہے فریق عصمت جہاں بیگم کے طور پر تو ظاہر حتی کہ ایک فیصلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مسعود خاں اسی صدمہ سے دوران مقدمہ مرگیا محمود خان ان کا حقیقی بھائی ہے اگر بھتیجی کا بھانجی شدت صدمہ میں زبان سے نکل جائے کیا جائے تعجب ہے اور فریق حسن رضا خاں کے طور پر یوں کہ **معاذ اللہ** حقیقی بھتیجی نوجوان کنواری باپ کے یہاں سے بھاگ کر ایک شخص کے یہاں چلی گئی اور خود نکاح کرلیا اور باپ بالجبر بلانا چاہتا ہے تو چچا اور بھائی کے سامنے یہ صاف صاف اظہار میں تھانے دار کو کہہ رہی ہے میں نہیں جانتی کون سے پیڑ پر رہتے ہیں کس باغ کی مولی ہیں **عیاذاً باللہ** یہ کیا تھوڑے صدمہ کا مقام ہے، پھر اتنی زبان بہکنا کیا محال، اور جب یہ ممکن اور ضرور ممکن تو مجوز ذی علم نے کیونکر یقین کرلیا کہ یہ محمد حسن خاں کی غلطی ہے، کیا متحمل نہیں کہ محمود خاں ہی کی غلطی ہو اسی نے گھبراہٹ اور سخت رنج کی حالت میں بھانجی کہا محمد حسن خاں نے جو اس سے سنا وہی نقل کردیا اسے اپنی طرف سے تصرف کا کیا اختیار تھا مع ہذا کیا محال ہے کہ عصمت جہاں بیگم کی ماں محمود خاں کی رشتہ کی بہن ہو تو بھانجی کہنے میں کوئی غلطی بھی نہیں۔

ثانیاً: بالفرض اگر یہ لغزش محمد حسن خاں ہی نے کی تو کیا الزام ہے کیا یہاں عصمت جہاں بیگم کی نسبت وقرابت کا کوئی مقدمہ پیش تھا کہ بھتیجی کی جگہ بھانجی کہنے میں فرق پڑگیا یا شاید خواہ مدعی کا اس کے بھانجے ہونے

میں کوئی نفع بھتیجی ہونے میں کوئی نقصان تھا پھر ایسے لغو وفضول امر سے جس کے لئے مقدمہ میں کوئی اثر نہیں اعتراض یعنی چہ۔

(۲۹) یہ بھی لغویت قول گواہ مذکور ہے کہ اس نے واقعہ کی مدت قطعی آٹھ ماہ کی بیان کی ہے اور بروئے حساب کہ تاریخ عقد ۲۴/اپریل ۱۹۰۴ء سے تاروزادائے شہادت کہ ۴/دسمبر ۱۹۱۴ء ہے مدت سات ماہ نو دن ہوتے ہیں تو یہ شہادت متعلق کسی واقعہ مقابل کے ہے،

اولاً: سخت حیرت ہے کہ یہاں جو نقل اظہار آئی اس میں صاف یہ لفظ ہیں عرصہ تخمیناً آٹھ ماہ کا ہوا کہاں تخمیناً کہاں قطعًا۔

ثانیاً: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ"[1]	زمانہ حج چند ماہ معلوم ہیں۔

اشھر بصیغہ جمع فرمایا جس کا اقل تین ہے حالانکہ وہ صرف یکم شوال سے دہم ذی الحجہ تک دو مہینے دس دن اور امام شافعی کے نزدیک نہم تک دو مہینے نو دن ہیں۔ ردالمحتار میں علامہ مصطفٰی رحمتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے حاشیہ درمختار میں سے ہے:

اطلق اشھر فی قولہ تعالٰی الحج اشھر معلومٰت علی شھرین وبعض الثالث[2]۔	اشہر جمع کا اطلاق، اللہ تعالٰی کے قول "اشھر معلومات" میں دو ماہ اور ایک ماہ کے کچھ حصے پر کیا گیا ہے (ت)

جب دو مہینے نو دن کو تین مہینے کہنا جائز ٹھہرا تو سات مہینے نو دن کو آٹھ مہینے کہنے میں کیا گناہ ہوا، ہاں اگر محمد حسن خاں قید لگاتا کہ پورے آٹھ مہینے ہوئے یا بے کم وبیش یا کامل تو ضرور اعتراض کا محل تھا، معالم التنزیل میں ہے:

شوال وذوالقعدۃ وتسع من ذی الحجۃ وانما قال اشھر بلفظ الجمع لان العرب تسمی الوقت تاما بقلیلہ وکثیرہ فیقول اتیتك یوم الخمیس	شوال، ذوالقعدہ اور نو دن ذی الحجہ ہیں، اس کے باوجود اشہر جمع کا لفظ فرمایا، کیونکہ عرب لوگ کچھ وقت کا تمام وقت پر اطلاق کرتے ہیں، وہ کہتا ہے میں جمعرات کو تیرے پاس آیا حالانکہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۷

[2] ردالمحتار

وانما اتاہ فی ساعۃ منه ویقولون زرتك العام وانما زارہ فی بعضه اھ[1] مختصرًا۔	آنا صرف ایک ساعت میں ہوا، یوں ہی کہتے ہیں میں نے اس سال تیری زیارت کی حالانکہ زیارت کچھ حصہ میں کی ہے اھ مختصرًا (ت)

ولہٰذا احتمال مجاز رفع کرنا چاہا قرآن عظیم نے قید کمال بڑھا کر "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ"[2] (یہ دس کامل ہیں۔ت) فرمایا کشاف میں زیر قوله تعالٰی حولین کاملین (دوسال کامل۔ت) لکھا توکید کقوله تعالٰی:

تلك عشرۃ کاملة لانه ممایتسامح فیه فتقول اقمت عند فلان حولین ولم تستکملھما[3]۔	یہ دس کامل ہیں، کیونکہ یہ ان امور میں سے ہے جن میں تسامح سے کام لیا جاتا ہے، تو کہتا ہے میں نے فلاں کے پاس دو سال قیام کیا حالانکہ تو نے پورے دوسال نہ کیا۔ (ت)

شہادتوں پر دیگر اعتراضات کا بھی خاتمہ ہوگیا، اب قرائن سنئے:

قرائن: (۳۰) واقعہ حیرت خیز خلاف عقل ہے، عورت پردہ نشین ناکتخدا معزز نامی شخص کی بیٹی کا پاپیادہ تنہا شب میں بلا اعانت شخص دیگر کے محلّہ مدرسہ سے باغ انگوری تک آنا پھر خواہش نکاح کی کرنا اور بلاعلم و شرکت اعزا و معززین محلّہ بوکالت اجنب ناآشنا و شہادت اشخاص غیر شناسا نکاح ہونا اصلا قابل باور ہونے کے نہیں اور اس سے پہلے تو کیل بوستاں خاں کی نسبت فرمایا مدعا علیہا پردہ نشین شریف زادہ ہے اس بیباکی وبے حیائی کے ساتھ ایک شخص اجنب سے ایسے شرم کے وقت جو ذلیل ترین عورت بھی ایسی باتیں نہیں کرسکتی بلحاظ رسم ورواج شرفاء اصلاً عقل سلیم اس کو باور نہیں کرسکتی یہ جملہ کارسازی مصلحتی و صنعتی ہے۔

اولًا: صریح شہادتوں کے خلاف قرائن پر حکم ناممکن۔ علماء فرماتے ہیں:

ان البینة کاسمھا مبینة والثابت بالشھادۃ کالثابت بالمشاھدۃ۔	البینۃ اپنے نام کی بناء پر واضح کرنے والا ہوتا ہے، شہادت سے ثابت شدہ چیز مشاہدہ سے ثابت شدہ کی طرح ہے (ت)

[1] معالم التنزیل علی ہامش تفیسر الخازن تحت آیۃ الحج اشھر المصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۰
[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۶
[3] الکشاف للزمخشری تحت آیۃ حولین کاملین انتشارات آفتاب قم ایران ۱/ ۷۰-۳۷۹

آدمی جس طرح آنکھوں دیکھی بات کو محض اس بنا پر رد نہیں کرسکتا کہ قرینہ اس کے خلاف ہے یوں ہی ثابت بالشہادۃ کو، قرائن سے غایت درجہ اگر ہوگا تو یہ کہ بیان شہود میں ریب و تہمت پیدا ہو اور محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الاصل میں تحریر فرماتے ہیں کہ ریب و تہمت کے سبب گواہیاں رد نہیں ہوسکتیں،

في الهندية عن المحيط عن الاصل القاضي وان كان يتهمهم فالشهادة لاترد بمجرد التهمة[1]۔	ہندیہ میں محیط سے اصل (مبسوط) کے حوالہ سے ہے کہ اگر قاضی گواہوں کو متہم بھی کرے تب بھی محض تہمت کی بناپر شہادت مردود نہ ہوگی (ت)

شریف زادیوں کا مکان سے جاکر باختیار خود نکاح کرلینا اگرچہ رسم عام نہیں مگر شرعًا ممنوع وحرام نہیں، اگر تلاش کیجئے تو رامپور ہی میں اس کی بیس نظیریں ملیں گی اور رات کو پیادہ گلی کوچوں پھرنا تو وہاں بکثرت شائع ہے جس طرح لکھنؤ میں، بریلی میں شریف خاندان اسے ضرور عیب سمجھتے ہیں مگر رام پور میں اگر یہ عیب ہے تو برائے گفتن ہے عملی طور پر اکثر خاندانوں میں عیب نہیں بلکہ وہاں بہت جگہ منگنی وغیرہ کی تقریبوں میں شب کو آپ ڈھول بجاتی ہوئی نکلنے کی رسم ہے ان میں کنواریاں بیاہیاں جوان بڑھیاں سب طرح کی ہوتی ہیں اور بعض بیباکیں تو مردانہ لباس پہن کر تینچے کی جوڑی لگا کر نکلتی سنی گئی ہیں یہاں تک مسموع ہوا کہ بعض اونچے گھر والیاں اسی وضع میں سڑک پر مقتول ملیں **والعیاذ باللہ رب العٰلمین** مفتی وحاکم دونوں پر لازم کہ جہاں کی نسبت حکم یا فتوٰی دیں خاص وہاں کے رسم ورواج پر لحاظ کریں دوسرا رواج اگرچہ کیسا ہی عام ہو وہاں کے اپنے رواج کا معارض نہیں ہوسکتا۔

ثانیًا: رسم ورواج کے قرائن تو اس وقت ڈھونڈھئے کہ خود اصل شخص مبحوث عنہ کے افعال واقوال، حرکات واعمال پر اطلاع نہ ہو جب خود اس کی حالت معلوم، پھر دوسروں کے رواج سے اس پر حکم کیا معنی، یہاں دو باتیں حیرت خیز و تعجب انگیز اور عقل سلیم سے بعید سمجھی گئیں ایک تو عصمت جہاں بیگم کا پاپیادہ گھر سے تنہا چلا جانا، دوسرے اجنبی شخص بوستاں خاں سے بیباکانہ یہ گفتگو کہ بھائی بوستاں خاں میں نے تمہیں اپنے نکاح کا وکیل کیا۔ ان دونوں باتوں کی زندہ نظریں بدرجہا ان سے زائد خود عصمت جہاں بیگم کے افعال واقوال میں موجود، یہی عصمت جہاں بیگم مدعا علیہا یہی عورت پردہ نشین نا کتخدا یہی معزز نامی شخص کی بیٹی یہی نوجوان کنواری شریف زادی ابھی قریب زمانہ ہوا اس نکاح سے دو ہی مہینے پہلے اپنے مکان

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

سے بلا اطلاع غائب ہو کر اسٹیشن ریلوے رامپور تک جاچکی ہے اس کا بہنوئی پھوپھی زاد بہن کا شوہر تلاش کرتا گیا اور منا لایا، سید مراد علی سب انسپکٹر اسٹیشن رامپور نے لکھایا ۲۵ فروری ۱۹۰۴ء میں زبانی ضامن شاہ خاں ولد عادل شاہ خاں کے معلوم ہوا کہ میری حقیقی سالی اچھن بیگم مکان سے ناخوش ہو کر چلی آئی ہے، زنانے کمرہ میں تلاش کرلی جائے، میں نے تلاش کرایا زنانہ کمرے میں موجود ملی، ہمراہ لے کر واپس مکان خود ہوا، سروری بیگم جس کے مکان پر نکاح ہوا عصمت جہاں بیگم کی بھانجی ہے، اپنی بھانجی کے یہاں آنا آخر اسٹیشن تک پہنچنے سے کچھ کم ہی ہوگا، اچھن بیگم جس کا ذکر اظہار مذکور میں ہے یہی عصمت جہاں بیگم ہے جیسا کہ وہ خود اپنے اظہار میں کہتی ہے کہ میرے چچا کبھی اچھی کہتے ہیں کبھی اچھن صاحب کبھی اچھن، ضامن شاہ خاں مذکور اسی کا بہنوئی ہے، جیسا کہ وہ خود اپنے اظہار میں کہتی ہے کہ ضامن شاہ خاں میرے داماد جن کے باپ کا نام عادل شاہ خاں ہے عصمت جہاں بیگم کے اس خفیہ چلے جانے کے ذی علم مجوز جج ریاست نے بھی اپنے فیصلہ میں اخذ کیا اور اس سے عصمت جہاں بیگم کے باب میں وہ نتیجہ نکالا جسے فتوٰی میں ذکر کرنا مناسب نہیں، اس کا چند روز تک حسن رضا خاں کے مکان پر رہنا اس کے حقیقی بھائی کا وہیں اس سے ملنے کو جانا اور اس کے باپ کے بمبئی سے آنے تک اس کے حقیقی بھائی حقیقی چچا سب کا چپ رہنا استغاثہ درکنار اطلاع بھی نہ کرنا پھر بمبئی سے آنے کے بعد بھی کئی دن کی خاموشی ہو کر کارروائی چلنا اور عصمت جہاں بیگم کا بجبر پولیس حسن رضا خاں کے مکان سے نکلنا یہ واقعات تو ایسے ہیں جن میں کسی کو انکار کی گنجائش نہیں، ہاں فریقین اس میں مختلف ہیں کہ یہ جانا بجبر تھا یا بخوشی، عصمت جہاں بیگم جبر بتاتی ہے اور وہ شرعًا اس میں مدعی ہے بار ثبوت اس کے ذمے تھا اور وہ اس میں محض ناکام رہی، اس کے اور اس کے باپ اور اس کے گواہوں کے اظہار سب عجب عجب تناقضوں اور خلاف عقل و بعید از قیاس باتوں پر مشتمل ہیں جن کو دیکھ کر صاف مترشح ہوتا ہے کہ صنعتی و مصلحتی کہنا انہیں بیانوں کو شایاں ہے ان کے نقائض و قبائح کی تفصیل آسان تھی مگر اس کے ذکر سے حاجت تطویل نہیں کہ خود ذی علم مجوز نے ان پر اعتبار نہ کیا اور عصمت جہاں بیگم کا بالجبر اپنے باپ کے مکان سے لایا جانا مسلم نہ رکھا، آخر فیصلہ میں فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدعا علیہا حسب رسم و رواج زمانہ اپنی بھانجی کے گھر کسی ضرورت سے گئی مگر جبر نہ مان کر بیان مدعی و گواہان مدعی مردود ہونے پر قرائن عقلیہ کی کوئی کافی شہادت نہیں، جب عصمت جہاں بیگم کا اس کے یہاں بخوشی جانا مسلم تو مدعی کا اس میں کیا نفع تھا کہ اس کارات کو پاپیادہ مردانہ لباس میں آنا بیان کرتا کیا اگر ڈولی میں آنا بتاتا تو ثبوت نکاح میں اشکال ہوتا نہیں نہیں بلکہ بظاہر اسی بیان میں شکل اشتباہ تھی جیسا کہ ذی علم مجوز کو واقع ہوا کہ اس کا یوں آنا بعید از عقل سمجھا تو خلاف واقع ایسی بات کہ اپنے دعوی میں شبہہ پیدا کرے بیان کرنا اور مطابق واقع صاف صاف

بے اشتباہ کو چھوڑ دینا اصلاً کوئی وجہ نہ رکھتا تھا۔ لاجرم قرین قیاس یہی ہے کہ جیسا وہ کہتا ہے وہی واقع ہوا اور اس نے اپنی دیانت خواہ سادگی سے بیان واقعہ میں کوئی تصنع نہ کیا جو گزرا تھا بے کم و بیش وہی بیان کر دیا ورنہ وہ بناوٹ چاہتا تو اسے یہ کہنا بہت آسانیاں دیتا کہ عصمت جہاں بیگم ڈولی میں اپنی بھانجی کے پاس آئی اور نکاح کی خواستگار ہوئی، ہم نے دیوانی و ججی دونوں مقدموں کے کاغذات فریقین و گواہان فریقین کے اظہارات بتفصیل دیکھے اصلاً کسی حرف سے نہ تو عصمت جہاں بیگم کے دامن عصمت میں کوئی لوث والتباس نظر آتا ہے نہ بیان حسن رضا خاں میں کوئی امر بعید از قیاس، غیب کا علم عالم الغیب عزجلالہ کو ہے مگر روداوں کا ملاحظہ بے روو رعایت حالت واقعہ یہ بتاتا ہے کہ عصمت جہاں بیگم ضرور اپنے نام کی عصمت جہاں ہے حاشا اس پر کسی بدوضعی کا ثبوت نہیں مگر اس کی طبیعت خلقۃً خوش باش وآزادی پسند و لطیف وظریف واقع ہوئی ہے وہ صدموں کا تحمل درکنار محکومی و دست نگری سے بھی بیزار ہے حبیب النساء بیگم اس کی سوتیلی ماں ہے حسب عادت زنان بلکہ رواج عام ہر زمان اس عداوت کے رشتے سے عصمت جہاں بیگم کو اذیت پہنچتی تھی اور کچھ نہ ہو تو کم از کم وہ محض محکوم و دست نگر رکھی گئی تھی اس کی آزاد طبیعت اس قید و بند سے بھاگتی تھی جیسا کہ وہ خود اپنے اظہار میں درپردہ شاکی ہے کہ میرے پاس روپیہ علیحدہ نہیں رہتا ہے چچا ماں بھائی سے کہہ کر چیز منگا سکتی ہوں ایسی چیز جس کو میرا جی چاہے اور یہ لوگ منع کریں نہیں منگا سکتی ہوں، انہیں وجوہ سے وہ ایک بار تنگ آکر اسٹیشن تک فرار کر چکی اس بار پکڑی گئی اور پھر اس کو اسی قید کا سامنا ہوا اور مظنون ہے کہ اب بوجہ فرار قید و تشدد میں اور اضافہ ہوا ہو، وہ وقت کی منتظر تھی اس کا باپ بمبئی گیا ادھر سوتیلی ماں کو ستانے کا زیادہ موقع ملا ہوگا ادھر اس نے اپنی آزادی قائم کرنے کا اچھا وقت پایا سوچی کہ اب کی بار بھی پہلا ہی سا فرار ہوا تو اسی طرح بیکار جائے گا وہ تدبیر کیجئے کہ ہمیشہ کو آزاد ہو جایئے۔ حسن رضا خاں سے اس کا بیڑا ہو چکا تھا جیسا کہ خود اس کی ماں نے اپنے ایک اظہار میں اقرار کیا ہے اسے سب کے ظاہر ڈولی منگا کر حسن رضا خاں کے یہاں جانے کا حسب رسم زمانہ کوئی موقع نہ تھا لہٰذا اس کا پاؤں ایک بار کھل چکا تھا رات آنے کی منتظر تھی اس کے یہاں معمولاً آٹھ یا نو بجے رات کو سو جاتے ہیں جیسا کہ خود اس نے اپنے اظہار میں لکھایا ہے باپ گھر میں نہ تھا ماں بھائی نو بجے سو گئے اس نے دس بجے راہ مقصود لی اس کے بھائی نے سوتے وقت اچکن ٹوپی اتار کر رکھ دی تھی یہ سمجھی کہ چاندنی رات ہے کہ صفر کی آٹھویں شب تھی اور ابھی راستہ چل رہا ہے جیسا کہ خود اس کی طرف کے اظہاروں میں ہے کہ راہ میں اس کے چچا وغیرہ لوگ ملے تھے اپنے لباس میں کہیں پہچانی نہ جائے لہٰذا بھائی کی شکر گزاری کے ساتھ اس کی اچکن ٹوپی زیب بدن کی اور وہی ہوا جو وہ سمجھتی تھی کہ

اب کسی نے نہ پہچانا یہاں تک کہ وہ اپنی بھانجی کے گھر میں آگئی، یہاں کی عورتیں اجنبی جوان کو آتے دیکھ کر ضرور گھبرائی ہوں گی مگر یہ محل اس کے کھل جانے کا تھا اس کے اتنے کہنے پر کہ میں ہوں عصمت جہاں بیگم، وہ گھبراہٹ اب اس تعجب سے بدل گئی ہوگی کہ تم اس وقت اس وضع میں کہاں، اور اس کا اس نے وہی جواب دیا ہوگا جو اپنی خود مختاری کے اظہار میں کہہ چکی تھی کہ میری سوتیلی ماں مجھے زہر دئے دیتی ہے میرا نکاح کردو ورنہ پہلے کی طرح پھر چلی جاؤں گی وہ خوب سمجھ لی تھی کہ اس کی آزادی قائم کرنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو یہی نکاح ہے کہ اس کے بعد وہ لوگ مجبور ہو جائیں گے، شوہر کا گھر اسٹیشن کا کمرہ نہ ہوگا جہاں سے ضامن شاہ خاں پکڑلے جائیں اس نکاح کے لئے ضرور تھا کہ اس کے اعزہ واقارب واہل محلّہ نہ بلائے جائیں کہ یہ تو بالکل برعکس مراد ہوتا تواس کو یہاں قرینہ بے اصل دعوی ٹھہرانا اصل مطلب سے غفلت پر مبنی ہے۔ تلاشی کے وقت اچکن ٹوپی کا مدعی کے یہاں سے برآمدن ہونا بھی اسی کا مؤید ہے کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ لوگ ڈاکہ ڈالنے جائیں اور فقط روپے آٹھ آنے کے دو استعمالی کپڑے لے کر چلے آئیں پھر انہیں اپنے یہاں رکھ چھوڑیں یہاں تک کہ کئی دن بعد تلاشی میں نکلیں حالانکہ کپڑا فورًا پہچانے جانے کی چیز ہے، لاجرم وہ اسی طرح آلئے جس طرح مدعی بیان کرتا ہے اور انہیں گھر میں رکھنے سے احتراز نہ کیا کہ خود پہننے والی ہی موجود تھی اور اس نے اپنی خوشی سے نکاح کیا تھا مدعی مطمئن تھا کہ فساد نہ اٹھے گا آخر کئی روز تک اس کے چچا، بھائی خاموش رہے۔ تھانے میں بھی خبر نہ کی بلکہ چچا اور بھائی اور بہنوئی خود یہاں آکر اس سے مل گئے جیسا کہ حبیب النساء بیگم وعصمت جہاں بیگم ونہال الدین خاں کے اظہار سے ثابت ہے وہ اقرار کرتا ہے کہ محمد رضا خاں مجھ کو اندر مکان کے لے گئے تھے اور دوسرے اظہار میں یہ بھی لکھایا ہے کہ محمد رضا خاں نے لڑکی سے کہہ دیا تھا کہ تمہارے بھائی آتے ہیں، کیا جو کوئی بھگا کر لاتا ہے اس کے بھائی کو یوں مکان کے اندر لے جاتا ہے، آگے نہال الدین خاں کا کہنا کہ بعد لے جانے کے محمد رضا خاں نے مجھ سے کہا کہ تم کیوں آئے ہو چلے جاؤ ہم تم کو ماریں گے، محض نامقبول ہے، ان لوگوں کو نامنظور ہوتا تو پہلے ہی مکان میں کیوں جانے دیتے، ہاں شاید اس نے اندر جا کر اپنی بہن کو کچھ بھکانا یا دھمکانا شروع کیا ہو، اس پر محمد رضا خاں نے ایسا کہا ہو، نیز مدعی کو اطمینان تھا کہ کسی نے فساد چاہا بھی تو عصمت جہاں بیگم جوان عورت خود مختار ہے، اس پر کسی کی ولایت جبر یہ نہیں وہ اپنی عصمت پر تہمت نہ رکھے گی، اور ہوا بھی ایسا ہی، وہاں جو اس کا اظہار ہوا ہے اس میں سارا واقعہ کہہ سنایا مگر جب بالجبر باپ کے یہاں بھیج دی گئی یہاں اسے پڑھایا ہوا سبق پڑھنا پڑا، اس سلسلہ وار قرین قیاس واقعہ کو دیکھ کر کچھ بھی اس کا تعجب نہیں رہتا کہ عصمت جہاں بیگم نے کیونکر بوستاں خاں سے خطاب توکیل

کیاہوگامگرزیادہ تعجب تواس کاہے کہ عصمت جہاں بیگم نے اظہارات جواس نے اجنبی مردوں حکام وغیرہم کے سامنے دھڑلے کی صفائی سے آٹھ دس صفحہ مطول پر لکھائے ہیں جن میں وہ عندلیب ہزار داستان بن کر چہکی ہے جن میں کہیں نہ تواس کی تیوری پر میل آیانہ اس کی آنکھ جھپکی نہ اس کی زبان بہکی ہے انہیں ملاحظہ فرماکراتنی بات کو بعید از عقل سلیم کہا جاتا ہے کہ بھائی بوستاں خاں میں نے تمہیں اپنے نکاح کا وکیل کیا،ان اظہاروں کا دیکھنے والاانگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کمسن نوجوان پردہ نشین شریف زادی جسے غیر مردوں سے بات کرنے کااتفاق تو بالائے طاق بقول اس کے یہ بھی نہیں جانتی کہ میرے مکان کے دروازہ کے سامنے کس کا مکان ہے وہ اور خاص اہلکاران حکومت کے سامنے چالاک وکیلوں کے پیچ در پیچ جرحوں کے مقابل یہ کچھ طراریں دکھانایوں صفائی سے نکل جانا سچ پوچھئے تو بعید از عقل سلیم اسے کہئے اس کے ابتدائی اظہار پر لچھے دار بیان کاتسلسل دیکھ کر وکلائے مدعی کو گمان ہوا تھاکہ شاید اس کے قانون دان باپ نے اسے اظہار لکھ کردے دیا ہے جسے پڑھ کر سنارہی ہے جس کاجواب اس نے وہ چمک کر دیا کہ کاغذ دیکھنے والے پر لعنت ہے،کتنا پہلو دار جواب ہے،معلوم نہیں اس کاغذ کو کہتی ہے جس کی نسبت وکیل مدعی نے شبہہ کیا یااس کاغذ کو جس پر اظہار لکھا جارہاہے اور وکیل وغیرہ کے پیش نظر ہے،خیر یہاں توشبہہ صحیح تھا خواہ بے اصل،مگر جرحوں کے جواب تو وہ لکھواکر نہ لاسکتی تھی وہاں اس کی تیز زبانیاں شیوابیانیاں قابل تماشہ ہیں اس کے باپ کی نسبت کو توال ریاست نے لکھایاہے کہ تجربہ کار قانون دان مشہور ہے مگر موازنہ تو صاف کہہ رہاہے کہ عصمت جہاں بیگم کا اظہار اس کے باپ کے اظہار سے کہیں زیادہ چاق وباطمطراق ہے وہ ان اجنبی مردوں نہ صرف اجنبی بلکہ حاکمانہ اظہار لینے والوں اور مخالفانہ جرحیں کرنے والوں کے مجمع میں اپنی ظریف طبیعت کے رنگ کو بھی نہ بھولی زہر یادھتورے کے لڈو جنہیں کھلا کر اسے اور اس کے سارے کو بیہوش کردینا بتایا گیاہے ان کی تعداد ووزن تخمینی سے وکلانے سوال کیا تھا جس کاجواب لکھاتی ہے کتنے نہیں بتاسکتی نہ یہ بتاسکتی ہوں کہ پانچ تھے یا پانچ سے زیادہ تھے،آٹھ تھے یاآٹھ سے زیادہ تھے،تخمینہ سے بھی نہیں بتاسکتی کہ دس تھے یااس سے زیادہ تھے،چار یا پانچ تخمیناً تھے،ان چار پانچ کاوزن نہیں بتاسکتی،نہ ایک لڈو کاوزن تخمیناً بتاسکتی ہوں کہ ماشہ بھر یاتولہ بھر یاچھٹانک بھر تھا یاسیر بھر تھا یا من بھر تھا۔سوال تھاکہ ایک لڈو کتنے نوالوں میں کھالیتی تھیں،جواب دیا نہیں بتاسکتی،نہ یہ کہہ سکتی ہوں کہ ایک لڈو کے آٹھ یادس یابیس یاپچاس نوالے ہوتے تھے۔سوال تھاکہ لڈو کھانے کے کتنی دیر بعد یہاں سے روانہ ہوئی،کہا تخمیناً بھی نہیں بتاسکتی۔وکیل نے پوچھاایک گھنٹے بعد یاڈیڑھ گھنٹے بعد۔کہامیں کچھ

نہیں کہہ سکتی سب گھنٹے بعد، پھر ایک سوال کے جواب میں کہاآنے میں اور کھانا کھانے کے وقت تک چار پانچ گھنٹے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتی مجھ کو تشابہ تھا، وکیل نے پوچھا تشابہ آپ کو کیوں تھا،اس پر بولی آپ نے لفظ "ہ" زیادہ کردیا مجھ کو کتاب سے بتلا دو یہ میری سمجھ میں نہیں آتا، زہر کے لڈو کھانے کے آثار سے سوال ہوا،اس کا جواب دیتی ہے ہم کو یاد نہیں کہ کلیجے پر جلن تھی یا نہیں ہم کو یاد نہیں کہ پیٹ میں درد ہوا تھا یا نہیں، یہ بھی یاد نہیں کہ گلے میں سوزش ہوئی تھی یا نہیں، آئینہ ہمارے ہاتھ میں نہ تھا کہ میں دیکھتی کہ آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں یا کیا، مجھے یاد نہیں کہ میرے گلے میں خشکی تھی یا نہیں، تین مہینے سے اونچا عرصہ ہوا۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ کسی کو پیاس تھی کہ نہیں، میں نہیں کہہ سکتی میرے سر میں درد ہوا یا نہیں، میں نہیں کہہ سکتی کہ چکا چوند ہوا یا نہیں، نہ میں نے پاگل دیکھا، نہ میں جانوں، نہ کودنا، اچھلنا، جنون لڑکھڑانا، پاؤں کا پھدکنا ناچنا، واہی تباہی، ہوامیں ہاتھ مارنا، ان سب باتوں کو میں نہیں جانتی، یہاں تک کہ لکھاتی ہے کسی مرد نے کہا پلنگ پر لیٹ جاؤ میں لیٹ گئی پلنگ پر لیٹنے کے بعد صبح تک ہوش نہ ہوا صبح کو اٹھی جب معلوم ہوا کہ مجھے خراب وبے عزت کیا پاجامے کی کلیوں پر خون لگا تھا یہ نہیں معلوم کس نے خراب کیا، جب تک مظہرہ ملزمان کے قبضہ میں رہی مظہرہ سے برا کام حسن رضاخاں ڈرادھمکا کر کرتا رہا، کچہریوں کے اظہار اور وکلاء کی چتھاڑ میں بڑے بڑے مرد گھبرا جاتے ہیں نہ کہ عورت نہ کہ کمسن نہ کہ پردہ نشین نہ کہ ناکتخدانہ کہ ایسے بھنورے کی پلی جسے یہ بھی خبر نہیں کہ اس کے دروازے کے سامنے کس کا مکان ہے نہ کہ ایسی گلفشانیاں یہ حرف گیریاں نہ کہ کلیوں کے خون تک کا صفائی سے بیان، یہ سب اس کی آزاد بیباک طبیعت کے چھچھے تھے، پھر اسے اتنا کہنا کیا محال تھا کہ بھائی بوستاں خاں! میں نے تمہیں وکیل نکاح کیا غرض یہاں مدعائے مدعی کے خلاف کوئی قرینہ نہیں بلکہ قرائن بھی اس کی طرف ہیں۔

تنقیحات

فیصلے کے تمام اعتراضات متعلق دعوی و شہادات سے فروغ پایا اتنے مختصر لفظ تنقیحات کی نسبت بھی گذارش ہیں کہ ذی علم مجوز نے تین تنقیحیں کیں:

(۱) عصمت جہاں بیگم بالغہ کا نکاح اس کی رضا و توکیل سے ہوا یا نکاح نہ ہوا اور وہ نابالغہ تھی اور حسن رضاخاں اس کا کفو نہ تھا۔

(۲) آیا پیش از نکاح بیڑا ہوا۔

(۳) آیا مدعا علیہا اپنے باپ کے گھر سے تنہا پیدل رات کو آئی یا بالجبر بھگالی گئی۔ پچھلی دو تنقیحوں پر تجویز

دی ہے کہ سوا محمد حسن خاں کے کوئی شہادت نسبت امر دوم نہ گزری شہادت مذکورہ صحیح ہوتی تو بوجہ عدم کفایت کالعدم تھی پس امر دوم بھی غیر ثابت ہے اور امر سوم بھی کوئی ثبوت سوا ایک حصہ بیان شفیع حیدر خاں کے پیش نہ ہوا وہ بھی غیر ثابت ہے اگر شہادت صحیح بھی گزرتی تو بوجہ عدم کفایت کالعدم ہوتی، ہماری رائے میں اولاً امر اخیر کی تنقیح قائم کرنی اور اس پر تجویز دینی ہی محض فضول تھی، اس محکمہ میں حسن رضا خاں کی طرف سے دعوٰی نکاح ورخصت تھا نہ کہ عصمت جہاں بیگم کی طرف سے دعوٰی جرم، تو آنا بخوشی ہوا یا بالجبر اس کی بحث یہاں محض بیکار تھی، آنا درکنار خود نکاح اگر بالجبر ہو صحیح ونافذ ہے کہ نکاح وطلاق میں اکراہ ان کی صحت میں مخل نہیں۔ درمختار کتاب الاکراہ میں ہے:

صح نکاحه وطلاقه وعتقه [1] الخ۔	اس کا نکاح، طلاق اور عتق صحیح ہے الخ (ت)

ثانیاً: تنقیح دوم اس سے زیادہ عبث ولغو تھی کہ نکاح میں بیڑا ہونے نہ ہونے کو تو اصلاً دخل ہی نہیں کیا اگر بیڑا پہلے ہو جاتا تو نکاح صحیح وجائز تھا۔ نہ ہوتا تو نہ تھا پھر اسے معرض بحث میں لانا اور اس پر تجویز سنانا یعنی چہ۔

ثالثاً: ان دو بیکار تنقیحوں کی جگہ پہلی تنقیح کے ہی دو جز اخیر کو یعنی عصمت جہاں بیگم کا نابالغہ ہونا، حسن رضا خاں کا اس کے لئے کفونہ ہونا مستقل تنقیحیں کرنا تھا کہ نفس حکم میں شرعاً ان باتوں کو دخل عظیم تھا مگر وہ ایک بے التفاتی کے ساتھ پہلی تنقیح میں ضمناً ذکر کر دی گئیں اور مطلقاً ان کی نسبت تحریر فرمادیا کہ ثبوت ذمہ مدعی وتردید ذمہ مدعا علیہا، حالانکہ ان میں جزء اخیر یعنی عدم کفائت کا بار ثبوت ذمہ مدعا علیہا تھا وہ اس میں مدعیہ تھی کہ اصل کفاءت ہے لان الناس بنو اب وام (کیونکہ تمام لوگ باپ اور ماں کی اولاد ہیں۔ت)

رابعاً: فیصلہ میں ان دونوں ضروری جزء تنقیح کی نسبت کسی تجویز کا ذکر نہیں عدم کفاءت کا تو کوئی ثبوت عصمت جہاں بیگم کی طرف سے نہ گزرا وہ قابل ثبوت تھی بلکہ وہ کاغذات دیکھنے میں آئے ہیں جن سے معاملہ عدم کفاءت بالعکس معلوم ہوتا ہے یعنی عصمت جہاں بیگم بہ نسبت حسن رضا خاں کے بہت کم قوم ہے اور ضرور ذی علم مجوز نے بھی اس کی یہ مہمل بات ناقابل التفات جانی اور خود اس کی طرف سے اس کی بحث سے مطلق سکوت نے ظاہر کر دیا کہ وہ صرف برائے گفتن کچھ الفاظ تھے جن کے نیچے معنی نہ تھی بلوغ کے بارے میں مسل میں نظیرن ومحبوبن دائیوں کے اظہار ہیں جن میں وہ لکھاتی ہیں کہ عصمت جہاں بیگم جس کو ہم نے

---
[1] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۷

ابھی دیکھا ہے عرصہ ڈھائی تین سال سے بالغ ہے مجوز نے سوال فرمایا کہ بلوغ کے آثار بتاؤ، اس پر جواب دیا کہ جوان عورت کی چھاتیاں پوری ہوتی ہیں چنانچہ اس کی چھاتیاں پوری ہیں عارضہ جو عورات کو ہوتا ہے وہ عارضہ بھی اس کو موجود ہے، اور اسی قسم کا ایک بیان بوستاں خاں نے اپنے اظہار میں کیا ہے وہ کہتا ہے علامات بلوغ کے میں نے دیکھے ہیں کیونکہ وہ میرے سامنے آئی تھی اس وجہ سے میں کہتا ہوں کہ وہ بالغ ہے وہ جسیم عورت تھی اور سینہ کی چوڑائی وغیرہ اور جسم اس کا معمولی عورت سے زیادہ تھا اور چھاتیاں اس کی مثل انار بڑے کے تھیں نکاح ہونے کے بعد دیکھی تھی یہاں اعتراض کو گنجائش تھی کہ جب ذی علم مجوز نے دائیوں کے اس بیان پر کہ وہ ڈھائی تین سال سے بالغہ ہے قناعت نہ کی تھی تو انہوں نے جو علامات بتائیں بدرجہ اولٰی قابل قناعت نہ تھیں پستان کا ابھار شرعاً مثبت بلوغ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لااعتبار لنبات العانة ولااللحیة واما نھود الثدی فذکر الحموی انه لایحکم به فی ظاہر الروایة وکذا ثقل الصوت کما فی شرح النظم الھاملی ابوالسعود وکذا شعر الساق والابط والشارب[1]۔	زیر ناف بالوں یا داڑھی اگنے کا اعتبار نہیں لیکن پستانوں کا ابھرنا، تو حموی نے ذکر کیا ہے کہ اس سے بلوغ کا حکم نہ کیا جائے گا ظاہر روایت میں، یوں آواز کا ثقل بھی جیسا کہ شرح نظم الہاملی ابوسعود میں ہے اور یوں ہی پنڈلی، بغل اور مونچھوں کے بال کا حکم ہے (ت)

اور عورتوں کا عارضہ نہیں معلوم انہوں نے حیض کو کہا یا کسی اور عارضہ نسائی کو، شہادت میں ایسی گول بات نہیں لی جاتی، تاہم اتنا ضرور ہے کہ اس کا بالغہ ہونا ذی علم مجوز کو تسلیم ہے جب تو اس کی توکیل پر صحت نکاح کو موقوف فرمایا ورنہ نابالغہ کی توکیل وعدم توکیل یکساں ہے اور جب یہ دونوں بحثیں ذی علم مجوز کے نزدیک طے شدہ تھیں اور بیشک ثبوت نکاح وتوکیل پر کافی شہادتیں گزر گئیں، صرف شہادت توکیل میں اتنا قصور خود منجانب مجوز باقی رہا کہ عصمت جہاں بیگم کو جلال خاں کے سامنے لاکر منہ دکھا کر شناخت کرائی جاتی، اگر وہ شناخت کردیتا مقدمہ اس روش پر جو آج کل اسلامی ریاستوں اور خود رامپور میں شائع ہورہی ہے بہمہ وجوہ مکمل ہوجاتا اور فیصلہ بحق مدعی لازم تھا۔ بالجملہ فیصلہ ناتمام وناقص اور سراسر پیش از وقت ہے، اور جتنی وجوہ شہادات مدعی وثبوت دعوی پر اعتراض فرمائے ہیں سب بے اصل ہیں، مقدمہ اس تکمیل کا محتاج ہے جس کا ہم نے ذکر کیا اور اس کے بعد فیصلہ بحق مدعی ہونا لازم۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر فصل ببلوغ الغلام بالاحتلام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۹۷

مسئلہ ۸۴: از لاہور محلّہ بازار حکیماں مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی ۲۳/شعبان ۱۳۲۳ھ

سوال اول: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ جس قاضی کو تقلید قضااز جانب سلطان وقت یااز جانب عام رعایا حاصل ہوااور وہ از جانب مقلد خود ماذون بخلافت ونیابت بھی ہو وہ قاضی حاکم عدالت شریعت کو کسی مقدمہ خاص میں یہ تحریر لکھیں حال یہ کہ وہ حاکم عدالت شریعت بھی قاضی کے ماتحتوں میں سے ایک حاکم ہے (کہ اگر ہمشیرگان زید کا حصہ مال زید میں ہو تو بعد تحقیق دلایاجائے) اور بعد چندروز حاکم مذکور کو یہ تحریر بھیجے کہ فلاں مقدمہ کافیصلہ بہت جلدی کرکے حکمنامہ بعجلت میرے حضور میں پیش کریں پس حاکم شریعت نے بعد تحقیقات شرعی باتفاق مفتیان عدالت کل عذرات مدعاعلیہ دفع کرکے ہمشیرگان زید کو متروکہ زید میں ڈگری دلائی، اب یہ امر دریافت ہے کہ اس ڈگری دلانے کو حکم قاضی کہنا چاہئے یاکیا، اوراس حکم مجمع علیہ کوتاوقتیکہ خلاف کتاب اللہ وسنت مشہورہ واجماع نہ ہو خود حاکم شریعت مذکوریا قاضی دیگراس کا نقض کرسکتا ہے شرعًا بعد ایک زمانہ کے یانہیں، اوراگر حاکم مذکور نے حکم مذکور نقض کرکے خلاف حکم اول حکم دے دیاتو قابل اجراء شرعًا حکم اول رہے گا یاثانی۔

سوال دوم: ایک شخص رئیس ریاست اسلام ہے جس کو عزل ونصب اہلکار وعمالان ریاست کااختیار حاصل ہے اوراس کو قاضی ماذون بالخلافت بھی کہہ سکتے ہیں اس رئیس نے کسی ایسے شخص کو جواس رئیس کانائب فی التحریر ہے یہ حکم دیاکہ یہ شخص فلاں مقدمہ کافیصلہ شرعی کردے اس حکم کے بعد اس نائب نے اس مقدمہ میں فیصلہ شرعی کردیا پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نائب، رئیس کے اس حکم دینے کے بعد نیابت فی القضا کا مصداق ہوسکتا ہے یانہیں اور اس نائب کا حکم شرعی دیا ہوابجائے حکم رئیس کے ہے یانہیں؟ نقض اس حکم کا رئیس یاوہ خود نائب کرسکتا ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(ا) والی ملک رئیس خود مختار حاکم اسلام یابحال حسب روایات جامع الفصولین وتتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا اتفاق رعایا سے قاضی مطلق بنایاہوا یاان کا مقلد قاضی ماذون بالاستخلاف جس مقدمہ میں کسی اہل قضا کے فیصلہ کاحکم دے وہ فیصلہ فیصلہ قاضی شرع ہے کسی کواس کے نقض کااختیار نہیں مگر جبکہ اپنے مذہب معتمد مفتی بہ کے خلاف واقع ہوا ہو تو منقوض ہوگا بلکہ راسًا صحیح نہ ہوا اگرچہ خلاف اجماع نہ ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذاحکم بغیرہ لم یصح[1]۔	قاضی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے صحیح ترین قول پر حکم کا مامور ہے اگراس کے بغیر حکم کیاتو وہ حکم صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۶

در مختار میں ہے:

لایخیر الا اذا کان مجتھدا بل المقلد متی خالف معتمد مذہبہ لاینفذ حکمہ وینقض ھوالمختار للفتوی کما بسطہ المصنف فی فتاواہ وغیرہ[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اختیار نہ ہوگا مگر مجتہد کو بلکہ مقلد جب اپنے قابل اعتماد مذہب کے خلاف حکم کرے گا تو وہ نافذ نہ ہوگا اور اس کو کالعدم قرار دیا جائے گا، یہی فتوی کیلئے مختار ہے جیسا کہ مصنف وغیرہ نے اس کو اپنے فتاوی میں مبسوط کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) فی الواقع وہ حکم میں استجماع شرائط صحت منقوض نہیں ہوسکتا ہاں اگر خلاف مذہب معتمد ہو رد کردیا جائے گا اور نفاذ نہ پائے گا فتاوی علامہ قاسم بن قطلوبغا میں ہے:

لیس للقاضی المقلد ان یحکم بالضعیف ولو حکم لاینفذ[2] اھ مختصرا وتمامہ فی فتاوٰنا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مقلد قاضی کو جائز نہیں کہ وہ ضعیف قول پر حکم دے اور اگر اس نے ایسا کیا تو نافذ نہ ہوگا اھ مختصراً، اور اس کی مکمل بحث ہمارے فتاوی میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۶: از ریاست رام پور محلّہ ٹھوٹر مرسلہ محمد رفیق خاں ۱۱/ شوال ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بمقدمہ عبدالعلی خاں ولد محمد عمر خان بنام محمد رفیق خاں ولد محمد سعید خاں حاکم دیوانی نے یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ مع نقول اظہارات گواہان فریقین حاضر ملاحظہ ہے یہ فیصلہ شرعاً صحیح و قابل بحالی ہے یا باطل و قابل منسوخی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کاغذات نظر سے گزرے یہ فیصلہ محض مہمل و مختل واقع ہوا، عبدالعلی خاں نے وقت رجسٹری عندالبائع والمشتری طلب مواثبت واشہاد کا دعوی کیا رفیق خاں کا جو بیان مندرج فیصلہ ہے اس میں اس طلب کا نہ انکار نہ اقرار بلکہ جواب دعوی اس امر پر مبتنی ہے کہ مدعی کو قبل رجسٹری علم بالبیع ہوچکا اور اس نے نہ فقط تسلیم کیا بلکہ صراحۃً لینے سے انکار کردیا یہاں جو مسئلہ اسناد الی الماضی فیصلہ میں مذکور ہوا اور اس میں شفیع کا مدعی ہونا ذکر کیا اس مسئلہ کے فہم میں سخت لغزش واقع ہوئی طلب خصومت سے پیشتر کی طرف

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[2] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۳۵

اسناد علم وہ اسناد الی الماضی نہیں کہ اس قدر سے تو شفیع کو چارہ نہیں، اگر عین وقت خصومت عندالقاضی اپنا علم بالبیع بیان کرے اور شفعہ کا مدعی باطل ہو جائے گا کہ اس نے طلب مواثبت واشہاد دونوں چھوڑ کر طلب خصومت سے آغاز کیا اور طلب واحد کو تینوں طلب کے قائم مقام کیا چاہتا ہے یہ باطل و مبطل شفعہ ہے **کما بینه المولی خیر الدین الرملی فی الفتاوی الخیریة لنفع البریة**[1] (جیسا کہ اس کا آقا خیر الدین الرملی نے فتاوٰی خیریہ لنفع البریۃ میں ذکر کیا ہے۔ت) بلکہ وہ اسناد الی ما قبل الاشہاد ہے اگر شفیع کہے کہ اشہاد سے پہلے مجھے علم نہ ہوا تھا تو یمین کے ساتھ مصدق ہوگا اور مشتری پر بینہ، اور اگر کہے کہ اس سے پہلے مجھے علم ہوا اور میں نے طلب مواثبت کی تو شفیع پر بینہ **کما حققناہ فیما علقناہ علٰی رد المحتار** (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) مگر یہاں یہ مسئلہ اصلاً زیر بحث نہیں کہ طلب مواثبت واشہاد عند البائع والمشتری کا اقرار انکار مدعا علیہ نے کچھ نہ کیا یہ سکوت ہے اور مذہب اصح میں سکوت بے آفت بھی انکار ہے، درمختار میں ہے:

لو سکت کان انکارا فتسمع البینة علیه الا ان یکون اخرس، اختیار[2]۔	اگر خاموش ہوا تو انکار ہوگا جس پر گواہی سنی جائیگی لیکن اگر گونگا ہو تو پھر انکار نہیں، الاختیار۔(ت)

بحر الرائق میں ہے:

وبه افتیت لما ان الفتوٰی علی قول الثانی فیما یتعلق بالقضاء[3]۔	میں نے اسی پر فتوٰی دیا کیونکہ قضاء کے متعلق امام ابویوسف کے قول پر فتوٰی ہوتا ہے(ت)

تو صورت دائرہ میں مدعی علی حالہ مدعی رہا اور بار ثبوت اسی پر ہوا اور اتنا خود مجوز کو بھی تسلیم ہے اگرچہ اس کی وجہ دوسری سمجھی تو مدار مقدمہ بینہ مدعی سے ثبوت دعوی پر رہا اب اس کے گواہوں پر نظر ڈالئے تو ایک گواہی بھی اصلاً اس کے مفید نہیں، سید عطاء الحق و محمد علی خان تو بالکل خلاف دعوی وخلاف واقع شہادت دے رہے ہیں زمین بے عمارت بیع ہوئی اور اسی پر شفیع نے دعوی کیا مکان مشتری نے بعد شراء بنایا اور یہ دونوں گواہ شفیع کی طلب اس لفظ سے بیان کررہے ہیں کہ مکان

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشفعۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۵۴
[2] درمختار کتاب الدعوی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۵
[3] بحر الرائق کتاب الشفعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۰۳

محمد توفیق خاں نے جو لیا ہے میں نے اپنے شفعہ میں لیا اس مکان کا میں شفیع ہوں۔ فیاض خاں کہتا ہے کہ اسد علی خاں یعنی بائع نے کاغذ رجسٹرار کے سامنے پیش کیا رجسٹرار صاحب نے کاغذ پڑھ کر سنایا تو عبدالعلی خاں نے کہا کہ رفیق خاں نے جو زمین بیچی ہے میں نے اپنے شفعہ میں لی، اور بیان کرتا ہے کہ کاغذ رجسٹرار صاحب نے اول سے آخر تک مدعی مدعا علیہ کو سنایا تھا یہاں طلب شفیع کو سنانے پر مرتب کرتا ہے اور سنانا اول سے آخر تک کہتا ہے تو مواثبت کا ثبوت درکنار ظاہرًا مواثبت فوت ہوئی غالبًا انہیں وجوہ سے ذی علم مجوز نے بھی ان تین گواہوں کو نظر انداز کیا اگرچہ نہایت قابل افسوس یہ بات ہے کہ یہ گواہان مدعی ہو کر خود ان کے مقر اور بیان مدعا علیہ کے موافق شہادت دے رہے ہیں اسے نظر انداز کرنا قرین انصاف نہ تھا کچھ بیان اس کا عنقریب آئیگا ان شاء اللہ تعالٰی، رہے تین گواہ اور فیصلہ کا سارا دار ومدار انہیں پر ہے ان میں رجسٹرار صاحب کی گواہی تو محض کالعدم ہے وہ طلب مدعی کے وقت بائع ومشتری کا موجود ہونا ضرور بیان کرتے ہیں مگر ان لفظوں کا نہ کہ ان کے مصداق کا۔ شہادت وہ ہے جو اپنے علم سے ناشی ہو اور وہ اتنا بھی نہیں کہتے کہ بائع ومشتری اگر میرے سامنے آئیں تو ان کو شناخت کرلوں گا بلکہ اسے بھی اس شرط پر مشروط کرتے ہیں کہ اگر یاد آگئے تو شناخت کرلوں گا پھر مدعی نے نہ ان سے شناخت کرانے کی کوشش کی نہ ظاہر ہوا کہ انہیں یاد آئے یا نہیں تو ایسی گواہی محض پادر ہوا ہے وقت رجسٹری نسبت حاضری تسلیم مشتری ہر گز اس کا اقرار نہیں کرتا کہ شفیع نے میرے سامنے طلب کی رجسٹری امر آنی نہیں امر ممتد زمانی ہے، اس ناقص گواہی کی تکمیل ذمہ مدعی تھی وکلائے مدعا علیہ پر کیا ضرور تھا کہ گواہی مدعی کے رفع نقصان کی درخواست کرتے تو فیصلہ کی یہ تحریر کہ رجسٹرار صاحب کی بابت نسبت شناخت عاقدین کے وکیل مدعا علیہ نے کوئی درخواست پیش نہیں کی اور سکوت کیا تو یہ سکوت دلیل تسلیم کی ہے، نہایت عجیب ہے جب گواہی مخالف میں صریح نقص موجود ہے تو سکوت کیا تو سکوت اس بنا پر ہوگا کہ وہ خود ہی ناقص و نامکمل ہے ہمیں اس گفتگو کی کیا حاجت، نہ یہ کہ سکوت کیجئے تو ناقص کو کامل مان لیجئے یہ کون سا قاعدہ عقل یا نقل کا ہے، نہیں نہیں بلکہ یوں کہئے کہ گواہی محض نامکمل تھی اور اس کی تکمیل اپنے نفع کے لئے مدعی پر لازم تھی تو مدعی کا سکوت صاف دلیل ہے کہ وہ اس کی تکمیل سے عاجز تھا یا کم از کم اس کو مکمل کرنا نہ چاہا اور ناقابل اسناد رکھا بلکہ غور کیجئے تو غالبًا صاف ثابت ماننا پڑے کہ رجسٹرار صاحب کو نہ عاقدین یاد آئے نہ ان کی شناخت کرسکے، اظہارات سے ظاہر ہے کہ وہ بمواجہہ عاقدین لئے گئے متعدد گواہوں نے ان حاضرین کو اشارہ سے بتایا رجسٹرار صاحب اگر پہچان سکتے تو صاف کہتے کہ وہ دونوں یہ ہیں مولوی نعمت اللہ نے اتنا بھی نہ کہا کہ طلب مدعی کے وقت بائع ومشتری موجود تھے صرف اس قدر کہا کہ یہ یاد نہیں کہ سوا ملازمین رجسٹری اور بائع ومشتری اور عبدالعلی خاں کے کوئی اور اس وقت تھا یا نہیں،

قطع نظر اس سے کہ یہاں بائع ومشتری مستثنٰی میں ہیں اور جمہور حنفیّہ کے نزدیک مستثنی سکوت عنہ ہوتا ہے اور سکوت بیان نہیں تو بائع ومشتری کی نسبت گواہ کو کچھ یاد ہونا اصلاً ثابت نہ ہوا یہاں جب گواہ نے یہ کہا کہ یاد نہیں کہ کوئی اور تھا یا نہیں، تو اس "یا نہیں" نے حکم کو مردود کردیا اور یہ استثناء حکم مردود سے ٹھہرا جس کا حاصل یہ ہوا کہ مستثنے لوگوں کی نسبت احدالامرین یاد ہے، ہونا یا نہ ہونا، نہ یہ کہ خاص ہونا یاد ہے، اس کی توزیع یوں ہوسکتی ہے کہ ملازمین رجسٹری کی نسبت ہونا یاد ہو اور بائع ومشتری کی نسبت نہ ہونا پس دونوں مذہب پر یہ شہادت بالاتفاق مہمل وناکافی ہے معہذا مولوی نعمت اللہ کا بیان صراحۃً مدعی ودیگر گواہان مدعی کی تکذیب کرتا ہے وہ لفظ طلب یہ بیان کرتا ہے کہ صاحبو تم گواہ رہنا کہ یہ بیعہ میں نے اپنے شفعہ میں لیا اور صاف تصریح کرتا ہے کہ یہ لفظ کہے تھے یعنی نقل بالمعنٰی نہیں نقل باللفظ ہے، اور اسی پر قناعت نہ کی بلکہ صریح حصر کردیا کہ یہی لفظ کہے تھے حالانکہ مدعی ودیگر گواہان سب کے بیان میں لفظ طلب ان کے غیر اور ان سے زائد ہیں، نیاز علی خاں کی گواہی اگر صاف بھی ہوتی تو ایک تنہا کیا قابل سماعت تھی مگر اس نے صرف عبدالعلی خاں کہا ہے مجرد اسم کے سوا کوئی تعیین تمیز کا بیان نہ کیا نہ وقت اظہار اس کو اشارہ سے بتایا یہ اعتراض نہ تنہا اس پر بلکہ باقی سب گواہوں پر بھی ہے فریقین میں کسی نہ کسی کی تعیین ہر ایک کے اظہار میں متروک ہوئی ہے اور شرعاً ایسی نامعین گواہی معتبر نہیں، ائمہ کرام تو حاضر پر اشارہ شرط بتاتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے:

یحتاج فی الشھادۃ علی الحاضر الی الاشارۃ الی المدعی علیہ والمدعی الخ[1]۔	کسی حاضر پر شہادت میں مدعی یا مدعی علیہ کی طرف اشارہ ضروری ہے الخ (ت)۔

اور آج کل عامیانہ روش میں جو توصیف بلفظ مدعی ومدعا علیہ پر قناعت کی جاتی ہے ان شہود نے یہ لفظ بھی بعض فریقین کی نسبت نہ کہے تو صرف نام کیا کافی ہوسکتا ہے عبدالعلی خاں ہزاروں ہیں بالجملہ گواہان مدعی میں اصلاً کوئی گواہی قابل التفات نہیں، تو یہاں اس مسئلہ سے استناد کہ بینہ مشتری سے بینہ شفیع اولٰی ہے محض باطل وبے معنی ہے پہلے بینہ ہو بھی تو لے جب تو اولویت وعدم اولویت میں بحث کی جائے۔ علاوہ بریں روایات منقولہ فیصلہ اس صورت میں ہیں کہ جب یہ دعوی طلب کرے اور وہ انکار کہ اس کو علم ہوا اور طلب نہ کی فیصلہ میں درمختار سے منقول کیا:

انکر المشتری طلب المواثبۃ فانہ یحلف علی العلم وان انکر طلب	مشتری نے مواثبہ کے طلب سے انکار کیا تو علم کے متعلق حلف لیا جائے اور اگر گواہی کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۵۹

الاشہاد حلف علی البینات ولو برھن فبینۃ الشفیع احق۔[1]	طلب سے انکار کرے تو بینہ پر حلف لیا جائے اور اگر بینہ پیش کریں تو شفیع کا بینہ اولٰی ہوگا۔(ت)

نیز نقل کیا:

مشتری میگوید کہ تو روز پنجشنبہ دانستہ وطلب نکردہ قول قول مشتری بود لانہ ینکر الطلب والبینۃ علی الشفیع[2]۔	مشتری کہتا ہے تو نے جمعرات جان لیا اور مطالبہ نہ کیا تو مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ طلب کا منکر ہے اور بینہ شفیع پر ہے۔(ت)

نیز عالمگیری سے لکھا:

اقام المشتری بینۃ ان الشفیع علم بالبیع ولم یطلب الشفعۃ واقام الشفیع البینۃ انہ طلب حین علم فالبینۃ بینۃ الشفیع[3]۔	مشتری نے گواہی پیش کی کہ شفیع نے بیع کا علم ہونے کے باوجود شفعہ کا مطالبہ نہ کیا اور شفیع نے گواہی پیش کردی کہ اس نے علم ہوجانے پر شفعہ کا مطالبہ کیا ہے تو شفیع کی گواہی معتبر ہے۔(ت)

اسی طرح بقیہ عبارت میں تصویر مسئلہ دعوی طلب وانکار طلب میں ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نفی مجرد پر گواہی مقبول نہیں فان البینات للاثبات کما اثبتہ الائمۃ الاثبات (تو بیشک شہادت اثبات کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ ائمہ نے اسکو ثابت کرنا ہے) مگر یہاں مشتری یا اسکے گواہوں نے صرف انکار طلب پر قناعت نہ کی بلکہ صاف یہ کہا کہ بعد بیع شفیع کو اطلاع دی گئی اور اس نے لینے سے صریح انکار کیا یہ شہادت نفی نہیں شہادت اثبات ہے اور اس کی تاریخ مقدم ہے اور گواہی گواہان شفیع اس کے معارض نہیں ہوسکتی ان کا علم اس قدر کو محیط ہے جتنا شفیع سے وقت رجسٹری صادر ہوا انہوں نے ہرگز نہ کہا کہ اس سے پہلے شفیع نے لینے سے انکار نہ کیا تھا یا شفیع کو اس سے پہلے علم بالبیع نہ ہوا تھا اور نہ وہ ایسا کہہ سکتے تھے اور اگر کہتے تو مقبول نہ ہوتا کہ اب انکی شہادت شہادت

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۷

[2]

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

علی النفی ہوتی وانما البینات للاثبات (حالانکہ گواہی اثبات کیلئے ہوتی ہے۔ت) یہاں اگرچہ کلام بروجہ دیگر ممکن مگر مقصود یہ ہے کہ روایات منقولہ فیصلہ یوں بھی صورت مقدمہ سے جدا ہیں نظر بروئداد ظاہر یہی ہے کہ واقع میں شفیع کو پہلے سے علم ہو چکا تھا اب کہ نگاہ عوام میں وقعت دعوی پیدا کرنے کے لئے اس کا منتظر رہا کہ جب بیعنامہ رجسٹری میں پیش ہو تو رجسٹرار کے سامنے طلب بجالائے تاکہ ایک قیمتی گواہ طلب کامل جائے ولہذا وہ خاص اسی دن اسی وقت محکمہ رجسٹری میں پہنچا جبکہ بیعنامہ رجسٹری ہونے کو تھا اگر اسے پہلے سے کچھ علم نہ تھا تو خالص اس دن تاریخ وقت کی تعیین کسی الہام کے ذریعہ سے ہوئی یا خواب سے اور خود اس کے گواہوں سے دو گواہ صاف بتارہے ہیں کہ پیش از طلب اسے علم ہولیا تھا، سید عطاء الحق نے کہا کہ عبدالعلی خاں قبل پیش ہونے بیعنامہ کے گھنٹہ بھر اول یہ کہہ گئے تھے کہ میں طلب شفعہ کروں گا، مشفوعہ کا کاغذ آج تصدیق ہوگا ایسی صریح باتوں کو جن سے خود گواہان مدعی بطلان شفعہ کی شہادت دے رہے ہیں نظر انداز کرنا بہت نامناسب تھا اس فیصلہ کے بطلان پر اور بھی وجوہ ہیں مگر جس قدر مذکور ہوا اظہار حق کے لئے ان شاء اللہ کافی و وافی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۷: از ریاست رامپور محلّہ گھیر فتح محمد خاں مرسلہ سعید الرحمٰن خاں ۲۰ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ مسمّی زید نے جو مسلمان ہے مسمّی بکر کے پاس جو ہندو ہے زیور نقرئی وزنی دوصدر روپیہ بھر بالعوض ایک سو پندرہ روپیہ کے بشرح سود فیصدی دو روپیہ ماہوار رہن کیا، بکر نے جانچ وزن زیور کا کرکے نقرئی سمجھ کر رکھ لیا اور زر سود زید بکر کو ماہ بماہ ادا کرتا رہا، اب جو زید نے بکر پر عدالت میں دعوی انفکاک رہن بادائے ایک سو پندرہ روپیہ زر رہن کے کیا تو بکر یہ عذر کرتا ہے کہ وہ زیور مرہونہ نقرئی نہیں تھا بلکہ قسم جرمن سلور کا تھا جو نہایت کم قیمت جنس بمقابلہ نقرہ کے ہے مگر بکر نے کوئی شہادت اس بارہ میں پیش نہیں کی زید کی طرف سے جو گواہ گزرے ہیں وہ متفق اللفظ زیور کا نقرئی ہونا بیان کرتے ہیں البتہ تفصیل زیور میں کچھ اختلاف بیانی ہے جو اس وجہ سے قابل لحاظ نہیں ہے کہ حسب دعوی زید زیور کا وزنی دوصدر روپیہ ہونا مسلمہ بکر ہے۔ بکر کو صرف عذر قسم زیور یعنی نقرہ و جرمن سلور ہونے میں ہے عدالت نے بلا کسی شہادت کے قول مرتہن کو تسلیم کرکے فیصلہ دیا ہے جس کی نقل شامل استفتاء ہذا ہے اور زید نے بناراضی اس فیصلہ عدالت کے مرافعہ بعدالت بالادست کیا ہے نقل وجوہات اپیل بھی منسلکہ استفتاء ہذا ہے، بعد ملاحظہ فیصلہ عدالت و وجوہات اپیل حسبۃً للہ فتوی تحریر فرمایئے عدالت جو بحوالہ ایک روایت فقہ کی ہے صحیح و درست ہے یا غیر صحیح اور قابل منسوخی ہے یہ ملحوظ فرمایا جائے کہ مرتہن ہندو اور راہن

مسلمان ہے اور حسب رواج بازار جو کوئی زیور رہن رکھتا ہے اول جانچ اس کی بخوبی کرلیتا ہے کہ وہ کس قسم کا ہے اور کس مالیت کا ہے، بوقت رہن مرتہن نے جانچ کرکے اور اس کو قسم نقرہ تسلیم کرکے رہن کیا تھا فقط۔

الجواب:

فیصلہ نظر سے گزرا، سخت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ باستثناء اتنی بات کے کہ ذی علم فاضل مجوز نے اس میں دو تنقیحیں قائم فرماکر تنقیح دوم خلاف مدعاعلیہ تجویز فرمائی، باقی وہ سرتاپا باطل وخلاف شرع واقع ہوا، تنقیحیں یہ ہیں:

(۱) آیا مدعی نے زیور نقرہ مندرجہ عرض دعوی بعوض (ماصہ عہ/) مدعاعلیہ کے پاس رہن رکھتا تھا کہ اب تک بہ قبضہ مدعاعلیہ ہے، اب مدعی بہ ادائے (ماصہ عہ/) زیور طلب کرتا ہے باوجود اقرار فک نہیں کرتا ثبوت ذمہ مدعی۔

(۲) آیا زیور جرمن سلور کا تھا نقرہ کہہ کر مدعاعلیہ کو دھوکا دے کر (ماصہ عہ/) لے لئے ثبوت ذمہ مدعاعلیہ۔ تنقیح اول کو فاضل مجوز نے تین وجہ سے خلاف مدعی فیصل کیا:

وجہ اول: جہالت شہادت کہ کسی شہادت سے تفصیل زیور مطابق عرضی دعوی بقید وزن وقیمت ثابت نہیں جس کا اظہار وتعین ضروری ہے۔

وجہ دوم: اختلاف باہمی شہود، او وہ دو ہیں:

(۱) پہلے گواہ نے مدعی کا دکان مدعاعلیہ پر بہمراہی شفیع خاں آنا نہیں بیان کیا، گواہ نمبر ۲ نے دکان مدعاعلیہ کا آنا بہمراہی شفیع خاں بیان کیا ہے، حالانکہ جلسہ واحد کے گواہ ہیں۔

(۲) گواہ نمبر ا نے ایک کاغذ مدعی کا لکھنا اور نمبر ۲ نے اس کے خلاف مدعاعلیہ کا ایک رقعہ فارسی میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر مدعی کو دینا تحریر کرایا ہے حالانکہ مدعاعلیہ فارسی لکھنا نہیں جانتا، نہ مدعی نے مدعاعلیہ کا رقعہ لکھنا عرضی دعوی نہ اظہار میں لکھایا بلکہ مدعی نے اپنے اظہار میں ایک شخص غیر سے رقعہ لکھانا مدعاعلیہ کا اقراری اپنا بیان کیا ہے حالانکہ توافق درمیان شہادت کے شرط ہے۔

وجہ سوم: تناقض دعوی کہ مدعی نے جو تفصیل زیور عرضی دعوی میں تحریر کی اس کو مالیتی دو سو روپیہ تحریر کی اور جو وزن ہر عدد کا تحریر کیا از روئے میزان کل زیور (ماماصہ۔عہ) بھر ہوتا ہے اور جو

بیان مدعی عدالت میں تحریر ہوا اس نے وزن زیور دو سو روپیہ بھر ہونا لکھایا ہے لغو بیانی مدعی بداہۃً واضح ہے کہ فی زماننا زیور نقرہ دو سو روپیہ بھر قیمتی دو سو روپے کا کسی عنوان نہیں ہوسکتا۔ یوہیں تنقیح دوم کو خلاف مدعا علیہ فیصل فرمایا اور تصریح کی کہ امر مذکور بحق مدعا علیہ غیر ثابت ہے کہ اس قول کی کہ مدعی زیور جرمن سلور نقرئی ظاہر کرکے رہن رکھا کوئی شہادت منجانب مدعا علیہ نہ گزری نہ مثل آمدہ فوجداری میں کوئی ثبوت قول مدعا علیہ کا ہے اس وجہ سے کہ مسل مذکور بربنائے عدم پیروی خارج ہوئی ہے۔ تنقیحوں کی نسبت یہ تجویزیں دیکھ کر فرمایا لیکن چونکہ مدعا علیہ کو اقبال ہے کہ مدعی زیور وزنی دو سو روپیہ بعوض (ماصہ عہ/) رہن رکھ کر روپیہ لے گیا مگر زیور مرہونہ جرمن سلور کا ہے اور مدعی کو دعوی ہے کہ میں نے زیور چاندی کا رکھا یعنی غیر اس کے جو عدالت میں مدعا علیہ نے پیش کیا تو لائق تصفیہ یہ ہے کہ بصورت عدم ثبوت قول فریقین بحالت اقبال فریقین بصراحت مذکورہ کس کا قول لائق اعتبار ہے، مسئلہ یہ ہے کہ جس ایسے دعوی میں کہ راہن کہے میں نے زیور اس کا غیر رہن رکھا ہے اور مرتہن کہے یہی رکھا ہے، قول مرتہن معتبر ہے کہ وہ قابض ہے (ترجمہ درمختار جلد رابع ص ۴۸۰) چونکہ نفس رہن و تعداد زر رہن میں اختلاف نہیں پس جبکہ قول مرتہن معتبر ہے مگر بحلف، لیکن یہاں استدعا مدعا علیہ کی نسبت اخذ حلف مدعی کے نہیں تو قابل نفاذ حکم حسب قول مدعا علیہ زیور مرہونہ یہی جرمن سلور کا رہا جو بادائے (ماصہ عہ/) دعوی مدعی لائق ڈگری ہے بنابراں حکم ہوا کہ دعوی مدعی واسطے دلائے جانے اسی زیور موجودہ کے بادائے (ماصہ عہ/) کے بحق مدعی ڈگری ہوا انتہی تمام تجویز و فیصلہ کا حاصل اس قدر ہے، اس میں تنقیح دوم خلاف مدعی علیہ تجویز ہونا ضرور حق و بجا ہے باقی تمام تجویز میں براہ بشریت غلطی ہوئی تنقیح اول کو خلاف مدعی تجویز فرمانے کی تینوں وجہیں محض ناکافی۔ **تناقض دعوی** جس کا ضرر خود جانب مدعی عائد ہو ہرگز مانع صحت دعوی نہیں، پہلے وہ زیور نقرہ وزنی مال (مااصہ عہ/) کا مدعی تھا پھر صرف وزنی مال بیان کیا اس میں اپنے ہی لئے (صہ۔عہ/) بھر چاندی کی کمی کرلی اسے جزء متروک کہتے ہیں نہ کہ تناقض

جس کا حاصل یہ کہ اب اس کا دعوی صرف دو سو روپے بھر زیور نقرئی کی نسبت رہا زیادہ کا دعوی متروک ہوگیا نہ کہ تمام وکمال باطل ٹھہرا۔ جامع الفصولین جلد اول ص ۱۳۵ میں ہے:

التناقض علی نفسه لایمنع صحة الدعوی لانه ادعی اولا کل المال لنفسه ثم ادعی بعضه فقد ادعی انقص من الاول فتسمع[1]۔	اپنے معاملہ میں تناقض صحت دعوی کے لئے مانع نہیں ہے اس لئے کہ پہلے کل مال کا دعوی اپنے لئے کیا پھر بعض مال کا، تو یہ پہلے مال سے کم ہے تو قابل سماعت ہوگا۔(ت)

ایضًا ص ۱۲۷:

ادعاہ مطلقًا فقال المدعی علیه فی دفعه انه کان ادعاہ بسبب فقال المدعی انا ادعیه الاٰن بذٰلك السبب وترکت دعوی الملك المطلق تسمع دعواہ ثانیا ویبطل الدفع[2]۔	کسی نے مطلقًا دعوی کیا تو مدعی علیہ نے دفاع میں کہا اس نے تو سبب سے متعلق دعوی کیا تھا اس پر مدعی نے کہا میں اسی سبب کے متعلق دعوی کررہا ہوں اور پہلا مطلق دعوی ترک کرتا ہوں تو سماعت دوبارہ ہوگی اور مدعی علیہ کا دفاع باطل ہوجائیگا۔(ت)

ایضًا ص ۱۴۵:

ادعی علیه اربعة اشیاء سماھا فانکر فحلف ثم قال المدعی کنت اخذت الاثنین من الاربعة وبرھن علی الاثنین تقبل[3]۔	ایک نے دوسرے پر چار چیزوں کا دعوی کیا مدعا علیہ نے انکار کردیا اور قسم اٹھالی، پھر مدعی نے دعوی میں کہا کہ میں نے دو چیزیں چار میں سے لے لی تھیں اور باقیماندہ پر دو گواہ پیش کئے تو گواہی قبول ہوگی(ت)

ایضًا ص ۱۲۵:

التناقض انما یمنع اذا تضمن ابطال حق علی احد[4]۔	تناقض اس وقت مانع ہوگا جب اس سے کسی کا کسی پر حق باطل ہوتا ہو۔(ت)

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۳
[2] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۷
[3] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۵
[4] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۵

فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

ادعی علی آخر نصف دار معین ثم ادعی بعدذلك جمیع الدار لایسمع عــــہ وعلی القلب یسمع [1]۔	ایک نے دوسرے پر کسی معین دار کے نصف کا دعوی کیا پھر کل دار کا دعوی کردیا تو یہ دعوی قابل سماعت نہیں، گر اس کا عکس ہو تو قابل سماعت ہوگا۔(ت)

عالمگیری جلد چہارم ص۲۵۰:

لوادعی انھا له ورثھا من ابیه ثم ادعی ھو مع اٰخر انھماورثاھامن المیت و	کسی نے ایک حویلی کے متعلق دعوی کیا یہ میری ہے اور مجھے والد کی وراثت میں ملی ہے، پھر اس نے

عــــہ: والصواب انه یسمع فی الوجھین جمیعا الا اذاکان قال وقت دعوی النصف لاحق لی فیھا سوی النصف فحینئذ لاتسمع دعویاہ جمیعا کذافی المحیط [2] اھ ھندیة.

اقول:وذٰلك للتناقض الصریح بین قولیه وقد عادیدعی اکثر مما ادعی اولا فبطل القولان بخلاف ماذاادعی اولا جمیع الدار ثم ادعی نصفھا وقال لاحق لی فیھا سوی النصف حیث تقبل الدعوی الثانیة لانه من باب ترك بعض الدعوی و التناقض علی نفسه لایضر صحة الدعوی کمااسمعناك من جامع الفصولین ۱۲منه۔

عــــہ: درست یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں قابل سماعت ہے ہاں اگر نصف کے دعوی کے وقت یہ کہہ دیا ہو کہ باقی میں میرا حق نہیں تو اس صورت میں دونوں دعوے قابل سماعت نہ ہوں گے، جیساکہ محیط میں ہے اھ ہندیہ۔ **میں کہتا ہوں** یہ اس لئے کہ اس صورت میں اس کے دونوں قول میں تناقض ظاہر ہے کہ پہلے دعوی کے مقابلہ میں دوسرے میں زیادہ کا مدعی ہے لہٰذا دونوں قول باطل ہوں گے اس کے برخلاف جب پہلے کل دار کا مدعی ہو اور بعد میں نصف کا، اور ساتھ ہی کہہ دیا ہو کہ باقی میں میرا حق نہیں ہے تو دوسرا قبول کیا جائے گا کیونکہ پہلے دعوی کے بعض کو اس نے ترک کردیا جبکہ اپنے حق میں تناقض صحت دعوی کو مضر نہیں ہے جیساکہ قبل ازیں ہم نے آپ کو جامع الفصولین سے سنایا ہے ۱۲منہ (ت)

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الدعوٰی الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۸۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۰

اقاما البینۃ علٰی ذٰلك تقبل کذا فی الخلاصۃ[1]۔	کسی دوسرے کے اشتراک سے دعوٰی کیا کہ یہ حویلی ان دونوں کو میت سے وراثت میں ملی ہے اور اس پر انہوں نے گواہی پیش کردی تو گواہی مقبول ہوگی۔ خلاصہ میں اسی طرح ہے۔ (ت)

مدعی کی لغو بیانی کبھی ہر گز ثابت نہیں، چاندی کا نرخ کم ہونا اسے مستلزم نہیں کہ دو سو روپے کا قیمتی نہ ہوسکے، کیا صنعت کوئی چیز نہیں، کیا اس سے شے کی مالیت "اضعافا مضاعفہ" نہیں ہوجاتی دہلی کے سادہ کاری کے چھلے، انگوٹھیاں، نونگے، تعویذ، وزن میں حباب کے مثل ہوتے ہیں اور قیمت کس درجہ زیادہ۔ ولہذا شرعًا حکم ہے کہ ان کی زکوٰۃ خلاف جنس سے دی جائے تو قیمت صناعی کا اعتبار ہوگا نہ کہ وزن کا، معراج الدرایہ و نہر الفائق ورد المحتار وغیرہا میں:

لہ ابریق فضۃ وزنہ مائتان وقیمتہ ثلثمائۃ[2]۔	کسی کا چاندی کا کوزہ جس کا وزن دو سو درہم ہے اور اس کی قیمت تین سو درہم ہے۔ (ت)

نیز جامع الرموز وشامی وغیرہما میں:

ابریق فضۃ وزنہ مائۃ درہم وقیمتہ بصناعتہ مائتان[3]۔	چاندی کا کوزہ وزن سو درہم اور اس کی بناوٹی قیمت دو سو درہم ہے۔ (ت)

وغیرہ ذلک تصریحات فقہائے کرام دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ سو روپے بھر زیور کی بھی قیمت دو سو روپے بلکہ زائد ہوسکتی ہے نہ کہ دو سو روپے بھر کی قیمت دو سو روپے ہونا محال ٹھہرے، **اختلاف گواہان** کی وجہ اول تو سخت عجیب ہے، شفیع خاں کا اس وقت ہمراہ مدعی ہونا اگر ایک گواہ نے بیان کیا تو دوسرے نے اس سے انکار تو نہ کیا کہ باہم اختلاف گمان کیا جائے اسے اصل مقدمہ سے کیا تعلق تھا جس کا بیان ہر گواہ پر لازم ہوتا ہے اور بفرض باطل اگر لازم ہوتا بھی تو دوسرے کا بیان بوجہ ترک امر ضروری ناقص ٹھہرتا اختلاف شہادت اس وقت بھی نہ کہہ سکتے کہ ذکر وعدم ذکر تخالف نہیں بلکہ ذکر وذکر عدم، ہم بارہا فیصلات ریاست کے ایسے خود قرار دادہ اختلاف پر بحث کرچکے اور آیات قرآنیہ سنا چکے ہیں کہ ایک ہی قصے کے بیان میں رب عزوجل نے ایک جگہ ایک بات ذکر فرمائی دوسری جگہ ترک فرمائی کیا **معاذ اللہ** اسے قرآن عظیم

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۱

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰

[3] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۱۱، ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰

کااختلاف قرار دیاجائے گاحالانکہ رب عزوجل فرماتا ہے:

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ﴿۸۲﴾ "[1]	کیاقرآن میں تدبر نہیں کرتے اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں کثیر اختلاف پاتے۔(ت)

اور اسکی تو لاکھوں مثالیں ملیں گی کہ بہت باتیں جو قرآن عظیم نے ذکر قصص میں ترک فرمائیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام نے بیان فرمائیں، کیا یہ اللہ ورسول کا اختلاف بیان ٹھہرے گا والعیاذ باللہ تعالٰی۔اختلاف دوم کی بھی حالت اسی کے قریب ہے گواہ اول نے مدعی کا ایک کاغذ لکھنا بیان کرکے صاف کہہ دیا کہ یاد نہیں کس نے لکھا تھا تو وہ اس کے کلام میں ذکر تحریر کالعدم ہوگیا،ایک شخص کہے زید نے فلاں کام کیا دوسرا کہے یاد نہیں کس نے کیا تو اس میں کیا اختلاف بیان ہوا،معہذا اگر اس کا وہی قول لیجئے کہ مدعی نے ایک کاغذ لکھا تو اس کے کلام میں یہ کہاں ہے کہ مدعاعلیہ نے کچھ نہ لکھا اسکا ترک ذکر ہے نہ ذکر نفی اور گواہ دوم مدعاعلیہ کا ایک رقعہ لکھنا بیان کرکے کہتا ہے اور کوئی رقعہ نہیں لکھا گیا تھا یہ بظاہر اس تقدیر پر کہ گواہ اول کے بیان میں مدعی کا کاغذ لکھنا بالجزم فرض کرلیں اختلاف مذکورہ فیصلہ سے زیادہ اختلاف موہوم ہوسکتا ہے کہ وہاں اثبات تھا اس میں نفی ہے مگر ذی علم فاضل مجوز نے اسے قلم انداز فرمایا اور وجوہ اختلاف میں نہ لیا اور ایسا ہی چاہئے تھا کہ یہاں اثبات ونفی ایک شیئ پر وارد نہیں جس سے اختلاف پیدا ہو عرف ناس سے آگاہ اول نے لفظ رقعہ نہ کہا کاغذ کہا وہ رقعہ سے عام ہے اور خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں ممکن کہ عام دوسرے فرد کے ضمن میں متحقق ہو یعنی مدعی نے کوئی رقعہ لکھا ہو بلکہ اور کوئی کاغذ مثل یادداشت فہرست زیور وغیرہ تحریر کیا ہو،اس میں کیا تناقض ہوا،ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ حالانکہ مدعاعلیہ فارسی لکھنا نہیں جانتا معلوم نہیں کس بناپر ہے کیا مدعاعلیہ کا زبانی انکار ہوا وہ مان لیا،یا اس کی نفی پر کوئی شہادت گزری حالانکہ ایسی نفی پر شہادت اصلاً مسموع نہیں۔شخص غیر اور خود مدعاعلیہ کے لکھنے میں کیا منافات ہے اگر اظہار گواہ دوم میں یہ لفظ کہ اپنے ہاتھ سے لکھانہ ہو جب تو ظاہر ہے کہ لکھوانے کو لکھنا برابر عرف شائع ہے خود اسی فیصلہ میں مجوز نے فرمایا کہ مدعی نے تفصیل زیور عرضی دعوی میں تحریر کی وزن ہر عدد کا تحریر کیا حالانکہ عرضی دعوی غالبًا وکلاء لکھتے ہیں نہ کہ خود مدعی۔اور اگر اظہار میں اپنے ہاتھ سے لکھنے کا ذکر ہے جب بھی کیا دونوں کا لکھنا جمع نہیں ہوسکتا۔کیا اکثر ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی خود مسودہ کرکے جس کے متعلق ہے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۲

اسے دکھا کر پسند کراکر دوسرے سے صاف کرادیتا ہے خصوصًا وہ کہ بدخط ہو۔کیا ممکن نہیں کہ اس نے جو لکھ کردیا کہیں مشکوک تھا مدعی نے تبدیل چاہی اس نے دوسرے سے لکھوادیا اور اصل یہ ہے کہ ایسی فضول باتوں میں اختلاف پر نظر نامعتبر،اگر اس نے خود لکھا تو کیا فائدہ دوسرے سے لکھوایا تو کیا نقصان،مدعی نے لکھا تو کیا نفع،مدعی علیہ نے لکھا تو کیا ضرر،اور اگر دونوں نے لکھایا کسی نے نہ لکھا تو اس سے معاملہ پر کیا اثر۔ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب مہذب وظاہر الروایۃ وقول امام و معتمد جماہیر کتب مستندہ میں اختلاف صرف وہ مضر ہے جو اصل معاملہ پر خلل انداز ہو،زائد وفضول باتیں کہ یوں ہوں تو دعوی میں خلل نہیں،یوں ہوں تو ضرر نہیں،محض نظر انداز ہیں ان میں اختلاف اصلًا قابل لحاظ نہیں،ہم نے اپنے فتاوٰی میں ریاست رامپور ہی کے ایک فیصلہ پر اس مسئلہ کے متعلق کتب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لے کر بحر الرائق وغیرہ کتب معتمدہ متاخرین تک بائیس کتابوں کی سند پیش کی ہے یہاں اسی قدر کافی کہ فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیری وغیرہما میں تصریح ہے کہ:

التناقض فیما لایحتاج الیہ لایضر[1]۔	اگر غیر ضروری چیز میں تناقض ہو تو مضر نہیں ہے۔(ت)

ذی علم مجوز نے تو ایک کا ہمراہی شفیع خاں بیان کرنا دوسرے کا اسے ذکر نہ کرنا اختلاف مضر قرار دیا اور فتاوٰی امام قاضی خاں و بحر الرائق وفتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں اور نص صریح امام محرر المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تصریح ہے کہ اگر ایک نے کہا فلاں شخص اس وقت ساتھ تھا دوسرے نے صاف انکار کیا کہ وہ ساتھ نہ تھا جب بھی شہادت میں خلل نہیں کہ مطلب سے زیادہ باتوں میں اختلاف ناقابل التفات ہے،عبارت یہ ہے:

قال احدھما کان معنا فلان وقال الاٰخر لم یکن معنا فلان ذکر فی الاصل انہ یجوز ولاتبطل ھذہ الشھادۃ[2]۔	ایک نے کہا وہ فلاں ہمارے ساتھ تھا،دوسرے نے کہا ہمارے ساتھ نہ تھا،تو اصل میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ شہادت باطل نہ ہوگی۔(ت)

جہالت شہادت بھی وہ مضر ہوتی ہے جس سے طریق حکم مسدود ہو ورنہ تصریح ائمہ ہے کہ مذہب اصح وارجح ومعتمد میں ہرگز مضر نہیں،فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل ادعی فی دار رجل طریقا و	ایک شخص نے دوسرے کی حویلی میں اپنے راستہ کا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

اقام البینة فشھدا الشھود بان لہ طریقا فی ھذہ الدار جازت شھادتھم وان لم یجدوا الطریق لان الجھالة انما تمنع قبول الشھادة اذا تعذر القضاء بھا وھٰھنا لایتعذر فان عرض الباب العظمی یجعل حکما لمعرفة الطریق[1] اھ مختصرا۔	دعوٰی کیا اور اس پر گواہ پیش کئے تو گواہوں نے گواہی دے دی کہ اس حویلی میں اس کا راستہ ہے تو یہ شہادت جائز ہے اگر حویلی میں راستہ موجود نہیں پاتے، کیونکہ جہالت وہاں شہادت کی قبولیت میں مانع ہوتی ہے جب وہ قضا کو متعذر بنادے جبکہ یہاں متعذر نہیں ہے کیونکہ بڑے دروازے کی چوڑائی سے راستے کا فاصلہ معلوم ہوسکتا ہے اھ مختصراً۔ (ت)

اسی میں ہے:

قدمت ماھو الاظھر الاشھر[2]۔	میں مشہور اور اظہر کو پہلے لاتا ہوں (ت)

طحطاوی ورد المحتار میں ہے:

قدمہ قاضی خاں فکان ھو المعتمد[3]۔	قاضی نے اس مسئلے کو پہلے ذکر کیا ہے لہٰذا یہی قابل اعتماد ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

الاصح ان ھذہ الشھادة مقبولة علی کل حال کذافی المحیط[4]۔	یہ شہادت بہر صورت مقبول ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

اور یہاں طریق حکم واضح ہے جسے عنقریب بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالٰی ظاہر ہے کہ شہادت اس امر کے لئے درکار ہوتی ہے جس میں فریقین مختلف ہوں نہ کہ اس کے لئے جس میں اتفاق ہو ایک سو پندرہ روپے کے عوض زیور رہن رکھا جانا اور اس کا دو سو روپے بھر وزن میں ہونا مرتہن کو خود قبول ہے تو وزن پر شہادت کی اصلاً حاجت نہ تھی، اختلاف اس میں تھا کہ زیور چاندی کا تھا یا

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الدعوٰی باب الیمین رجل ادعی نولکشور لکھنؤ ۳ /۵۱۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں مقدمة الکتاب نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰة باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۵

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۱۰۴

جرمن سلور کا، اس کی نسبت دونوں گواہوں نے بالاتفاق موافق دعوی شہادت ادا کی تو یہ بینہ اس اقرار مرتہن سے مل کر ثبوت دیتی ہے کہ چاندی کا زیور وزن میں دو سو روپے بھر (ما☆☆) کے عوض مرہون تھا اب طریق حکم میں کیا خفا ہے شہادتیں جب کہ موانع قبول نہ رکھیں مجوز پر لازم ہوا کہ دو سو روپے بھر نقرئی زیور (ما☆☆) لے کر راہن کو واپس دینا مرتہن پر لازم کرے اور اعداد زیور کا شہادت سے تحقیق نہ ہونا مانع حکم نہ ہوگا کہ جنس شیئ مدعی مع وزن وقدر زر رہن معلوم ہولی اسی قدر اس پر الزام حق کے لئے کافی ووافی ہے، معین الحکام ص ۱۴۴ میں ہے:

لو قالوا نشھد ان له علیه دراہم لانعرف عددھا فھی ثلثة. وکذالو شھدوا ان علیه دریھمات جعلت ثلثة ثم حلف علی شھادتھم لان الشھود قد بینوا بشھادتھم شیئا معلوما وھی الدراہم ویحلف مع شھادتھم لجواز ان یکون اکثر من ذلک[1]۔	اگر گواہوں نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ اس کے دوسرے پر دراہم ہیں جن کی مقدار معلوم نہیں تو تین درہم کا حکم ہوگا اور یونہی اگر انہوں نے دراہم کی جگہ دریہمات کہا یعنی جمع کی تصغیر بتائی تو بھی تین ہی ہونگے، پھر قاضی اس شہادت کے ساتھ ساتھ مدعا علیہ سے قسم لے گا (کہ اس سے زائد نہیں) کیونکہ گواہوں نے ایک معلوم چیز کی شہادت دی یعنی دراہم جس کی تعداد معلوم نہیں، قسم اس لئے لی جائے گی کہ ہوسکتا ہے تعداد تین سے زیادہ ہو، زائد کے انکار پر قسم ہوگی۔ (ت)

دیکھو فقط اتنی شہادت پر کہ مدعا علیہ پر مدعی کے کچھ روپے ہیں یا تھوڑے سے درم ہیں حالانکہ گواہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہمیں گنتی نہیں معلوم کہ کتنے روپے آتے ہیں شرع نے گواہی مقبول رکھی اور اقل درجہ یعنی تین روپے لازم کئے اور اسے ایک شے معلوم پر شہادت دینا فرمایا یعنی روپے جس سے فقط جنس مدعٰی بہ کا علم ہوا نہ کہ عدد وزن مجموع کا جس کے علم سے گواہوں نے صاف انکار کردیا، تو یہاں کہ شاہدوں نے جنس بھی بتائی کہ چاندی کا تھا اور مجموعی وزن بھی بتایا کہ دو سو روپے بھر تھا اور خود یہ مجموعی وزن فریقین کو تسلیم بھی ہے، یہ کیونکر شہادت مجہولہ قرار پاکر رد ہوسکتی ہے۔ غرض تنقیح اول کی تجویز سراسر غلط واقع ہوئی، اس کے بعد فیصلے میں اور سخت بھاری غلطیاں ہوئیں جن کا اندازہ بھی دشوار ہے، ذی علم فاضل مجوز نے یہاں مدعی اور مدعا علیہ کی شناخت میں غور نہ کیا عوام کا خیال یا عرف یہ ہے کہ جو کچہری میں پہلے آکر نالشی ہو مطلقًا وہی مدعی ہے اور جواب دینے والا مدعا علیہ۔ مگر شرع مطہر میں ہزار بار

[1] معین الحکام الباب الحادی والعشرون مصطفی البابی الحلبی مصر ص ۱۱۶

اس کا عکس ہو جاتا ہے جو نالش لے کر آیا مدعا علیہ ٹھہرتا اور جواب دہندہ مدعی قرار پاتا ہے۔ ولہذا علماء فرماتے ہیں کہ مدعی اور مدعا علیہ میں تمیز کرنی ایک سخت مہم ودشوار کام ہے جس میں غور کامل حاکم پر فرض تام ہے مثلاً زید عمرو پر مدعی ہوا کہ اس پر میرے ہزار روپے قرض آتے ہیں، عمرو نے جواب دیا میں ادا کرچکا ہوں اب عمرو مدعی ہے کہ ادائے دین کا دعوی کرتا ہے اور زید مدعی علیہ کہ انکار کرتا ہے، ذی علم پر اس کے نظائر کا وفور مخفی نہیں یہاں جب کہ مرتہن نے دو سو روپے بھر وزن کا زیور رہن لے کر (☆☆) قرض دینے کا اقرار اور ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی دنیادار علی الخصوص دادستد والا ہندو ہرگز دو روپے کا مال رہن لے کر (ما☆☆) قرض نہ دے گا، ہندوؤں کا تو عام قاعدہ ہے کہ برابر قیمت کا زیور بھی ہرگز قبول نہیں کرتے جب تک مقدار دین سے ڈیوڑھا دونانہ ہو، تو ظاہر یہی ہے کہ وہ زیور ضرور چاندی کا تھا اور ضرور (☆☆) سے زیادہ قیمت کا تھا جب تو ہندو نے اس پر (ما☆☆) دے دئے۔ اب اس کا یہ ادعا کہ راہن نے مجھے دھوکا دے کر جرمن سلور کا زیور چاندی کا بتا کر (☆☆) مجھ سے لے لئے محض خلاف ظاہر ہے جو بے شہادت صحیحہ ہرگز قابل قبول نہیں ورنہ ہر شخص ہمیشہ ایسے ہی دھوکے کا ادعا کرکے لوگوں کا مال ہضم کرلیا کرے کہ آج کل شہادتوں کا معیار شرع پر ٹھیک اترنا بہت دشوار ہے خصوصاً جہاں فضول وزوائد محض باتوں کے ذکر وعدم ذکر پر گواہیاں رد ہوتی ہوں تو معاملہ خود ان کی قسم پر آکر پڑے گا جو ایسے پیچ کریں انہیں قسم کھاتے کیا لگتا ہے اور اس فیصلہ موجودہ کا سا فیصلہ ہوا تو قسم کی بھی حاجت نہیں یوں ہی مال ہضم ہے، کیا شرع مطہر اسے گوارا کرسکتی ہے حاشا وکلا، سخت عجب ہے کہ فاضل مجوز کو خود معلوم تھا کہ جرمن سلور کا زیور بتانے میں مرتہن ہی شرعاً مدعی ہوگیا اور راہن اس بارہ میں مدعا علیہ ہے جب تو اس تنقیح دوم کا بار ثبوت مرتہن پر رکھا تھا، ثبوت مدعی پر ہوتا ہے یا منکر پر۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر[1]۔	گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم منکر پر ہے۔ (ت)

تو قطعاً مانا کہ مرتہن مدعی ہے اور قطعاً جانا کہ اس کا ثبوت دینا اس پر ہے اور صاف تصریح فرمائی کہ وہ اصلاً ثبوت نہ دے سکا اور ظاہر ہے کہ راہن نے جرمن سلور ہونے کا اقرار نہ کیا نہ وہ اس پر قسم کھانے

[1] صحیح البخاری کتاب الرھن ۱/ ۳۴۲ و جامع الترمذی ابواب الاحکام ۱/ ۱۶۰، سنن الدار قطنی باب فی المرأۃ تقتل اذا ارتدت نشتر السنۃ ملتان ۴/ ۲۱۸، السنن الکبرٰی کتاب الدعوٰی والبینات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

سے منکر ہوا تو بینہ اقرار نکول تینوں طریقے معدوم، اور محض اس مدعی یعنی مرتہن کے زبانی بیان جرمن سلور ہونا مقبول، یوں ہو تو لوگوں کے جان ومال ہلاک وتلف ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو یعطی الناس بدعوٰھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ[1]۔	لوگ اگر اپنے دعوٰی پر دے دئے جائیں تو لوگوں کے خون اور مال کا دعوٰی کر بیٹھیں ہاں یوں ہے کہ مدعا علیہ پر قسم ہے۔

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ روایت درمختار کو اس سے علاقہ نہیں وہ وہاں ہے کہ مرتہن خلاف ظاہر کا مدعی نہ ہو تو آپ ہی اس کا قول معتبر ہوگا کہ وہ قابض ہے یہاں خود مجوز کو اعتراف ہے کہ مرتہن امر خلاف ظاہر کا مدعی ہے جب تو تنقیح دوم میں لکھا تھا کہ ثبوت ذمہ مدعا علیہ ہے، کیا جس کی بات ظاہر کے خلاف ہے، اگر ادعائے خلاف ظاہر کی حالت کو بھی یہ روایت شامل ہو تو بنیوں کی ایک ایک دیا سلائی لاکھ لاکھ روپے کی ہو جائے، زید نے کسی بنئے سے کچھ رہن رکھ کر لاکھ روپے قرض لئے جب وہ قرض ادا کرنے آئے بنیاد یا سلائی کی ایک ڈبیا دکھائے کہ یہ رہن رکھ کر لاکھ روپے مجھ سے لے گئے تھے مدیون گواہ پیش کرے ان میں کسی لفظ زائد وبیکار کے ذکر وترک کا اختلاف پڑ جائے جس سے عام شہادتوں کا خالی ہونا سخت ہی دشوار ہے گواہیاں تو یوں رد ہوگئیں اور اب قول مرتہن کا معتبر ہے، حکم ہو جائے کہ راہن کو ڈگری دی گئی مگر کیسی، یوں کہ یہی دیاسلائی قابل نفاذ حکم ہے لاکھ روپے ادا کرکے دیاسلائی گھر کولے جائے، اس صورت کو باطل مانئے تو کیوں، حالانکہ روایت درمختار کا اطلاق اسے بھی شامل ہے اس میں اسی قدر تو ہے کہ:

قال الراھن الرھن غیر ھذا وقال المرتھن بل ھذا ھو الذی رھنتہ عندی فالقول للمرتھن لانہ القابض[2]۔	یعنی راہن نے کہا مرہون اور چیز تھی، مرتہن نے کہا بلکہ یہی تھی، تو قول راہن کا معتبر ہے کہ وہ قابض ہے۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب الیمین علی المدعی علیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴

[2] درمختار کتاب الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۷

اس سے لاکھ روپے اور دیا سلائی کی ڈبیہ کا مسئلہ کیونکر خارج کیجئے گا۔ رہن یہی تھی یا اور چیز تھی یہاں بھی صادق۔ لاجرم ماننا پڑے گا کہ یہ اس صورت کو شامل نہیں جس میں مرتہن خلاف ظاہر ادعا کرے تو بعینہٖ یہی علت یہاں بھی ہے، مرتہن خلاف ظاہر ہی کا مدعی ہوا ہے جب تو اس تنقیح کا بار ثبوت اس پر تھا، لاجرم عالمگیریہ میں فرمایا:

الظاہر یکذبہ (ای المرتھن) فیما قال فلا یقبل قولہ اذا جحد الراھن ذٰلک کذا فی المحیط[1]۔	ظاہر حال اس کو یعنی مرتہن کو جھوٹا قرار دیتا ہے لہٰذا اس کا قول معتبر نہ ہوگا جبکہ راہن اس کا انکار کررہا ہے محیط میں یونہی ہے۔ (ت)

پھر اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ اس روایت غیر متعلقہ کے بھی خلاف کیا گیا روایت میں قول مرتہن کیلئے مانا ہے اور قول کسی کا معتبر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس سے حلف لیا جائے گا اگر حلف کرے اس کا قول مقبول ہو، خود فاضل مجوز کو اقرار ہے کہ قول مرتہن معتبر ہے مگر بحلف، صورت دائرہ میں بے حلف ہی اسی کا قول معتبر ہوگیا اور اس کا عذر یہ تحریر فرمایا کہ مدعی نے اس کے حلف کی استدعا نہ کی، سبحان اللہ اگر مدعی گواہ نہ دے سکے اور حلف مدعا علیہ کی خود استدعا بھی نہ کرے کہ ان کچہریوں میں یہ معمول کالمنسوخ ہورہا ہے تو اب قاضی کو حکم ہے کہ بلا گواہ و بلا حلف خود بخود قول مدعا علیہ خلاف مدعی قبول کرکے فیصلہ دے دے، فتاوٰی امام قاضیخاں و اشباہ والنظائر و فتاوٰی خیریہ میں ہے:

القاضی لایقضی الابالحجۃ وھی البینۃ اوالاقرار والنکول[2]۔	قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ کرے گا اور وہ حجت گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے (ت)

پھر لطف یہ کہ ساری بلا تو مدعی بیچارے کے سر پڑی کہ (☆☆) چہرہ دار دے کر دو روپے کا کھلونا لے لے اور نام یہ فرمایا گیا کہ مدعی کی ڈگری ہوئی۔ بالجملہ اس فیصلہ کا منسوخ کرنا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۹۲

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۴۲، فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۵۱، الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱ /۳۳۸

لازم ہے بلکہ اسے تو منسوخ کرنا بھی کیا کہئے منسوخ تو وہ ہو جو کچھ وجود بھی رکھتا ہو نہ یہ کہ تجویز کہ اصلاً کسی اصل شرعی، عقلی، عرفی سے لگاؤ نہیں رکھتی جس میں مرتہن کو کہ مدعی ہو لیا، مقبول القول مانا گیا اور وہ بھی ایسا کہ اس کی نری زبان بلاحلف مقبول، نسأل الله العفو والعافیة انصافاً (ہم اللہ تعالٰی سے عفو ومعافی کا سوال کرتے ہیں انصاف کے طور پر) یہاں طریق حکم یہ ہے کہ اگر گواہان راہن کی وہ دونوں شہادتیں بروجہ شرعی گزر چکی ہیں تو ان سے زیور نقرئی وزنی دو سو روپے بھر ہونا ضرور ثابت ہے۔ مرتہن پر لازم کیا جائے کہ چاندی کا زیور اتنے وزن کا پیش کرے اگر وہ لے آئے اور اسی تفصیل کے مطابق ہو جو راہن نے بیان کی فبہا، اور اگر راہن کہے کہ یہ وہ زیور نہیں تو اب روایت درمختار اس مسئلہ سے متعلق ہوگی راہن تفصیل پر گواہ نہ لایا تو مرتہن سے حلف لے، اگر وہ حلف کرے تو نقرئی دو سو روپے بھر کا زیور کہ مرتہن پیش کرے مرہون قرار پائے راہن (ماصہ عہ/) دے کر وہ چاندی کا زیور لے لے، اور اگر مرتہن زیور نقرہ سے منکر ہی رہے تو یہ ٹھہرے گا کہ زیور اس نے تلف کردیا ایک سو پندرہ روپے بھر کے عوض تو مرتہن کا دین ساقط ہوگیا باقی (پچاسی صہ لہ) روپے بھر چاندی راہن کو واپس دے۔ عالمگیری باب رہن الفضۃ بالفضۃ میں ہے:

یجوز رہن الدراہم والدنانیر فان رہنت بجنسہا فھلکت ھلکت بمثلہا من الدین وان اختلفا فی الجودۃ وھذا عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	دراہم ودیناروں کا رہن رکھنا جائز ہے تو اگر یہ بجنسہا رہن رکھے گئے ہوں تو ہلاک ہوجانے پر ان کی مثل لازم ہوگی اگرچہ دونوں فریق جید اور ردی ہونے میں اختلاف بھی کریں اور یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں ہے۔ الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۸ تا ۸۹: از ریاست رام پور محلّہ گھیر مردان خاں مرسلہ ضیاء الدین صاحب ۸ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

سوال اول: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہندہ دعویدار مہر کی پدر اپنے سے بقدر حصہ فرائض کے ہے اور پدر اس کا ابراء دین مہر کا مجیب ہے ثبوت ابراء دین مہر میں دو مرد اور دو عورتیں پدر ہندہ نے گزرانے ہیں جن کا حرف بحرف بیان نقل کرکے گزارش ہے کہ بروایات فقہیہ بیان شہود مشمولہ فتوٰی ثبوت ابراء دین مہر میں کافی ہے یا نہیں؟

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الرہن الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۷۳

سوال دوم: ہندہ دعویدار اس امر کی ہے کہ میری ماں کا نکاح بتعداد مہر پچاس ہزار روپیہ بکر کے ساتھ ہوا ہے بکر سے بقدر حصہ فرائض دلادیا جائے بکر مجیب ہے کہ تعداد مہر مجھے یاد نہیں مگر والدہ ہندہ نے مہر مجھے معاف کردیا ابراء مہر کی شہادت بھی پیش کی لیکن شہادت مذکور عندالعدالت کافی و مثبت نہ ہوئی ہندہ ثبوت تعداد مہر میں یہ کہتی ہے کہ مجھے ثبوت تعداد مہر کا اس وقت دینا تھا جب کہ مدعا علیہ یعنی بکر کمی بیشی تعداد مہر میں کلام کرتا بکر کو تعداد مستدعویہ سے اقرار و انکار نہیں بلکہ سکوت ہے صرف ابراء کا دعوی تھا جس کو ثابت نہ کرسکا، اب عندالشرع عدالت کو درصورت عدم ثبوت ابراء دین مہر ڈگری بحق مدعیہ باوجود نہ ثابت کرنے تعداد دین مہر کے دینی چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

بیانات متعلق سوال

بیان مرد اول کا: گواہی اللہ کے واسطے دیتا ہوں کہ میں بکر کے یہاں بیٹھا تھا کہ عمرو بغرض فاتحہ پڑھنے کے آئے بعد فاتحہ کے عمرو نے زید برادر بکر سے دریافت کیا کہ بکر کی بی بی نے اپنا مہر بخش دیا یا نہیں میرے سامنے زید برادر بکر نے کہا کہ میرے اور کریم کے سامنے بخش دیا اور عمرو سے کہا کہ تم سب لوگ گواہ رہنا وقت ۱۲ بجے دن کے بعد کا تھا بکر کی بی بی کے مرنے کے دوسرے یا تیسرے روز کا یہ ذکر ہے خوب یاد نہیں، سوال: عمرو نے دریافت کیا تھا کہ بکر کی بی بی نے مہر بخش دیا یا لاڈن کی ماں نے؟ مجھے یاد نہیں کہ کیا کہا تھا جس کے جواب میں زید نے کہا کہ مہر بخش دیا، زید نے اور بھی چند مرتبہ ہمارے روبرو بیان کیا کہ لاڈن کی ماں نے مہر بخش دیا۔ سوال: بکر کی بی بی کے انتقال کو کس قدر مدت گزری؟ تخمیناً اٹھارہ بیس سال ہوئے۔ سوال منجانب بکر: کریم مسماۃ کے حقیقی بھائی تھے؟ جواب: میں جہاں تک خیال کرتا ہوں حقیقی تھے۔

بیان دوسرے مرد کا: اللہ کو حاضر ناظر جان کر گواہی دیتا ہوں اللہ کے واسطے یہ گواہی دیتا ہوں کہ میں بعد مرنے محمد شفیع یعنی بکر کی بی بی کے میاں فیض اللہ شاہ کی بیٹی کی فاتحہ کو گیا تھا میں نے زید برادر بکر سے دریافت کیا کہ کریم کی بہن، لاڈن کی ماں نے مہر بکر کو بخش دیا زید اور کریم دونوں نے کہا لاڈن کی ماں نے مہر معاف کردیا اور یہ کہا کہ اس بات پر گواہ رہنا اٹھارہ انیس سال کا عرصہ گزرا وقت دوپہر کا تھا یہ واقعہ مرنے سے دوسرے دن کا ہے۔

بیان عورت کا: عرصہ تخمیناً بیس سال کا گزرا کہ بکر کی بی بی نے اپنے خاوند بکر کو مہر بخش دیا تھا تین مرتبہ سوال کیا کہ کس کو بخشا، جواب دیا بکر کو سوال مہر کی تعداد معلوم نہیں تعداد مہر کی بابت اس وقت ذکر میرے سامنے نہیں ہوا زبیدہ بکر کی بی بی تھیں مہر بخشنے سے دو روز بعد انتقال ہوگیا دق میں مبتلا تھیں

دو گھڑی رات گئی تھی عورتیں تھیں، مرد کوئی نہیں، فقط ان کے بھائی موجود تھے، خالد نے منجانب بکر دریافت کیا کہ زید اس وقت کہاں تھے؟ کیا گھر میں موجود تھے؟

دوسری عورت کا بیان: گواہی دیتی ہوں اللہ کے واسطے میں بکر کے گھر ان کی بی بی کی دریافت حال کے واسطے گئی تھی بکر کی بیٹی نے ان سے کہا مہر کی بابت کیا کہتی ہو، انہوں نے آنکھ کھولی اور کہا میں نے مہر بخش دیا اور میرے حقوق بھی ان سے بخشوا دیجیو، دو گھڑی رات گئی تھی، کس قدر مرد تھے؟ کوئی نہیں صرف عورتیں تھیں، جس نے پہلے گواہی دی ہے یہ تھیں؟ کہا موجود تھی، مہر کے معاف کرنے سے دو روز بعد مر گئیں جس وقت مہر معاف کیا ہے اس وقت ہوش و حواس باقی تھے۔

الجواب:

(۱) بیانات شہود اربعہ نظر سے گزرے ان میں ایک بیان بھی اس قابل نہیں کہ اس کی جانب کچھ بھی التفات کیا جائے محض مہمل و مختل ہیں۔ شہادت شہود و مشاہدہ و حضور معاینہ سے ہے دونوں مردوں میں کوئی خود اپنے سامنے زوجہ مدعا علیہ کا مہر معاف کرنا نہیں بیان کرتا بلکہ برادران زن و شو یا صرف برادر شوہر سے اپنا سننا بیان کرتے ہیں اور معافی مہران مسائل استثناء سے نہیں جن میں سماعی بات پر شہادت دینی جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:

لایجوز للشاهدان یشهد بشیئ لم یعاینه الا النسب والموت والنکاح والدخول و ولایة القاضی، و هذا استحسان والقیاس ان لاتجوز لان الشهادة مشتقة من المشاهدة وذٰلك بالمعاینة ولم یحصل فصار کالبیع، وجه الاستحسان ان هذه الامور تختص بمعاینة اسبابها خواص من الناس ویتعلق بها احکام تبقی علی انقضاء القرون فلو لم یقبل فیها الشهادة بالتسامع	گواہوں کو جائز نہیں کہ بغیر دیکھے کوئی گواہی دیں ماسوائے نسب، موت، نکاح، دخول یعنی جماع اور قاضی کی ولایت کے، یہ استحسان ہے جبکہ قیاس یہ ہے کہ ان امور میں بھی جائز نہ ہو کیونکہ لفظ شہادت مشاہدہ سے مشتق ہے اور یہ معاینہ سے ہی ہوسکتا ہے جبکہ یہاں معاینہ نہیں ہے لہٰذا یہ امور بھی دیگر معاملات بیع وغیرہ کی طرح ہوتے ہیں، لیکن استحسان اس لئے کہ یہ امور اپنے اسباب کے معاینہ سے مختص ہوتے ہیں جن کا معاینہ خاص لوگ کرتے ہیں انہی اسباب کی بناء پر ان امور کے احکام زمانہ بھر باقی رہتے ہیں تو اگر ان میں سننے سنانے پر شہادت

ادی الی الحرج وتعطیل الاحکام بخلاف البیع لانه یسمعه کل واحد[1]۔	قبول نہ کی جائے تو حرج اور احکام کی تعطیل تک معاملہ پہنچ جائے بخلاف بیع وغیرہ امور کہ ان کو ہر ایک سنتا ہے۔(ت)

بزازیہ میں کہ دربارہ مہر شہادت سماعی کی اجازت دی اس کے معنی یہ ہیں کہ مقدار مہر پر حاضران جلسہ نکاح سے جماعت عظیم یا ثقہ عادل دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کے بیان سن کر گواہی دینی جائز ہے کہ جب نکاح پر شہادت بالتسامع روا ہوئی تو مہر بھی اس کا تابع ہے نہ یہ کہ سنی سنائی معافی مہر پر شہادت جائز ہو، علمانے مہر کو گنا ہے نہ کہ معافی مہر کو، اور ان دونوں میں فرق بدیہی ہے، درمختار میں ہے:

لایشهد احدبما لم یعاینه بالاجماع الافی عشرة منها العتق والولاء عند الثانی والمهر علی الاصح بزازیة[2] الخ۔	کوئی بھی بغیر معاینہ شہادت نہ دے گا بالاجماع، مگر صرف دس چیزوں میں جن میں عتق، ولاء اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں مہر بھی اصح قول کے مطابق شامل ہے، بزازیہ الخ۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

لان المهر تبع للنکاح ذکرہ عبدالبر[3]۔	کیونکہ مہر نکاح کے تابع ہے، اس کو امام عبدالبر نے ذکر کیا ہے۔(ت)

قرۃ العیون میں ہے:

لانه من توابع النکاح فکان کاصله[4]۔	کیونکہ یہ نکاح کے توابع میں سے ہے لہٰذا اس کا وہی حکم ہے جو اصل کا ہے۔(ت)

جامع الفصولین میں ہے:

الشهادة بالسماع من الخارجین من بین جماعة حاضرین فی البیت عند النکاح	نکاح والے کمرے سے نکلنے والے لوگوں سے سن کر ہی یہ شہادت جائز ومقبول ہے کہ مہر اتنا ہے دوسرے

[1] الهدایة کتاب الشهادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸
[2] درمختار کتاب الشهادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲
[3] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الشهادات دارالمعرفه بیروت ۳/ ۲۳۶
[4] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشهادات مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۹

بان المھر کذا تقبل لا ممن سمع من غیرھم[1] (بالمعنی)۔	لوگوں سے سن کر یہ شہادت جائز نہیں، (بالمعنی) (ت)

بفرض باطل اگر یہاں شہادت بالسماع جائز بھی ہوتی تو جبکہ شاہدوں نے اپنی شہادت میں سماع ہونے کی تصریح کردی قابل قبول نہ رہی، ہدایہ میں ہے:

وینبغی ان یطلق اداء الشھادۃ ولا یفسر، اما اذا فسر للقاضی انہ یشھد بالتسامع لم تقبل شھادتہ کما ان معاینۃ الید فی الاملاک مطلق للشھادۃ، ثم اذا فسر لا تقبل کذا ھذا۔[2]	مناسب ہے کہ گواہ شہادت کو مطلق رکھیں اور تفسیر نہ کریں اور اگر قاضی کے ہاں تفسیر کردی کہ میں سن کر شہادت دے رہاہوں تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی جیسا کہ قبضہ کا بیان املاک میں مطلق ہے پھر اگر کوئی اس کو بیان کردے کہ صرف قبضہ معلوم ہے ملکیت معلوم نہیں تو ملکیت میں یہ شہادت قبول نہ ہوگی، اسی طرح یہاں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وان فسر الشاھد للقاضی ان شھادتہ بالتسامع او بمعاینۃ الید ردت علی الصحیح الا فی الوقف و الموت۔[3]	اگر قاضی کے ہاں گواہ نے تفسیر کردی میری شہادت سماع یا قبضہ پر مبنی ہے تو رد کردی جائے گی صحیح قول پر، ماسوائے موت اور وقف کے۔ (ت)

ان دونوں شہادتوں کی حقیقت تو اس قدر ہے مگر شاہدین نے یہ چاہا کہ اپنی سماعی گواہی کو شہادۃ علی الشہادۃ کے دائرہ میں لے آئیں اور غالبًا اسی لئے بیان اصول میں یہ لفظ ذکر کئے کہ تم لوگ گواہ رہنا تاکہ شرط تحمیل کریں لیکن ان سے بہت باتیں رہ گئیں جن کے سبب یہ مقصد بھی پورا نہ ہوا اور شہادت بدستور ناکارہ رہی،

اولًا: اصول یعنی برادران زن شو کا بیان شہادت نہیں، حکایت ہے کہ ان کے بیانوں میں "گواہی دیتا ہوں" کا لفظ نہیں تو یہ شہادت علی الحکایۃ ہوئی جس کا حاصل وہی شہادت بالتسامع ہے نہ کہ شہادۃ علی الشہادۃ۔ درمختار میں ہے:

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثانی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۲

[2] الھدایۃ کتاب الشھادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

[3] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲ و ۹۳

کیفیتھا ان یقول الاصل مخاطبا للفرع اشھد علی شھادتی انی اشھد بکذا[1]۔	اس کی کیفیت یہ ہے کہ اصل گواہ فرع کو خطاب کرتے ہوئے کہے کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں تو میری اس گواہی پر گواہ بن جا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ انی اشھد بکذا قید بقولہ اشھد لانہ بدونہ لا یسعہ ان یشھد علی شھادتہ[2]۔	اس کا قول "انی اشھد بکذا" یہ س کے قول "اشھد" کے لئے قید ہے کیونکہ اس قید کے بغیر وہ اپنی گواہی پر گواہ نہیں بنا سکتا۔(ت)

ہدایہ وطحطاوی میں ہے:

لابد ان یشھد عندہ کما یشھد عند القاضی لینقلہ الی مجلس القاضی وھو بالشین الثالثۃ[3]۔	اصل کے لئے ضروری ہے کہ فرع کے سامنے اس طرح شہادت دے جس طرح قاضی کے ہاں شہادت دیتا تاکہ فرع اسی کو مجلس قضاء میں نقل کرسکے اس طرح کے تیسرے شین یعنی اصل کی شہادت کو دہرائے(ت)

ثانیًا: اصل کافرع سے یہ کہنا ضروری ہے کہ میری شہادت کا شاہد رہنا بردران زن و شو دونوں کے کلام میں شہادت پر اشہاد نہیں بلکہ صرف اتنا ہے کہ تم سب لوگ گواہ رہنا یا یہ کہ اس بات پر گواہ رہنا یہ اس قدر کافی نہیں اور اس کی بناء پر جو شہادت علی الشہادت دی جائے مردود ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قید بقولہ اشھد علی شھادتی لانہ لو قال اشھد علیّ بذلك لم یجز لاحتمال ان یکون الاشھاد علی نفس الحق المشھود بہ فیکون امرا بالکذب وبعلی لانہ لو قال بشھادتی لم یجز لاحتمال ان یکون امرا بان یشھد	اشھد بشھادتی (میری شہادت پر شہادت دے) کے ساتھ اس لئے مقید کیا کیونکہ اگر اس کی بجائے بذلک (اس امر کی) کہے تو جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں احتمال رہے گا کہ اصل واقعہ پر گواہ بنارہا ہے جو جھوٹ کہنے کا حکم قرار پائے گا، اور علی شھادتی (میری شہادت پر) سے مقید اس لئے

[1] درمختار کتاب الشہادات باب الشہادۃ علی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۰

[2] ردالمحتار کتاب الشہادات باب الشہادۃ علی الشہادۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹۳

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الشہادات باب الشہادۃ علی الشہادۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۵۹

مثل شہادته بالکذب[1]۔	کیا کہ اگر "علی" کی بجائے "لشهادتی" لام کے ساتھ دے تو جائز نہیں کیونکہ احتمال رہے گا کہ اس کی شہادت جیسی شہادت دے جو کہ جھوٹ کا حکم قرار پائے گا۔ (ت)

اسی طرح حموی وطحطاوی وغیرہما میں ہے۔

ثالثاً: شاہد دوم کا بیان یہ ہے کہ زید اور کریم دونوں نے یہ کہا کہ لڈن کی ماں نے مہر معاف کردیا اور یہ کہا کہ اس بات پر گواہ رہنا۔ اس عبارت سے کچھ نہ کھلا اور یہ کہا کہ عطف "معاف کردیا" پر ہے یا "دونوں نے کہا" پر، بلکہ اول ہی قریب ہے، اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ عورت نے مہر معاف کیا اور لوگوں سے کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ رہنا، تو شاہد دوم کا بیان اس ٹوٹے پھوٹے بیان تحمیل سے بھی خالی ہے۔

بالجملہ وہ شہادتیں محض نامسموع ہیں۔ رہیں عورتیں، اول تو وہ تنہا رہ گئیں اور تنہا دو عورتوں کی گواہی بالاجماع مقبول نہیں، پھر ان کے بیانوں میں خود جو تخالف اور مردوں کے بیان کی مخالفت ہے، اس سب سے قطع نظر کیجئے تو ان کی شہادت صاف کہہ رہی ہے کہ یہ معافی مرض الموت میں ہوئی عورت دق میں مبتلا تھی یہ اس کی عیادت کو گئی تھیں اخیر وقت کی حالت تھی بیٹی نے پوچھا مہر کی بابت کیا کہتی ہو، انہوں نے آنکھ کھولی اور کہا میں نے مہر بخش دیا اور میرے حقوق بھی ان سے بخشوادیجو، دو روز کے بعد انتقال ہوگیا اور مرض الموت میں معافی وصیت ہے کہ وارث کیلئے بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

یعتبر حال العقد فی تصرف منجز فان کان فی الصحة فمن کل ماله والا فمن ثلثه، والمراد التصرف الذی هو انشاء ویکون فیه معنی التبرع وهبته ووصیته[2] اھ مختصرا۔	فوری نافذ ہونے والے معاملہ میں اس کے اجراء کا حال معتبر ہے اگر یہ صحت میں ہو تو تمام مال میں نافذ ہوگا ورنہ تو ثلث میں نافذ ہوگا اور مراد وہ تصرف ہے جو بطور انشاء ہو اور اس میں تبرع، ہبہ یا وصیت کا معنی ہو، اھ، مختصراً (ت)

طحطاوی میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات باب الشہادۃ علی الشہادۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹۳

[2] درمختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۷

والابراء والصدقة مثل ماذکر قهستانی [1]۔	اپنے حق سے کسی کو بری کرنا اور صدقہ بھی مذکور کی مثل ہوگا، قہستانی۔(ت)

تو عورتوں کی شہادت بجائے نافع ہونے کے مدعی ابراء کو اور مضر ہے کہ وہ ابراء ہوا بھی تو ایسے وقت ہوا کہ بے اجازت مدعیہ مدعا علیہ کو مفید نہیں، کلام یہاں ہنوز اور باقی ہے مگر اس قدر بھی وضوح میں کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) جبکہ بکر اثبات ابراء نہ کر سکا حاکم ہندہ سے حلف لے اگر وہ حلف سے انکار کرے ابراء ثابت ہوجائیگا اور دعوی مدعیہ رد کردیا جائیگا، اور اگر حلف کرلے تو دعوی ابراء باطل ہوگیا، اب ہندہ کا دعوی مہر باقی ہے حاکم نظر کرے کہ پچاس ہزار کا مہر جس کا ہندہ دعوی کرتی ہے آیا مادر ہندہ کے مہر مثل سے زائد تو نہیں، اگر زائد نہ ہو تو ہندہ ہرگز محتاج گواہان نہیں کہ مقدار مہر مثل تک زن و وارثان زن کا بیان بے حاجت شہادت مقبول ہے کہ بوجہ موافقت مہر مثل ان کا قول موافق ظاہر ہے اور جس کا قول موافق ظاہر ہو وہ مدعا علیہ ہے اور جو مدعا علیہ ہے بار ثبوت اس پر نہیں اس کے مخالف پر ہے یہاں تک کہ اگر مہر مثل یا اس کے ورثہ کا شاہد ہو یعنی ان کے دعوی سے مساوی یا زائد ہو اور مرد کمی کا دعوی کرے اور فریقین گواہ دے دیں تو عورت کے گواہ مسموع بھی نہ ہوں گے کہ شہادت اثبات خفی کے لئے ہے نہ کہ اظہار ظاہر کے واسطے، یہاں اگر بکر پچاس ہزار سے کم کسی مقدار کا تعین بتاتا تو وہ مدعی تھا اس سے گواہ مانگے جاتے اگر گواہان عادل سے مقدار اقل کا ثبوت دے دیتا تو ہندہ کو اسی قدر کا حصہ دلایا جاتا اور گواہ نہ دے سکتا تو ہندہ سے قسم لے کر اس کا دعوی ڈگری کردیا جاتا اس صورت میں پچاس ہزار کے گواہ نہ دے دیتی تو سن لئے جاتے کہ مدعی کی جانب گواہ نہ تھے اور اگر کوئی گواہ نہ دیتی اور قسم کھانے سے بھی انکار کرتی تو اسی مقدار اقل کا حصہ پاتی جس کا بکر مدعی ہوتا اب کہ بکر کمی کا دعوی بھی نہیں کرتا نہ اسے پچاس ہزار کے مقدار سے انکار ہے، تو بیان ہندہ کہ شہادت مہر مثل سے روشن ہے صاف بے مزاحم ہے اور اسے پوری ڈگری پانے کا استحقاق ہے، اور اگر مہر مثلاً پچاس ہزار سے کم تھا تو اب ہندہ دربارہ زیادت ضرور مدعیہ ہوگی، اور بکر کا کہنا کہ مجھے تعداد مہر یاد نہیں ہرگز جواب کافی و صحیح نہیں اسے یوں نہ چھوڑا جائے گا بلکہ حاکم اس سے سوال کرے آیا مہر پچاس ہزار کا بندھا تھا، اگر وہ کہے اتنا تھا تو کچھ کم کرکے پوچھے جو مقدار مہر مثل سے ہنوز زائد ہو اگر وہ اس کی بھی نفی کرے تو اور گھٹا کر دریافت کرے یہاں تک کہ مقدار مہر مثل تک پہنچے اگر وہ اس کی بھی نفی کرے تو حاکم اس سے قسم لے اگر وہ قسم

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض دار المعرفۃ بیروت ۳۲۸/۴

کھالے اور ہندہ اپنے دعوی کے گواہ نہ دے سکے تو حاکم صرف بقدر حصہ مہر مثل کے ہندہ کو ڈگری دے مثلاً مہر مثل تیس ہزار ہے اور بکر نے اس کی بھی نفی کی اور قسم کھالی اور ہندہ نے پچاس ہزار کے گواہ نہ دئے تو ہندہ کو تیس ہزار کا حصہ دلایا جائے اور بکر قسم کھانے سے انکار کرے تو پورے پچاس ہزار کا۔ اور اگر بکر سوال حاکم پر انکار اقرار کچھ نہ کرے یہی کہتا رہے کہ مجھے یاد نہیں تو حاکم اسے جبر کرے کہ مقدار مہر بتائے اگر نہ مانے قید کرے یہاں تک کہ کسی مقدار کی تعیین کا مقر ہو اب اگر یہی پچاس ہزار قبول کئے تو ہندہ پوری ڈگری پائے اور اب بھی اسے اثبات مقدار کی حاجت نہ رہی اور اگر کم مانے تو حاکم نظر کرے کہ جو مقدار اس نے مانی عورت کے مہر مثل سے تو کم نہیں اگر کم نہ ہو تو اب مہر مثل بکر کا شاہد ہوگا اور وہ خالص مدعا علیہ رہے گا اور بار ثبوت ہندہ پر آئے گا اگر گواہان عادل دے دے گی پورے دعوی کی ڈگری پائے گی اور اس صورت میں اگر بکر اقل کے گواہ بھی دے گا تو اسی وجہ سے جو اوپر جانب ہندہ میں مذکور ہوئی شاہدان ہندہ کے مقابل مسموع نہ ہونگے ہاں اگر ہندہ گواہ نہ لاسکی تو بکر کے گواہ سن لئے جائیں گے اور ہندہ مقدار اقل کا حصہ پائے گی اور دونوں گواہ نہ دے سکے تو بکر سے قسم لی جائے اگر قسم کھالے تو مقدار اقل کا حصہ ہندہ کو دلایا جائے قسم سے انکار کرے تو پھر بے حاجت گواہان پورا دعوی ڈگری ہو اور اگر یہ مقدار کہ بکر نے مانی مہر مثل سے بھی کم ہے تو اب مہر مثل کسی کا شاہد نہیں اس لئے کہ دعوی بکر سے زائد اور دعوی ہندہ سے کم ہے اب ان میں جو گواہ دے دے گا اسی کا قول ثابت ہوگا اور دونوں گواہ دے دیں تو مہر مثل کے حصہ کی ڈگری دی جائے گی اور کوئی نہ دے سکے تو بکر سے قسم لی جائے اگر انکار کرے تو ہندہ کا پورا دعوی ڈگری ہو اور قسم کھالے تو ہندہ سے قسم لی جائے اگر انکار کرے تو حصہ اقل دلایا جائے اور وہ بھی قسم کھالے تو مہر مثلا کے حصہ کی ڈگری ہو۔ یہ سب تفصیل اس صورت میں کہے کہ مادر ہندہ کا مہر مثل معلوم ہو اور اگر نہ معلوم ہو تو حاکم کو اختیار ہے چاہے ہندہ سے پچاس ہزار کے گواہ طلب کرے چاہے اپنے معتمدوں کے ذریعہ سے عورت کا مہر مثل تحقیق کرکے کارروائی بالا عمل میں لائے۔ جامع الفصولین میں مختلفات امام ابی اللیث سے ہے:

ادعت الفامن مهر ها علی ورثة زوجها تصدق الی تمام مهر مثلها عندح لان مهر المثل یحکم عنده فمن شهد له فله القول [1]۔	اگر عورت نے خاوند کے ورثاء پر ایک ہزار مہر کا دعوی کیا تو مہر مثل کی مقدار تک عورت کی تصدیق کی جائیگی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں، کیونکہ ان کے ہاں مہر مثل فیصل ہوتا ہے، تو مہر مثل جس کی تائید کرے اس کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

[1] جامع الفصولین الفصل العشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۹

اسی میں عدہ سے ہے:

ادعت مهرا على وارث الزوج وانكر وارثه يوقف قدر مهر مثلها ويقول القاضى لورثه كان مهرها كذا ام اعلى من ذٰلك لو قال لا قال كان كذا دون ماقاله فى المرة الاولى الى ان ينتهى الى مقدار مهر مثلها[1]۔	عورت نے خاوند کے وارث پر مہر کا دعوی کیا اور وارث انکار کرتا ہے تو مہر مثل معلوم کرکے قاضی وارث سے مہر مثل سے زائد مقدار وارث سے پوچھے گا کہ اس کا اتنا مہر ہے یا اس سے زائد ہے اگر وارث انکار کرے تو پھر قاضی پہلے سے کم مقدار پوچھے حتی کہ مہر مثل تک پہنچ کر وارث سے سوال ختم کردے۔(ت)

درمختار میں ہے:

اختلفا فی قدرہ حال قیام النکاح فالقول لمن شھد له مهر المثل بیمینه وای اقام بینة قبلت سواء شهد مهر المثل له اولها اولا ولا، وان اقاما البینة فبینتها مقدمة ان شهد مهر المثل لها لان البینات لاثبات خلاف الظاہر وان کان مهر المثل بینهما تحالفا فان حلفا او برهنا قضی به وان برهن احدهما قبل برهانه لانه نور دعواه و موت احدهما کحیاتهما فی الحکم[2]۔	نکاح کی موجودگی میں خاوند بیوی کا مہر کی مقدار میں اختلاف ہوا تو اس کی بات معتبر ہوگی جس کی تائید مہر مثل کریگا ساتھ قسم لیجائیگی، جس نے گواہ پیش کئے اسکی بات تو مقبول ہوگی خواہ مہر مثل اس کا یا بیوی یا دونوں کا موید بنے یا کسی کا نہ بنے اگر خاوند اور بیوی دونوں گواہی پیش کریں تو بیوی کی گواہی کو ترجیح ہوگی اگر مہر مثل مرد کی تائید کرے، اور مرد کی گواہی کو ترجیح ہوگی اگر مہر مثل بیوی کی تائید کرے کیونکہ گواہی سے ظاہر کا خلاف ثابت کیا جاتا ہے اور اگر مہر مثل دونوں کے دعووں کے درمیان ہو تو دونوں سے اپنے اپنے دعوی پر قسم لی جائے گی، اگر دونوں نے قسم کھائی یا دونوں نے گواہی پیش کی تو قاضی مہر مثل پر فیصلہ کردے اور اگر صرف ایک نے اپنے دعوی پر گواہی پیش کی تو اسکی گواہی قبول کی جائے کیونکہ اس نے اپنے دعوی کو واضح کردیا اور دونوں میں سے ایک کی موت ہو تو دونوں کی حیات والا ہی حکم ہوگا۔(ت)

[1] جامع الفصولین الفصل العشرون اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۵۹

[2] درمختار کتاب النکاح باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳۔۲۰۲

ردالمحتار میں ہے:

قوله لمن شهد له مهر المثل ای فیکون القول لها ان کان مهر مثلها کما قالت او اکثر، وله ان کان کما قال اواقل وان کان بینهما ای اکثر مما قال واقل مما قالت ولابینة تحالفا ولزم مهر المثل کذا فی الملتقی وشرحه قوله وان کان، هذا بیان لثالث الاقسام، فانه اذا لم یقیما البینة او اقاماها قد یشهد مهر المثل له اولها او یکون بینهما فقدم بیان القسمین الاولین فی المسألتین، وهذا بیان الثالث، وقوله فان حلفا راجع الی المسألة الاولی وقوله اوبرهنا راجع الی الثانیة لکن کان علیه حذف قوله تحالفا لانه اذبرهنا لاتحلف، قوله تحالفا فان نکلت المرأة وجب الف، و اذا نکل یقضی بالفین ماعرف ان ایهما نکل لزمه دعوی الاخر اھ وصورة المسألة فیما اذا ادعت الالفین وادعی هو الالف و کان مهر المثل الفا و خمسائة، قوله قضی به ای بمهر المثل اھ[1] مختصرا۔	ماتن کا قول "مہر مثل جس کی شہادت" یعنی بیوی کی بات مانی جائے گی جب مہر مثل اتنا ہو یا زائد ہو اور خاوند کی بات مانی جائے گی جب مہر مثل اس کے قول برابر ہو یا کم ہو، اگر دونوں کے درمیان ہو یعنی مرد کے دعوی سے زائد اور بیوی کے دعوی سے کم ہو، تو گواہی نہ ہونے کی صورت میں دونوں سے قسم ہوگی اور مہر مثل لازم ہوگا۔ ملتقٰی اور اس کی شرح میں یوں ہے ماتن کا قول "ان کان" یہ تیسری قسم کا بیان ہے، تین قسمیں یہ ہیں: (۱) دونوں نے گواہی پیش نہ کی (۲) یا دونوں نے پیش کی اور مہر مثل کسی ایک کی تائید کرے (۳) یا مہر مثل دونوں کے دعووں کے بین بین ہو، تو ماتن نے پہلے دونوں مسئلوں میں پہلی دونوں قسموں کا بیان بتایا اور اب یہ تیسرے کا بیان ہے، اس کا قول "دونوں نے اگر قسم کھائی" یہ پہلے مسئلہ کا بیان اور اس کا قول "دونوں نے گواہی پیش کی" یہ دوسرے کا بیان ہے لیکن "دونوں قسم دیں" والے قول کو حذف کرنا مناسب تھا کیونکہ جب گواہی پیش کردیں تو قسم نہیں ہوگی، اس کا قول "دونوں قسم دیں" تو عورت قسم سے انکار کرے تو خاوند کا دعوی ہزار کا واجب ہوگا اور اگر خاوند قسم سے انکار کرے تو عورت کا دوہزار فیصلہ کن ہوگا جیساکہ معلوم ہوچکاکہ جب ایک قسم سے انکار کرے تو دوسرے کا دعوی ثابت ہوجاتا ہے، یہاں مسئلہ کی صورت یہ ہے، عورت کا دعوی دوہزار، مرد کا ایک ہزار جبکہ مہر مثل ڈیڑھ ہزار ہو، اس کا قول "اس پر فیصلہ دے" یعنی مہر مثل پر، اھ مختصراً۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۶۱۔۶۲

فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذا ادعت مهرها علی وارث زوجها اکثر من مهر مثلها ان کان الوارث مقر بالنکاح یقول له القاضی أکان مهرها کذا اکثر من مهر مثلها فان قال الوارث لا، یقول القاضی أکان کذا یذکر مهر دون الاول لکنه اکثر من مهر مثلها ان قال لا، یقول له القاضی أکان کذا الی ان یاتی القاضی علی مقدار مهر المثل. فبعد ذٰلك اذا قال الوارث لا، الزمه القاضی مقدار مهر المثل ویحلفه علی الزیادة هذا اذاکان القاضی یعرف مقدار مهر مثلها فان کان لایعرف یامر امناء بالسوال ممن یعلم او یکلفها اقامة البینة علی ما تدعی[1]۔	جب عورت خاوند کے وارث پر مہر مثل سے زائد مہر کا دعوٰی کرے تو اگر وارث نکاح کا اقرار کرتا ہے تو قاضی کو چاہئے کہ وہ مہر مثل سے زائد کا وارث سے اقرار کرائے اگر وہ انکار کرے تو پھر پہلے سے کم کا اقرار کرائے اگر وہ انکار کرے تو اور نیچے آئے اور جب قاضی مہر مثل پر آجائے اور اس پر بھی وارث انکار کردے تو قاضی مہر مثل کو اس پر واجب کردے اور زیادہ سے انکار پر اس سے قسم لے، یہ جب ہے کہ قاضی مہر مثل معلوم کرچکا ہوا اور اگر اسے مہر مثل کی مقدار معلوم نہیں تو قاضی کو چاہئے کہ وہ اہل کاروں کو حکم دے کہ وہ اس شخص سے پوچھیں جو اس عورت کے مہر مثل کی مقدار کو جانتا ہو، یا پھر عورت کو پابند بنائے کہ وہ اپنا مہر مثل ثابت کرنے کیلئے گواہ پیش کرے جو مقدار ثابت کریں(ت)

جامع الفصولین میں ہے:

مات فادعت امرأته المسمی فقالت ورثته نعلم ان لك مهرا ولا نعلم قدره یجبرون علی البیان ومعنی الجبر ان یحبسوا حتی یقروا بمقدار المهر بقیام الورثة مقام الزوج[2]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	خاوند فوت ہوا تو بیوی نے مقررہ مہر کا دعوٰی کیا تو ورثاء نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ تیرا مہر ہے لیکن ہمیں مقدار کا علم نہیں تو ان کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مقدار بتائیں، اور جبر کا مطلب یہ ہے کہ ان کو مہر کی مقدار کے اقرار تک محبوس کیا جائے، کیونکہ ورثاء خاوند کے قائم مقام ہیں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ فتاوٰی قاضی خاں کتاب الدعوٰی الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۶

[2] جامع الفصولین الفصل العشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۲

مسئلہ ۹۰ تا۹۱: از ریاست جورہ ملک مالوہ محلّہ شاہ گنج ڈاکخانہ کہنہ مرسلہ حضرت سید مقبول عیسٰی میاں صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۲۶ھ

سوال اول: کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شخص متمول وصاحب ازواج واولاد واملاک تھااس کے انتقال کے بعد باہم بعد چندبرس کے بابت تقسیم ایک مکان کے جس میں مرتے دم تک زید متوفی مع سب اولاد وازواج کے رہتا تھااور اسی مکان میں انتقال کیا تکرار پیدا ہوئی تااینکہ ایک پسر نے بقدر اپنے حصہ کے تقسیم کراپانے نالش کی ایک سوتیلی بہن عذر دار جوابدہ ہوئی کہ یہ مکان میرے باپ زید نے اپنی زندگی میں میری ماں فرید بیگم کو ہبہ کیا ہے ہبہ نامہ ضائع ہوگیااور قبضہ میری ماں کا وقت ہبہ ہوگیااور بعد ماں کے میں قابض ہوں اور تین گواہ قبضہ کے پیش کئے جن کے بیان میں اختلاف کثیر ہے ایک کہتا ہے سات برس اور دوسرے کہتے ہیں بارہ تیرہ برس ہوئے اور پسر خواہندہ تقسیم کو ہبہ سے لاعلمی وانکار ہے اور گواہان پسر خواہندہ تقسیم کے بیان بمضمون واحد نسبت عدم ہبہ اور ہونے قبضہ جمیع ورثاء انتقال مورث سے آج تک مؤید دعوی خواندہ تقسیم ہے حالانکہ مکان مذکور میں دیگر ورثاء بھی اب تک سکونت رکھتے ہیں اور مستدعی تقسیم کا بھی کسی قدر اسباب اس مکان کی ایک کوٹھری میں اب تک رکھا تھاپس ایسی صورت میں قبضہ مشکور میں ازروئے شرع شریف ہبہ بحق مادر دختر بقول دختر بطور جائز متصور ہوسکتی ہے یاحالات صورت قبضہ سے ہبہ ناجائز ہوئی۔ **بینوا توجروا فقط۔**

ملخص گواہی سید امیر شاہ: مکان متنازعہ کو رسول خاں مسماۃ صنوبر بیگم مدعاعلیہا کو ہبہ کیا ہے جس کو عرصہ بہت ہوا یعنی چھ سات سال کا ہوا ہبہ کی تکمیل میرے روبرو ہوئی اور اس وقت دوسری زوجہ کو جو شامل رہتی تھی علیحدہ کرکے مسماۃ صنوبر بیگم مدعاعلیہا کا تنہا قبضہ کرادیا تھااور دوسری زوجہ کو پٹھان ٹولی کے مکان میں بود وباش کرادی گئی تھی بعد نوشت ہبہ نامہ۔

ملخص گواہی سلطان ولد نذر محمد خاں: رسول خاں جمعدار نے اپنی حیات میں مکان متنازعہ کو صنوبر بیگم کو ہبہ کیا تھا ہبہ تحریری ہوا تھااور جمعداری صاحب کے دستخط بھی ہوئے تھے ہبہ نامہ تحریر ہونے کے بعد قبضہ دلادیا گیا تھا جمعدار نے قبضہ دلانے سے اول جو کچھ ان کا مال واسباب تھاچوکی میں بھیج دیا تھا۔مدعاعلیہا نمبر۱ کو مدعاعلیہا نمبر۲ نے اس مکان میں رکھا ہے خوشحال خاں مدعاعلیہا نمبر ۲ ان کی والدہ کی اجازت سے رہتے ہیں مکان کو ہبہ ہوئے تیرہ سال ہوئے ہوں گے جمعدار نے اپنے مرنے سے چھ سات اول ہبہ نامہ لکھا تھاتاریخ یاد نہیں مکان متنازعہ کا کوئی حصہ مدعی کے قبضہ میں نہیں ہے مدعی کی والدہ کا سامان بعد قبضہ کے علیحدہ کردیا میرے سامنے علیحدہ کردیا تھابعد کو ہم نے دستخط ہبہ نامہ پر کئے تھے۔

ملخص گواہی عبدالمجید خاں: مدعاعلیہا نمبر ۲ کو جمعدار نے مکان متنازعہ ہبہ کردیا تھا اندازًا بارہ سال کا عرصہ ہوا جب ہبہ نامہ لکھا گیا تھا اس پر میری شہادت ہوئی تھی اس وقت مدعاعلیہ نمبر ۲ کا قبضہ بھی مکان متنازعہ پر کرادیا تھا جمعدار نے اس مکان کو خالی کرکے اپنا کل اسباب دوسرے مکان میں رکھوادیا اور مستورات کو بھی اس مکان سے علیحدہ کردیا اور ہمارے سامنے جمعدار مذکور نے کہا کہ میں نے مدعاعلیہا کا قبضہ دلادیا ہے اور یہ مکان آپ کو دیا مدعاعلیہ نمبر ۲ اس وقت موجود تھیں اور ان سے یہ سب جمعدار نے کہہ دیا تھا مدعاعلیہا کو ہبہ نامہ سپرد کردیا تھا مکان متنازعہ میں اس وقت سوائے مدعاعلیہا کے اور کوئی نہیں تھا اور کوئی ہو تو مجھ کو معلوم نہیں یہ مجھے معلوم نہیں کہ سوائے زوجہ خوشحال خاں وخوشحال خاں مدعاعلیہا نمبر ۲ اور کون کون مکان مذکور میں رہتا ہے مدعاعلیہا نمبر ۲ کو جب دستاویز سنائی گئی تو اس وقت مضمون سنا تھا مضمون ہبہ نامہ کا یہ یاد ہے کہ یہ لکھا ہوا تھا کہ اور سب کو تو حصہ دے دیا ہے تم کو اب یہ مکان ہبہ کیا جاتا ہے تم قبضہ کرلو جمعدار نے اردو میں اپنا نام لکھا تھا مجھے نہیں معلوم کہ زوجہ خوشحال خاں وخوشحال خاں مکان متنازعہ میں کس کی اجازت سے رہتے ہیں آیا مدعاعلیہا نمبر ۲ نے اجازت دی ہے یا نہیں۔

اعتراضات مفتی

سید امیر شاہ کی شہادت: معاینہ قبضہ مدعاعلیہا نمبر ۲: اوپر مکان متنازعہ فیہ وقت ہبہ کرنے رسول خاں جمعدار کے مکان مذکورہ کو یوں بیان کیا ہے کہ دوسرے زوجہ کو جو شامل رہتی تھی علیحدہ کرکے مسماۃ صنوبر بیگم کو تنہا قبضہ دلادیا ہے اور رسول خاں کے اسباب سے مکان کو خالی کرنا نہیں بیان کیا ہے اور نہ رسول خاں کا خود علیحدہ ہونا اس مکان سے بیان کیا ہے حالانکہ تمامیت قبضہ کے لیے واھب کے اسباب مقبوضہ جو اس مکان موہوبہ میں رکھا ہوا ہو اور خود ذات واہب سے اس مکان موہوبہ کا خالی ہونا ضروری ہے ہبہ میں وقت قبضہ کے۔ اور رسول خاں کا اسباب مقبوضہ اس مکان میں ہونا وقت ہبہ گواہوں کی گواہی سے ثابت ہے اور خود رہنا ان کا اس مکان میں سب کو ظاہر ہے اور بہرام خاں کی گواہی سے ثابت ہے کہ جمعدار مرنے تک اس مکان میں رہے، سید امیر شاہ کی گواہی ہوئی اوپر معاینہ قبضہ ناقصہ کے، لہٰذا انکی شہادت معتبر نہیں ہے۔

سلطان کی گواہی میں اوپر معاینہ قبضہ کے خود نکلنا رسول خاں کا مکان مذکورہ سے واسطے قبضہ دلانے کے بیان نہیں کیا اور یہ بیان کیا ہے کہ مدعی کی والدہ کا سامان بعد قبضہ کے علیحدہ کردیا تھا اس سے یہ معلوم ہوا کہ مدعی کی والدہ کا سامان قبضہ دلانے کے وقت اس مکان میں رکھا تھا بعد کو علیحدہ کیا گیا اور قبضہ کے وقت مکان موہوبہ مدعی کی والدہ کے سامان مقبوضہ کے ساتھ مشغول تھا، تو یہ بیان بھی

قبضہ ناقصہ کا ہوالہٰذا یہ گواہی بھی معتبر نہیں۔

عبدالحمید خاں کی گواہی جو اوپر معاینہ قبضہ کی ہے اس میں یہ نقصان ہے کہ ذات رسول خاں سے خلو اس مکان کا نہیں بیان کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ مکان متنازعہ میں اس وقت سوائے مدعا علیہاکے اور کوئی نہیں تھا اور کوئی ہو تو مجھے معلوم نہیں، اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمجید خاں کو پورا علم مکان کے خالی ہونے کا نہ تھا تو یہ گواہی بھی قبضہ ناقصہ کی ہوئی۔ جائز ہے کہ اس مکان میں اور کوئی ہو سوائے موہوب لہاکے اس کے ہونے کے سبب سے قبضہ موہوب لہا کا تام نہ ہوا اور عبدالمجید خاں کی گواہی جو اقرار واہب پر ہے اور ہمارے سامنے جمعدار مذکور نے کہا کہ میں نے مدعا علیہا نمبر ۲ کو قبضہ دلادیا تو یہ گواہی اوپر اقرار قبضہ کے اور دونوں گواہوں سابق کی گواہی ہے اوپر معاینہ قبضہ کے اس اختلاف کے سبب سے یہ گواہی عبدالمجید خاں کی مقبول نہیں ہے۔ مثل اور خارجی تحقیقات سے ثابت ہے کہ مدعا علیہا اول اور ان کے شوہر بہرام خاں قدیم سے اس مکان میں رہتے ہیں اور اپنے اموال اور اسباب کے قابض اور متصرف ہیں اس مکان میں اب بھی قبل بھی قابض اور متصرف تھے اور مکان موہوب کا مشغول ہونا قبضہ موہوب لہاکے وقت ایسے اسباب کے ساتھ کہ موہوب لہاکے قبضہ میں نہ ہو دوسرے شخص کے قبضہ میں ہو مانع تمامیت قبضہ ہے اور کسی گواہ نے خلو مکان کا مدعا علیہ نمبر ۱ اور اس کے شوہر اور دونوں کے اسباب سے بیان نہیں کیا اس صورت میں بھی مشاہدہ قبضہ ناقصہ کا ہوا کہ مانع ہے تمامیت قبضہ کا، مکان موہوب اگر قبل از ہبہ موہوب لھا کے قبضہ تامہ میں فرض کیا جائے تو انعقاد عقد ہبہ کے لیے صراحۃً قبول کرنا موہوب لہ کا ایجاب ہبہ کو چاہئے فقط قبضہ قائم مقام قبول نہ ہوگا اور عقد ہبہ منعقد نہ ہوگی اس صورت میں سب گواہوں نے یہ بیان کیا کہ رسول خاں نے ہمارے سامنے مکان متنازعہ کو مدعا علیھا نمبر ۲ کو ہبہ کیا یہ تو ایجاب ہی ہے اور یہ کسی نے نہیں بیان کیا کہ مدعا علیہا نمبر ۲ نے اس ہبہ کو قبول کیا یا نہیں، کیا تو ایجاب ہوئی بغیر قبول صریح کے، تو اس صورت میں عقد ہبہ منعقد نہ ہوا تو وہ مکان ہبہ کے سبب سے مملوک موہوب لہا کا نہ ہوا، گواہان مذکورہ کی گواہی کے نقصانات سے اور مدعی کے متعدد گواہوں کے بیان سے کہ جمعدار کے اکثر اہل وعیال اور زوجات اس مکان متنازعہ فیہ حین حیات رسول خاں اور بعد ممات رسول خاں سب مشترک رہتے تھے اور اس مکان میں سب قابض تھے اور قبضہ تامہ جو شرط ہبہ ہے وہ متحقق نہیں ہوا تھا مسماۃ صنوبر بیگم کے واسطے، لہٰذا میری رائے میں یہ آتا ہے کہ بابت مکان متنازعہ فیہ کا ہبہ مدعا علیہا نمبر ۲ کو ثابت نہیں ہے۔ مکان مذکور میراث کے طور پر وارثان رسول خاں پر تقسیم کیا جائے فقط دستخط مولوی محمد جمل۔

سوال دوم: زید نے مکان کا ہبہ بنام مسماۃ آفریدہ بیگم اپنی ایک زوجہ کے منجملہ ازواج لکھا ہبہ نامہ

کی تحریر کے بعد مکان موہوبہ پر بدستور قبضہ واہب کاتاحیات واہب رہا یعنی واہب مع اپنے اطفال و ازواج کے مع اس زوجہ کے جس کے نام ہبہ لکھا مرتے وقت تک اس مکان میں رہا بعد وفات زید ورثائے زید بالاجمال و بالاشتراک اس مکان پر قابض رہے اب وقت درخواست ہونے تقسیم مکان کے باہم شرکاکے وہ ہبہ ظاہر ہو کر ازروئے شرع شریف جائز ہو گی یا ناجائز قرار پائے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

(۱) اس مقدمہ میں تحقیق حکم شرعی تنقیح چند مسائل پر موقوف **فنقول وباللہ التوفیق** (تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔ت)

مسئلہ اولٰی: ہمارے مشائخ مذاہب رحمہم اللہ تعالٰی کو اختلاف ہے کہ قبول بھی مثل ایجاب رکن ہبہ ہے یا نہیں،

مشی علی الاول فی الکافی والکفایۃ والتنویر والدروھبۃ الھدایۃ وقال الاتقانی انہ قول الامام علاء الدین فی تحفۃ الفقھاء ومشی علی الثانی فی الحصر والمختلف و النھایۃ والدرایۃ والعنایۃ و العینی و عامۃ الشروح قال الاتقانی انہ قول الامام شیخ الاسلام خواھر زادہ فی مبسوطہ وبہ جزم فی کتاب الایمان من الھدایۃ و الکرمانی والتاویلات ومحیط السرخسی۔	کافی، کفایہ، تنویر، در اور ہدایہ کے ہبہ میں اول کو اختیار کیا، اور اتقانی نے کہا کہ تحفۃ الفقہاء میں امام علاء الدین نے یہی فرمایا ہے اور حصر، مختلف، نہایہ، درایہ، عنایہ، عینی اور عام شروح میں ثانی کو اختیار کیا۔ اتقانی نے کہا کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ نے مبسوط میں یہ فرمایا اور اسی پر ہدایہ کے کتاب الایمان میں اور کرمانی اور تاویلات اور محیط سرخسی نے اعتماد کیا ہے۔(ت)

اور راجح و معتمد و مفتی بہ یہ ہے کہ قبول رکن نہیں غایت یہ کہ شرط ثبوت ملک ہو پھر قبضہ کہ مجلس میں ہوا اگرچہ بے اذن صریح واہب یا باذن واہب ہو اگرچہ بعد مدت وہ اس قول کا قائم مقام ہو جائیگا قول حق اور تحقیق یہ ہے کہ قبضہ بنفسہ شرط ثبوت ملک ہے اور وہی دلالت قبول بھی ہو جائے گا، رہا پیش از قبضہ حاجت اس قدر ہے کہ قبول کامنافی یعنی رد و امتناع نہ پایا جائے، امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی نے بدائع میں تصریح فرمائی کہ رکنیت قبول قول امام زفر و قیاس ہے اور استحسان عدم رکنیت ہے[1]، اور معلوم ہے کہ عمل ہمیشہ استحسان پر ہے **الا فی مسائل عدیدۃ لیست ھذہ**

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الہبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۱۵، فتح القدیر بحوالہ البدائع کتاب الہبہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۸۰

منہا (مگر متعدد مسائل میں، جن میں سے یہ نہیں ہے۔ت) اور فتاوٰی قاضی خاں و نیز حاوی الفتاوٰی میں قبضۂ موہوب لہ بعد مجلس کو جب کہ باذن واہب ہو مثبت ملک ٹھہرایا اگرچہ موہوب لہ نے قبول کردم نہ کہا ہو اور صراحۃً فرمایا: بہ ناخذ[1] (ہم یہی اختیار کرتے ہیں۔ت) یہ لفظ اعاظم الفاظ افتا سے ہے کما فی الدر وغیرھا[2] (جیسا کہ درر وغیرہ میں ہے۔ت) قبضہ اگرچہ قائم مقام قبول ہے مگر قبول رکن ہوتا تو ماورائے مجلس پر موقوف نہ رہ سکتا:

لان الایجاب لفظ واللفظ عرض والعرض لایبقی زمانین فلایکن ارتباط القبول بہ الااذا تحقق فی مجلسہ لان الشرع جعل المجلس جامعا للکلمات۔	کیونکہ ایجاب لفظ ہے اور لفظ عرض ہے اور عرض دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا لہٰذا قبول کا اس سے ربط نہ ہوگا مگر جبکہ وہ اسی مجلس میں متحقق ہو کیونکہ شریعت نے مجلس کو متفرقات کا جامع قرار دیا ہے۔(ت)

خود ہدایہ و درمختار وغیرہما عامہ کتب میں تصریح فرمائی کہ اگر زید نے قسم کھائی ہبہ نہ کروں گا پھر عمرو سے کہا یہ شیئ میں نے تجھے ہبہ کی اور عمرو نے ہبہ قبول نہ کیا قسم ٹوٹ گئی کہ ہبہ فقط اس کے ایجاب سے متحقق ہوگیا اگرچہ عمرو نے قبول نہ کیا اور اگر قسم کھائی کہ نہ بیچے گا پھر عمرو سے کہا میں نے یہ شے تیرے ہاتھ بیچی اور عمرو نے قبول نہ کیا قسم نہ ٹوٹی کہ بیع بے ایجاب و قبول دونوں کے متحقق نہ ہوگی تو بے قبول مشتری بیچنا صادق نہ آیا۔ یہ تیسری وجہ اس قول کی ترجیح کی ہے کہ عام کتب معتمدہ حتی کہ ان میں بھی جو رکنیت کی تصریح کرتی تھیں یہ مسئلہ یونہی مسطور ہے جس سے عدم رکنیت روشن و منصور ہے،

اما تعلیل الکفایۃ والکافی الحنث فی الھبۃ بانہ اتی بما ھو مقدورھا والیمین انما تنسحب علی ماھو فعلہ و لیس الا الایجاب فمنقوض بعدم الحنث فی البیع کمالایخفی فانہ ثمہ ایضا لایقدر	ہبہ کی حنث کی بحث میں کفایہ اور کافی کا یہ علت بیان کرنا کہ وہ اپنا مقدور ہی بجالاسکتا ہے جبکہ قسم اس کے فعل پر ہی مرتب ہوتی ہے اور صرف ایجاب ہی اس کا فعل ہے، یہ علت بیع میں عدم حنث کی وجہ سے سالم نہیں رہے گی جیسا کہ مخفی

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ حاوی الفتاوی کتاب الھبہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۳۷۷، فتاوٰی قاضی خاں کتاب الھبۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۲

[2] درمختار مقدمہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

الا علی الایجاب ولا یحنث بہ فیہ وفاقا[1]۔	نہیں، کیونکہ یہاں بھی وہ صرف ایجاب پر قادر ہے حالانکہ اس میں بالاتفاق ایجاب سے حنث نہیں ہے(ت)

نتائج الافکار میں ہے:

فی البدائع اما رکن الھبۃ فھو الایجاب من الواھب فاما القبول من الموھوب لہ فلیس برکن استحسانا والقیاس ان یکون رکنا وھو قول زفر وفی قول قال القبض ایضا رکن[2] الخ۔	بدائع میں ہے لیکن ہبہ میں رکن وہ واہب کا ایجاب ہے جبکہ موہوب لہ کا قبول کرنا استحسانًا رکن نہیں ہے حالانکہ قیاس اس کے رکن ہونے کا مقتضی ہے امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی کے ایک قول میں ہے کہ قبضہ بھی رکن ہے الخ۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لو قال وھبت منك ھذاالعبد والعبد حاضر فقبضہ جازت الھبۃ وان لم یقل قبلت کذافی الملتقط،ولو کان العبد غائبا فقال لہ وھبت منك عبدی فلانا فاذھب واقبضہ فقبضہ جاز وان لم یقل قبلت وبہ ناخذ کذافی الحاوی للفتاوٰی[3]۔	اگر کسی نے کہا میں نے تجھے یہ، عبد حاضر ہبہ کیا تو اس نے قبضہ کرلیا تو ہبہ جائز ہوجائیگا اگرچہ موہوب لہ نے قبول کرنے کا قول نہ کیا ہو،ملتقط میں یوں ہے اور اگر عبد غائب ہو تو یوں کہا کہ میں نے اپنا فلاں عبد تجھے ہبہ کیا تو جاکر قبضہ کرلے اس نے قبضہ کرلیا تو ہبہ جائز ہوگا اگرچہ موہب لہ نے "میں نے قبول کیا" نہ کہا ہو،ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے حاوی للفتاوٰی میں یونہی ہے۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی امام اجل قاضی خاں[4] میں ہے۔

اقول:وبماقررناظھر مافی	**اقول:**(میں کہتا ہوں) ہم نے جو تقریر کی اس سے

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار کتاب الھبہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۸۰
[2] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار کتاب الھبہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۸۰
[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فیما یجوز من الھبۃ ومالا یجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۷
[4] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الھبہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۶

المحیط من انه لایشترط فی الهبة القبول وان استشکله فی البحر وذٰلك لانه ان ارید خصوص القبول بالقول فغیر لازم قطعا وان اکتفی بالقبول دلالة فاشتراط القبض مغن عنه فانه یدل علیه فلا یکون شرطا بحیاله نعم یشترط ان لایوجد منافیه کما اشرنا الیه۔	محیط میں بیان کردہ یہ بات واضح ہوگئی کہ ہبہ میں قبول کرنا شرط نہیں ہے اگرچہ بحر میں اس پر اشکال کیا ہے، یہ اس لئے کہ اگر قبول سے مراد خاص زبانی قبول کا لفظ کہنا مراد ہو تو یہ قطعًا ضروری نہیں ہے اور اگر دلالۃً قبول کرنا مراد ہے تو قبضہ کی شرط اس کو کافی ہے کیونکہ قبضہ قبول کرنے پر دال ہے لہٰذا ہبہ میں قبول کرنا کسی طرح شرط نہ ہوگا، ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ وہاں قبولیت کے منافی کوئی چیز نہ پائی جائے جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔ (ت)

شرعًا وعقلًا وعرفًا جب تک مالک مکان خود مکان میں ہو اسی کا قبضہ ہے اس کا مال اسباب رکھا ہو تو اسی کا قبضہ ہے اس کے اہل وعیال رہتے ہوں تو اسی کا قبضہ ہے ولہٰذا اگر مکان ہبہ کیا اور ہنوز خود واہب یا اس کا اسباب یا اہل وعیال مکان میں ہیں ان سے تخلیہ نہ کیا اور موہوب لہ سے کہتا ہے میں نے تجھے قبضہ دیا تو اس کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایصح قوله اقبضها او سلمت اذا کان الواهب فیه او اهله او متاعه کذا فی التاتارخانیة[1]۔	جب واہب خود یا اس کے اہل وعیال یا اس کا سامان مکان میں موجود ہو تو واہب کا یہ کہنا کہ قبضہ کرلو میں نے سپرد کردیا، مکان کے قبضہ کیلئے صحیح نہ ہوگا، تاتارخانیہ میں یوں ہے (ت)

اسی طرح اگر کوئی شخص مالک کی اجازت سے عاریۃً یعنی بے اجرت رہتا ہے تو جب بھی مکان قبضہ مالک ہی میں ٹھہرے گا کہ مرتہن یا مستاجر کی طرح اس کا قبضہ مستقلہ نہیں بلکہ قبضہ مالک ہی کی فرع اور اسی سے مستفاد ہے تو اس کا نافی نہ ہوگا بلکہ اس کی تقریر وتاکید کرے گا ولہٰذا اگر مکان جس میں بلااجرت اور لوگوں کو سکونت دے رکھی ہے مالک نے اپنے نابالغ بچہ کو ہبہ کیا ہبہ کرتے ہی ملک پسر ہوگیا ان لوگوں سے تخلیہ درکار نہیں کہ ان کا قبضہ خود قبضہ واہب ہے اور اپنے ولد صغیر کو ہبہ کو ہبہ کرنے میں خود اپنا ہی قبضہ مطلوب ہے، امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں:

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۸۰

لووھب من ابنه الصغير دارا و الاب ساكنها ومتاعه فيها جازت الهبة.وملكها الابن بمجرد قوله وهبتها له لانها فی یدہ و سکناہ ومتاعه فيها لاينافی یدہ بل يقررها فتكون هی فی قبضه وھو الشرط.ولوکان یسکنها غیرہ باجر لا یجوز لماذکرنا(ای فی الغاصب والمرتهن والمستاجران کل واحد منهم قابض لنفسه وعال لنفسه بخلاف المودع لان یدہ ید المالک)وان کان بغیر اجر جازت الهبة وملكها الابن بمجرد العقد ذکرہ محمد رضی الله تعالٰی عنه فی المنتقی [1]۔	اگر باپ نے اپنے نابالغ بیٹے کو مکان ہبہ کیا حالانکہ باپ اس میں سکونت پذیر ہے یا باپ کاسامان اس میں موجود ہے تو ہبہ جائز ہوگااور یہ کہہ دینے سے کہ میں نے بیٹے کو یہ مکان ہبہ کیا بیٹا مالک ہوجائیگا کیونکہ نابالغ کے لئے باپ کا قبضہ ہی کافی ہونے کی وجہ سے مکان میں باپ کی رہائش اور سامان قبضہ کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ قبضہ کا ثبوت ہے لہٰذا یہ بیٹے کے قبضہ میں ہے یہی قبضہ شرط ہے اور اگر اس مکان میں باپ کا غیر کوئی کرایہ دار ہو تو یہ قبضہ ہبہ کے لئے صحیح نہ ہوگا،اس کی وجہ ہم نے ذکر کردی ہے یعنی غاصب،رہن لینے والے، اجرت پر لینے والے،کے بارے میں ذکر کیا کہ یہ لوگ اپنی ذات کے لئے قابض اور عامل ہوتے ہیں،اس کے بخلاف امانت پاس رکھنے والا،کہ اس کا قبضہ امانت کے طور پر مالک کا قبضہ قرار پاتا ہے،اور اگر باپ کے ہبہ کردہ مکان میں کوئی دوسرا بغیر کرایہ رہائش پذیر ہے تو مذکورہ صورت میں ہبہ جائز اور ہبہ کردینے سے نابالغ بیٹا مالک قرار پائے گا۔امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اس کو منتقی میں ذکر فرمایا ہے(ت)

اور قبضہ دلانے کے معنی شرعًا وعقلًا وعرفًا یہی ہیں کہ اپنا قبضہ اٹھا کر اس کا قبضہ کرادیا جائے ورنہ جب تک اپنا قبضہ موجود ہے اس کا قبضہ کیونکر ہوگا کہ شیئ اپنے منافی کے ساتھ جمع نہیں آخر نہ دیکھا کہ جب تک تخلیہ تامہ نہ ہو واہب کے اس قول کو کہ میں نے تجھے قابض کردیا صحیح نہ مانا اور کلام مدعی کا ہو خواہ شاہد خواہ کسی عاقل کا،وہ معنی صحیح ہی پر محمول ہوگا،جامع الفصولین فصل اربعین میں ہے:

مطلق کلام العاقل او تصرفه یحمل علی الصحة بقضية الاصل وکذا	عاقل کے کلام اور تصرف کو اصل قاعدہ کے مطابق صحت پر محمول کیا جائے گااور یوں ہی اس کی

[1] تبیین الحقائق کتاب الھبہ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵ /۹۶،۹۵

الشھادۃ علی ھذا [1]۔	شہادت کو بھی۔(ت)

تو گواہ جب شہادت دیں کہ واہب نے ہبہ کیا اور قبضہ کرادیا اس کے یہی معنی ہیں کہ اپنا قبضہ اٹھا کر موہوب لہ کو قابض کردیا اور اوپر معلوم ہوچکا کہ جب تک وہ خود یا اس کا اسباب یا اہل وعیال یا کوئی ساکن جو بلا اجر اس کی اجازت سے رہتا ہو مکان میں موجود ہے واہب کا قبضہ نہ اٹھا تو قبضہ دلانا صادق نہ ہوا حالانکہ شہود قبضہ دلانے کی گواہی دے رہے ہیں تو بالضرورت اس شہادت کے یہی معنی ہیں کہ تخلیہ تام ہولیا اور واہب ومتاع واہب واہل وعیال واہب وغیرہم جملہ مذکورین جن کی بقاء قبضہ واہب کی بقا ہو اس وقت مکان میں نہ تھے بالجملہ قبضہ دلانے کی شہادت بعینہٖ تخلیہ وفراغ کی شہادت ہے جس کے بعد اس کے ذکر صریح کی اصلاً حاجت نہیں جس طرح حاکم کے حضور نکاح کی گواہی میں شہود کا اتنا کہنا کافی ہے کہ فلاں مدعی نے فلاں مدعا علیہا سے نکاح کیا تمام شرائط کی تفصیل کہ اس وقت دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ سامع فاہم موجود تھے اور مجلس واحد میں انہوں نے ایجاب وقبول سنے وغیر ذلک بیان کرنے کی حاجت نہیں لان الشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ (کیونکہ جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے لوازمات سمیت ثابت ہوتی ہے۔ت) ولہٰذا شہادت ہبہ خواہ دعوی ہبہ کی تصویروں میں جہاں دیکھئے علماء کرام قدست اسرار ہم نے اسی قدر پر قناعت فرمایا ہے کہ ہبہ کیا اور قبضہ دے دیا اس کے ساتھ یہ نہیں بڑھاتے کہ اور واہب خود بھی مکان سے الگ ہوگیا اور اپنا مال واسباب بھی نکال لیا اور اپنے اہل وعیال کو بھی جدا کردیا اور جو لوگ بلا اجارہ اجازۃً رہتے تھے ان کو بھی ہٹادیا اس کے بعد قبضہ کرایا، تو وجہ وہی ہے کہ یہ سارا بیان اتنے کہنے میں آگیا کہ قبضہ کرادیا جیسے جملہ شرائط نکاح اس لفظ میں آگئے کہ نکاح کیا جامع الفصولین آخر فصل ۱۱ میں ہے:

شھد احدھما کہ ایں بخواست ایں زن را و شھد الاخر کہ ایں زن خودرا بایں داد تقبل [2]۔	ایک نے شہادت دی کہ اس نے عورت کو نکاح کی پیشکش کی ہے اور دوسرے نے یوں شہادت دی کہ عورت نے خود اپنے آپ کو اس کے نکاح میں دیا تو یہ شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

قال ھذہ امرأتی اوقال ھذہ منکوحتی وشھدوا انہ کان تزوجھا تقبل	مرد نے کہا یہ میری بیوی ہے، یا کہا میری منکوحہ ہے، اور گواہوں نے شہادت میں کہا کہ اس نے اس

---

[1] جامع الفصولین الفصل الاربعون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۲

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۸

هذه الشهادة[1]۔	سے نکاح کیا تو یہ شہادت قبول ہوگی۔(ت)

بلکہ عالمگیری میں اسی سے ہے:

شهدوا انها امرأته وحلاله ولم يذكروا العقد المختار انه يجوز[2]۔	گواہوں نے کہا یہ اس کی بیوی ہے اور اس کے لئے حلال ہے، اور نکاح کا ذکر نہ کیا تو مختار مذہب ہے کہ یہ شہادت جائز ہے۔(ت)

خانیہ پھر ہندیہ ج ۳ص ۵۰۱ میں ہے:

ادعى دارا في يد رجل انها له فجاء بشاهدين وشهدا ان فلانا وهبها له وقبضها منه وهو يملكها الخ[3]۔	کسی شخص کے مقبوضہ مکان کے متعلق ایک شخص نے دعوی کیا کہ یہ میرا ہے اور اس پر دو گواہ پیش کئے جنہوں نے شہادت دی کہ یہ مکان مدعی کو فلاں شخص نے ہبہ کیا اور اس نے اس سے قبضہ لیا تو مدعی مالک ہوگا الخ۔(ت)

ایضاً صفحہ ۵۱۱:

شهد احدهما ان المدعى اقرانه وهبه للذي في يديه وقبضه منه وشهد الأخر انه اقرانه نحله للذي في يديه وقبضه[4] (اى تقبل)	ایک گواہ نے کہا کہ مدعی نے اقرار کیا کہ قابض نے یہ مکان اسے ہبہ کیا ہے اور اس نے قبضہ لیا ہے جبکہ دوسرے گواہ نے کہ اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ اس نے یہ مکان قابض کو عطیہ دے کر قبضہ دیا ہے تو شہادت قبول کی جائیگی۔(ت)

ایضاً ج ۴ص ۸۷:

ادعى الهبة مع القبض[5] الخ ايضا ادعى ان فلانا وهبها له وقبضها منه[6]	ہبہ مع قبضہ کا دعوی کیا الخ، نیز دعوی کیا کہ فلان نے اسے ہبہ کیا اور قبضہ اس نے لے لیا،

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الشہادات باب الاختلاف بین الدعوی و الشہادۃ قلمی نسخہ ۲ /۱۱۳
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب السابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۵۰۳
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۱
[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۵۱۱
[5] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۸۷
[6] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۸۷

ایضاً دعوی الھبۃ والصدقۃ مع القبض فیھما مستویان[1]۔	نیز ہبہ اور صدقہ کے دعوی کے ساتھ قبضہ لینے کا دعوی ہو تو دونوں کا حکم مساوی ہے۔(ت)

فتاوٰی قاضی خاں:

دار فی ید رجل فاقام رجل البینۃ انہ اشتراھا من فلان غیر ذی الید بألف درہم وھو یملکھا ونقدہ الثمن واقام اٰخر البینۃ ان فلانا اٰخر وھبھا منہ و قبضھا[2]۔	ایک شخص کے مقبوضہ مکان کے متعلق دوسرے نے گواہ پیش کئے کہ یہ مکان میں نے قابض شخص کے غیر سے ہزار روپے کے عوض خریدا ہے جس کا وہ مالک ہے اور اس کی قیمت نقد ادا کی ہے اور دوسرے ایک شخص نے اسی مکان کے متعلق گواہ پیش کئے کہ فلاں دوسرے شخص نے یہ مکان مجھے ہبہ کیا اور قبضہ دیا ہے(ت)

پس صورت مستفسرہ میں سید امیر شاہ عبدالمجید خاں کی شہادتیں کہ ہبہ ومعاینہ قبضہ کی ہیں قبضہ تامہ بتارہی ہیں اور ان پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتے کہ رسول خاں کی ذات ومتاع سے تخلیہ نہ بیان کیا بیشک بیان کیا کہ قبضہ دلانے کے خود یہی معنی ہیں، یونہی بہرام خاں اور اس کی زوجہ اور ان کے اسباب سے بھی تخلیہ اسی میں آگیا کہ جو باجازت مالک بلا اجرت رہتا ہو اس کا قبضہ بھی قبضہ مالک ہے تو قبضہ دلانا اس سے تخلیہ کو مستلزم کما حققنا اٰنفا(جیسا کہ ابھی ہم نے تحقیق کی ہے۔ت) بلکہ زیادات صاحب محیط وفصول عمادی وبحر الرائق ومنح الغفار ودر مختار وعالمگیری وغیرہا معتمدات میں تو یہاں تک تصریح ہے کہ غیر واہب کے ملک واسباب سے موہوب کا مشغول ہونا تمامی ہبہ کا سرے سے مانع ہی نہیں، فصول وہندیہ میں ہے:

اشتغال الموھوب یملك غیر الواھب ھل یمنع تمام الھبۃ ذکر صاحب المحیط فی الباب الاول من ھبۃ الزیادات انہ لایمنع[3]۔	کسی موہوب چیز کا واہب کے غیر کی ملکیت میں مصروف ہونا کیا ہبہ کے تمام ہونے سے مانع ہے، صاحب محیط نے زیادات کے ہبہ کے باب اول میں ذکر کیا کہ مانع نہیں ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۸۷

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الدعوی فصل فی دعوی الملك السبب نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۸۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الفصول العمادیۃ کتاب الھبہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

درمختار میں ہے:

شغلہ بغیر ملك واھبہ لایمنع تمامھا[1]۔	واہب کی ملکیت کے غیر میں مصروف ہونا مانع نہیں ہے۔ (ت)

اور جب کہ کلام شاہد اس حکم سے کہ ہم بیان کرچکے جملہ موانع صحت ارتفاع پر محمول اور وقت قبضہ مجرد کسی شخص غیر موہوب لہ کا مکان میں موجود ہونا مانع تمامی قبضہ نہیں جب کہ نہ وہ قبضہ مستقلہ رکھتا ہو جیسے مرتہن و مستاجر، نہ اس کا قبضہ قبضہ مالک ہو جیسے اہل وعیال و مودع و مستعیر کہ مانع قبضہ غیر ہے نہ کہ مجرد وجود غیر، اور ہر شخص کہ مکان میں ایک ساعت کے لئے موجود ہو مکان کا قابض نہیں کہلاتا، کیا سائل کہ سوال کے لیے آنے یا نوکر یا ملاقات کے لیے آنے والا دوست وغیر ھم قابضان مکان گنے جاتے ہیں، ہر گز نہیں، عبدالمجید خاں کا کہنا کہ اس وقت سوا مدعاعلیہا کے اور کوئی نہ تھا اور کوئی ہو تو مجھے معلوم نہیں ہر گز شہادت قبضہ تامہ میں خلل انداز نہیں، ہاں اگر وہ یہ کہتا کہ اس وقت اور کسی کا بھی قبضہ ہو تو مجھے معلوم نہیں تو بیشک بیان اول کے منافی ہوتا۔ قبضہ صنوبر بیگم کی شہادت تو وہ صاف ادا کرچکا جس کے یہی معنی ہیں کہ اور کوئی قابض نہ تھا پھر کسی غیر قابض کا ہونا نہ ہونا اگر اسے معلوم نہ ہو، بلکہ پچاس اشخاص غیر قابضین کا ہونا معلوم ہو تو کیا ضرر ہے، کیا موہوب لہ کے قبضہ لیتے وقت اگر اس کے نوکر چاکر یا عزیز اقربا یا تحمل شہادت کے لئے بعض اہل محلّہ وغیرہم ساتھ ہوں تو قبضہ تامہ نہ ہوگا کس نے لازم کیا ہے کہ موہوب لہ اس وقت تنہا مکان میں چھوڑ دیا جائے کوئی فرد بشر اس کے پاس نہ جانے پائے، اور جب یہ دونوں شہادتیں معاینہ قبضہ کی ہیں اور معاملہ ہبہ کا ہے تو مدت میں اختلاف کہ ایک چھ سات سال دوسرا بارہ سال بتاتا ہے کچھ مضر نہیں۔ فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ان اختلفوا فی عقد لایثبت حکمہ الابفعل القبض کالھبۃ والصدقۃ والرھن فان شھدوا علی معاینۃ القبض واختلفوا فی الایام والبلدان جازت شھادتھم فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھما ولو شھدوا علی	ایسا عقد جس میں قبضہ کے عمل کے بغیر حکم ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ہبہ، صدقہ اور رہن تو اس میں اگر گواہوں نے قبضہ دیکھنے کی شہادت دی اور وقت اور مقام میں گواہوں کا اختلاف ہوا ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ شہادت قبول کی جائے گی اور گواہوں نے

[1] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

اقرار الراھن والمتصدق والواھب بالقبض جازت الشھادۃ فی قولھم[1]۔	واہب، صدقہ کرنے والے اور راہن کے اس اقرار پر کہ قبضہ دے دیا تو بالاتفاق سب کے قول میں یہ شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

فتاوٰی صغرٰی میں ہے:

لو شھدا برھن واختلفا زمانہ او مکانہ وھما یشھدان علی معاینۃ القبض تقبل وکذا شراء وھبۃ وصدقۃ[2]۔	اگر دونوں گواہوں نے رہن رکھنے کی شہادت دی اور مکان وزمان میں اختلاف کیا تو قبضہ دیکھنے کی گواہی دی تو شہادت مقبول ہوگی اور یونہی خریداری، صدقہ اور ہبہ کا حکم ہے۔(ت)

بالجملہ یہ دونوں شہادتیں ہبہ ہونا اور صنوبر بیگم کا قبضہ تامہ ہوجانا بروجہ کافی بیان کررہی ہیں ان کے مقابل جانب مدعی کی شہادت کہ واہب کا اسباب مقبوضہ وقت ہبہ اس مکان میں تھا یہ تو اصلاً وارد نہیں کہ موہوب کا وقت ہبہ ملک واہب سے خلو ضرور نہیں وقت قبضہ موہوب لہ ضرور ہے اور وقت ہبہ وقت قبضہ سے مقدم ہے تو اس شہادت کو ان شہادات سے کچھ مس نہیں اور یہ شہادتیں کہ واہب تادم مرگ اس مکان میں رہا یا بہرام خاں اور اس کی زوجہ ہمیشہ سے اس میں رہتی ہیں، ان کا حاصل اگر ہے تو اتنا کہ تخلیہ نہ ہوا صنوبر بیگم کا قبضہ تامہ نہ ہوا تو یہ سب شہادتیں نفی پر ہیں اور نفی پر شہادت مقبول نہیں جب تک متواتر نہ ہو جسے شہر کا ہر چھوٹا بڑا ہر عالم جاہل جانتا ہو اور عام لوگوں کی گواہیاں اس پر گزر جائیں۔ فتاوٰی صغرٰی وجامع الفصولین ومعین الحکام میں ہے:

لاتقبل لانھا قامت علی النفی لان قولھما کان فی مکان کذا نفی معنی ولو کان اثباتا صورۃ اذ الغرض نفی ما قامت علیہ البینۃ الاولٰی[3]۔	شہادت قبول نہ کی جائیگی کیونکہ یہ نفی پر شہادت ہے کیونکہ گواہوں کا کہنا کہ فلاں مکان میں تھا، اگرچہ یہ صورۃً اثبات ہے مگر معنیً غرض یہ ہے کہ پہلی گواہی سے جو چیز ثابت ہوئی ہے اس کی نفی کی جائے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

[2] فتاوٰی صغرٰی

[3] جامع الفصولین بحوالہ فتاوٰی صغرٰی الفصل الثانی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۲

عالمگیری میں ذخیرہ سے ہے:

الاان تاتی العامۃ وتشھد بذلك فیؤخذ بشھادتھم [1]۔	مگر عام لوگ بتائیں تو اس پر لی گئی شہادت قبول ہوگی۔(ت)

نیز ان دونوں میں ہے:

الاان تکون ظاہرا مستفیضا یعرفه کل صغیر و کبیر وکل عالم وجاہل [2]۔	مگر ظاہر مشہور کہ ہر چھوٹا بڑا، عالم و جاہل اسے جانتا ہو۔(ت)

اور یہاں مستفیض متواتر شہادتیں خاص اس امر پر گزرنی درکار تھیں کہ وقت قبضہ صنوبر بیگم رسول خاں یا اس کا اسباب اس مکان میں موجود تھا یا فلاں لوگوں کا قبضہ تھا اور نہ یہ مجمل بات کہ فلاں ہمیشہ سے اس میں رہتے ہیں یا مرتے دم تک رہے اصلاً کافی نہیں کہ ان شہادتوں کی بنا استصحاب حال پر ہوگی اور موہوب لہا کہ شہادتیں خاص اس وقت تخلیہ تامہ بتارہی ہیں تو وہ شہادات ان کے معارض نہیں ہو سکتیں کہ تخلیہ صرف ایک ساعت خفیفہ وقت قبضہ ضرور تھا اس کے بعد عمر بھر خود رسول خاں کا قبضہ باجازت صنوبر بیگم خواہ بلا اجازت غصبًا رہے تو جو ملک کہ صنوبر بیگم کے لئے بعد ہبہ قبضہ تام سے ثابت ہولی زائل نہیں ہوسکتی کمالایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) جامع الفصولین اواخر فصل عاشر میں ہے:

ادعی دارا انی اشتریته من ابیك وبرھن ذوالید انه ملك ابیه الی یوم موته و مات وترکه میراثا لاتقبل بینته لانھم شھدوا باستصحاب الحال والمدعی اثبت الزوال [3]۔	کسی نے ایک شخص کے مقبوضہ مکان پر دعوی کیا یہ مکان میں نے تیرے والد سے خریدا ہے جبکہ قابض کہتا اور شہادت پیش کرتا ہے کہ یہ موت تک میرے والد کی ملکیت رہا اور اس نے اپنی موت پر اس کو بطور ترکہ میراث چھوڑا ہے، تو قابض کی یہ شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ یہ سابقہ حال پر شہادت ہے جبکہ مدعی ملکیت کے زوال کو ثابت کررہا ہے۔(ت)

اور جب کہ شہادتیں صنوبر بیگم کو بعد ہبہ قبضہ دلانا بیان کررہی ہیں تو قبول صنوبر بیگم اصلاً ضرور نہیں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۵۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۵۱۶

[3] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۰

شہادتوں میں اس کا عدم بیان در کنار اگر بیان عدم ہوتا جب بھی مضر نہ تھا کہ قبضہ جو مجلس ہبہ میں ہوا اگرچہ بے اذن واہب یا باذن واہب ہو اگرچہ مجلس ہبہ کے بعد وہ مطلقاً مثبت ملک موہوب لہ ہوا اور یہی دلیل قبول ہے اگرچہ موہوب لہ نے صراحۃً قبول ہبہ نہ کیا ہو۔ شلبی علی التبیین میں امام قاضی خاں سے اور حاوی الفتاوی و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

وھذا نص الھندیۃ لو قال وھبت منك ھذا العبد والعبد حاضر فقبضہ جازت الھبۃ وان لم یقل قبلت کذافی الملتقط، ولو کان العبد غائبا فقال لہ وھبت منك عبدی فلانا فاذھب واقبضہ فقبضہ جازوان قبلت وبہ ناخذ کذافی الحاوی للفتاوی[1]۔	یہ ہندیہ کی عبارت ہے، اگر کسی نے کہا یہ عبد میں نے تجھے ہبہ کیا، عبد حاضر تھا موہوب لہ نے اسی وقت عبد کو قبضہ میں لے لیا تو ہبہ صحیح ہوجائیگا اگرچہ زبانی "میں نے قبول کیا" نہ کہا ہو جیسا کہ ملتقط میں ہے، اور اگر عبد غائب اور کہا فلاں عبد میں نے تجھے ہبہ کیا جاکر قبضہ کرلو، پس اس نے قبضہ کرلیا تو اگرچہ زبانی قبول کرنے کی بات نہ کی ہو تو بھی ہبہ جائز ہے، ہمارا یہی مختار ہے، الحاوی للفتاوی میں یوں ہے۔ (ت)

اسی طرح امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اسے بہ ناخذ[2] (ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں۔ت) فرمایا، سوال میں بیان گواہان کا خلاصہ لکھا ممکن کہ پورا بیان دیکھنے سے کوئی اور بات پیدا ہو مگر جس قدر خلاصہ ہمارے سامنے پیش ہوا اس میں سید امیر شاہ وعبدالمجید خاں کی شہادتیں اعتراضات سے پاک ہیں اگر بیان کامل میں کوئی بات مضر شہادات نہیں اور یہ دو گواہیاں قابل قبول شرع اور بروجہ شرعی گزر گئی ہوں تو ضرور ہبہ مکان بحق صنوبر بیگم ثابت ہے اور مکان تقسیم سے بری۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) سائل کو تحریر ہبہ نامہ سے اعتراف ہے قبضہ موہوب لہ میں کلام ہے اور قاضی ریاست نے مدعیہ ہبہ و قبضہ کا دعوی سماعت کیا اور اس پر گواہ لئے جیسا کہ سوال اول سے ظاہر ہے اور ہم اس کے جواب میں واضح کر آئے کہ ان میں دو شہادتیں اگر بروجہ مقبول شرعی گزری ہوں تو ہبہ تام و ثابت ہے اور ساعت قبضہ موہوب لہا سے پہلے اور بعد آج تک اور دن کا اس میں رہنا بسنا قابض

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۷۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الہبۃ نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۹۶

ہونا مخل صحت ہبہ نہیں تواس تقدیر پر اس سوال دوم کے لئے کوئی منشا باقی نہیں، ہاں اگر یہ گواہیاں شرعًا مخدوش و نامقبول ہوں توان گواہیوں پر کہ اب تک واہب کا قبضہ رہا اب بھی التفات نہ ہوگا کہ شہادت علی النفی معتبر نہیں بلکہ مدعیہ ہبہ کی درخواست پر خواہندہ تقسیم سے حلف لیا جائے گا کہ اس کے علم میں واہب نے کبھی موہوب لہا کو قبضہ نہ دلایا اگر وہ حلف سے انکار کرے گا ہبہ ثابت ہوجائے گا اور حلف کرے گا تو ہبہ غیر ثابت قرار پاکر مکان میں سے اس خواستگار تقسیم کا حصہ جدا کردیا جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۲: از ریاست رامپور بنگلہ آزاد خاں مرسلہ مفتی لطف اللہ صاحب خلف مفتی محمد سعد اللہ صاحب ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ

بخدمت مبارک جناب مولانا مخدوم ومکرم ذی المجد والکرم جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب دام مجد کم ! بعد سلام مسنون التماس ہے کہ ایک شخص نے دعوی عاریت زیور کا کیا ہے اس میں صفت وزن اور قیمت کا اظہار کیا ہے شہود نے مطابق گواہی دی ہے لیکن وزن نہیں بیان کیا ہے اسی نقصان کے نظر سے شہادت مقبول نہیں ہوئی ہے مدعی عذر دار نے روایت ذیل فتاوٰی عالمگیری میں پیش کی ہے:

ان وقعت الدعوی فی عین غائب لایدری مکانه بان ادعی رجل علی رجل انه غصب منه ثوبا او جاریة و لایدری انه قائم او هالك ان بین الجنس والصفة والقیمة فدعواه مسموعة وبینته مقبولة[1]۔	اگر کسی ایسی چیز کے متعلق دعوی ہو جو غائب ہو اور معلوم نہ ہو کہ کہاں ہے یوں کہ کسی نے دوسرے کے خلاف دعوی کیا کہ اس نے میرا کپڑا یا لونڈی غصب کر رکھی ہے معلوم نہیں کہ موجود ہے یا ضائع ہوگئی ہے اور مدعی نے اس پر شہادت میں جنس، صفت اور قیمت بیان کی ہو تو اس کا دعوی مسموع اور گواہی مقبول ہوگی۔ (ت)

ظاہر ہے کہ روایت ہذا متعلق بہ غصب ہے کیا یہی حکم عاریت میں بھی جاری ہوسکتا ہے یعنی مثل غصب کے عاریت میں بھی اگر شہود وزن کا ذکر نہ کرینگے جب بھی شہادت مقبول ہوگی چونکہ نظر عالی نہایت وسیع ہے اور محققانہ مسلک ہے لہٰذا آپ کی خدمت باعظمت میں تصدیعہ دیا جاتا ہے کہ جواب باصواب سے آگاہ فرمایا جائے، مقدمہ کی تاریخ ۱۱/دسمبر ۱۹۰۸ء مقرر ہے، امید کہ ورود جواب سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵

قبل میعاد شرف حاصل ہوگا۔

خاکسار نیاز مند دیرین از ریاست رام پور ۸/ دسمبر ۱۹۰۸ء

الجواب:

اللھم لك الحمد (یا اللہ! تمام حمدیں تیرے لئے ہیں۔ت) اصل مقصود دعوی و شہادت دونوں میں تعین مدعی بہ ہے کہ قضا ممکن ہو فان القضاء بمجھول غیر معقول (مجہول چیز کا فیصلہ عقل کے خلاف ہے۔ت) درمختار میں ہے:

شرطھا ای شرط جواز الدعوی معلومیة المال المدعی اذ لا یقضی بمجھول[1]۔	اس کی شرط یعنی دعوی کی شرط یہ ہے کہ وہ مال معلوم ہو جس کا دعوی کیا گیا ہے کیونکہ مجہول چیز کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ (ت)

پھر جو شیئ حاضر ہو اس کی طرف اشارہ تعیین کے لئے کافی ہے۔ جامع الفصولین میں ہے:

تسمع الدعوی بحضرته عند الاشارة الیه وحینئذ یستغن عن ذکر الاوصاف والوزن والنوع[2]۔	مدعٰی کے حاضر ہونے پر اس کی طرف اشارہ سے دعوی مسموع ہوگا اور اس صورت میں دعوی میں چیز کے اوصاف، وزن اور اس کی نوعیت بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ (ت)

اسی میں ہے:

لو کان عینا حاضرا لا یشترط ذکر اوصافه[3]۔	اگر کسی موجود حاضر چیز سے متعلق دعوی ہو تو اس کے اوصاف کو ذکر کرنا شرط نہیں (ت)

یہاں تک کہ وزن بیان نہ کرنا درکنار اگر غلط وخلاف واقع بیان کیا ضرر نہ کرے گا لان التسمیة تلغو عن الاشارة (کیونکہ اشارہ کی وجہ سے اوصاف کا ذکر لغو ہو جاتا ہے۔ت) بزازیہ میں ہے:

ادعی حدیدا او ذکر انه عشرة امناء فاذا ھو عشرون او ثمانیة تقبل الدعوی	حاضر لوہے کو اشارہ کرکے دعوی کیا اور بیان کیا کہ یہ دس من ہے جبکہ وہ بیس من یا آٹھ من نکلا تو

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۵

[2] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۷

[3] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۹

والشھادۃ لان الوزن فی المشار الیہ لغو[1]۔	دعوٰی اور شہادت دونوں مقبول ہیں کیونکہ مشار الیہ چیز میں وزن کا بیان لغو ہوتا ہے۔(ت)

اور جو شیئ حاضر نہ ہو اس میں جنس وقدر، بالجملہ اس قدر اشیاء کا بیان ضروری ہے جن سے اس کی پوری تعیین بقدر امکان واحتیاج حاصل ہو، کنز الدقائق و تبیین الحقائق میں ہے:

(لایصح الدعوی حتی یذکر شیئا علم جنسہ وقدرہ) لان فائدتھا الالزام بواسطۃ الاشھاد ولا یتحقق الاشھاد ولاالزام فی المجھول فلا یصح[2]۔	کوئی دعوٰی صحیح نہیں ہوتا جب تک شیئ کو ذکر کرکے اس کی جنس اور قدر کو بیان نہ کیا جائے کیونکہ دعوے کا مفاد گواہی کے ذریعے الزام ثابت کرنا ہے جبکہ الزام اور گواہی مجہول چیز میں متحقق نہیں ہوسکتے اس لئے دعوٰی صحیح نہ ہوگا۔(ت)

قرۃ العیون میں ہے:

معلومیۃ المال المدعی ای ببیان جنسہ وقدرہ بالاجماع لان الغرض الزام المدعی علیہ عند اقامۃ البینۃ ولا الزام فیما لایعلم جنسہ وقدرہ[3]۔	جس مال کا دعوٰی ہو اس کا جنس اور مقدار بیان سے معلوم ہونا بالاجماع ضروری ہے کیونکہ غرض یہ ہے کہ مدعٰی علیہ کو گواہی کے وقت الزام دیا جائے جبکہ جنس اور قدر معلوم ہوئے بغیر الزام متحقق نہیں ہوگا۔(ت)

اور ظاہر ہے کہ سونے چاندی میں قدر وہی وزن ہے، جامع الفصولین میں ہے:

فی الذھب والفضۃ المقدر ھو الوزن[4]۔	سونے اور چاندی کے دعوٰی میں ضروری بیان وزن کا ہے۔(ت)

تو بیان وزن ضروری ہے اور بغیر اس کے دعوٰی ہو یا شہادت صحیح نہیں، بحر الرائق میں ہے:

اشار باشتراط معلومیۃ الجنس و	جنس اور قدر کے معلوم ہونے کی شرط میں انہوں

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الدعوٰی الفصل الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۲۱
[2] تبیین الحقائق کتاب الدعوٰی المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۲۹۱
[3] قرۃ عیون الاخیار کتاب الدعوٰی مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۱۶
[4] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۵

القدر الی انه لابد من بیان الوزن فی الموزونات[1]۔	نے اشارہ کیا ہے کہ وزنی چیز میں وزن کا بیان ضروری ہے۔ (ت)

عبارت عالمگیری سے اس مقدمہ میں استناد صحیح نہیں **اولاً** غصب وعاریت میں فرق ظاہر ہے کہ غصب ان مستثنٰی اشیاء سے جن کے دعوی میں قدرے جہالت تحمل کی جاتی ہے، ردالمحتار میں ہے:

یستثنی من فساد الدعوی بالمجهول دعوی الرهن والغصب لما فی الخانیة معزیا الی رهن الاصل اذا شهدوا انه رهن عنده ثوبا ولم یسموا الثوب ولم یعرفوا عینه جازت شهادتهم والقول للمرتهن فی ای ثوب کان وکذلك فی الغصب اھ فالدعوی بالاولی اھ بحر[2]۔	مجہول چیز کے دعوی کے حکم سے رہن اور غصب کا دعوی مستثنٰی ہے کیونکہ خانیہ میں اصل (مبسوط) کے رہن کے حوالہ سے ہے کہ جب گواہوں نے شہادت میں کہا کہ اس شخص نے فلاں کے پاس کپڑا رہن رکھا ہے اور کپڑے کا نام ذکر نہ کیا اور نہ ہی گواہ کپڑے کو جانتے ہیں تو یہ شہادت جائز ہوگی اور کپڑے کے تعین میں مرتہن کا قول معتبر ہوگا کہ وہ کون سا کپڑا ہے اور غصب میں بھی حکم یہی ہے اھ (شہادت میں جہالت جب قابل اعتبار ہے) تو یہاں دعوی میں بطریق اولٰی جائز ہوگی اھ بحر (ت)

ولہٰذا اس میں ذکر قیمت کی بھی حاجت نہیں، خود اسی عبارت عالمگیری میں کلام منقول سوال کے متصل ہی تھا،

وان لم یبین القیمة اشار فی عامة الکتب انها مسموعة کذا فی الظهیریة[3]۔	دعوی میں اگر قیمت کا بیان نہ ہو تو عام کتب میں دعوی کے مسموع ہونے کا اشارہ ہے، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے (ت)

ثانیاً: روایت مذکورہ کہ بعض ائمہ اس صورت پر محمول کرتے ہیں کہ مدعا علیہ غصب کا مقر ہوا اور عامہ مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی اگرچہ یہ تخصیص نہیں کرتے مگر ان کے نزدیک وہ قبول دعوی وشہادت صرف

---

[1] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۱۹۵

[2] ردالمحتار کتاب الدعوٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۲۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۵

حق حبس مدعا علیہ میں ہے یعنی تاکہ حاکم اسے حبس کرے کہ شیئ مدعی حاضر لائے نہ کہ ابتداءاسی قدر شہادت پر ڈگری دی جائے۔جامع الفصولین میں ہے:

| لوادعی عیناً غائباً لایعرف مکانہ بان ادعی انہ غصب منہ ثوباً او قناً ولایدری قیامہ او ھلاکہ فلو بین الجنس والصفۃ والقیمۃ تقبل دعواہ،ولولم یبین قیمتہ اشار فی عامۃ الکتب الی انھا تقبل فانہ ذکر فی کتاب الرہن لو ادعی انہ رھن عندہ ثوباًوھو ینکر تسمع دعواہ،وذکر فی کتاب الغصب ادعی انہ غصب منہ امۃ و برھن یسمع وبعض مشایخنا قالواانما تسمع دعواہ لو ذکر القیمۃ وھذاھو تاویل ماذکر فی الکتاب و قال فقیہ الاعمش رحمہ اللہ تاویل ماذکر فی الکتاب ان الشھود شھد واعلی اقرار المدعی علیہ بالغصب فثبت غصب القن باقرارہ فی حق الحبس والحکم جمیعا،وعامۃ المشایخ علی ان ھذہ الدعوٰی والبینۃتقبل ولکن فی حق الحبس واطلاق مر رحمہ اللہ تعالٰی فی الکتاب یدل علیہ ومعنی الحبس | کسی ایسی موجود غائب چیز کا دعوٰی کیا جس کے مقام کا علم نہیں جیسا کہ کسی دوسرے پر کپڑے یا غلام کو غصب کرنے کا دعوٰی کیا اور کہا معلوم نہیں کہ وہ مغصوب قائم ہے یا ہلاک ہوگیا ہے،تو ایسی صورت میں اگر مدعی نے اس چیز کی جنس،صفت اور قیمت کو بیان کیا تو دعوٰی مقبول ہوگا اور اگر قیمت کا ذکر نہ کیا تو عام کتب میں مقبول ہونے کا اشارہ ہے،کیونکہ انہوں نے کتاب الرہن میں ذکر کیا کہ ایک نے اگر کپڑے کے رہن کا دعوٰی کیا تو مدعی علیہ نے انکار کیا تو مدعی کا دعوٰی مسموع ہوگا،اور انہوں نے کتاب الغصب میں یوں ذکر کیا ہے ایک شخص نے دعوٰی کیا کہ فلاں نے میری لونڈی غصب کی ہے اور گواہ پیش کردئے تو یہ دعوٰی مسموع ہوگا اور بعض مشائخ نے ذکر کیا کہ اگر قیمت ذکر کی تو دعوٰی مسموع ہوگا یہ کتاب میں مذکور کی تاویل ہے اور فقیہ ابواعمش رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ کتاب الغصب میں مذکور کی تاویل یہ ہے کہ گواہوں نے مدعٰی علیہ کے غصب کے اقرار پر شہادت دی ہو تو اقرار کی بنا پر غلام کا غصب قید اور حکم دونوں میں ثابت ہوگا جبکہ عام مشائخ نے یوں ذکر کیا کہ یہ دعوٰی اور گواہی قبول ہوگی لیکن صرف حبس میں،جبکہ کتاب میں مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کا مطلق بیان اس کی تائید پر دلالت کرتا ہے اور حبس کا معنٰی یہ ہے کہ مدعٰی علیہ |

ان یحبسه حتی یحضره لیعید البینة علی عینه فلو قال لا اقدر علیه حبس قدر مالو قدر احضره ثم یقضی علیه بقیمته[1]۔	کو قید میں اس وقت تک رکھا جائے جب تک وہ غلام کو حاضر نہ کردے تاکہ حاضر ہوجانے پر گواہوں سے دوبارہ غلام کی تعیین پر شہادت لی جائے اگر اس دوران قیدی کہے کہ میں اس کو حاضر کرنے پر قادر نہیں ہوں تو اس وقت تک قید رکھا جائے کہ اگر قدرت ہوتی تو وہ ضرور حاضر کردیتا اس اندازے کے بعد تیسرے مرحلہ پر قاضی اس پر قیمت کا حکم دے گا(ت)

ثالثًا اگر ان سب سے قطع نظر ہو تو اس عبارت میں صورت ثوب وکنیز فرض کی ہے اور وہ موزونات سے نہیں ان میں جنس و صفت و قیمت ہی تعیین کرنے والے تھے اس سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ زیور میں بھی ذکر وزن ضروری نہ ہو حالانکہ وہ موزون ہے اور کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بیان قدر وکیل ووزن ضروری ہے کما تقدم (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ت) آخر نہ دیکھا کہ اگر دعوی ایسے ریشمیں کپڑے کا ہو جو وزن سے بکتا ہے بیان وزن لازم ہے، اسی عالمگیریہ میں ہے:

اذا ادعی دیباجا فان کان عینا یشترط الاشارة الیه وعند ذٰلك لاحاجة الی بیان الوزن وسائر اوصافه وان کان دینا ففیه اختلاف المشایخ هل یشترط ذکر الوزن فعامتهم یشترط وهو الصحیح ذخیرہ[2] اھ مختصرا۔	اگر دیباج کپڑے کا دعوی ہو تو اگر سامنے حاضر ہو تو اس کی طرف اشارہ کرنا دعوی میں شرط ہے اس صورت میں وزن اور دیگر اوصاف کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر وہ دیباج حاضر نہیں تو اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ کیا وزن کا بیان ضروری ہے جبکہ تمام فقہاء نے اس کو شرط قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے، ذخیرہ، مختصراً۔(ت)

اسی میں ہے:

اذا ادعی جوهرا لابد من ذکر الوزن اذاکان غائبا وکان المدعی علیه منکرا کون ذلك فی یده کذافی السراجیة[3]۔	جب جواہر کا دعوی ہو تو وزن کا ذکر ضروری ہے جب وہ جواہر غائب ہو اور مدعی علیہ اپنے قبضہ ہونے کا انکار کرتا ہو، سراجیہ میں یوں ہے۔(ت)

[1] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۳
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۶
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷

جامع الفصولین میں ہے:

فی دعوی الدیباج ھل یشترط ذکر الوزن الصحیح انہ یشترط وذکر فی"جف"انہ فی دعوی الدیباج والجوہر یشترط ذکر الوزن [1]۔	دیباج کے دعوی میں کیا وزن کا ذکر شرط ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ شرط ہے جامع الفتاوٰی میں ذکر کیا کہ دعوی دیباج اور جوہر میں وزن کا ذکر شرط ہے۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ دعوی استرداد عاریت کا ہوا اگر دعوی استہلاک کا تھا یعنی اتنا زیور اسے عاریۃً دیا تھا اس نے تلف کردیا تو اب یہ بعینہٖ دعوی غصب ہے اور اس کا حکم وہ ہے کہ اوپر مذکور ہوا،

وذٰلك لان الامانات تنقلب مضمونات بالتعدی والامین یعود بہ غاصبا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے کہ امانتیں دخل اندازی کی بناء پر مضمون ہوجاتی ہیں اور امانت رکھنے والا غاصب قرار دیا جاتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۹۳: از ریاست رامپور مرسلہ سید مسعود شاہ صاحب تحویلدار باورچی خانہ انگریزی ریاست رامپور ۶/ ربیع الاآخر ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی زید نے ایک منزل مکان منہدمہ(یعنی ہر چہار جانب دیوار ہائے شکستہ بقدر ساڑھے تین درعہ بلند موجود تھیں) چار سو پچیس درعہ اراضی مسمّٰی بکر سے خرید کرکے مکان پختہ تعمیر کیااور پس پشت مکان نو تعمیر کے ۱۲ گرہ عریض اور سراسر طویل اراضی برائے آبچک چھوڑی۔ مسمّٰی عمرو نے جس کا مکان پس پشت پر سے جزو اراضی آبچک میں مداخلت ناجائز کیا اس کے تخلیہ کا زید نے عمرو پر دعوی کیا عمرو نے یہ جوابدہی کی اراضی مدعا بہ ملکیت مدعی نہیں بلکہ میری مملوکہ ہے اور دستاویز پر میری گواہی نہیں ہے مگر عمرو نے کوئی ثبوت اپنی ملکیت کا اور باطل ہونے دستاویز بیعنامہ کا پیش نہیں کیا عدالت نے جو پیمائش اراضی کی کرائی تو بموجب تعداد مندرجہ بیعنامہ کے اراضی مدعیہ آبچک مکان مدعی پائی گئی مگر عدالت نے دعوی مدعی کو اس بناء پر نامنظور فرمایا کہ اس مقدمہ میں شہادت بالبینہ یااقبال یانکول نہیں ہے جس پر مدار فیصلہ ہونا چاہئے زید نے شہادت دستاویز بیعنامہ کو کافی تصور کرکے شہادت بالبینہ پیش نہیں کیاورنہ وہ بہت سی شہادتیں بالبینہ پیش کرسکتا تھااور اب بھی پیش کرسکتا ہے اس صورت میں عدالت کو دعوی نامسموع فرمانا چاہئے تھا

[1] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۹

یا زید کو ہدایت واسطے پیش کرنے شہادت بالبینہ کے فرمانی لازم تھی؟ اور اب عدالت مرافعہ میں شہادت بالبینہ مدعی کہ جس کو اس نے عدالت ابتدائی میں پیش نہیں کیا ہے پیش کرسکتا ہے یا نہیں؟ جو واسطے حق رسی وانصاف کے ضروری ہے نقل فیصلہ ہمراہ اس استفتا کے پیش کی جاتی ہے۔

الجواب:

تجویز ملاحظہ ہوئی، ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ "ثبوت دعوی کا بینہ سے ہوتا ہے یا اقرار مدعا علیہ سے یا نکول عن الحلف سے یہاں ان تین وجوہ شرعیہ سے کوئی نہیں۔" بہت صحیح ہے مگر ساتھ ہی یہ لحاظ بھی ضرور تھا کہ جس طرح ثبوت دعوی بغیر ان تین کے نہیں ہوسکتا یوں ہی قضائے قاضی بھی بغیر ان تین اور چوتھی یمین کے ناممکن ہے ان تین سے کوئی ہو تو مدعی کو ڈگری دے اور ان کے بدلے مدعا علیہ کی یمین ہو تو ڈسمس (Dismiss) کرے اور چاروں نہ ہوں تو حاکم ڈگری، ڈسمس کچھ نہیں کرسکتا اصلاً فیصلہ نہیں دے سکتا اور دے گا تو وہ فیصلہ بھی باطل و نامسموع ہوگا کہ حکم کے چھ ارکان ہیں ان میں سے جو رکن مفقود ہو حکم باطل و مردود ہے ان چھ میں ایک طریق حکم ہے اور وہ حقوق العباد میں انہیں چار اشیاء میں منحصر، تو جہاں ان میں سے کچھ نہ ہو طریق مسدود اور فیصلہ غلط و مردود۔ درمختار میں ہے:

ارکانہ ستۃ علی نظمہ ابن الغرس بقولہ۔ اطراف کل قضیۃ حکمیۃ ست یلوح بعدھا التحقیق حکم و محکوم بہ ولہ ومحکوم علیہ وحاکم وطریق [1]	قاضی کے فیصلہ کے چھ رکن ہیں جن کو ابن الغرس نے اپنی نظم میں یوں بیان کیا۔ ہر فیصلہ کے معاملہ میں چھ پہلو ہیں جن کے بعد تحقیق واضح ہوگی حکم، محکوم بہ، محکوم لہ، محکوم علیہ، حاکم اور وجہ حکم

ردالمحتار میں ہے:

ای لاتکون محلا لثبوت حق المدعی فیھا وعدمہ الا بالاستجماع ھذہ الشروط الستۃ، والطریق فیما یرجع الی حقوق العباد المحضۃ عبارۃ عن الدعوی والحجۃ وھی اما البینۃ اوالاقرار اوالیمین اوالنکول عنہ [2] اھ ملتقطا۔	یعنی کسی محل میں مدعی کے حق یا عدم حق کا ثبوت ان چھ شرطوں کے پائے جانے کے بغیر نہیں ہوسکتا اور خالص حقوق العباد میں فیصلے کا طریقہ، دعوی اور حجت یعنی گواہی یا اقرار یا قسم یا انکار قسم ہے، اھ (ت)

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۹۸۔۲۹

فتاوٰی قاضی خاں پھر بحرالرائق پھر فتاوٰی خیریہ میں ہے:

انما ینفذ القضاء عند شرائطه من الخصومة وغیرہا فاذالم توجد لم ینفذ[1]۔	کسی مقدمہ وغیرہ میں فیصلہ اپنی شرائط پائے جانے پر نافذ ہوگا، جب تمام شرائط نہ پائے جائیں تو نافذ نہ ہوگا(ت)

نیز فتاوٰی علامہ خیر الدین رملی میں ہے:

صرح فی البحر فی مواضع متعددۃ انه لایعمل بالتنافیذ الواقعة فی زماننا لعدم استیفائھا الشرائط الحکمیة التی نص علیھا ابن الغرس فی الفواکه البدریة بقوله حکم ومحکوم به وله ومحکوم علیه وحاکم وطریق[2]	بحر میں متعدد مواضع پر تصریح ہے کہ ہمارے زمانہ میں نافذ اکثر فیصلے قابل عمل نہیں کیونکہ ان میں فیصلہ کی تمام شرطیں جمع نہیں جن کو ابن الغرس نے فواکہ البدریہ میں یوں بیان کیا ہے: حکم، محکوم بہ، لہ و محکوم علیہ وحاکم وطریق۔

یہاں تین چیزوں یعنی بینہ، اقرار، نکول کا نہ ہونا خود مجوز کو تسلیم اور چوتھی یعنی یمین کا نہ ہونا بھی واضح۔ نہ مدعی نے طلب حلف کیا نہ حاکم نے مدعا علیہ سے حلف مانگا نہ مدعا علیہ نے حلف کیا تو بغیر اصلا کسی طریق شرعی کے مجوز کو فیصلہ کردینے کا کیا اختیار تھا ایسا ہی اختیار فرض کیا جائے تو دعوی پیش ہوتے ہی تحریر فرمادینا تھا کہ حکم ہوا کہ دعوی مدعی نامسموع ہوا آخر اس پر یہی توالزام ہوتا کہ بلاوجہ شرعی دعوی نامسموع کیا وہ الزام اب بھی حاصل ہے تو زمین پیمائش کرانے اور مدعا علیہ کے دس گواہ سننے سے سوا تطویل لاطائل کے کچھ مفاد نہ ہوا جب شرعًا بیعنامہ میں گزوں کی تعداد لکھی کوئی حجت شرعیہ نہ تھی اور فی الواقع وہ اصلًا حجت نہیں تو پیمائش کرانی محض فضول ہوئی، شرع مطہر نے گواہ مدعی پر رکھے ہیں اور قسم مدعا علیہ پر تو مدعا علیہ یعنی منکر سے ثبوت انکار پر گواہ لینا کوئی معنی نہ رکھتا تھا حدیث میں ارشاد ہوا:

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر[3]۔	گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم منکر کے ذمہ ہے(ت)

[1] فتاوٰی خیریہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخاں کتاب ادب القاضی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۹

[2] فتاوٰی خیریہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخاں کتاب ادب القاضی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۴ـ۲۳

[3] صحیح البخاری کتاب الرہن ۱/ ۳۴۲ وجامع الترمذی ابواب الاحکام ۱/ ۱۶۰ وسنن الدارقطنی نشر السنۃ ملتان ۴/ ۲۱۸، نصب الرایہ کتاب الدعوٰی باب الیمین المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۹۵

ہدایہ و بحر الرائق میں ہے:

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم البینة علی المدعی والیمین علی من انکر قسم والقسمة تنافی الشرکة[1]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق، گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم انکار کرنے والے کے ذمہ، یہ تقسیم ہے اور تقسیم اشتراک کے منافی ہے۔(ت)

پھر تجویز میں فرمانا کہ "ان کے اظہارات کے ملاحظہ سے ثابت ہے کہ دروازہ مدعا علیہ بدستور جائے قدیم پر ہے اور مدعی نے جو دیوار خود تعمیر کی ہے بجائے بنیاد قدیمی تعمیر کی ہے" صراحۃً شہادت علی النفی کا قبول کرنا ہے، دروازہ مدعا علیہ جائے قدیم پر ہونے کا اسی قدر حاصل کہ مدعا علیہ نے ملک مدعی میں کوئی تصرف نہ کیا، یونہی دیوار مدعی بجائے بنیاد قدیم تعمیر ہونے کا اسی قدر محصل کہ مدعی نے کوئی آبچک نہ چھوڑی جس میں مدعا علیہ تصرف کرتا، تو یہ صاف صاف نفی پر شہادتیں تھیں کہ اعتبار معنی کا ہے نہ کہ لفظ کا۔ ہدایہ وکافی و بحر وغیرہا میں ہے:

الاعتبار للمعانی دون الصور فان المودع اذا قال رددت الودیعة فالقول قوله مع الیمین وان کان مدعیا للرد صورة لانه ینکر الضمان[2]۔	معانی کا اعتبار ہے صورتوں کا نہیں، کیونکہ جب امانت رکھنے والا کہے کہ میں نے امانت واپس کردی ہے تو اس کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی اگرچہ صورتًا وہ واپس کرنے کا دعوٰی کررہا ہے، وجہ یہ ہے کہ واپسی کا دعوٰی کرکے اپنے ذمہ سے ضمان کا انکار کررہا ہے۔(ت)

بلکہ یہاں معنًی وصورۃً ہر طرح نفی ہے کہ قدم خود مفہوم سلبی ہے یعنی حادث وجدید نہ ہونا۔ **بالجملہ** جس قدر کارروائی اس مقدمہ میں واقع ہوئی سب محض بیکار و بے اثر و بیگانہ و بے ثمر ہوئی۔ میں نہیں کہتا کہ غلط فیصلہ ہوا، یہ تو جب کہا جائے کہ فیصلہ ہوا ہو اور اس میں خطا ہو۔ یہاں تو سرے سے فیصلہ ہوا ہی نہیں، یہ تجویز جس کا نام عوام میں فیصلہ رکھا جائے ہر گز فیصلہ ہی نہیں، ایک کاغذ سادہ ہے کہ فیصلہ کے چھ رکن شرع مطہر نے مقرر فرمائے اور یہاں رکن ششم معدوم ہے اور بغیر رکن کے وجود شیئ محال جس کی تصریحیں ابھی کتب معتمدہ سے گزریں تو مقدمہ ہنوز روز اول پر ہے مدعی بلاشبہہ

[1] بحر الرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۰۴

[2] بحر الرائق بحوالہ الہدایہ کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۱۹۳

گواہ دے سکتا ہے اور ان کا سننا حاکم پر فرض ہے اگر وہ نہ سنے تو دوسرے محکمہ میں اس کے گواہ سنے جائیں۔ معین الحکام میں ہے:

المواضع التی تصرفات الحکام فیھا لیست بحکم ولغیرھم من الحکام تغییرھا والنظر فیھا علی انواع کثیرۃ وانا اذکر عشرین نوعا[1] (الی ان قال) النوع التاسع التصرف فی انواع الحجاج بان یقول لااسمع البینۃ لانك حلفت قبلھا مع علمك بھا وقدرتك علی احجارھا فلغیرہ من الحکام ان یفعل ماترکہ[2]۔	وہ مقامات جہاں حکام کے تصرفات، حکم وفیصلہ نہیں بنتے اور دوسرے حکام کو ان میں تبدیل اور غور کا اختیار ہے، یہ کثیر اقسام ہیں اور میں بیس اقسام ذکر کر رہا ہوں، اور آگے فرمایا، نویں قسم، بحث کی انواع میں تصرف ہے، یوں کہ قاضی کہے کہ میں تیرے گواہوں کی شہادت نہ سنوں گا کیونکہ قبل ازیں تو گواہوں کے جاننے اور ان کو پیش کرنے پر قدرت کے باوجود قسم دے چکا ہے، تو اس حکم کو تبدیل کرنے کا دوسرے حکام کو اختیار ہے۔ (ت)

حاکم اپیل کو اختیار ہے کہ خود گواہ سنے اور مقدمہ حسب شرع ترتیب دے یا محکمہ ابتدائی کو واپس بھیجے کہ بعد تکمیل شرعی واسماع گواہان مدعی وہاں فیصل ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴: از ریاست بہاولپور پنجاب تحصیل منچن آباد ڈاکخانہ صادق پور موضع واڑہ سراج الدین مرسلہ پیر نور محمد صاحب ولد پیر قمر الدین صاحب ذات چشتی ۱۳/ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیر صدر الدین نے ۱۲۸۶ھ میں ایک طوائف مسماۃ رنگ بھری سے نکاح کیا اس وقت رنگ بھری کے دو نابالغ بیٹے اللہ بخش والٰہی بخش موجود تھے اور تیسرا جوان بیٹا اللہ دتا تھا صدر الدین نے وقت نکاح مذکور سے رنگ بھری کو مثل ازواج کے پردے میں رکھا جب تک وہ بے پردہ اپنے پیشہ حرام میں تھی، یہ دونوں بچے کہ خورد سال تھے ماں کے ساتھ پیر مرحوم کے یہاں رہے جن میں ایک کی شادی بھی پیر موصوف نے کردی رنگ بھری کا بڑا بیٹا اب تک الگ اور اپنے پیشہ حرام میں ہے صدر الدین مرحوم کے دو بیٹے زوجہ خاندانی مسماۃ نور سائن

---

[1] معین الحکام الرکن السادس مصطفی البابی مصر ص ۳۸

[2] معین الحکام الرکن السادس مصطفی البابی مصر ص ۴۰

سے تھے بدرالدین وسراج الدین پیر مرحوم کی کچھ جائداد علاقہ ریاست بہاولپور اور کچھ پاکپٹن شریف علاقہ انگریزی میں حسب تفصیل ذیل تھی:

علاقہ ریاست: واڑہ پیران کل، چک قمرالدین نمبر ۳۴۴ حصہ سوم، بلاڑہ پیر نبی بخش حصہ سوم، بلاڑہ صدرالدین کل۔

علاقہ انگریزی: واڑہ پیران کلاں، بلاڑہ پیران حصہ سوم، شیخوپورہ ملکیت ایک چاہ۔

صدرالدین نے ۱۳ / شوال ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۱/ مئی ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا اللہ بخش والٰہی بخش نے اپنے آپ کو پسران متوفی قرار دے کر ضلع منٹگمری میں بعض جائداد واقع علاقہ انگیزی کا داخل خارج چاہا، جون ۱۸۹۲ء میں عنایت اللہ پٹواری کے سامنے بدرالدین وفریق دوم کے بیانات ہوئے جن میں بدرالدین نے ان کے پسران صدر الدین ہونے سے انکار اور انہوں نے اس کا اظہار کیا شیخ لطافت علی نائب تحصیلدار نے ۲۷ ستمبر ۱۸۹۲ء کو ایک نقل رواج عام اقوام چشتی کے بناء پر جو بغرض ملاحظہ حاضر ہے چاروں کو فرزند صدر الدین قرار دے کر اندراج نام کا حکم دیا بدرالدین نے منشی عزیز الدین اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے یہاں اپیل کی بالآخر تنہا بدرالدین نے کسی دباؤ یا مصلحت سے راضی نامہ کرلیا جس میں کل جائداد ہر دو علاقہ کا ذکر ہے مگر جب مجوز نے بدرالدین کا بیان لیا تو اس نے صرف جائداد علاقہ انگریزی کی نسبت تصفیہ ہونا بیان کیا اور فریق دوم نے بھی اس کا یہ بیان سن کر تسلیم کیا اس بناء پر ۲۵/فروری ۱۸۹۳ء کو وہ مقدمہ وہاں فیصل ہوگیا جائداد واقع علاقہ انگریزی کے ۲/ ۵ نام اللہ بخش والٰہی بخش اور ۵/۳ میں نام سراج الدین وبدرالدین مندرج ہوا، سراج الدین اس راضی نامہ میں شریک نہ تھا، نہ وہ وہاں موجود تھا مگر بدرالدین نے اس اظہار سے کہ وہ میرا حقیقی بھائی ہے میرا اس کا نفع نقصان مشترک ہے اس کی طرف سے راضی نامہ کرلیا، اس صلح نامہ کی بناء پر فریق ثانی نے یکم جون ۱۸۹۳ء کو جائداد واقع ریاست کے داخل خارج کی بھی درخواست تحصیل منچن آباد میں دی جس کی کارروائی ملاحظہ کاغذات سے ظاہر ہوگی جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ بدرالدین وسراج الدین نے ۲۲/اگست ۱۸۹۳ء کو دعوی اللہ بخش والٰہی بخش تسلیم کیا اور ۳ / اکتوبر ۱۸۹۳ء کو کاردار نے حکم دیا کہ محکمہ بندوبست میں درخواست دے کر اندراج نام کرالیں لیکن انہوں نے کوئی درخواست نہ دی نہ اندراج نام ہوا اس وقت کا بندوبست جاری تھا بلکہ دسمبر ۱۸۹۲ء میں ختم ہوچکا تھا بجائے اس کے ۲۹/دسمبر ۱۸۹۸ء کو فریق ثانی نے پھر اسی تحصیل منچن آباد میں درخواست اندراج نام دی جو ۲۳/ مارچ ۱۸۹۹ء کو بوجہ عدم پیروی خارج ہوئی جب ۱۹۰۶ء میں بندوبست جدید ہوا مدعیوں نے یہاں چارہ جوئی کی ۲۵/جون ۱۹۰۶ء کو داخل خارج منظور ہو کر ۶ جنوری ۱۹۰۷ کو محکمہ مشیرت مال سے منسوخ ہوگیا ناچار ۲/ مئی ۱۹۰۷ء کو مدعیان نے نظامت بہاولپور میں نالش دخلیابی

دائر کی جو شیخ حسین بخش صاحب ناظم کے یہاں سے ۳۱/مارچ ۱۹۰۸ء کو ڈسمس ہوئی مدعیان نے افسر مال کے یہاں اپیل کی ۱۹/ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو یہاں سے بربنائے فتوائے ثالثان کامیابی پائی جس کی حالت یہ ہے کہ بحکم مولوی عبدالمالک صاحب افسر مال فریقین نے ثالثی کی طرف رجوع کی، چار ذی علم ثالث قرار پائے مولوی عطا محمد صاحب مدرس پھوگانوالہ، مولوی عبدالرحیم صاحب اول مدرس عربی خانقاہ مہاران شریف مولوی اللہ بخش چک نادر شاہی، مولوی جمال الدین ساکن ماڑی میاں صاحب۔، اور شرط تحریر ہوئی کہ اگر روداد مسل سے مدعیوں کا اولاد پیر صدر الدین ہونا شرعًا ثابت ہو تو ان کی وراثت کے باب میں فتوائے ثالثان ناطق ہوگا۔ ثالث اول الذکر نے نسب ثابت نہ مانا باقیوں نے اثبات کیا، افسر مال نے کثرت رائے پر فیصلہ دیا مدعا علیہم نے اخبئی میں نگرانی کی جس پر مولوی رحیم بخش صاحب رزیڈنٹ جوڈیشنل ممبر نے تحریر فرمایا کہ (جو عذرات واقعات پر ہیں ہم ان کو زیر بحث لانا نہیں چاہتے کیونکہ ڈگری بر بنائے فیصلہ ثالثی ہوئی ہے) لہذا ہر دو فتوائے ثالثان وفیصلہ نظامت وفیصلہ افسر مال واظہارات گواہان فریقین وجملہ کاغذات متعلقہ کے نقول باضابطہ خدمت علمائے دین میں حاضر کرکے امیدوار کہ خالصًا لوجہ اللہ حکم شریعت مطہرہ سے آگاہ فرمائیں کہ تین ثالث صاحبوں کا پہلا فتوٰی اور ثالث چہارم کا فتوائے دوم ان میں کون سا مطابق شرع شریف ہے اور فتوائے اول میں جن جن وجوہ سے مدعیان کو ثابت النسب مانا ہے وہ شرعًا صحیح ہیں یا غلط، نیز از روئے اقرار نامہ ثالثی مدعا علیہم اس فتوائے ثالثان کے پابند ہوئے یا نہیں، اور بالجملہ روداد مسل موجود سے بحکم شرع شریف دعوائے مدعیان ڈگری ہونا چاہئے یا ڈسمس، کاغذات متعلقہ کی مکمل نقول تو حاضر خدمت ہیں مگر آسانی ملاحظہ کے لئے واقع استثناء کا خلاصہ یہاں گزارش:

(۱) علاقہ آنروئے آب میں عنایت اللہ پٹواری کے سامنے بدرالدین وغیرہا کا بیان رپورٹ حکم، آج زبانی بدرالدین پسر متوفی کے معلوم ہوا کہ مسمّٰی صدرالدین والد مظہر فوت ہوگیا، مظہر وسراج الدین ہر دو پسر وارث وقابض ہیں نیز ظاہر کیا حسب تفصیل ذیل والد مظہر رنگ بھری کنجنی کو لے کر اس جگہ واڑہ پیران سے چلا گیا اور دیہات پار علاقہ ریاست بہاولپور میں بہت عرصہ تک رہا کیونکہ اس وقت چچا ہمارا محمد بخش برادر خورد والد مظہر زندہ تھا اس کے خوف سے اپنے دیہہ میں نہ آیا ان دنوں میں یہ دو تولد ہیں، جب چچا ہمارا مر گیا تب نکاح اس کے ساتھ کیا اور اس جگہ آکر آباد ہوا یہ ہر دو بچھلگ والد مظہر کے ہیں اللہ بخش و الٰہی بخش نے ظاہر کیا کہ

والد ہمارے نے ہم کو بطور دوسرے فرزندان کے پرورش کی ہے کچھ فرق نہیں کیا، چاہتے ہیں کہ ہم چاروں کا نام بحصہ برابر درج کیا جائے لہٰذا کھاتہ ہذا بمراد حکم مناسب پیش کرتا ہوں، ۹/جون ۱۸۹۲ء عنایت اللہ پٹواری۔
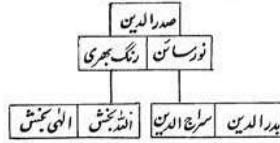
(۲) رواج عام اقوام چشتی پرگنہ پاک پٹن ضلع منٹگمری کتاب جلد ۲، ۱۸۷۲ء موجودہ دفتر فارسی محافظ خانہ مندرجہ ص ۸۸ لغایت ۹۰، ہمراہ عورت کمین مثل کنجری و موچیانی و ترکھانی و مچھانی کے نکاح بموجب شرع شریف کے جائز ہے اگر کوئی صاحب جائداد ہمراہ ایسی عورت کے نکاح کرلے تو اولاد اس کی مثل عورت ہم کف کے مالک ہوتی ہے۔ اگر ایسی عورت بدون نکاح رہے اور اس سے اولاد پیدا ہو تو ایسی اولاد حرام کی ہوتی ہے ان کو وراثت سے کچھ حصہ نہیں ملتا (نظائر) موضع واڑہ پیران مسمّٰی صدر الدین نے ہمراہ عورت بیوہ قوم پیرنی کے نکاح کرلیا اولاد اس کی بعد وفات صاحب جائداد کے مالک ہوگی۔

(۳) راضی نامہ مدخلہ کچہری اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر ضلع منٹگمری مابانکہ بدر الدین و سراج الدین واللہ بخش والٰہی بخش پسران پیر صدر الدین ہیں حسب ذیل مواضعات واقع علاقہ انگریزی وواقع ریاست بہاولپور خاص ملکیت پیر صدر الدین صاحب والد مظہران کی ہے ہم فریقین کل جائداد زرعی پر وقت وفات والد صاحب سے قابض ہیں اس لئے ہم فریقین نے برضامندی خود آپس میں اس طرح تصفیہ کیا ہے کہ کل جائداد مندرجہ بالا علاقہ انگریزی وریاست کے پانچ حصے کئے، تین حصے بدر الدین وسراج الدین کو دیں گے اور دو حصے کل جائداد زرعی سے اللہ بخش والٰہی بخش کو دیں گے، جس قدر زیادہ نصف سے بدر الدین وسراج الدین کو دیا گیا اس کا سبب یہ ہے کہ وہ بسبب سرداری کے بڑے ہیں، سراج الدین اس وقت موجود نہیں اس کی طرف سے مجھ بدر الدین ذمہ دار ہے کہ وہ اور میں بدر الدین حقیقی بھائی ہیں ۲۵ فروری ۱۸۹۲ء

(۴) بیان بدر الدین وتصدیق مدعیان نسبت راضی نامہ مذکورہ، استفسار بدر الدین ولد صدر الدین باقرار صالح ۲۵/ فروری ۱۸۹۳ء صدر الدین متوفی ہمارے والد کی جائداد زرعی علاقہ تحصیل پاکپٹن میں حسب ذیل ہے، واڑہ پیران کلاں سالم بلاڑہ پیران سوم حصہ شیخوپور میں ایک چاہ کی اراضی، والد مرگیا جب سے میرا اور سراج الدین میرے اور برادر حقیقی اللہ بخش والٰہی بخش برادران سوتیلی والدہ ہماری کا قبضہ جائداد پر علی الحساب بہ سبب تنازع رہا ہے اب برضامندی یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل پانچ حصے کرکے تین پانچویں مجھے اور سراج الدین کو ملے اور دو پانچویں اللہ بخش والٰہی بخش کو، جو زیادہ حصہ نصف سے مجھے اور سراج الدین کو دیا ہے وہ بوجہ اس کے ہے کہ میں اور سراج الدین بڑے بھائی ہیں، سراج الدین پار ریاست میں ہے اور میرا اور اس کا نفع نقصان مشترکہ ہے لہٰذا میں اس کی جانب سے

ذمہ دار ہوں۔ بدر الدین بقلم خود۔ دستخط عزیز الدین اسٹنٹ کلکٹر درجہ اول۔ استفتاء اللہ بخش والٰہی بخش پسران صدر الدین باقرار صالح ۲۵/ فروری ۹۳ء۔ بدر الدین برادر کلاں اپنے کا بیان ہم نے سنا یہ صحیح اور منظور ہے۔ اللہ بخش والٰہی بخش بقلم خود۔

(۵) شجرہ نسب و حقوق مالکان موضع واڑہ پیران کلاں تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری مرتبہ ۱۸۹۴ء شیخ قریشی المعروف چشتی
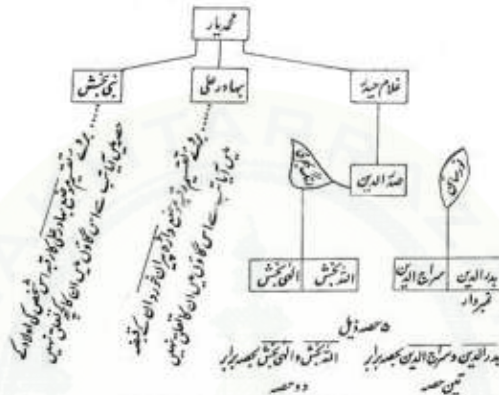
بموجب حکم ۲۵/فروری ۱۸۹۳ء حصص ملکیت برخلاف حصہ جدی کے رسمی قرار پائے۔

(٦) درخواست ابتدائی مشمولہ مسل نمبری ۲۳ موضع بلاڑہ صدر الدین تحصیل منچن آباد بابت داخل خارج مظہران برادر حقیقی وسراج الدین و بدر الدین برادران سوتیلے ہمارے کا راضی نامہ ہوا۔ نقل فیصلہ پیش کرکے ملتمس کہ موضع مذکور کا ۲/ ۵ حصہ ہمارے نام داخل خارج فرمایا جائے۔ یکم جون ۱۸۹۳ء العبد اللہ بخش والٰہی بخش پسران صدر الدین، اللہ بخش بقلم خود۔ بیان سائل لیا جائے بمراد تکمیل مسل حوالہ قانون گو ہو۔ یکم جون ۱۸۹۳ء ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ

(۷) بیان اللہ بخش مشمولہ مسل نمبری ۲۳۔ نام اپنا اللہ بخش باپ کا نام صدر الدین عمر تخمیناً (؛؛) سال حاضر آکر لکھوایا کہ مظہر اور الٰہی بخش برادر مظہر و بدر الدین و سراج الدین پسران شیخ صدر الدین ہر چہار وارث بحصہ برابر ہیں بدر الدین و سراج الدین نے ملکیت موضع بلاڑہ صدر الدین میں ہمارا نام درج نہیں کرایا اس باعث تکرار تھا برادری میں تصفیہ ہمارا ہوچکا ہے بموجب راضی نامہ ۲/ ۵ حصہ بنام مظہر والٰہی بخش داخل خارج فرمایا جائے، اللہ بخش بقلم خود۔ بعد تصدیق حکم ہوا کہ باجرائے پروانہ بدر الدین و سراج الدین والٰہی بخش بنابر قلمبندی بیان طلب کیا جائے، یکم جون ۱۸۹۳ء، آج مسل پیش ہوئی حکم ہوا کہ فریقین مقدمہ طلب ہو کر بیان ان کا قلمبند کیا جائے، ۱۳/جون سنہ ۹۳ء مسل پیش ہوئی آج تک نہ فریقین مقدمہ حاضر ہوتے ہیں نہ رپورٹ پیشکار شامل مسل ہوئی لہٰذا حکم ہوا کہ مقرر پیشکار کو لکھا جائے کہ جلد مطلوبگان کو بھجوادیں، ۲۹/اگست ۱۸۹۳ء۔

(۸) پروانہ بنام پیشکار صادق پور مشمولہ مسل نمبری ۲۳۔ اندریں مقدمہ ۱۳جون کو طلبی فریقین بمراد قلمبندی بیانات کی گئی تھی، آج تک ان کی جانب سے نہ رپورٹ شامل مسل ہوئی نہ فریقین حاضر آئے ہیں لہٰذا مکرر قلمی ہے کہ آپ فی الفور فریقین کو بھجوادیں، ۲۹اگست ۱۸۹۳ء فریقین کو باخذ مچلکہ روانہ کارداری میں کیا جائے ۶/ ستمبر ۱۸۹۳ء حکم سے اطلاع پائی سراج الدین بیمار ہے بروقت صحتیابی اس کے حاضر ہوجائیں گے ۷ ستمبر ۱۸۹۳ء العبد بدر الدین العبد اللہ بخش، جناب عالی مطلوبگان کو ہدایت احضار کی گئی اور العبد کرائے گئے ہیں سراج الدین سخت بیمار ہے بعد شفا حاضر ہوگا ۸/ ستمبر ۱۸۹۳ء

(۹) بیان بدر الدین وغیرہ مشمولہ مسل نمبری ۲۳ واقع ۲۲/اگست ۱۸۹۳ء، سوال اللہ بخش والٰہی بخش پسران صدر الدین نے لکھوایا ہے کہ تم نے کل ملکیت صدر الدین کی محکمہ بندوبست میں اپنے نام درج کاغذات موضع بلاڑہ صدر الدین کرالی ہے حالانکہ مظہران بھی وارث ہیں منٹگمیر سے فیصلہ ہوچکا درج کاغذات موضع بلاڑہ صدر الدین کرالی ہے حالانکہ مظہران بھی وارث ہیں منٹگمری سے فیصلہ ہوچکا ہے کہ ۲/ ۵ حصہ ما مظہران اور ۵/۳ حصہ تمہارا اقرار پایا ہے نام مظہران درج کاغذات فرمایا جائے تم کو اس ایزادی میں کیا عذر ہے؟

(جواب) مظہران کو کسی طرح کا عذر اس ایزادی میں نہیں ۲/ ۵ حصہ میں نام اللہ بخش والٰہی بخش کا ایزاد فرمایا جائے، العبد بدر الدین بقلم خود، العبد سراج الدین چونکہ اس ایزادی میں فریقین کو کچھ عذر نہیں لیکن یہ مسل بصیغہ وراثت دائر ہے وراثت کا فیصلہ محکمہ بندوبست میں ہوچکا ہے فریقین کو ہدایت ہو کہ درخواست ایزدی نام گذران کر حسب ضابطہ ایزادی کرادیں مسل پیشی سے خارج ہو کر داخل دفتر ہو۔ مورخہ ۲۳/اکتوبر ۱۸۹۳ء۔ چونکہ یہ مسل ماہ اکتوبر میں داخل دفتر نہ ہوئی

اب داخل دفتر ہو ۲۳/نومبر ۱۸۹۳ء

(۱۰) سند مولوی نور الدین توگیروی نکاح خواں شیخ صدر الدین و رنگ بھری پیش کردہ مدعا علیہم برحکام واضح باد کہ بتاریخ ۱۲۸۶ ہجری مقدس ایں خادم الشرع عقد نکاح پیر صدر الدین چشتی ولد پیر غلام حیدر چشتی در موضع کلاچی روبروئے گواہان قمر الدین نمبر دار کلاچی واکبر علی ساکن کلاچی و مولوی غلام قادر ساکن جمن شاہ بارنگ بھری کنجری ولد نامعلوم بستہ اللہ بخش والٰہی بخش قبل ازیں نکاح پیدا بودند، تحریر ۲۲/ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ العبد نور الدین توگیروی گواہ شد غلام قادر ساکن جمن شاہ

(۱۱) سند مولوی مذکور پیش کردہ مدعیان، بر علماء وحکام واضح باد کہ صدر الدین ولد پیر غلام حیدر چشتی رابطور نصیحت چند سال قبل از نکاح مشہورہ گفتہ کہ بارنگ بھری نکاح کردہ یا نے، صدر الدین گفت من خفیہ از برادری روبروئے دو کس گواہان مسماۃ مذکورہ نکاح کردہ بودم گفتم آریں شمار اکہ ایں کار بہتر کردہ۔ تحریر ۲۶/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ خادم الشرع نور الدین توگیروی۔ حشمت علی اقرار المقر۔	مدعی حضرت کی پیش کردہ سند از مولوی مذکور علماء وحکام پر واضح ہو کہ صدر الدین ولد پیر غلام حیدر چشتی کو نکاح مذکورہ سے قبل چند سال بطور نصیحت کہا تھا کہ تم نے رنگ بھری سے نکاح کیا ہے یا نہیں کیا، صدر الدین نے جواب میں کہا میں نے برادری سے خفیہ دو گواہوں کی موجودگی میں مسماۃ مذکورہ سے نکاح کیا ہے تو میں نے کہا کہ تمہیں آفرین ہے کہ تم نے یہ کام بہت اچھا کیا۔ تحریر ۲۶/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ خادم شرع نور الدین توگیروی و حشمت علی۔

(۱۲) بیان مولوی غلام قادر مسل نمبری افیصلہ ۶/ جولائی ۱۹۰۶ء تحصیل منچن آباد غلطی بندوبست باقرار صالح نام اپنا غلام قادر ولد مولوی جان محمد عمر (صہ) ال سکنہ جمن شاہ تحصیل پاکپٹن، عرصہ تخمیناً اڑتیس سال کا گزرا ہوگا کہ پیر صدر الدین کا نکاح اللہ بخش والٰہی بخش کی والدہ رنگ بھری سے مولوی نور الدین صاحب نے روبروئے مظہر، قمر دین، اکبر علی شاہ پڑھا تھا اس وقت اللہ بخش سات آٹھ سال کا تھا قرآن شریف مولوی صاحب مذکور سے پڑھا کرتا تھا الٰہی بخش تخمیناً چار سال کا تھا۔ یہ ہر دو شخص اللہ بخش الٰہی بخش اس نکاح سے پہلے موجود تھے جب بدر الدین و قاسم علی کو اس شہادت کی ضرورت پیش آئی کہ یہ دونوں لڑکے قبل از نکاح موجود تھے اور مولوی صاحب مذکور سے انہوں نے تحریر حاصل کی تو شہادت کے دستخط میں نے کردیئے میرے دستخط اس کاغذ پر موجود ہیں مظہر کو بھی حال معلوم ہے العبد مولوی غلام قادر۔

(۱۳) درباره درخواست ابتدائی مدعیان در تحصیل منچن آباد مشمول مسل نمبری ۴ گزارش ہے کہ ۱۵/شوال ۱۸۹۲ء میں پیر صدر الدین پدر فریقین کا انتقال ہوگیا ہم چہار برادران کا بابت تقسیم ترکہ پدر تنازع ہوکر نالش کی نوبت پہنچی جو بتاریخ ۳/فروری ۱۸۹۳ء فیصلہ اکسٹرا اسسٹنٹ ضلع منٹگمری داخل خارج حسب ذیل املاک آنروئے آب وریاست بہاولپور بدر الدین و سراج الدین اللہ بخش والٰہی بخش ہو کر عملدرآمد ہوا ان املاک ریاست ہذا میں قبضہ ادائے مالگزاری (۲/ ۵) وکاشت پر داشت ۲/ ۵ حصہ موقع پر موجود ہے لہٰذا عارض کو ۲/ ۵ بلاڑہ بدر الدین بنام مظہران داخل خارج فرمایا جائے ۲۹ دسمبر ۱۸۹۸ء اللہ بخش والٰہی بخش بقلم خود، بمراد تکمیل حوالہ قانون گو ہو اور بذریعہ پروانہ اسامیاں طلب کی جائیں، ۲۹ دسمبر ۱۸۹۸ء۔

(۱۴) حکم ظہری پرچہ کھتونی مشمولہ مسل نمبری ۱۴۔ آج مسل پیش ہوئی۔ پایا گیا کہ فریقین نے بعد دینے درخواست باوصف اجرائے احکامات کے پیروی نہیں کی حکم ہوا کہ مسل مقدمہ بعد پیروی خارج ہو ۲۳/مارچ ۱۸۹۹ء۔

(۱۵) درخواست در بندوبست جدید۔ درخواست غلطی بندوبست، بموجب فیصلہ شیخ عزیز الدین کلکٹر ضلع منٹگمری، اگرچہ حقیقت پر از وقت وفات پدرم قبضہ مالگزار بموجب فیصلہ مذکور الصدر ہمارا چلا آتا ہے بموجبہ غلطی بندوبست داخل خارج کاغذات سرکاری نہ ہوا چونکہ اب دوران بندوبست ہے لہٰذا مستدعی کہ داخل خارج ہمارے نام بموجب فیصلہ انگریزی وپرچہ مالگزاری ۲/ ۵ حصہ فرمایا جائے۔ نقل فیصلہ وپرچہ ملکیت شامل درخواست ہے، یکم جنوری ۱۹۰۶ء مستدعی اللہ بخش ولد پیر صدر الدین۔

(۱۶) بیان اللہ بخش بعد درخواست مذکور نام اپنا اللہ بخش ولد پیر صدر الدین ذات چشتی عمرو (عہ للعہ) سال بتا کر بیان کیا والد مظہر فوت ہوچکا ہے اس کے چار پسر تھے بدر الدین سراج الدین فوت ہوچکے ہیں غلطی بندوبست سے بعد فوت صدر الدین کے بدر الدین سراج الدین کا داخل خارج وراثت ہو کر عملدرآمد ہوگیا اور مظہر والٰہی بخش کے نام اندراج نہ ہوا ضلع انگریزی میں مقدمہ دائر ہوا جس سے یہ قرار پایا کہ ۲/ ۵ حصہ مظہر والٰہی بخش کے لئے جائیں جس کی نقل شامل درخواست ہے چاہتا ہوں ۲/ ۵ حصہ پر داخلخارج فرمایا جائے۔ اللہ بخش ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ۲/جنوری ۱۹۰۶ء

(۱۷) درخواست تقرر ثالثان مشمولہ مسل ۱۶ مرجوعہ ۷ /۲ اپریل ۱۹۰۸ء۔ کل مقدمہ سپرد ثالثان کرکے اعتراضات قانونی ورواجی چھوڑ دئے گئے ہیں لکھ دیتے ہیں کہ اگر موجودہ روئداد مسل سے مدعیان کا اولاد صحیح النسب ہونا پیر صدر الدین موصوف سے ثابت ہوجائے تو مجھ مدعاعلیہ کو واپسی جائداد سے

کچھ انکار نہ ہوگا اگر انکا شرعًا نسب ثابت نہ ہو تو پھر ان کا میراث سے کچھ تعلق نہ ہوگا اور بشرط اولاد صحیح النسب ہونے کے فتوائے ثالثان ناطق ہوگا اور ہمیں کچھ عذر نہ ہوگا، ۱۸جون ۱۹۰۸ء، بمقام صادق پور روبرو افسر صاحب مال مولوی عبدالمالک۔ العبد بخش مدعی بقلم خود، العبد الٰہی بخش مدعی بقلم خود، العبد احمد شاہ مدعا علیہ بقلم خود۔ تحریر ہوا کہ مولوی صاحبان تمام موضع چک بھوگانوالہ میں جمع ہو کر بموجب روائداد مسل کے فتوی دیں۔ امور تنقیح بحث طلب یہ ہیں کہ آیا مدعیان پیر صدر الدین کی اولاد صحیح النسب ہے یا نہیں۔ دوسرا اراضی نامہ مصدقہ ضلع منٹگمری کا شرعًا کیا اثر ہے۔ فیصلہ کثرت رائے ثالثان پر کیا جائے گا فتوی چار یوم کے اندر داخل ہو، ۱۸/جون ۱۹۰۸ء دستخط افسر مال۔

(۱۸) فتوی مولوی عبدالرحیم وغیرہ مشمولہ مسل نمبری ۱۶۔ مدعیان نے ایک صلحنامہ از جانب والد و چچا مدعا علیہما پیش کیا جس میں صریح لکھا ہے کہ مدعیان پیر صدر الدین کے بیٹے ہیں۔ علاوہ بریں معتبر شہادت سے ثابت ہے کہ پیر صدرالدین مورث مدعیان کو اپنا بیٹا تسلیم کرتا تھا بدر الدین و سراج الدین نے تحصیل میں بھی مدعیان کو اپنے بھائی پیر صدر الدین کے بیٹے قرار دے کر لکھوایا ہے کہ بیشک حسب مضمون صلحنامہ ریاست میں بھی ملکیت کا عملدرآمد ہونا چاہئے۔ علاقہ آنروے آب میں بھی پٹواری کے سامنے سراج الدین و بدر الدین نے مدعیان کو اپنے بھائی لکھوائے ہیں۔ رواج عام اقوام چشتی اور شجرہ نسب جو ضلع منٹگمری میں لکھا ہے مدعیان پیر صدر الدین کی اولاد اور وارث لکھے ہیں اور اس پر پیر صدر الدین اور بعض شاہدان نفی نسب کے ثبوت نسب پر مواہیر موجود ہیں شہادت مدعا علیہما نفی پر مشتمل ہیں اور شہادت نفی مقبول نہیں ہوتے۔ پس بوجہ اقرار پیر صدر الدین بولدیت مدعیان اور تسلیم بدر الدین و سراج الدین اخوت مدعیان کو فتوی شرعی یہ ہے کہ مدعیان کا نسب پیر صدر الدین سے ثابت ہے۔

اذا اقر وارث واحد بوارث کمن ترك ابنا فاقر باخ لا یثبت نسبه عندهما وقال ابو یوسف یثبت وبه اخذ الکرخی لانه لما قبل فی المیراث قبل فی النسب وان کان اکثر من واحد بان کان رجلین	جب ایک وارث دوسرے کے وارث ہونے کا اقرار کرے جیسا کہ میت کا بیٹا اپنے بھائی کا اقرار کرے تو شیخین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک بھائی کا نسب ثابت نہ ہوگا اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ نسب ثابت ہوجائے گا اور امام کرخی نے اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ ایک کے اقرار سے جب وارث ہونا ثابت ہوجاتا ہے تو نسب میں اس کا قول تسلیم کیا جائے گا اور

اورجلا وامرأتين فصاعدا يثبت النسب باقرار هم بالاجماع لكمال النصاب و يستحق حظه من نصيب المقر[1] اھ حموی ۱۲ قرۃ العیون۔	ایک سے زائد ورثاء مثلاً دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کسی کے وارث ہونے کا اقرار کریں تو اس اقرار سے نسب بالاجماع ثابت ہوجائے گا کیونکہ شہادت کا نصاب کامل ہے اور اقرار کرنے والوں کے حصہ میں یہ بھی شریک ہوگا اھ ۱۲ حموی قرۃ العیون (ت)

مولوی نور الدین صاحب نکاح خوان کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت نکاح ثانی مدعیان موجود تھے اور دوسری تحریر میں ہے کہ نکاح مشہور سے پہلے پیر صدر الدین کا نکاح مخفی والدہ مدعیان کے ساتھ تھا ہر نکاح مخفی جو روبروئے گواہان کے ہو معلن ہوجاتا ہے اور شرعاً جائز نافذ ہے باپ نے جب اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ماں اس کی آزاد ہے تو یہ اقرار فرزندی اقرار ہوگا اس عورت کے منکوحہ ہونے پر۔ در مختار، طحطاوی، قنیہ ۱۲ نور الہدایہ العبد عبدالرحیم اول مدرس عربی خانقاہ مہاران شریف، اللہ بخش چک نادر شاہی، احقر العباد جمال الدین بقلم خود۔

(۱۹) فتوٰی مولوی عطا محمد مشمولہ مسل نمبر ۱۶۔ ملاحظہ مسل سے ظاہر کہ مدعیان نے بابت اثبات نسب و وراثت تین امر پیش کئے، ایک شہادت، دوسرا اقرار پیر صدر الدین بذریعہ نقل رواج عام جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد موجودہ صدر الدین ازرنگ بھری وارث ہوں گے اس رواج عام پر مہر صدر الدین بھی ہے گو اس میں نام اللہ بخش والٰہی بخش نہیں لیکن اولاد بحسب الظاہر رنگ بھری و صدر الدین بغیر ان دونوں کے اور کوئی نہیں لہٰذا ضرورۃً یہی تصور کئے جائیں گے، تیسرا صلحنامہ جس میں بدر الدین کی طرف سے اقرار صریح ہے لیکن اقرار سراج الدین نہیں ثابت ہوتا کہ سراج الدین موقع پر نہ تھا۔ ایسا ہی کسی اور جگہ مسل مقدمہ سے اقرار سراج الدین ثابت نہیں جس وقت تحصیلدار منچن آباد نے مخاطب ہو کر فرمایا تم کو اس ایزادی میں کوئی عذر ہے تو سراج الدین نے بیان کیا کہ کوئی عذر نہیں، اس سے تسلیم صلحنامہ بحق جائداد ثابت ہوتا ہے نہ بحق ثبوت نسب جیسا کہ استفہام تحصیلدار و جواب سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن احقر کو بہ نسبت ہر ایک امر ان تینوں میں سے بحق ثبوت نسب اعتراض ہے۔ امر اول شہادت۔ رکن شہادت شرع شریف میں لفظ اشھد یا اس کا ہم معنی چنانچہ گواہی مید ہم ہے۔ در مختار:

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۴۹

رکنہا لفظ اشھد لاغیر لتضمنہ معنی مشاہدۃ وقسم واخبار للحال فکانہ یقول اقسم باللہ لقد اطلعت علی ذٰلك وان اخبربہ وھذہ المعانی مفقودۃ فی غیرہ فتعین[1]۔	شہادت کارکن لفظ شہادت ہے دوسرا کوئی لفظ رکن نہیں کیونکہ یہ لفظ مشاہدہ کے معنی اور قسم اور حال کی خبر کو متضمن ہے گویا کہ گواہ نے یوں کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اس واقعہ پر اطلاع پائی میں اس کی خبر دیتا ہوں کہ جبکہ یہ معانی کسی دوسرے لفظ میں نہیں پائے جاتے لہٰذا یہی لفظ شہادت متعین ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ولایخلو عن معنی لتعبد اذلم ینقل غیرہ[2]۔	اور شہادت عبادت سے خالی نہیں جبکہ شارع کی طرف سے دوسرا کوئی لفظ اس عبارت میں منقول نہیں ہوا (ت)

تنویر الابصار:

لزم فی الکل لفظ اشھد بلفظ المضارع بالاجماع لقبولہا والعدالۃ لوجوبہ[3]۔	تمام گواہیوں میں اشھد کا لفظ مضارع بالاجماع لازم ہے قبولیت کے لئے اور گواہوں کی عدالت وجوب کی بناء پر ضروری ہے (ت)

قرۃ العیون میں ہے:

حتی لو قال اعلم او اتیقن لاتقبل شھادتہ لان النصوص ناطقۃ بلفظ الشھادۃ فلا یقوم غیرہا مقامہا[4]۔	حتی کہ اگر گواہ نے "میں جانتا ہوں" یا "یقین رکھتا ہوں" کہہ دیا تو قبول نہ ہوگا کیونکہ تمام نصوص لفظ الشادۃ کو بیان کررہی ہیں اس کی جگہ دوسرا لفظ قائم مقام نہ بنے گا (ت)

مولوی اسحٰق دہلوی کا غیر ضروری کہنا اشھد کو مخالف نصوص فقہاء وماثور ہے اور بس

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰
[2] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰
[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱
[4] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۶

ظاہر ہے کہ شہادات مندرجہ مسل میں لفظ اشھد یا اس کے ہم معنی کا کہیں نام ونشان نہیں لہٰذا یہ شہادات قبول کرنا شرعًا ناجائز ہے۔ امر ثانی اقرار صدر الدین مع نقل رواج عام میں یہ اعتراض ہے کہ دفاتر سلطانیہ سجلات محاضر کے امور مندرجہ تب حجت ہوتے ہیں کہ ان کے یا محافظ دفتروں کے ہاتھ محفوظ رہیں۔ اگر فریقین مقدمہ یا اجنبی کے ہاتھ میں آجائیں تو حجت نہیں ہوتے۔ شامی جلد ۴ ص ۳۲۱:

سجل القاضی لایزور عادۃ حیث کان محفوظاً عند الامناء بخلاف ماکان بید الخصم[1]۔	قاضی کے دفتری امور کے کاغذات جعل سازی سے عادۃً اس وقت محفوظ ہوتے ہیں جب وہ امین لوگوں کے پاس محفوظ ہوں بخلاف جب وہ مخالف فریق کے ہاتھ میں ہوں۔ (ت)

چونکہ نقل رواج عام بذریعہ مدعیان پہنچی اور اصل سجل کا ملاحظہ نہ ہوا حجت شرعی نہ ہوگی۔ امر ثالث صلحنامہ میں یہ اعتراض ہے کہ فقط اقرار بدر الدین بہ ثبوت نسب ثابت ہوتا ہے سراج الدین کا اقرار بہ نسب کسی جگہ سے ثابت نہیں، پس اقرار ایک بدر الدین بموجودگی سراج الدین مثبت نسب نہیں ہوسکتا۔ تنویر الابصار:

لو اقر رجل بنسب فیہ تحمیل علی غیرہ لا یصح الاقرار، ومن مات ابوہ فاقر باخ شارکہ فی الارث ولم یثبت نسبہ[2]۔ (ملخصًا)	اگر ایک شخص کسی کے نسب کا اقرار کرے جس سے دوسرے کے حصہ پر زد پڑے تو یہ اقرار صحیح نہ مانا جائے گا، اگر کسی کا والد فوت ہوا اور اپنے بھائی کا اقرار کرے تو یہ بھائی اس کے ساتھ وراثت میں شریک ہوگا لیکن اس ایک کے اقرار سے والد سے نسب ثابت نہ ہوگا (ملخصا)۔ (ت)

عبارت قرۃ العیون سے مطلب مولوی صاحبان ثابت نہیں، عبارت مذکورہ سے مقصود بیان اس صورت کا ہے کہ مقر وارث واحد ہو کہ اس کے ساتھ کوئی وارث نہ ہوا، اگر وارث دیگر ہو تو ثبوت نسب اقرار واحد شخص سے بموجب روایت امام ابویوسف بھی نہیں ہوسکتا۔ خود قرۃ العیون کی اس سطر سے پہلے ملاحظہ فرمائیے:

قال فی البدائع ان الوارث لو کان کثیرا	بدائع میں فرمایا اگر ورثاء کثیر ہوں تو ایک کے کسی

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۸

فاقر واحد منھم باخ اٰخر ونحوہ لایثبت نسبہ ولا یرث معھم ولو اقرمنھم رجلان اورجل وامرأتان یثبت نسبہ بالاتفاق،ولو کان الوارث واحدا فاقر بہ یثبت عند ابی یوسف خلافاً لابی حنیفۃ ومحمد وبقول ابی یوسف اخذ الکرخی اھ وظاہر المتون علی ترجیح قولھما کما لایخفی اھ قرۃ العیون[1] ج ۲ص ۱۳۱۔	بھائی کے متعلق اقرار کرنے سے اس بھائی کی نسب ثابت نہ ہوگی اور باقی ورثاء کے حصوں میں شریک نہ ہوگا اور اگر ان ورثاء میں سے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اقرار کریں تو پھر باتفاق نسب ثابت ہوجائے گا اور اگر ایک ہی وارث اقرار کرے تو امام ابویوسف کے نزدیک نسب ثابت ہوگا،بخلاف امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ،امام ابویوسف کے قول کو امام کرخی نے لیا ہے جبکہ ظاہر متون نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔قرۃ العیون جلد ۲ص ۱۳۱(ت)

چونکہ صورت مقدمہ میں بدر الدین کے ساتھ دوسرا وارث سراج الدین ہے تو اقرار بدر الدین اکیلے کا بموجب روایت امام ابویوسف بھی مثبت نسب نہ ہوگا،ہر دو تحریرات مولوی نور الدین قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان تحریرات سے نہیں جو شرعاً حجت ہو،باقی رہا اقرار بحق جائداد تو اقرار بدرالدین سے ضرور شرکت فی الوراثۃ اس کے حق میں ثابت ہے سراج الدین کا قول روبروئے تحصیلدار بظاہر تسلیم صلحنامہ بحق جائداد ہے وبلحاظ استقلال کلام وعدم ضمیر راجع کلام مستانف ہوگی مبنی براقرار نہ ہوگی،بہر حال شرکت فی الوراثت در کل جائداد یا درحصہ بدر الدین بموجب ضمانت وثابت ہوگی اور بموجب صلحنامہ اقرار بدر الدین مستحق وراثت علی حسب صلحنامہ ہوں گے۔خادم الشرع عطا محمد مدرس پھوگانوالا بقلم خود فقط۔

(۲۰) رپورٹ ثالثان مشمولہ مسل نمبر ۱۶۔ گزارش ہے کہ سوائے تحقیقات جدید کے مظہران فیصلہ نہیں کرسکتے اور اب تحقیقات جدید کا موقع نہیں رہا کہ احمد شاہ مدعا علیہ نے محکمہ پریذیڈنٹی میں واسطے منسوخی ثالثان کے عرضی دی ہے اور بیان کیا ہے کہ مسل واسطے ملاحظہ کے محکمہ مذکور الصدر میں طلب کی گئی ہے اس واسطے تحقیقات جدید ملتوی کی گئی پھر جب حکم ہو تحقیقات کی جائیگی ۲۱/ جون ۱۹۰۸ء العبد اللہ بخش چک نادر شاہی،العبد عطا محمد مدرس عربیہ پھوگانوالا،العبد عبدالرحیم اول مدرس عربیہ مہاران شریف۔

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۴۷

(۲۱) نقل عرضی منسوخی ثالثان مشمولہ مسل نمبری ۱۶ جناب عالی افسر صاحب مال نے من مدعا علیہ کو ثالث مقرر کرنے کو ارشاد فرمایا تھا لیکن سائل نے انکار کیا تھا اور اس میں رضامند نہیں تھا عدالت موصوف نے مجھ سے جبراً اقرار نامہ ثالثی داخل کرالیا ہے جس میں سائل بالکل رضامند نہیں جیسا کہ پہلے سے رضامند نہیں تھا لہٰذا التماس ہے کہ تقرر ثالثی منسوخ فرمایا جائے اور جیسی کارروائی قبل از تقرر ثالثی تھی ویسی ہی جاری کی جائے ۲۱/جون ۱۹۰۸ء فدوی احمد شاہ ولد سراج الدین بقلم خود۔
نقل حکم پریذیڈنٹ: مسل کا ملاحظہ کیا گیا درخواست تقرر ثالثان دستخطی شاکی ہے، ایک اعلیٰ افسر کی نسبت بدظنی کی کوئی وجہ ہے اس لئے ناقابل التفات قرار دے کر مسل بمراد کارروائی ضابطہ واپس جائے۔ دستخط پریذیڈنٹ صاحب۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (یااللہ! حق اور درستی عطافرما۔ ت) قبل اس کے کہ ہم بتوفیق الٰہی یہاں حکم شرعی بیان کریں اتنی گزارش فریقین مقدمہ وحکام سب سے ضرور کہ معاملہ اہل اسلام کا ہے ریاست مسلمانوں کی ہے، ابتداءً ہی ہر فریق پر فرض تھا کہ حکم شرع پر گردن رکھتا، حکام پر فرض تھا کہ شرع مطہر کے موافق فیصلہ کرتے۔

قال اللہ تعالٰی "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾"[1] **وقال تعالٰی** "اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾"[2]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اے نبی! تیرے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنی باہمی نزاع میں تجھے حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تو حکم فرمائے اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) کیا تونے انہیں نہ دیکھا جن کا دعوی ہے کہ وہ ایمان لائے قرآن مجید اور اگلی کتابوں پر، پھر یہ چاہتے ہیں کہ مخالفان خدا اور رسول کی بات پر فیصلہ رکھیں حالانکہ انہیں تو ان سے منکر ہونے کا حکم تھا اور شیطان چاہتا ہے انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے (ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۰

وقال تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝۲۰۸" [1]۔ وقال تعالٰی وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷" [2]۔ وقال تعالٰی "فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۵" [3]۔	(اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے آجاؤ یعنی ہر بات میں احکام اسلام ہی کی پیروی کرو اور شیطانی راہ کے پیچھے نہ جاؤ بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا) جو شریعت مطہرہ کے مطابق حکم نہ کریں تو وہی لوگ فاسق ہیں (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا) وہی لوگ ظالم ہیں۔

اب کہ معاملہ ثالثی تک پہنچا اور اہل علم ثالث کئے گئے اور ان سے فتوی طلب ہوا تو خود ہی تمام بادی چھنٹ گئی اور صرف شرع مطہر پر بنائے کار رہی ولہذا اقرار نامہ میں فریقین نے لکھ دیا تھا کہ "کل مقدمہ سپرد ثالثان کرکے اعتراضات قانونی اور رواجی چھوڑ دئے گئے ہیں" اب صرف اتنا دیکھنا رہا کہ فتوائے ثالثان صحیح و مطابق قواعد شرعیہ ہے یا نہیں، اور اس جانچ میں صرف قواعد شریعت مطہرہ پر نظر لازم، قانونی یا رواجی جھگڑوں کی طرف اصلاً التفات نہیں، نہ یہ کہ **معاذاللہ** شرعی احکام کو تاویلات دور از کار کرکے قانون ورواج کی طرف ڈھالنا کہ یہ ان تمام آیات کریمہ کے صریح مخالف ہوگا، **واللہ الهادی**۔

اب ہم بیان حکم شرعی کی طرف توجہ ہوتے ہیں و باللہ التوفیق، کاغذات ملاحظہ ہوئے یہ فیصلہ کہ ثالثوں نے کیا اور اسی پر افسر مال نے مدار حکم رکھا شرعاً محض باطل ہے اس کا بطلان بہت وجہ سے ہے، **ایک** یہ کہ فیصلہ کرنے والے شرعاً ثالث ہی نہ تھے، نہ ان کو اصلاً فیصلہ کا اختیار تھا نہ ان کا فیصہ کسی راہ چلتے اجنبی کی بات سے زیادہ وقعت رکھتا ہے۔

دوم: اگر وہ ثالث فرض بھی کئے جائیں جب بھی انہیں خاص اس فیصلہ کا اختیار نہ تھا جو انہوں نے دیا۔

سوم: اس سے بھی قطع نظر ہو تو ان کا فیصلہ بوجہ باہمی اختلاف رائے کے نامعتبر ہے۔

چہارم: ان سب سے درگزریے اور نفس فیصلہ کو دیکھئے جو تین ثالثوں نے کیا تو وہ خود ہی یکسر مخالف شرع واقع ہوا____اب ان سب وجوہ کو بتوفیق اللہ تعالٰی بیان کرتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸

[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۷

[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۵

وجہ اول: پنچوں کو فیصلہ کا اختیار اس وقت ہوتا ہے کہ ان کے حکم دینے تک فریقین ان کے پنچ ہونے پر راضی رہیں، اگر ایک فریق بھی پنچ کے حکم دینے سے ایک آن پہلے اس کی ثالثی پر ناراضی ظاہر کرے فورًا وہ ثالثی سے نکل جائے گا اور اسے حکم دینے کا کچھ اختیار نہ رہے گا اور حکم دے تو اصلًا نہ سنا جائیگا یہاں تک کہ ہمارے علماء فرماتے ہیں اگر تمام ترتیب و تکمیل مقدمہ کے بعد جب صرف حکم دینے کی دیر رہی تھی ثالث نے ایک فریق سے کہا میرے نزدیک حجت تجھ پر قائم ہو گئی میں تجھ پر حکم دیا چاہتا ہوں اس نے کہا میں تیرے ثالثی سے راضی نہیں، بس یہ کہتے ہی ثالث کو اختیار جاتا رہا اب وہ کچھ حکم نہیں کر سکتا۔ درمختار جلد ۴ صفحہ ۵۲۰ میں ہے:

(ینفرد احدھما بنقضه) ای التحکیم بعد وقوعه[1]۔	ثالث بننے والے کے فیصلہ کو ایک فریق بھی رد کر سکتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار جلد ۴ صفحہ ۵۴۲ میں ہے:

لکل منهما عزله قبل الحکم[2]۔	ثالث کے فیصلہ سے قبل کوئی ایک فریق بھی ثالث کو معزول کر سکتا ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری جلد ۳ ص ۱۲۱ میں محیط سے ہے:

لو وجه الحکم القضاء علی احدھما یرید به ان الحکم قال لاحد الخصمین قامت عندی الحجة بما ادعی علیك من الحق ثم ان الذی توجه علیه الحکم عزله ثم حکم علیه بعد ذٰلك لاینفذ حکمه علیه[3]۔	اگر حکم کسی ایک فریق پر فیصلہ متوجہ کرے، سے مراد یہ ہے کہ حکم ایک فریق کو کہے کہ دعوٰی کرنیوالے کی حجت میں تجھ پر قائم سمجھتا ہوں کہ حق ہے پھر یہ فریق اس کو معزول کردے اور اس کے باوجود حکم اس فریق کے خلاف فیصلہ دے دے تو وہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

یہاں کہ احمد شاہ نے قبل حکم ثالثان ثالثی سے اپنی ناراضی بذریعہ عرضی ظاہر کی ثالثی فورًا منسوخ ہو گئی اور ثالثوں کا فیصلہ ایسا ہی ہو گیا جیسے راہ چلتا کوئی اجنبی کچھ کہہ جائے اور اس کی نسبت یہ عذر کہ

---

[1] درمختار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲

[2] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب القضاء باب التحکیم الباب الرابعون والعشرون نورانی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور ۳/ ۳۹۸

درخواست تقرر ثالثان احمد شاہ کی دستخطی ہے کچھ بکار آمد نہیں، احمد شاہ نے عرضی میں فقط یہی بیان نہ کیا کہ مجھ سے جبراً تقرر ثالثان کرالیا ہے میں رضامند نہ تھا بلکہ صاف لکھ دیا ہے کہ "سائل بالکل رضامند نہیں جیسا کہ پہلے رضامند نہ تھا" اس کا اس قدر لکھنا منسوخی ثالثی کے لئے کافی ہے پس ثالثی باطل محض ہوگئی اور یہ فیصلہ اصلاً قابل التفات نہیں۔

وجہ دوم: بالفرض اگر ثالثی باقی بھی رہتی تو ملاحظہ مسل سے ظاہر کہ مدعا علیہم میں ایک لڑکا خدا بخش نابالغ بھی ہے اور جب کہ فیصلہ بحق مدعیان دیا گیا تو اس کا ضرر اسے بھی پہنچے گا اور ثالثوں کو کوئی اختیار نہیں کہ ایسا فیصلہ دیں جس کا اثر نابالغ پر پڑے۔ رد المحتار میں جلد ۴ ص ۵۴۲ میں ہے:

لایصح حکمه بما فیه ضرر علی الصغیر بخلاف القاضی[1]۔	نابالغ کے خلاف ضرر رساں فیصلہ حکم نہیں دے سکتا بخلاف قاضی کہ وہ ایسا کرسکتا ہے۔ (ت)

اور وجہ اس کی ظاہر کہ ثالثی کا حاصل فریقین کا باہمی ایک صلح کرلینا ہے احمد شاہ کو کیا اختیار کہ ایسی صلح کرے جس سے اس کے نابالغ بھائی کو نقصان پہنچے۔ درمختار صفحہ ۳۵۳ میں ہے:

(التحکیم) صلح معنی فلا یصح تعلیقه ولا اضافته عند الثانی وعلیه الفتوی کما فی قضاء الخانیة[2]۔	تحکیم یعنی کسی کو ثالث بنانا معنیً صلح ہے لہذا اس کی تعلیق واضافت جائز نہیں، یہ امام ثانی یعنی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، جیسا کہ خانیہ کی قضا میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الدرر فانه تولیة صورة وصلح معنی اذلا یصار الیه الابتراضیهما لقطع الخصومة بینهما[3]۔	درر میں فرمایا: یہ صورتاً تولیت ہے اور معناً صلح ہے کیونکہ اس سے دونوں فریقوں کی رضامندی سے ان کے جھگڑے کو ختم کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ (ت)

وجہ سوم: ہم پہلے کہہ چکے ہیں اور خود فریقین نے تسلیم کیا کہ قانونی ورواجی باتیں سب بالائے طاق رکھی گئیں معاملہ صرف شریعت مطہرہ کے سپرد ہے اور یہی فرض تھا، اب شرع مطہر کا حکم سنئے

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۹

[2] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۸

ثالثی جب متعدد اشخاص کے سپرد کی جائے تو ان کا وہی حکم مسلم و قابل اعتبار ہوگا جو وہ سب باتفاق رائے فیصلہ کریں اور اختلاف پڑے تو ان میں کسی کا حکم قابل لحاظ نہیں ایسے مقامات میں کثرت رائے پر نظر نہیں ہوسکتی جہاں کوئی اختیار متعدد اشخاص کو سپرد کیا گیا ہو مثلاً چند شخصوں کو وکیل کیا تو ان سب کی رائے متفق ہونا ضرور ہے یا متعدد اشخاص کو اپنے مال کا وصی کیا تو جو تصرف ہوگا سب کی مجموعی رائے سے ہوسکے گا یا چند اشخاص کو وقف کا متولی کیا تو اس میں بھی بعض یا اکثر کی رائے سے کچھ نہ ہوسکے گا جب تک سب کی رائے متفق نہ ہو بعینہٖ یہی حالت ثالثوں کی ہے اور ان سب کی وجہ یہی ہے کہ اختیار دینے والا مجموع کی رائے پر راضی ہوا تھا نہ کہ بعض کی۔ اشباہ والنظائر صفحہ ۲۵۱ میں ہے:

الشیئ المفوض الی اثنین لایملکه احدهما کالو کیلین والوصیین والناظرین والقاضیین والحکمین[1]۔	جو چیز دو کو تفویض کی جائے ایک واحد مالک نہ ہوگا جیسا کہ دو وکیل، دو وصی، دو منتظم دو قاضی اور دو ثالث۔ (ت)

ہدایہ جلد دوم ص ۱۳۲ میں ہے:

اذا وکل وکیلین فلیس لاحدهما ان یتصرف فیما وکلا به دون الاٰخر وهذا فی تصرف یحتاج فیه الی الرأی کالبیع والخلع وغیر ذلك لان الموکل رضی برأیهما لابرأی احدهما[2]۔	جب کسی نے دو وکیل بنائے تو جس معاملہ میں دونوں وکیل ہیں، ایک وکیل دوسرے کے بغیر اس میں تصرف نہیں کرسکتا، یہ ان امور میں ہے جن میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے جیسے بیع اور خلع وغیرہ، کیونکہ موکل دونوں کی رائے پر راضی ہے ایک کی رائے پر نہیں (ت)

اسی کے صفحہ ۵۶۷ میں ہے:

الولایة ثبتت بالتفویض فیراعی وصف التفویض وهو وصف الاجتماع اذهو شرط مفید[3]۔	ولایت تفویض سے ثابت ہوتی ہے لہٰذا تفویض کے وصف کی رعایت ضروری ہے اور یہ دونوں کی اجتماعی رائے کا وصف ہے (ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶تا۱۸
[2] الہدایۃ کتاب الوکالۃ فصل فی تصرف الوکیلین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۹۱
[3] الہدایہ کتاب الوصایا باب الوصی وما یملکه مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۹۰

اسی کے صفحہ ۹۲ میں ہے:

لو حکما رجلین لا بد من اجتماعھما لانه امر یحتاج فیه الی الرأی[1]۔	اگر دونوں فریقوں نے دو ثالث بنائے تو دونوں کی اجتماعی ثالثی ضرور ہے کیونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے۔(ت)

ان عبارات میں دو کاذکر صرف تصویر مسئلہ ہے قید حکم نہیں کہ دلیل مذکور ہدایہ دو اور دس سب کو شامل ہے، لاجرم ادب الاوصیاء ہامش جامع الفصولین جلد دوم صفحہ ۳۴۵ میں ہے:

فی الخانیة وغیرہا ان حکم ھذا الفصل انه لایتمکن احد الوصیین اوالاوصیاء من التصرف بدون حضور رأی الباقی الافیما لابدمنه اولا یکون فیه مدخل للرأی وھو اشیاء معدودة[2] الخ۔	خانیہ وغیرہ میں ہے کہ اس معاملہ کا حکم یہ ہے کہ دو یا زیادہ وصی میں سے کسی ایک کو باقیوں کے بغیر تصرف کا حق نہیں مگر جب کوئی اہم مجبوری ہو یا معاملہ ایسا ہو جس میں مشورہ کی ضرورت نہ ہو جبکہ یہ چند امور ہی ہیں الخ۔(ت)

اسی کے صفحہ ۳۵۲ میں ہدایہ سے ہے:

اقر الوصیان بان معھما ثالثا یملك القاضی نصب الثلث معھما اعترافا بالعجز عن التصرف[3]۔	دو وصیوں نے اپنے ساتھ تیسرے وصی کا بھی اقرار کیا ہو تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی تیسرے کو ان کے ساتھ مقرر کرے کیونکہ ان دونوں نے تصرف سے اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے۔(ت)

یہ مسئلہ ہدایہ کتاب الشہادۃ صفحہ ۱۰۹ میں ہے:

ونصھا الوصیان اذا اقر ان معھما ثالثا یملك القاضی نصب ثالث معھما لعجزھما عن التصرف باعترافھما[4]۔	اس کی عبارت یہ ہے دو وصیوں نے اقرار کیا کہ ان کے ساتھ تیسرا بھی ہے تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ کسی تیسرے کو ان دونوں کے ساتھ مقرر کرے کیونکہ انہوں نے خود اپنے اعتراف سے تصرف سے عجز ظاہر کیا ہے۔(ت)

[1] الہدایۃ کتاب القضاۃ باب التحکیم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۱۴۴
[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی تعدد الاوصیاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۵
[3] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی تعدد الاوصیاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۵۳
[4] الہدایۃ کتاب الشہادات باب من یقبل شہادتہ ومن لایقبل مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۶۴

عنایہ ہامش الفتح ج ۶ ص ۴۶ میں ہے:

شھادتھما بثالث معھما اعتراف بعجزھما عن التصرف لعدم استقلالھما بہ[1]۔	اپنے ساتھ تیسرے کے بارے میں ان کی شہادت اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ تصرف میں عاجز ہیں کیونکہ وہ اس میں استقلال نہیں رکھتے۔(ت)

فتح القدیر جلد مذکور صفحہ ۷ ۴ میں ہے:

وصیا المیت لما شھدا بالثالث فقد اعترفا بعجز شرعی منھما عن التصرف الا ان یکون ھو معھما[2]۔	میت کے دو وصی ہیں انہوں نے جب اعتراف کیا کہ ہمارے ساتھ تیسرا ہے تو انہوں نے اپنے شرعی عجز کا اظہار کردیا کہ تیسرے کے بغیر ہم تصرف نہیں کرسکتے۔(ت)

نیز اشباہ صفحہ ۱۴۸ میں ہے:

ماثبت لجماعۃ فھو بینھم علی سبیل الاشتراك الا فی مسائل[3]۔ الی اٰخرہ وعد ثلثا لیس ھذہ منھا۔	جو امر جماعت کے لئے ثابت ہو تو وہ پوری جماعت اس میں شریک ہوگی ماسوائے چند مسائل کے جن کا عدد تین ہے یہ مسئلہ ان میں سے نہیں۔(ت)

تو یہاں کہ اختلاف رائے واقع ہوا ثالثوں میں کسی کا فیصلہ معتبر نہ رہا۔

وجہ چہارم: اگر یہ وجوہ کچھ بھی نہ ہوتے تو فیصلہ خود اصول شرعی کے بالکل خلاف ہوا ہے روئداد مسل اثبات نسب اللہ بخش والٰہی بخش میں شرعًا محض ناکافی ہے ثالثوں نے اسکے لئے سات چیزوں سے استناد کیا چھ ثبوت تحریری یعنی کاغذات نمبر ۱، ۲، ۳، ۵، ۹، ۱۱ جن کا خلاصہ سوال میں گزرا اور ساتواں ثبوت زبانی یعنی شہادات مگر بہت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ان میں ایک بھی میزان شرع پر کامل وکافی نہیں۔

کاغذ اول رپورٹ پٹواری

(۱) فتوائے ثالثان کا بیان کہ "پٹواری کے سامنے سراج الدین وبدرالدین نے مدعیان کو اپنے بھائی

---

[1] العنایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب الشہادات باب من یقبل شہادتہ ومن لایقبل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۹۳

[2] فتح القدیر کتاب الشہادات باب من یقبل شہادتہ ومن لایقبل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۹۴

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب النکاح ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۴۴

لکھوائے ہیں" سخت عجب ہے اولاً وہ اگر ہے تو صرف بدرالدین کا بیان جس میں اظہار سراج الدین کا نام نہ نشان۔

(۲) اس کے کس لفظ کس حرف میں بدرالدین نے اللہ بخش والٰہی بخش کو اپنا بھائی کہا اس نے تو صاف اس کے خلاف یہ بیان کیا کہ وہ دونوں قبل از نکاح پیدا ہوئے ہیں اس سے اتنا بھی نہ کھلا کہ نطفہ پیر صدرالدین سے پیدا ہوئے۔ کنچنیاں جو بلا نکاح رکھی جاتی ہیں مقید نہیں ہوتیں کیا خبر ان کی اولاد کس سے ہے، نہ ہر گز اس بیان میں پیر بدرالدین نے معاذاللہ صراحۃً اپنے باپ کو زنا کی طرف نسبت کیا کنچنی کو لے کر چلا جانا گانا ناچ دیکھنے سننے کے لئے بھی ہوسکتا ہے کچھ زنا ہی ضرور نہیں، اور بفرض غلط اگر بدرالدین کی یہی مراد مانی جائے تو بھی ان کے بھائی ہونے کا اقرار کہاں ہوا، ایسی اولا بے نکاح کو شرع اس صاحب نطفہ کی اولاد کب مانتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاهر الحجر [1]۔	بچہ اس کا جس کا نکاح ہے اور زانی کیلئے پتھر۔

(۳) بالفرض اس میں اگر سراج الدین کا بھی نام ہوتا اور بھائی ماننے کی صریح تصریح بھی جب بھی کیا حجت ہوسکتا ہے کہ یہ نہ سراج الدین کا بیان ہے نہ بدرالدین کا، بلکہ ایک پٹواری کا قول ہے کہ انہوں نے ایسا بیان کیا جس کی عدالت بھی معلوم نہیں، کیا شرع میں کسی کا اقرار ایک شخص واحد مجہول العدالۃ کے بیان سے ثابت ہوسکتا ہے ' ہر گز نہیں،

قال اللہ تعالٰی "وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے میں سے دو عادل گواہ بناؤ۔ (ت)

پٹواریوں کی سیکڑوں رپورٹیں اپنے تھوڑے سے فائدے کے لئے خلاف واقع گزرا کرتی ہیں ہر شخص جسے زمین داری سے تعلق رہا ہے اسے اپنے تجربے سے جانتا ہے میں نہیں کہتا کہ عنایت اللہ نے ایسا کیا مگر تحسین ظن اور چیز ہے اور حجت شرعیہ دوسری چیز۔

کاغذ دوم رواج عام

(۴) رواج کی نسبت ثالثوں کا فرمانا کہ اس میں مدعیوں کو پیر صدرالدین نے وارث لکھا ہے

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع و کتاب الوصایا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۶ و ۳۸۳، مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دارالفکر و بیروت ۱/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

بہت سخت عجب ہے رواج عام کی عبارت سامنے موجود ہے اس میں نہ مدعیوں کا نام ہے نہ مدعیوں کی ماں کا نام صرف اس قدر ہے کہ "صدر الدین نے ہمراہ عورت بیوہ قوم پیرنی کے نکاح کرلیا ہے اولاد اس کی بعد وفات صاحب جائداد کے مالک ہوگی" اس سے کیا ثابت ہوا کہ کون عورت اور کس کی اولاد یہ اقرار اگر ہے تو محض مجہول کے لئے ہے جس کی جہالت سخت فاحشہ ہے بیوہ عورت قوم پیرنی لاکھوں ہیں اور ایسے مجہول کے لئے اقرار بالاتفاق باطل ہے۔ہدایہ جلد دوم صفحہ ۱۶۵ میں ہے:

جہالۃ المقربہ لایمنع صحۃ الاقرار لان الحق قدیلزمہ مجہولا بان اتلف مالایدری قیمتہ بخلاف الجہالۃ فی المقرلہ لان المجہول لایصلح مستحقا[1]۔	جس چیز کا اقرار کیا جائے وہ مجہول ہو تو مانع اقرار نہیں کیونکہ حق مجہول ہوتے ہوئے بھی لازم ہوجاتا ہے یوں کہ اقرار کیا کہ چیز تلف کی ہے جس کی قیمت معلوم نہیں۔بخلاف مقرلہ یعنی جس کے حق میں اقرار کیا ہو کیونکہ مجہول شخص مستحق نہیں بن سکتا۔(ت)

بحر الرائق جلد ہفتم ص ۲۷۲ میں ہے:

جہالۃ المقر لہ مانعۃ من صحتہ ان تفاحشت کل واحد من الناس علی کذا[2]۔	مقرلہ کی جہالت فاحشہ اقرار کی صحت کے لئے مانع ہے اس میں تمام لوگ شامل ہیں۔(ت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد پنجم ص ۴ میں ہے:

لوکان المقربہ مجہولا لایمنع صحۃ الاقرار بخلاف الجہالۃ فی المقرلہ سواء تفاحشت اولالان المجہول لایصلح مستحقا ھکذا ذکر شمس الائمۃ وذکر شیخ الاسلام فی مبسوطہ والناطفی فی واقعاتہ انہا اذا تفاحشت لایجوز وان لم تتفاحش جاز[3]۔	اگر مقربہ یعنی جس چیز کا اقرار ہو، مجہول ہو تو وہ اقرار کی صحت کے لئے مانع نہیں۔بخلاف مقرلہ کے خواہ یہ جہالت وسیع ہو یا نہ ہو کیونکہ مجہول شخص مستحق نہیں ہوسکتا، شمس الائمہ نے یوں ذکر کیا ہے جبکہ شیخ الاسلام نے اپنی مبسوط میں اور ناطفی نے اپنی واقعات میں فرمایا کہ اگر جہالت فحش ہو تو مانع ہے اور یہ جہالت کھلی نہ ہو تو اقرار جائز ہے۔(ت)

[1] الہدایہ کتاب الاقرار مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۳۰
[2] بحر الرائق کتاب الاقرار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۵۰
[3] تبیین الحقائق کتاب الاقرار المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۴

اسی طرح فتاوٰی عالمگیریہ جلد چہارم ص۵۹میں ہے: اشباہ والنظائر صفحہ ۲۵۴میں ہے **الاقرار للمجھول باطل**[1] **الخ** (مجہول شخص کے لئے اقرار باطل ہے الخ۔ت) اس پر ثالث چہارم یعنی مولوی عطا محمد صاحب نے جو یہ خیال کیا کہ "گو اس میں نام اللہ بخش والٰہی بخش نہیں ہے لیکن چونکہ اولاد بحسب الظاہر رنگ بھری وصدر الدین کی بغیر ان دونوں کے اور کوئی نہیں، لہٰذا ضرورۃ یہی تصور کئے جائیں گے، میں اس کے لئے بھی شرع میں کوئی اصل نہیں پاتا، **اولًا**: کیا اگر کوئی اقرار کرے کہ ایک شخص ساکن ہندوستان کے ہزار روپے مجھ پر قرض آتے ہیں تو جو کوئی ہندوستانی اس پر دعویدار ہو کر کھڑا ہوگا ہم باور کرلیں گے کہ وہ یہی ہے جسکی نسبت اقرار کیا تھا نہیں بلکہ ضرور اسے ثبوت دینا ہوگا اس قدر شدید جہالت درکنار زید اگر کہے خالد کے مجھ پر سو روپے آتے ہیں پھر خالد نامی ایک شخص مدعی ہو کہ میں خالد ہوں میرے روپے آتے ہیں ہرگز اس قدر سے ثبوت دعوی نہ ہوگا اور مقر کا اس کے حق میں انکار کرنا حلف کے ساتھ مان لیا جائے گا۔ وجیز امام کردری پھر ردالمحتار میں جلد دوم صفحہ ۷۵۵ میں ہے:

اذا اقر بمال لمسمی فادعی رجل انه هو وانکر یصدق بالحلف ماله علی هذا المال[2]۔	جب ایک نے کسی مسمّٰی شخص کے حق میں مال کا اقرار کیا اور دوسرے نے دعوی کیا وہ مسمّٰی میں ہوں لیکن اقرار کرنے والا اس کا انکار کرتا ہے تو انکار کی قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی مدعی کا اس پر یہ مال نہیں ہے۔(ت)

توجب صراحۃً نام لے دینے سے بھی ثبوت نہ ہوگیا کہ ایک نام کے ہزاروں ہوتے ہیں تو اتنی سخت مجہول بات کہ بیوہ پیرنی کیا مفید ثبوت ہوسکتی ہے اگر کہئے یہاں ثبوت کا پتہ یوں چلتا ہے کہ آخر رنگ بھری سے پیر صدر الدین نے نکاح کیا ہے اور وہ قوم کی پیرنی ہے یوں ہم نے سمجھ لیا وہ عورت یہی ہے، ہم کہیں گے کیا ثبوت ہے کہ تحریر رواج عام کے وقت رنگ بھری نکاح صدر الدین میں تھی اور ہو بھی تو غایت درجہ ایک قرینہ ہے جسے مفتی نے خود ظاہر کیا اور ہدایہ وغیرہ تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ:

الظاہر یصلح حجۃ للدفع	ظاہر حال دفاع کی دلیل ہوسکتا ہے۔

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۰

[2] ردالمحتار

لالاستحقاق [1]۔	استحقاق کی نہیں۔(ت)

یعنی ظاہر سے سند لانا مدعا علیہ کو مفید ہوسکتا ہے مدعی کو اصلاً مفید نہیں اور یہاں اللہ بخش والٰہی بخش مدعی ہیں توظاہر انہیں کیا بکار آمد ہوسکتا ہے اگر کہئے رواج عام کی تاریخ ۱۸۷۲ء اور نکاح کی تاریخ ۱۲۸۶ھ کہ مولوی نورالدین نکاح خوان نے اپنی تحریر میں لکھائی دونوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت تحریر رواج رنگ بھری نکاح پیر صدرالدین میں تھی تو اس کا جواب عنقریب آتا ہے کہ تحریر مولوی نورالدین اصلاً شہادت میں لئے جانے کے قابل نہیں نہ اس پر کوئی التفات ہوسکتا ہے اور یہ امر خود مفتی موصوف کو بھی مسلم ہے۔

(۵) ثانیاً: رواج عام کی عبارت تو یہ کہہ رہی ہے کہ وہ عورت جس کی نسبت اقرار تھا رنگ بھری نہ تھی کوئی اور تھی اس میں عورت کو بیوہ لکھا ہے اور بیوہ وہ جس کا شوہر مرگیا ہو، رنگ بھری کنچنی تھی پیر صدرالدین سے نکاح کے ہونے تک اسی اپنے پیشہ ناجائز میں تھی ایسی عورت کو بیوہ نہیں کہتے۔ حسن اتفاق سے ۱۵/ شعبان معظم ۱۳۰۷ء روز چہار شنبہ کو فریق دوم شیخ اللہ بخش بھی منچن آباد سے ہمارے پاس آئے ہم نے اس خیال پر کہ شاید اہل پنجاب میں بیوہ کا کوئی اور محاورہ ہو فریق اول ان کے ہمراہی سے پہلے ہی دریافت کرلیا تھا مزید اطمینان کے لئے ان فریق دوم سے بھی استفسار کیا انہوں نے بھی جواب دیا کہ بیوہ اسی کو کہتے ہیں جس کا پہلا خاوند مرگیا ہو، ہم نے پوچھا تمہاری والدہ کا پیر صدرالدین سے پہلے کسی اور شخص سے نکاح ہوا تھا، کہا کوئی نہیں، تو صاف ظاہر ہوا کہ رواج عام کی تحریر رنگ بھری سے متعلق نہیں، اس کا جواب فریق دوم کو کچھ بن نہ آیا مگر احمد شاہ فریق اول کی طرف اشارہ کرکے کہا یہی بتادے کہ پیر صدرالدین نے اور کسی عورت سے نکاح کیا تھا، اس کا جواب ان کو دے دیا گیا کہ تم مدعی ہو تمہاری دلیل کی تصحیح تمہارے ذمہ ہے مدعا علیہ پر اس کا کوئی بار ثبوت نہیں، ہوگئی کوئی عورت بیوہ جس سے پیر صدرالدین نے نکاح کیا اور لاولد مرگئی ہو۔

(۶) فرض کیجئے کہ رواج عام میں رنگ بھری کا صاف نام اور پورا پتہ لکھا ہوتا پھر بھی کیا کام آتا، یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا تھا کہ رنگ بھری کی جو اولاد ہو مطلقاً پیر صدرالدین کی وارث ہوگی اگرچہ نطفہ پیر صدرالدین سے نہ ہو، آخر رنگ بھری کا بیٹا اللہ دتا بھی تو ہے اسے کیوں نہیں وارث

[1] الہدایہ کتاب القضاء فصل فی القضاء بالمواریث مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۷، ردالمحتار باب القسامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۰۵

ٹھہراتے، تو بالضرورۃ مطلب یہ ہے کہ رنگ بھری کی جو اولاد نطفہ پیر صدر الدین سے ہو وہ پیر موصوف کی وارث ہوگی، اب یہ بیان ایک شرطیہ کی حیثیت میں آگیا جس سے یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ پیر صدر الدین کے رنگ بھری سے کوئی اولاد ہے بھی یا نہیں، اگر فرض کیجئے کہ رنگ بھری کے بچہ سرے سے ہوتا ہی نہیں جب بھی واجب العرض میں یہ لکھا سکتے تھے کہ نطفہ پیر صدر الدین سے اس کی اولاد پیر موصوف کی وارث ہوگی جس کا مطلب وہی ہوتا ہے کہ اگر ہو، اور اس میں سر یہ ہے کہ رواج عام وواجب العرض ایک قاعدہ وقانون وضع کرنا ہوتا ہے جس پر آئندہ جزئیات کی بنا ہو جیسا کہ خود صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۱۲ میں فرمایا کہ "یہ ایک رواج عام مثال قرار دی گئی جس پر آئندہ فیصلجات خاندان کی وراثت کا مدار ہے" اور ظاہر ہے کہ ایسی عام باتیں حکم شرطیہ میں ہوتی ہیں یعنی ایسا ہو تو یہ ہوگا نہ کہ کسی واقعہ کی خبر دینا کہ ایسا ہوگیا مثلاً درمختار جلد سوم صفحہ ۴۶۲ میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا[1]۔	یعنی جو بات بالاتفاق کفر ہے وہ اعمال ونکاح سب کو باطل کردیتی ہے اور اس کی اولاد والد الزنا ہے۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ جس سے کلمہ کفر صادر ہو خواہی نخواہی اس کے لئے کوئی منکوحہ واولاد ہے بلکہ وہی مطلب ہے کہ اگر اس کے کوئی منکوحہ ہو تو نکاح جاتا رہے گا اگر اس سے بعد اس سے اولاد ہوگی تو ولد الزنا ہوگی بعینہٖ یہاں بھی یہی معنی ہیں۔ نظیر کے لئے بیان واقعہ تو وہ کہ پیر صدر الدین نے ایسی عورت سے نکاح کرلیا ہے پھر وہی قانونی حکم پر تفریع ہے کہ پیر صدر الدین سے اگر اس کے اولاد ہوئی تو وارث ہوگی ظاہر ہے کہ اس قدر محصل رواج تسلیم کرنے بھی کچھ ثابت نہ ہوا کہ اللہ بخش والٰہی بخش کس کے نطفہ سے ہیں، عبارت رواج عام بر تقدیر تصریح نام بھی اتنا بتاتی کہ اولاد رنگ بھری جو نطفہ پیر صدر الدین سے وارث ہوگی یہ کس نے بتایا کہ یہ دونوں نطفہ پیر صدر الدین سے ہیں تو تحریر رواج عام سے استناد محض بے معنی ہے۔

(۷) یہاں سخت استعجاب اس کا ہے کہ فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۱۲ میں عبارت رواج عام سے ایک فقرہ یہ نقل ہوا ہے کہ "اس کی اولاد نرینہ موجود ہے" اور یہی فقرہ لطافت علی صاحب تحصیلدار انگریزی کے فیصلہ میں ہے ہمارے سامنے رواج عام کی دو نقلیں باضابطہ موجود ہیں ایک ضلع منٹگمری سے

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

آئی ہوئی اور دوسری ریاست سے لیکن دونوں میں اس فقرے کا اصلًا پتہ نہیں اب اصل عبارت رواج عام اگر فی الواقع اس فقرے سے خالی ہے جب تو امر ظاہر ہے ورنہ اس کا ہونا ان وجوہ کا سبب جو اوپر گزریں اور آئندہ آتی ہیں ثبوت نسب مدعیان میں تو بکار آمد نہیں مگر ایسی تحریرات کے نامعتبر وساقط ہونے کے لیے جس کی بحث ہم ابھی کیا چاہتے ہیں ایک کافی نظیر قابل یا دداشت ہے۔

(۸) یہ سب اس وقت ہے کہ وہ نقل جو مدعیوں نے پیش کی شرعًا سند میں لے لینے کے قابل فرض کرلی جائے ورنہ درحقیقت وہ محض لاشیئ ہے، مولوی عطا محمد صاحب کا اس پر اعتراض بہت ٹھیک ہے فی الواقع محاضرہ سجلات جہاں قابل اعتبار ہوتے بھی ہیں تو اسی قدر کہ حاکم مجوزا اپنے دفتر پر جو اس کے حفظ میں اس کے مہر و نشان کے ساتھ زیر نگہبانی ہے اعتماد کرسکتا ہے مدعی مدعا علیہ جو کاغذ پیش کریں بے شہادت مقبولہ شرعیہ اصلًا قابل التفات نہیں، ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۰۸ میں ہے:

الدیوان وضع لیکون حجة عند الحاجة فیجعل فی ید من له ولایة القضاء وما فی ید الخصم لایؤمن علیه التغییر بزیادة او نقصان[1]۔	کاغذی ریکارڈ حاجت کے وقت دلیل بنانے کے لئے تیار کیا جاتا ہے اس لئے ایسے شخص کے قبضہ میں ہونا چاہئے جو قضاء کی ولایت والا ہو اور جو مخالف فریق کے قبضہ میں ہو وہ کمی بیشی سے محفوظ نہیں۔(ت)

نیز صفحہ مذکورہ میں ہے:

قال ابو العباس یجوز الرجوع فی الحکم الٰی دواوین من کان قبله من الامناء اھ ای لان سجل القاضی لایزور عادة حیث کان محفوظا عند الامناء، بخلاف ماکان بید الخصم[2]۔	ابو العباس نے فرمایا: سابق امین لوگوں کے ریکارڈ کی طرف کسی حکم میں رجوع کیا جاسکتا ہے اھ، یعنی اس لئے کہ قاضی کا دفتری ریکارڈ جعل سازی سے عادتًا محفوظ ہے جب وہ امین لوگوں کے پاس محفوظ ہو بخلاف جب وہ مخالف فریق کے قبضہ میں ہو۔(ت)

اسی کی جلد مذکور صفحہ ۵۴۹ میں ہے:

ویجب تقییده ایضا بما اذا کان	یہ قید بھی ضروری ہے کہ جب وہ ریکارڈ قاضی کے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

دفترہ محفوظاً عندہ فلو کانت کتابتہ فیما علیہ فی دفتر خصمہ فالظاہر انہ لایعمل بہ خلاف لما بحثہ ط لان الخط ممایزور وکذا لوکان لہ کاتب والدفاتر عند الکاتب لاحتمال کون الکاتب کتب ذٰلك علیہ بلا علمہ[1]۔	پاس محفوظ ہو، تو اگر ایک کے خلاف تحریر ریکارڈ اس کے مخالف کے پاس ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس پر عمل نہ ہوگا۔ طحطاوی کی بحث اس کے خلاف ہے کیونکہ خط میں جعلسازی ہوسکتی ہے اور یوں ہی اگر قاضی کا کاتب ہو اور ریکارڈ کاتب کے پاس ہو تو احتمال ہے کہ کاتب نے قاضی کے علم کے بغیر دوسرے کے خلاف لکھ دیا ہو۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۱۷ میں ہے:

والخط یعتمد علیہ ولا یعمل بہ ولا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ الماضیین لان القاضی لایقضی الابحجۃ وھی البینۃ والاقرار و النکول کمافی الاقرار الخانیۃ[2]۔	خط پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس پر عمل کیا جاسکتا ہے اور گزشتہ قاضیوں کے خط سے لکھا ہوا وقف نامہ قابل عمل نہیں کیونکہ فیصلہ حجت کی بناء پر ہی قاضی کرسکتا ہے اور شرعی حجت صرف گواہی، اقرار اور قسم سے انکار ہے جیسا کہ خانیہ کی بحث اقرار میں ہے (ت)

بعینہٖ اسی طرح اشباہ والنظائر صفحہ ۲۰۵ میں ہے، ہدایہ جلد دوم ص ۱۰۴ میں ہے:

انما الخلاف فیما اذاوجد القاضی شہادتہ فی دیوانہ او قضیتہ لان مایکون فی قنطرۃ فھو تحت ختمہ ویومن علیہ من الزیادۃ والنقصان فحصل لہ العلم بذلک، ولا کذٰلك الشہادۃ فی الصك لانہ فی ید غیرہ[3]۔	اختلاف صرف اس صورت میں ہے کہ جب قاضی ریکارڈ یا فیصلہ میں کسی شہادت کو پائے اور اگر ریکارڈ قاضی کے خاص مہر والے بکس میں ہو تو کمی بیشی سے محفوظ سمجھا جائے گا تو اس سے قاضی کو علم ہوجائیگا، کسی کاغذ پر لکھی ہوئی شہادت کا معاملہ ایسا نہیں کیونکہ وہ غیر کے تصرف میں ہے (ت)

[1] ردالمحتار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۴

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب القضاء باب التحکم دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹

[3] الہدایۃ کتاب الشہادات فصل مایتحملہ الشاہد علی ضربین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۷

اسی طرح ردالمحتار جلد ۴ص ۵۸۰ میں ہے۔ فتح القدیر جلد ۵ ص ۱۹ میں ہے:

انی اری انہ اذاکان محفوظا ما مونا علیہ من التغیر کان یکون تحت ختمہ فی خریطتہ المحفوظۃ عندہ ان یترجح العمل بھا بخلاف ماذاکان عند غیرہ لان الخط یشبہ الخط[1]۔	میری رائے ہے کہ یہ جب محفوظ اور تغیر سے اطمینان ہو کہ اس کے پاس محفوظ بیگ مہر زدہ میں ہو تو اس پر عمل کو ترجیح ہے بخلاف جبکہ وہ غیر کے پاس ہو، کیونکہ خط دوسرے خط کے مشابہ ہوسکتا ہے (ت)

(۹) یہیں سے ظاہر ہوا کہ فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۲۵ میں جو اس کاغذ کے اعتبار پر قول شیخ ابوالعباس سے استناد کیا بجائے خود نہیں شیخ ابوالعباس کے کلام میں کلرکوں یعنی کاتبوں محرروں کا ذکر نہیں بلکہ امناء فرمایا ہے اور اس سے مراد قضاۃ ہیں جس پر قبلہ کا لفظ دال ہے یعنی قاضی اپنے سے پہلے امناء کے دفتروں پر عمل کرسکتا ہے جب کہ وہ ان کے پاس محفوظ رہا ہو، ولہذا درمختار میں اس کے بعد خیریہ سے نقل کیا:

ان کان للوقف کتاب فی سجل القضاۃ وھو فی ایدیھم اتبع مافیہ استحسانا[2]۔	جب وقف کی کتاب قاضی کے ریکارڈ میں ہو اور اس کی نگرانی اور قبضہ میں ہو تو استحسانًا اس کے مندرجات کی اتباع کی جائیگی (ت)

اور اگر امین سے عام بھی مراد ہو تو دفاتر زمانہ کچھ امنائے شرعیہ ہی کے ہاتھ میں محفوظ نہیں رہتے بلکہ محافظ دفتر وغیرہم اکثر نا مسلم بھی ہوتے ہیں جو شرعًا کسی طرح امین نہیں ہوسکتے، نہ ان کی حفاظت پر اعتماد، نہ ان کے قول یا فعل پر اعتبار، یہی حالت نقل نویسوں اور قاریوں اور سامعون کی ہے اور جو کوئی کچہریوں کی کارروائی سے آگاہ ہے وہ ایسے کاغذات پر دستخط حکام کی بھی حقیقت جانتا ہے، کارکن لوگ عام ازیں کہ مسلم ہوں یا کافر، ثقہ ہوں یا فاسق، انہوں نے کام کیا اور کاغذات کا ایک انبار حاکموں کے سامنے دستخطوں کے لئے رکھ دیا، حاکم کو ایک اجمالی حالت کے سوا تفصیل پر بھی پوری اطلاع نہیں ہوتی، نہ کہ نقول کے ایک ایک حرف کا خود مقابلہ کرنا یہ تو قطعًا نہیں ہوتا، نہ وہ ایسے متفرقات کی طرف توجہ کی فرصت پاسکتے ہیں پھر دستخط حاکم ہونے نے کیا فائدہ دیا، اب یہیں دیکھئے

---

[1] فتح القدیر کتاب الشہادات فصل فی کیفیۃ الاداء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۶۵

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

صاحب افسر مال عبارت رواج عام سے یہ فقرہ نقل کرتے ہیں کہ "اس کی اولاد نرینہ موجود ہے" اور ہمارے سامنے دو نقلیں باضابطہ حاضر ہیں، ایک میں بھی ان لفظوں کا پتہ نہیں تو معلوم ہوا کہ نقول میں کمی بیشی ہو جاتی ہے اور وہ صالح اعتماد نہیں۔

(۱۰) علامہ شامی نے جہاں شیخ ابوالعباس کا یہ کلام نقل کیا اس کے متصل ہی یہ افادہ فرمایا کہ دفتر جب بروجہ کامل زیر نگہداشت حاکم محفوظ ہو اس کا اعتبار بھی صرف بضرورت ان مقدمات میں ہے جن کو زمانہ مدید گزر چکا، شاہدوں کا انتقال ہو گیا، تازہ معاملہ ان میں داخل نہیں، وہ شرع کی اسی اصل کلی کے نیچے ہے کہ "**لایعتمد علی الخط ولا یعمل بہ**" (خط پر اعتماد اور عمل نہ کیا جائیگا۔ (ت) نرے کاغذ پر نہ اعتماد ہو نہ اس پر اعتماد ہو سکے، عبارت شیخ ابوالعباس کے متصل کلام فتاوٰی خیریہ جو ابھی ہم نے ذکر کیا نقل کرکے فرماتے ہیں:

والظاھر ان وجہ الاستحسان ضرورۃ احیاء الاوقاف ونحوھا عند تقادم الزمان بخلاف السجل الجدید لامکان الوقوف علی حقیقۃ مافیہ باقرار الخصم او البینۃ فلذالایعتمد علیہ[1]۔	استحسان کی وجہ ظاہری طور پر یہ ہے کہ قدیم اوقاف اور اس جیسے امور کو زندہ رکھنے کے لئے ضرورت ہے۔ برخلاف جدید ریکارڈ کے کہ اس میں حقیقت پر اطلاع فریق کے اقرار یا گواہی سے ممکن ہے اس لئے اس پر اعتماد نہیں کیا جائیگا۔ (ت)

(۱۱) صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۲۵ میں ایسے کاغذات کو کتاب القاضی الی القاضی کے قبیل سے مان کر معتبر ٹھہرانا چاہاہے، یہ فقرہ بہت قابل قدر ہے، ہم بخوبی تسلیم کرتے ہیں کہ ایسے کاغذات جو کچہریوں سے آئیں کتاب القاضی الی القاضی کے قبیل سے ٹھہرائے جائیں مگر اب یہ دیکھنا رہا کہ کتاب القاضی القاضی کن شرائط سے مقبول ہو سکتی ہے، تمام کتب میں تصریح ہے کہ اس کا قبول صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ قاضی شرع جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے مثلاً کوئی شرعی گواہی گزری اس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لئے کافی سمجھے تو اس پر عمل کر سکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ قاضی کاتب خط لکھ کر ان گواہوں کو سنادے یا اس کا مضمون بتادے او خط بند کرکے ان کے سامنے سر بمہر کردے، اور اول یہ کہ اس کا مضمون ایک کھلے ہوئے پرچہ پر الگ لکھ کر بھی ان شہود کو دے دے کہ اسے یاد کرتے رہیں یہ آکر مضمون پر بھی گواہی دیں کہ خط میں یہ لکھا ہے اور سر بمہر خط اس قاضی کے حوالے کریں یہ زیادہ احتیاط کے لئے ہے ورنہ خیر اسی قدر کافی ہے کہ دو۲ مردوں یا ایک مرد دو۲ عورتوں عادل کے خط سپرد کرکے گواہ کرلے اور وہ باحتیاط یہاں لاکر شہادت دیں بغیر اس کے اگر خط ڈاک میں ڈال دیا یا اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا تو ہرگز مقبول نہیں اگرچہ وہ خط اسی قاضی کا معلوم ہوتا ہو اور اس پر اس کی اور محکمہ قضا کی مہر بھی لگی ہو اور اس کے سوا اور شرائط بھی ہیں کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کتاب الصوم میں ذکر کیں۔ درمختار میں ہے:

القاضی یکتب الی القاضی وان لم یحکم کتب الشھادۃ لیحکم المکتوب الیہ بھا علی رأیہ وقرأ الکتاب علیھم اواعلمھم بما فیہ وختم عندھم وسلم الیھم بعد کتابۃ عنوانہ وھو ان یکتب فیہ اسمہ واسم المکتوب الیہ وشھرتھما واکتفی الثانی بان یشھد ھم انہ کتابہ و علیہ الفتوی ولا یقبل کتاب من محکم بل من قاض مولی من قبل الامام[1] (ملخصًا)۔	ایک قاضی اپنے فیصلہ کو نفاذ کیلئے دوسرے قاضی کی طرف بھیجے گا، اور فیصلہ نہ کیا ہو تو شہادت لکھ بھیجے گا تاکہ مکتوب الیہ قاضی شہادت پر اپنی رائے سے فیصلہ دے، بھیجتے وقت قاضی گواہوں کو خط سنائے گا یا اس کا مضمون بتاکر مہر لگائے گا، عنوان اور پتہ لکھ کر گواہوں کے سپرد کردے گا، چٹھی میں اپنا او مکتوب الیہ قاضی کا نام اور گواہوں کی شہادت قلمبند کرے گا جبکہ دوسرا (مکتوب الیہ) قاضی گواہوں سے شہادت لینے پر اکتفاء کرے گا کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے فتوٰی اسی پر ہے صرف باقاعدہ سرکاری قاضی کی چٹھی قبول ہوگی ثالث کی چٹھی قبول نہ ہوگی (ملخصًا)۔ (ت)

درر وغرر میں ہے:

لایقبلہ ایضاً الابشھادۃ رجلین اورجل وامرأتین لان الکتاب	مکتوب الیہ قاضی چٹھی کو دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر قبول نہ کرے گا

[1] درمختار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۴۔۸۳

قدیز ور اذ الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم فلایثبت الابحجۃ تامۃ[1]۔	کیونکہ چٹھی میں جعل سازی ہو سکتی ہے بوجہ اس کے کہ خط خط کے اور مہر مہر کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا چٹھی کامل شہادت کے بغیر پایہ ثبوت کو نہ پہنچے گی۔(ت)

ظاہر ہے کہ یہ کاغذات اصلاً ان شرائط پر نہیں آتے توان کارد واجب ہوااور ان کا قبول کرنا محض خلاف شریعت، نمبر ا کاغذات کے متعلق یہ بیان ہم نے ان چار نمبروں میں کئے ان تمام کاغذات کے رد کو کافی ووافی ہیں جن سے ثالثوں نے استناد کیا ہے لہٰذا ہمیں آئندہ کاغذات کے متعلق زیادہ بحث کی ضرورت نہ ہوگی ان چار نمبروں کے بیانات سمجھ لینے والا بے تکلف جان سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی کاغذ اس پیمانے پر نہیں جو شریعت مطہرہ میں درکار ہے تو وہ کاغذ بادی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ میں نہیں کہتا کہ مدعیوں کی طرف کے جو کاغذ ہیں انہیں کی یہ حالت ہے بلکہ فریقین کے کاغذی ثبوت کی یہی کیفیت ہے کہ شریعت مطہرہ کے دربار میں وہ ایک کاغذی ناؤ سے زیادہ نہیں، ہم اگر اپنے بیان میں کسی کاغذ سے استناد کریں گے تو وہ الزامًا ہوگا نہ کہ تحقیقًا۔

(۱۲) مجھے رواج عام کی نسبت زیادہ تحریر کی ضرورت نہیں البتہ صرف افسر مال کے اس فقرہ نمبر ۱۲ کے متعلق کہ "اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ کل مالکان کی موجودگی میں یہ واقعہ قلمبند ہوااور اللہ بخش والٰہی بخش کا صحیح النسب ہونا امر محقق تھااور کسی کو شک وشبہ نہیں تھا یہاں تک کہ یہ ایک رواج عام مثال قرار دئے گئے جس پر آئندہ فیصلجات خاندان کی وراثت کامدار ہے، لطافت علی صاحب تحصیلدار کی ایک تحقیقات کا بیان کردینا مناسب ہے وہ اپنے فیصلہ ۷/ ۲ستمبر ۱۹۲۱ء فقرہ پنجم میں لکھتے ہیں کہ عام تحقیقات اور موقع سے ظاہر ہے کہ بدر الدین کو خصوصًا اور اقوام چشتی گردونواح کو عمومًا بلحاظ اپنی شرافت کے یہ امر نہایت ناگوار ہے کہ پیرنی زادگان یعنی عذر داران کو جائداد میں حصہ دیا جائے"۔اس تحقیقات کو بیان موصوف صاحب افسر مال سے ملا کر دیکھنا اس خیال کی ایک واضح راہ دیتا ہے کہ مدعیان وہ نہیں جن کی نسبت معززان قوم حصہ دار ہونے پر راضی ہوچکے اور خاندان کے لئے اسے ایک نظیر بناچکے یہ وہی معززان قوم تو ہیں جن میں ان کو حصہ دئے جانے پر عام ناراضی ہے توضرور ہے کہ وہ مدعیان کو صرف پیرنی زادہ سمجھتے تھے نہ کہ پیرزادہ، اور رواج عام میں اس اولاد پیرنی کی نسبت رضامندی دی گئی ہے جو پیرزادہ یعنی نطفہ پیر صدر الدین سے ہو۔

[1] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب القضاء باب کتاب القاضی میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱۴

(۱۳) احمد شاہ کا اس کتاب پر اعتراض نہ کرنا جس سے صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۲۵ میں استناد کیا ہے بالبداہۃ اس بناء پر نہیں کہ وہ اپنے علم ویقین سے جانتا ہے کہ پیر صدر الدین نے یہ تحریر لکھی یا اس پر مہر کی وہ تحریر احمد شاہ کی ولادت سے بھی پہلے کی ہے اس کا سکوت اس عام غلطی کی بناء پر ہے جو آج کل لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے کہ ایسے کاغذات کو جو کچہریوں سے بے شرائط کتاب القاضی الی القاضی آتے ہیں رواجًا و قانونًا مستند سمجھے جاتے ہیں اس کے ذہن میں بھی وہی رواج قانون تھا یہ شرعی مسئلہ کہ فتوٰی دینے والے عالموں اور فیصلہ کرنے والے حاکموں پر بھی مخفی رہا، احمد شاہ اسے کیونکر جان سکتا تھا بلکہ اگر اسے معلوم بھی ہوتا جب بھی وہ کچہری میں ایسے اعتراض کا موقع نہ پاتا کہ قانونی بات کی مخالفت پر کیونکر کھڑا ہو سکتا تھا اب کہ بالاتفاق فریقین تمام رواجی و قانونی باتیں ترک کر دی گئیں اور معاملہ شریعت مطہرہ کے سپرد ہوا وہ مبنی جس کی بناء پر احمد شاہ معترض نہ ہوا تھا زائل و باطل ہو گیا یہ تو اعتراض سے اس کا سکوت ہے اگر وہ اسی عام غلط فہمی پر بنا کرکے اس کاغذ کے مستند ہونے کی تصریح بھی کر دیتا جب بھی وہ اقرار کہ بنائے باطل پر مبنی تھا شرعًا باطل ہوتا، جامع الفصولین و اشباہ والنظائر صفحہ ۱۱۹ میں ہے:

اقر بالطلاق بناء علی ما افتی به المفتی ثم تبین عدم الوقوع فانه لایقع[1]۔	کسی شخص نے مفتی کے فتوٰی کی بناء پر طلاق کا اقرار کیا پھر واضح ہوا کہ طلاق کا وقوع نہیں ہوا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ (ت)

یہ بحث یاد رکھنے کی ہے کہ اور کاغذات کی نسبت بھی اگر احمد شاہ کے عدم اعتراض سے استناد ہو تو سب کا یہی جواب شافی و کافی ہے۔

کاغذ سوم صلحنامہ پیر بدر الدین

(۱۴) یہ کاغذ مدعیوں کا سب سے زیادہ مابہ الاستناد ہے ہر محکمہ میں اپنے دعوٰی کی بناء اسی پر رکھی ہے اور عمومًا فیصلہ کرنے والوں نے بھی اسے کوئی بڑی چیز سمجھا یہاں تک کہ اگر خلاف بھی کیا تو نہ بربنائے اعتباری بلکہ اور وجوہ سے، اس سب کا منشاء وہی ہے کہ آج کل ہندیوں کے ذہن میں رواج قانون کے باعث قانونی باتیں اصول مسلمہ کے طور پر جمی ہوئی ہیں اگرچہ شرع مطہر میں ان کی کچھ اصل نہ ہو مدعیان و قانونی حکام سے تعجب، عجب تو ان اہل علم سے ہے جن سے شرعی سوال ہوا اور شریعت کا حکم

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱

دریافت کیا گیا اور ان سے جن کو شرعی فیصلہ کے لئے مقدمہ سپرد ہوا اور جن سے فریقین نے صاف کہہ دیا کہ قانونی رواجی باتیں چھوڑ دی گئیں محض احکام شرعیہ سے فیصلہ کرو تاہم ان صاحبوں نے توجہ نہ فرمائی اور اپنے فتوی اور اپنے فیصلہ میں ایسی چیز معتبر مانی جو شرعاً محض بے بنیاد ہے ہم نمبر ۸ میں فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی خیریہ واشباہ والنظائر سے لکھ آئے کہ قاضی صرف تین طور پر حکم دے سکتا ہے یا تو گواہان شرعی قائم ہوں یا مدعا علیہ دعوی تسلیم کرلے یا اس پر حلف رکھا جائے اور وہ قسم سے انکار کردے ان کے سوا نرا کاغذ کوئی چیز نہیں، نہ اس پر عمل ہوسکے۔ نیز فتاوٰی خیریہ جلد ۲ ص ۱۱ میں ہے:

المقرعند علماء الحنفية انه لاعتبار بمجرد الخط ولا التفات اليه اذحجج الشرع ثلاثة وهى البينة اوالاقرار والنكول كماصرح به فى اقرار الخانية فلا اعتبار بمجرد المحضر المذكور ولا التفات اليه الااذا ثبت مضمونه بالوجه الشرعى اعنى باحدى الحجج الشرعية المشار اليها[1]۔	علماء احناف کے ہاں طے شدہ ہے کہ محض خط قابل التفات ہے اور نہ ہی قابل اعتبار ہے کیونکہ شرعی دلائل صرف تین ہیں: گواہی، اقرار اور قسم سے انکار، جیسا کہ خانیہ نے اقرار کی بحث میں تصریح کی ہے لہٰذا محضر نامہ مذکور قابل اعتبار اور قابل التفات نہ ہوگا سوائے اس کے کہ اس کا مضمون شرعی طریقہ یعنی مذکور شرعی دلائل سے ثابت ہوجائے (ت)

نیز اسی کے صفحہ ۲۲ جلد ۲ میں ہے:

ابرز كتاب من السجل فوجد فيه كذا و كذا وليس الموجود فيه سوى خط فى ورق ليس من حجج الشرعى فى شيئ[2] (ملتقطا)	قاضی نے پہلے ریکارڈ میں سے چٹھی نکالی اس میں کوئی مضمون لکھا ورق پایا تو وہ شرعی دلیل کے بغیر حجت نہ بنے گا۔ (ملتقطا)۔ (ت)

جوہرہ نیرہ ج ۳ ص ۲۴۵ میں ہے:

ولا يقبل الكتاب الا بشهادة رجلين او رجل وامرأتين لان الكتاب يشبه الكتاب فلا يثبت الا بحجة	کوئی مکتوب دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر مقبول نہ ہوگا کیونکہ مکتوب دوسرے مکتوب کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا شرعی حجت

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی باب خلل المحاضر والسجلات ۲/ ۲۴

تامۃ[1] اھ۔	کے بغیر پایہ ثبوت کو نہ پہنچے گا اھ (ت)

دیکھو کیسی صاف تصریحیں ہیں کہ ایسی جملہ تحریرات نرے کاغذ ہیں جن میں سیاہی سے نقش بنے ہوئے ہیں اور وہ شرع میں حجت ہونا درکنار اصلاً التفات کے قابل نہیں۔

(۱۵) دواوین قضاۃ یعنی دفتر حکام لیجئے تو ہم نمبر ۸،۹ میں ردالمحتار وہدایہ وفتح القدیر وخیریہ سے بیان کر آئے کہ دفتر حکام وہی معتبر ہے جو خاص ان کی حفاظت میں ان کے مہر ونشان کے نیچے ہو اور یہ کہ آج کل کے محافظ دفتری مسلمانوں کے ساتھ بھی خاص نہیں نہ کہ ثقہ عادل کے ساتھ اور نہ کہ جو نقل فریق کے ہاتھ میں ہو ہرگز قابل اعتماد نہیں۔

(۱۶) نمبر ۸ میں یہ بھی گزرا کہ دفتر حکام کا اعتبار بھی بضرورت ان مقدمات میں ہے جن کو زمانہ دراز گزرا اور ان پر ثبوت شرعی نہیں مل سکتا جہاں کا معاملہ تازہ ہے حاکم خود اپنے دفتر پر کارروائی نہ کرے گا بلکہ انہیں طرق شرعیہ بینہ واقرار ونکول کی طرف رجوع ضروری ہوگی اس پر ردالمحتار کی عبارت گزری، نیز اسی میں ہے:

لا بد من تقییدہ بتقادم العھد کما قلنا توفیقا بین کلامھم[2]۔	قدیم زمانہ کی قید ضروری ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے فقہاء کرام کے کلام میں تطبیق دیتے ہوئے۔ (ت)

(۱۷) خود صاحب افسر مال نے ان کاغذات کا بہت اچھا فیصلہ کردیا کہ انہیں کتاب القاضی الی القاضی کے باب سے سمجھا جائے واقعی کچہری سے آئی ہوئی نقلیں اگر محمول ہوسکتی ہیں تو اسی پر اور تمام کتب مذہب کا اتفاق ہے کہ کتاب القاضی الی القاضی بے شہادت عادلہ کاملہ ہرگز معتبر نہیں اگرچہ اس پر قاضی کے دستخط اور دارالقضاء کی مہر بھی ہو، اس پر عبارات کتب نمبر ۱۱ میں گزریں۔

(۱۸) بلکہ انصافاً صلحنامہ کی عبارت کتاب القاضی الی القاضی کی حد تک پہنچ ہی نہیں سکتی، شہادت ہونا نہ ہونا بالائے طاق، صلحنامہ نہ حاکم نے خود لکھا، نہ اسکے سامنے لکھا گیا، نہ مسل میں یہی بیان ہے کہ پیر بدرالدین نے حاکم کے سامنے اس کے لکھنے یا اس پر دستخط کرنے سے اقرار کیا بلکہ حاکم کے سامنے استفسار پر جو اس کا بیان ہونا ذکر کیا جاتا ہے اور جس پر فریق کی تصدیق بھی موجود ہے وہ بیان تحریر صلحنامہ سے قاصر ہے صلحنامہ میں کل جائداد ریاست وانگریزی کی نسبت تصفیہ ہونا مذکور ہے اور بیان استفسار میں صرف جائداد وعلاقہ انگریزی ذکر ہے جسے شبہ کیا جاسکتا ہے کہ پیر بدرالدین نے قطع نزاع ورفع فساد

---

[1] الجوہرۃ النیرۃ کتاب آداب القاضی مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۴۵

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

کے لئے جائداد علاقہ انگریزی میں مدعیوں کو دو خمس دینا گوارا کرلیا کہ وہ قلیل و کم حیثیت ہے، بڑا حصہ اس کا اور ریاست کی وافر جائداد اپنے اور اپنے بھائی کے لئے کافی سمجھی، راضی نامہ میں کاتب نے خود فریق کی تحریک سے تمام جائداد ذکر کردیا ہو تو وہ کچھ مؤثر نہیں ہوسکتا ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اعتبار اس کا ہے جو تمسک لکھانے والے نے اپنی زبان سے کہا اس کا کچھ اعتبار نہیں جو کاتب نے لکھا، فتاوٰی خیریہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۸ میں ہے:

العبرۃ بما تلفظ بہ الواقف لا لما کتب الکاتب فمن عبارات علمائنا العبرۃ لما ھو الواقع فی نفس الامر[1] اھ۔	واقف کے تلفظ کا اعتبار ہے نہ کہ کاتب کی لکھائی کا جیسا کہ ہمارے علماء کرام کی عبارات میں ہے کہ صرف نفس الامر میں واقعہ کا اعتبار ہے۔(ت)

بدر الدین کا لکھا ہوا نام کوئی دلیل شرعی نہیں کہ اسی کے قلم سے ہے، نہ نشان خط ملنے کا کوئی اعتبار، ہدایہ و عالمگیری وغیرہا صدہا کتب مذہب میں تصریح ہے کہ الخط یشبہ الخط[2] (خط خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ت) اس کی کچھ عبارتیں اوپر بھی گزریں، نیز اشباہ والنظائر صفحہ ۳۶۱ وغیرہا میں ہے:

فاستکتب وکان بین الخطین مشابھۃ ظاہرۃ دالۃ علی انھما خط کاتب واحد لا یحکم علیہ بالمال فی الصحیح[3]۔	اس نے کچھ لکھوایا اور دو خطوں میں واضح مشابہت ہے کہ ایک ہی کاتب کے معلوم ہوتے ہیں تو مالی معاملات میں اس لکھائی پر فیصلہ نہ دیا جائے گا صحیح قول میں۔(ت)

اور بالفرض دستخط اسی نے کئے جب بھی کچھ بعید نہیں کہ اس نے صرف جائداد انگریزی کی نسبت کہا اور کاتب نے عمداً یا غلطاً کل کی نسبت لکھ دیا اور اس نے اس اعتماد پر کہ جو میں نے کہا وہی لکھا ہوگا خاص نظر نہ کی اور دستخط کردئے ایسا ہونا کچھ دور نہیں۔ ہدایہ جلد دوم ص ۱۷۵ میں ہے:

اذا کتب کتاب الشراء علی وصی کتب کتاب الوصیۃ علی حدۃ وکتاب الشراء علی حدۃ لان ذٰلک احوط، ولو	کوئی شخص جب وصی کا تقرر کرکے اس کو خریداری کا اختیار لکھوانا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وصیت نامہ اور اس کا اختیار نامہ علیحدہ علیحدہ لکھوائے کیونکہ اس میں

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دار الفکر بیروت ۱/ ۱۴۰۔۱۳۹

[2] الھدایۃ کتاب الشھادۃ فصل مایتحملہ الشاہد علی ضربین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۷

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۸

كتب جملة عسى ان يكتب الشاهد شهادته فی اٰخره من غير تفصيل فيصير ذٰلك حملا على الكذب[1]۔	احتیاط ہے، اگر دونوں کو اکٹھا لکھوایا تو ہوسکتا ہے کہ گواہ اپنی شہادت آخر میں بغیر تفصیل درج کرے جس کی بنا پر وہ تحریر جھوٹ پر محمول ہوجائے۔(ت)

اسی کے ہامش پر کافی امام نسفی سے ہے:

كتب اشترى من فلان وصی فلان واشهد عليه قوما وفيهم من لم يشهد على الايصاء فربما يشهد بالكل فيكون حملاله على الكذب[2]۔	کاتب نے یوں لکھا کہ فلاں نے فلاں سے چیز خریدی اور کچھ لوگوں کی گواہی بھی لکھی اور ان گواہوں میں کوئی ایسا شخص بھی تھا جو وصیت کے وقت موجود نہ تھا تو ہوسکتا ہے کہ وہ خریداری کی شہادت میں وصیت کی شہادت بھی کہہ دے تو اس سے گواہ کو جھوٹ پر آمادہ کرنا لازم آتا ہے۔(ت)

کیا ہم علانیہ نہیں دیکھتے ہیں کہ اس نے مجوز کے سامنے صرف جائداد انگریزی کا اقرار کیا ہے تحریر صلحنامہ کے بعد حاکم کے سامنے بیان اس کی تصدیق و تحقیق کے لئے ہوتا ہے نہ یہ کہ فیصلہ تو قرار پایا ہو ایک ہزار پر اور بیان میں اقرار کرے پانچ سو کا پھر فریق بھی سن کر تصدیق کرے کہ یہ بیان صحیح ہے،

(۱۹) ان سب امور سے اگر قطع نظر بھی کی جائے تو اس کا حاصل کتنا، صرف اس قدر کہ پیر بدرالدین نے مدعیوں کو اپنا بھائی تسلیم کیا مولوی عطا محمد صاحب کا اس پر اعتراض بہت صحیح ہے کہ جب وارث متعدد ہوں تو ایک کے اقرار سے مورث پر نسب نہیں ثابت ہوسکتا یہ اگرچہ خود اپنے اقرار پر ماخوذ ہو جبکہ اس پر قائم رہے مگر دوسروں پر اس کا اثر کچھ نہیں پڑ سکتا امام ابویوسف کی روایت **اول:** تو خلاف مذہب امام اعظم مختار ہونی مسلم نہیں، نہ بہ اخذ الکرخی کہنے سے اس کا مفتی بہ ہونا ثابت، اور یہ ایک لفظ دیکھنا اور ظاہر المتون علی ترجیح قولہما چھوڑ دینا بس عجیب ہے۔

ثانیاً: وہ روایت صراحۃً اس صورت میں ہے کہ ایک ہی وارث ہو اور وہ دوسرے کی نسبت وراثت کا اقرار کرے اور دو یا زیادہ وارثوں میں سے ایک نے اقرار کیا تو بالاتفاق نسب ثابت نہ ہوگا، ثالثوں کی نظر نے یہاں کوتاہی کی، اسی قرۃ العیون کو اگر ایک ورق پہلے دیکھتے تو یہ دھوکا نہ ہوتا، وہ عبارت مولوی عطا محمد کے فیصلہ میں گزری، اور جامع الفصولین جلد ۲ صفحہ ۴۵

[1] الہدایہ کتاب الوصایا باب الوصی و مایملکہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۹۴

[2] حواشی الہدایۃ مع الہدایہ کتاب الوصایا باب الوصی و مایملکہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۹۴

میں ہے:

الوارث لو واحدا فاقر بابن اخر للمیت لایثبت نسبه من المیت خلافاً لابی یوسف والشافعی واجمعوا انه یشارکه فی الارث لنا ان مجرد تحمیل النسب علی الغیر لایقبل کما لو اقربه فی حیاته او علی انسان اُخر او کان فی الورثة غیره [1] اھ	اگرایک وارث نے میت کے لئے کسی اور بیٹے کا اقرار کیا تو اس کے ایک اقرار سے اس کا نسب میت سے ثابت نہ ہوگا اس میں امام ابویوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالٰی کا خلاف ہے تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ مقرلہ وراثت میں شریک ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر کی طرف نسب منسوب کرنا بغیر دلیل معتبر اور مقبول نہیں جیسا کہ زندہ شخص کی طرف یا دوسرے شخص کا نسب یا وارثوں میں کوئی دوسرا بھی ہو اھ (ت)

ملاحظہ مسل سے واضح ہے کہ اس اقرار میں پیر سراج الدین شریک نہ تھا بلکہ وہ اس تحریر کے وقت موجود بھی نہ تھا اس کی طرف سے اگر اس اقرار کا رد ثابت نہیں تو اس کی تسلیم کا بھی پتہ نہیں غایت درجہ سکوت ہے، اور شرع کا قاعدہ مقرر ہے کہ لاینسب الی ساکت قول (کسی ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہ ہوگا۔ت) جامع الفصولین واشباہ والنظائر ورد المحتار وغیرہا میں اس کی تصریح ہے یعنی سکوت کرنے والے کو کسی بات کا قائل نہیں ٹھہرایا جاتا مستثنٰی صورتیں جو ان کتابوں اور ان کے شروح وحواشی میں ذکر کی ہیں یہ مسئلہ ان میں داخل نہیں۔ اظہار تحصیل منچن آباد سے جو صاحب افسر مال نے پیر سراج الدین کا بھی اس اقرار کو تسلیم کرنا نکالا ہے اس کا حال ان شاء اللہ عنقریب آتا ہے۔

(۲۰) شرع مطہر میں ایسے رشتے کا اقرار جس میں اپنے غیر پر نسب لازم کرنا ہو جیسے کسی کو اپنا بھائی بتانا کہ اس میں باپ پر نسب لازم کیا گیا خود اس مقر کے مال میں بھی اتنا ضعیف و کمزور مانا گیا ہے کہ جب تک کوئی دور کے رشتہ کا ضعیف سا ضعیف وارث موجود ہو بلکہ کوئی رشتہ دار بھی نہیں صرف مولی الموالاۃ ہو اس وقت تک یہ شخص جس کے نسب کا اقرار کیا ہے خود مقر کے ترکہ میں سے کچھ نہیں پاسکتا تمام کتب میں اس کی تصریح ہے ایسے واضح اور مشہور مسئلہ کو چھوڑ کر روایت امام ابویوسف کے وہ معنی قرار دینا اور اسے مفتی بہ ٹھہرانا سخت عجیب ہے، طحطاوی ج ۴ ص ۳۷۳ میں ہے:

ان کان للمقر وارث معلوم غیر الزوجین	اگر اقرار کرنے والے کے اپنے قریب بعید کوئی بھی

[1] جامع الفصولین الفصل التاسع والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۵

قریب او بعید فھو اولی بالمیراث من المقر لہ لانہ لما لم یثبت نسبہ منہ لایزاحم الوارث المعروف ولا مزاحمۃ اذاکان الوارث احد الزوجین وان لم یکن لہ وارث مزاحم استحق المقر لہ میراثہ لان للمقر ولایۃ التصرف فی مال نفسہ عدم الوارث[1]۔	زوجین کے علاوہ معروف وارث موجود ہوں تو مقرلہ کی نسبت وہ معروف وارث وراثت کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ جب مقرلہ کا نسب ثابت نہیں ہے تو وہ معروف ورثاء کے مقابل نہیں آسکتا، اور جب زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث ہو تو وہاں کوئی مزاحمت نہ ہوگی، اور اگر ان مقرلہ کے مقابل کوئی بھی معروف وارث نہ ہو تو پھر مقرلہ مقر کی وراثت کا حقدار ہے کیونکہ مقر کو اپنے مال میں تصرف کی ولایت ہے۔ (ت)

جامع الرموز صفحہ ۶۱۳ میں ہے:

ولواقر رجل بنسب من غیر ولادقریب بینھما کالاخ والعم والجد وابن الابن لایصح اقرارہ بالنسب[2]۔	اگر مقر (اقرار کرنیوالے) نے ولادت کے علاوہ کسی قریبی رشتہ کا اقرار کیا جیسے بھائی، چچا، دادا پوتا ہونے کا۔ تو یہ اقرار نسب صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

ایضاح شرح اصلاح للعلامۃ ابن کمال پاشا قلمی ص ۴۲۶ میں ہے:

لایصح لما فیہ من تحمیل النسب علی غیر فلا یرث الاعند عدم وارث معروف قریباکان او بعیدا[3]۔	صحیح اس لئے نہیں کہ اس میں غیر پر نسب ٹھونسنا ہے تو کسی قریب یا بعید معروف وارث کی عدم موجودگی میں ہی مقرلہ وارث ہوسکے گا

اگر ایک اس کے اقرار سے نسب ثابت ہوجاتا تو وارث قوی کا ضعیف تر وارث سے محرورم کردینا کیا معنی رکھتا بلکہ واجب ہوتا کہ اس سے نیچے درجے کے جتنے ورثاء ہوں سب اس کے آگے محروم ہوں لیکن ایسا قطعًا نہیں تو ثابت ہوا کہ نسب ثابت نہ ہوا۔

(۲۱) ایسے نسب کا اقرار اگرچہ مقر کے مال پر نافذ ہو مگر یہ ایک فقہی فتوی ہے اور حکم یا قاضی کو مطلقًا اختیار نہیں ہوتا کہ وہ صورت میں جو حکم مسئلہ پائیں اس پر فیصلہ کردیں ان کا حکم اس حد

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۷۳

[2] جامع الرموز کتاب الاقرار مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۴۵۸

[3] ایضاح شرح اصلاح

تک محدود رہتا ہے جس قدر انہیں قاضی یا حکم کرنے والے نے اختیار دیا ہے مثلاً تقلید قضا میں سلطان نے یہ قید لگادی کہ تجھے فلاں روز قضا کا اختیار دیا تو اسی دن اس کا حکم حکم قاضی ٹھہرے گا دوسرے دن کچھ نہیں، یا یہ تخصیص کردی کہ تجھے فلاں مکان میں اختیار قضا ہے تو وہ اس مکان کے اندر ہی قاضی رہے گا اس سے باہر کچھ اختیار نہیں رکھتا، یا یہ شرط لگادی کہ تجھے فلاں فلاں قبیلے یا فلاں فلاں اشخاص پر قاضی کیا تو وہ انہیں کا فیصلہ کرسکتا ہے ان کے ماوراء میں مثل اور رعایا کے ہے علٰی ہذا القیاس جو قید لگادی جائے اس کے ساتھ مقید رہے گا کہ وہ بذات خود والی نہیں بلکہ دوسرے کے ولایت دینے سے ولایت پاتا ہے تو وہ جس شرط کے ساتھ اختیار دے گا اسی کے ساتھ مختص رہے گا بعینہٖ یہی حال حکم کا ہے قاضی کی تولیت جانب فریقین سے تو فریقین ثالثوں کو جن شرائط کا پابند کرینگے اسی قدر انہیں اختیار فیصلہ ہوگا باقی میں وہ ایک راہ چلتے اجنبی کے مثل ہیں، اشباہ ص ۲۲۳ میں ہے:

القضاء یجوز تخصیصه وتقییده بالزمان والمکان واستثناء بعض الخصومات کما فی الخلاصة[1]۔	قضا کو کسی زمانہ، مکان اور بعض خصومات سے مقید اور مخصوص کرنا جائز ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔(ت)

درمختار جلد چہارم ص ۵۳ میں ہے:

القضاء یتخصص بزمان ومکان وخصومة حتی لو امر السلطان لعدم سماع الدعوی بعد خمسة عشر سنة فسمعها لم ینفذ[2]۔	قضاء کو کسی زمانہ مکان اور خصومت سے مختص کرنا جائز ہے حتی کہ اگر سلطان نے پندرہ سال بعد دعوی کی سماعت سے روک دیا ہو اور قاضی نے اس مقررہ مدت کے بعد سماعت کی تو نافذ نہ ہوگی۔(ت)

ردالمحتار صفحہ مذکور میں ہے:

قال فی الفتح الولایة تقبل التقیید والتعلیق بالشرط کقوله اذا وصلت الی بلدة کذا فانت قاضیها والاضافة کجعلتك قاضیا فی راس الشهر و	فتح میں فرمایا کہ ولایت شرط سے تعلیق وتقیید کو قبول کرسکتی ہے مثلاً سلطان کا یہ کہنا کہ جب تم فلاں شہر پہنچ جاؤ تو تم وہاں کے قاضی ہوجاؤگے، اور اضافت ونسبت کو بھی قبول کرسکتی ہے کہ میں نے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۹
[2] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

والا ستثناء کجعلتك قاضیا الافی قضیة فلان ولا تنظر فی قضیة کذا[1]۔(ملخصًا)	تجھے فلاں ماہ کے شروع سے قاضی بنایا،اور ولایت استثناء کو بھی قبول کر سکتی ہے مثلاً یوں کہہ جائے کہ میں نے تجھے فلاں کیس کے ماسوامیں قاضی بنایا یوں کہ فلاں کیس کو زیر غور نہ لانا۔(ت)

نیز صفحہ ۵۳۱ میں ہے:

یکون القاضی معزولا عنہا لما علمت ان القضاء یتخصص[2]۔	قاضی کی قضاء خاص ہو سکتی ہے اس لئے وہ اس تخصیص کی بناء پر معزول ہوتا ہے(ت)

درمختار صفحہ ۵۳۹ جلد ۴ میں ہے:

التحکیم تولیة الخصمین حاکما یحکم بینہما[3]۔	ثالثی دو فریقوں کا کسی کو حاکم بنانا کہ وہ ان دونوں میں فیصلہ کرے۔(ت)

یہاں فریقین نے اقرار نامہ ثالث میں یہ قید لگادی تھی کہ اگران کا شرعاً نسب ثابت نہ ہو توان کا میراث سے کچھ تعلق نہ ہوگا اور بشرط اولاد صحیح النسب ہونے کے فتوٰی ثالثان ناطق ہوگا جس کا صاف حاصل یہ تھا کہ نسب ثابت نہ ہو تو دربارہ وراثت انہیں حکم کا اختیار نہیں، ثالث چہارم نے کہ ثبوت نسب نہ مانا اور وراثت مال کی نسبت فیصلہ دیا معلوم نہیں یہ کس اختیار سے تھا یہیں سے ظاہر ہوا کہ صاحب افسر مال کا فقرہ نمبر ۲۵ میں فیصلہ ثالث چہارم سے یہ استناد کہ اصل مطلب کی بات یعنی وراثت مال انہوں نے بھی مان لی ہے اسی قدر کافی ہے، ایک محض بے اثر چیز سے استناد ہے۔

کاغذ چہارم ۴ شجرہ نسب

(۲۲) شجرہ نسب جو منٹگمری سے آیا اس کی نسبت علاوہ ان اعتراضوں کے جو ایسے کاغذات کی نسبت مکرر گزر چکے اور ثابت کردیا گیا کہ وہ شرعاً استناد در کنار التفات کے بھی قابل نہیں یہ شجرہ حاکم کی کسی اپنی تحقیقات پر مبنی نہیں بلکہ اسی صلحنامہ بدرالدین پر اس کی بناء ہے اور ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کرآئے کہ وہ اپنی ذاتی نامعتبری کے علاوہ ثبوت نسب کے بارہ میں محض مہمل ہے تو یہ شجرہ کہ اس پر مبنی تھا

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۲

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۲

[3] درمختار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲

اسی کی طرح باطل وبے عمل ہے ہاں جائداد انگریزی میں بدرالدین کی طرف سے قطع نزاع کے لئے اس کے یہ الفاظ قابل لحاظ ہیں کہ " حصہ ملکیت برخلاف حصہ جدی کے "رسمی قرار پایا۔

کاغذ پنجم نمبر ۱۹ اظہار منچن آباد

(۲۳) کاغذات کے متعلق جو نفیس جلیل ابحاث شرعیہ ہم بار بار لکھ آئے اور ثابت کرآئے کہ شرع مطہر ایسے نرے کاغذی جمع خرچ پر اصلاً لحاظ نہیں فرماتی وہی بحثیں اس کاغذ کے بھی مہمل وبیکار ہونے کے لئے کافی تھیں مگر اس کاغذ کی حالت نے ان عظیم بحثوں کی اور بھی تائید وتصدیق کردی اور خود ہی ایک واضح نظیر ہو زبان حال سے صاف بتادیا کہ دیکھو شرع مطہر حکیم ہے وہ ایسی وجوہ سے نری کاغذی بات کو نامعتبر فرماتی ہے یکم جون ۱۸۹۳ء کو اللہ بخش نے تحصیل منچن آباد میں درخواست دی کاردار صاحب نے طلبی فریقین کا حکم دیا ۱۳/جون کو پھر پیشی ہوئی اب مکرر حکم طلبی تحریر ہوا ۲۹/ اگست کو پیشی ہوئی اور کاردار صاحب نے لکھا کہ اب تک نہ فریقین آئے نہ کوئی رپورٹ پیش کار کی شامل ہوئی اب حکم تاکیدی طلبی کا بھیجا گیا ۶/ستمبر کو باخذ مچلکہ طلبی ہوئی ۷/ستمبر کو فریقین کی اطلاع یابی اور سراج الدین کی بیماری کا عذر تحریر ہوا ۱۸/ستمبر کو پیش کار نے اسی مضمون کی رپورٹ تحصیل میں بھیجی ادھر تو یہ کارروائی ہورہی ہے ادھر ۲۲ اگست کو بدرالدین اور سراج الدین حاضر ہوگئے اظہار بھی دے گئے حکم بھی ہوچکا مقدمہ ختم چکا مقدمہ ختم بھی ہوگیا مسل داخل دفتر بھی ہوگئی اور ۲۹ اگست کو پھر کاردار صاحب شاکی ہیں کہ ۱۳/ جون سے اب تک کوئی نہیں آیا اس خواب پریشان کی کیا تعبیر کہی جائے ۲۲ سے ۲۹ تک ایسی مدت بھی تو طویل نہ گزری تھی کہ کاردار صاحب اور تمام اہل محکمہ کسی کو یاد نہ رہا کہ ابھی فریقین حاضر ہوکر اظہار دے چکے ہیں مقدمہ ختم ہوچکا ہے اب یہ دوبارہ پیشی کیسی اور مکرر طلبی کس لئے، او مچلکوں کی شدت کس بناپر، ناچار صاحب افسر مال کو بھی فقرہ ۱۰ میں تسلیم کرنا پڑا کہ اہلمدا ایسی بدعنوانیاں بطور خود کرلیتے ہیں حاکم کو اطلاع بھی نہیں ہوتی اور احکام جاری کردیتے ہیں اور خود ہی حکم اخیر بھی لکھ دیتے ہیں کبھی یہ کہ داخل دفتر ہو کبھی یہ کہ بندوبست میں پیروی کرو اور یہ بھی تصریح فرمائی کہ دفتر والوں سے سازش ہوکر بھی ایسی کارروائیوں ہوجاتی ہیں اور یہ بھی کہ یہ میدان اہلمدوں کی سبز چراگاہ ہے جب یہ سب کچھ ثابت ہے تو کون سی دلیل قائم ہے کہ یہ دوبارہ طلبی اور بار بار کی پیشیوں کے احکام بھی اہلمدوں کے بطور خود لکھے ہوئے ہیں اور ۲۲ / اگست کا اظہار و حکم ان کی سبز چراگاہ سے دور و محفوظ ہے حاکم دستخطوں کو دیکھا جائے تو وہ ان احکام پر بھی ہیں نہ نرے دستخط شرع میں کوئی حجت کہ سیکڑوں بن سکتے ہیں،

اوپر متعدد کتابوں سے اس کی تصریح گزری غرض دفتر والوں کو خود مختاریاں ماننے بغیر چارہ نہیں اور انہیں پیش خویش کچھ تحریروں سے خاص کرلینے اور فلاں کو ان سے محفوظ ماننے کی کوئی وجہ نہیں، یہی شناعتیں تو ہیں جن کے سبب شرع مطہر نے ان کادر با ہی جلادیا اور سبز چراگاہوں کا راستہ یک قلم بند فرمایا۔

(۲۴) پھر اس پر کار دار صاحب کا جو حکم بتایا جاتا ہے کتنے مزہ کا ہے ایک فریق داخل خارج کی درخواست کرتا ہے دوسرے کو کہتے ہو کہ وہ بلا عذر کررہا ہے پھر بندوبست میں درخواست دینے پر اسے ملتوی کرنا کیا معنی رکھتا ہے یہ اظہار اگر واقعی ہوتا تو کار دار صاحب فوراً حکم انتقال دیتے اور اسی کا موقع تھا جیسا کہ خود صاحب افسر مال کو فقرہ نمبر ۱۰ میں تسلیم ہے کہ "کاردار کو انتقال کا حکم دینا تھا" غرض یہ حکم اگرچہ فریقین راضی ہوں مگر انتقال ابھی نہ ہونا چاہئے بلکہ بندوبست جاری ہے اس میں درخواست دو ایک ایسا عجیب حکم ہے جس کی نظیر انہیں سبز چراگاہوں میں مل سکتی ہے جاہلوں تک میں تو مثل مشہور ہے کہ دو دل راضی تو کیا گرے گا قاضی۔ لہٰذا اقرین قیاس یہی ہے کہ ۱۸/ستمبر تک فریقین کی حاضری نہ ہوئی جیسا کہ مسل سے واضح ہے اور یہ ۲۲/ اگست کا اظہار اور بے معنی حکم اسی دفتری سازشوں او سبز چراگاہوں کی سیاہ کاری ہے۔

(۲۵) لطف یہ کہ بندوبست اس تاریخ سے پہلے کبھی کا ختم ہوچکا تھا اور کار دار صاحب یہ ہدایت کریں کہ بندوبست جاری ہے اس میں درخواست دو، دیکھو فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۴ پھر اگر یہاں تسلیم کیا جائے کہ بندوبست اس وقت جاری تو مدعیوں کا اس میں درخواست نہ دینا کیا معنی، بدرالدین وسراج الدین کی رضامندی کو وہ ایک بار آزما چکے تھے کہ بقول ان کے راضی نامہ کرکے کار بند نہ ہوئے او ان کا اندراج نام نہ کرایا جس پر انہیں تحصیل میں عرضی دینی پڑی کیا انہوں نے نہ سنا تھا کہ آزمودہ را آزمودن جہل ست (آزمائے ہوئے کو آزمانا جہالت ہے۔ت) اب دونوں بھائی اقرار لکھا چلے اور بندوبست جاری تھا تو مدعی ہر گزاپنا کام پختہ کرلینے سے نہ بیٹھتے، پھر خوبی یہ کہ جب چھ سال بعد بندوبست جدید میں غلطی کی اصلاح چاہی تو اس درخواست میں بھی مدعیوں نے اس اقرار وتسلیم ہر دوبرادران کا کوئی ذکر نہ کیا بلکہ صلحنامہ منٹگمری ہی کو دستاویز بنایا اگر تحصیل منچن آباد میں دونوں بھائیوں نے یوں بلا عذر ان کے نام انتقال تسلیم کرلیا ہو تو سب سے زیادہ بنائے کار اسی پر رکھنی تھی نہ یہ کہ درخواست میں اس کا نام تک نہیں۔

(۲۶) صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۱۰ میں اپنے یہاں کے محکموں کے سخت شاکی ہیں اور وہاں کے انتقالات کو بہت سنگلاخ دشوار گزار راہ بتاتے ہیں مگر سختیاں وہیں پیش آتی ہیں جہاں منازعت ہو مزاحمت ہو، کیا اس کی کوئی نظیمسر بتائی جاسکتی ہے کہ فریقین راضی نامہ کرلیں ایک فریق

اس کا اجرا چاہے دوسرا بلا عذر قبول کرلے بایںہمہ بار بار کی تحریکوں کے بعد سولہ سال تک معاملہ ہنوز روز اول رہے یہ اسی امر کی تائید کرتا ہے کہ اگر واقع ہو تو اس قدر ہوگا کہ پیر بدر الدین نے جھگڑا کاٹنے کے لئے علاقہ انگریزی کی تھوڑی جائداد سے چھوٹا حصہ رسمی طور کا جیسا مصالحتوں میں ہوتا ہے، نہ جدی حصہ جیسا برابر کے بھائیوں کو دیا جاتا ہے مدعیوں کو دینا گوارا کیا، پیر سراج الدین نے بھی اس پر سکوت کیا مگر ریاست کی جائداد نہ کبھی دینی چاہی نہ اس میں مزاحمت ترک کی نہ مدعیوں کے پاس کوئی کافی ثبوت تھا وہ ارادہ کرتے تھے اور بیٹھ رہتے تھے تحصیل منچن آباد میں درخواست دی اور حاضر نہ ہوئے، بقول مدعیان محکمہ بندوبست کی ہدایت ہوئی اور وہاں نہ گئے اس کے بعد تحصیل میں پھر درخواست دی اور پیروی کو نہ آئے یہ سب قرائن ان کے بے اصلی دعوی کے ہیں اور کچھ بھی قرینہ نہ ہوتا تو بار ثبوت ان کے ذمہ تھا جس سے وہ آج تک سبکدوش نہ ہوئے بالجملہ اس کاغذ پنجم کی حالت سب سے زیادہ ردی ہے ثبوت میں اس کا نام لینا شرع تو شرع عقل عرفی سے بھی میل نہیں رکھتا۔

کاغذ ششم نمبر ۱۱ تحریری نور الدین

(۲۷) نرے کاغذ کی بے اعتباری تو دلائل قاہرہ سے بار بار ہم ثابت کر آئے مگر یہ کاغذ ایک شہادت ہے کوئی فیصلہ نہیں کسی کاغذ محکمہ کی نقل نہیں کوئی تمسک نہیں جن میں کاغذی ثبوت برخلاف اصول شرع آجکل قابل توجہ سمجھے گئے ہیں جو کسی واقعہ کی شہادت ادا کرنا چاہے وہ ایک پرچہ پر لکھ کر کسی فریق کو دے دے اور فریق اسے محکمہ میں پیش کرے کہ یہ فلاں کا بیان ہے جس کے ساتھ اتنی شہادت بھی نہ ہو کہ فلاں نے ہمارے سامنے یہ کاغذ لکھا یہ دستخط اسی کے ہیں اس نے ہمارے سامنے کئے محض فریق کے زبانی بیان پر وہ کاغذ شہادت میں لے لیا جائے ایسا تو شاید قانون و رواج میں بھی نہ ہوگا شرع کا حکم تو پہلے ہی سن چکے کہ بجوئے نخرند۔

(۲۸) صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۹ میں مولوی نور الدین پیش کردہ مدعا علیہ کو یوں مشکوک ٹھہرایا کہ اس میں اہتمام کیا گیا ایک روپیہ کے کاغذ پر لکھائی گئی حالانکہ فریق مقدمہ جسے رواجًا اپنی سند سمجھے اس میں رواجی استحکام کی کوشش کوئی منشاء شک نہیں ہوسکتی شاید اگر سادہ پرچہ لکھا ہوتا تو اس پر یہ شک ہوتا کہ کچے کاغذ کا کیا اعتبار، مگر انصافًا اگر شک جاتا ہے تو تحریر پیش کردہ مدعیان زیادہ محل ریب ہے نور الدین کی اپنے دل کی لکھی ہوئی اتنی ہی بات ہے جو اس نے تحریر اول میں لکھی کہ نکاح میں نے پڑھایا اور یہ دونوں وقت نکاح موجود تھے اگر اس وقت اس کے ذہن میں یہ ہوتا کہ میرے پڑھائے ہوئے نکاح

سے پہلے خفیہ نکاح ہولیا تھا تو وہ ضرور اسے ذکر کرتا یا کم از کم ایسا لفظ نہ لکھتا جو اس کے علم کے خلاف مدعیوں پر ناحق برا اثر ڈالتا مگر جب وہ تحریر دے چکا اور مدعیوں کو اس سے اپنا ضرر ظاہر ہوا تو تیسرے دن یہ دوسری تحریر پیدا کی گئی یا جس طرح ممکن ہوا ایک عاجز مولوی سے لی گئی۔

(۲۹) نرے کاغذی ثبوت ماننے والوں کو یہ کہنا پڑے گا کہ دونوں تحریریں مولوی نور الدین کی ہیں اواس نے یا تو پہلی تحریر میں اخفائے حق کیا او مدعا علیہ کی خاطر یا کسی طمع سے مدعیوں کو ضرر پہنچانا چاہا یا دوسری تحریر میں خلاف حق بات بنائی اور مدعیوں کے لحاظ خواہ کسی لالچ سے مدعا علیہ کو نقصان رسانی چاہی بہر حال اس کی شاہدت ساقط ہوگئی اور اس کی بات قابل التفات نہ رہی۔

(۳۰) بالجملہ مدعیوں کا یہ کاغذ پیش کرنا ان کو نافع تو کچھ نہ ہوا مگر ان کے ضرر کا دروازہ کھول گیا اسی کاغذ سے ظاہر ہوگیا کہ وہ اپنی ماں کے نکاح مشہور کے وقت اپنا موجود ہونا تسلیم کرتے ہیں اور اس لاعلاج مرض کا یوں مداوا چاہتے ہیں کہ نور الدین کہتا تھا کہ پیر صدر الدین نے کہا تھا کہ ایک نکاح خفیہ دعو گواہوں کے سامنے پہلے ہولیا تھا نکاح مشہور کے وقت ان کا موجود نہ ہونا تو یہ خود مان چکے، رہا یہ کہ پہلے کوئی خفیہ نکاح ہوا تھا اس کا ثبوت دینا ان پر عائد ہوا جس سے وہ آج تک عہدہ برآنہ ہوئے، عہدہ برآنہ ہونا درکنار اس کی طرف رخ بھی نہ کیا اور کیونکر رخ رکھتے، وہ جانتے تھے کہ اس کا چارہ ان کی قدرت میں نہیں، کیا فقط نور الدین کا بیان نکاح کو ثابت کردے گا کیا شرع میں اس کی کوئی نظیر ہے کہ صرف ایک شاہد کے بیان اقرار سے نکاح ثابت ہوجائے تمام کتب اور خود قرآن عظیم میں تصریح ہے کہ کم از کم دو گواہوں کی ضرورت ہے ومدعیان نہ نکاح مشہور سے پیدا ہوئے نہ نکاح خفیہ ثابت کرسکے پھر کس بنا پر وارث بن بیٹھے۔

(۳۱) فرض کیجئے کہ نکاح خفیہ مان بھی لیا جائے تو اس کی کوئی مدت بیان میں نہ آئی کہ کب اور نکاح مشہور سے کتنا پہلے ہوا نور الدین نے صرف چند سال کہا جس کا صدق تین بلکہ اردو کا چند دو سال پر بھی ممکن، اور گواہ نکاح مولوی غلام قادر کا بیان ہے کہ نکاح مشہور کے وقت اللہ بخش آٹھ سال اور الٰہی بخش چار برس کا تھا غرض اس قدر میں شک نہیں کہ حالت مبہم ہے اور تحریر مولوی نور الدین سے کچھ نہیں ثابت ہوسکتا کہ ان کی ولادت بعد نکاح خفیہ ہوئی، نہ اقرار پیر صدر الدین میں اس کا کچھ تذکرہ، صدرالدین نے اتنا ہی تو کہا کہ پہلے نکاح خفیہ کرچکا ہو، یہ کب کہا کہ مدعی اسی نکاح خفیہ سے پیدا ہیں، مدعی درکنار اس نے نکاح خفیہ و مشہور کے بیچ میں اپنی کوئی اولاد ہونے کا اصلاذکر نہ کیا پھر خفیہ نکاح سے مدعیوں کا پیر صدر الدین کی اولاد ہونا کیونکر ثابت ہوا عجب ہے کہ صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۹ میں ایسے مہمل کاغذ کو جواب دندان شکن فرمایا جو انصافاً خود اپنے پیش کرنے والے ہی کو ضرر رساں ہے۔

(۳۲) ثالث صاحبان او صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۹و۲۱ میں یہ تو لکھا کہ صحت نکاح کے لئے دو گواہ کافی ہیں اس قدر سے اعلان ہو جاتا ہے، بیشک ہو جاتا ہے اور ضرور کافی ہیں مگر اس طرف کسی صاحب نے توجہ نہ فرمائی کہ دو گواہوں کے سامنے ہونے کا ثبوت بھی تو درکار ہے یا بلا ثبوت رجمًا بالغیب مان لیا جائے گا کیا ان گواہوں نے خود آکر ثالثوں یا صاحب افسر مال کے سامنے شہادت دی، کیا انہوں نے اپنی شہادت پر دو شاہد عدل اپنے نائب کرکے بھیجے اور انہوں نے بمراعات شرائط شرعیہ شہادۃ علی الشہادۃ ادا کی یا کیا ہوا کچھ بھی نہ ہوا دو گواہ ہونے کا ثبوت کیا ہے پیر صدر الدین کا اقرار، ان کے اقرار کا ثبوت کا ہے؟ مولوی نورالدین کا بیان، ان کے بیان کا ثبوت کیا ہے؟ ایک کاغذ میں کچھ حرف لکھے ہوئے ہیں، اس کاغذ کا ثبوت کیا ہے؟ صرف مدعیوں کا بیان، تو حاصل یہ ٹھہرا کہ نری مدعیوں کی زبان نکاح خفیہ کی گواہ ہے اور اسی کی بناء پر اسے مانا گیا ہے حالانکہ ؎

باطل ست آنچہ مدعی گوید

(جو کچھ مدعی نے کہا ہے وہ باطل ہے۔ت)

ایسا ثبوت اگر مان لیا جائے تو نرے عرضی دعوٰی ہی پر کیوں نہ مدعیوں کو ڈگری دیا جایا کرے آخر وہ اس میں بھی تو کہا کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں ہمارا بیان سچا ہے غرض اس کاغذ کا سند میں نام لینا بھی شرعًا عقلًا عرفًا کسی طرح کوئی معنی نہیں رکھتا۔ **الحمدللہ** تمام کاغذی سندوں کے جواب سے فراغ پایا اور واضح ہوگیا کہ ان میں ایک پرچہ بھی قابل استناد نہیں۔ اب امر ہفتم کی طرف چلئے۔

سند ہفتم شہادات

(۳۳) شہادتوں پر مولوی عطا محمد صاحب کا اعتراض بہت حق و بجا ہے فی الواقع شرع مطہر نے حقوق العباد میں لفظ اشھد یا اس کا ترجمہ کہ گواہی می دہم یا گواہی دیتا ہوں رکن شہادت قرار دیا ہے بغیر اس کے ہر گز شہادت متحقق نہیں ہو سکتی، خالی خبر ہوگی جو یہاں اصلًا قابل التفات نہیں، تمام کتب مذہب میں اس کی تصریح ہے، ہدایہ جلد دوم ص ۱۰۱ میں ہے:

ولابد فی ذٰلك كله من العدالة و لفظة الشهادة فان لم يذكر الشاهد لفظة الشهادة وقال اعلم او اتيقن لم تقبل شهادته[1]۔	ان سب میں عدالت اور لفظ شہادت ضروری ہے اگر گواہ نے لفظ شہادت نہ کہا اور میں جانتا ہوں یا مجھے یقین ہے کہا تو شہادت مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

[1] الهداية كتاب الشهادة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۵

اسی میں ہے:

اما لفظۃ الشھادۃ فلان النصوص نطقت باشتراطھا اذا الامر فیھا بھذہ اللفظۃ ولان فیھا زیادۃ توکید فان قولہ اشھد من الفاظ الیمین (کقولہ اشھد باللہ) فکان الامتناع عن الکذب بھذہ اللفظۃ اشد[1]۔	لفظ شہادت تو اس لئے کہ تمام نصوص نے اسکو شرط کہا ہے کیونکہ شہادت کا حکم اسی لفظ سے بیان ہوا ہے اور اس لئے کہ اس لفظ میں تاکید زیادہ ہے کیونکہ شاہد کا اشھد کہنا، یہ قسم کے الفاظ میں سے ہے (جیسے اشھد باللہ قسم ہے) لہٰذا اس لفظ میں جھوٹ سے امتناع زیادہ قوی ہے۔ (ت)

فتح القدیر جلد ۶ صفحہ ۱۰۰ میں ہے:

وقد وقع الامر بلفظ الشھادۃ فی قولہ تعالٰی واقیمو الشھادۃ للہ وقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام اذا رأیت مثل الشمس فاشھد فلزم لذلك لفظ الشھادۃ[2]۔	اللہ تعالٰی کے ارشاد اقیمو الشھادۃ (شہادت قائم کرو) اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ارشاد اذا رأیت مثل الشمس فاشھد (یعنی جب سورج کی مثل دیکھ لے تو شہادت دے) تو اس سے لفظ شہادت لازم ہوا کیونکہ یہاں لفظ شہادت سے حکم دیا گیا ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ جلد ۳ صفحہ ۴۵۰ میں ہے:

واما رکنھا فلفظ اشھد بمعنی الخبردون القسم ھکذا فی التبیین[3]۔	لیکن شہادت کا رکن، تو لفظ اشھد بمعنی خبر ہے بمعنی قسم نہیں ہے، تبیین میں یونہی ہے (ت)

اسی طرح بحر الرائق جلد ہفتم ص ۶۱ میں ہے، درمختار وردالمحتار وقرۃ العیون کی عبارتیں فتوائے مولوی عطا محمد صاحب میں گزریں اور خود تکثیر عبارات کی کیا حاجت جبکہ علماء نے قرآن عظیم ہی کا نص اس پر ذکر فرمایا۔

(۳۴) صاحب افسر مال کا فقرہ نمبر ۲۵ میں اس ناممکن الجواب اعتراض پر یہ اعتذار پیش کرنا کہ فقہاء نے لفظ اشھد کی شرط تو ضرور لگائی مگر اس کی علت یہی ہے کہ اشھد میں معنی قسم ہیں تو معنی قسم جس لفظ سے پورے کرلئے جائیں شرط حاصل ہو جائے گی سخت عجیب ہے جس کی نظیر یہی ہوسکتی ہے کہ نماز

[1] الھدایۃ کتاب الشھادۃ مطبع یوسفی ۳/ ۱۵۵

[2] فتح القدیر کتاب الشھادات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۵۶

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۰

کے لئے شرع میں ہیئت تو ضرور مقرر ہے جس میں قیام ورکوع وسجود وقعود وغیرہا ارکان ہیں مگران سب سے مقصود تعظیم الٰہی ہے تو وہ جس طرح حاصل ہو نماز ادا ہو جائے گی کچھ ان ارکان کی ضرور نہیں، شہادت میں لفظ **اشھد** شرط نہیں بلکہ فقہاء نے اسے رکن شہادت لکھا ہے جیسا کہ تبیین الحقائق وبحر الرائق وعالمگیریہ سے گزرا اور کوئی شے بغیر اپنے رکن کے متحق نہیں ہو سکتی۔

(۳۵) سخت عجب یہ ہے کہ کتابیں صاف تصریحیں کر رہی ہیں اور کوئی لفظ اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، در مختار سے گزرا:

ھذہ المعانی مفقودۃ فی غیرہ فتعین[1]۔	یہ معنی اس کے غیر میں مفقود ہے تو یہ متعین ہے۔(ت)

اسی طرح بحر الرائق جلد ۷ ص ۶۱ میں قرۃ العیون سے گزرا: **لایقوم غیرھا مقامھا**[2] (دوسرا اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا ہے۔ت) بحر الرائق جلد ۷ ص ۶۸ میں ہے:

شرط لجمیع انواعھا لفظ اشھد بالمضارع فلا یقوم غیرہ مقامه وقدمنا ان لفظھا رکن[3]۔	تمام اقسام شہادت میں لفظ اشھد مضارع ہے لہٰذا دوسرا لفظ اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا جبکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہی لفظ رکن ہے۔(ت)

پھر اس کا مطلب یہ ٹھہرانا کہ کچھ اس لفظ کی خصوصیت نہیں بالکل دن کو رات سے تفسیر کرنا ہوگا

(۳۶) یہ بھی محض غلط ہے کہ اس کی علت معنی قسم ہے بلکہ معانی کثیرہ کا اجتماع جن میں سے ایک معنی قسم بھی ہے، در مختار کی عبارت گزری:

لتضمنه معنی مشاھدۃ وقسم واخبار للحال[4]۔	کہ مشاہدہ قسم اور حال کے معنی کو متضمن ہے۔(ت)

فتح القدیر جلد ۶ صفحہ ۱۱ میں ہے:

---

[1] در مختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰
[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشھادات مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۶
[3] بحر الرائق کتاب الشھادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۶۲
[4] در مختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

لفظة الشهادة اقوى فى افادة تاكيد متعلقها من غيرها من الالفاظ كاعلم واتيقن لما فيها من اقتضاء معنى المشاهدة والمعاينة التى مرجعها الحس[1]۔	شہادت کا لفظ اپنے متعلق کی تاکید میں دوسرے ہم معنٰی الفاظ کی نسبت اقوٰی ہے جیسے کہ لفظ، میں جانتا ہوں مجھے یقین ہے، کہ مقابلہ میں، کیونکہ شہادت کا لفظ مشاہدہ اور معاینہ جس کا مرجع حس ہے، کو چاہتا ہے۔(ت)

بلکہ عالمگیری سے گزرا کہ اشھد بمعنی خبر رکن ہے نہ بمعنی قسم۔

(۳۷) یہ بھی ہر گز مسلم نہیں کہ کچہریوں میں حلف کے معنی پورے کرا لئے جاتے ہیں کہیں یہ کہلوایا جاتا ہے سچ کہوں گا خدا میری مدد کرے، کہیں یوں کہ خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ کہوں گا ان الفاظ کو یمین سے کچھ تعلق نہیں اور اگر وہی لفظ کہلوائے جائیں جو صاحب افسر مال نے لکھے کہ خدا کی قسم میں سچ کہوں گا تو یہ یمین منعقدہ ہوئی یعنی آئندہ کی نسبت جس کے خلاف کرنے پر پندرہ سیر گیہوں یا تین روزوں میں کام نکل سکتا ہے۔بخلاف اشھد کہ اس میں یمین غموس ہے کہ سلطنت ہفت اقلیم یا لاکھ روزے بھی اس کا کفارہ نہیں ہو سکتے تو اس میں اس کے معنی کا ادا ہو جانا کیونکر ممکن۔

(۳۸) دوسرا لفظ صاحب افسر مال نے یہ لکھا کہ خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر شہادت دوں گا یہ بھی ایک وعدہ ہے جو کسی اشھد کے معنی پورے نہیں کر سکتا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ شہادت بلفظ مضارع بمعنی حال لازم ہے در مختار سے ابھی گزرا واخبار للحال[2] (حال کی خبر دینا ہے۔ت) ردالمحتار ج ۴ ص ۳۷۵ میں ہے:

فلو قال شهدت لايجوز لان الماضى موضوع للاخبار عما وقع فيكون غير مخبر فى الحال[3]۔	اگر اس نے "شھدت" بلفظ ماضی کہا تو ناجائز ہے کیونکہ ماضی گزشتہ واقعہ کی خبر کے لئے وضع کیا گیا ہے تو یہ ماضی، حال کی خبر نہ دے گا۔(ت)

جب صیغہ ماضی معتبر نہ ہوا جو یمین میں مثل صیغہ حال ہے حلفت باللہ اور احلف باللہ کا ایک ہی حکم ہے تو شہادت دوں گا صیغہ استقبال کیا حیثیت رکھتا ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ قسم کھاؤں گا

---

[1] فتح القدیر کتاب الشہادات المکتبۃ النوریۃ الرضویہ سکھر ۶/ ۴۵۶

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[3] ردالمحتار کتاب الشہادات دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

کیااس کہنے سے قسم ہوجاتی ہے یا جھوٹ سے باز رہ سکتا ہے۔

(۳۹) اور اصل حقیقت امر یہ ہے کہ تعین لفظ اشھد میں جو علتیں توجیہیں بیان میں آئیں از قبیل نکات و لطائف ہیں وہ ایک حکم تعبدی ہے یعنی شرع مطہر نے خاص اسی لفظ کو معین فرمادیا تواب اس سے تجاوز جائز نہیں، ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۷۵ و بحر الرائق جلد ۷ ص ۶۰۔۶۱ میں ہے:

اقتصر علیه اتباعا للمأثور ولایخلو عن معنی التعبد اذلم ینقل غیرہ [1]۔	اس نے اس پر اقتصار کیا، منقول وماثور کی پیروی کرتے ہوئے جبکہ یہ تعبد کے معنی سے خالی نہیں، اور اس کا غیر منقول نہیں۔(ت)

تواس کی علت تلاش کرنا اور اس کا دوسری جگہ اجرا چاہنا سرے سے باطل ہوگیا، ان تقریرات سے آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ ہندہ کچہریوں میں جہاں لفظ اشھد نہیں کہلواتے اور ان بے معنی الفاظ مذکورہ یاان کے امثال سے حلف لیتے ہیں وہ زنہار اصول شرع سے مطابقت نہیں کھاسکتا ہے، شیئ اگر اپنی ضد سے مکمل ہوسکتی ہو، دن کی اگر رات سے تکمیل ہوسکتی ہو توان الفاظ میں اصول شرع کو مکمل سمجھ سکیں، انگریزی وہندی کچہریوں میں مثبت سمجھے ہوئے دعوے اگر شرعاً غیر مثبت ٹھہریں توکیا استحالہ ہے بلکہ اصول شرع کے اتباع نہ کرنے سے شرعاً ان کا غیر مثبت ہونا خود ہی لازم، نہ یہ کہ ان کو مثبت بنانے کے لئے اصول شرع تبدیل کردیئے جائیں، یہاں کی کچہریوں میں کفار کی گواہیاں مسلمانوں پر عموماً سنی جاتی ہے اور ان پر فیصلے ہوتے ہیں اور وہ دعوے مثبت ٹھہرائے جاتے ہیں اسے کون سے اصول شرع سے تطبیق دی جائے گی حالانکہ رب العزت جل وعلا فرماتا ہے:

"لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾" [2]۔	اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔(ت)

خود صاحب افسر اپنے اسی فیصلہ فقرہ نمبر ۱۳ میں فرماتے ہیں: "قبضہ کی بابت ریلارام پیشکار اور غلام حیدر خاں پیشکار کی شہادت شامل مسل ہے اور ان کی شہادت سے ثابت ہے کہ قبضہ رہاپس دو معزز راہلکاروں کی شہادت معتبر شہادت ہے ہمارا فرض ہے کہ اس کو قبول کریں اور یقین کے ساتھ قبول کریں" حالانکہ شرع مطہر اسے حرام بتاتی ہے فاسق کی نسبت توارشاد ہوا:

"یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا اَنۡ تُصِیۡبُوۡا قَوۡمًا	اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا

[1] ردالمحتار بحوالہ البحر الرائق کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ "[1]	نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔(ت)

نہ کہ کفار والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔

(۴۰) صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۸ میں اس شہادت مدعیان کو متواتر حقیقی بناتے ہیں کہ "یہ شہادت تواتر تک پہنچ چکی ہے جس کے خلاف ہونے کا احتمال نہیں" اور عجب یہ کہ مدعیوں کے تیس گواہ کے مقابل مدعا علیہ کے پینتالیس گواہوں کو لفظ "چند کس" سے تعبیر فرماتے ہیں جس کی انتہا نو تک ہے یہ مجمل جرح کہ وہ یا اجیر ہیں یا اس فریق کے جتھے والے، ہر طرف کے گواہوں پر ہو سکتی ہے جو ان میں معزز ہوئے ان پر طرفداری اور باقیوں کو اجورہ داری کا الزام لگا دینا کیا دشوار ہے، ان الزامات کی راہ تو شرع مطہر نے گواہوں میں عادل ہونے کی شرط لگا کر بند فرمائی تھی جب یہ شرط اٹھ گئی بلکہ گواہ کے مسلمان ہونے کی بھی قید نہ رہی تو ہر گونہ الزام آسان ہے جس میں دونوں فریق کی حالت یکساں ہے بلکہ اس نوٹ کی بناء پر جو صاحب افسر مال نے اپنے آخر فیصلہ میں دیا جس میں مدعیوں کو اخلاقاً و عادۃً مدعا علیہ سے بہت بہتر بتایا اور مدعا علیہ کو چلباز کمینہ کا آدمی شریر و غیرہا الفاظ سخیف، سے یاد فرمایا احتمال طرفداری گواہان مدعیان کی طرف زیادہ قائم ہوتا ہے ظاہر ہے کہ خوش اخلاق و نکوسیر آدمی کا جتھا بھاری ہوتا ہے، مکار شریر چالباز سے لوگ نفرت کرتے ہیں اگرچہ لطافت علی صاحب تحصیلدار نے جو تحقیقات موقع لکھی وہ اس کا عکس ظاہر کرتے ہیں اور معزز خاندان چشتیاں کو مدعیوں سے نفرت بتاتے ہیں بہر حال یہ زائد و خارج از بحث باتیں ہیں، کلام اس میں ہے کہ وہ تواتر جس میں خلاف کا احتمال بھی نہ رہے اس کے یہ معنی نہیں جسمیں فریقین کے انتخاب کو کوئی دخل ہو ہر فریق اپنی مرضی کے گواہ چھانٹ چھانٹ کر اسم نویسی کرائے یہ تیس بتائے وہ پینتالیس لے آئے بلکہ تواتر کے یہ معنی ہیں کہ وہاں کے تمام لوگ چھوٹے بڑے عالم جاہل سب اس امر سے واقف ہوں، عام لوگ یک زبان و متفق اللسان ایک ہی بات کہیں۔ فتاوٰی عالمگیری جلد ۳ ص ۱۵۲ میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ:

ان تاتی العامۃ وتشھد بذٰلك فیؤخذ بشھادتھم کذا فی الذخیرۃ[2]۔	اگر عام لوگ یہی بات کہیں اور یہی شہادت دیں تو یہ شہادت قبول کر لی جائے گی جیسا کہ ذخیرہ میں ہے(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۶

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۱۴

نیز اسی کے صفحہ ۱۵۳ پر اس کی تشریح یوں فرمائی:

کونه ظاهرا مستفیضا یعرفه کل صغیر و کبیر وکل عالم و جاهل کذافی الذخیرة[1]۔	اس کے ظاہر مستفیض ہونے کی وجہ سے کہ اس کو ہر بڑا چھوٹا، عالم اور جاہل جانتا ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ یہاں ایسا نہیں، فہرست گواہان کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ ایک ہی خاندان کے لوگ مدعی کے گواہ ہیں کچھ لوگ مدعا علیہ کے، ایک ہی بستی کہ کچھ لوگ ادھر کے شاہد ہیں کچھ لوگ ادھر کے، ایک بھائی ادھر کا گواہ تو دوسرا حقیقی بھائی دوسری طرف کا۔ بھانجا مدعیوں کا گواہ ہے تو ماموں مدعا علیہ کا۔ تواتر حقیقی کی صورت ہوتی تو معاملہ بدیہیات سے ہوجاتا کہ متواترات اقسام بدیہی سے ہیں اور بدیہی پر دلیل قائم کرنا بے معنی، تو صاحب افسر مال کو اپنا فیصلہ میں ۷ نمبر ابتدائی کے علاوہ کہ متعلق واقعات ہیں اکیس نمبر بحث کے کیوں لکھنے پڑتے یا ادھر تواتر ہوجاتا تو ہم کو ۲۱ کے مقابل ۴۲ نمبر لکھنے کی کیا ضرورت ہوتی۔

بزازیہ اور قرۃ العیون ج ۴ ص ۶۰۰ میں ہے:

فی المحیط ان تواتر عندالناس وعلم الکل یقضی بفراغ ذمته لانه یلزم تکذیب الثابت بالضرورة والضروریات ممالم یدخلها شك[2] اھ۔	محیط میں ہے اگر لوگوں میں تواتر ہے اور سب جانتے ہیں تو اس کے ذمہ کی فراغت کا حکم کردیا جائے گا کیونکہ یہ بدیہی طور پر ثابت ہے اور اسے نہ ماننے پر ضروری معلوم شدہ کی تکذیب لازم آئے گی جبکہ ضروری بدیہی امور میں شک کا دخل نہیں ہوسکتا۔(ت)

(۴۱) اگر ۳۰ گواہ ہونے کے سبب شہادت مدعیان متواتر ہوگئی تو شہادت مدعا علیہ بدرجہ اولٰی متواتر ہوگی کہ اس کے ۴۵ گواہ ہیں اور اب وہ اعتراض جو ثالثوں اور مجوز نے فقرہ نمبر ۲۲ میں اس پر کیا کہ وہ شہادت نفی ہے اور نفی پر شہادت مقبول نہیں باطل ہوجائے گا کہ شہادت جب متواتر ہو یقینا مقبول ہے اگرچہ نفی پر ہو۔ فتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی بزازیہ واشباہ والنظائر صفحہ ۲۱۴ میں ہے: تقبل بینة النفی المتواتر[3] (نفی پر متواتر بات کو بطور دلیل قبول کیا جائیگا۔ت) درمختار جلد ۲ ص ۶۰۰ میں ہے:

شهادة النفی المتواتر مقبول[4]۔	متواتر نفی کو شہادت کے طور قبول کیا جائے گا۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۱۵

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۱

[3] الاشباہ والنظائر بحوالہ ظہیریہ وبزازیہ الفن الثانی کتاب القضاء والشہادۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۲

[4] درمختار کتاب الشہادات باب الفضول عدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

(۴۲)بحمد اللہ تعالٰی آفتاب سے زیادہ روشن ہوا کہ ثالثوں نے جتنی سندوں پر بنائے فیصلہ رکھی سب محض ناکارہ وبے اعتبار ہیں، روئداد مسل مدعیوں کا نسب اصلاً ثابت نہیں کرتی سخت محل افسوس یہ ہے کہ ثالث صاحبوں نے خود یہ سمجھ لیا تھا کہ مسل کے موجودہ کاغذات وشہادات ناکافی ہیں اور بے تحقیقات مزید کے حقیقت معاملہ سمجھ میں نہیں آسکتی، ملاحظہ ہو رپورٹ ثالثان کاغذ نمبر ۲۰ گزارش ہے کہ سوائے تحقیقات جدید کے مظہران فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں،، یہاں ثالثوں نے روئداد مسل پر فیصلہ کرنے سے صاف صاف استعفاء دے دیا یا باوصف اس کے بلا تحقیق جدید فیصلہ کیا اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ صاحب افسر مال خود موقع پر تحقیقات کے لئے تشریف لے گئے اور علاقہ کے تمام سربرآوردہ اشخاص اور چشتیوں کو طلب کیا مگر بے تحیقیقات جدید کہ اسی کی شرعاً ضرورت تھی معاملہ بربنائے روئداد ناکافی مسل سپرد ثالثان کرادیا۔ دیکھو فیصلہ افسر فقرہ نمبر ۲۴، میں نہیں کہتا کہ مدعیوں کا اولاد پیر صدر الدین نہ ہونا ثابت ہے غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ ان کا اولاد پیر صدر الدین ہو ثابت نہیں تمام کاغذات وشہادات موجودہ مسل ان کا نسب ثابت کرنے میں عاجز وقاصر ہیں، ان کا دعوی نامسموع ہونے کے لئے ثبوت عدم درکار نہیں عدم ثبوت کافی ہے اور وہ بلاشبہہ حاصل، لہٰذا دعوی مدعیان باطل، یہاں اور ابحاث فقہیہ بھی باقی ہیں مگر جس قدر گزارش ہوا ذی انصاف متبع شرع کے لئے اس قدر بہت ہے۔ **وباللہ التوفیق، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۵ تا ۱۰۱: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خان صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو شخصوں میں زر مہر کا جھگڑا ہے ان دونوں شخصوں نے اہل اسلام کے دو شخصوں کو پنچ اور ایک کو سرپنچ اس جھگڑے کے فیصلے کے واسطے باقاعدہ بنادیا، پنچان وسرپنچ صاحب نے بالاتفاق اپنی اور نیز اپنی جماعت کثیر اہل اسلام پابند صوم وصلٰوۃ سے ایک فیصلہ تجویز کردیا، فیصلہ سنانے کے قبل پنچان وسرپنچ ونیز دیگر شریک رائے اہل اسلام نے ہر دو فریق کو کہ جن کی جانب سے پنچ وسرپنچ بنائے گئے تھے یہ تجویز سنادی کہ جو فیصلہ ہم دو فریق کو سنادیں گے وہ تم دونوں کو بخوشی خاطر قبول ومنظور ہوگا یا نہیں، اور اس فیصلہ میں خواہ کسی فریق کا کیسا ہی نقصان کثیر ہو وہ برداشت کرنا ہوگا ہر دو فریق نے نہایت رضامندی سے اس تجویز کو قبول اور منظور کا کیا اس کے بعد پنچان وسرپنچ صاحب نے بآواز بلند مجمع کثیر میں اس فیصلہ کو جو باہم نزاعی تھا سنایا ایک فرقہ نے اس کو منظور کرلیا اور ایک فرقہ نے اس کو نامنظور کیا، اب جس فرقہ نے اس کو نامنظور کیا تو ازروئے شرع شریف کے اس معاہدہ کی تکمیل جو بروقت فیصلہ سنانے کے ہر دو فریق سے منظور کرالی تھی اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۲) دو شخصوں میں تبادلہ جائداد پر جھگڑا تھا ان دونوں شخصوں نے اس کے فیصلہ کے واسطے دو پنچ اور

ایک سر پنچ بنائے، پنچ و سر پنچ صاحبان نے دونوں شخصوں سے چار چار ہزار روپیہ جمع کرالیا اور ایک جماعت کثیر اہل اسلام کے رو برو حلف شرعی و خدا و رسول کو درمیان و کلام مجید درمیان کرکے یہ وعدہ ہر دو شخصوں سے کرالیا کہ جو تم دونوں شخصوں میں سے ہمارا فیصلہ کیا ہوا نہ مانے گا ہم اس کا روپیہ ضرور دوسرے کو دے دیں گے ان دونوں شخصوں نے جن کی جائداد کا جھگڑا تھا اس بات کو قبول و منظور کرلیا اور پختہ عہد و پیمان شرعی کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ اگر ہم میں سے جو کوئی فیصلہ کئے ہوئے کو نہ مانے اس کا روپیہ آپ دوسرے کو دینا، ہم کو یہ بات قبول و منظور ہے، اب پنچان و سر پنچ صاحبان نے اپنا فیصلہ کیا ہوا دونوں شخصوں کو سنایا، ایک نے منظور کرلیا اور ایک نے نہیں منظور کیا، جس نے کہ نہیں منظور کیا اس کا روپیہ حسب وعدہ نیز پنچ یا سر پنچ صاحبان کے دوسرے کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کسی شخص کو پنچ یا سر پنچ کسی فیصلہ کے لیے بنایا جائے تو وہ صرف یکطرفی شہادت و ثبوت خفیہ پر اپنی تجویز لکھ سکتا ہے یا نہیں اور ایسی تجویز جائز ہے یا نہیں؟

(۴) اگر پنچ سر پنچ نے ایک فریق سے جو بوجہ طمع ناجائز کے ساز واتفاق کرکے فریق دعوم کے خلاف فیصلہ دیا ہو تو ایسے شخصوں کا فیصلہ کیا ہوا از روئے شرع جائز ہوگا یا ناجائز؟

(۵) اگر کوئی شخص قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھائے اور پھر اس قسم کے خلاف کرے تو ایسا شخص قابل قاضی و حاکم بنانے کے ہے یا نہیں اور اس کا فیصلہ مانا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۶) حاکم و قاضی کو شہادت لینا باقاعدہ ضرور ہے یا نہیں یا صرف اس کا ذاتی علم فیصلہ کرنے کے واسطے جائز ہے یا ناجائز؟

(۷) از روئے شرع شریف کے رشوت لینا کیسا گناہ ہے اور رشوت لینے والا حاکم و قاضی و شاہد معتبر ہے یا غیر معتبر، اس کا فیصلہ کیا ہوا قابل تسلیم ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اگر فیصلہ مطابق شرع ہو ہر فریق کو ماننا لازم ہے اور باطل و خلاف شرع ہو تو کسی پر اس کی پابندی نہیں،

قال اللہ تعالٰی " اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ "[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: حکم صرف اللہ تعالٰی کا ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۶ / ۵۷

اور ماننے نہ ماننے پر کوئی خاص معاہدہ کرلیا ہو تو اس کی پابندی ضروری نہیں کہ ایک مہمل شرط ہے کوئی عقد شرعی نہیں۔

شرط اللہ احق واوثق[1] قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کی شرط کردہ زیادہ پختہ اور قوی حق ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) وہ شرط حرام باطل تھی اور وہ روپیہ ہر ایک کو اس کا واپس دینا فرض اور دوسرے کو دینا حرام،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طور پر مت کھاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) شہادت شرع میں صرف مدعی سے لیجاتی ہے مدعا علیہ سے گواہ لینا کچھ ضرور نہیں اور گواہان قبول شرعی کے ساتھ اگر کسی خفیہ تحقیقات سے اطمینان کرلیا تو اس میں بھی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر[3]۔ رواہ الدار قطنی والبیہقی وابن عساکر عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال النووی سند البیہقی حسن وصحیح۔	گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم منکر پر ہے۔ اس کو دار قطنی بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ امام نووی نے فرمایا: بیہقی کی سند حسن اور صحیح ہے۔ (ت)

ہاں اگر حاکم نے خلاف شرع ناجائز بے ضابطہ کارروائی کی تو وہ جس حد کی ناجائز ہوگی اس کے قابل اس پر حکم ہوگا سائل نے کوئی تفصیل نہ بیان کی کہ صورت خاصہ کا حکم دیا جاتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) اظہار سائل سے معلوم ہوا کہ طمع ناجائز سے مراد کچھ لے کر فیصلہ دینا ہے ایسا فیصلہ مطلقاً مردود

---

[1] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

[3] صحیح البخاری کتاب الرہن ۱/ ۳۴۲ و جامع الترمذی ابواب الاحکام ۱/ ۱۶۰ وسنن الدار قطنی ۴/ ۲۱۸، السنن الکبری للبیہقی کتاب الدعوی البینات دار الفکر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

وبے اعتبار ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اجمعوا انه اذاارتشی لاینفذ قضاؤہ فیما ارتشی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فقہاء نے اجماع کیا ہے کہ قاضی نے جس فیصلہ میں رشوت لی ہے وہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۵) حلف کا حکم جواب سوال چہارم میں گزرا، اگر شرعًا اس قسم کاخلاف اسے کرنا چاہئے تھا تو اس پر کچھ الزام نہیں اور وہ حاکم وقاضی بنائے جانے میں مخل نہیں اور اگر ناجائز تھا تو ایسے کو قاضی وحاکم نہ بنایا جائے اور اگر بنایا گیا تو اس کا فیصلہ اب بھی مانا جائے گا اگر مطابق شرع ہو، فتح القدیر میں ہے:

ان الفسق لایوجب العزل فولایته قائمة وقضائه بحق فلم لاینفذ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	قاضی کا فسق موجب عزل نہیں تو اس کی ولایت قائم اور فیصلہ حق ہے تو کیونکر نافذ نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۶) فتوٰی اس پر ہے کہ قاضی وحاکم کاذاتی علم فیصلہ کے واسطے کافی نہیں، نہ اسے اس پر فیصلہ دینا جائز، اشباہ میں ہے:

الفتوی علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمارے زمانہ میں آج فتوٰی یہ ہے کہ قاضی کے علم پر مبنی فیصلہ پر عمل جائز نہیں ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۷) رشوت لینا مطلقًا گناہ کبیرہ ہے لینے والا حرامخوار ہے مستحق سخت عذاب نار ہے، دینا اگر بمجبوری اپنے اوپر سے دفع ظلم کو ہو تو حرج نہیں اور اپنا آتا وصول کرنے کو ہو تو حرام ہے اور لینے دینے والا دونوں جہنمی ہیں اور دوسرے کا حق دبانے یا اور کسی طرح ظلم کرنے کے لئے دے تو سخت تر حرام اور مستحق اشد غضب وانتقام ہے،

فی وصایا الهندیة عن فتاوی الامام قاضیخاں ان بذل المال لاستخراج	ہندیہ کے وصایا میں امام قاضی خاں کے فتاوٰی سے منقول ہے کہ دوسرے پر اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الدعوٰی والبینات نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۶۰
[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی المکتبۃ النوریۃ الرضویہ سکھر ۶/ ۳۵۸
[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۳

حق لہ علی اٰخر رشوۃ وان بذل لدفع الظلم عن نفسہ وما لہ لایکون رشوۃ اھ [1] والمسألۃ تحتاج الی زیادۃ تقریر وتحریر وتنقیح وتنقیر لاتفرغ لہ الاٰن وباللہ التوفیق۔	مال خرچ کرے تو رشوت ہے اور اگر اپنے پر ہونے والے ظلم یا اپنے مال پر ناجائز دخل کو ختم کرنے کے لئے مال خرچ کرے تو یہ رشوت نہ ہوگی اھ، اور یہ مسئلہ تقریر، چھان بین، تنقیح اور تحقیق کو چاہتا ہے جس کی فی الحال فرصت نہیں۔ وباللہ التوفیق (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ الراشی والمرتشی والرائش الذی یمشی بینھما [2]۔ رواہ الامام احمد عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ کی لعنت رشوت دینے والے اور لینے والے اور ان کے دلال پر۔ اسے امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی نے ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا (ت) قاضی و شاہد کا مسئلہ جواب ششم و ہفتم میں گزرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۲: از رامپور چوک حیدر علی خاں مرسلہ محمد ایاز صاحب ٹھیکیدار ۱۱/ رمضان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دعوی زر قرضہ اپنے کا بنام بکر دائر کیا حاکم نے ڈگری زر قرضہ بنام بکر صادر فرمایا مگر اپنی تجویز میں قسط بندی کردی، دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعًا حاکم کو بدون رضامندی مدعی اختیار قسط بندی کا حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:

حاکم کو نہ ہرگز اپنی طرف سے قسط بندی بے رضائے مدعی کردینے کا اختیار نہ اس کی اس قسط بندی کا کوئی اعتبار، بلکہ وہ ایک لغو بات محض ناقابل التفات ہے، حاکم کا فرض ہے کہ جب دعوی اس کے نزدیک ثابت ہوجائے فورًا مطابق دعوی حکم دے اگر تاخیر کرے گا فاسق و معزول و مستحق تعزیر ہوگا۔

الاولی لرجاء الصلح بین الاقارب الثانیۃ اذا استمھل المدعی کما	مہلت دینا اقارب میں صلح ہے یا مدعی جب اس کا اظہار کرے، جیسا کہ الاشباہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوصایا الباب التاسع فی الوصی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۰
[2] مسند احمد ترجمہ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۲۷۹

فی الاشباہ[1] ولاحاجة الی استثناء ثالثة ذکرھا وھو ما اذاکان عندہ فیہ ریبة لان الکلام اذا اثبت الامر۔	میں ہے، اور تیسرے کے استثناء کی حاجت نہیں ہے اور وہ یہ کہ جب قاضی کو اس میں شک ہو، کیونکہ یہ کلام اس صورت میں ہے جب قاضی کے ہاں معاملہ ثابت ہوجائے۔(ت)

نہ کہ برخلاف دعوٰی اپنی طرف سے کوئی بات بڑھادے۔ غمز العیون میں ہے:

یجب علی القاضی الحکم بمقتضی الدعوی عند قیام البینة علی سبیل الفور فلو اخر اثم ویعزل ویعزر کما فی جامع الفصولین[2]۔	قاضی پر لازم ہے کہ دعوٰی پر گواہی مل جانے پر اس کے مطابق فیصلہ فوراً کردے اگر تاخیر کریگا تو گنہگار ہوگا اور معزولی اور تعزیر کا مستحق ہوگا جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے۔(ت)

قسط بندی ایک قسم اجل ہے اور اجل حق مدیون ہے۔ ہدایہ وخانیہ واشباہ وغیرہا میں ہے:

الأجل حق المدیون فلہ ان یسقطہ[3]۔	مہلت مقروض ومدیون کا حق ہے تو اسی کو ساقط کرنے کا حق ہے۔(ت)

تو یہ مدیون کے لئے ایک ایسے حق کا ثابت کرنا ہے جس کا کوئی ثبوت نہ تھا، نہ بینہ نہ اقرار نہ نکول، تو بلا ثبوت اثبات محض باطل ونامقبول، خانیہ واشباہ وخیریہ وغیرہا میں ہے:

القاضی لایقضی الابالحجة وھی البینة اوالاقرار او النکول[4]۔	قاضی صرف دلیل پر فیصلہ کرسکتا ہے اور وہ صرف گواہی، اقرار اور قسم سے انکار ہے۔(ت)

طرفہ یہ کہ ثبوت درکنار خود مدیون جس کے لئے حاکم نے یہ حق ثابت کرنا چاہا اس حق کا اپنے لئے مدعی نہ تھا مدعا علیہ نے کب کہا تھا کہ یہ مطالبہ مجھ پر قسط بندی سے واجب ہے اور ظاہر ہے کہ دعوٰی شرط قضا ہے لادعوی خود قضاء کر بیٹھنے کا حاکم کو کیا اختیار ہے اور اگر مراد انشاء تنجیم ہو یعنی دین تو مؤجل باقساط نہ تھا مگر میں اس کی قسط بندی کرتا ہوں تو یہ منصب قضاء سے محض بیگانہ ایک مشورہ ہے جس کا قبول کرنا کسی پر واجب نہیں، نہ اسے پرائے مال پر کچھ اختیار ہے، نہ یہ کہ جبر پہنچتا ہے کہ مال تو تیرا واجب ہے مگر ابھی نہ لے، غایت

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاۃ والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاۃ والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۰

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۴۸

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاۃ والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

یہ کہ مدیون کو بزعم خود کم استطاعت سمجھا ہو مگر یہ سمجھ بھی محض بے اصل ہے، بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ دین ایک عقد بیع کا ثمن تھا اور ایسے حالت میں اسے بلا بینہ نا قابل ادا مان لینا صحیح نہیں۔ خانیہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

ان کان الدین واجبًا بدلًا عما ھو مال کالقرض وثمن المبیع القول قول مدعی الیسار مروی ذٰلك عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه وعلیه الفتوٰی لان قدرته کانت ثابتة بالمبدل فلا یقبل قوله فی زوال تلك القدرة[1]۔	اگر وصولی کسی مالی بدل کی وجہ سے ضرورت ہو مثلًا قرض یا مبیع کا ثمن ہے تو قابل ادائیگی ہونے کی بات مانی جائے گی، یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اور اسی پر فتوی ہے کہ کیونکہ مبدل حاصل کرلینے سے مدیون کی قدرت ادائیگی ثابت ہے لہٰذا اس قدرت کے زوال کی بات نہ سنی جائیگی۔ (ت)

اس انشائے تاجیل کا حاصل اگر دائن کو منع کرنا ہے تو یکمشت اپنا دین نہ لے تو یہ حر مکلّف پر حجر بلاوجہ شرعی ہے اور وہ باطل ہے اور اگر اس کا حاصل مدیون سے یہ کہنا ہے کہ تو مثلًا مہینہ پیچھے اتنا ادا کیا کر، تو ایسا دائن خود کہے تو تاجیل نہ ہوگی اور جس وقت چاہے یکمشت لے سکے گا نہ کہ غیر دائن جسے دین سے کوئی تعلق نہیں پرائے دین کو مؤجل کردے۔ اشباہ میں ہے:

قال الدائن للمدیون اذھب واعطنی کل شھر کذا فلیس بتاجیل لانه امر بالاعطاء[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر وصولی کرنے والا مدیون سے کہے کہ جا ماہانہ اتنی قسط دے دیا کر، تو یہ مہلت کا بیان نہیں ہے کیونکہ یہ ادائیگی کا حکم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از شہر بریلی محلّہ روہیلے ٹولہ مسئولہ جناب ملک اعجاز ولی خاں صاحب زید مجدہم ۱۱/ رمضان ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بنام بکر بابت غلہ قیمتی (صہ ۷/) بایں دعویدار ہے کہ میرا غلہ ناجائز طور پر لے لیا ہے دلایا جائے، بکر کو لینے غلہ سے اقبال ہے مگر وہ کہتا ہے کہ میرا قرضہ بذمہ زید چاہیئے تھا میں نے یہ غلہ قیمتی (صہ ۷/) مذکورہ بالا اپنے قرضہ میں لیا ہے اس قسم کا بیان بکر انکار دعوی مدعی ہے یا نہیں، وار زید ثبوت نہ پیش کرکے خواستگار حلف بکر کہے تو بکر پر شرعًا حلف متوجہ ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب (کتاب یعنی قرآن کریم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ قاضی خاں کتاب ادب القاضی الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ کراچی ۳ /۴۱۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۳

سے بیان کیجئے روز حساب اجر دئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بکر دعوٰی زید یعنی غلہ لے لینے کا مقر اور اپنے قرضہ کا مدعی ہے یہاں نہ زید کے ذمہ کوئی ثبوت دینا رہا نہ بکر پر حلف آسکتا ہے،

لانہ مقر و مدع وکلاھما لاحلف علھما واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کیونکہ یہ اقرار کرنے یا دعوٰی کرنے والا ہے جبکہ ان دونوں پر قسم نہیں ہے واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۴: از قصبہ شاہ آباد ضلع ریاست رامپور مرسلہ قمر علی خاں عرف چنداخاں ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید و عمرو و بکر نے چند دیہات سرکاری اجارہ پر لئے بعد کو باہم شرکاء میں تقسیم دیہات آپس میں ہوگئی جس کے حصہ میں جو دیہہ آیا وہ اس کی ادائے جمع سرکاری کا ذمہ دار رہا اقرار نامہ تقسیم لکھ کر تصدیق ہوگئی، اس اقرار نامہ میں زید نے یہ لکھا کہ میں ایک ہزار روپے کی قرعہ یعنی توفیر کے بکر کو باقساط ادا کروں گا، اب بکر اس ایک ہزار روپے کا دعویدار ہے، زید عذر کرتا ہے کہ ایک رقم مبہم کا مجھ سے اقرار کرالیا ہے ہر شخص اپنے حصہ کے دیہات پر قابض ہے، یہ ہزار مجھ پر کیسے چاہئیں، جو دیہات مدعی کے لئے نامزد ہوئے وہ بقبضہ مدعی ہیں بعد تقسیم میرے قبضہ میں نہ آئے نہ ان کی توفیر مجھے ملی ان کی توفیر بکر مدعی پاتا ہے لہٰذا زر توفیر بذمہ مدعا علیہ کیسے چاہئے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعًا ایسا اقرار مقر پر لازم الوفاء ہے یا نہیں؟ نقل اقرار نامہ ہمرشتہ سوال ہے۔

الجواب:

ملاحظہ اقرار نامہ وبیان سائل سے واضح ہوا کہ یہ دیہات ریاست سے ان تین شخصوں نے مستاجرانہ لئے تھے ریاست نے زر منافع ۱۵ ہزار پیشگی ان سے لیا اس میں سے قریب نصف زید نے دے دیا اور بکر نے کہ ہندو ہے کچھ نہ دیا مگر ریاست زر مستاجری پر ضمانت لیتی ہے یہ کفالت تنہا جائداد بکر سے ہوئی لہٰذا اسے شریک کیا گیا وقت تقسیم ۲/۱ کا حصہ زید کا قرار پایا اور ۴/۱۔ ۴/۱ کا باقی شریکوں کا۔ جو دیہات بکر کو دئے گئے ان کی چونی میں کہ بکر کو ملتی بقدر ایک ہزار روپے کی تھی لہٰذا زید نے یہ اقرار نامہ لکھ دیا، یہ نہ کوئی عقد شرعی ہے نہ اقرار شرعی نہ بکر کا زید پر کچھ آتا ہے نہ زید کہتا ہے کہ اس کا مجھ پر اتنا آتا ہے نہ کسی ثالث کا دین کہ بکر پر آتا ہو زید اسکی کفالت کرتا ہے محض ایک مہمل تحریر ہے جس کا حاصل ایک وعدہ بے معنی سے زائد نہیں ایسے وعدہ کی وفا پر جبر نہیں ہوسکتا نہ بکر کو اصلاً مطالبہ کا استحقاق ہے۔ ہندیہ واشباہ

وبزازیہ وغیرہما میں ہے:

لاجبر علی الوفاء بالوعد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وعدہ وفائی پر جبر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵: از رامپور محلّہ بارہ دری محمود خاں مسئولہ جناب عبداللہ خان صاحب ۲۹/جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درمیان اس مسئلہ کے کہ ہندہ تین نابالغ لڑکے لڑکیوں کی نانی ہے اور زید ان نابالغ بچوں کا باپ ہے، سعیدہ ان نابالغ بچوں کی ماں، زوجہ فوت ہوگئی، ان نابالغ بچوں کی جائداد غیر منقولہ علاقہ انگریزی میں واقع ہے۔ ہندہ نے اس جائداد کی نگرانی وغیرہ کے لئے برضامندی زید سرٹیفکیٹ ولایت حاصل کرلیاہے۔ اب ہندہ نے بولایت انہیں نابالغان اور باستدلال حصول سرٹیفکیٹ از علاقہ انگریزی زید پر نابالغان کی طرف سے مہر کی نالش کی ہے۔ زید نے عدالت ججی ریاست رامپور میں ان نابالغ بچوں کی ولی دوران مقدمہ ہونے کی درخواست کی ہے، اور بکر باپ زید کا یعنی دادا نابالغان درخواست کرتا ہے کہ شرعًا مجھے حق ولایت نابالغان حاصل ہے لہٰذا دوران مقدمہ کے لئے ولی نابالغان مقرر کردیا جاؤں۔ یہ تینوں درخواستیں متضاد ہیں۔ مفتیان شرع متین سے یہ دریافت طلب امر ہے کہ مسماۃ ہندہ جو سرٹیفکیٹ ولایت باجازت باپ نابالغان علاقہ انگریزی میں حاصل کرچکی اس کی ولایت ریاست ہذا کے مقدمات میں مقابل زید مدعا علیہ قائم و برقرار رہے گی یا زید مدعا علیہ ولی دوران مقدمہ ان نابالغ بچوں کا مقرر ہوسکتا ہے، یا بکر دادا ولی دوران مقدمہ مقرر ہوسکتا ہے اس کی نسبت دو صورتیں ہیں اگر زید ولی مقرر نہ ہو تب یہ ولی قائم ہوسکے گا یا زید کے ولی قائم ہونے کی حالت میں اس کو حق ولایت نابالغان حاصل ہے بصراحت روایات کتب فقہ جواب عنایت ہو۔ فقط المرقوم ۱۱ جون ۱۹۱۲ء

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نہ نانی کوئی شے ہے نہ وہ سرٹیفکیٹ کوئی چیز، نہ زید اپنی ولایت منتقل کرسکتا تھا نہ باپ کے ہوتے دادا کو استحقاق ولایت ہے۔ یہ کارروائیاں سب مہمل وبے معنی ہیں ہاں اگر زید پر سعیدہ کا مہر آتا ہو اور انکار کرے تو قاضی شرع اپنی طرف سے جسے چاہے نابالغوں پر وصی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷، الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الحظر والاباحہ دارالقرآن کراچی ۲/ ۱۱۰، العقود الدریۃ مسائل و فوائد شتی من الحظر والاباحۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

کرے یہ وصی دعوی کرسکے گا،اور اگر زید مہر کا مقر ہے جب تو اس پر نابالغوں کی طرف سے دعوی مہر نانی کرے خواہ دادا خواہ کوئی اصلاً قابل سماعت نہیں۔جامع الصغار فصل النکاح میں ہے:

ماتت عن زوج واولاد صغار وعلی الزوج المهر فان اقرالزوج بالمهر لم یؤخذ منه لان الاب یملك حفظ مال صغیرہ وان انکر ینصب القاضی وصیا فیثبت علیه المهر ویؤخذ منه ویدفع الی الوصی فانه بانکارہ تظهر خیانته و عند ظهور الخیانة یکون للقاضی ولایة دفع مال الصغیر الی وصی غیرہ[1]۔واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	بیوی نے خاوند اور نابالغ بچے وارث چھوڑے اور خاوند کے ذمہ مہر باقی ہے اگر خاوند مہر کا اقرار کرتا ہے تو خاوند سے مہر وصول نہ کیا جائے کیونکہ اپنے نابالغ بچوں کے مال کا وہی محافظ ہے اوا اگر خاوند اپنے ذمہ مہر کا انکار کرے تو قاضی بچوں کے حق میں کسی کو وصی بناکر مہر و ثابت کردے تو خاوند سے مہر وصول کرکے وصی کے سپرد کرے کیونکہ خاوند کے انکار سے اس کی خیانت واضح ہوگئی جبکہ خیانت کے ظاہر ہوجانے پر قاضی اختیار مل جاتا ہے کہ بچوں کا مال وصیہ کے سپر کر دے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶: از ریاست رامپور متصل اصطبل سرکاری عیدگاہ دروازہ مرسلہ حسن جہاں بیگم ۱۵/رجب ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نانی نابالغین نے نابالغین کی طرف سے بر فاقت ابن زید نابالغان کے باپ پر نابالغین کی والدہ متوفیہ کے دین مہر کی نالش کی ہے اور زید دین مہر سے منکر ہے اور چاہتا ہے کہ میں ولی دوران مقدمہ مقرر کیا جاؤں اور نیز والد زید بھی خواستگار ہے حالانکہ دادا کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے اور خوف تلف جائداد نابالغین کا پورا اندیشہ ہے اور نانی مشفقہ امینہ ہے اور مصلحہ ہے پس استفسار اس امر کا ہے کہ ان تینوں میں سے ولی دوران مقدمہ کون ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ زید مہر کا منکر ہے تو وہ اس مقدمہ میں ہرگز ولی نہیں ہوسکتا بلکہ حاکم پر لازم ہے کہ کسی دوسرے امین متدین کارگزار کو نابالغوں پر وصی کرے اگر دادا ٹھیک نہیں اور اس سے

[1] جامع الصغار علی ہامش جامع الفصولین آداب الاوصیاء فصل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۴

ضرر نابالغان کااندیشہ ہے اور نانی امکینہ مصلحہ مشفقہ ہے تو وہی باپ دادا سے احق ہے ورنہ قاضی شرع جس کو مناسب جانے۔

جامع احکام الصغار میں ہے:

ماتت عن زوج واولاد صغار وعلی الزوج المهر فانکر ینصب القاضی وصیا فیثبت علیه المهر ویؤخذ منه ویدفع الی الوصی فانه بانکاره تظهر خیانته وعند ظهور الخیانة یکون للقاضی ولایة دفع مال الصغیره الی وصی غیره[1]۔	بیوی نے خاوند اور نابالغ بچے وارث چھوڑے او خاوند کے ذمہ مہرباقی ہے اور خاوند انکار کرتا ہے تو قاضی کسی کو وصی مقرر کرے جو مہر کو ثابت کرکے وصول کرے کیونکہ مہر کا انکار کرکے خاوند نے خیانت کردی جبکہ خیاسنت کے ظہور پر قاضی کومال وصول کرکے کسی وصی کو دینے کااکتیار مل جاتا ہے۔ (ت)

اسی عبارت سے واضح ہوا کہ اگر قاضی کے نزدیک ثابت ہوجائے کہ مہر آتا تھااور زید دم، نکر کھواتو نہ فقط اس مقدمہ یا مہر کے بارہ میں بلکہ تمام اموال نابالغان سے زید کی ولایت اٹھادی جائے گی لظهور خیانته وانعدام صیانته فخرج عن امانته (خیانت ظاہر ہونے اور حفاظت معدوم ہوجانے پر امانت سے محروم ہوگیا۔ت) اور جملہ اموال نابالگان نانی مصلحہ امینہ کو سپرد کئے جائیں گے یاجورائے قاضی میں اصلح وانسب ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷: از ریاست رامپور محلّہ گھیر شرف الدین خاں متصل فیل خانہ کہنہ مسئولہ غلام جعفر خان صاحب ۱۸/ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ مدخولہ ہہا کو طلاق مغلظ دی بعد ازاں منکوحہ زید بدیں بیان دعویدار ہوئی کہ بوقت عقد نکاح مبلغ سوالاکھ روپیہ اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی تعداد دین مہر مقرر ہوئے تھے اور یہ کل دین مہر بذمہ زید اس وقت تک واجب الادا ہے بناء بریں میرا کل دین مہر زید سے دلایاجائے زید مدعاعلیہ مجیب ہوا کہ تعداد دین مہریاد نہیں کہ بوقت عقد نکاح کس قدر مسمّٰی ہوا تھامگر نکاح ہو اور مدعیہ نے کل دین مہر یا فتنی اپنابزمانہ حلالت مدعا علیہ اللہ کے واسطے معاف وابرا کردیا مدعیہ نے چندع کس گواہ پیش کئے اور سب نے بیان کیاکہ بوقت عقد نکاح سوالاکھ روپیہ اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی دین مہر کے مقرر ہوئے تھے اور

[1] جامع الصغار علی ہامش جامع الفصولین آداب الاوصیاء فصل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۱۴

کسی گواہ نے یہ بیان نہیں کیا کہ دین مہراب تک بذمہ زید مدعا علیہ واجب الاداد ہے صرف گواہان مدعیہ نے اسی قدر بیان کیا کہ سوالاکھ روپے اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی وقت عقد نکاح کے دین مہر مقرر ہوا تھا تو ایسی حالت میں گواہی گوہان مدعیہ کے معتبر ہوں گی یا نہیں اور مدعیہ دلاپانے مہر مذکورہ کے مستحق ہوگی یا نہیں، اور اگر عورت ثبوت مہر پر گواہ پیش کرے اور مرد ابراء مہر پر گواہ پیش کرے تو شرعًا کس کے گواہ اولٰی بالقبول ہوتے ہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئولہ میں موافق روایت مفتٰی بہاکے شرعًا شہادت گواہان مدعیہ معتبر او رمقبول نہیں اور مدعیہ دلاپانے مہر کے مستحق نہیں،

درر الحکام میں عنایہ سے منقول ہے عورت نے خاوند پر مہر کے ہزار کا دعوی کیا کہ آج اس کے زمہ ہے اور خاوند کہتا ہے کہ تونے اس میں کچھ سے مجھے بری کردیا ہے تو عورت نے گواہ پیش کئے جنھوں نے ہزار مہر کی گواہی دین اور بیان میں انہوں نے آج تک باقی ہونے کی بات نہ کی تو صحیح قول کے مطابق یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم العبد المجیب محمد شجاعت علی مدرس مدرسہ ارشاد العلوم (ت)	قال فی درر الاحکام ناقلا عن العنایۃ ادعت المرأۃ الف المھر بانھا واجبۃ علی الزوج الی یومنا ھذا وقال الزوج انك قد ابرأتنی منھا فاقامت المرأۃ شھودا و شھد وابالف المھر ولم یبینوا انھا واجبۃ علیہ الی یومنا ھذالم تقبل شھادتھم علی الاصح[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ العبد المجیب محمد شجاعت علی مدرس مدرسہ ارشاد العلوم۔

الجواب صحیح محمد عبدالغفار خاں، **الجواب صواب** ابوالافضال محمد فضل حق۔

فی الواقع صورت مسئولہ عنہ شہادت شہود مدعیہ ناکفی اور بروقت تعارض شہود اثبات مہر وابراء کے شہود ابراء اولی بالقبول ہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم محمد منور العلی

الجواب:

صورت مذکورہ میں گواہان زن کی شہادت دربارہ مقدار مہر مسمّٰی مقبول و معتبر ہے جس مقدار کا وہ دعوی کرتی ہے اگر اسکے مہر مثل سے زائد ہے توظاہر ہے کہ وہ دربارہ زیادت مدعیہ ہے اور یہ شہادت

[1] الدرر الحکام

اسکے دعوی کے مطابق گزری تو بحال استجماع شرائط معروفہ ضرور واجب القبول ہے،

لانها نورت دعویها بالبینة والبینة کا سمها مبینة والثابت بشهادة عدلین کالثابت بمشاهدة العین۔	کیونکہ بیوی نے اپنا دعوی گواہوں سے واضح کردیا، اور بینہ اپنے نام کی طرح روشن کرنے والا ہوتا ہے اور دو گواہوں عادلوں کی شہادت سے ثابت شدہ چیز ایسے ہے جیسے آنکھ کے مشاہدہ سے ثابت ہوتی ہے۔(ت)

اور اگر مہر مثل کے برابر یا اس سے کم ہے کجب بھی شہادت مفید و مقبول ہے اگرچہ عورت اس صورت میں صرف مدعا علیہا ہے کہ اگر گواہ نہ دیتی اسے حلف کرنا پڑتا اور ایسی جگہ حلف سے بچنے کے لئے مدعا علیہ کے گواہ مسموع ہیں، درر الاحکام باب المھر میں ہے:

ان اقامت بینة قبلت وان اقامها الزوج قبلت ایضا لان البینة تقبل لرد الیمین کما اذا اقامه المودع بینة علی رد الودیعة الی المالك تقبل[1]۔	اگر بیوی نے گواہی پیش کردی تو مقبول ہوگی اگر خاوند نے پیش کی تو وہ بھی قبول ہوگی کیونکہ قسم کو رد کرنے کے لئے گواہی مقبول ہوگی ہے جیسے امین امانت مالک کو واپس کرنے پر شہادت پیش کرے تو قبول کی جائیگی۔(ت)

بلکہ اگر مہر مثل معلوم نہ ہو اور شوہر اس مقدار کو مہر مثل نہ مانے تو عورت کو آپ ہی گواہ دینے کی حاجت ہوئی کہ اتنا مہر تھا یہ وہی شہادت ہے جو اس سے شرع طلب فرماتی تو عدم قبول کی وجہ کیا ہے یا یہ گواہ دیتی کہ اس کا مہر مثل اس قدر یا اس سے زائد ہے، پھر اسے حلف کرنا پڑتا کہ اس قدر مہر مقرر ہوا تھا اس شہادت نے اس شہادت اور حلف دونوں سے غنی کردیا، بہر حال مفید و واجب القبول ہوئی، فتاوٰی امام قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

هذا اذا کان القاضی یعرف مقدار مهر مثلها فان کان لایعرف یأمر امناءه بالسوال ممن یعلم او یکلفها اقامة البینة علی ماتدعی[2]۔	یہ اس صورت میں جب قاضی مہر مثل کی مقدار جانتا ہو تو اگر اسے معلوم نہ ہو چاہئے کہ وہ اپنے قابل اعتماد عملہ کو کہے کہ وہ معلومات والوں کو پوچھیں یا قاضی عورت کو پابند کرے کہ وہ اپنے مہر مثل کے دعوی کو ثابت کرنے کے لئے گواہ پیش کرے۔(ت)

---

[1] درر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب النکاح باب المھر میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۷

[2] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الدعوٰی والبینات فصل فیما یتعلق بالنکاح الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۴۹۵

درمختار میں ہے:

یشترط فی ثبوت مھر المثل اخبار رجلین اورجل وامرأتین ولفظ الشھادۃ فان لم یوجد شھود عدول فالقول للزوج بیمینہ[1]۔	مہر مثل ثابت کرنے کے لئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی اس میں لفظ شہادت شرط ہے اور اگر عادل گواہ نہ ملیں تو خاوند کا قول قسم لے کر تسلیم کیا جائے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

من تزوج امرأۃ ثم اختلفا فی المھر فالقول قول المرأۃ الی تمام مھر مثلھا[2]۔	اگر زوجین مہر میں اختلاف کریں تو مہر مثل کی حد تک بیوی کی بات معتبر ہے(ت)

عبارت منسوبہ دررالحکام وعنایہ کہ:

ادعت المراۃ الف المھر بانھا واجبۃ علی الزوج الی یومنا ھذا وقال الزوج انك قد ابرأتنی منھا فاقامت المرأۃ شھودا وشھدوا بالف المھر ولم یبینوا انھا واجبۃ علیہ الی یومنا ھذا لم تقبل شھادتھم علی الاصح[3]۔	عورت نے ہزار مہر کا دعوٰی کیا کہ یہ آج تک خاوند کے ذمہ واجب ہے اور خاوند کہتا ہے کہ تو نے کچھ سے مجھے بری کردیا ہے تو عورت نے گواہی پیش کی تو گواہوں نے ہزار کی گواہی دی اور آج تک ذمہ واجب ہونے کو بیان نہ کیا تو صحیح قول پر وہ گواہی قبول نہ ہوگی۔(ت)

اگر ان میں اسی طرح ہو جب بھی مسئلہ دائرہ سے متعلق نہیں وہاں کلام اس صورت میں ہے کہ عورت جس مقدار مہر کا دعوٰی کرتی ہے شوہر کو وہ مقدار تسلیم ہے اور معافی کا مدعی ہے شہود نے اب تک مہر ذمہ شوہر پر واجب ہونے کا ذکر نہ کیا تو ان کی شہادت کو دعوٰی زوج سے تو کچھ مس نہ ہوا، رہی مقدار مہر زوج کو خود اس کا اقرار تھا اور مقر پر شہادت مسموع نہیں،

الافی اربع لیس ھذا منھا کما فی البحر بل فی کل موضع	مگر چار میں کہ یہ ان میں سے نہیں ہے جیساکہ بحر میں ہے بلکہ ہر ایسے مقام میں جہاں اگر گواہی نہ ہو

[1] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

[2] الھدایہ کتاب النکاح باب المہر المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۳۱۴

[3] الدرالحکام

يتوقع ضرر من غير المقر لولاها فيكون هذا اصل كما فيه ايضا **اقول**: والوجه فيه ان الاقرار حجة ملزمة بنفسه من دون حاجة الى قضاء القاضي ولذا يصح فی غير مجلس القضاء ونصوا ان القضاء على المقر قضاء مجازا و الشهادة انما هی يسمعها القاضی فيلزم فاقامتها على المقر سعی فی تحصيل الحاصل وهو باطل بخلاف ما اذا افادت فائدة لم يفدها الاقرار وهی التعدية لان الاقرار حجة قاصرة[1]۔	تو وہاں غیر مقر کی طرف سے ضرر کا خطرہ ہو، تو یہ قاعدہ ہوگا جیسا کہ یہ بھی اسی میں ہے **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس میں وجہ یہ ہے کہ اقرار ایسی حجت ہے جو معاملہ کو خود لازم کرتی ہے بغیر قاضی کی قضاء کے، اسی لئے یہ اقرار مجلس قضاء کے بغیر بھی صحیح ہوتا ہے او فقہاء نے نص کی ہے اقرار پر قاضی کی کارروائی کو مجازًا قضاء کہا جاتا ہے جبکہ شہادت کو قاضی سن کر حکم کو لازم کرتا ہے تو مقر پر گواہی کو پیش کرنا تحصیل حاصل ہے جو کہ باطل ہے، بخلاف اس صورت کے جس میں شہادت سے ایسا فائدہ حاصل ہو جو اقرار سے نہ ہوتا ہوا اور وہ فائدہ حکم کو متعدی بنانا ہے کیونکہ اقرار ناقص حجت ہے (ت)

یہاں تک کہ بعد شہادت اگر مدعا علیہ اقرار کردے تو حاکم بربنائے اقرار حکم کرے گا نہ کہ بربنائے شہادت۔ بحرالرائق میں ہے:

لو برهن المدعی ثم اقر المدعی عليه بالملك له يقضی له باقرار لا ببينة اذ البينة انما تقبل على المنكر لا على المقر انتهى[2] **اقول**: ووجهه ظاهر لما قدمنا لانه لما اقر قبل القضاء لزم الحق من دون الزام فلم يبق مساغ لالزام والقضاء بالشهادة الزام۔	جب مدعی گواہی پیش کرچکا ہو اور اس کے بعد مدعا علیہ مدعی کی ملکیت کا اقرار کرے تو قاضی اقرار کی بناء پر فیصلہ دے گا کیونکہ گواہی صرف منکر کے خلاف قبول کی جاتی ہے اقرار پر نہیں اھ۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس کی وجہ ظاہر ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے کہ جب قضاء سے قبل اقرار کردے گا تو حق خود بغیر الزام کے لازم ہوجائے گا تو اقرار کے بعد قاضی کی طرف سے لازم کرنے کا جواز نہیں رہتا جبکہ شہادت کی بناپر فیصلہ الزام ہوتا ہے۔ (ت)

[1] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۰۳
[2] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۰۳

اس وجہ سے وہاں شہادت زن نامقبول تھی بخلاف مسئلہ دائرہ کے یہاں شوہر اس مقدار مہر کا مقر نہیں تو گواہان سزن ضرور قابل قبول ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اسی قدر پر عورت کو ڈگری دی جائیگی بلکہ شوہر سے ابراء پر گواہ طلب کئے جائیں گے اگر اس نے گوہان شرعی سے ابراء ثابت کردیا اور عورت کی طرف سے اس کا کوئی دفع صحیح نہ پایا گیا یا وہ گواہ نہ دے سکا اور عورت کا حلف چاہا اور عورت نے حلف سے انکار کردیا تو ان دونوں صورتوں میں عورت کا مطالبہ رد کردیا جائے گا اور اگر عورت نے عدم ابراء پر حلف کرلیا تو اپنے پورے مطالبہ کی ڈگری پائے گی جس قدر اس نے شہادت سے ثابت کردیا اب وہ گواہی اس کے کام آئے گی۔ عقود الدریہ میں ہے:

بینۃ البرائۃ اولی من البینۃ علی المال ان لم یؤرخا او أرخ احدھما فقط اوأرخا سواء، بینۃ المطلوب علی انك اقررت بالبراءۃ اولی من بینۃ الطالب علی انك اقررت بالمال بعد اقراری بالبراءۃ وبینۃ الطالب اولی ان قال انك اقررت بالمال بعد دعواك اقراری بالبراءۃ[1]۔	برائۃ پر گواہی مال پر گواہی سے اولٰی ہے جب دونوں فریق یا ایک فریق نے تاریخ نہ بیان کی ہو یا دونوں نے ایک ہی تاریخ نہ بیان کی ہو مطلوب شخص کی گواہی کہ تونے براءت کا اقرار کیا ہے اولٰی ہے طالب کی اس گواہی سے کہ تونے مال کا اقرار میرے براءت کے اقرار کے بعد کیا ہے اور طالب کی یہ گواہی اولٰی ہے کہ تونے مال کا اقرار اپنے اس دعوی کے بعد کیا کہ میں نے تیرے لئے براءت کا اقرار کیا ہے۔(ت)

جامع الفصولین فصل عاشر میں ہے:

بینۃ الابراء اولی من بینۃ ان لہ علیہ کذا فی الحال[2]۔	براءت کی گواہی اولٰی ہے اس گواہی سے کہ اس کے ذمہ فی الحال اتنا مال ہے(ت)

اسی میں وہیں ہے:

الاصل ان الموجب والمسقط اذا تعارضا یؤخر المسقط اذا السقط یکون بعد الوجوب[3]۔	قاعدہ یہ ہے کہ جب موجب اور مسقط کا مقابلہ ہوجائے تو مسقط کو مؤخر قرار دیا جائے گا کیونکہ سقوط بعد از وجوب ہوتا ہے۔(ت)

[1] العقود الدریۃ کتاب الشہادۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۸

[2] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۳

[3] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۷

یہاں سوال دوم کا جواب بھی واضح ہوگیا کہ بینہ ابراء بینہ وجوب پر مرجح ہے اگرچہ گواہان زن یہ تصریح بھی کردیتے کہ آج تک مہر واجب الادا ہے۔

فانهم انما يقولون بالاستصحاب فمعناها نفی الابراء والايفاء ولا شهادة على الفنی بل انما يرجع نفيهم الى علمهم وعدم العلم ليس علما بالعدم۔ واللہ وسبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کہ وہ استصحاب کا قول کرتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہوا کہ براءت اور ادائیگی نہ ہوئی ہے جبکہ کسی نفی پر شہادت جائز نہیں بلکہ انکی یہ بات ان کے علم کی نفی کی طرف راجع ہوتی ہے جبکہ علم نہ ہونا نہ ہونے کا علم نہیں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۸: از رامپور محلّہ گنج از جانب سبزہ فروشاں معرفت سدن کنجڑا ۴ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی اللہ دین کے ذمہ مسمّٰی بھورے چودھری کی دو اشرفیاں مبلغ تیس روپیہ کی واجب الادا ہیں جب اس نے طلب کیں تب جواب دیا کہ میں بھورے چودھر کو عبدالکریم اور نور محمد اور نسوہ کے سامنے دے چکا جب اس نے دریافت کیا تو انہوں نے بالاتفاق کہا کہ ہمارے سامنے ہر گز تم نے نہیں دیں تم غلط کہتے ہو جب دیکھا کہ سب نے انکار کیا اور میرا جھوٹ کھلا تو اللہ دین نے کہا اچھا میں ان اشرفیوں کے مبلغ تیس روپیہ بر وقف حساب کتاب کے مجرا دوں گا اور یہ اقرار چند آدمیوں کے سامنے کیا کہ جس میں چھدا اور کلن اور اشخاص مذکورین موجود تھے پھر جب وقت حساب کا ہوا تو پھر انکار کردیا اور اس اقرار سے رجوع کیا اور قسم کا کر کہتا ہے کہ میں تو تینوں شخصوں مذکورین کے سامنے ادا کرچکا میں نہیں دوں گا، تو اب ایسی صورت میں جب اقرار گواہوں کے سامنے اشرفیوں کے تیس روپیہ ادا کرنے کی بابت کرچکا اور پھر انکار کیا تو یہ انکار بعد الاقرار معتبر ہوگا یا وہی اقرار مقدم کہ جس کا ثبوت گواہوں سے ہے قائم رہے گا اور اللہ دین کے ذمہ تیس روپیہ اشرفیوں کے بھورے چودھری کے واجب الادا ہوں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ امر دین ہے اور معاملہ حقوق العباد کا ہے احتیاط لازم ہے یہاں جو بھورے چودھری نے آکر بیان کیا اس میں یہ سوال تھا کہ اللہ دین قسم کھاتا ہے اس کی قسم معتبر ہے یا نہیں اور اس کا جواب دیا گیا تھا کہ جب وہ ادا کردینا بتاتا ہے کہ دین کا اقرار کرچکا اور ادا کا دعوٰی کیا تو اب وہ مدعی ہے اور چودھری مدعا علیہ۔ اور مدعی کی قسم معتبر نہیں بلکہ وہ گواہوں سے ثبوت دے کہ ادا کرچکا اگر ثبوت نہ دے سکے اور

چودھری کا حلف مانگے تو چودھری پر حلف آئے گا کہ مجھے ادانہ کئے میرا مطالبہ اس پر اب تک ہے اگر چودھری قسم سے انکار کرے تو کچھ نہ پائے اور قسم کھالے تو ڈگری دیا جائے۔ رہے چودھری کے گواہ کہ تو نے نہیں دئے اصلاً معتبر نہیں کہ شہادت نفی ہے اور نفی پر گواہی مقبول نہیں اور یہاں یہ ٹھہرانا کہ گواہ کے ہوتے حلف کی ضرورت نہیں محض بے معنی ہے، نہ چودھری پر گواہ ہیں نہ الله دین پر حلف۔

وھذاکلہ ظاھر لمن لہ ادنی المام بخدمۃ الفقہ الشریف فلم یکن لیقع فیہ الارتیاب ولکن لاحول ولاقوۃ الابتوفیق العزیز الوھاب۔	یہ تمام ظاہر ہے اس شخص پر جس کو فقہ شریف کی خدمت میں ادنٰی حصہ بھی ہے تو اس میں شک نہیں ہونا چاہئے، لیکن اقدام اور قوت الله تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہیں۔ (ت)

اس قدر صورت کا تو حکم یہ تھا اور سال میں اکثر عبارات سائلین اپنے فہم کے لائق بالمعنی نقل کرتے ہیں اور جہاں اختلاف لفظ سے حکم بدلتا ہے وہاں ان کے سبب دقت واقع ہوتی ہے اور حق رسی دشوار ہوجاتی ہے خصوصًا بہت خدا ناترس وکلائے مفتعلہ ساختہ الفاظ تعلیم کرتے ہیں جن سے کمی پوری ہوجائے اور یہ سخت مزلہ اقدام ہے **والعیاذ بالله تعالٰی**، پس اگر شہادت عادلہ شرعیہ متفقہ سے ثابت ہوا کہ الله دین نے وہ لفظ کہے کہ اچھا میں ان اشرفیوں کے تیس روپے وقت حساب مجرا دوں گا، یہ تو ضرور اقرار ہے کہ اسی زر مدعٰی کا دینا مانتا ہے اور اقرار کے بعد انکار مسموع نہیں، روپے دینا ہوں گے، اور اگر اتنا کہنا ثابت ہو کہ اچھا میں تیس روپے وقت حساب مجرا دوں گا تو اسے اقرار ٹھہرانا محل تامل ہے، ظاہر عبارت سوال یہ ہے کہ یہ کلام مبتداء ہے اور مجرا دوں گا وعدہ ہے اور وعدہ کہ کلام مبتدا میں ہو اقرار نہیں اور اچھا کہ بعد منازعت کہا معنی قبول عطا قطعاًللنزاع کا احتمال رکھتا ہے اور قبول عطا قبول وجوب نہیں اور اقرار قبول وجوب ہے اور اب زر مدعی کی طرف اشارہ اور مجرا دینا دادنی ہونا چاہتا ہے اور کلام مبتداء میں کوئی مال دادنی ماننا بھی اقرار نہیں فلیثبت فیہ۔ فتاوٰی قاضی خان میں ہے:

الاصل فیہ ان الکلام اذاخرج علی وجہ الکنایۃ عن المال الذی ادعاہ المدعی یکون اقرارا، رجل قال لغیرہ اقض الالف التی لی علیک فقال ساعطیکھا اوغدا اعطیکھا اوفاتزنھا اوانتقدھا	قاعدہ یہ ہے کہ مدعی علیہ کی ایسی کلام جس سے مدعی کے دعوی مال کا کنایہ بنتا ہو تو وہ اقرار ہوگا ایک شخص دوسرے کو کہے کہ وہ ہزار جو میرا تیرے ذمہ ہے اس کو ادا کر، تو وہ جواب میں کہے یہ دوں گا یا یہ کل دوں گا، یا ان کو وزن کر، یا انکو گنتی کر، تو یہ مدعی کی

كان اقرارا بالملك، ولو قال اتزن او انتقد لايكون اقرارا[1]۔	ملکیت کا اقرار ہوگا، اور اگر یوں کہے میں وزن کرتا ہوں یا گنتی کرتا ہوں تو یہ اقرار نہ ہوگا(ت)

فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اذا قال مرا بفلان ده درم دادنی ست قال لايلزمه شئی مالم يقل هو علی اوفی رقبتی اوذمتی او هو دين واجب او حق لازم كذافی الظهيرية[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی نے یوں کہا مجھے فلاں کے دس درہم دینے ہیں، تو اس سے کچھ لازم نہ ہوگا جب تک میرے ذمہ یا مجھ پر، یا میری گردن پر، یا وہ قرض واجب یا حق لازم، کے الفاظ نہ کہے، ظہیریہ میں یونہی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۹: مسئولہ محمد عبدالقیوم صاحب زمیندار قادر پور پرگنہ سرونج ریاست دارالاسلام ٹونک ۲۳/ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، زید کی بیوی ہندہ اپنے شوہر کی تیرہ چودہ برس بعد ایک دستاویز جو کہ بحیثیت ہبہ کے ہے پیش کرتی ہے اور بیان کرتی ہے کہ میرے شوہر نے اپنی حیات میں یہ دستاویز مجھے لکھ دی تھی اس پر ایک مفتی کے دستخط بھی ہیں لیکن باضابطہ اس کی تصدیق سرکاری دفتر میں نہیں ہوئی ہے نہ وہ اصل دستاویز یا اس کی نقل سرکاری دفتر میں رکھی گئی ہے البتہ مفتی صاحب کے دستخط بحیثیت تصدیق کے ہیں ونیز اس جائداد کا جھگڑا بعد انتقال زید کے ہوا تھا لیکن اس وقت اس نے اس تحریر کو پیش نہیں کیا ایسی صورت میں وہ دستاویز مانی جانے کے قابل ہو سکتی ہے اور شریعت پاک اس تصدیق شدہ دستاویز ونیز متذکرہ کو جس کی نقل یا اصل سرکاری دفتر میں نہیں رکھی گئی ہے صحیح تسلیم فرماکر ہندہ کو فائدہ بخش سکتے ہیں۔ بیان کرو تم اور اجر پاؤتم فقط۔

الجواب:

کوئی دستاویز ثبوت میں پیش نہیں کی جاسکتی جب تک اس کے ساتھ شہادت نہ ہو۔ علماء فرماتے ہیں:

لايعمل بالكتاب لان الخط يشبه	لکھائی پر عمل واجب نہیں کیونکہ خط ایک دوسرے

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الاقرار فصل فیما یکون الاقرار نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۱۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاقرار الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۵۷

الخط والخاتم یشبہ الخاتم کما فی الاشباہ والھدایۃ والھندیۃ وغیرہا[1]۔	کے مشابہ ہوتا ہےاور مہر دوسری مہر کے مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ اشباہ، ہدایہ اور ہندیہ وغیرہا میں ہے۔(ت)

خصوصًا اس حالت میں کہ بعد موت جھگڑا بھی ہوا اور اس نے دستاویز پیش نہ کی اب اتنی برسوں کے بعد ظاہر کرتی ہے دستاویز درکنار ایسا دعوی ہی قابل سماعت نہیں،

بہ یفتی قطعاً للتزویر والتلبیس کما فی الخیریۃ[2] والعقود الدریۃ وغیرھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اسی پر فتوی ہے تاکہ جعلسازی اور تلبیس کا خاتمہ ہوسکے جیسا کہ خیریہ، عقود الدریہ وغیرہما میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۱۰: مرسلہ قاضی حسام الدین صاحب از تعلقہ راویر ضلع مشرقی خاندیس ۱۵جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

ایک شخص فوت ہوا اور اس کے تین لڑکے عاقل و بالغ ہیں اور لیاقت میں تینوں مساوی ہیں تو ایسی حالت میں قضاۃ کا کون مستحق ہے، خلف اکبر کا رتبہ وحق برادران خورد سے کم ہے یا زیادہ؟

الجواب:

کوئی منصب نہ میراث ہے، نہ بڑے چھوٹے پر موقوف، جولائق تر ہو وہ کیا جائے، اور سب مساوی ہوں تو منصب دینے والا جسے چاہے دے دے، اور اگر ان سب سے کوئی اجنبی زیادہ لائق ہے تو وہی مستحق ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۱: مرسلہ میاں جان شاہ خلیفہ و جانشین حضرت حاجی غلام احمد صاحب مرید میاں احمد علی شاہ صاحب سکینہ ریاست رامپور محلّہ بذریہ ہمت خاں ۱۸/ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید لاوارث نے اپنے مکان مملوکہ و مقبوضہ کی نسبت اپنے مریدوں سے ایک مرید بکر نامی کو جو دس سال کی عمر سے اس کی اطاعت و خدمت گزاری شبانہ روز بسر کرتا تھا خرقہ خلافت و تبرکات وغیرہ عطافرما کر اس کو اپنی سجادہ نشینی

---

[1] الاشباہ والنظائر مع غمز عیون البصائر کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸، الہدایہ کتاب القاضی الی القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۹ و ۱۵۷، فتاوٰی ہندیہ کتاب القضاء الباب الثالث والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۴۸

کی خدمت تفویض کی اور ساتھ ہی اس کو یہ وصیت کی کہ یہ مکان تجھ کو ہبہ کرتا ہوں میرے انتقال کے بعد تم اس مکان میں اپنی سکونت رکھ کر مکان مذکورہ میں میرا اور میرے پیر و مرشد نیز دیگر اولیاء و پیران عظام کی علی الدوام فاتحہ عرس بطریق فقراء اپنے اہتمام سے سال بسال کرتے رہنا، اور میرے مرید بغرض شرکت عرس بیر ونجات وغیرہ سے آئیں ان کو مکان مسطور میں مقیم کرکے ان کے خوردنوش کا بھی انتظام کرنا اور جس طرح کہ میں اوراد واشغال وچلہ کشی وغیرہ خود کرتا اور اپنے مریدوں وغیرہ کو تلقین اور سلسلہ وطریقہ پیری ومریدی وغیرہ کی تعلیم دیتا رہتا ہوں یہی معمول رکھنا، اور زید نے بخیال کم استطاعتی وبے بضاعتی اپنے سجادہ نشین بکر کے مکان مذکور کی نسبت بیع کی ممانعت کرکے رہن کی اجازت دی، بعد اس وصیت کے زید نے مکان مذکورہ پر بکر کا قبضہ کامل طور سے کرادیا، بکر ایک تارک الدنیا فقیر ہے، وصیت پیر ومرشد کو بجان ودل قبول ومنظور کرلیا اور زید نے اس وصیت کے کئی سال بعد سفر آخرت اختیار کا بکر زید کی وصیت کے موافق زمانہ اٹھارہ سال سے مکان مذکور پر بلا شرکت غیرے قابض ومتصرف ہے اور جملہ خدمات کی بجاآوری میں مامور ومشغول ہے بلکہ بسبب انہدام مکان مذبور ونیز برائے سرانجام فاتحہ عرس بباعث تنگدستی مکان مسطور کو رہن کرکے حسب وصیت زید جمیع امورات مفوضہ کو بجالانا مقدم سمجھا ہے ان امور متذکرہ بالا کے اکثر وبیشتر لوگ واہل محلّہ بخوبی واقف وشاہد ہیں، اب ایک عمرو نامی شخص دینا دار جو اپنے کو متولی زید کے پیر ومرشد کے مزار کا قرار دیتا ہے بوجہ طمع نفسانی وبحرص مفاد دنیاوی اس وصیت زید کو اٹھارہ سال کے بعد کالعدم ظاہر کرکے یہ کہتا ہے کہ زید مجھ کو یہ وصیت کرگیا ہے کہ مکان مسطور فروخت کرکے میرے پیر ومرشد کے مزار کی مرمت وروشنی وغیرہ کرنا، پس صورت مذکورہ بالا میں مکان مقبوضہ اٹھارہ سالہ مواہبہ شرعًا قبضہ بکر سے علیحدہ ہو کر فروخت ہوسکتا ہے یا نہیں اور خواہش نفسانی عمرو دنیادار کی موافق شرع شریف کے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

سائل مظہر ہے کہ عمرو وہیں کا ساکن ہے اور مدت دراز سے زید کو اس مکان پر قبضہ کے تصرفات مالکانہ مثل ہدم وتعمیر وغیرہ کرتے دیکھ رہا ہے اور اب تک ساکت رہا اب ۱۸سال کے بعد اس وصیت کا مدعی ہوا، پس صورت مستفسرہ میں عمرو کا دعوی اصلًا قابل سماعت نہیں۔ فتاوٰی امام شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ عزی تمر تاشی میں ہے:

سئل عن عجل لہ بیت فی داریسکنہ مدۃ تزید علٰی ثلث سنوات	سوال ہوا ایسے شخص کے متعلق کہ ایک حویلی کے کمرہ میں تین سال سے زائد مدت سے مقیم ہے۔

وله جار بجانبه والرجل المذكور فی البيت متصرف فی البيت المزبور هدما وعمارة مع اطلاع جاره علی تصرفه فی المدة فهل اذا ادعی البيت اوبعضه بعد ماذكر من تصرف الرجل المذكور فی البيت هدمًا وبناءً فی المدة المذكورة تسمع دعواه ام الاجاب، لاتسمع دعواه علی ماعليه الفتوی[1]۔	اور شخص مذکور اس کمرہ میں ہر طرف کا تصرف گرانا، بنانا کرتا چلا آرہا ہے اس کے پڑوس میں دوسرا شخص ہے جو مذکورہ مدت سے اس کے تصرفات مذکور کو دیکھ رہا ہے، تو کیا اس پڑوسی کو اس کمرہ کے کل یا بعض پر دعوی کا حق ہے باوجودیکہ وہ سب کچھ تصرفات دیکھتا رہا ہو۔ جواب دیا کہ اس دعوی سماعت نہ ہوگی مفتی بہ قول کے مطابق (ت)

وجیز کردری میں ہے: عليه الفتوی قطعا للاطماع الفاسدة[2] (اس پر فتوی فاسد طمع کو ختم کرنے کے لئے ہے۔ت) رد المحتار میں ہے:

مجرد السكوت عند الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی، قوله زرعا وبناء المراد به كل تصرف لايطلق الاللمالك فهما من قبيل التمثل، قوله لاتسمع دعواه ای دعوی الاجنبی ولو جارا[3]۔	تصرفات مذکورہ پر اطلاع کے باوجود خاموشی دعوی کے لئے مانع ہے، ماتن کا قول "زراعت و تعمیر" سے مراد تمام ایسے تصرفات جو صرف مالک کے لئے جائز ہیں یہ دونوں بطور تمثیل ذکر کئے، اس کا قول اس کا دعوی نہ سنا جائے گا یعنی ہر اجنبی کا خواہ پڑوسی ہو۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی، ولم يقيدوه بمدة ولابموت، وليس مبنيا علی المنع السلطانی بل هو حكم اجتهادی نص عليه الفقهاء[4] ملتقطا، والله تعالٰی اعلم۔	تصرفات پر اطلاع ہی دعوی سے مانع ہے کسی مدت یا موت کی قید کے بغیر یہ بات فقہاء نے ذکر ہے، یہ حکم سرکاری پابندی کی بناء پر نہیں ہے بلکہ یہ اجتہادی حکم ہے جس کو فقہاء نے بالاتفاق بیان کیا ہے ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] العقود الدریہ بحوالہ فتاوٰی غزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب النکاح الفصل التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۱۲۶

[3] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۴

[4] العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

مسئلہ ۱۱۲: از انجمن نعمانیہ لاہور ۱۳/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

امیر یا امام یا صدر قوم کو شرعًا مسلمانوں کا مشورہ لینے کے بعد کثرت رائے کا اتباع لازمی ہے یا اس کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی رائے پر ع اور کاموں میں ان سے مشورہ ارجو کسی بات کا ارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔(ت) مل کرے خواہ وہ رائے کثرت رائے کے خلاف ہی ہو مثلًا انجمن یا مجلس کی صورت میں اس کے متعلقہ کاموں کے لئے ماتحت مجلسین ہر فن کے ماہرین کی بنادی گئی ہوں اور کل اس عام مجلس کا ایک صدر یا امام یا امیر بھی منظور کرلیا گیا ہو تو خاص فن کی مجلس کے فیصلہ کے خلاف صدر مجلس مذکور کو ان کی رائے حاصل کرلینے کے بعد یہ اختیار ہوگا کہ ان کے فیصلہ کے خلاف حکم دے دے اور وہ قابل اتباع ہو یا نہیں، یعنی زید جو اس دعوی کا حامی ہے کہ صدر کو کثرت رائے کا اتباع لازمی نہیں وہ اپنے دعوی کے ثبوت میں فخر کائنات حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی مثالیں پیش کرتا ہے کہ بعض اوقات صحابہ علیہم الرضوان سے مشورہ لینے کے بعد بھی اپنی ذاتی رائے پر عمل کیا اور کلام قدیم میں بھی انہیں الفاظ میں حکم آیا کہ:

"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ"[1]	اور کاموں میں ان سے مشورہ ارجو کسی بات کا ارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔(ت)

یعنی اپنی عزیمت پر عمل کرنے کا اختیار دے دیا زید یہ بھی کہتا ہے کہ آج کل مجلسوں میں کثرت رائے کا اتباع ایک زمانہ حال کے غیر مذاہب کے رویہ کا اتباع ہے جو درحقیقت مضر ہوتا ہے مثلًا کثرت رائے آج کل کے ایسے مسلمان کی جو مذہبی اتباع میں نہایت کمزور ہوتے ہیں کسی شرع معاملہ میں بوجہ آرام طلبی و مصلحت زمانہ کے خلاف ہوجائے تو کیا اس شرعی مسئلہ کے خلاف کرنا جائز ہوجائے گا، عمرو بکر وغیرہ زید کے مقابل میں یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ خاصہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے تھا بعد میں امت مرحومہ کو اتباع سواد اعظم کا حکم دیا گیا اور **من شذ فی النار**[2] (جو جماعت سے علیحدہ رہا وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا۔ت) کا وعید سنایا گیا اور **لاتجتمع امتی علی الضلالۃ**[3] (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ت) کہ کسوٹی دی گئی اجماع ادلہ شرعی میں قرار پایا جس پر اہل سنت وجماعت کے مذاہب

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۹

[2] المستدرك للحاکم کتاب العلم دارالفکر بیروت ۱/ ۱۱۵

[3] المستدرك للحاکم کتاب العلم دارالفکر بیروت ۱/ ۱۱۵۔۱۱۴، الدرالمنتشرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ حدیث ۴۵۹ المکتبۃ الاسلامی بیروت ص ۱۹۰

اربعہ کی بنیاد ہے، نیز زید کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک امر کے متعلق اس کے اہل فن کی مجلسیں مقرر کردی گئی ہوں توان کا فیصلہ کیوں اجماع کا حکم نہ رکھے گا اور اس کے خلاف صدر کو عمل کرنے کا کیوں اختیار ہونا چاہئے کیونکہ صدر آخر ایک شخص ہے اس کو ایک مجلس کے متفقہ فیصلہ توڑ دینے کا اختیار دینا خالی از خطر نہیں ہوسکے گا اس کے مفسدہ اور مصلحت پر بھی نظر رہنا چاہئے، براہ کرم ان کے جواب سے بادلہ شرعی بہت جلد مطلع فرمادیں۔

المستفتی	المستفتی
سلیم اللہ خاں جنرل سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور	تاج الدین احمد سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور

المستفتی
نور بخش فنانشل سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور

الجواب:

دلیل کہ زید نے بیان کی، بجائے خود صحیح ہے۔ خصائص بے دلیل صحیح اختصاص ثابت نہیں ہوتے، مواہب شریف میں ہے:

الخصائص لا تثبت الابدلیل صحیح قالہ فی شرح تقریب الاسانید [1]۔	خصائص صحیح دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتے، یہ بات انہوں نے تقریب الاسانید کی شرح میں ذکر کی ہے۔(ت)

اسی طرح فتح الباری وغیرہ میں ہے، یوں تو ہر فضل عطائی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی سے خاص ہے کہ وہی اصل و منبع ومبدء ومرجع ہر فضل ہیں ؎

وکل آی اتی الرسل الکرام بہا فانما اتصلت من نورہ بہم [2]

انما مثلوا صفاتك للناس کما مثل النجوم الماء [3]

(جو معجزات مرسلین لائے ہیں وہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نور سے ان تک پہنچے وہ لوگوں کے لئے آپ کی صفات مظہر بنے جس طرح ستاروں کیلئے پانی مظہر بنتا ہے۔ت)

---

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۶۰۰

[2] المواہب اللدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۵۸۲

[3] المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویہ حرف الہمزہ دار المعرفت بیروت ۱/ ۷۷

مگر حقائق عطایائے محمدیہ میں یہ فضل کہ بعد مشورہ بھی اپنی رائے پر اعتماد جائز ہو علمائے کرام نے خصائص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نہ گنا البتہ وجوب مشورہ کو خصائص والا سے شمار کیا کما فی انموذج اللبیب للامام السیوطی والمواھب للامام القسطلانی (جس طرح کہ امام سیوطی کی انموذج اللبیب اور امام قسطلانی کی مواہب میں ہے۔ت) بلکہ ہمارے علمائے کرام نے ہر حاکم ذی رائے کے لئے اس کے عموم کی تصریح فرمائی کہ مشورہ کرے پھر عمل اپنی ہی رائے پر کرے اگرچہ سب رائے دہندوں کے خلاف ہو یعنی جبکہ مشورہ سے اپنی رائے کی غلطی ظاہر نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو محتاج مشورہ نہیں بلکہ ہر امر میں اپنے رب کے سوا تمام جہان سے غنی و بے نیاز ہیں حضور کا مشورہ فرمانا غلاموں کے اعزاز بڑھانے اور انہیں طریقہ اجتہاد سکھانے امت کے لئے سنت قائم فرمانے کے لئے تھا وہ خود فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اما ان اللہ ورسولہ لغنیان عنھا ولکن جعلھا اللہ رحمۃ لامتی فمن استشار منھم لم یعدم رشدا ومن ترکھا لم یعدم غیا [1]۔رواہ ابن عدی والبیھقی فی الشعب بسند حسن عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	واضح ہو کہ اللہ تعالٰی اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مشورہ سے مستغنی ہیں لیکن اللہ تعالٰی نے مشورہ کو میری امت کیلئے رحمت بنایا ہے تو جو مشورہ کرے گا وہ رہنمائی کو معدوم نہ پائے گا اور جو نہ کرے گا وہ خطا کو معدوم نہ پائے گا۔اس کو ابن عدی اور بیہقی نے شعب میں سند حسن کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

امام حسن بصری فرماتے ہیں:

قد علم اللہ انہ مابہ الیھم من حاجۃ،ولکنہ اراد ان یستن بہ من بعدہ [2] رواہ سعید بن منصور فی سننہ وابن المنذر وابی حاتم والبیھقی۔	اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کے مشورہ کی حاجت نہیں لیکن ارادہ فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کی سنت جاری کی جائے،اس کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور ابن منذر، بیہقی اور ابوحاتم نے روایات کیا ہے۔ (ت)

[1] شعب الایمان للبیہقی حدیث ۷۵۴۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶ /۷۶، درمنثور بحوالہ البیہقی وابن عدی وشاورھم فی الامر کے تحت مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۲ /۹۰

[2] المواہب الدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۶۰۱

امت کے لئے فائدہ مشورہ یہ ہے کہ تلاحق انظار وافکار سے بارہا وہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صاحب رائے کی نظر میں نہ تھی س کا انتظار ہے اور بعد مشورہ بھی کوئی جدید امر کہ اپنی رائے میں ترمیم کرنا واضح نہ ہوا تو رائے روشن مشورہ بے ضیاء سے احق بالا تباع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

استفت قلبك وان افتاك المفتون [1] رواه البخاری و احمد فی التاریخ عن وابصة بن معبد الجهنی رضی الله تعالٰی عنه۔	اپنے دل سے فتوٰی لے اگرچہ مفتی حضرات تجھے فتوٰی دیں۔ اس کو بخاری نے تاریخ اور احمد نے حضرت وابصہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کے حق میں کثرت رائے کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ ذی رائے ہے تو اپنی ہی رائے کا اتباع کرے اگرچہ تمام رائے دہندہ خلاف پر ہوں اور غیر کے لئے بھی یہ ہے کہ جو ان میں اعلٰی وافقہ واورع ہے اس کی رائے پر چلے اگرچہ وہ اکیلا اور اس کے خلاف پر کثیر ہوں۔ معین الحکام میں ہے:

ان کان فی المصر قوم من اهل الفقه شاورهم لان الله تعالٰی امر رسوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بذٰلک، فان اتفقوا علی شیئ وکان رأیة کرأیهم فصل الحکم، وان اختلفوا نظر الی اقرب الاقوال من الحق و امضی ذٰلك وان کان من اهل الاجتهاد. ولا یعتبر السن ولا کثرة العدد لان الاصغر والواحد قد یوفق للصواب فی حادثة مالا یوفق الاکبر والجماعة [2]۔	اگر شہر میں اہل فقہ ہوں تو ان سے مشورہ کرے کیونکہ اللہ تعالٰی نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم فرمایا ہے پس اگر ان کا کسی معاملہ پر اتفاق ہو اور اس کی رائے انکی رائے کے مطابق ہو تو حکم حاصل ہوگیا اور اگر ان کا اختلاف ہو تو اقرب الی الحق قول کو پاکر اس پر عمل کرے اگرچہ وہ اہل اجتہاد میں سے ہو، عمر اور عدد کی کثرت کا اعتبار نہیں کیونکہ کبھی کم عمر اور واحد شخص کسی حادثہ میں درستگی کو پالیتا جس کو بڑا اور جماعت نہیں پاتے (ت)

[1] کنز العمال بحوالہ تخ حدیث ۲۹۳۴۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۲۵۰، مسند احمد بن حنبل مروی از وابصہ بن معبد المکتب الاسلامیہ بیروت ۴/ ۲۲۸

[2] معین الحکام الرکن الثانی من ارکان القضاء المقتضی بہ مصطفی البابی مصر ص ۲۷

اسی طرح محیط پھر ہندیہ میں ہے:

(وزاد)وینبغی ان یکون ھذا علی قول ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه اما علی قول محمد رحمه الله تعالٰی فتعتبر کثرۃ العدد ثم قال وان لم یکن القاضی من اھل الاجتھاد وقد وقع الاختلاف بین اھل الفقه اخذ بقول من ھو افقه واورع عندہ[1]۔	اور انہوں نے یہ زائد بات کی کہ یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہونا مناسب ہے لیکن امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر کثرت عدد کا اعتبار ہے، اور پھر فرمایا اگر قاضی اہل اجتہاد میں سے نہ ہو تو فقہاء کرام کے اختلاف کی صورت میں زیادہ فقیہ اور پرہیزگار کے قول کو اپنائے۔(ت)

نیز معین الحکام میں ہے:

وان اختلفوا علی الامیر فرأی بعضھم رأیا، ورأی بعضھم رأیا غیرہ لم یمل مع اکثر ھم ولکن ینظر فیما اختلفوا فیه، فمارأہ صوابا قضی به وانفذہ، و کذٰلك ینبغی للقاضی ان یفعل ذٰلك اختلف علیه المشاورون من الفقھاء[2]۔	اگر مشورہ دینے والوں میں اختلاف ہو کسی کی رائے کچھ اور کسی کی رائے کچھ ہو تو اکثریت کی رائے پر عمل نہ کرے بلکہ غور کرکے درست رائے قائم کرے اور اس پر عمل کرتے ہوئے فیصلہ دے کر نافذ کردے، اور قاضی کو بھی یہی کرنا چاہئیے جب مشورہ دینے میں فقیہ لوگوں میں اختلاف پایا جائے۔(ت)

عمرو بکر وغیرہما کے استدلال محض باطل ہیں اتباع سواد اعظم کا حکم اور من شذ شذ فی النار[3] (جو جدا ہوا وہ جہنم میں گیا۔ت) کی وعید صرف درباره عقائد ہے مسائل فرعیہ فقہیہ کو اس سے کچھ علاقہ نہیں، صحابہ کرام سے ائمہ اربعہ تک رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کوئی مجتہد ایسانہ ہوگا جس کے بعض اقوال خلاف جمہور نہ ہوں، سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مطلقًا جمع زر کو حرام ٹھہرانا، ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نوم کو اصلاً حدث نہ جاننا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مسئلہ ربا، امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ مدت رضاع، امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ متروک التسمیہ عمدًا،

---

[1] فتاوٰی ہندیه کتاب ادب القاضی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۳۱۴

[2] معین الحکام فصل فی جمع الفقھاء للنظر فی حکم القاضی مصطفی البابی مصر ص ۳۳

[3] مستدرك للحاکم کتاب العلم دارالفکر بیروت ۱ /۱۱۵

امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ طہارت سؤر کلب و تعبد غسلات سبع، امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ نقض وضو بلحم جزور وغیرہ ذلک مسائل کثیرہ کو جو اس وعید کا مورد جانے خود شذ فی النار [1] (جو جدا ہو جہنم میں ڈالا گیا۔ت) کا مستحق بلکہ اجماع امت کا مخالف اور " نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ۠ " [2] (اس کو پھیر دیں گے جب وہ پھرے، ہم اس کو جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ت) کا مستوجب ہوگا اور حدیث اجماع اور بھی بعید تر۔ اجماع میں ایک وقت کے تمام مجتہدین کا اتفاق درکار ہے ایک کے خلاف سے بھی اجماع نہیں رہتا اور کسی مجلس کے فیصلہ کو اجماع ٹھہرانا سخت سے سخت نادانی ہے، شہر بھر کے فقہاء کا اتفاق تو اجماع درکنار فقیہ کے مقابل اصلاً حجت نہیں ہوتا، نہ کہ اراکین مجلس کا فیصلہ جن میں اکثر بے علم ہوتے ہیں بلکہ بہت جگہ کل۔ بدائع میں ہے:

ان اشکل علیه حکم الحادثة استعمل رأیه فی ذٰلك وعمل به والافضل ان یشاور اهل الفقه فان اختلفوا اخذ بما یؤدی الی الحق ظاهرا و ان اتفقوا علی رأی یخالف رأیه عمل برأی نفسه ایضا لکن لاینبغی ان یعجل الخ [3] (ملخصًا)	اگر کسی حادثہ میں مشکل پیش آئے اپنی رائے کو عمل میں لائے اور افضل یہ ہے کہ اس معاملہ میں اہل فقہ سے مشورہ کرے، اگر ان میں اختلاف ہو تو جو ظاہر طور پر حق کے قریب ہوا سے اختیار کرے اور اگر وہ اس کی رائے کے خلاف کسی رائے پر اتفاق کریں تو اس کو اپنی رائے کا ترک جائز نہیں لیکن عجلت مناسب نہیں الخ (ت)

محیط میں ہے:

اتفقوا علی شیئ ورأی القاضی بخلاف رأیهم لاینبغی ان یترك رأی نفسه [4]۔	اگر ان کا اتفاق قاضی کی رائے کے خلاف ہو تو قاضی کو اپنی رائے ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ (ت)

معین الحکام میں ہے:

فاذا اجتمع فقهاء البلد علی شیئ	جب شہر کے فقہاء کا کسی رائے پر اتفاق ہو اور

[1] المستدرک للحاکم کتاب العلم دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۵
[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵
[3] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع کتاب ادب القاضی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۵
[4] محیط

وکان رأیه خلاف ذٰلك فلاینبغی ان یجعل بالحکم حتی یکتب فیه الی غیرهم ویشاورهم ثم ینظر الی احسن ذلك فیعمل به،لان المشورة بالکتاب من الغائب بمنزلة المشورة بالخطاب من الحاضر،فان خالف رأیه رأیهم قضی برأی نفسه،لان رأیه اصوب عنده ورأی غیر لیس بصواب[1]۔	قاضی کی رائے کے خلاف ہو تو قاضی کو جلد مناسب نہیں حتی کہ دوسروں سے خط وکتابت اور مشورہ کرے پھر ان آراء میں غور کرکے بہتر رائے کو عمل میں لائے کیونکہ خط وکتابت کے ذریعہ غائب شخص سے مشورہ ایسے ہی ہے جیسے خطاب کے ذریعہ حاضر شخص سے مشورہ ہے اس کے باوجود اگر اس کی رائے ان کی رائے سے مختلف ہو تو اپنی رائے پر عمل کرے اور فیصلہ دے کیونکہ اس کے لئے اپنی رائے پر عمل درست ہے او دوسرے کی رائے اس کے ہاں درست نہیں ہے۔(ت)

یہ دلائل پر کلام تھا،رہا حکم **فاقول: وباﷲ التوفیق**،اس میں تفصیل کثیر ہے،معاملہ دائرہ دو قسم ہے: شرعی یا اس کا غیر۔ یہاں شرعی سے مراد وہ امر ہے جس سے حکم وتحدید شرعی متعلق ہوا اختیار مکلّف پر نہ چھوڑا گیا ہو،اور غیر سے وہ جسے شرع نے ہمارے اختیار پر رکھا ہے مثلاً چاندی چاندی کے عوض بیچنے میں مساوات لازم فرمادی ہے کمی بیشی کا اختیار نہیں اور سونا چاندی کے عوض بیچنے میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی،عاقدین کو اختیار ہے کہ پندرہ کی اشرفی ہزار روپیہ کو لیں دین خواہ ایک پیسے کو،

لقوله صلی اﷲ تعالٰی علیه وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی وجہ سے کہ جب دو مختلف جنس ہوں تو پھر جیسے چاہو فروخت کرو۔(ت)

تو پونڈ کی قیمت پندرہ روپے ہونا حکم شرعی نہیں لیکن روپے کو بدلے سوا گیارہ ہی ماشے چاندی ہونا حکم شرعی ہے۔ **قسم اول** میں پھر دو۲ صورتیں ہیں، کتب میں اس کا حکم مصرح ہے یا حادثہ جدیدہ ہے کہ اس کا حکم نصوص فقہی سے نکالنا محتاج نظر تفقہ ہے پھر جس کا حکم مصرح ہے وہ ایک ہی حکم ہے جس سے تجاوز ناجائز یا دونوں طرح کے حکم ہیں اور مکلّف کو روا ہے ان میں جس چاہے عمل کرے،پہلی صورت یہ کہ حکم واحد متفق علیہ ہو،یا اگرچہ اختلاف ہے مگر قول راجح ومعتمد ایک ہی ہے خواہ یوں کہ فتوٰی ایک ہی

[1] معین الحکام الرکن الثانی من ارکان القضاء المقضی به مصطفی البابی مصر ص ۲۸، ۲۷

[2] نصب الرایه لاحادیث الهدایه کتاب البیوع المکتبة اسلامیه ریاض ۴ /۴

جانب دیا گیا یا دوسرے جانب کی ترجیح ان وجوہ پر کہ خادم فقہ جانتا ہے ضعیف و مضمحل ہے بہر حال دوسرا قول ناقابل اخذ ہے،

فان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع [1] درمختار عن تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم۔	تو بالتحقیق فتوی اور فیصلہ مرجوح قول پر کرنا جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے، یہ درمختار میں علامہ قاسم کی تصحیح القدوری کے حوالہ سے ہے۔(ت)

اس صورت میں اسی حکم کا اتباع واجب ہے خواہ وہ رائے صدر ہو یا رائے اراکین کل یا بعض ہو یا سب کے خلاف ہو اذ **لاحکم لاحد مع الشرع المطھر** (شریعت مطہرہ کے مقابلہ میں کوئی حکم معتبر نہیں۔ت) اور دوسری صورت یہ کہ دونوں قول بلا ترجیح آراء ہوں یا ترجیح دونوں طرف متکافی ہو یہ صورت قسم دوم سے ملتصق ہے کہ ایسی حالت میں مکلّف مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے۔ درمختار میں ہے:

فی وقف البحر وغیرہ متی کان فی المسألۃ قولان مصححان جاز القضاء والافتاء باحدھما [2]۔	بحر وغیرہ وقف میں ہے، جب کسی مسئلہ میں دو مختلف قول ہوں اور وہ صحیح قرار دئے گئے ہوں تو ان میں ایک پر فتوی اور قضا جائز ہے۔(ت)

ردالمحتار کتاب القضاء میں ہے:

ومثلہ یقال فی المقلدین فیما لم یصرحوا فی الکتب بترجیحہ واعتمادہ [3]	کتب میں جس مسئلہ پر ترجیح نہ ہو تو دو مقلدوں کے متعلق یہی بات کہی جائے گی (ت)

اور جس کا حکم کتب میں نہیں تو اب چار صورتیں ہیں یا تو صدر وار اکین سب فقیہ متفقہ صاحب نظر و تصرفات صحیحہ ہیں یا صرف صدر یا صرف اراکین کل یا بعض کوئی نہیں، بہر حال اس میں جو ایسانہ ہو اس کی رائے کا کچھ اعتبار نہیں صدر ہو یا رکن تو شکل چہارم میں صدر وار اکین سب کی رائے امر شرعی میں مہمل و معطل ہے اگرچہ ایک ہی رائے پر متفق ہوں بلکہ ان پر فرض ہے کہ اہل علم فقیہ متفقہ کی طرف رجوع

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[2] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴

[3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۳

اور اس کے ارشاد پر عمل کریں۔

قال اللہ تعالٰی "فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" [1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ولا یخلوا الوجود عمن یمیز ھذا حقیقۃ لاظنا وعلی من لم یمیز ان یرجع لمن یمیز لبراءۃ ذمتہ۔ [2]	ظنی نہیں حقیقی علم والوں سے وجود خالی نہیں علاوہ ازیں اگر خود تمیز نہ کرسکے تو براءت ذمہ کے لئے تمیز والوں کی طرف رجوع کرے۔ (ت)

اور شکل دوم میں جبکہ صدر متفقہ اور ارا کین خالی ہیں تو اس پر واجب ہے کہ جو حکم وہ کتب معتمدہ سے بعد غور کامل اور فحص بالغ سمجھا اس پر حکم دے رائے ارا کین کی کثرت بلکہ اجماع کا بھی اصلا لحاظ نہ کرے اور خود ارا کین کو روا نہیں کہ اس کا خلاف کریں کہ یہ علم کا مقابلہ جہل سے ہوگا اور وہ جہل مرکب ہے۔

قال اللہ تعالٰی "فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ"۔ [3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مجھ سے اس معاملہ میں کیوں بحث کرتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں ہے (ت)

اور شکل سوم میں صدر کی رائے کوئی چیز نہیں پھر اگر ارا کین میں جو متفقہ ہیں ایک رائے پر متفق ہیں اسی پر حکم کرے اور مختلف ہیں تو جسے ان میں افقہ و اورع سمجھے اس کا اتباع کرے کما قدمناہ عن المحیط و الھندیۃ (جیسا کہ ہم نے پہلے محیط اور ہندیہ سے بیان کیا ہے ت) سراجیہ پھر تنویر و در میں ہے:

اذا اختلف مفتیان فی جواب حادثۃ اخذ بقول افقھھما بعد ان یکون اورعھما۔ [4]	جب کسی حادثہ میں دو مفتیوں میں اختلاف ہو تو ان میں افقہ اور پرہیزگار کے قول کو اختیار کرے (ت)

اور اگر تفقہ میں متقارب اور ورع میں یکساں ہیں تو اب کثرت رائے کی طرف میل کرے فان مظنۃ

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۷

[2] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[3] القرآن الکریم ۳/ ۶۶

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

الاصابة فیھا اکثر عند من لایعلم وھو اعذر لہ عند ربہ عزوجل (کیونکہ اکثریت کی رائے میں درستگی کا احتمال زیادہ ہے یہ چیز نہ جاننے والے کے لئے عنداللہ بڑا عذر ہے۔ت) اور اگر کثرت بھی کسی طرف نہ ہو مثلا چار متفقہ ہیں دو ایک طرف دو ایک طرف، تو جس طرف دل گواہی دے کہ یہ احسن یا احوط فی الدین ہے اس طرف میل اولی ہے۔ ورنہ مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے اور اب یہ صورت قسم دوم کی طرف راجع ہو جائے گی۔ معین الحکام میں ہے:

ذکر الحسن بن زیاد فی ادب القاضی لہ الجاھل بالعلم اذا استفتی فقیھا فافتاہ بقول احد اخذ بقولہ ولا یسعہ ان یتعدی الی غیرہ، وان کان فی المصر فقیھان کلاھما رضا یأخذ عنھما، فان اختلفا علیہ فلینظر ایھما یقع فی قلبہ انہ اصوبھما وسعہ ان یاخذ بہ، فان کانوا ثلثة فقھاء واتفق اثنان اخذ بقولھما ولا یسعہ ان یتعدی الی قول الثالث۔[1]	حسن بن زیاد نے اپنی ادب القاضی میں ذکر کیا ہے کہ کوئی جاہل جب کسی فقیہ سے سوال کرے اور وہ اسے کسی ایک قول پر فتوی دے تو وہ اس فتوی کو اپنائے اور غیر کی طرف جانے کی اس کو اجازت نہیں۔ اگر شہر میں دو مساوی فقیہ ہوں تو دونوں سے چاہے رجوع کرے، اگر دونوں میں اختلاف ہو تو اسے چاہئے کہ غور کرے جس کی بات دل میں درست سمجھے اس کو اپنائے تو یہ جائز ہے اور اگر شہر میں تین فقیہ ہوں اور دو کی رائے متفق ہو تو ان کی بات کو اپنائے اور تیسرے کی طرف رجوع کی گنجائش اسے نہ ہوگی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح وعندی انہ لواخذ بقول الذی لایمیل الیہ قلبہ جاز لان ذلك المیل وعدمہ سواء[2] الخ۔ **اقول:** عارضہ ماذکر الامام الحسن بن زیاد وھو من ائمتنا المجتھدین	فتح میں کہا ہے کہ اگر اس قول کو اپنایا جس کی طرف قلبی میلان نہیں تو میرے نزدیک جائز ہے کیونکہ اس کا میلان اور عدم میلان برابر ہیں۔ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں امام حسن بن زیاد کا ذکر کردہ قول اس کے معارض ہے جبکہ وہ ہمارے امام اعظم

[1] معین الحکام الرکن الثانی من ارکان القضاء المقضی بہ مصطفی البابی مصر ص ۲۷

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۳

تلامذۃ امامنا الاعظم فالاخذبہ اولی من بحث المحقق۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مجتہد تلامذہ میں سے ایک امام ہیں تو محقق صاحب کے قول کے مقابلہ میں اس امام کے قول کو اپنانا بہتر ہے۔(ت)

شکل اول میں صدر متفقہ کو اپنی رائے پر عمل چاہئے کثرت رائے خلاف پر نظر نہیں **کما قدمناہ عن معین الاحکام والمحیط والعالمگیریۃ** (جیسا کہ ہم پہلے معین الحکام، محیط اور عالمگیریہ سے اس کا ذکر کر آئے ہیں۔ت) ہاں اگر ارکین میں کوئی اس سے افقہ واعلم ہے اور اس کے خلاف کے سبب اس کی رائے میں تزلزل آگیا تو روا ہے کہ اس افقہ کا اتباع کرے خواہ اب بھی اپنی ہی رائے پر قائم رہے، یہ صورت بھی قسم دوم سے ملتحق ہو جائے گی، محیط وہندیہ میں ہے:

ان اشار ذٰلك الرجل الی شیئ ورأی القاضی بخلاف رأیہ فالقاضی لایترك رأی نفسہ فان اهتم القاضی برأیہ لما ان ذٰلك الرجل افضل وافقہ عندہ لو قضی برأی ذٰلك الرجل ارجو ان یکون فی سعۃ من ذٰلك وان لم یهتم القاضی برأیہ لاینبغی لہ ان یترك رأی نفسہ[1]۔	اگر یہ شخص قاضی کو کسی چیز کا مشورہ دے اور قاضی کی رائے اس کے خلاف ہو تو قاضی اپنی رائے کو ترک نہ کرے اور اگر قاضی اپنی رائے کو اس بنا پر اہم نہ سمجھے کہ وہ شخص اس سے افقہ اور افضل ہے تو اس بنا پر اگر اس شخص کی رائے پر عمل کرلے تو مجھے امید ہے قاضی کو یہ گنجائش ہے اور اگر قاضی اس شخص کی رائے کو اہم نہیں سمجھتا تو اسے اپنی رائے کا ترک مناسب نہیں ہے۔(ت)

درمختار میں ملتقط سے ہے:

قضی بما رأہ صوابالابغیرہ الا ان یکون غیرہ اقوی فی الفقہ ووجوہ الاجتہاد فیجوز ترك رأیہ برأیہ[2]۔	اپنی رائے پر قاضی فیصلہ دے مگر جب غیر کی رائے کو فقہ اور وجوہ اجتہاد میں اقوی قرار دے تو اس کے مقابلہ میں اپنی رائے کا ترک قاضی کو جائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب آداب القاضی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۳۱۴
[2] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۲

لکن ھذااذا اتھم رأی نفسه ففی الھندیة عن المحیط ونقل ماذکرناہ بمعناہ۔[1]	لیکن یہ تب جائز ہے کہ اپنی رائے کو اس کے مقابلہ میں اہم نہ جانے، تو ہندیہ میں محیط سے معنًا وہ نقل کیا جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔(ت)

یہ احکام قسم اول کے تھے۔

قسم دوم: میں یعنی جہاں جہاں شرعًا اسے اختیار دیا گیا ہے تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ انجمن کسی وقف سے متعلق ہو اور یہ امر دائر شروط واقف میں داخل۔اس صورت میں جو شرط واقف کا مقتضی ہو اس پر عمل کیا جائے خواہ رائے صدر یا اراکین یا بعض کے موافق ہو یا سب کے خلاف کہ شرط واقف مثل نص شارع واجب الاتباع ہے **کما نصوا علیه الافیما استثنی وھو مفصل فی الاشباہ والغمز وحواشی الدر وغیرھا** (جیسا کہ انہوں نے کا اس پر نص فرمائی ماسوائے ان استثنائی صورتوں کے جن کی تفصیل اشباہ غمز اور حواشی الدر وغیرہا میں ہے۔ت) دوم چندہ سے اس کی کارروائی ہو اور امر دائر متعلق بمال،اس صورت میں چندہ دہندوں کی رائے کا اتباع ہے صدر واراکین ان کے خلاف اجازت صرف مال کے مختار نہیں **لان المال فی ھذہ الصورۃ لایخرج عن ملك المعطین کما حققناہ فی کتاب الوقف من فتاوٰنا** (کیونکہ عطیہ دینے والوں کی ملکیت سے اس صورت میں مال خارج نہ ہوگا جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی کتاب الوقف میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) جیسے قسم اول سے دو صورتیں ملتحق بقسم دوم ہوئی تھیں یونہی قسم دوم سے یہ صورتیں راجع بہ قسم اول ہیں کہ معارض وقف وملک غیر ان میں جانب شرع سے تحدید ہوگئی تخییر نہ رہی۔سوم ان دونوں کے علاوہ یعنی وقف ہو تو امر دائر کو کسی شرط واقف سے تعلق نہ ہو یا چندہ کا کام ہو تو امر دائر متعلق بمال نہ ہو یا چندہ دہندوں کی طرف سے انجمن کو اذن عام ہو حقیقتًا یہی صورتیں قسم دوم ہیں یہاں اگر اس امر میں صدر ذی راء نہیں اور اراکین جیسا کہ سوال میں ہے ماہر فن،جب تو ظاہر کہ وہاں سے اپنی رائے پر وثوق بے معنی ہے غایت یہ کہ کسی خاص معاملہ میں کسی وجہ سے رائے اراکین میں اسے کوئی شبہ ہے تو اور متدین ماہروں سے تفتیش کرکے اطمینان کرلے،بالجملہ یہ صورت شکل سوم کے مقارب اور اصالۃً یہاں ویسی ہی طرز عمل مناسب،یونہی اگر صدر خود بھی اس امر کا ماہر ذی رائے ہے تو یہ صورت شکل اول کے مشابہ ہوگی مگر از انجا کسی طرف کوئی مطالبہ شرعی نہیں، بہر صورت یہاں مصلحۃً صدر کو یہی مناسب ہے کہ کثرت رائے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۳

پر عمل کرے کہ باعث وحشت وبددلی اراکین وبدانتظامی مجلس نہ ہو، علماء نے تشریع مشورہ ونزول کریمہ "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ"[1] کی ایک مصلحت یہ بھی لکھی ہے عـــہ۔ معالم میں ہے:

قال قتادۃ و مقاتل فان ساداۃ العرب کانوا اذالم تشاور فی الامر شق ذٰلک علیھم فامر اللہ تعالٰی نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یشاورھم فان ذٰلک اعطف لھم واذھب لاضغانھم واطیب لنفوسھم[2]۔	حضرت قتادہ اور مقاتل نے فرمایا: عرب سرداروں سے جب مشورہ نہ ہوا تو ان کی یہ بات گراں گزری اس لئے اللہ تعالٰی نے اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان سے مشورہ کا حکم فرمایا کیونکہ اس سے ان پر شفقت کا اظہار اور ان کے دل کی خلش دور، اور ان کے نفوس مطمئن ہونے کا سامان ہوگا۔(ت)

اور شک نہیں کہ ابتداءً ترک مشورہ میں وہ ایحاش نہیں جو بعد مشورہ رائے اکثر پر عمل نہ کرنے میں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: بشروا ولا تنفروا[3] (خوشخبری دو اور نفرت پیدا نہ کرو۔ت) ہاں اگر خلاف میں کوئی مصلحت اس مصلحت سے اعظم اور اس کے ترک میں کوئی مفسدہ اس مفسدہ سے اشد ہو تو من ابتلی بلیتین اختار اھونھما[4] (جو دو مصیبتوں میں مبتلا ہو تو آسان کو اپنائے۔ت) پر عمل کرے۔

ھذا کلہ ماظھر لی اخذا من کلماتھم وارجو ان یکون منتھی المقال فی ھذا المقام وباللہ التوفیق۔	یہ تمام بحث وہ ہے جو میں نے ان کے کلام سے ظاہر پا کر حاصل کی، تو مجھے امید ہے کہ اس مقام میں یہ بحث کی انتہا ہے، اور توفیق صرف اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔(ت)

عـــہ: اصل کی عبارت پڑھی نہ جا سکی پھر بھی مطلب میں خلل نہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۹

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ وشاورھم فی الامر مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۳۹

[3] صحیح مسلم کتاب الجہاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲، صحیح البخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[4] الاسرار المرفوعۃ حدیث ۸۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۱۵

تنبیہ: کسی امر کو قسم دوم سے ٹھہرانے میں احتیاط بلیغ و نظر غائر درکار ہے، مسلمانوں کے کم کام ایسے نکلیں گے جن میں شرع مطہر کی طرف سے ابتداءً خواہ بوجہ عارض کوئی تحدید نہ ہو، اب یہیں دیکھئے کہ خالص قسم دوم میں طبائع اکثر اہل زمانہ کے سبب تنفیر کا اندیشہ پیدا ہو کر ایک تحدید شرعی نکل آئی تو حکم کے لئے علم و فہم کامل سے چارہ نہیں اور حق یہ کہ مسلمان بے علم دین ایک قدم نہیں چل سکتا اللہ عزوجل علم دے اس پر عمل دے اس کو قبول فرمائے **بجاہ حبیبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العٰلمین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۳: از ریاست رامپور محلّہ پیپلا تالاب مرسلہ مولوی ہدایت الرسول صاحب ۲۰/ربیع الآخر شریف ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، عمرو نے پختہ مکان بنایا جس کا دروازہ شارع عام پر واقع ہوا، اس مکان پر بالاخانے بھی تعمیر کئے، ان بالاخانوں میں اسی شارع عام کی طرف چار چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بھی ضرورۃً رکھی ہیں، اسی سمت میں شارع عام سے فاصلہ پر بکر کا مکان واقع ہے، ان کھڑکیوں کی وجہ سے بکر کو اپنی بے پردگی کی شکایت واقع ہوئی اور اہل محلّہ سے کہا کہ ان کھڑکیوں کے سامنے آڑ کرادینا چاہئے جس سے ہمارے مکان کا سامنا نہ رہے۔ عمرو نے اہل محلّہ کے کہنے سے ان روشندانوں پر جستی چادر سے ایسا سائبان ڈال دیا کہ سوا نیچے کی سڑک کے اور کچھ نظر نہیں آتا پھر روشندانوں میں لوہے کی سلاخیں لگادیں اور اڑنگوں سے خوب مضبوط جڑوادیا کہ کسی طرح وہ چادر اٹھ نہ سکے، اب بحالت موجودہ ان سے کسی کے مکان کا سامنا مطلقاً نہ رہا، یہ سب کچھ کرکے بکر کو دکھایا گیا جس کو اچھی طرح جانچ کر بکر نے اہل محلّہ کے سامنے اپنی رضامندی ظاہر کی اور بتراضی طرفین وہ کھڑکی نما روشندان قائم ہوگئی جو عرصہ ۳ برس سے بدستور قائم ہیں فی الحال بکر نے ایک رنجش تازہ کی وجہ سے ان سہ سال قائم شدہ روشندانوں کی مسدودی کا دعوی اس بے اصل اور خلاف واقعہ اظہار پر کیا ہے کہ مذکورہ کھڑکیوں کے سائبان اٹھاکر اس کے مکان کی بے پردگی کی جاتی ہے حالانکہ وہ سائبان مطابق بیان بالا نہایت مضبوط جڑے ہوئے ہیں جن کا اٹھانا ناممکن ہے، چنانچہ اس کا معائنہ حاکم عدالت کو بھی کرادیا گیا ہے اور نیز اگر موجودہ استحکام سے اور کوئی زیادہ استحکامی حالت تجویز کیجائے تو عمرو اس کے لئے بھی تیار ہے۔ عرض یہ ہے کہ بکر اندر سے سائبان اٹھاکر جھانکنے کا وہم بے اصل رفع کرلے۔ اس واقعہ صحیحہ کو عرض کرکے امیدوار حکم شرعی کا ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جب صورت واقعہ یہ ہے کہ سوال میں مذکور ہوئی تو اس صورت میں بکر کا دعوی باطل و نامسموع اور ہمارے ائمہ متقدمین و متاخرین کے اجماع سے مردود و مدفوع ہے، ہمارے جمیع ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا اصل مذہب تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ملک خاص میں جس سے دوسرے کا حق متعلق نہ ہو ہر قسم تصرف کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ اس سے بالتبع دوسرے کا ضرر لازم آتا ہو، بہت اکابر نے اسی پر فتوی دیا۔ درمختار میں ہے:

ظاہر الروایة عدم المنع مطلقًا وبه افتی طائفة کالامام ظهیر الدین و ابن الشحنة ووالده ورجحه فی الفتح وفی قسمة المجتبٰی وبه یفتی واعتمده المصنف ثمه فقال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاہر الروایة[1]۔	ظاہر روایت مطلقًا عدم منع پر ہے اسی پر ایک جماعت مثلًا امام ظہیر الدین، ابن شحنہ اور ان کے والد کا فتوی ہے اور فتح میں اسی کو ترجیح دی ہے اور مجتبٰی کی قسمت کی بحث میں "بہ یفتی یعنی اس پر فتوی ہے" فرمایا، اور مصنف نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے وہاں فرمایا کہ فتوی مختلف ہے اور مناسب یہی ہے کہ ظاہر روایت پر اعتماد کیا جائے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

وذکر العلامة ابن الشحنة ان فی حفظه ان المنقول عن ائمتنا الخمسة ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد و زفر والحسن بن زیاد انه لایمنع عن التصرف فی ملکه وان اضر بجاره قال وهو الذی امیل الیه و اعتمده وافتی به تبعا لوالدی شیخ الاسلام رحمه الله تعالٰی[2]۔	علامہ ابن شحنہ نے فرمایا کہ میری یاد میں ہے کہ ہمارے پانچوں ائمہ ابو حنیفہ، ابویوسف، محمد زفر اور حسن بن زیاد رحمہم اللہ تعالٰی سے ثابت ہے کہ کسی کو ذاتی ملکیت میں تصرف منع نہیں کیا جائے گا اگرچہ پڑوسی کو ضرر ہو۔ اور فرمایا اسی کی طرف میرا میلان ہے اور اعتماد ہے اور اپنے والد شیخ الاسلام کی اتباع میں میرا یہی فتوی ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب القضاء مسائل شتی مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶

[2] بحرالرائق کتاب القضاء مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳۳

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: **والوجه لظاہر الروایة**[1] (معتبر وجہ ظاہر روایت کے لئے ہے۔ت) اور معلوم ہے کہ فتوٰی جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ پر عمل واجب ہے۔

کما فی البحر والخیریة وردالمحتار وغیرہا عامة الاسفار۔	جیسا کہ بحر، خیریہ اور ردالمحتار وغیرہا عام کتب میں ہے۔(ت)

اس تقدیر پر تو دعوٰی سرے سے بے بنیاد ہے مگر متاخرین نے بنظر مصلحت وحدیث:

لاضرر ولاضرار[2]۔رواہ احمد عن عباس وابن ماجة عنه وعن عبادة رضی اللہ تعالٰی عنھم بسند حسن۔	ضرر رسانی جائز نہیں۔اس کو احمد نے عباس سے اور ابن ماجہ نے ان سے اور عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بسند حسن روایت کیا(ت)

بطور استحسان دفع ضرر بین پر نظر کی ہے **اقول:** غیر فقیہ اس سے یہ گمان کرتا ہے کہ بین کے معنی ہیں ظاہر وواضح، تو کیسا ہی ضرر کسی حالت میں ہو جبکہ مخفی نہ ہو مالک کو اپنی ملک میں تصرف سے باز رکھنے کا پروانہ ہے حالانکہ یہ محض وہم وسوئے فہم ہے۔شرع مطہر نے ملک کی وضع اطلاق تصرف کے لئے فرمائی ہے مالک کو اس کی ملک میں تصرف سے روکنا کیا ضرر نہیں،اور حدیث فرماتی ہے: **لاضرر ولاضرار**[3] (ضرر رسانی جائز نہیں۔ت) تو کیا وجہ ہے کہ مطلقًا دوسرے کے ضرر کو خود مالک کے ضرر پر ترجیح دی جائے حالانکہ یہ ترجیح بلا مرجح بلکہ بارہا ترجیح مرجوح ہے کہ مالک صاحب حق ہے اور صورت یہ مفروض ہے کہ دوسرے کا اس ملک سے حق متعلق نہیں **کما فی السفل لرجل والعلو لاٰخر** (جیسے نچلا حصہ ایک کا ہو اور بالائی حصہ دوسرے کا۔ت) ایک شخص کے مکان میں نہایت وسیع سایہ دار گنجان درخت ہے اس کے برابر ایک محتاج کا گھر ہے جس پر سایہ اس درخت ہی کا ہے بلاشبہہ اس کے قطع میں جار کا اضرار ہے مگر ہرگز مالک اس سے ممنوع نہیں ہوسکتا۔فتح القدیر وجامع الفصولین میں فرمایا:

واللفظ للجامع رجل له شجرة یستظل بها جارہ اراد قلعها لایمنع منه ولو تضرربه جارہ اذرب الشجرة بالقلع یمنعه عن الانتفاع	کسی شخص کا درخت ہو اور اس کا پڑوسی اس سے سایہ حاصل کرتا ہے اور مالک درخت اکھاڑنا چاہتا ہے تو پڑوسی کے ضرر کی وجہ سے مالک کو اکھاڑنے سے نہ روکا جائے گا، ہوسکتا ہے کہ درخت

---

[1] فتح القدیر مسائل منثورۃ من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۴۱۴

[2] مسند امام احمد بن حنبل از مسند عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتبہ الاسلامی بیروت ۱/ ۳۱۳

[3] مسند امام احمد بن حنبل از مسند عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتبہ الاسلامی بیروت ۱ /۳۱۳

بملکہ [1]	کا مالک اپنی ملکیت سے پڑوسی کو انتفاع سے روکنا چاہتا ہو۔ (ت)

خادم فقہ سمجھتا ہے کہ یہاں چار شرطیں ہیں جن کے اجتماع سے وہ ضرر بین متحقق ہوگا:

شرط اول: وہ ضرر کثیر فاحش ہو یعنی دار جار کو گرادے یا بالکل قابل انتفاع نہ رکھے دیوار کمزور کرنا اول میں داخل ہے اور حاجت اصلیہ سے باز رکھنا دوم۔ محقق نے فتح میں فرمایا:

قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاضرر ولاضرار لا شك انہ عام مخصوص للقطع بعدم امتناع کثیر من الضرر کالتعازیر والحدود ومواظبة طبخ ینتشر بہ دخان قد ینجس فی خصوص اماکن فیتضرر بہ جیران لایطبخون لفقرہم خصوصا اذاکان فیہم مریض یتضرر بہ وکما اریناك من التضرر بقطع الشجرة المملوکة للقاطع فلا بد ان یحمل علی خصوص من الضرر وھو مایؤدی الی ھدم بیت الجار ونحوہ من الضرر البین الفاحش والحاصل ان القیاس ان یفعل صاحب الملك مابدالہ مطلقًا لانہ یتصرف فی خالص مبلکہ وان کان یلحق الضرر بغیرہ لکن یترك القیاس فی موضع یتعدی ضررہ الی غیرہ ضررًا فاحشا،وھو المراد	حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد لاضرر ولاضرار (یعنی ضرر رسانی جائز نہیں) عام مخصوص البعض ہے کیونکہ بہت سے ضرر ایسے ہیں جن سے یقینا ممانعت نہیں ہے مثلا! تعزیرات اور حدود اور مسلسل آگ سے کچھ پکانا جس سے دھوئیں کا پھیلاؤ بعض جگہ گھٹن پیدا کرتا ہے تو اس سے ایسے پڑوسیوں کو ضرر ہوتا ہے جو اپنے فقر کی وجہ سے کھانا نہیں پکاتے خصوصًا جبکہ پڑوسیوں میں مریض جسے اسکی وجہ سے ضرر پہنچتا ہو، جیسا کہ ہم آپ کو مالک کا اپنے درخت کو کاٹنے پر ضرر بتارہے ہیں، تو ضروری ہے کہ مذکور حدیث میں ضرر سے خاص ضرر مراد لیا جائے اور وہ جس سے پڑوسی کے مکان گرنے کا خدشہ ہو، یا اس طرح کا جو کوئی واضح ضرر ہو۔ حاصل یہ ہے کہ قانون کے مطابق ملکیت والا اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرسکتا ہے کیونکہ وہ خالص اپنی ملکیت میں تصرف کررہا ہے اگرچہ اس سے دوسرے کو ضرر بھی ہو، تاہم یہ قیاس و قانون ایسی جگہ نافذ نہ ہوگا جہاں پڑوسی کو واضح طور پر ضرر پہنچتا ہو، یہی ضرر جس سے دوسرے کے مکان

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۶

بالبین وھو مایکون سببا للھدم وما یوھن البناء سبب لہ اویخرج عن الانتفاع بالکلیۃ وھو مایمنع من الحوائج الاصلیۃ کسد الضوء بالکلیۃ، واختار واالفتوی علیہ واما التوسع الی منع کل ضرر مافیسد باب الانتفاع بملك الانسان کماذکرناقریبا[1] (ملتقطا)	گرنے یا کمزور ہونے کا خطرہ ہو، مراد ہے یاایسا ضرر کہ دوسرے کو اپنی ملکیت کے انتفاع سے بالکل محروم کردے وہ یہ کہ اس کو اپنی حوائج اصلیہ سے روک دے، مثلاً بالکل روشنی کا ختم ہوجانا فقہاء کرام نے اسی پر فتوٰی کو مختار قرار دیا ہے لیکن یہ کہ ہر ضرر کو ممنوع قرار دینے تک توسیع تو انسان کو اپنی ملکیت سے انتفاع سے محروم کردیگی جیسا کہ قریب ہی ہم نے ذکر کیا ہے (ملتقطا)۔(ت) اسی طرح عقود دریہ میں حواشی اشباہ علامہ بیری زادہ سے ہے۔

شرط دوم: اس ضرر میں اس کا فعل مستقل ہو فعل جار کو اس میں دخل نہ ہو ورنہ اصلاً لحاظ نہ ہوگا مثلاً اس کی چھت سے جار کے زنانہ کا سامنا نہیں مگر زنانہ کے پاس کوئی باغیچہ اور مکان ہے اس کا سامنا ہے یا اس کی چھت سے جار کی چھت ملی ہوئی ہے اور آڑ نہیں کہ عورتیں اس باغیچہ یا اپنی چھت پر آئیں اور یہ اپنی سقف پہ جائے تو بے پردگی ہو یہ ضرر میں محسوب نہیں کہ زنانہ کا سامنا نہیں عورتیں ایسی جگہ کیوں آئیں یہ جار کا فعل ہوا۔ تنقیح الحامدیہ میں ہے:

لزید طبقۃ فیھا طاقۃ قدیمۃ مقابلۃ لقصر ورواق حادثین فی دار جارہ عمر وفقام عمرو ویکلفہ سد الطاقۃ زاعما انھا تشرف علی القصر والرواق المذکورین والحال انھما لیسا محل قرار نسائہ و جلوسھن بل محلہ سفل الدار، فھل لیس لہ تکلیفہ بذلك[2]۔	زید کے مکان کی دوسری منزل ہے جس میں قدیم کھڑکی ہے اور کھڑکی مقابل پڑوسی عمرو کی حویلی میں جدید برآمدہ اور باغیچہ ہے عمرو ضد کرکے کھڑکی کو بند کرانے پر اس خیال سے مجبور کرے کہ کھڑکی والا باغیچہ اور برآمدہ مذکورہ کو جھانکتا ہے حالانکہ وہ باغیچہ اور برآمدہ کی مستورات کی آرام گاہ اور نشستگاہ نہیں بلکہ مستورات کی اصل وہ جگہ مکان کی پست جگہ میں ہے تو ایسی صورت میں عمرو کو یہ حق نہیں کہ وہ کھڑکی والے کو بند کرنے پر مجبور کرے۔(ت)

---

[1] فتح القدیر مسائل منثورۃ من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان ۶/ ۱۵۔۴۱۴

[2] العقود الدریہ کتاب القضاء باب الحبس مسائل شتی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۳۰

فتاوی امام فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی پھر فتح القدیر وجامع الفصولین میں ہے:

واللفظ لہ لولا یقع بصرہ فی دار جارہ ولکن یقع بصرہ علیہم لو کانوا علی السطح لایمنعہ اذا استویا فی الضرر لانہ این کان یقع بصرہ علیہم یقع بصرھم علیہم ایضا فی السطح کذا[1]۔	لفظ جامع الفصولین کے ہیں، اگر مکان والے کی نظر پڑوسی کے گھر میں نہیں پڑتی لیکن اگر پڑوس والے چھت پر اور کھلی جگہ ہوں تو نظر پڑتی ہے تو ایسی صورت میں پڑوسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے جبکہ دونوں اس ضرر میں برابر ہیں کیونکہ جب ایک کی نظر پڑے گی تو دوسرے کی بھی ان پر نظر پڑے گی جب چھت پر ہوں گے۔ (ت) اسی طرح وجیز کردری میں ہے۔

شرط سوم: وہ ضرر ثابت و متحقق ہو محتمل و متوقع معتبر نہیں مثلاً چھت کے قریب بلند دیوار میں تابدان ہیں کہ اگر سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ کر جھانکے تو ہمسایہ کے زنانے کا سامنا ہو اس کا اعتبار نہ ہوگا اور وہ روشندان بند نہ کئے جائیں گے۔ عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی رجل لہ قاعۃ رفیعۃ البناء ملاصقۃ لدار جارہ ففتح فی اعلاھا بالقرب من سقفہا قمریتین للضوء فقط لیس فیہما اشراف علی حریم الجار الا بالصعود الیہما بسلم عال قام جارہ الاٰن یکلفہ سدھما بدون وجہ شرعی فہل یمنع الجار من ذٰلک، الجواب نعم[2]۔	ان سے ایک شخص کے متعلق سوال ہوا کہ اس کا بڑا بلند مکان ہو اس کے ساتھ ملا ہوا پڑوسی کا مکان ہے تو بلند محل والے اس شخص نے روشنی کے لئے چھت کے قریب اپنے مکان میں دو روشندان پڑوسی کی طرف نکالے جبکہ ان روشندانوں سے پڑوس کے اہل خانہ کو جھانکنے کا کوئی ذریعہ نہیں ماسوائے اس کے کہ بلند سیڑھی لگا کر ان سے جھانکا جائے تو اب پڑوسی ضد کرکے ان روشندانوں کو کسی شرعی وجہ کے بغیر بند کرائے تو کیا پڑوسی کو اس سے روکا جائیگا جواب دیا کہ ہاں پڑوسی کو اس مطالبہ سے منع کیا جائے گا۔ (ت)

شرط چہارم: وہ ضرر ناممکن الاحتراز ہو یعنی جس تصرف سے پیدا ہوا ہے اس کے ازالہ کے اور کوئی چارہ کار نہ ہو ورنہ منع تصرف لازم نہ ہوگا۔ بحر الرائق میں کتاب الاستحسان امام ابوبکر رازی

---

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۸

[2] العقود الدریہ کتاب القضا باب الحبس، مسائل شتی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۳۰

سے ہے:

الدار اذاکانت مجاورۃ للدور فارادصاحبھا ان یبنی فیھا تنورا للخبز الدائم کما یکون فی الدکاکین او رحی للطحین او مدقات للقصارین لم یجز لان ذلك یضر بجیرانہ ضررافاحشا لایمکن التحرز عنہ، فانہ یاتی منہ الدخان الکثیر الشدید، و رحی الطحن ودق القصارین یوھم النباء بخلاف الحمام فانہ لا یضر الا بالنداوۃ ویمکن التحرز عنہ بان یبنی حائطا وبین جارہ وبخلاف التنور الصغیر المعتاد فی البیوت[1]۔	ایك مکان دوسرے مکان سے ملا ہوا ہو تو ایك مکان والا اپنے مکان میں دائمی کاروباری تنور روٹیوں کے لئے یا آٹا پیسنے کے لئے چکی یا دھوبی گھاٹ بنائے تو جائز نہ ہوگا کیونکہ اس سے پڑوس کو کھلا ضرر ہے جس سے بچنا ممکن نہیں ہے کیونکہ کثیر وشدید دھواں وہاں سے آئے گا اور چکی اور دھوبی گھاٹ سے پڑوس والے مکان کی عمارت کمزور ہوتی ہے اس کے برخلاف حمام ہو تو جائز ہے کیونکہ اس سے رطوبت کا نقصان ہے لیکن اس سے بچنا ممکن ہے کہ اپنے اور پڑوس کے درمیان دیوار بنادے، اسی طرح گھریلو تنور جو کہ عادتاً گھروں میں ہوتا ہے وہ بھی جائز ہے (ت)

جب یہ اصل منقح ہولی مسئلہ دائرہ کی طرف چلئے، یہ تو پہلے معلوم ہولیا کہ ہمارے جملہ ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب مہذب مصحح مرجح پر تو دعوی بکر سرے سے بے بنیاد ہے اور بہت اکابر اس صورت کو فتوائے متاخرین سے بھی جدا مانتے ہیں اور اس پر وہی اصل حکم ائمہ جانتے ہیں کہ بالا خانے میں دروازہ ودریچہ نکالنے سے اصلاً منع نہ کیا جائے گا جس کی بے پردگی ہو وہ اپنا پردہ بنالے اپنی دیوار اونچی کرلے۔ امام عمادالدین نے فصول میں باآنکہ قول متاخرین اختیار کیا، اس مسئلہ میں عدم منع ہی کو موید فرمایا اور محقق علی الاطلاق نے اسے مقرر رکھا، فتح میں بعد نقل مسئلہ مذکور فتاوی امام سمرقندی میں فرمایا:

قال فی فصول العمادی وعلی قیاس المسألۃ المتقدمۃ وھی ان لایمنع صاحب الساحۃ من ان یفتح صاحب العلوکوۃ	فصول عمادی میں فرمایا: پہلے مسئلہ پر قیاس کے طور اور وہ یہ کہ صحن والا بالاخانے والے کو روشندان اور کھڑکی نکالنے سے منع نہیں کرسکتا

[1] بحر الرائق کتب القضاء مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۳۳، ۳۳

اس بناء پر یہ حکم مناسب ہے کہ پڑوسی کو یہ حق نہیں کہ دوسرے کو اپنے مکان پر چڑھنے سے منع کرے اگرچہ چھت پر جانے سے پڑوسی کے گھر نظر پڑتی ہو، آپ دیکھتے نہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے صحن والے کو حق نہیں دیا کہ وہ بالاخانہ والے کو کھڑکی نکالنے سے منع کرے حالانکہ ظاہر ہے کہ اوپر کھڑکی سے صحن میں نظر پڑتی ہے۔(ت)	ینبغی ان یقال فی هذه لیس للجارحق المنع من الصعود وان کان بصره یقع فی دارجاره،الاتری ان محمد ارحمه الله تعالٰی لم یجعل لصاحب الساحة حق منع صاحب البناء عن فتح الکوة فی علوه مع ان بصره یقع فی الساحة[1]۔

کتاب الحیطان امام حسام شہید و بحر الرائق و خلاصہ و وجیز کردری وانقرویہ وغیرہا میں ہے:

اگر عمارت والا اپنے بالاخانے سے کھڑکی یا دروازہ نکالے تو صحن والے کو حق نہیں بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ اپنی طرف کوئی پردہ لگائے(ت)	لو فتح صاحب البناء فی علوبنائه بابا او کوة لایلی صاحب الساحة منعه بل له ان یبنی مایستر جهته[2]۔

ارباب الفتوی میں ہے:

ایک شخص نے اپنی بیوی کی طرف سے وکیل بنایا تاکہ بیوی کی زمین کا کچھ حصہ پڑوسی کو فروخت کرے، اگر پڑوسی نے وہاں سے کھڑکی نکالی جس سے مؤکلہ عورت کی چار دیواری میں نظر پڑتی ہو تو عورت اسے منع کرنے کا حق نہیں رکھتی اگر وہ اس سے ضرر محسوس کرتی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی زمین میں پردہ کے لئے دیوار بنالے اھ(ت)	رجل وکل وکیلا عن زوجته باع لها قطعة ارض لجاره،له ان یفتح طیاقا مطلة علی حوش الموکلة المذکورة ولیس لها ان تمنعه فان استضرت منه تبنی جدارا فی ارضها[3] اھ ملخصا۔

ان کے حکم سے بھی بکر کو کچھ اختیار دعوی نہیں۔ رہا قول مضمرات وغیرہا جس میں اس صورت کو داخل فتوائے متاخرین مانا اور بیشک ہمارے بلاد میں یہی اوفق وارفق ہے اس قول پر بھی بکر کو اصلًا راہ دعوی نہیں کہ جب ان پر جست کے سائبان جڑوادئے جن کے بعد صرف سڑک کا سامنا رہا تو ضرر کثیر فاحش درکنار

---

[1] فتح القدیر مسائل منثورة من کتاب القضاء مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۱۵

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب القضاء مسائل الحیطان ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۶۶،فتاوٰی بزازیة علی ہامش الفتاوٰی الهندیة کتاب الحیطان الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۱۴

[3] ارباب الفتوی

سرے سے بکر کا ضرر ہی نہ رہا، اس قول میں یہ ہے کہ:

اذاکانت الکوۃ لنظر وکانت الساحۃ محل الجلوس للنساء یمنع وعلیہ الفتوی۔	اگر کھڑکی دیکھنے کی غرض سے بنائی اور پڑوسی عورتوں کی نشست گاہ صرف وہی صحن والا برآمدہ ہے تو اس صورت میں کھڑکی بنانے سے منع کیا جائے گا اور اسی پر فتوٰی ہے(ت)

یہاں وہ کہ نظر آتا ہے محل جلوس زنان نہیں سڑک ہے اور وہ کہ محل جلوس زنان ہے نظر نہیں آتا تو نہ دریچہ دریچہ نظر ہوا نہ محل محل نساء۔ عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی رجل لہ طبقۃ فی دارہ لها ثلاث شبابیک مطلات علی الشارع فقط قام رجل من اهل المحلۃ یعارضہ فی اعادۃ الشبابیک المذکورۃ فهل لیس لہ معارضۃ فی ذٰلک الجواب نعم۔[1]	سوال ہوا کہ ایک شخص کی حویلی میں اس کا بالاخانہ ہے جس میں تین کھڑکیاں ہیں جن سے صرف سڑک پر نظر پڑتی ہے تو اہل محلّہ میں سے ایک شخص اٹھ کر مذکورہ کھڑکیوں پر اعتراض کرے تو کیا اس معترض کو حق اعتراض تو نہیں؟ الجواب ہاں اسے حق نہیں ہے۔(ت)

بالجملہ صورت مسئولہ میں دعوی بکر ہمارے ائمہ متقدمین وعلمائے متاخرین کسی کے قول پر اصلاً قابل سماعت نہیں نیز بیان مذکور سے ظاہر ہوا کہ اس حالت میں اس کا انسداد چاہنا شرط چہارم سے مردود ہے کہ ضرر ممکن التحرز تھا اور اس کا چارہ کار عمرو نے کردیا جسے حسب بیان سائل بکر نے بھی قبول کیا اور تین سال تک اس پر راضی رہا اور یہ گمان کہ اگرچہ سائبان قبضوں سے جڑدئے گئے مگر قبضے اکھڑ واسکتے ہیں اور ایسا کیا تو پھر بے پردگی ہوگی شرط سوم سے مردود ہے کھلے ہوئے طاقچے تک سیڑھی لگا کر چڑھ جانا آسان ہے یا جڑے ہوئے قبضے اکھیڑ کر سائبان اٹھادینا جب اس صورت کا احتمال قریب مسموع نہ ہوا یہ احتمال بعید کیونکر مسموع ہوسکے گا اور اگر ایسے مہمل احتمالات مان لئے جائیں تو دریچے مٹی یا چوکوں سے بند کردینا کیا نافع ہوگا جو مضبوط جڑے ہوئے قبضے اکھیڑ کر سائبان اٹھاویگا کیا وہ مٹی کی چھاپ میں روزن نہیں کرسکتا یا ایک آدھ چوکا نہیں نکال سکتا بلکہ غالباً یہ اس سے آسان تر ہوگا تو دعوی انسداد محض تعنت ہوا اور متعنت کا دعوی مسموع نہیں ہوسکتا یہ تو حکم، رہا بکر کا وہم اس کا علاج اور نیز اس سے زیادہ استحکام کے سوال کا جواب وہی ہے جو

---

[1] العقود الدریہ کتاب القضاء، باب الحبس، مسائل شتی ارگ بازار قندھار ۱/ ۳۳۰

محرر مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الاصل میں باب قسمۃ الدار سے کچھ پہلے فرمایا:

لو فتح صاحب البناء فی علو بنائه بابا لم یکن لصاحب الساحه منعه و لصاحب الساحة ان یبنی فی ملکه ما یستر[1]۔	اگر عمارت والا اپنی عمارت کے بالائی حصہ میں دروازہ بنائے تو صحن والے کو منع کا حق نہیں بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ اپنی ملکیت میں پردے کا انتظام کرے۔(ت)

یعنی عمرو کو اجازت دی جائے کہ اپنے دریچوں پر سے سائبان بالکل اتار کر دریچے پورے کھول دے اور بکر سے کہا جائے کہ تو اپنے مکان کا پردہ بنالے کہ عمرو کو اس پر اینٹیں نکال کر جھانکنے کا قابو نہ ہوگا اور بے پردگی کا وہم جاتا رہے گا اور اگر اب بھی اندیشہ ہو کہ بکر نے اپنی دیوار اونچی کی تو عمرو اپنے ملکان کو سہ منزلہ کرکے اس میں دریچے نکالے گا اور پھر بے پردگی ہوگی تو قاطع ہر گونہ وہم پر ہے کہ بکر اپنے صحن پر جست کی چادریں ڈال کر پاٹ لے کہ پھر عمرو تو عمرو آسمان کی نظر سے بھی تحفظ ہوجائے گا ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا و مولٰینا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتح القدیر بحوالہ الاصل قبیل باب قسمۃ الدار مسائل شتی من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۱۴

رسالہ

الھبۃ الاحمدیۃ فی الولایۃ الشرعیۃ والعرفیۃ ۱۳۳۳ھ

(شرعی اور عرفی ولایت کے بارے میں احمدی ہبہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۱۴: از گولڑہ ضلع راولپنڈی مرسلہ قاری عبدالرحمٰن صاحب ۱۷/ جمادی الاخرہ ۱۳۳۳ھ

جناب عالی مدظلہ العالی ان دونوں فتووں کی نسبت جناب کی کیا رائے ہے یعنی واقعی غیر مسلم مسلمانوں کا قاضی ہوسکتا ہے جیسا کہ مفتی عبداللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے، والتسلیم (نقل فتوی مطبوعہ عـــہ مستشار العلماء)

عـــہ: مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی سید عبدالسلام، ۲۹/ جون جمع کردہ لطف الرحمٰن ساکن کرنال متعلق ابطال وقف نواب عظمت علی خاں جاگیردار کرنال جن کو ڈپٹی کمشنر کرنال نے بحیثیت جج دیوانی حکمًا مجبور کردیا تھا، اس کے بعد انہوں نے وقفنامہ مورخہ ۲۵/ اگست ۱۹۰۸ء رجسٹری شدہ ۲۵/ ستمبر ۱۹۰۸ء لکھا، اس فتوے میں یہ ثبوت دینا چاہا ہے کہ جج انگریز قاضی شرع ہے اور اس کے احکام مثل قاضی شرع مثبت احکام شرعیہ ہیں، اس کے ساتھ دوسرا فتوی اسی مستشار العلماء کا چھپا ہے کہ جب جج قاضی شرع ہے اور قاضی کا حجر جائز تو عظمت علی خاں مجبور ہوگئے اور وقف باطل ہے ۱۲۔

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے حنفیہؒ اس بات میں کہ ہندوستان میں جج عدالت دیوانی کا جو انگریز ہو شرع محمدی کے بموجب قاضی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: حنفیہؒ مذہب کی روسے ملک ہندوستان کی موجودہ حالت میں دیوانی عدالت کا جج مسلم بمنزلہ شرعی قاضی کے ہے اور اس کے فیصلے اسی طرح شرعًا قابل نفاذ ہوں گے جس طرح ایک مسلمان قاضی کے ہوسکتے ہیں بشرطیکہ وہ فیصلے مذہب اسلام کے مطابق اور شریعت محمدی کے موافق ہوں۔

ثبوت: حنفی مذہب کی کتابوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا منصبی فرض اور بحیثیت قاضی ہونے کے اس کا اصلی کام یہ ہے کہ وہ بذریعہ اس طاقت اور قوت کے جو بادشاہ کی طرف سے اسے حاصل ہو عام اس سے کہ وہ بادشاہ مسلم ہو یا غیر مسلم، حقدار کی حق رسی کردے جبکہ اس کا حقدار ہونا اسلامی احکام اور شرعی قوانین کے مطابق ثابت ہو، پھر یہ ثبوت قاضی کو خود اپنے علم سے حاصل ہو یعنی جبکہ وہ خود اسلامی مسائل اور شرعی احکام سے پورا واقف ہو یا یہ بات بذریعہ کسی لائق مفتی کے فتوٰی دینے کے اسے حاصل ہو یعنی جبکہ وہ خود اسلامی مسائل اور شرعی احکام سے واقف نہ ہو۔ شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی فرماتے ہیں:

فالصحیح ان اھلیۃ الاجتہاد شرط الاولیۃ فاما تقلید الجاہل فصحیح عندنا خلافا للشافعی رحمہ اللہ وھو یقول ان الامر بالقضاء یستدعی القدرۃ علیہ ولا قدرۃ دون العلم ولنا انہ یمکنہ ان یقضی بفتوی غیرہ ومقصود القضاء یحصل بہ وھو ایصال الحق الی مستحقہ[1]۔ھدایۃ ج۶ص۳۶۰۔	تو صحیح یہ ہے کہ اجتہاد کی شرط اولیٰ ہونے کی ہے لیکن جاہل کا تقرر تو ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں قضاء کا معاملہ اس پر قدرت کا متقاضی ہے جبکہ علم کے بغیر قدرت اس پر نہیں ہوسکتی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جاہل کو دوسرے کے فتوٰی پر عمل ممکن ہے اور قضاء کا مقصد اس سے حاصل ہوجاتا ہے اور وہ حقدار کو حق دینا ہے۔ہدایہ ج۶ص۳۶۰(ت)

محقق شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں:

وقد اختلف فی قضاء الفاسق فاکثر الائمۃ علی انہ لاتصح ولایتہ کالشافعی	فاسق کی قضا میں اختلاف ہے اکثر ائمہ کرام کی رائے ہے کہ یہ صحیح نہیں مثلًا امام شافعی رحمہ اللہ

[1] الھدایہ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۱۳۲

وغیرہ کما لاتقبل شهادته، وعن علمائنا الثلاثة فی النوادر مثله لکن الغزالی قال اجتماع هذه الشروط من العدالة والاجتهاد وغیرہما متعذر فی عصرنا لخلو العصر عن المجتهد والعدل فالوجه تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذو شوکة وان کان جاهلا فاسقا وهو ظاہر المذہب عندنا، فلو قلد الجاہل الفاسق صح ویحکم بفتوی غیرہ[1]۔ فتح القدیر جلد ٦ ص ۳۵۷۔	وغیرہ فرماتے ہیں کہ جس طرح فاسق کی شہادت قابل قبول نہیں اسی طرح اس کی ولایت بھی صحیح نہیں ہے اور ہمارے تینوں ائمہ کا نوادر میں یہی قول ہے لیکن غزالی نے فرمایا کہ عدالت، اجتہاد اور دیگر شرائط کا جمع ہونا ہمارے زمانہ میں دشوار ہے کیونکہ یہ زمانہ عدل واجتہاد سے خالی ہے تو صحیح طور پر یہ ہے کہ صاحب شوکت سلطان جس کو بھی ولایت سونپ دے اس کی قضاء نافذ ہوگی اگرچہ وہ جاہل فسق ہو اور ہمارا ظاہر مذہب یہی ہے تو اگر وہ سلطان، جاہل فاسق کا تقرر کردے تو صحیح ہوگا اور وہ قاضی دوسرے کے فتوے پر فیصلے دے گا۔ فتح القدیر جلد ٦ ص ۳۵۷۔ (ت)

نیز محقق موصوف فرماتے ہیں:

فالصحیح انها لیست شرطا للولایة بل للاولویة، فاما تقلید الجاہل فصحیح عندنا، ویحکم بفتوی غیرہ خلافا للشافعی ومالك واحمد وقولهم روایة عن علمائنا نص محمد فی الاصل ان المقلد لایجوز ان یکون قاضیا ولکن المختار خلافه علیه قالوا القضاء یستدعی القدرة علیه ولاقدرة بدون العلم قلنا یمکنه القضاء بفتوی غیرہ ومقصود القضاء و	تو صحیح یہ ہے کہ اجتہاد ولایت کی شرط نہیں ہے بلکہ اولٰی ہونے کی شرط ہے لیکن جاہل کا تقرر تو ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے اور غیر کے فتوے پر فیصلے دے گا۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی کا موقف اس کے خلاف ہے اور ہمارے ائمہ سے بھی یہ قول مروی ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل (مبسوط) میں اس پر نص فرمائی ہے کہ کوئی مقلد قاضی نہیں بن سکتا لیکن مختار اس کے خلاف ہے، ائمہ فرماتے ہیں کہ قضا کا منصب اس پر قدرت کا متقاضی ہے جبکہ علم کے بغیر قدرت نہیں ہوتی، ہمارا جواب یہ ہے کہ بے علم کو

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦/ ۳۵۷

ھوایصال الحق الی مستحقه ورفع الظلم یحصل به فاشتراطه ضائع[1]۔فتح القدیر جلد۶ص۳۵۹۔	دوسرے کے فتوی پر فیصلے دینا ممکن ہے جبکہ قضاء کامقصد صرف مستحق کو عطا کرنا اور ظلم کا دفاع کرنا ہے اور وہ اس طریقہ سے حاصل ہوسکتا ہے، لہٰذا اجتہاد کی شرط بے مقصد ہے۔فتح القدیر جلد۶ص۳۵۹(ت)

کتاب فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ویکون من اهل الاجتهاد والصحیح ان اهلیة الاجتهاد شرط الاولویة کذا فی الهدایة حتی لو قلد جاهل وقضی هذا الجاهل بفتوی غیره یجوز کذا فی الملتقط۔[2]جلد۳ص۳۰۷	قاضی اہل اجتہاد سے ہو جبکہ صحیح یہ ہے کہ اجتہاد کی شرط صرف اولٰی ہونے کے لئے ہے۔ہدایہ میں ایسے ہے حتی کہ اگر جاہل کا تقرر کیاگیااور وہ دوسروں کے فتوی پر فیصلے دے تو جائز ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے۔جلد۳ص۳۰۷(ت)

عبدالرحمٰن آفندی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں فرماتے ہیں:

وفی الشمنی اجتماع هذه الشرائط من الاجتهاد والعدالة وغیرهما متعذر فی عصرنا لخلو العصر عن المجتهد و العدل فالوجه تنفیذ قضاء کل من ولاه سلطان ذوشوکة وان کان جاهل فاسقا[3]۔جلد۲ص۱۵۱۔	شمنی میں ہے کہ اجتہاد، عدالت وغیرہ کی شرائط کا جمع ہونا ہمارے زمانہ میں دشوار ہے کیونکہ یہ زمانہ اجتہاد اور عدل سے خالی ہے، تو صحیح وجہ یہ ہے کہ جس کو بھی صاحب شوکت سلطانی قاضی مقرر کردے اس کی قضاء نافذ ہوگی خواہ وہ فاسق جاہل ہی کیوں نہ ہو۔(ت) جلد۲ص۱۵۱۔

علامہ ابن عابدین کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

قوله والفاسق اهلها سیأتی بیان الفسق والعدالة فی الشهادات وافصح بهذه الجعلة دفعاللتوهم من	ماتن کا قول کہ فاسق قضاکا اہل ہے تو شہادات کے بیان میں فسق اور عدالت کی بحث آئے گی، ماتن نے یہ قول یہاں اس لئے بیان کیاتا کہ ان لوگوں کا

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۶۰۔۳۵۹

[2] فتاوی ہندیه کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ کراچی ۳ /۳۰۷

[3] مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۵۱

قال ان الفاسق لیس باھل للقضاء فلا یصح قضاؤہ لانہ لایؤمن علیہ لفسقہ وھو قول الثلاثۃ واختارہ الطحاوی، قال العینی وینبغی ان یفتی بہ خصوصاً فی ھذاالزمان اھ اقول: لو اعتبر ھذا لانسد باب القضاء خصوصاً فی زماننا فلذاکان ماجری علیہ المصنف ھو الاصح کذا فی الخلاصۃ وھو اصح الاقاویل کمافی العمادیۃ نھر[1]۔ جلد ۴ص ۳۳۰۔	تو ہم ختم ہو جو یہ کہتے ہیں کہ فاسق قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہٰذا اس کی قضا صحیح نہیں ہے کیونکہ فسق کی وجہ سے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا یہ قول تینوں اماموں کا ہے جسے طحاوی نے اختیار کیا ہے، امام عینی نے فرمایا اس قول پر فتوٰی مناسب ہے خصوصًا موجودہ زمانہ میں، اھ، میں کہتا ہوں کہ اگر اس قول کا اعتبار کیا گیا تو پھر قضا کا دروازہ بند ہو جائے گا خصوصًا ہمارے اس زمانہ میں، لہٰذا مصنف جس قول پر قائم ہے وہی اصح ہے، خلاصہ میں ایسے ہے اور یہ سب سے اصح قول ہے جیسا کہ عمادیہ میں ہے، نہر۔ جلد ۴ ص ۳۳۰ (ت)

نیز علامہ موصوف فرماتے ہیں:

قال فی البحر وبہ علم ان تقلید الکافر صحیح وان لم یصح قضاؤہ علی المسلم حال کفرہ اھ وھذا ترجیح لروایۃ صحۃ التولیۃ اخذ من کون الفتوی علی انہ لاینعزل بالردۃ خلافاً لمامشی علیہ المصنف فی باب التحکیم من روایۃ عدم الصحۃ وفی الفتح قلد عبد فعتق جاز قضاؤہ بتلک الولایۃ بلاحاجۃ الی تجدید بخلاف تولیۃصبی فادرک، ولو قلد کافر فاسلم قال	بحر میں فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ کافر کا تقرر صحیح ہے اگرچہ اس کے کفر کی بناء پر مسلمان پر اس کی قضاء صحیح نہ ہوگی اھ، اور یہ اس روایت کی ترجیح قرار پائے گی جس میں کافر کی تولیت کو صحیح کہا گیا ہے یہ اس فتوٰی سے ماخوذ ہے جس میں یہ ہے کہ قاضی کے مرتد ہو جانے پر وہ معزول متصور نہ ہوگا، یہ مصنف کے عدم جواز والے موقف کے خلاف ہے جس کو انہوں نے تحکیم کے باب میں بیان کیا ہے اور فتح میں ہے کہ جب غلام کا تقرر ہوا ہو اور وہ آزاد ہوگیا تو اس پہلی تقرری پر ہی اس کی قضا جائز ہوگی نئی تقرری کی ضرورت نہیں اس کے برخلاف جب بچے کی تقرری ہوئی اس کے بعد وہ بالغ ہو جائے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۹

محمد هو علی قضائه فصار الکافر کالعبد والفرق ان کلامنهما له ولایة وبه مانع وبالعتق والاسلام یرتفع، اما الصبی فلا ولایة له اصلا[1]۔ ردالمحتار جلد ۴ صف ۳۲۹۔	اگر کافر کی تقرری ہوئی پھر وہ مسلمان ہوجائے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ وہ پہلی تقرری پر ہی قضاء کرے گا تو یوں کافر عبد کی طرح حکم پائے گا، اور ان دونوں اور بچے میں فرق یہ ہوگا کہ یہ دونوں ولایت کے اہل تھے لیکن ان کا کفر اور غلام ہونا عمل قضا سے مانع تھا اور اب وہ ختم ہوگیا ہے لیکن نابالغ ولایت کا اہل ہی نہیں تھا اس لئے بلوغ کے بعد دوبارہ تقرری ضروری ہے۔ (ت)

نیز فرماتے ہیں:

فی الخانیة اجمعوا انه اذا ارتشی لاینفذ قضاؤه فیما ارتشی فیه اھ **قلت** حکایة الاجماع منقوضة بما اختاره البزدوی واستحسنه فی الفتح وینبغی اعتماده للضرورة فی هذا الزمان والابطلت جمیع القضایا الواقعة الاٰن لانه لاتخلو قضیة عن اخذ القاضی الرشوة المسماة بالمحصول قبل الحکم او بعده فیلزم تعطیل الاحکام وقدمر عن صاحب النهر فی ترجیح ان الفاسق اهل للقضاء انه لو اعتبر العدالة لانسد باب القضاء فکذا یقال ھٰهنا[2] ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۳۵۔	خانیہ میں ہے کہ فقہاء نے بالاجماع فرمایا کہ قاضی نے جس کیس میں رشوت لی ہے اس میں اس کی قضاء نافذ نہ ہوگی، **میں کہتا ہوں** یہ اجماع امام بزدوی کے مختار اس قول سے جس کو فتح میں مستحسن قرار دیا اور (فی زمانہ ضرورت کی بناپر اس پر اعتماد مناسب ہے) سے ٹوٹ جائیگا ورنہ اجماع کے پیش نظر آج تمام فیصلے باطل ہوجائیں گے کیونکہ کوئی کیس بھی قاضی کے اس عنوان کی رشوت جس کو وہ محصول کہتے ہیں، سے خالی نہیں ہے جس کو وہ فیصلہ سے قبل یا بعد وصول کرلیتے ہیں اس تمام فیصلے کا معطل ہونا لازم آئے گا جبکہ صاحب نہر کی یہ روایت گزرچکی ہے جس میں انہوں نے فاسق کی اہلیت قضاء کو ترجیح دی اور کہا ہے کہ اگر عدالت کا اعتبار کیا جائے تو پھر قضاء کا دروازہ ہی بند ہوجائے گا، یہاں یہی کہا جاسکتا ہے (ت)

علامہ جمال الدین زیلعی بجواب امام شافعی رحمہ اللہ جن کے نزدیک جاہل کی قضاء درست نہیں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۹۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۴

فرماتے ہیں:

ولنا ان المقصود ایصال الحق الی المستحق وھو یحصل بالعمل بفتوی غیرہ۔تبیین[1] الحقائق ج۴ ص۱۷۶۔	ہماری دلیل یہ ہے کہ قضاء سے مقصود یہ ہے کہ مستحق کو اس کا حق دلایا جائے تو غیر کے فتوی پر عمل سے یہ حاصل ہو جاتا ہے۔ تبیین الحقائق ج۴ ص۱۷۶۔(ت)

شیخ الاسلام علاء الدین خفصکی عــــہ درمختار میں فرماتے ہیں:

ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذاکان یمنعه عن القضاء بالحق فیحرم[2]۔جلد۴ ص۳۳۹۔	مسکین وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ سلطان عادل ہو یا ظالم ہو بلکہ کافر بھی ہو تو اس کی طرف سے قاضی کی تقرری جائز ہے مگر وہ جب قاضی کو حق پر فیصلہ سے منع کرتا ہو تو پھر تقرری حرام ہوگی۔جلد۴ ص۳۳۹۔(ت)

علامہ شامی کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

قوله ولو کافرا فی التتارخانیة الاسلام لیس بشرط فیه ای فی السلطان الذی یقلد[3]۔ج۴ ص۳۳۹۔	ماتن کا قول "اگرچہ کافر ہو" تاتارخانیہ میں ہے کہ قاضی کی تقرری کرنے والے سلطان کیلئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ ج۴ ص۳۳۹۔(ت)

روایت مندرجہ بالا میں سے روایت نمبر ۱و۳و۸ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا فرض منصبی یہی ہے کہ حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے رفع ظلم کردے جس کے لئے نہ اس کے عالم ہونے کی ضرورت ہے اور نہ مفتی پرہیزگار ہونے کی، اگر خود عالم ہو تو خیر، ورنہ دوسرے کے فتوی دینے سے اپنے اس غرض کو پورا کرے گا اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنا طاقت کے ذریعہ ہو سکتا ہے جو بادشاہ وقت کا عطیہ ہوا، روایت نمبر ۵،۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی میں علم اور اتقا کی شرط اس لئے چھوڑ دی گئی ہے کہ ایسے قاضی کا ملنا جو عالم ہو اور علم کے ساتھ اتقا بھی رکھتا ہو مشکل اور سخت مشکل ہے، روایت نمبر ۸،۶

عــــہ: صحیح حصکفی ہے حصن کیفا کی طرف نسبت ۱۲۔

[1] تبیین الحقائق کتاب القضاء المطبعة الکبری الامیریہ بولاق مصر ۱۷۶/۴

[2] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۷۳/۲

[3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۰۸/۴

سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم اور اتقا کی شرط مان لیجائے تو فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، روایت نمبر ۸ سے بالخصوص یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رشوت لے کر فیصلہ کیا ہو باوجود بالاجماع باطل ہونے کے متاخرین نے اسلئے جائز اور نافذ مان لیا ہے کہ ایسانہ کرنے میں فیصلوں کادروازہ ہی بند ہوا جاتا ہے کیونکہ قاضی غیر مرتشی کا وجود ہی عنقاء ہے، روایت نمبر ۱۰، ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء کا عہدہ اور اس کے اختیارات دینے کے لئے دینے والے بادشاہ کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔ روایت نمبر ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم میں قاضی ہونے کی کافی لیاقت ہے اگرچہ مسلمانوں پر اس کے احکام نافذ نہیں ہوتے، جب روایات مندرجہ بالا سے معلوم ہوگیا کہ قاضی کے لئے علم اور پرہیزگاری کی شرط کو فقہاء متاخرین نے اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ اس کے ماننے سے فیصلوں کا دروازہ بند ہو جائے گا تو ظاہر ہے کہ ملک ہندوستان میں اسلام کی شرط ماننے سے بھی فیصلوں کا دروازہ بند ہو جائیگا اور مسلمانوں کے لئے یا کم از کم اسی جگہ کے مسلمانوں کے لئے جہاں کا قاضی (جج) مسلمان نہ ہو حق رسی کی کوئی صورت نہیں رہے گی کیونکہ گورنمنٹ کو تمام اہل مذاہب سے یکساں تعلق ہے اور اس لیے مسلمان قاضی مقرر کرنے کی پابندی نہیں ہو سکتی تو جس جگہ کا قاضی مسلمان نہ ہوگا وہاں یہ مشکل ضرور پیدا ہوگی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حقدار کی حق رسی کی طاقت اور اس کا عمل میں لانا جو منصب قضا کا اصل مقصود ہے جس طرح ایک مسلمان سے باوجود عالم پرہیزگار نہ ہونے کے ممکن ہے اسی طرح ایک غیر مسلم قاضی سے بھی ممکن ہے، لہٰذا اس ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ ہر جگہ مسلمان قاضی کا ملنا متعذر اور سخت مشکل ہے نیز اس بات کو کہ قضا کی اصل غرض ایصال حق کے حاصل ہونے مسلم اور غیر مسلم دونوں یکساں ہیں، شرعًا یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ملک ہندوستان میں دیوانی عدالت کا جج بموجب شرع محمدی کے قاضی ہو سکتا ہے عام اس سے کہ وہ مسلم یا غیر مسلم اور مسلم ہونے کی شرط کا اسی ملک تک محدود ہونا ضروری ہے جہاں اسلامی گورنمنٹ ہو۔ **ھذا ما استقر علیہ رائی** (یہ وہ ہے جس پر میری رائے ٹھہری۔ ت) واللہ بالصواب۔

کتبہ العبد المذنب المفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

المجیب مصیب	**صح الجواب**	**الجواب صحیح**
احمد علی عفی عنہ	محمد حسن عفی عنہ	محمد اکرام الحق
الجواب صحیح	**الجواب نعم الجواب**	**الجواب صحیح**
محمد عمر خاں عفی عنہ	محمد یار عفی عنہ امام مسجد طلائی لاہور بقلمہ	غلام رسول مدرس مدرسہ حمیدیہ

قد اصاب من اجاب محمد عالم مدرس مدرسہ حمیدیہ

اس زمانے میں جج کو بشرطیکہ وہ موافق شرع کے حکم دے بضرورت قاضی کا حکم دیا جاسکتا ہے۔
محمد لطف اللہ مہر سابق مفتی حیدرآباد دکن ساکن علی گڑھ ۱۹۹۲ء ۱۲/ مئی
الجواب صحیح محمد امانت اللہ غفر اللہ مدرس مدرسہ اسلامیہ علی گڑھ ۱۲ مئی ۱۹۱۲ء
اظنه صحیحا ولعل الله یحدث بعد ذٰلك امرا (میرے گمان میں صحیح ہے ہوسکتا ہے اللہ تعالٰی اس کے بعد کوئی صورت پیدافرمادے۔ت) الفقیر محمد ابراہیم عفی عنہ نمبر دار کرنال و قاضی تحصیل کرنال بقلم خود ۷ ۲ جون ۱۹۱۲ء

الجواب:

بسم الله الرحمن الرحیم. الحمدلله لاولی سواه و الصلٰوة والسلام عدد العلم والکلم علی الاولی بالمومنین من انفسهم وعلٰی اٰله وصحبه واولیائه وحزبه اجمعین اٰمین!	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جس کے سوا کوئی مددگار نہیں، اور کلمات کی تعداد برابر صلٰوۃ وسلام ہو اس ذات گرامی پر جو مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے قریب ہے اور آپ کی آل واصحاب واولیاء اور جماعت سب پر، آمین! (ت)

مولٰنا! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ فقیر ان فتووں کی نسبت اس سے بہتر کیا کہہ سکتا ہے جو حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث ذیل میں ارشاد فرمایا:

اذاوسد الامر الٰی غیر اهله فانتظر الساعة[1]۔ رواه البخاری عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	جس وقت امور نااہلوں کے حوالے کئے جانے لگیں گے تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس کو بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

یہ فتوے محض اجتہاد پر مبنی ہیں اور اجتہاد بھی وہ جو آج تک ابوحنیفہ وشافعی درکنار ابوبکر صدیق وعمر فاروق کو بھی میسر نہ ہوا نہ ہوسکتا تھا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین یعنی نص قطعی قرآن عظیم کے مقابل بے اصل ومحض جامع قیاس بے اساس، **نسال الله العفو والعافیة** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت) تحقیق حق کے لئے تمہید چند مقامات سود مند،

فاقول: وبالله التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت)

مقدمہ اولٰی: حقیقت امر یہ ہے کہ ولایت مجبرہ جس کی تعریف ہے **تنفیذ القول علی غیرہ شاء اوابٰی** (دوسرے پر اپنا قول نافذ کرنا

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من سئل علماء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

وہ مانے یانہ مانے۔ت) دوقسم ہے عرفیہ ودنیویہ کہ بادشاہ کو رعایا حکام کو محکومین پر ہوتی ہے اسی کے سبب سلاطین کو والیان ملک کہا جاتا ہے، اور شرعیہ دینیہ کو حقیقۃً اللہ عزوجل پھر اس کی عطا سے اس کے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہے وبس، جس کی حقیقت ذاتیہ کا بیان اس آیہ کریمہ میں ہے: "مَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ"[1] (اللہ تعالٰی کے سوا ان کا کوئی ولی نہیں۔ت) اور حقیقت عطائیہ کا بیان اس آیہ کریمہ میں "اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ"[2] (نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے قریب ہیں۔ت) اور دونوں کا جمع اس آیہ کریمہ میں:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ"[3]	مومن مرد یا عورت کسی کو اپنا اختیار نہیں ہے جب اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی معاملہ کا فیصلہ فرمادیں اور جو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی کا مرتکب ہوگا۔ (ت)

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریح و تفویض وانابت سے اسے ہے جسے انہوں نے جتنی بات میں اپنی ولایت اصلیہ سے اختیار ظلی عطا فرمایا، ماذون مطلق کو مطلق اور ماذون امر خاص کو اس امر خاص میں جس کا بیان کریمہ "الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ"[4] (وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ت) اور کریمہ "وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا"[5] (سنو اور اطاعت کرو۔ت) میں ہے اور ان انواع ثلثہ یعنی ذاتیہ و عطائیہ وظلیہ کا اجتماع اس کریمہ میں

"اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ"[6]۔ (اللہ تعالٰی کی اطاعت کرو اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور اولی الامر کی۔ت) **اقول:** یہی سر ہے کہ نوع دوم پر **اطیعوا** مکرر آیا کہ ذاتیہ و عطائیہ دو حقیقتیں ہیں اور نوع سوم کو اسی **اطیعوا** دوم کے نیچے مندرج فرمایا کہ ظل، اصل سے جدا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

مقدمہ دوم: دونوں ولایتوں میں بحسب مناشی و نتائج ولوازم و مقاصد جو فرق ہیں ان کی بہت تعبیرات ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۲۶

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۶

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۶

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۷

[5] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

[6] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

(۱) ولایت عرفیہ غلبہ واستیلا سے حاصل ہوتی ہے اور شرعیہ بعطائے شرع۔

(۲) عرفیہ ملکی مسئلہ ہے اور شرعیہ مذہبی و دینی۔

(۳) عرفیہ مقصد سلاطین ہے اور شرعیہ مقصود خاص دین۔

(۴) عرفیہ عالم اسباب میں احکام تکوینیہ الٰہیہ کا آلہ ہے یعنی کن لاتکن یہ امر واقع ہو، یہ نہ ہو، اور شرعیہ احکام تشریعیہ الٰہیہ کا، مثلاً کن مکن (یہ کرو یہ نہ کرو۔)

(۵) عرفیہ، تصرفات کے ثمرات حسیہ کی مثمر ہوتی ہے اور شرعیہ، معانی دینیہ کی۔

(۶) عرفیہ سے شیئ غیر موجود موجود ہوجاتی ہے اور شرعیہ سے حکم شرعی غیر حاصل حاصل۔

(۷) عرفیہ دنیا میں مؤثر ہے اور شرعیہ عقبٰی میں معتبر۔

(۸) عرفیہ کی نافرمانی قوانین سلاطین کی خلاف ورزی ہے اور شرعیہ کی ناحفاظی اللہ عزوجل کی معصیت۔

(۹) عرفیہ کالحاظ عام ہے کہ بادشاہ کی ہر رعیت پر ہے مسلم ہو یا کافر، اور شرعیہ کا لحاظ خاص کہ اس سے صرف مسلمانوں کو کام ہے۔

(۱۰) عرفیہ کا عمل خاص ہے کہ ہر بادشاہ کی قلمرو تک محدود اور شرعیہ کا عمل دنیائے اسلام پر عام ہے شرق میں ہو یا غرب میں۔

(۱۱) عرفیہ فوج وسپاہ وتیغ وسلاح کے سایہ میں ہے اور شرعیہ فقیر ومحتاج کو بھی بقدر عطا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ظلی عطیہ، یہ تمام مضامین اور ان دونوں ولایتوں میں عموم وخصوص من وجہ ہونا اس مثال سے روشن، سلطان نے زید کی قاصرہ کا اپنے پسر سے نکاح کرلیا اور زید راضی نہیں اس نے انکار کردیا اس تصرف کے تمام ثمرات حسیہ دنیا میں مرتب ہوجائیں گے، شیئ غیر موجود موجود ہوجائے گی یعنی عورت کہ پہلے قبضہ میں نہ تھی اب آجائے گی دوسرا شخص مزاحمت پر قدرت نہ پائے گا مزاحمت کرے گا مستوجب غضب سلطانی وسزائے نافرمانی ہوگا، عورت مرجائیگی تو یہ بزعم زوجیت اس کا ترکہ لے گا، پھر اگر بادشاہ نو مسلم ہے تو اسے واقع میں بھی نکاح ومباح جانے گا اور اپنے تصرف کو صحیح وصاف مانے گا، یہ تمام امور احکام تکوینیہ الٰہیہ سے صادر ہوجائیں گے مگر احکام تشریعیہ کہ نکاح شرعی بولایت شرعی سے پیدا ہوتے اصلاً متحقق نہ ہونگے نہ وہ عورت اس کے لئے شرعاً حلال ہوگی نہ بعد مرگ ایک کو دوسرے کا مال وراثۃً جائز ہوگا کہ باپ کے سامنے سلطان کو درباره نکاح ولایت شرعیہ نہ تھی تو نکاح نکاح فضولی ہوا اور ولی شرعی کے رد سے باطل ہوگیا،

لان الولایۃ الخاصۃ اقوی من	کیونکہ خاص ولایت عام ولایت سے اقوی ہے

الولایة العامة[1] کمافی الاشباہ وغیرھا، اقول:یعنی الظلیة اما الاصلیة فما کان لظل ان یقاوم الاصل بل یضمحل دونہ ولذالو زوج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قاصرة رجل من قاصر رجل تم النکاح و لزم ولم یکن لابویھما خیرة اصلا بل کذٰلك لو زوج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا عاقلا بالغامن امرأة کذا بدون رضاھما لزم النکاح ولم یکن لھما الخیرة من انفسھما کما نصواعلیہ وقد نطق بہ القرآن العزیز۔	جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے، **اقول:** (میں کہتا ہوں) ولایت ظلیہ ایسے ہے لیکن ولایت اصلیہ، تو ظلیہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی بلکہ وہ اصلیہ کے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہے اور اسی لئے اگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی قاصرہ (نابالغہ و مجنونہ و لونڈی) کا نکاح کسی قاصر مرد سے کردیں تو ان کے والدین کو قطعًا کوئی اختیار نہ رہے گا، اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا یہ نکاح لازم و نافذ ہوگا بلکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی عاقل بالغ مرد کا کسی عورت سے نکاح کردیں تو ایسے ہی لازم و نافذ ہوگا اور اس پر مرد و عورت کو اپنے بارے میں کوئی اختیار نہ ہوگا جیسا کہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے اور قرآن پاک نے اسکو بیان کیا ہے (ت)

اور اگر زید نے اپنی قاصرہ کا نکاح عمرو سے کردیا اور سلطان کی ناراضی ہے اس نے حکمًا اس نکاح کو ناجائز رکھا اور رخصت سے روک دیا، عنداللہ اس تصرف کے تمام معانی شرعیہ ترتیب پائیں گے عورت کہ اس کے لیے حلال نہ تھی حلال ہو گئی حکم غیر موجود شرعی ہوگیا، دوسرا اگر بے افتراق بموت وطلاق اس سے نکاح کرے گا مستحق غضب جبار و سزائے نار ہوگا، عورت مرجائے گی تو عمرو بحکم زوجیت اس کے ترکہ کا شرعًا بقدر حصہ مالک ہوگا، یہ تمام باتیں احکام تشریعیہ الٰہیہ سے ثابت ہوجائیں گی مگر احکام تکوینیہ کہ ولایت عرفیہ سے آتے اصلا حاصل نہ ہوں گے نہ وہ عورت اس کے قبضہ میں آئے گی نہ یہ دعوی ارث کرسکے گا کہ سلطان کے سامنے باپ کو کیا اختیار، اور یہ نکاح کہ رائے سلطانی میں خلاف قانون تھا قانونًا باطل ہوچکا۔

لان الولایة العامة املك من الولایة الخاصة فی الدنیا۔	کیونکہ ولایت عامہ دنیا میں ولایت خاصہ سے زیادہ قوی ہے۔ (ت)

اسی قیاس پر صدہا صورتیں ہیں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ولایت عرفیہ میں تنفیذ سے مراد تحصیل ثمرات حسیہ دنیویہ ہے اگرچہ احکام شرعیہ حاصل نہ ہوں اور ولایت شرعیہ میں مراد اثبات معانی شرعیہ ودینیہ ہے اگرچہ

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۱

موانع صوریہ زائل نہ ہوں۔

مقدمہ سوم: دونوں ولایتوں کے جو فرق بیان ہوئے ان کا ملاحظہ ہر عاقل پر دو امر واضح کرے گا ایک یہ کہ ہر سلطنت کو اسلامی ہو یا غیر اسلامی اپنے ملک پر ولایت قسم اول ہوتی ہے دوسرے یہ کہ یہی ولایت مطمح نظر سلاطین ہے، اسی میں منازعت ان کے نزدیک بادشاہ کی مخالفت قرار پاتی ہے، وہ یہی ولایت چاہتے ہیں کہ فوج و لشکر و تیغ و تبر کی لازم و ملزوم ہے نہ وہ کہ ہر فقیر مفلس بے زر بے پر کے لئے موسوم ہے، ولایت قسم دوم کسی نا مسلم سلطنت کو مقصود ہونا تو کوئی معنی ہی نہیں رکھتا کہ قصداً اتباع شرع سے ناشئی ہے نا مسلم کو مذہب اسلام کی کب پیروی ہے صدہا سال سے خود مسلمان بادشاہوں کا مقصد اصلی وہی ولایت عرفی ہے وہ اپنے حکم کا نفاذ چاہتے ہیں اگرچہ حکم شرعی نہ ہو جیسا کہ ہزاروں کارناموں سے واضح ہے تو کوئی نا مسلم سلطنت کیونکر پابند ولایت شرعیہ ہو سکتی ہے ولایت قسم اول کہ مقصد سلاطین ہے بلاشبہہ ہندوستان میں گورنمنٹ انگلشیہ کو بلانزاع حاصل ہے جس میں کسی فریق کو خلاف نہیں اور خود گورنمنٹ کو اس قدر منظور ہے اس نے کبھی نہ کہا کہ مجھے ہر فریق کے دین و مذہب میں مداخلت ہے بلکہ اسکے خلاف ہمیشہ یہی اعلان کیا اور کرتی ہے کہ ہمیں کسی قوم کے دین و مذہب میں دست اندازی نہیں اور یقیناً ہر ایسی گورنمنٹ جسے اللہ تعالٰی عقل معاش بروجہ کمال اور ملک داری کا سلیقہ عنایت فرمائے اسے یہی شایان ہے، حکام و رعایا سب جانتے ہیں کہ گورنمنٹ والی ملک ہے اس کا حکم یہاں نافذ ہے جو چیز وہ جسے دلائے مل جاتی ہے منع کردے رک جاتی ہے رعیت اس کا حکم مانتی اور اس کا خلاف مضر جانتی ہے، یہ وہی وجود و عدم شیئ کے ثمرات ہوئے کہ نتائج ولایت عرفیہ ہیں مگر ہرگز نہ حکام کا دعوی غیر موجودہ موجود کردیتی یا کرنا چاہتی ہے۔ اب یہی دیکھئے کہ گورنمنٹ روزانہ سود کی ڈگریاں دیتی ہے اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ مدعا علیہ اتنی رقم مدعی کو دے یہ ہرگز نہیں کہتی کہ مسلمان سود لینے دینے کو شرعاً حلال جانیں یا ڈگری کے سبب اس لینے والے کے لئے سود کو از روئے شریعت اسلامی مباح جانیں، اسی طرح تمام احکام میں اسے اپنے ملک میں تعمیل حکم سے کام ہے اور اسی میں اس کی اطاعت ہے نہ یہ کہ ان احکام کو آخرت میں بھی بکار آمد سمجھو، جو کام ولایت شرعیہ کا ہے اور قانون کو عین شریعت اسلامیہ مانو اس پر نہ وہ کسی کو مجبور کرتی ہے نہ اس سے اسے اصلاً بحث، تو بلاشبہہ گورنمنٹ والی ملک ہی بننا چاہتی ہے اور وہ ضرور والی ملک باختیار ہے مگر کسی مذہب وملت کی والی دین بننا نہیں چاہتی نہ اس سے اسے سروکار ہے تو اس کے خلاف ٹھہرانا خود گورنمنٹ کے بارے میں غلط بیانی اور اس

کے خلاف منشا واظہار ہے۔

مقدمہ چہارم: شریعت مطہرہ اسلامیہ علی صاحبہا وآلہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ نے ولایت عرفیہ کو جس سے آدمی والی ملک اور حاکم کو بادشاہ وقت ہوجاتا ہے اور عایا کو اس کی پابندی لازم ہوتی ہے اس کے حال پر چھوڑا ہے، اسے مسلم نا مسلم کسی سے خاص نہ فرمایا جس طرح وہ عرف میں کسی سے خاص نہیں اس لئے کہ وہ زیر اثر احکام تکوینیہ ہے جسے خدادے اسے ملے اور شریعت کی بحث صرف احکام تشریعیہ سے ہے:

قال اللہ تعالٰی "قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ٘" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپ فرمادیجئے اے ملک کے مالک تو جسے چاہے ملک عطافرمائے اور جس سے چاہے واپس لے لے۔(ت)

اس من تشاء میں کوئی خصوصیت اسلام کی نہیں، ولہٰذا قرآن مجید نے زمانہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بادشاہ مصر کو جابجا بلفظ ملك تعبیر فرمایا:

"وَ قَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى" [2] "وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ" [3] "مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ" [4]۔	بادشاہ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں، بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ، بادشاہ کے دین میں بھائی کو پکڑ ناجائز نہیں۔(ت)

اور وہ غلط تعبیر سے پاک ومنزّہ ہے، یوں ہی حضرت بلقیس کو ان کے اسلام سے پہلے قول ہدہد میں بلفظ "اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ" [5] (میں نے ایک عورت کو ان کا بادشاہ پایا۔ت) ذکر فرمایا اور وہ تقریر علی الغلط سے طاہر ومبرا ہے، تو ثابت ہوا کہ بادشاہ اگرچہ نامسلم ہو ضرور والی ملک اور ولایت قسم اول رکھتا ہے مگر مسلمان بر ولایت قسم دوم دینیہ شرعیہ جس سے مسلمان کے حق میں حکم غیر موجود شرعی مذہبًا موجود ہوجائے اور دینی حیثیت سے آخرت میں اس کے کام آئے صرف مسلمان کے ساتھ خاص فرمائی ہے اور کلمہ حصر وتصریح نفی دونوں طور پر اسے صاف فرمادیا ہے کہ کسی کا مجال تاویل وابدائے احتمال نہ رہے اول اس آیہ کریمہ میں "اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا" [6] (تمہارا ولی اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ت) اور اس آیہ کریمہ میں "وَ لَنْ یَّجْعَلَ

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۲۶
[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۳
[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۴
[4] القرآن الکریم ۱۲/ ۷۶
[5] القرآن الکریم ۲۷/ ۲۳
[6] القرآن الکریم ۵/ ۵۵

اللهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا" [1] (اور اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔ت) یہاں قطعًا وہی سبیل دینی شرعی مراد ہے کہ سبیل دنیوی کا انتفاع خلاف مشاہدہ واشہاد ہے، قرآن عظیم اس معنی کی آیات سے مشحون ہے۔ حلبی علی الدر پھر شامی میں ہے:

الکافر لایلی علی ولدہ المسلم لقولہ تعالٰی "وَلَنْ يَّجْعَلَ اللهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا" [2]۔	کافر اپنے مسلم بیٹے کا ولی نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا (ت)

نہایہ پھر عالمگیریہ پھر طحطاوی پھر ابن عابدین میں ہے:

تقلید الذمی لیحکم بین اهل الذمة صحیح لابین المسلمین وکذلك التحکیم [3]۔	ذمی کا تقرر ذمیوں میں فیصلہ کرنے کے لئے صحیح ہے مسلمانوں میں فیصلہ کرنے کے لئے نہیں اور ثالثی کا بھی یہی حکم ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

لو حکما عبدافاعتق اوصبیا فبلغ اوذمیا فاسلم ثم حکم لاینفذ [4]۔	اگر فریقین نے کسی غلام کو ثالث بنایا اب وہ آزاد ہوگیا نابالغ کو بنایا تو وہ بالغ ہوگیا، یا ذمی کو بنایا تو وہ مسلمان ہوگیا، پھر اس کے بعد وہ فیصلہ کریں تو نافذ نہ ہوگا۔(ت)

درمختار کتاب الشہادات میں ہے:

شرطها الولایة فیشترط الاسلام لو المدعی علیه مسلما [5]۔	شہادت کی شرط ولایت ہے اگر مدعا علیہ مسلمان ہو تو گواہ کا مسلمان ہونا شرط ہوگا۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۲

[3] ردالمحتار بحوالہ الہندیۃ عن النہایۃ کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۸، حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب القضاء باب التحکیم دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۰۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲

[5] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

اور کتاب القضایا میں ہے:

اھلہ اھل الشہادۃ وشرط اھلیتھا شرط اھلیتہ فان کلامنھما من باب الولایۃ[1]۔	قاضی کی اہلیت وہی ہے جو شہادت کی اہلیت ہے اور شہادت کی اہلیت وہی ہوگی جو مدعا علیہ کی اہلیت ہوگی کیونکہ یہ دونوں امر ولایت سے متعلق ہیں۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

لاولایۃ لکافر علی مسلم لقولہ تعالٰی "وَلَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾"[2]۔	کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔(ت)

اسی کی شہادات میں ہے:

لاتقبل شہادۃ الذمی علی المسلم لانہ لا ولایۃ لہ بالاضافۃ الیہ[3]۔	مسلم کے خلاف ذمی کی شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ اس کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے۔(ت)

مختصر امام قدوری میں ہے:

لاتصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولّٰی شرائط الشہادۃ[4]۔	قاضی کی ولایت اس وقت تک صحیح نہ ہوگی جب تک کہ مولی میں شہادت کی شرائط پائی جائیں۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

لان حکم القضاء یستقی من حکم الشہادۃ لان کل واحد منھما من باب الولایۃ فکل من کان اھلا للشہادۃ یکون اھلا للقضاء ومایشترط	کیونکہ قاضی کا فیصلہ شہادت کے حکم سے مستفاد ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں امراز قبیل ولایت ہیں تو جو شہادت کا اہل ہوگا وہی قضاء کا اہل ہوگا تو جو چیز شہادت کی اہلیت میں شرط ہے وہ قضاء

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱
[2] الہدایۃ کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۹۸
[3] الہدایۃ کتاب الشہادت باب من یقبل شہادتہ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۶۲
[4] المختصر للقدوری کتاب آداب القاضی مطبع مجید کانپور ص ۲۸۳

لاهلية الشهادة يشترط لاهلية القضاء[1]۔	کی اہلیت میں شرط ہوگی (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لاولاية للصبی والمجنون ولا المملوك ولا الكافر على المسلم[2]۔	نابالغ، مجنون، غلام اور کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں۔ (ت)

بدائع ملک العلماء مسعود کاشانی میں ہے:

لاشهادة للكافر على المسلم اصلا[3]۔	مسلم کے خلاف کافر کی شہادت معتبر نہیں (ت)

اسی میں ہے:

لاولاية للكافر على المسلم لانه لا ميراث بينهما، ولان الكافر ليس من اهل الولاية على المسلم لان الشرع قطع ولاية الكافر على المسلمين قال الله تعالٰى "وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا"، وقال صلی الله تعالٰی عليه وسلم الاسلام يعلو ولا يعلى[4]۔ الخ	کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں کیونکہ دونوں میں میراث نہیں، اور اس لئے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت کی اہلیت نہیں ہے کیونکہ شریعت نے مسلمانوں پر کافر کی ولایت کو ختم کردیا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اسلام غالب ہوگا مغلوب نہیں الخ۔ (ت)

اسی میں ہے:

الصلاحية للقضاء لها شرائط منها العقل والبلوغ والاسلام فلايجوز تقليد المجنون والصبی والكافر، لان القضاء من باب الولاية بل هو اعظم الولايات وهؤلاء ليست لهم اهلية ادنى الولايات وهی	قضاء کی صلاحیت کے لئے چند شرائط ہیں ان میں سے عقل، بلوغ، اسلام ہے تو مجنون، نابالغ اور کافر کی تقرری جائز نہ ہوگی کیونکہ قضاء از قبیل ولایت ہے بلکہ اعظم ولایات میں سے ہے جبکہ ان لوگوں کو ولایت میں سے ادنٰی ولایت جو شہادت میں ہے

[1] الہدایہ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۲
[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب النکاح فصل فی الاولیاء نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۳
[3] بدائع الصنائع کتاب الشہادت فصل واما الشرائط فی الاصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۶
[4] بدائع الصنائع کتاب النکاح فصل واما بیان شرائط الجواز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۳۹

الشھادۃ فلان لایکون لھم اھلیۃ اعلاھا اولٰی[1] ومن لا یصلح قاضیا لایجوز قضاؤہ ضرورۃ[2] اھ ملتقطا۔	وہ بھی نہیں تو لازمًا اعلٰی ولایت کے وہ اہل بطریق اولٰی نہ ہوں گے اور جو قاضی کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کی قضاء لازمًا جائز نہ ہوگی اھ ملتقطًا (ت)

یہ گیارہ کتابوں کی عبارات ہیں مختصر امام قدوری، فتاوٰی امام قاضی خاں، بدائع امام ملک العلماء، ہدایہ امام برہان الدین، نہایہ امام سغناقی، تنویر الابصار، درمختار، حلبی، طحطاوی، شامی، فتاوٰی علمگیریہ۔ اور خود کثرت عبارات کی کیا حاجت بلا مبالغہ صدہا ہیں بلکہ شریعت نے ان مسلمانوں پر سلطان اسلام کو بھی ولایت نہ دی جو دارالحرب میں اسلام لائے اور ہنوز ہجرت کرکے ہمارے دار میں نہ آئے۔

قال اللہ تعالٰی عزوجل "وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یُھَاجِرُوۡا مَالَکُمۡ مِّنۡ وَّلَایَتِھِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوۡا ۚ"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہ کی تمہیں ان سے کوئی ولایت نہیں حتی کہ وہ ہجرت کرلیں۔ (ت)

کتب فقہ میں مسائل کثیرہ اس اصل پر مبنی ہیں کہ بحالت اختلاف دار سلطان اسلام کو ولایت نہیں **راجع ابواب نکاح الکافر والمستامن وغیر ذٰلک** (نکاح کافر و مستامن وغیرہا کے ابواب کی طرف رجوع کرو۔ ت) ہدایہ میں ہے:

اختلاف الدارین یقطع الولایۃ ولھذا یمنع التوارث[4]۔	دارالاسلام و دارالحرب کا اختلاف ولایت کو ختم کردیتا ہے اس لئے آپس کا وارث ہونا ممنوع ہے۔ (ت)

تو بحالت اختلاف دین غیر مسلم کو مسلم کے دینی احکام میں مداخلت کیونکر حکم شرعی ہوسکتی ہے بلکہ ولایت شرعیہ کا دائرہ اس سے بھی تنگ تر ہے، خود سلطان اسلام کو، خود اس کی ملک میں خود اسکی مسلمان رعایا پر صدہا باتوں میں شریعت مطہرہ نے ولایت شرعیہ نہ دی اس کی نظیر وہی تزویج قاصرہ گزری کہ سلطان یا قاضی اسلام کا کیا ہوا نکاح نافذ نہیں اور باپ بھائی یا چچا یا کسی عصبہ بلکہ عصبہ نہ ہو

---

[1] بدائع الصنائع کتاب آداب القاضی فصل واما بیان من یصلح للقضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳و۴

[2] بدائع الصنائع کتاب آداب القاضی فصل اما بیان من یفترض علیہ القبول الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۴

[3] القرآن الکریم ۸/ ۷۲

[4] الھدایہ کتاب الشھادات باب من یقبل شھادتہ ومن لایقبل مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۶۲

توذوی الارحام، اور وہ بھی نہ ہوں تو مولی الموالاۃ کا کیا ہوا نافذ۔ تنویر الابصار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبیۃ بنفسہ بشرط اسلام فی حق مسلمۃ فان لم تکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم للاخت ثم لولد الام ثم لذوی الارحام (ثم مولی الموالاۃ اھ در) ثم للسلطان ثم القاضی نص علیہ فی منشورۃ[1]۔ (ملخصًا)	مسلمان لڑکی کے نکاح کی ولایت اس کے عصبہ بنفسہ کو حاصل ہوگی بشرطیکہ یہ مسلمان ہو، اور اگر عصبہ نہ ہو تو ولایت ماں کو پھر حقیقی بہن کو اور پھر ماں کی طرف سے اولاد کو اس کے بعد پھر ذوی الارحام پھر مولیٰ موالات کو حاصل ہوگی (مولیٰ موالات اسکو کہتے ہیں جس کے ہاتھ پر کوئی کافر مسلمان ہو) اھ در، پھر سلطان پھر قاضی جس کی سند قضاء میں تصریح کردی گئی ہو نکاح صغار کی ولایت پر، اس کو ولایت حاصل ہوگی (ملخصًا)۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

ولھذا قالوا ان القاضی لویزوج الیتیم والیتیمۃ الاعند عدم ولی لھما فی النکاح ولوذارحم محرم عــــہ او اما او معتقا[2]۔	اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ قاضی یتیم لڑکے اور لڑکی کا نکاح نہیں کرسکتا مگر جب ان کا کوئی ولی نکاح موجود نہ ہوا گرچہ یہ ولی ذو محرم یا ماں یا آزاد کرنے والا ہو۔ (ت)

در مختار میں ہے:

فلوزوج الابعد قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[3]۔	اگر بعید شخص نے اقرب کی شہر میں موجودگی کے باوجود نکاح کردیا تو اقرب کی اجازت پر نکاح موقوف رہے گا۔ (ت)

عــــہ: **اقول**: قید المحرم لامفھوم لہ وکان ینبغی عکس الترتیب فان المعتق مقدم علی الام والام علی ذی رحم ۱۲ منہ غفرلہ۔	**اقول**: (میں کہتاہوں) یہاں محرم کی قید فہم سے بالاتر ہے، اور مناسب تھا کہ ترتیب میں یوں عکس ہوتا کہ آزاد کرنے والا ماں سے اور ماں ذی محرم سے مقدم کرتے، کیونکہ ترتیب یوں ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

[1] در مختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳-۱۹۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۱

[3] در مختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

دوسری نظیر اوقاف ہیں وقف میں متولی شرعی کا تصرف معتبر اور اسکے ہوتے سلطان اسلام قاضی کا تصرف بے اثر۔ فتاوٰی امام رشید الدین پھر اشباہ میں ہے:

لایملك القاضی التصرف فی الوقف مع وجود ناظرہ ولو من قبلہ[1]۔	قاضی وقف میں تصرف کا مالک نہیں ہوگا جبکہ اس کا متولی موجود ہو اگرچہ متولی اسی قاضی کا مقرر کردہ ہو۔(ت)

فتاوٰی وبری پھر فتوٰی علامہ قاسم قطلوبغا پھر لسان الحکام میں ہے:

لاتدخل ولایۃ السلطان علی ولایۃ المتولی فی الوقف[2]۔	وقف میں متولی کی ولایت کے خلاف سلطان کی ولایت مؤثر نہ ہوگی۔(ت)

تیسری نظیر اموال قاصرین ہیں کہ اولیائے اموال پھر اس کے ولی شرعی مقدم ہیں اور سلطان و قاضی ساتویں درجہ ہیں۔ قنیہ پھر اشباہ میں ہے:

لایملك القاضی التصرف فی مال الیتیم مع وجود وصیہ ولو کان منصوبہ[3]۔	وصی کی موجودگی میں یتیم کے مال میں قاضی تصرف کا مالک نہیں ہے اگرچہ یہ وصی اس نے ہی مقرر کیا ہو۔(ت)

درمختار میں ہے:

ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم جدہ الصحیح ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم الوالی ثم القاضی عـــہ[4]	اس کا ولی باپ پھر وصی پھر وصی کا وصی پھر حقیقی دادا پھر اس کا وصی پھر اس کے وصی کا وصی، پھر والی پھر قاضی۔(ت)

عـــہ: کان علیہ ان یقول والقاضی بالواؤ لانہ والوالی فی مرتبۃ واحدۃ ایہما تصرف جاز ۱۲منہ غفرلہ۔	یوں کہنا لازم تھا، والقاضی، یعنی واؤ کے ساتھ، کیونکہ قاضی اور والی کا مرتبہ یہاں مساوی ہے دونوں میں سے جو بھی تصرف کرے جائز ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ فتاوٰی رشید الدین الفن الاول قاعدہ ۱۶ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۲

[2] لسان الحکام مع معین الحکام الفصل العاشر فی الوقف مصطفی البابی مصر ص ۲۹۶

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوصایا ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۲۵

[4] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

لہٰذا حدیث میں ارشاد ہوا:

السلطان ولی من لا ولی له[1]۔	سلطان اس شخص کا ولی ہوگا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔(ت)

شریعت مطہرہ نے جس حکم کو اس قدر محدود فرمایا ہو اسے اتنا وسیع کر دینا شریعت جدیدہ قائم کرنا ہوگا۔ ان دونوں مقدمات سے واضح ہوا کہ جو ولایت گورنمنٹ کی مقصود و مدعا ہے شرع مطہر اس کا انکار نہیں فرماتی اور جو ولایت شرع مطہر مسلمان پر مسلمان کے لئے خاص فرماتی ہے گورنمنٹ کو نہ اس سے بحث نہ اس کا دعوی، تو کیا نہ کہا جائے گا کہ اس کی مخالفت شرع اور گورنمنٹ دونوں پر تہمت، نسأل الله السلامة (ہم اللہ تعالٰی سے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ت)

مقدمہ پنجم: اوپر معلوم ہوا کہ مقصود کبھی وجود شیئ ہوتا ہے کبھی حدوث حکم شرعی، قاضی کے یہاں جو مقدمات دائر ہوتے ہیں دونوں قسم کے ہیں اکثر قسم اول کے ان کی تنفیذ بمعنی اول و منع موانع ثمرات حسیہ مقصود ہے، مثلاً:

(۱) زید نے عمرو کی جائداد دبالی۔

(۲) قرض لیا اور ادا نہیں کرتا۔

(۳) چیز بیچی اور قبضہ نہیں دیتا۔

(۴) مول لی اور قیمت نہیں دیتا۔

(۵) ترکہ میں حق ہے اور قابض نہیں ہونے دیتا۔

(۶) مورث نے وصیت کی تھی وارث نہیں مانتا۔

(۷) شوہر رخصت کرالایا اور نان نفقہ نہیں دیتا۔

(۸) طلاق بائن دے دی ہے اور نہیں چھوڑتا۔

(۹) چیز عاریت لی تھی اور واپس نہیں کرتا۔

(۱۰) وقف میں ناجائز تصرف کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان عام صورتوں میں کہ روزانہ جن کی حاجت پڑتی اور جن کے مقدمات دائر ہوتے رہتے ہیں حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے دفع ظلم صرف تنفیذ بمعنی اول مانگتی ہے کہ معانی شرعیہ تو خود موجود ہیں۔

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب النکاح باب الولی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۴، جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء لانکاح الابولی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۰

اوپر معلوم ہوا کہ اس تنفیذ کے لئے ولایت قسم دوم کی حاجت نہیں، نہ صرف وہ اس کے لئے کافی، بلکہ ولایت قسم اول کی حاجت، اور تنہا وہی یہاں دادرسی کے لئے بس ہے۔ دوسرے وہ جن میں مسلمانوں کے کسی کام میں معنی شرعی غیر موجود کا اپنی ولایت و نیابت حضرت رسالت علی افضل الصلٰوۃ والتحیۃ سے پیدا کرنا ہو مثلاً:

(۱) جمعہ وعیدین میں کسی کو امام بنانا۔

(۲) کسی کو خطیب جمعہ مقرر کرنا کہ ہر مسلمان صالح امامت نماز پنجگانہ، جمعہ وعیدین کی امامت نہیں کرسکتا نہ جمعہ کا خطبہ پڑھ سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے پڑھانے سے نماز صحیح ہو جب تک ماذون من جہۃ السلطان نہ ہو جہاں اذن سلطان ناممکن ہو بضرورت نصب عامہ مسلمین معتبر ہے **کما نص علیہ فی تنویر الابصار والدر المختار وعامۃ الاسفار** (جیسا کہ اس پر تنویر الابصار، درمختار اور عام کتب میں تصریح ہے۔ت) تو لیاقت خطبہ وامامت مذکورہ ایک معنی شرعی دینی ہے اور پیش از اذن سلطان مثلاً زید کو حاصل نہیں، اذن دیتے ہی ثابت و محقق ہوجائے گی اس کے لئے قطعاً ولایت قسم دوم درکار۔

(۳) زن و شو لعان کریں۔

(۴) عنین بعد مرافعہ وتاجیل یکسال وانقضائے اجل وطلب زن طلاق نہ دے تو دونوں صورتوں میں بہ نیابت ولی مطلق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان میں تفریق کرنا یعنی خود منکوحہ غیر کو طلاق بائن دے دینا اور شوہر مانے یا نہ مانے نکاح ثابت کا اس کے قول سے قطع ہوکر شرعاً زوج کا زوجہ زوجہ کا زوج پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجانا ایسا کہ اگر اس کے بعد قربت کریں تو نہ فقط دنیا میں بلکہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی حرام کار ٹھہریں جب تک از سرنو نکاح نہ کریں، اور صورت لعان میں تو نکاح بھی نہیں کرسکتے جب تک مرد وزن دونوں اہلیت لعان پر باقی رہیں اور شوہر خود اپنی تکذیب نہ کرے۔ درمختار میں ہے:

فان التعنا بانت بتفریق الحاکم فیتوارثان قبل تفریقہ[1]۔	اگر دونوں نے لعان کرلیا تو حاکم کی تفریق سے بائنہ ہوجائیگی اور قاضی کی تفریق سے قبل مرد و عورت ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

تکون الفرقۃ تطلیقۃ بائنۃ عندھما وقال ابویوسف ھو تحریم	طرفین کے نزدیک قاضی کی تفریق طلاق بائن ہوگی جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ

[1] درمختار کتاب الطلاق باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۲

مؤبد[1]۔	ابدی تحریم ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

سیأتی فی بابه انها حرمة مؤبد ماداما اھلا للعان فاذاخرجا عن اھلیة اللعان اواحد ھما له ان ینکحھا وکذالو اکذب نفسه حد وله ان ینکحھا[2]۔	عنقریب متعلقہ باب میں آئے گا کہ یہ ابدی حرمت ہے جب تک مرد عورت لعان کے اہل ہیں اور جب دونوں یا ایک کی اہلیت لعان نہ رہے تو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں، اور یونہی اگر مرد نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا حد لگائی جائیگی اور اس کو جائز ہوگا کہ وہ عورت سے دوبارہ نکاح کرلے۔(ت)

درمختار باب العنین میں ہے:

بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقھا بطلبھا[3]۔	قاضی کی تفریق سے عورت بائنہ ہوجائے گی اگر مرد طلاق دینے سے انکار کرے یہ تفریق بیوی کے مطالبہ پر ہوگی۔ (ت)

(۵) قاصرہ نے بفور بلوغ اپنے نفس کو اختیار کیا نکاح سے نہ نکلی، شوہر کو اب بھی اس سے وطی حلال ہے، ایک مرجائے گا دوسرا ترکہ پائیگا مگر بعد مرافعہ و تفریق قاضی عنداللہ حرام ہوجائے گی اور بے تجدید نکاح حلف نہ رہے گی اب ایک مرے گا دوسرے کو ترکہ نہ ملے گا، مبسوط پھر عالمگیریہ میں ہے:

یحل للزوج ان یطأھا مالم یفرق القاضی بینھما[4]۔	قاضی جب تک دونوں میں تفریق نہ کرے خاوند کو وطی کرنا حلال ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

یتوارثان فی ھذا النکاح قبل ثبوت فسخه[5]۔	اس نکاح کے فسخ ہونے سے قبل دونوں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب اللعان داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸۹

[2] الھدایہ

[3] درمختار کتاب الطلاق باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۳

[4] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المبسوط کتاب النکاح الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۸۶۔۲۸۵

[5] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۷

(۶) اپنے حکم سے اختلافی مسئلہ کو اتفاقی کردینا ائمہ مجتہدین کا اختلاف اٹھا کر متفق کرلینا مثلاً مرد و عورت دونوں شافعی المذہب ہیں مرد نے پیش از نکاح حلف کیا کہ تجھ سے نکاح کروں تو تجھ پر طلاق، پھر نکاح کرلیا، زوجین کے مذہب میں طلاق نہ ہوئی کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یمین مضافہ باطل ہے انہیں باہم قربت حلال ہے، بعدہ عورت نے دعوٰی کردیا، حاکم حنفی المذہب نے صحت یمین و وقوع طلاق و بینونت زن کا حکم کیا اب عنداللہ ان میں حرمت ثابت ہوگئی ایسی کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی یہی فرمائیں گے کہ دونوں اجنبیہ و اجنبیہ ہیں بے نکاح جدید اسے ہاتھ لگانا ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہے، اور اگر زوجین حنفی ہوں نکاح ہوتے ہی عورت پر طلاق بائن ہوگئی **لوقوعۃ قبل الخلوۃ** (کیونکہ یہ طلاق قبل از دخول ہے۔ت) ان دونوں کے مذہب میں حرمت ثابت ہوگئی کہ اضافت یمین ہمارے نزدیک صحیح ہے اب مثلاً عورت نے قاضی شافعی کے یہاں دعوٰی کردیا قاضی نے بطلان یمین و عدم طلاق کا حکم دیا اب عنداللہ ان میں حلت ثابت ہوگئی ایسی کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی یہی فرمائیں گے کہ یہ دونوں زوج و زوجہ ہیں یہاں تک کہ اس کے حکم سے پہلے جو وطی کرچکا تھا اب اس پر بھی حکم حلت ہوگیا۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

قال ان تزوجت فلانۃ فھی طالق ثلثا فتزوجھا فخاصمتہ الی قاض شافعی وادعت الطلاق فحکم بانھا امرأتہ وان الطلاق لیس بشیئ حل لہ ذٰلک، و لو وطئھا الزوج بعد النکاح قبل الفسخ ثم فسخ یکون الوطی حلالا اذا فسخ واذافسخ لایحتاج الی تجدید العقد[1]۔	اگر کسی نے کہا میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو تین طلاق ہیں، تو اب اس سے نکاح کیا تو عورت نے کسی شافعی قاضی کے ہاں طلاق کا دعوٰی کیا تو اس قاضی نے (اپنے مذہب پر) فیصلہ دیا کہ یہ اس کی بیوی ہے اور یہ طلاق کچھ نہیں تو ایسی صورت میں وہ عورت خاوند کے لئے حلال ہوگی اور اگر خاوند نے اس عورت سے فسخ سے قبل وطی کرلی تو حلال ہوگی اور جب یمین و تعلیق فسخ ہوگئی تو اب تجدید نکاح کی حاجت نہیں۔ (ت)

وجہ یہ کہ قضائے شرعی نے کہ حقیقۃً حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے سلطان و قاضی حضور کے نائب و حکم رساں ہیں اختلاف مجتہدین کو اٹھادیا اور ہر امام و مجتہد پر اس واقعہ میں اسی کو حکم الٰہی جاننا لازم ہوگیا۔

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب التعلیق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۴۹۶

(۷) قاصر و قاصرہ جن کے لئے کوئی ولی نہیں اپنی ولایت یعنی ولی "اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ"[1] (نبی مومنوں کی جانوں سے زیادہ تر ولی ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ت) کی نیابت سے ان میں نکاح کرکے تمام دینی احکام مثلاً قربت کی حلت کہ پہلے حرام تھی نفقہ کا وجوب کہ پہلے لازم نہ تھا وراثت کا اثبات کہ پہلے ثابت نہ تھی عنداللہ موجود و متحقق کردینا **و قد تقدم نقله** (اس کی نقل گزر چکی ہے۔ت)

(۸) زید نے اپنی ملک خاص بحالت صحت نفس و ثبات عقل وقف صحیح شرعی کی اور متولی شرعی مقرر کرکے اس کے قبضہ میں دے دی تمام مفتی بہ مذاہب پر وقف صحیح و لازم ہوگیا اور زید کا اس میں کوئی حق ملک نہ رہا اس کے بعد وارثوں نے دعوٰی کیا یا خود زید ہی نے درخواست فسخ دی اور حاکم نے اس کے فسخ کا حکم دیا بشرطیکہ وقف پر رجسٹری نہ ہوچکی تھی اور قاضی مذہب مفتی بہ پر قضا سے مقید نہ تھا جس طرح قضاء زمانہ مقید ہے بلکہ خود امام مجتہد تھا جواب صدہا سال سے کوئی نہیں یا سلطان نے اسے مذہب خاص امام اعظم پر قضاء کے لئے مقرر کیا تھا اگرچہ فتوٰی اس کے خلاف پر ہو یا اسے مذہب امام پر مطلقاً قضا یا خلاف میں جسے چاہے اختیار کی اجازت دی تھی جو اس زمانہ میں نہیں تو ان شرائط کے ساتھ ایسے قاضی کے حکم سے اس وقت بے رجسٹری کے زائل اور ملک زائل عنداللہ حاصل ہو جانا۔ درمختار میں ہے:

اطلق القاضی بیع الوقف غیر المسجل لوارث الواقف فباع صح، وکان حکما ببطلان الوقف لعدم تسجیله حتی لو باعه الواقف او بعضه اورجع عنه ووقفه لجهة اخری وحکم بالثانی قبل الحکم بلزوم الاول صح الثانی لوقوعه فی محل الاجتهاد کما حققه المصنف وافتی به تبعا لشیخه وقاری الهدایة والملا	اگر قاضی نے بے رجسٹری وقف کو اس کے وارث کے لئے فروخت کی اجازت دے دی اور فروخت کردیا تو یہ بیع صحیح ہوگی اور قاضی کا یہ حکم اس وقف بے رجسٹری کو باطل کرنا قرار پائے گا حتی کہ واقف نے خود اس کو یا اس کے بعض کو فروخت کردیا یا پہلے وقف سے رجوع کرکے کسی دوسرے عنوان سے دوبارہ وقف کردیا اور قاضی نے دوسرے عنوان کے وقف کو پہلے وقف سے قبل لازم کردیا تو دوسرے وقف کا حکم صحیح ہوگا کیونکہ قاضی کا یہ حکم محل اجتہاد میں واقع ہوا جیسا کہ مصنف نے

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۶

اس کی تحقیق فرمائی اور اس پر اپنے شیخ کی اتباع اور قاری الہدایہ اور ملا مسکین کی اتباع میں فتوٰی دیا، لیکن نہر میں اس کو انہوں نے مجتہد قاضی کی رائے پر محمول کیا اھ۔ میں نے اس پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے، **میں کہتا ہوں** کہ کسی بااختیار قاضی کا مقرر کردہ مقلد قاضی کہ وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر مطلقاً فیصلہ دے اور وہ قاضی جس کو مطلقاً اجازت ہے کہ خلافیات میں اپنی صوابدید پر فیصلہ دے، ان کا فیصلہ بھی ایسا ہی نافذ ہوگا، یہ بالکل ظاہر ہے کہ کیونکہ قاضی کے معزول ہونے والا ضعیف قول بھی یہاں نہیں ہے جو مانع بنے۔ (ت)	ابی السعود لکن حملہ فی النہر علی القاضی المجتہد اھ[1] وکتبت علیہ مانصہ **اقول:** وکذٰلک القاضی المقلد المقلَّد لیقضی بمذہب ابی حنیفۃ مطلقًا وکذا الماذون لہ ان یقضی بہ مطلقًا او بماشاء فی الخلافیات وھذا ظاہر جدا لانعدام المانع وھو کونہ معزولا بالنسبۃ الی القول الضعیف[2]۔

ردالمحتار میں ہے:

اگر حنفی قاضی نے اس وقت کی بیع کی صحت کا حکم دیا تو اس کا حکم باطل ہوگا کیونکہ اس کے حکم کی صحت صرف صحیح مفتی بہ قول پر ہوگی، تو یہ قاضی ایک ضعیف قول کی بناء پر معزول قرار پائے گا اور جو قاری الہدایہ نے وقف کے حکم نامہ سے قبل بیع کے حکم کی صحت پر فتوی دیا ہے تو وہ اس بات پر محمول ہے کہ وہ قاضی مجتہد ہو۔ (ت)	لو قضی الحنفی بصحۃ بیعہ فحکمہ باطل لانہ لایصح الا بالصحیح المفتی بہ فھو معزول بالنسبۃ الی القول الضعیف وماافتی بہ قاری الھدایۃ من صحۃ الحکم ببیعہ قبل الحکم بوقفہ فمحمول علی ان القاضی مجتھد[3]۔

حلبی علی الدر پھر ابن عابدین میں ہے:

مجتہد قاضی کی طرح ہے وہ قاضی جس کو اپنی رائے میں کوشاں کے طور پر مقرر کیا گیا ہے اھ اقول:	ومثل القاضی المجتھد من قلد مجتھدا ایراہ[4] اھ **اقول:**

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۵

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۴

[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۴

(میں کہتا ہوں) یعنی جب وہ مذہب حنفی میں مفتی بہ قول پر قضاء کا پابند نہ بنایا گیا ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ کے قاضی۔اور یہ ظاہر بات ہے ورنہ ضرر والی چیز کی طرف رجوع کرنا لازم آئے گا، کیونکہ مرجوح قول پر قضاء صحیح نہ ہو تو دوسرے مذہب کی تقلید کیسے صحیح ہوگی، لہٰذا حاصل وہی ہے جو میں نے لکھا ہے،اور توفیق صرف اللہ تعالٰی سے ہے۔(ت)	ای اذالم یکن مقیدا بالقضاء بالمفتی بہ فی المذہب الحنفی کقضاۃ زماننا وھوظاہر والا کان رجوعا الی ماوقع الضرار منہ فانہ اذا لم یصح القضاء بالمرجوح کیف یصح بتقلید مذہب اٰخر فرجع حاصلہ الی ما کتبت وباللہ التوفیق۔

(۹) بعض حجر تو خود بحکم شرع ثابت ہیں جیسے مجنون اور ناسمجھ بچے کا ہر تصرف قولی، اور معتوہ وصبی عاقل کا دائر بین النفع والضرر سے محجور ہونا کہ وہ اس کی اہلیت ہی نہیں رکھتے اور بعض وہ ہیں کہ بحکم حاکم ثابت ہوتے ہیں جیسے صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک مدیون کو بوجہ دین، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول صحیح مفتی بہ پر سفیہ کو بوجہ سفہ ممنوع التصرف کردینا، یہ حجر بحکم حاکم بھی تنفیذ کی طرح دو[۲] قسم ہے:

اول: حسی کہ ایک آدمی ایک فعل سے حکماً باز رکھا جائے بغیر اس کے کہ کوئی معنی جدید شرعی حادث ہو۔

دوم: شرعی کہ اس کے سبب تصرف کا حکم شرعی مسدود ہوجائے، انسان کی اہلیت کہ عطائے رب العزت ہے باطل وبے اثر ہو کر بہائم سے ملحق ہوجائے۔اور نتیجہ ولایت قسم اول کا ہے اور دوم علی الاختلاف ولایت قسم دوم کا۔اس دوم کی ولایت شرعیہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو اصلاً سلطان اسلام کو بھی نہیں۔ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی کہ فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ حر عاقل بالغ بیوقوف کو محجور (یعنی تصرفات سے روکنا) جائز نہیں ہے اور اس کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے اگرچہ وہ فضول خرچی اور فاسد کرتے ہوئے مال کو تلف کردے اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا ایسے بیوقوف کو محجور قرار دینا اور مال تصرف کرنے سے روکنا جائز ہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کی ولایت کو ختم کرنا، اس کی آدمیت کو	قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لایحجر علی الحر العاقل البالغ السفیہ وتصرفہ فی مالہ جائز وان کان مبذرا مفسدا یتلف مالہ وقال ابویوسف و محمد رحمہما اللہ تعالٰی یحجر علی السفیہ ویمنع من التصرف فی مالہ،لابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان فی سلب ولایتہ اھدار

آدمیته والحاقة بالبهائم وهو اشد ضررا من التبذیر فلا یتحمل الاعلی لدفع الادنی[1] اھ مختصرا وقدم قول الامام واخر دلیله واجاب عن دلیلهما وکذلك فعل فی الحجر بسبب الدین۔	معطل کرنا اور حیوانوں سے لاحق کرنا ہے اور یہ چیز اس کے لئے مال کی فضول خرچی سے زیادہ مضر ہے لہٰذا اس کے ادنی ضرر کو ختم کرنے کے لئے بڑے ضرر کو نہ اپنایا جائے گا اھ مختصراً، انہوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو مقدم ذکر کیا اور ان کی دلیل کو آخر میں لاکر صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کی دلیل کا جواب دیا ور مصنف نے دین کے سبب مجبوری کے عمل میں بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا۔(ت)

اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے طور پر بھی بہت مواقع میں سلطان اسلام کا حجر بھی صرف حسی ہوتا ہے نہ کہ شرعی، مثلاً مفتی ماجن وطبیب جاہل ومکاری مفلس پر حجر کہ بحکم سلطان بھی صرف صورۃً ہوگا شرعاً ان کے تصرفات صحیحہ باطل نہ ہوجائیں گے۔ درمختار میں ہے:

لایحجر علی حر مکلف بسفه وفسق ودین وغفلة بل یمنع مفتٍ ماجن یعلم الحیل الباطلة کتعلیم الردة لتبین من زوجها او تسقط عنها الزکاة وطبیب جاهل ومکار مفلس[2]۔	حر مکلّف کو بیوقوفی، فسق، دین اور غفلت کی وجہ سے مجور نہ کیا جائے گا بلکہ ماجن مفتی جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاتا ہو مثلاً بیوی کو خاوند سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے مرتد ہونے اور اس سے زکوۃ ساقط کی تعلیم دینا، نیز جاہل طبیب اور مکار مفلس کو روک دیا جائیگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله بل یمنع اشار به الی انه لیس المراد به حقیقة الحجر وهو المنع الشرعی الذی یمنع نفوذ التصرف لان المفتی لوافتی بعد الحجر واصاب جاز	ماتن کا قول "بلکہ منع کیا جائے" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ممانعت حقیقی پابندی نہیں بلکہ اس سے مراد شرعی ممانعت ہے جو تصرف کے نفاذ کو روکتی ہے کیونکہ اگر وہ مفتی حجر والی کارروائی کے بعد فتوٰی درست دے تو جائز ہے

[1] الہدایہ کتاب الحجر باب الحجر للفساد مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ۵۲۔۳۵۱

[2] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۸

وکذا الطبیب لو باع الادویۃ نفذ فدل ان المراد المنع الحسی کما فی الدرر عن البدائع[1]۔	اور یونہی وہ طبیب اگر دوا فروخت کرے تو یہ کارروائی نافذ ہوگی تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ منع محض حسی کارروائی ہے جیسا کہ درر میں بدائع سے نقل کیا گیا ہے (ت)

اسی قبیل سے ہے سلطان کا ایام گرانی میں، یا فوج کے لئے اشیاء کا بھاؤ کاٹ دینا کہ اگر بائع برضائے مشتری زیادہ کو پہنچے شرعاً جائز و نافذ رہے گا آخرت میں مستحق عذاب نہ ہوگا اگرچہ دنیا میں سلطان اسے سزا دے اور اگر اس سلطانی مقرر کردہ بھاؤ پر محض بخوف سلطان بیچے تو وہ شے مشتری کیلئے عنداللہ حلال نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے:

لایسعر حاکم لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تسعروا فان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرازق الا اذا تعدی الارباب عن القیمۃ تعدیا فاحشا فیعسر بمشورۃ اھل الرأی، وفی الاختیار ثم اذا سعر و خاف البائع ضرب الامام لو نقص لایحل للمشتری[2] اھ ای اذا باع للخوف کما عبر للقھستانی فسقط نظر الشامی وتحقیقہ فی جدالممتار۔	حاکم بھاؤ مقرر نہ کرے کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا فرمان ہے بھاؤ مقرر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالٰی ہی بھاؤ بنانے والا ہے وہی تنگی، وہی وسعت وہی رزق دینے والا ہے مگر جب تجار قیمت میں فحش گرانی کریں تو پھر حاکم اہل الرائے سے مشورہ کے بعد بھاؤ مقرر کرے تو جائز ہے، اور اختیار میں ہے پھر جب حاکم بھاؤ مقرر کردے اور بائع کو حاکم کی سزا کا خوف ہو اگر اس نے مال کم بھاؤ پر دیا تو مشتری کو اس بھاؤ خرید نا جائز نہیں اھ یعنی جب بائع محض خوف کی وجہ سے (بغیر رضا) فروخت کرے تو مشتری کو جائز نہیں جیسا کہ قہستانی نے یہ تعبیر کی ہے، تو اب علامہ شامی کا اعتبار ساقط ہوگیا اور اس کی تحقیق جدالممتار میں ہے (ت)

(۱۰) بے اذن و رضائے مدیون اس کی جائداد زرڈگری میں نیلام کردینا ضرور حسا بحکم سلطنت موجود ہوجائے گا، کلام اس میں ہے کہ شرعاً بھی وہ بیع صحیح و نافذ اور شیئ مبیع مشتری کے لئے عنداللہ حلال ہوجائے گی اس پر خواہ اس کے ورثہ پر کہ اس کے بعد اسے اپنی ملک صحیح شرعی جانیں آخرت میں کچھ مواخذہ نہ ہوگا یہ مختلف فیہ ہے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تو اسے سلطان اسلام کیلئے بھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۹۳

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۹۔۲۴۸

جائز نہیں مانتے، ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی اور اس پر دلیل قاطع ارشاد کی فرماتے ہیں:

قال ابو حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه لاحجر فی الدین لان فی الحجر اھدار اھلیته فلا یجوز لدفع ضرر خاص فان کان له مال لم یتصرف فیه الحاکم لانه تجارۃ لاعن تراض فیکون باطلا بالنص، وقالا اذا طلب غرماء المفلس، حجر القاضی علیه وباع ماله ان امتنع من بیعه. قلنا المستحق قضاء الدین والبیع لیس بطریق متعین لذٰلك کیف وان صح البیع کان الحبس اضرارا بھما بتاخیر حق الدائن وتعذیب المدیون فلایکون مشروعا[1] اھ مختصرًا۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں دین میں کسی کو مجبور نہ کروں گا کیونکہ حجر میں آدمی کی اہلیت معطل ہوتی ہے لہٰذا کسی ضرر خاص کو ختم کرنے کے لئے اہلیت کو ختم کرنا جائز نہیں ہے، اگر ایسے شخص کا مال ہو تو حاکم اس میں تصرف نہ کرے کیونکہ یہ اس کی رضا کے بغیر تجارت قرار پائیگی جو ناجائز اور بذریعہ نص باطل ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ اگر مطالبہ والے حضرات قاضی سے مطالبہ کریں کہ اس پر حجر (مالی تصرف میں پابندی) لگادے اور اس کے مال کو جبراً فروخت کردے تو قاضی ایسا کرے، ہم امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کی طرف سے کہتے ہیں مطالبہ والوں کا حق صرف دین کی ادائیگی ہے اور مطلوب کے مال کو فروخت کرنا یہ واحد طریقہ نہیں ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اگر اس کے مال کی فروخت جائز ہو تو اس کو قید کرنا دوہرا ضرر ہوگا، ایک حق والوں کے حق میں تاخیر اور دوسرا مدیون کو سزادینا، تو یہ ناجائز ہے اھ مختصراً (ت)

عنایہ میں ہے:

لکنه (ای الحبس) مشروع بالاجماع فلم یصح البیع[2]۔	لیکن وہ یعنی قید کرنا بالاجماع مشروع ہے تو مال کا فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔ (ت)

صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے مفتی بہ قول پر کہ بشرائط اجازت ہے صریح احداث حکم جدید شرعی و تبدیل توقف بنفاذ و حرمت بحلت کی حاجت ہے۔ یہ دس مثالیں مقدمات قسم دوم کی ہیں ان میں تنفیذ بمعنی دوم درکار ہے اور نیا حکم شرعی کہ اب تک حاصل نہ تھا حاصل کرنے کی ضرورت ہے تو اس کے

[1] الہدایہ کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۵۶-۳۵۷

[2] العنایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۲۰۷

عنداللہ صحیح و مقبول اور آخرت میں بکار آمد ہونے کے لئے ولایت قسم اول کافی نہیں بلکہ قطعًا ولایت قسم دوم کی حاجت ہے اور وہ بھی باختلاف صور مختلف کہ ہر امر محتاج ولایت شرعیہ میں ہر ولی شرعی حتی کہ سلطان اسلام کے احکام سے بھی حکم موجود شرعی نہیں بدلتا، نہ حکم جدید شرعی حادث ہو جس کے نظائر بیان ہوئے، تو قسم دوم میں مطلقًا والیان ملک مراد لینا درکنار مطلقًا والیان شرع بھی مراد نہیں بلکہ خصوصی مواضع میں شرع مطہر سے ثابت ہونا درکنار کہ شرع نے اس امر میں فلاں کو حکم جدید شرعی پیدا کرنے کا اختیار بخشا ہے بغیر اس کے شریعت پر اجترا، اور وہ پہلے تو سیع قطعًا شرع مطہر پر افترا ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

تنبیہ: ان تمام تقریرات و مسائل سے روشن ہوگیا کہ کسی امر میں کسی کے لئے ولایت شرعیہ ہونا ہم مسلمانوں کا ایک دینی مذہبی مسئلہ ہے جو خاص لحاظ سے شرع پر مبنی ہے، کہیں ہر فقیر مفلس کے لئے ہے اور کہیں سلاطین اسلام کو بھی نہیں، تو اس کے انکار کو انکار سلطنت سے کوئی علاقہ نہیں، آخر نہ دیکھا کہ صدہا جگہ حکم شریعت نے خود سلطان اسلام بلکہ خلیفۃ المسلمین کے لئے بھی ولایت شرعیہ نہ مانی اس سے ان کے سلطان و بادشاہ و حاکم وقت و والی ملک ہونے کا انکار نہ ہوا کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) **وباللہ التوفیق۔**

مقدمہ ششم: جس طرح بعض حجر محتاج حکم حاکم ہیں، پھر حکم سے کبھی حجر حسی حاصل ہوتا ہے کبھی شرعی جس کا بیان گزرا، یوں ہی تقلید قضا کہ فک حجر ہے دست نگر حکم والی ہے اور اس میں تقسیم حسی و شرعی یا دنیوی و دینی ہے قضائے دنیوی کے لئے تو صرف منجانب والی تقرر بس ہے اگرچہ نہ وہ والی مسلم ہو نہ یہ مولی، کہ جس ملک میں جس مذہب و ملت کے احکام جسے حاکم مقرر کریں گے ضرور وہ حکم پر قادر اور اس کا حکم وہاں نافذ، اور وہاں کی رعایا پر بحکم والیان ملک، لازم القبول ہوگا، یہ وہی ولایت قسم اول ہے اور تمام مقدمات قسم اول کے لئے کافی و وافی ہے لیکن قضائے دینی شرعی کہ ولایت قسم دوم ہے اور مقدمات قسم دوم یعنی مسلمان کے حق میں احداث حکم جدید شرعی نافع آخرت کیلئے درکار ہے اس کے لئے جس طرح مولٰی یا مقلد بالفتح یعنی اس قاضی کا مسلم ہونا شرع مطہر نے لازم مانا جس کا روشن ثبوت گزرا، یونہی مولی یا مقلد بالکسر یعنی وہ والی شہر حاکم ذی اختیار صاحب فوج و خزانہ جس کے حکم کی طرف اس کا نصب و عزل منتہی ہو اس کا اسلام بھی لازم ہے کہ قضاء ولایت مستقلہ نہیں بلکہ ولایت مقلد سے مستفاد، اور عدم مفید وجود نہیں ہوسکتا۔ فتح القدیر میں ہے:

اذالم یکن سلطان ولامن یجوز التقلد منہ کما فی بعض بلاد	جب کوئی سلطان نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسا حاکم جس کی طرف سے قاضی کی تقرری ہوسکے جیسا کہ

المسلمین غلب علیھم الکفار، یجب علیھم ان یتفقوا علی واحد منھم یجعلو نه والیا، فیولی قاضیا و یکون ھوالذی یقضی بینھم و کذا ینصبو الھم اماما یصلی بھم الجمعة[1]۔	مسلمانوں کے وہ علاقے جہاں کفار نے غلبہ پایا ہے تو وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے کسی ایک پر اتفاق کرکے اس کو والی قرار دیں تو وہ کسی کو قاضی مقرر کردے اور وہ لوگوں میں فیصلے کرے اور یونہی وہ مسلمان کسی کو جمعہ کا امام مقرر کریں جو جمعہ کی نماز پڑھائے۔(ت)

جامع الفصولین میں ہے:

کل مصر فیه وال مسلم من جھة الکفار تجوز فیه اقامة الجمع والاعیاد واخذالخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیھم، واما فی بلاد علیھا ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع و الاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیھم طلب وال مسلم[2]۔	ہر ایسا شہر جس میں کفار کی طرف سے کوئی مسلمان والی مقرر ہو اس شہر میں جمعہ و عیدین کا قیام خراج وصول کرنا، قاضی کی تقرری اور یتیم بچیوں کا نکاح جائز ہوگا کیونکہ اس طرح مسلمانوں کا ان پر غلبہ ثابت ہے اور لیکن وہ علاقے جہاں کفار ہی والی ہوں وہاں مسلمانوں کی رضامندی سے مقرر شدہ قاضی ہی بااختیار قاضی ہوگا تو وہاں مسلمانوں کو جمعہ و عیدین کا قیام جائز ہوگا اور مسلم والی کے لئے جدوجہد ان پر واجب ہوگی۔(ت)

درمختار میں ہے:

لو فقد وال لغلبة کفار وجب علی المسلمین تعیین وال وامام للجمعة، فتح[3]۔	اگر غلبہ کفار کی بنا پر مسلمان والی مفقود ہو تو مسلمانوں پر اپنے طور کسی قاضی اور جمعہ و عیدین کے امام کا تقرر واجب ہوگا، فتح (ت)

بعینہٖ اسی طرح معراج الدرایہ وتاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا میں ہے کہ ان کی عبارات

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۵

[2] جامع الفصولین الفصل الاول اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

[3] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳

بعونہ تعالٰی عنقریب آتی ہیں، نہرالفائق میں عبارت فتح القدیر نقل کرکے فرمایا:

ھذا ھو الذی تطمئن النفس الیہ فالیعتمد[1]۔	یہی وجہ ہے جس پر نفس مطمئن ہوتا ہے تو اس پر اعتماد چاہئے۔ (ت)

ابن عابدین نے اسے نقل کرکے فرمایا:

الاشارۃ بقولہ ھذا الی ماافادہ کلام الفتح من عدم صحۃ تقلد القضاء من کافر[2]۔	اس کے قول "ھذا" سے فتح کے کلام سے جو فائدہ حاصل ہوا کہ کافر کی طرف سے قاضی کی تقرری صحیح نہیں ہے، کی طرف اشارہ ہے (ت)

اور یہ خود نص محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الاصل میں ہے **کماسیأتی ان شاء اللہ تعالٰی** (جیسا کہ ان شاء اللہ تعالٰی آگے آئے گا۔ت) یہ تمام نصوص صریحہ واضحہ قاطعہ ہیں کہ قضائے شرعی بمعنی مذکور کے لئے مولی و مولٰی دونوں کا اسلام ضرور ہے۔ **اقول: وباللہ التوفیق** (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ہاں اس کے لیے بادشاہ ملک کا مسلمان ہونا ضرور نہیں جیسے بادشاہ نامسلم کے زیر حکم کوئی اسلامی ریاست کا والی جس کی مسند نشینی بحکم و منظوری بادشاہ نامسلم ہوتی ہو کسی مسلمان کو اپنی رعایا پر عہدہ قضادے قاضی شرعی ہو جائے گا اگرچہ بالواسطہ اس کی قضا بادشاہ نامسلم کی طرف مستند ہوئی کہ اسے والی شہر نواب مسلمان نے مقرر کیا اور وہ نواب بادشاہ نامسلم کا مقرر کیا ہوا ہے اور مقلد مقلد مقلد ہے بلکہ وہ نواب مسلمان والی شہر صاحب فوج و خزانہ خود ایک اعلٰی درجہ کا قاضی ہے۔ درمختار میں ہے:

ثم الوالی بالطریق الاولٰی[3]۔	پھر والی بطریق اولٰی۔ (ت)

شامی میں ہے:

ای ثبوت الولایۃ للوالی اولی لان القاضی یستمدھا منہ[4]۔	یعنی والی کے لئے ثبوت ولایت بطریق اولٰی ہوگی کیونکہ قاضی اس سے تقرر پاتا ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[3] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[4] ردالمحتار کتاب الماذون داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۱

اور پر ظاہر کہ اس کا تقرر بلا واسطہ بمنظوری بادشاہ نامسلم ہوا تو نظر بہ استفادہ وسبب وقضاتقلد قضامن سلطان غیر مسلم کہہ سکتے ہیں، اگرچہ یہاں حقیقت امر یہ ہے کہ ولایت نواب والی ملک اپنی ولایت عرفیہ یعنی غلبہ واستیلا سے مستفاد ہے کہ شرع مطہر نے والی مسلم کے لئے صرف اسے بھی سبب حصول ولایت معتبرہ عندالشرع مانا ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خاں پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

السلطان یصیر سلطانا بامرین بالمبایعۃ معہ من الاشراف والاعیان وبان ینفذ حکمہ علی رعیتہ خوفا من قھرہ فان بویع ولم ینفذ فیھم حکمہ لعجزہ عن قھرھم لایصیر سلطانا.فاذاصار سلطانا بالمبایعۃ فجار ان کان لہ قھر وغلبۃ لاینعزل۔[1]	سلطان کی تقرری دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے ایک اشراف اور اعیان حکومت کی بیعت، اور دوسرا رعیت پر اس کے دبدبے کی بناپر اس کے حکم کا نافذ ہونا، تو اس کی بیعت ہوئی لیکن رعیت پر دبدبہ قائم نہ ہونے کی وجہ سے اس کا حکم نافذ نہ ہوسکا تو سلطان نہ بن سکے گا تو جب سلطان بن گیا اور اپنے دبدبے اور غلبہ کی بناپر ظلم کیا تو معزول نہ قرار پائے گا۔ (ت)

فصول عمادیہ پھر ہندیہ میں ہے:

ذکر فی الفتاوی ایضا تجوز صلوٰۃ الجمعۃ خلف المتغلب الذی لامنشورلہ من الخلیفۃ اذاکانت سیرتہ فی رعیتہ سیرۃ الامراء یحکم فیمابین رعیتہ بحکم الولایۃ لان بھذا تثبت السلطنۃ فیتحقق الشرط[2]۔	فتاوٰی میں یہ بھی مذکور کہ ایسے سلطان کی اقتدا میں جمعہ جائز ہوگا جو خود غلبہ پاکر خلیفہ کی منظوری کے بغیر اقتدار پر فائز ہوگیا بشرطیکہ رعیت میں امراء کی سی سیرت قائم کرچکا ہو وہ اپنی ولایت کی بناپر رعیت میں حکم نافذ کرچکا ہو کیونکہ اس سے سلطنت قائم ہوگئی تو شرط متحقق ہوگئی۔ (ت)

خلاصہ پھر بحر الرائق پھر طحطاوی پھر ابن عابدین میں ہے:

المتغلب الذی لاعھدلہ ای لامنشور لہ ان کان سیرتہ فیمابین الرعیۃ	خلیفہ کی منظوری کے بغیر غلبہ پانے والے نے رعیت میں امراء کی سی سیرت قائم کرلی اور اپنی

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۷

سیرۃ الامراء ویحکم بینھم بحکم الولاۃ تجوز الجمعۃ بحضرتہ[1]۔	ولایت کی بناء پر حکم تسلیم کرواچکا ہو اس کی موجودگی میں جمعہ قائم ہوسکے گا۔(ت)

غایت یہ کہ اس کی ولایت عرفیہ طریقہ شرعیہ سے مستفاد یعنی بحکم امیر المومنین نہیں تو یہ ایک نواب کیا آج صدہا سال سے تمام روئے زمین کے سلاطین اسلام ایسے ہی ہیں، اپنے استیلاہی کے باعث سلطان اسلام ہیں وہ اسے بھی حاصل اور منظوری بادشاہ اس کی معین ہے نہ کہ مخل، رہا بوجہ منظوری سبب، اس کی قضاء کو تقلید بادشاہ غیر مسلم کی طرف منسوب کرسکتے ہیں یہی دونوں صورتیں عبارت مسکین:

یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل او الجائر سواء کان کافرا او مسلما کذافی الاصل[2]۔	قضاء کی تقرری سلطان عادل خواہ ظالم سے ہوگی اس کا مسلمان ہونا اور کافر ہونا برابر ہے اصل (مبسوط) میں یونہی ہے(ت)

اور عبارت ہندیہ:

ذکر فی الملتقط والاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی یقلد کذافی التاتارخانیۃ[3]۔	ملتقط میں ذکر کیا کہ سلطان میں اسلام شرط نہیں ہے یعنی جو سلطان قاضی کی تقرری کرے۔ تاتارخانیہ میں یونہی ہے۔(ت)

میں مراد ہیں اور اس پر دلیل قاطع یہ کہ مسکین نے اسے اصل سے نقل کیا، اصل مبسوط امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام ہے، مبسوط کی عبارت یہ ہے جو ردالمحتار کتاب الصلوۃ میں بحوالہ معراج الدرایہ منقول:

البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لابلاد الحرب لانھم لم یظھروا فیھا حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونھم عن ضرورۃ او بدونھا وکل مصر فیہ وال	وہ بلاد جو کفار کے قبضے میں آئے ہیں وہ بلاد اسلام ہیں بلاد کفر نہیں ہیں کیونکہ کافر وہاں کفر کے احکام کو مسلط نہیں کرپائے بلکہ وہاں قاضی اور والی حضرات مسلمان ہیں وہ ایک ضرورت کے تحت یا ضرورت کے بغیر کفار کے ماتحت ہیں، وہ شہر جس میں

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الجمعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸-۵۳۷
[2] شرح الکنز لملا مسکین علی ہامش فتح المعین کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۶
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۷

من جهتهم يجوزله اقامة الجمع والاعياد والحد و تقليدالقضاء لاستيلاء المسلم عليهم فلوالولاة كفارايجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضی قاضيابتراضی المسلمين ويجب عليهم ان يلتمسو او اليامسلما[1]۔	کفار کی طرف سے مقرر کردہ والی ہو تو جمعہ، عیدین اور حد کا قیام اور قاضیوں کا تقرر اسے جائز ہے کیونکہ مسلمانوں کا کفار پر غلبہ ہے، تو اگر والی کفار ہوں تو مسلمانوں کو جمعہ کا قیام جائز ہوگا اور مسلمان کی رضامندی سے قاضی ہو تو وہ باختیار قاضی ہوگا اور مسلمانوں پر مسلمان والی کے لئے کوشش لازم ہے۔ (ت)

اور ہندیہ نے اسے تاتارخانیہ سے نقل کیا، تاتارخانیہ کی پوری عبارت یہ ہے جو ردالمحتار کتاب القضاء میں منقول ہے:

الاسلام ليس بشرط فيه ای فی السلطان الذی يقلد وبلاد الاسلام التی فی ايدی الكفرة لاشك انها بلاد الاسلام لابلاد الحرب لانهم لم يظهروافيها حكم الكفر ،والقضاة مسلمون والملوك الذين يطيعونهم عن ضرورة مسلمون ولو كانت عن غير ضرورة منهم ففساق وكل مصرفيه وال من جهتهم تجوز فيه اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج وتقليد القضاةو تزويج الايامی لاستيلاء المسلم عليه،واما بلاد عليهاولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع و الاعيادويصير القاضی	اسلام اس میں شرط نہیں یعنی اس سلطان میں جو قاضی کی تقرری کرتا ہے اور جو مسلمانوں کے علاقے کفار کے قبضے میں ہیں بیشک وہ بلاد اسلام ہیں نہ کہ بلاد حرب، کیونکہ کفار وہاں احکام کفر غالب نہیں کر پائے جبکہ وہاں قاضی مسلمان ہیں اور وہاں کے ملوک اگر کفار کے ماتحت ضرورت کی وجہ سے ہیں تو وہ مسلمان ہیں، اور اگر بغیر ضروت ماتحت بنے ہوئے ہیں تو وہ فاسق ہیں اور وہ تمام شہر جن میں کفار کی طرف سے مسلمان والی مقرر ہیں وہاں جمعہ وعیدین کا قیام اور خراج کی وصولی اور قاضیوں کا تقرر اور یتیم بچوں کا نکاح جائز ہے کیونکہ یہاں مسلمان کو ولایت حاصل ہے لیکن وہ بلاد جہاں کفار والی ہوں تو وہاں مسلمانوں کو جمعہ وعیدین کا قیام جائز ہے اور وہاں مسلمانوں کی

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۴۰۔۵۴۱

قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیھم ان یلتمسوا والیا مسلما منھم [1]۔	باہمی رضامندی سے مقرر شدہ قاضی باختیار قاضی ہوجائے گا تو مسلمانوں کو لازم ہوگا کہ وہ کوئی اپنا مسلمان والی بنانے کے لئے کوشاں رہیں۔(ت)

ان نفیس و جلیل عبارات نے صاف صاف ایسے شہروں کی تین قسمیں فرمائیں: ایک وہ ملک جس میں بادشاہ مسلمان ہے مگر نا مسلمان حکومت کے زیر اثر ہوگیا ہے جیسے آج کل بخارا شریف۔ اس کا بیان کتاب الاصل میں "اوبدونھا" اور تاتارخانیہ میں "ففساق" تک ہے۔ دوسرے وہ کہ ریاست بااختیار صاحب فوج وخزانہ اسلامی ہے اور بادشاہ غیر مسلم، اس کا بیان دونوں عبارتوں میں "وکل مصر" سے "لاستیلا المسلم علیھم" تک ہے۔ تیسرے وہ کہ ان پر والی بھی مسلمان نہیں عام ازیں کہ بادشاہ نامسلم نے تنہا اپنا قبضہ رکھا ہو یا کوئی غیر اسلامی ریاست قبول کی ہو، جیسے رجواڑے۔ اس کا بیان دونوں عبارات کے بقیہ میں ہے جواز تقلید قضائے شرعی دو صورت پیشیں سے خاص فرمایا، اور سوم میں بعینہٖ وہی جو فتح القدیر و جامع الفصولین سے گزرا، ارشاد کیا کہ اب قضائے شرعی تراضی مسلمین پر رہے گی اب بھی اگر تقلد قضاء شرعی صحیح ہو تو اس تخصیص اور اس تفریق حکم کے کیا معنے تھے اور عبارت امام محقق علی الاطلاق نے تو اس مفاد صریح کو اور بھی اوضح واصرح فرمادیا کہ:

اذالم یکن من یجوز التقلید منه [2] الخ۔	جب کوئی ایسا نہ ہو جس کی طرف سے قاضی کی تقرری ہوسکے الخ۔(ت)

تو روشن ہوا کہ نامسلم سے تقلد قضاء شرعی انہیں دو صورت وساطت مولی مسلم میں ہے کہ پہلی صورت میں بادشاہ مسلم اور دوسری میں نواب مسلم ہے، صورت سوم میں یہ حکم ہرگز نہ رکھا اور صراحۃً اس کا عدم جواز ظاہر فرمادیا تو مسکین و ہندیہ کہ انہیں اصل وتاتارخانیہ کا حوالہ دے رہے ہیں قطعًا ان کی یہی مراد لازم ورنہ حوالہ باطل اور نقل خلاف اصل ہوجائے گی، ہاں ان دونوں کے اختصار شدید نے اثارت وہم کی جس کے سبب بحرالرائق نے قول مسکین نقل کرکے عبارت مذکورہ فتح القدیر و جامع الفصولین سے اس کا رد فرمایا:

فی فتح القدیر مایخالفه (واثر ما اسلفنا	فتح القدیر وہ ہے جو اسکے مخالف ہے (اور جو ہم نے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۵

ثم قال)ویؤیدہ مافی جامع الفصولین(ونقل ما قدمنا)[1]۔	پہلے بیان کیا اسکو نقل کیا پھر کہا جامع الفصولین کا بیان اس کی تائید کرتا ہے(اور ہمارے پہلے بیان کو نقل کیا)(ت)

یوں ہی در مختار نے قول مسکین ذکر کرکے کلام فتح سے اس کا تعقب کیا اور نہر الفائق نے کلام فتح نقل فرما کر اسی پر اعتماد لازم بتایا، یہ سب کچھ کلام مسکین میں حوالہ کتاب الاصل دیکھنے پر ہوا جو محرر المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کتب ظاہر الروایۃ سے ہے، اس درجہ قوت عظیمہ کے تخیل پر بھی ان اکابر محققین نے اس پر اعتماد نہ فرمایا مگر بحمد اللہ تعالٰی عبارت اصل یونہی ہندیہ کی منقول عنہا تاتارخانیہ کی اصل عبارت دیکھنے سے تمام سحاب شبہات واوہام کا پردہ چاک کرکے حق کا چاند چمکا دیا،

والحمدللہ رب العلمین ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ تحقیق یوں چاہئے اور اللہ تعالٰی زیادہ علم والا توفیق کا مالک ہے(ت)

مقدمہ ہفتم: ایک صورت ضرور پیش آتی ہے کہ والی بھی مسلمان نہ ہو اوپر واضح ہوا کہ عام احکام جن کی روزانہ حاجت پڑتی ہے ان میں تو صرف ولایت قسم اول درکار ہے ولایت شرعیہ پر توقف نہیں مگر مسلمانوں کو دینی ضرورتیں وہ بھی آتی ہیں جن کے لئے بغیر ولایت شرعیہ سلطان اسلام بھی کافی نہیں ان میں خاص خاص حاجتوں کے لئے فریقین راضی ہوں تو حکم مقرر کرسکتے ہیں مگر بعض جگہ حکم کافی نہیں یا ایک فریق تحکیم پر راضی نہیں، وہاں کیا کیجئے کہ دینی حکم کے لئے دنیوی طریقہ کافی نہیں، اس طریقہ پر ہو جو باجازت شرع احکام شرعیہ کا احداث کرسکے اور آخرت میں کام دے اس کے لئے تمام کتب مذکورہ اور خود محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ حکم دیا کہ مسلمان اپنی ایسی دینی حاجتوں کے لئے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضی شرع مقرر کرلیں اور ایک لفظ یہ فرمایا کہ کوئی مسلمان والی تلاش کریں کہ وہ قضائے شرعی کا افادہ کرے اس صورت دوم کا وجوب تو یہاں حسب نص قرآن عظیم ساقط ہے،

قال اللہ تعالٰی "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ"[2] وقال اللہ تعالٰی "لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالٰی سے ڈرو۔ اور فرمایا: اللہ تعالٰی

[1] بحر الرائق کتاب القضاۃ فصل یجوز التقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۴

[2] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ"[1]	صرف وسعت کے مطابق کسی کو تکلیف دیتا ہے۔(ت)

بلکہ وجوب در کنار، یہاں اس کا جواز بھی نہ ہونا چاہئے کہ اس میں اثارت فتنہ ہے اور فتنہ جائز نہیں اس میں اسلام و مسلمین کا ذلت پر پیش کرنا اور یہ روا نہیں، مگر صورت اولٰی یعنی ان دینی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضی مقرر کرلینا اور نصب امام وخطیب جمعہ وامام عیدین و تفریق لعان وعنین وتزویج قاصرین و قاصرات بلا ولی وفسخ نکاح بخیار بلوغ وامثال ذلک امور جن میں کوئی مزاحمت قانونی نہیں اس کے ذمہ رکھنا بلا شبہہ میسر ہے، گورنمنٹ نے کبھی اس سے ممانعت نہ کی جن قوموں نے اپنی جماعتیں مقرر کرلیں اور اپنے معاملات مالی ودیوانی قسم اول بھی باہم طے کرلیتے ہیں گورنمنٹ کو ان سے بھی کچھ تعرض نہیں اور ایسے مقدمات جو عاقل لوگ مصارف وداد وش سے بچنے کے لئے باہمی پنچایت سے فیصل کرلیتے ہیں گورنمنٹ ان کو کب مانع آتی ہے، مگر یہ کہئے کہ خود مسلمان کو اپنے دینی امور دینی طور پر ہونے منظور نہ ہوں تو گورنمنٹ کو اس سے کیا بحث۔ تم مسلمان ہو، دین تمہارا ہے، تم جانو تمہارا کام۔ پھر اگر ان خاص امور کے لئے شرعی قاضی بہ تراضی مقرر کئے ہوئے کا حکم نفاذ بمعنی اول ہوتا نہ دیکھئے تکمیل حکم شرع یوں کرلیجئے، اس کے بعد مقدمات قسم دوم بھی قسم اول کی طرف عائد ہو جائیں گے، تکمیل نفاذ حسی کے لئے گورنمنٹ نے لاکھوں روپے ماہوار کے صرف سے کچہریاں کھول رکھی ہیں تنفیذ وہاں سے ہو جائے گی، یوں دونوں مقصد دین ودنیا حاصل ہیں اور بفضلہٖ تعالٰی تمام حاجتیں روا اور ضرورتیں زائل ہیں وللہ الحمد، بلکہ مسلمان اگر اپنے دین کو دین سمجھیں اور امور شرعیہ بطریقہ شرعیہ انجام دینا چاہیں تو تلاش کی بھی حاجت نہیں ہر قطر وضلع میں جو عالم سنی صحیح العقیدہ متدین ہو حکم شرعی کی تکمیل اس کے یہاں کرلیں اور تنفیذ کے لئے گورنمنٹی محکمے کھلے ہوئے ہیں، فتاوٰی امام عتابی پھر حدیقہ ندیہ امام عبدالغنی نابلسی رحمہما اللہ تعالٰی میں اسی ولایت شرعیہ کی نسبت ہے:

اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور مؤکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ، فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر	جب زمانہ با کفایت سلطان سے خالی ہو تو معاملات علماء کے سپرد ہوتے ہیں اور امت پر ان کی طرف رجوع لازم ہوتا ہے اور علماء والی بن جاتے ہیں، تو جب لوگوں کو ایک عالم کی طرف رجوع دشوار ہو تو ہر علاقہ اپنے اپنے عالم کی طرف

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

باتباع علمائه فان كثروا فالمتبع اعلمهم [1]۔	رجوع میں مستقل ہوگا، تو اگر علماء علاقہ میں کثیر ہوں تو بڑا عالم قابل اتباع ہوگا۔ (ت)

بحمد اللہ تعالٰی ان مقدمات جلیلہ نے ان فتووں کے حرف حرف کا بطلان آفتاب سے زیادہ روشن کردیا جس کے بعد کسی ذی فہم کو کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہی پھر بھی زیادت ایضاح للقاصرین کے لئے ہر جگہ رد کا مردود سے تعلق بتادینا اور بعض افاضات تازہ کا اضافہ کرنا انسب واولٰی۔

فاقول: وبالله التوفیق (تو میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی سے توفیق ہے۔ت)

اول: کلام حاکم نامسلم کی ولایت شرعیہ میں تھا جسے بادشاہ نامسلم نے مقرر کیا سائل نے اسی سے سوال کیا تھا مجیب نے اسی سے جواب دیا اور ثبوت کی سرخی دے کر جو گیارہ عبارتیں گنائیں ان میں پہلی نو مقلد بالفتح اور اخیر کی دو مقلد بالکسر سے متعلق ہیں۔ان دو کا بیان شافی مقدمہ ششم میں گزرا کہ انہیں یہاں سے متعلق سمجھنا محض نادانی وبے فہمی ہے وہ صرف اس صورت سے متعلق ہیں کہ ریاست اسلامی کا والی مولی ہو اور بادشاہ نامسلم۔

دوم: بفرض باطل اگر یہ دو عام ہوتیں ہر گز تام نہ ہوتیں کہ کلام تو قاضی نامسلم میں ہے ان دو نے اگر بفرض غلط بادشاہ سے تقلد قضائے شرعی مسلم کے لئے مطلقاً جائز رکھا تو نامسلم کے لئے جواز کیونکر ہوگیا، کیا قاضی مسلم ونامسلم کا شرعاً ایک حکم ہے،

قال اللہ تعالٰی "اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ؕ مَا لَكُمْ ۫ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ۚ" [2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح کردیں، تمہیں کیا ہوا کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ (ت)

سوم: رہیں وہ نو، ان میں سے آٹھ میں نامسلم کا نام تک نہیں، پہلی تیسری، چوتھی، نویں میں جاہل کا ذکر ہے اور چھٹی آٹھویں میں فاسق اور دوسری، پانچویں میں جاہل وفاسق دونوں کا۔ کیا جاہل وفاسق مسلمان نہیں یا مسلم یا نامسلم شرعاً یکساں ہیں، جو حکم ان کے لئے شرع نے مانا ہو ان پر قیاس کرکے نامسلم کے لیے بھی ثابت ہوجائے گا، کیا ایسا تعدیہ شرع پر تعدی نہیں۔

"وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ" [3] (جو اللہ تعالٰی کی حدود سے تجاوز کرے۔ت) کا کیا حکم ہے۔

---

[1] الحدیقۃ الندیہ الخلق الخامس من الاخلاق الستین الخ المکتبۃ النوریۃ الرضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

[2] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

چہارم: طرفہ یہ کہ یہاں جاہل سے مراد ہر غیر مجتہد ہے کہ اسے مجتہد کے مقابل اطلاق کیا ہے خود عبارت ہدایہ منقولہ فتوٰی میں ہے:

الصحیح ان اھلیۃ الاجتھاد شرط الاولویۃ فاما تقلید الجاہل فصحیح عندنا[1]۔	صحیح یہ ہے کہ اجتہاد اولٰی ہونے کی شرط ہے تو لیکن جاہل کی تقرری (قضاء کے لئے) تو ہمارے نزدیک صحیح ہے۔(ت)

بایں معنی آج تمام دنیا کے عالم اور خود یہ مفتی اور ان کے اساتذہ اور اساتذہ اساتذہ صدہا سال سے سب جاہل ہیں کہ کوئی مجتہد نہیں اور ان کے طور پر ان کا اور مجوس و ہنود و نصارٰی و یہود سب کا ایک حکم ہے کیا یہ قابل تسلیم عقل سلیم ہے۔

پنجم: گیارہ"میں یہ دس تو محض بے علاقہ و بیگانہ تھیں مگر سب میں لطیف تر وہ ایک باقیماندہ عبارت ردالمحتار یعنی ساتویں ہے جو اول تا آخر سراسر مزعوم فتوٰی کا رد و ابطال ہے اور مفتی کو اس سے استناد کا خیال ہے مفید و نامفید میں فرق نہ کرنا ایسا دشوار نہ تھا جیسا خود کو مفید سمجھنے میں اشکال ہے، بحرالرائق میں تو یہ فرمایا کہ اگر سلطان اسلام کسی نامسلم کو اپنے حکم سے قاضی کردے جب بھی تاوقتیکہ وہ مسلمان نہ ہوجائے، مسلمان پر اس کی قضا صحیح نہیں کہ فرمایا:

لم یصح قضاؤہ علی المسلم حال کفرہ[2]۔	کافر کی قضاء حالت کفر میں مسلم پر صحیح نہیں ہے(ت)

اور اس سے استناد اس پر ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ نامسلم بھی نامسلم کو قاضی کردے اور وہ نامسلم ہی رہے جب بھی مسلمانوں پر اس کی قضاء قضائے شرعی ہے، صحت تقلید کے معنی یہ تھے کہ اگر بعد تقلید مسلمان ہوجائے گا تقلید جدید کی حاجت نہ ہوگی، نیز قبل اسلام غیر مسلمین پر اس کی قضاء صحیح ہوجائے گی نہ یہ کہ مسلمین پر قضائے شرعی ہو، اسی ردالمحتار کے اسی صفحہ میں ہے:

تنبیہ: ظھر من کلامھم حکم القاضی المنصوب فی بلاد الدروز فی	**تنبیہ:** فقہاء کے کلام سے شام کے علاقہ بلاد دروز میں مقرر قاضی کا حکم واضح ہوا کہ دروز

[1] الھدایۃ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۲

[2] بحرالرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۵۹، ردالمحتار بحوالہ البحر کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۸۔۹۹

القطر الشامی ویکون درزیا ویکون نصرانیا فکل منهما لایصح حکمه علی المسلمین فان الدرزی لاملة له کالمنافق والزندیق وان سمی نفسه مسلماوهذاکله بعد کونه منصوبا من طرف السلطان اومامورہ بذلك والافلوواقع انه ینصبه امیر تلك الناحیة ولاادری انه ماذون له بذلك ام لاولاحول ولاقوۃالا باللّٰه العلی العظیم[1]۔	یا نصرانی ہو تو اس کی قضاء مسلمانوں پر جائز نہیں کیونکہ دروزی کی کوئی ملت نہیں ہے جیسا کہ منافق اور زندیق کی ملت نہیں ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلائے، یہ تمام اس صورت میں ہے جب اس کو سلطان کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو یا ایسے کو مقرر کرنے کا مامور ہو، اور اگر واقع یہ ہو کہ اس علاقہ کے کسی امیر کی طرف سے دروزی قاضی مقرر شدہ ہو اور معلوم نہیں کہ وہ امیر اس بات کا ماذون ہے یا نہیں، لاحول ولاقوۃالا باللّٰه العلی العظیم (ت)

ششم: یہ اول عبارت تھا آخر یہ ہے کہ فتح نے فرمایا کافر وغلام اگرچہ ایک نوع ولایت رکھتے ہیں مگر ان میں صحت ونفاذ سے مانع موجود ہے جب تک یہ آزاد اور وہ مسلمان نہ ہوگا انکی قضاء صحیح ونافذ نہ ہوگی یعنی اس کی مطلقًا اور اس کی مسلمان پر کہ فرمایا:

له ولایة وبه مانع وبالعتق والاسلام یرتفع[2]۔	اس کو ولایت ہوئی اور غلامی اور کفر اس کو مانع تھا اب عتق اور اسلام حاصل ہوجانے پر مانع ختم ہوگیا۔ (ت)

اور اس سے استناد اس پر کیا جاتا ہے کہ اس کی قضاء مطلقًا قضائے شرعی ہے صحت تقلید کے وہ معنی بھی اس میں واضح فرمادئے تھے کہ:

لو قلد کافر القضاء فاسلم قال محمد هو علی قضائه فصار الکافر کالعبد[3]۔	اگر کفر کی حالت میں قاضی مقرر ہوا تو مسلمان ہوگیا، امام محمد رحمہ اللّٰه تعالٰی نے فرمایا وہ پہلی تقرری پر قاضی ہے تو یہ کافر غلام کی طرح ہوا۔ (ت)

اور عبد (غلام) میں فرمایا:

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۹
[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷
[3] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷

قلد عبد فعتق جاز ان یقضی بتلك الولایۃ من غیر حاجۃ الی تجدید[1]۔	عبد تھا جو قاضی مقرر ہوا اب وہ آزاد ہوگیا تو اس پہلی تقرری ولایت پر اس کی قضاء جائز ہوجائیگی نئی تقرری کی ضرورت نہ ہوگی۔(ت)

ہفتم: طرفہ تر یہ کہ اس روایت ہفتم کا خود حاصل یہ بتایا کہ غیر مسلم میں قاضی ہونے کی کافی لیاقت ہے اگرچہ مسلمانوں پر اس کے احکام نافذ نہیں ہوتے مگر اگر یہ ٹھہرے کہ ع

خود گفتہ و خود نداند کہ چیست

(اپنے کہے ہوئے کو خود نہیں جانتا کہ کیا ہے۔ت)

تو اسکی بات جدا ہے۔

ہشتم: کافی لیاقت سے اگر مراد مطلق قضاء کی لیاقت تو صحیح ہے کہ نامسلم کو نامسلم پر ولایت شرعیہ مل سکتی ہے جیسے اپنے نابالغ بچوں پر۔ درمختار میں ہے:

للکافر ولایۃ علی کافر مثلہ اتفاقا[2]۔	کافر کو اپنے جیسے کافر پر ولایت بالاتفاق حاصل ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

الکافر یجوز تقلیدہ القضاء لیحکم بین اھل الذمۃ[3]۔	اہل ذمہ میں فیصلے کے لئے کافر کو قاضی مقرر کرنا جائز ہے۔(ت)

مگر اس سے مسلمانوں کے دینی امور میں ان پر ولایت شرعیہ کیونکر لازم، اور اگر عام مراد تو محض باطل اور نصوص قطعیہ قرآن عظیم وتصریحات جملہ ائمہ وکتب کے خلاف ہے جس کا بیان مقدمہ چہارم میں گزرا۔ غرض ثبوت کی یہ حالت تھی کہ گیارہ میں دس بیگانہ و بیکار اور ایک سراپا مخالف وضار، استنباط کا حال اسی سے آشکار کہ **الشجرۃ تنبئی عن الثمرۃ** (درخت اپنے پھل کی اطلاع دیتا ہے۔ت)

نہم: روایت ۱، ۸، ۳ سے یہ نتیجہ نکالا کہ قاضی کا فرض منصبی یہی ہے کہ حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے رفع ظلم کردے جس کے لئے نہ عالم کی ضرورت نہ پرہیزگار کی۔ اس سے مراد اگر صرف **تنفیذ** بمعنی

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷

[2] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

[3] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

اول ہے تو حصر باطل، بلکہ اس کافرض منصبی یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے لئے احکام شرعیہ ناحاصلہ حاصل کردے قیامت کو ان کے لئے مواخذہ الٰہیہ سے نجات کی صورت کردے ائمہ مجتہدین کے اختلاف اٹھاکر مختلف فیہ کو مجمع علیہ کردے۔اور اگر مراد عام ہے تو یہ قسم دوم ہر گز صرف دنیوی طاقت کاکام نہیں اس کے لئے مولی و مولی دونوں کااسلام لازم اگرچہ عالم و متقی ہونا ضرور نہ ہو جیساکہ مقدمہ ششم میں گزرا۔

دہم: روایت ۲، ۵، ۶، ۸ سے یہ لیاکہ قاضی میں علم واتقا کی شرط اس لئے چھوڑدی کہ ایسے قاضی کاملنا سخت مشکل ہے، علم واتقا کی شرط مان لی جائے تو فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہوا، اور اس پر یہ قیاس کیاکہ ہندوستان میں اسلام کی شرط ماننے سے بھی فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہوجائے گا لہٰذا اسلام کی قید بھی اڑادی۔خود اس فتوی کی روایت ۳، ۱، ۴ میں تصریح ہے کہ علم شرط اولویت ہے نہ شرط صحت۔یہی حال اتقا کا ہے، فصول امام استروشنی پھر غایۃ البیان امام اتقانی میں ہے:

کون القاضی عدلا لیس بشرط ایضا حتی قال اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنہم ان الفاسق یصلح ان یکون قاضیا و العدالۃ شرط الاولویۃ فی ظاھر الروایۃ۔[1]	قاضی کا عادل ہونا بھی شرط نہیں ہے حتی کہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا بے شک فاسق قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جبکہ عدالت اولٰی ہونے کی شرط ہے ظاہر الروایۃ میں۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

الفاسق اھل للقضاء حتی لو قلد یصح الا انہ لاینبغی ان یقلد ھذا ھو ظاہر المذہب وعلیہ مشایخنا رحمھم اللہ تعالٰی وقال الشافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ الفاسق لایجوز قضائہ[2]۔	فاسق قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے حتی کہ اگر وہ ہوجائے تو صحیح ہے مگر یہ مناسب نہیں کہ اس کی تقرری کی جائے، یہی ظاہر مذہب اور ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی اس پر اعتماد کرتے ہیں البتہ امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ فاسق کی قضاء درست نہیں ہے۔(ت)

بدائع ملک العلماء میں ہے:

کذاالعدالۃ عندنا لیست بشرط لجواز	یونہی تقرری کے لئے عدالت شرط نہیں لیکن کمال

[1] غایۃ البیان

[2] الہدایۃ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۲

التقلید لکنھا شرط الکمال فیجوز تقلید الفاسق و تنفذ قضایاہ اذالم یجاوز فیھا حدالشرط وعند الشافعی رحمہ اللہ تعالٰی شرط الجواز [1]۔	کے لئے یہ شرط ہے لہٰذا فاسق کی تقرری اور اس کی قضاء کا نفاذ جائز ہے جب اپنے فیصلوں میں اس نے شرع سے تجاوز نہ کیاہو، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں عدالت جواز قضاکے لئے شرط ہے۔(ت)

اور اسلام قطعاً شرط صحت ہے جس کا ثبوت قرآن عظیم و نصوص ائمہ سے گزرااولویت کی شرطوں سے اگر در گزر کی گئی تو اس سے شرط صحت کو بھی اڑا دینے کا جواز کیونکر لازم آیا یعنی علماء نے غیر اولٰی کو صحیح مانا ہے لہٰذا ہم باطل کو حق مانے لیتے ہیں کیونکہ جیسا خلاف اولٰی ویسا ہی باطل ایک ہی بات ہے۔

یازدہم: نماز فاسق کے پیچھے مکروہ ہے پھر بھی جمعہ میں جہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو علماء نے بضرورت اس کراہت سے در گزر کی ہے، فتح القدیر میں ہے:

فی الدرایۃ قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الافی الجمعۃ لان فی غیرہا یجد اماما غیرہ اھ یعنی انہ فی غیر الجمعۃ بسبیل من ان یتحول الی مسجد اٰخر ولایأثم فی ذٰلک، ذکرہ فی الخلاصۃ وعلی ھذا فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھا فی المصر علی قول محمد وھو المفتی بہ لانہ بسبیل من التحول حینئذ۔ [2]	درایہ میں ہے کہ ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ فاسق کی اقتداء جمعہ کے بغیر مناسب نہیں کیونکہ جمعہ کے ماسوا نمازوں کے لئے امام دوسرا مل جاتا ہے یعنی غیر جمعہ میں گنجائش ہے کہ وہ دوسری مسجد میں چلا جائے تو گنہگار نہ ہوگا۔ اس کو خلاصہ میں بیان کیا تو اس وجہ کی بناپر جمعہ میں بھی ایسے امام کی اقتداء مکروہ ہوگی جب جمعہ شہر میں متعدد جگہ ہوتا ہو جیسا کہ امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کا قول ہے اور وہی مفتٰی بہ قول ہے کیونکہ اس صورت میں بھی اسے دوسرے امام جمعہ کے لئے گنجائش ہے(ت)

لہٰذا اگر کہیں صرف جاہل مسلمان ہوں جن کو سورۂ فاتحہ بھی صحیح یاد نہیں، جیسے دیہات بلکہ قصبات بلکہ ہندوستان کے شہروں میں لاکھوں آدمی اسی طرح کے ہیں اور کوئی پادری صاحب شوقیہ طور پر فاتحہ اور چند سورتیں ٹھیک یاد کرچکے ہوں تو اس فتوے کی رائے میں بضرورت ان پادری صاحب کو

---

[1] بدائع الصنائع کتاب ادب القاضی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۳
[2] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

امام کرکے جمعہ پڑھ لیں گے کہ علماء نے بضرورت شرط اولویت سے درگزر کی تھی، یہ بضرورت شرط اسلام اڑادیں گے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوازدہم: فاقد الطہورین میں اختلاف ہے کہ تاخیر کرے یا تشبہ، درمختار میں ہے:

یوخر ھا عندہ وقالا یتشبہ بالمصلین وجوبا ثم یعید بہ یفتی والیہ صح رجوعہ[1]۔	امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک مؤخر کرے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک نمازیوں سے تشبہ کرنا واجب ہے پھر بعد میں اعادہ کرے، اسی پر فتوی ہے، اور امام صاحب کا اس طرف رجوع صحیح ثابت ہے۔ (ت)

بالجملہ اس پر اجماع ہے کہ نماز نہیں پڑھ سکتا مگر اس فتوے کے طور پر بے وضو ہی نمازیں پڑھا کرے کہ اس سے زائد ضرورت کس کی ہوگی اور ضرورت سے اس فتوے نے شرائط صحت بھی ساقط مان لی ہیں۔

سیزدہم: روایت ۸ سے یہ واضح بتانا کہ رشوت لے کر فیصلہ بالاجماع باطل سخت عجیب ہے حالانکہ خود اس روایت کی عبارت منقولہ فتوی میں اس کا رد موجود ہے کہ اجماع کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ امام فخر الاسلام بزدوی کا مختار یہ ہے کہ وہ فیصلہ نافذ ہے، اور اسی کو امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں ترجیح دی۔

چاردہم: مختلف فیہ مسئلہ میں بالفرض ایک طرف ترجیح نہ بھی ہوتی محل ضرورت میں اسے اختیار کرنے سے کیونکر لازم آتا کہ اسے سند بناکر دوسری جگہ بزعم ضرورت اپنی رائے سے نصوص قطعیہ قرآن عظیم واجماع جمیع ائمہ کے خلاف چلئے، نہ کہ وہ مسئلہ جس میں فتوائے ائمہ مختلف ہوں اس میں ایک جانب کو ضرورت کے باعث بالخصوص معتمد کرلینے کو رد قرآن واجماع کی حجت بنالیجئے ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

پانزدہم: بفرض باطل بطلان فیصلہ رشوت پر اجماع ہی ہوتا تو فیصلہ قطعًا اہل سے محل میں صادر ہوا تھا امر خارج وجہ بطلان ہوتا جو انتہائی کوشش کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ قضا عمل لوجہ اللہ ہے اور جب رشوت لے کر قضا کی، عمل اپنے لئے ہوا نہ کہ اللہ عزوجل کے لئے۔ فتح القدیر میں ہے:

حاصل امر الرشوۃ فیما اذا قضی	رشوت کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ حق فیصلہ میں

[1] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۴۴

بحق ایجابھا فسقه وقد فرض ان الفسق لایوجب العزل فولایته قائمة وقضاؤہ بحق فلم لاینفذ وخصوص ھذا الفسق غیر مؤثر و غایة ماوجه به انه اذا ارتشی عامل لنفسه یعنی والقضاء عمل ﷲ تعالٰی[1]۔	رشوت لی تو اس کا حکم فسق ہے اور مفروض یہ ہے کہ وہ معزولی کا موجب نہیں تو اس کی ولایت قائم ہے تو اس کا حق فیصلہ کیوں نہ نافذ ہوگا اور یہ خاص فسق فیصلہ کے لئے مؤثر نہیں ہوگا، اور انتہائی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جب قاضی رشوت لے گا تو گویا وہ اپنی ذات کے لئے عامل ہوا جبکہ قضاء کا عمل اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے ہوتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النھر تبعاً للبحر وانت خبیر بان کون خصوص ھذا الفسق غیر مؤثر ممنوع بل یؤثر بملاحظة کونه عملا لنفسه وبھذا یترجح مااختارہ السرخسی[2] اھ۔	بحر کی اتباع میں نہر میں کہا تجھے علم ہے کہ اس خاص فسق کا غیر مؤثر ہونا ممنوع ہے بلکہ اپنے لئے عامل ہوجانے کے پیش نظر یہ موثر ہوگا، اس اعتبار سے امام سرخسی کے مختار کو ترجیح حاصل ہوجائیگی اھ (ت)۔

اقول: یہ کہ محقق علی الاطلاق نے نکالا اور اس پر اعتماد نہ فرمایا، واقعی اصلًا لائق اعتماد نہیں کہ عمل لوجہ اللہ تعالٰی نہ ہونے سے اخلاص گیا، اور عدم اخلاص نفی ثواب کرتا ہے نہ کہ نفی صحت۔ ردالمحتار میں ہے:

الاخلاص شرط للثواب لاللصحة[3]۔	اخلاص ثواب کے لئے شرط ہے صحت عمل کے لئے نہیں۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر کسی سے کہا جائے اس وقت کی نماز پڑھ تجھے ایک اشرفی دیں گے وہ اسی نیت سے نماز پڑھے فرض ساقط ہوجائے گا اگرچہ ثواب نہ پائے گا، نہ اشرفی کا مستحق ہوگا۔ درمختار میں ہے:

قیل لشخص صل الظھر ولك دینار فصلی بھذہ النیة ینبغی ان تجزئه ولایستحق	ایک شخص کو کسی نے کہا تو ظہر کی نماز پڑھے تو تجھے دینار ملے گا، تو اس نے اس نیت سے نماز پڑھی تو مناسب حکم یہ ہے کہ اس کی نماز جائز قرار پائیگی

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۵۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۴

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب شروط الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۷۸

الدینار[1]	اور دینار کا مستحق نہ ہوگا۔(ت)

اشباہ میں ہے:

اما الاجزاء فلما قدمنا ان الریاء لایدخل الفرائض فی حق سقوط الواجب واما عدم استحقاق الدینار فلان اداء الفرض لایدخل تحت عقد الاجارۃ[2]۔	نماز کو جائز کہنا اس لئے جیسا کہ ہم پہلے بتاچکے ہیں کہ ریاکاری واجب کے سقوط میں فرائض پر اثر انداز نہیں ہوتی، باقی رہا استحقاق دینار کا معاملہ تو وہ اس لئے کہ فرض کی ادائیگی عقد اجارہ کے تحت داخل نہیں ہوتی۔(ت)

بلکہ اب فتوٰی جواز اجرت امامت پر ہے اور شک نہیں کہ اجیر عامل لنفسہ ہے نہ کہ عامل للہ تعالٰی حالانکہ اس کی نماز قطعًا صحیح ہے، بہر حال قضاء بہ رشوت میں جو کچھ خلل ہے امر خارج میں ہے اہلیت برقرار ہے تو جہاں اہلیت شرعًا منتفی ہے اس کا اس پر قیاس کیونکر ممکن۔

شانزدہم: یہ بھی غلط ہے کہ فیصلہ مذکورہ رشوت میں قول متقدمین بطلان ہے اور متاخرین نے نفاذ مانا، بلکہ قول بطلان اختیار امام شمس الائمہ سرخسی ہے اور قول نفاذ اختیار امام فخر الاسلام بزدوی کہ ان کے معاصر بلکہ ان سے وفات میں مقدم ہیں، امام بزدوی کی وفات شریف ۴۸۲ھ میں ہے اور امام سرخسی کی حدود ۵۰۰ھ یا حدود ۴۹۰ھ میں۔

ہفدہم: یہ بھی غلط ہے کہ قائلان نفاذ نے نفاذ اس ضرورت سے مانا ہو کہ اب سب حکام رشوت خوار ہیں نہ مانیں تو فیصلہ کا دروازہ بند ہوگا، یہ امر صرف علامہ شامی نے اپنے زمانے کی نسبت لکھا جو اسی تیرھویں صدی میں تھے جن کے انتقال کو ابھی اسی ۸۰ سال ہوئے ہیں ۱۲۵۲ھ میں وصال فرمایا۔ قائلان نفاذ کے دلائل واضحہ وہ ہیں کہ گزرے۔

ہجدہم: یہ ضرورت زمانہ امام فخر الاسلام میں کیونکر ہوتی حالانکہ درمختار میں معروضات مفتی ابوسعود سے ہے:

لما وقع التساوی فی قضاۃ زماننا فی وجود العدالۃ ظاہرا وردالامر	جب ہمارے زمانے کے قاضی حضرات ظاہرًا عدالت میں مساوی ہوں تو حکم ہے کہ علم، دیانت

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب شروط الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۶۴

بتقدیم الافضل فی العلم والدیانۃ والعدالۃ[1]۔	اور عدالت میں جو افضل ہو اس کو ترجیح دی جائے۔(ت)

اس پر اسی ردالمحتار میں ہے:

ھذا کان فی زمنہ وقد وجد التساوی فی عدمھا الآن فلینظر من یقدم[2]۔	یہ ان کے زمانہ میں تھا حالانکہ اب عدم عدالت میں سب مساوی ہیں تو اب ترجیح میں غور کرنا ہوگا۔(ت)

مفتی ابوالسعود دسویں صدی ہجری کے آخر میں تھے ۹۸۲ھ میں انتقال فرمایا، جب ان کے زمانہ تک تمام قاضی ظاہر العدالۃ تھے تو زمانہ امام اجل بزدوی میں کہ ان سے پورے پانسو ۵۰۰ برس پہلے تھا سب رشوت خوار کیسے ہوئے۔

نوزدہم: اپنے زمانے تیرھویں صدی کی نسبت جو علامہ شامی نے لکھا وہ بھی محل نظر ہے قضاۃ اگر محصول سلطنت کے لئے لیتے تھے جیسے یہاں کورٹ فیس لی جاتی ہے تو وہ رشوت قاضی کیونکر ہوسکتی ہے اور اگر اپنے ہی لئے لیتے تھے جب بھی حد رشوت میں اس کا آنا مشکل کہ یہ محصول عام طور پر لیا جاتا ہے نہ کہ خاص اس فریق سے جس کے موافق فیصلہ دینا ہے اور رشوت کسی کا کام بنانے کے لئے لی جاتی ہے نہ کہ مطلق، یوں ہی اجرت، تو وہ لینا محض ایک غصب ہوگا جو فسق ہے اور فسق مانع نفاذ نہیں۔

بستم: فتوے میں یہ عبارت علامہ شامی فکذا یقال ھنا[3] (یہاں بھی یوں کہا جائے گا۔ت) تک نقل کی اس کے متصل انہوں نے فرمایا: وانظر ماسنذکرہ فی اول باب التحکیم[4] اسے دیکھو جو ہم شروع باب تحکیم میں ذکر کریں گے، اسے چھوڑ دیا، شروع باب تحکیم میں یہ فرمایا ہے:

تنبیہ: فی البحر عن البزازیۃ قال بعض علمائنا اکثر قضاۃ عھدنا فی بلادنا مصالحون لانھم تقلدو القضاء بالرشوۃ ویجوز ان یجعل حاکما بترافع القضیۃ واعترض بان	تنبیہ: بزازیہ سے بحر میں فرمایا، بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہمارے علاقہ کے اکثر قاضی حضرات اس زمانہ میں ثالث ہیں کیونکہ انہوں نے رشوت کے ذریعہ تقرری حاصل کی ہے ان کے ہاں مقدمہ پیش کرنے پر ان کا ثالثی فیصلہ قرار پائے گا اور یہ

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۰

[3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۴

[4] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۴

الرفع لیس علی وجه التحکیم بل علی اعتقاد انه ماضی الحکم وحضور المدعی علیه قد یکون بالاشخاص والجبر فلا یکون حکما۔ الاتری ان البیع قد ینعقد ابتداء بالتعاطی لکن اذا تقدمه بیع باطل او فاسد و ترتب علیه التعاطی لاینعقد البیع لکونه ترتب علی سبب آخر فکذا ھنا، ولھذا قال السلف القاضی النافذ حکمه اعزمن الکبریت الاحمراھ قال ط و بعض الشافعیة یعبرعنه لانه قاضی ضرورة اذ لایوجد قاض فیما علمناه من البلاد الاوھو راش و مرتش اھ وانظر ماقدمناه اول القضاء[1]۔	اعتراض کہ ان کے ہاں دعوی ثالثی کی بناپر نہیں ہوتا بلکہ اس اعتقاد پر کیا جاتا ہے کہ یہ فیصلہ لازم ہوگا اور ان کے ہاں مدعا علیہ کی حاضری عملہ کے ذریعہ اور جبرًا ہوتی ہے تو ثالث نہ ہوئے۔آپ دیکھتے نہیں کہ دستی تبادلہ سے ابتداءً بیع ہو جاتی لیکن جب پہلے یہ بیع باطل یا فاسد ہوچکی ہو تو اس کے بعد یہ دستی تبادلہ بیع نہیں بن سکتی کیونکہ اب یہ ایک اور سبب پر مرتب ہے تو یہاں بھی معاملہ ایسا ہے اور اسی وجہ سے سلف نے فرمایا کہ ایسا قاضی جس کا حکم نافذ ہوتا ہو بہت کم ہے اھ طحطاوی نے کہا اور بعض شافعی حضرات نے اس کو یوں تعبیر کیا ہے کہ یہ ضرورت کی بناء پر قاضی ہیں اس لئے کہ ہمارے معلومات میں تمام بلاد کے قاضی رشوت لینے اور دینے والے ہیں اھ، جو ہم نے قضاء کے باب کی ابتداء میں بیان کیا ہے اسے دیکھو۔(ت)

بست ویکم: بلکہ یہیں اس کے متصل یہ عبارت تھی:

وفی الحامدیة عن جواھر الفتاوٰی قال شیخنا واما منا جمال الدین البزدوی انا متحیر فی ھذہ المسألة لااقدران اقول تنفذ احکامھم لما اری من التخلیط والجھل والجرائة فیھم، ولااقدران اقول لاتنفذ لان اھل زماننا کذٰلك فلو افتیت بالبطلان ادی الٰی ابطال الاحکام جمیعا یحکم	اور حامدیہ میں جواہر الفتاوٰی سے منقول ہے کہ ہمارے شیخ اور امام جمال الدین بزدوی نے فرمایا میں اس مسئلہ میں حیران ہوں، نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کے حکم نافذ ہیں کیونکہ فیصلوں میں انکی جہالت، جرات اور خلط دیکھ رہا ہوں اور نہ ہی یہ کہہ سکتا ہوں کہ نافذ نہیں ہیں کیونکہ ہمارے اہل زمانہ اسی طرح ہیں اگر میں باطل ہونے کا فتوٰی دوں تو اس سے تمام فیصلوں کا باطل ہونا لازم آتا ہے، اللہ تعالٰی ہی ہمارے اور زمانہ کے قاضیوں کے درمیان فیصلہ فرمائیگا

[1] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۷۔۳۴۸

الله بیننا وبین قضاۃ زماننا افسدوا علینا دیننا و شریعة نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم لم یبق منهم الاالاسم والرسم اھ[1]۔	انہوں نے ہمارا دین اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت کو فاسد کیا اب ان میں دین و شریعت کا صرف نام ورسم باقی ہے اھ۔(ت)

سبحان اللہ! ائمہ کرام وعلمائے اعلام تو اسلامی سلطنتوں میں مسلمان سلاطین کے مسلمان قضاۃ میں یوں فرمائیں، بعض حیران ہوں کہ ان کو کیونکر قاضی شرعی مانا جائے بعض تصریح فرمائیں کہ وہ قاضی نہیں پنچ ہیں پھر اسے بھی رد فرمادیں کہ پنچ کہنا بھی ٹھیک نہیں انہیں قاضی ضرورت ماننا جیسا کہ علامہ شامی کا اس عبارت میں خیال تھا بعض شافعیہ کا قول کہیں سلف صالح سے نقل کریں کہ قاضی شرعی کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر ہے یہاں یہ حکم بالجزم ہے کہ اگرچہ نامسلم سلطنت ہو اگرچہ نامسلم حکام ہوں سب قاضی شرعی ہیں **فسبحٰن مقلب القلوب والابصار**۔

بست ودوم: اس ضرورت سے ائمہ غافل نہ تھے، مقدمہ ہفتم دیکھو کہ خود محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس صورت ضرورت کو ذکر فرمایا اور اس کا علاج بتایا جسے ہم نے موافق قانون وقت کر دکھایا، پھر زعم ضرورت کی کیا گنجائش رہی اور محض باتباع ہوا مخالفت قرآن و تبدیل شریعت واقع ہوئی **والعیاذ باللہ رب العٰلمین**۔

بست وسوم: جب خاص جزئیہ کتب مذہب اور خود ارشادات محرر مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں صاف صاف بالتصریح موجود تھا تو اس کے خلاف اور تمام نصوص کے خلاف اور خود قرآن عظیم کے خلاف مفتی کو اجتہاد لایعنی و قیاس بے معنی کے کیا معنی، اور ایسی جگہ **ھذا مااستقر علیه رائی** (میری رائے اسی پر قائم ہوئی ہے۔ت) کی صدا لگانی کس نے مانی۔

بست وچہارم: بالفرض تصریح جزئیہ نہ بھی ہوتی تو اجتہاد کی لیاقت کس گھر سے آئی۔

بست وپنجم: اینہم بر علم تو نص قرآنی کے مقابل اجتہاد کیسا۔

بست وششم: بفرض باطل کوئی جزئیہ نادرہ شاذہ ہوتا بھی تو ظاہر الروایۃ و نصوص متواترہ تصریحات متظافرہ اور خود آیات متکاثرہ کے مقابل مردود ہوتا اور اس پر فتوی دینا حسب

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۴

تصریح علماء کرام جہل و خرق کا اجماع ہوتا، تصحیح القدوری پھر درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[1]۔	مرجوح قول پر فیصلہ اور فتوٰی جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے۔(ت)

جہاں کہ وہ بھی ہاتھ میں نہیں اس کی سخت شناعت کس درجہ مہین۔

بست وہفتم: بفرض محال اگر مرجوح نہیں کوئی قول مساوی بھی گھڑلیا جاتا جب بھی اس کے سبب ابطال وقف روانہ ہوتا کہ مسائل مختلف فیہا میں فتوٰی اس پر واجب ہے جو وقف کے لئے انفع ہو، نہ اس پر کہ وقف کا انفی ہو کما نصوا علیہ فی غیر ما کتاب ز(جیسے کہ کثیر کتب میں فقہاء کرام نے تصریح فرمائی۔ت)

بست وہشتم: مفتی و مصدقین و مستفتی و اہل معاملہ سب صاحبوں سے خیر خواہانہ معروض اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾"[2]۔	اے نبی! خوشی کی خبر دے میرے بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر بہتر کی پیروی کریں وہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی عقلمند ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَ الَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَ لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾"[3]	اور جنت ان کے لئے تیار کی گئی ہے کہ جب کوئی بدی یا گناہ کر بیٹھیں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور اللہ کے سوا کون گناہ بخشے اور اپنے کئے پر دانستہ ہٹ نہ کریں ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے معافی ہے اور باغ جن کے نیچے نہریں ہیں ہمیشہ ان میں رہیں اور کام والوں کا کیا اچھا نیگ۔

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۱۸،۱۷

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۳۶۔۱۳۵

ابوداؤد، ترمذی نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
مااصر من استغفر[1] جس نے معافی مانگ لی اس نے ہٹ نہ کی۔ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ان الحق قدیم ولا یبطل الحق شیئ و مراجعۃ الحق خیر من التمادی فی الباطل[2]۔ رواہ الدار قطنی و البیہقی و ابن عساکر عن ابی العوام البصری۔	بیشک حق قدیم ہے حق کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی حق کی طرف رجوع باطل پر قائم رہنے سے بہتر ہے (اس کو دار قطنی، بیہقی اور ابن عساکر نے ابوالعوام البصری سے روایت کیا ہے۔ت)

یہ فرمان امیر المومنین نے اپنے قاضی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارسال فرمایا: خوشی وشادمانی ہے انہیں جو سنیں اور گردن رکھیں انسان سے خطا مستبعد نہیں مگر **خیر الخطائین التوابون**[3] خطا کی خیر اس میں ہے کہ توبہ کرے **رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم وصححہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم** (اس کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح کہہ کر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ت) حق کی طرف رجوع سے عار وسوسہ ابلیس ہے اس کا ساتھ بہتر یا اس کے ارشاد کی اطاعت جو قرآن مجید میں فرماچکا کہ خطا پر اصرار نہ کیا تو میں نے تمہارے لئے جنت تیار کر رکھی ہے، شیطان سمجھتا ہے کہ رجوع کی تو علم و عقل کو بٹا لگے گا۔ دشمن جھوٹا ہے اور اللہ سچا کہ اچھی بات سن کر ماننے والے ہی ہدایت پر ہیں اور وہی عقل والے ہیں اللہ توفیق دے۔

بست ونہم: یہ فتوے چھپ کر شائع ہوئے ان کا ضرر متعدی ہوا، کہاں دہلی کرنال کہاں راولپنڈی گولڑہ جہاں سے یہاں آیا، اس کا ازالہ مفتی و مصدقین سب پر فرض ہے، جیسے یہ فتوے شائع ہوئے یوں ہی ان کا بطلان، ان سے رجوع ملک میں شائع کریں، اس میں اللہ کی رضا ہے اللہ کے رسول کی رضا ہے، خلق کے نزدیک عزت و وقعت ہے، حق پسند کا لقب ملنا بڑی دولت ہے، رسول اللہ

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات احادیث شتی من ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹۵

[2] سنن الدار قطنی کتاب الاقضیہ والاحکام نشر السنۃ ملتان ۴/ ۲۰۷

[3] جامع الترمذی ابواب صفۃ القیامۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۷۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاعلمت سیئة فاحدث عندھا توبة السربالسر والعلانیةبالعلانیة[1]۔رواہ الامام احمد فی الزہد و الطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جب تو گناہ کرے تو فورًا توبہ کر، خفیہ کی خفیہ اور علانیہ کی علانیہ۔(اس کو امام احمد نے زہد میں اور طبرانی نے کبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔ت)

افسوس کہ چھاپنے والے صاحب نے تمہید میں لکھا تھا "بغرض اطلاع عام مسلمان اور علمائے حنفیّہ ہندوستان عرض کیا جاتا ہے "اور آخر میں لکھا تھا "یہ مضمون اہل اسلام ہند اور علمائے حنفیّہ کے روبروپیش کرنا ہے" ممکن کہ قریب مواضع دیوبند تھانہ بھون بھیجااور جواب موافق ملا یا سکوت رہا ہو، یہاں اب تین برس کے بعد ایک بندہ خدا نے بھیجااور اس کی صحت وبطلان سے استفتاء کیا اول ہی آجاتا تو مفتی ومصدقین پر حق جلد کھل جاتا۔ مانا نہ مانا جب بھی توفیق پر تھا اب بھی توفیق پر ہے،

وحسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔	ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے اور اللہ تعالٰی ہی جسے چاہتا ہدایت فرماتا ہے۔(ت)

سیم: اشاعت فتوے میں لکھا ہے کہ جائداد کرنال کے واقف حکمًا مجور وممنوع التصرف کردئے گئے تھے اور حکام رجسٹری کو ممانعت کی گئی تھی کہ ان کی کسی دستاویز انتقال پر رجسٹری نہ کریں اس کے احکام امتناعی کرنال، مظفر نگر، الہ آباد تین محکموں سے ۲۴/اگست لغایت ۷/ستمبر ۱۹۰۸ء صادر ہوچکے تھے، پھر بھی یہ لکھا ہے کہ انہوں نے ۲۵/اگست ۱۹۰۸ء کو اپنی جائداد کا وقف نامہ لکھا اور ۲۵/ستمبر ۱۹۰۸ء کو اس پر رجسٹری ہوئی۔ احکام امتناعی کے بعد رجسٹری کیونکر ہوئی تو وہ بھی حکم ہے جس سے فک حجر متصور ہو یا بطور خود کسی اہلکار کی حکم عدولی، بہر حال یہ قانونی بحث ہے، شریعت مطہرہ کے حکم میں بلاشبہہ وہ وقف صحیح ہوکر تام ونافذ ولازم ہے جائداد ملک واقف سے خارج ہوکر خالص ملک الٰہی عزوجل ہوگئی، اور اب ان فتووں کی روسے ورثا وقف کو باطل کرکے اس پر مالکانہ قابض ہوگئے اس کا وبال عنداللہ مفتی ومصدقین کے سر ہے بقائے جائداد تک اس مال خدا میں جتنے تصرفات مالکانہ نسلاً بعد نسلٍ ہوا کرینگے ہمیشہ ان کا وبال مفتی ومصدقین کی زندگی میں اور بعد موت قبر میں پہنچتا رہے گا

---

[1] الزہد للامام احمد بن حنبل ترجمہ الامام احمد بن حنبل الدیان للتراث قاہرہ مصر ص ۳۵

خود فتوے نے تسلیم کیا ہے کہ احکام قانونی شرعًا وہی مفید ہیں جو مطابق شرع ہوں نا مسلم تو نا مسلم خود قاضیان اسلام بلکہ سلاطین اسلام اگر کوئی چیز زید کو برخلاف حکم شرع دلادیں وہ ہر گز اس کے لئے حلال نہ ہوجائے گی احکام سلاطین دنیا تک ہیں آخرت میں کام نہیں آسکتے، سلاطین درکنار خود صاحب شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انکم تختصمون الی فلعل بعضکم ان یکون الحن بحجته من بعض فاقضی له علی نحوما اسمع فمن قضیت له بحق مسلم فانما ھی قطعة عن النار فلیأخذھا او لیترکھا[1]۔رواہ الائمة مالك واحمد و الستة عن ام سلمة رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	صاف ارشاد فرمایا کہ ایک اگر اپنی چرب زبانی کے باعث حجت میں بازی لے جائے اور ہم اسے ڈگری دے دیں اور واقع میں اس کا حق نہ ہو تو ہمارا ڈگری فرمانا اسے مفید نہ ہوگا وہ مال نہیں اس کے حق میں جہنم کی آگ کا گڑھا ہے چاہے اسے لے یا چھوڑ دے (اسکو امام مالک، احمد اور ائمہ صحاح ستہ نے ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ت)

مفتی و مصدقین پر فرض ہے کہ جس طرح اپنے غلط فتوے سے یہ آتش دوزخ کا ٹکڑا ورثہ کو دلایا یونہی اپنی صحیح ولوجہ اللہ کوششوں سے انہیں اس سے بچانے کی فکر کریں ورنہ انما علیك اثم الاریسیین (کاشتکاروں کا گناہ تجھی پر ہے۔ت) اللہ واحد قہار سے ڈریں اور "وَلَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَہُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِہِمۡ ۫ وَلَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَمَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ "[2] (اور وہ اپنا بوجھ اور اپنے بوجھ کے ساتھ مزید بوجھ اٹھائیں گے، اور ضرور ان سے قیامت کے روز ان کی افتراء بازی پر سوال ہوگا۔ت) کی جانگزا آفت سے پرہیز کریں۔ یہ ضرور ہے کہ بہت ابنائے دنیا کو ملا ہوا مال چھوڑنا سخت دشوار بلکہ ناممکن ہوتا ہے مگر زمانہ اللہ کے ڈر والے بندوں سے خالی نہیں اور نصیحت نفع دیتی ہے "وَّ ذَکِّرۡ فَاِنَّ الذِّکۡرٰی تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۵﴾ "[3] (آپ یاد دہانی کرائیں تو بیشک یاد دہانی مومنوں کو نفع دے گی۔ت) ابلیس کہ دشمن راہ خدا ہے دوسروں کے بتانے میں آپ کے باطل

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۷۴، صحیح البخاری کتاب الحیل و کتاب الاحکام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۰۳۰ و ۱۰۶۲، مؤطا امام مالک کتاب الاقضیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۳۲، مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۲۰۲ و ۲۹۰ و ۳۰۸

[2] القرآن الکریم ۲۹/ ۱۳

[3] القرآن الکریم ۵۱/ ۵۵

فتووں کا حیلہ سکھائے گا کہ اتنے مولوی حلال کررہے ہیں عذاب ہے تو ان کی گردن پر، مگر جب آپ حضرات خود ہی خوف خدا کرکے حق حکم ان پر ظاہر کریں گے تو کیا عجب کہ اللہ عزوجل اپنے بندوں کو حرام مال سے بچنے اور وقف خدا پر تصرف نہ کرنے کی توفیق بخشے اور جب وہ رئیس جاگیر دار ہیں تو شائد اسی پر ان کا ذریعہ رزق منحصر نہ ہو اور ہو تو رزق اللہ عزوجل کے ذمہ کرم پر ہے حرام کھانے سے فاقہ لاکھ جگہ بہتر ہے اور اس میں حکام کی کچھ مخالفت نہیں جس پر ڈگری ہو وہ مجبور کیا جاتا ہے جس کی ڈگری ہوا گر خدا سے ڈرے اور اس مال کو چھوڑدے حکام کو ہرگز اس سے تعرض نہ ہوگا۔ کیا اچھا ہو کہ روز قیامت اللہ واحد وقہار کے حضور کھڑے ہونے سے ڈریں اور قلیل وذلیل و فانی مال چھوڑ کر جلیل و جزیل و باقی ثواب لیں۔ بہر حال مفتی و مصدقین پر اپنے فرض سے ادا ہونا فرض ہے یہ محض خالص اسلامی عرض ہے۔ دیکھیں کون بندہ خدا سبقت کرتا اور رضائے الٰہی وثواب عقبٰی و ثنائے دنیا کا مستحق ٹھہرتا ہے، اللہ عزوجل توفیق دے،

"فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ "[1] وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔	تو عنقریب یاد کروگے جو تمہیں کہہ رہا ہوں، میں اپنا معاملہ اللہ تعالٰی کے سپرد کرتا ہوں۔ تحقیق اللہ تعالٰی بندوں کو دیکھتا ہے، ہم کو اللہ تعالٰی کافی ہے۔ (ت)

وصلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علٰی سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین اٰمین والحمدللہ رب العالمین، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔

مسئلہ ۱۱۵: از ریاست رامپور محلّہ لال قبر مرسلہ سید احمد حسن صاحب ۲۷ شوال المکرم ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ۱۵/ نومبر ۱۹۱۴ء کو ایک مکان خریدا، ۱۷/ جنوری ۱۹۱۵ء کو زید نے اس پر دعوی شفعہ کیا اور ۸/ جنوری کو علم بیع ہونا اور اسی وقت طلب مواثبات واشہاد بجالانا بیان کیا اور اس پر پانچ گواہ دیئے ہندہ نے سات گواہ تسلیم شفعہ کے پیش کئے حاکم نے ان گواہوں پر اعتماد فرما کر دعوی رد کردیا مدعی نے اپیل کی اور گواہان ہندہ پر بہت سی جرحیں نکالیں اور ان کے متعلق دو فتوے داخل کئے، سائل نے بریلی دارالافتاء سے

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۴۴

فتوٰی چاہااس پر فیصلہ واظہارات جملہ گواہان فریقین کی نقول باضابطہ لانے کاحکم ہوا، سائل نے نقول حاصل کیں اور حسب الحکم مع نقل ہر دو فتوائے مدخلہ مدعی حاضر دارالافتاء ہیں امید کہ بعد ملاحظہ حکم شرعی سے خالصًا لوجہ اللہ اطلاع عطا ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب نقول مذکورہ مطلوبہ دارالافتاء مدخلہ سائل ملاحظہ ہوئیں باضابطہ نقلیں اس لئے طلب کی تھیں کہ تجربہ سے سائلوں کاخلاف روداد اظہار کرکے فتوٰی لیناثابت ہولیا تھا جس میں سراسر اضاعت وقت دارالافتاء تھی، فیصلہ و اظہارات کا ملاحظہ بنگاہ اولین بتاتا ہے کہ مدعی اپنے دعوٰی شفعہ کو بروجہ شرعی ثابت کرنے میں محض ناکام رہا، عند الشرع دعوٰی واجب الرد ہے جیسا کہ ذی علم فاضل مفتی نے کیا۔ تمام ابحاث کہ دونوں فتووں میں ظاہر کی گئیں ان پر فردًافردًا نظر اور ہر باطل کاابطال مستقل ایک وقت چاہتا تھا مگر ہر دو فتوے مدخلہ مدعی خود ہی رد دعوٰی کوکافی ووافی ہیں ان سے زیادہ ثبوت کی حاجت نہیں کہ وہ خود مسلمہ مدعی ہیں لہذا انہیں وجوہ مقبولہ مدعی ومفتیان مدعی سے بطلان دعوٰی ثابت کرکے صرف ایک وجہ شرعی اوراضافہ کریں جس کی طرف فیصلہ میں بھی توجہ مبذول نہ ہوئی۔

وجہ اول: پہلے فتوے میں گواہ ہندہ سید ابوالقاسم پر یہ اعتراض ہے کہ اس کے بیان میں مدعی بہاکاتعین نہیں، مدعی بہا[عہ] یہاں مکان ہے اس کی تعیین کے دو طریقے ہیں: ایک نشان دہی، دوسرے بیان حدود۔ دونوں اس کے بیان میں نہیں، ایسی حالت میں گواہی کیونکر مقبول ہوسکتی ہے، اوراس پر قاضی خاں کی تین عبارتیں پیش کیں، سید ابوالقاسم کے بیان میں وعدہ نشان دہی ہے کہ مکان کو موقع پر بتادوں گا۔ پانچوں گواہان مدعی نے بھی صرف وعدہ نشان دہی کیا ہے، جب وہ کافی نہیں تو مدعی کی پانچوں گواہیاں مدعا بہا سے خالی اور واجب الرد و نامقبول ہوئیں کہ ان میں نہ بیان حدود ہے نہ نشاندہی، بلکہ رحمت علی خاں نے صراحۃً کہا ہے مظہر حدیں مکان متنازعہ کی نہیں بتاسکتا، مظہر حدیں دیکھنے نہیں گیا تھا، گواہیوں میں وقت طلب شفعہ جانب مکان اشارہ مدعی کا بیان نہ گواہ کااشارہ ہوا نہ بیان حدود۔ مدعی نے اس وقت اشارہ کیا ہو گواہ تو نہیں بتاتے کہ وہ کون سا مکان ہے جس کی طرف اشارہ کرکے طلب مواثبت کی تھی فتوٰی مدعی کو تسلیم ہے کہ اسکی

عـــہ: فتوے میں ہر جگہ یہ لفظ متدعویہ ہے کہ محض مہمل وبے معنٰی ہے ۱۲۔

تعیین کے دو ہی طریقے تھے: نشاندہی یا بیان حدود، اور وہ دونوں یہاں مفقود، لہٰذا پانچوں گواہیاں مردود۔

وجہ دوم: عجب یہ کہ گواہی ہندہ میں مکان خود مدعی بہ نہیں بلکہ اس کا دعوی تسلیم شفعہ کا ہے مکان صرف متعلقات دعوی سے ہے تو جہاں وعدہ نشاندہی کافی ہو کر صرف ایک شے متعلق دعوی کی تعیین نہ ہونے سے فتوائے مدعی نے شہادتوں کو ناممکن القبول بنایا تو یہاں کہ خود مکان ہی مدعی بہ ہے وعدہ نشان دہی ناکافی ہو کر بیان گواہان میں اس کا عدم تعیین کیوں نہ ان تمام شہادات کو واجب الرد کرے گا۔

وجہ سوم: فتوے نے گواہان ہندہ محمد صدیق خاں، محمد سعید خاں، محمد علی خاں پر بھی یہی عدم تعیین مدعی بہ کا اعتراض کرکے فرمایا اس لئے شہادت ان کی بالمجہول شرعًا لغو و باطل ہے اور اس پر قاضی خاں اور عالمگیریہ کی عبارتیں پیش کیں۔ یہ سب سے عجیب تر ہے ان تینوں کے اظہار خود موقع پر ہوئے اور نقول میں ہر ایک کے ساتھ صاف تصریح ہے کہ نشاندہی کردی تو **اولًا:** ان کی شہادت کو بالمجہول کہنا کیسا صریح لغو و باطل ہے۔

ثانیًا: جب بالفعل نشاندہی بھی تعیین کو کافی نہ ہوئی تو پانچوں گواہان مدعی کے بیان میں کہ نشاندہی کا صرف وعدہ ہے سو درجہ زائد ان کی شہادت بالمجہول و لغو و باطل کرے گا۔

وجہ چہارم: وہی کہ گواہی مدعا علیہا میں مکان مدعی بہ نہیں جب یہاں نشاندہی کافی نہ ہوئی شہادات مدعی میں کہ خود مکان مدعی بہ ہے وعدہ کس درجہ باطل و ناکام ہوگا۔

تنبیہ: ان افادوں کے بعد دارالافتاء کو اس بحث کی طرف توجہ کی اصلًا حاجت نہیں کہ اس عدم تعیین کا جواب فیصلہ میں یہ فرمایا کہ تسلیم اسقاط ہے اس میں تعیین کی ضرورت نہیں اور فتوے نے اس پر رد کیا کہ اس حالت میں ہے کہ اسقاط بالفاظ صریحہ ہوا ہو ورنہ تسلیم لغو بعد تسلیم اختیار دعوی حاصل، اور اس پر عالمگیری کی عبارت پیش کی، اگرچہ یہ جواب ہر گز صحیح نہیں۔

اولًا: وہ عبارت عالمگیری تسلیم دلالۃً میں ہے مثلًا خبر بیع سن کر خاموش رہنا اٹھ جانا یا مشتری سے مبیعہ کی خریداری یا ہبہ یا اجارہ کی خواہش، اور یہاں تسلیم ان لفظوں میں بیان ہوئی ہے کہ اچھی بیگم نے مکان خرید لیا میں بہت خوش ہوا، اس کے لینے سے میں خوش ہوں، مناسب ہے، اچھا کیا، یہ دلالۃً تسلیم کی شق میں کیونکر جاسکتے ہیں۔

ثانیًا: دلالۃً تسلیم میں بھی صرف علم شفیع بالبیع درکار ہے نہ کہ تسلیم میں تعیین حدود جس پر

یہاں بحث ہے، خود اسی عبارت عالمگیری میں تسلیم صریح اما یجری مجراہ میں فرمایا:

سواء علم بالبیع اولم یعلم ان کان بعد البیع[1]۔	بیع کے بعد ہو تو بیع کا علم ہو یا نہ ہو برابر ہے۔ (ت)

اور دلالۃً میں فرمایا:

لایسقط حقہ ثمہ الا بعد العلم[2]۔	وہاں حق ساقط نہ ہوگا مگر علم کے بعد۔ (ت)

وجہ پنجم: فتوے نے گواہ ہندہ سید اچھے میاں کی شہادت پر یہ اعتراض کیا کہ تعیین و تعریف مدعی و مدعا علیہ کی کرنا گواہ پر ضروری ہے بلا اس کے گواہی نامعقول ہے اور تعریف و تعیین بصورت موجودگی مدعی و مدعا علیہ وقت ادائے شہادت اشارہ سے چاہئے یہ یہاں مقصود ہے اور اس پر عالمگیری کی عبارت پیش کی۔ گواہ کے لفظ یہ ہیں: "اس میں پیارے میاں صاحب مدعی حاضر عدالت نے فرمایا یہ مکان تم نے اچھی بیگم کے نام خریدا ہے مناسب ہے"۔ اگر مدعی کا نام اور یہ صفت کہ مدعی اور یہ وصف کہ حاضر عدالت ان تینوں کا اجتماع تعیین و تعریف کے لئے کافی نہیں بلکہ بوجہ حضور مدعی خاص اشارہ ہی لازم تھا تو مدعی کے پانچوں گواہوں میں بعینہٖ یہی حالت ہے ایک نے بھی مدعی کی طرف اشارہ نہ کیا سب نے پیارے میاں مدعی حاضر عدالت ہی کہا ہے یا برادر مدعی سید وزیر علی نے اتنا اور بڑھایا جن کو شجاعت علی کہتے ہیں تو ثابت ہوا کہ بحکم فتوائے مدخلہ مدعی پانچوں گواہان مدعی کی گواہیاں مردود ہیں۔

وجہ ششم: دوسرا اعتراض اسی گواہ پر عدم تعیین مدعا علیہا سے کیا کہ بصورت عدم موجودگی عام آدمی کی تعیین ولدیت وغیرہ سے چاہئے تھی وہ بھی متحقق ان کے بیان میں نہیں ہے لہٰذا شہادت ان کی شرعاً ہرگز قابل قبول نہیں اس پر بھی وہی عبارت عالمگیری سند ہے یہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ سید اچھے میاں نے صرف اچھی بیگم کہا اور گواہان مدعی سوائے سید وزیر علی کے بیان میں بھی اگرچہ اچھی بیگم کی ولدیت مذکور نہیں مگر خبر وطلب یعنی شاہ علی حیدر کے اخبار اور مدعی کے طلب شفعہ میں بیان زوجیت ہے مخبر نے کہا مکان مدن میاں کی بی بی اچھی بیگم نے مول لیا الخ مدعی نے کہا جس قیمت کو یہ مکان مدن میاں کی بیوی اچھی بیگم نے مول لیا، فتوٰی میں یہ عبارت عالمگیری اس لفظ تک نقل فرمائی:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۸۲

يحتاج الٰى تسمية الشهود اسم الميت واسم الغائب واسم ابيهما[1]۔	گواہوں کے نام اور میت اور غیر حاضر اور ان کی ولدیت کے نام ضروری ہیں۔(ت)

اس کا ظاہر یہ ہے کہ بیان ولدیت ضرور ہے جس سے چاروں گواہان مذکورہ مدعی کے بیان بھی خالی ہیں مگر یہاں کارروائی اور ہے فتوے نے ناقص عبارت نقل کی اور اس کا تتمہ کہ مضر جملہ شاہدان مذکور مدعی تھا چھوڑ دیا اس کے بعد عبارت عالمگیری یوں ہے:

واسم جدهما شرط الخصاف ذكر الجد للتعريف وهكذا ذكر فی الشروط، ومن مشائخنا من قال هذا قول ابی حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالٰى اما علی قول ابی يوسف رحمه الله تعالٰى فذكر الاب يكفی كذافی الذخيرة، والصحيح ان النسبة الی الجد لابد منها كذافی البحر الرائق[2]۔	یعنی غیر مشہور شخص کہ حاضر نہیں ضرور ہے کہ اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے دادا کا نام گواہ لیں امام خصاف نے تعریف کیلئے دادا کا ذکر شرط فرمایا ہے کہ ایسا ہی کتاب الشروط میں ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ دادا کا نام لینا ضروری ہونا حضرت سیدنا امام اعظم وامام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا قول ہے، امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک باپ کا نام کافی ہے ایسا ہی ذخیرہ میں ہے اور صحیح یہ ہے کہ دادا کا نام لئے بغیر چارہ نہیں ایسا ہی بحر الرائق میں ہے۔

یہاں تک عالمگیری کی پوری عبارت تھی جس میں صرف باپ کے نام تک نقل فرما کر باقی چھوڑی اب اگر ولدیت کی حاجت نہ بھی ہو تو عبارت مذکورہ کا صاف ارشاد ہے کہ ایک تقیید کافی نہیں دو ضرور ہیں یہی ہمارے امام مذہب کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے تو ان گواہان مدعی نے کہ فقط مدن میاں کی بی بی اچھی بیگم نے کہا ایک ہی تقیید ہوئی اور تعیین کے لئے ناکافی ہو کر صحیح مذہب امام اعظم میں شہادتیں مردود ہوئیں جب آدمی اور اس کے باپ کا نام کافی نہیں کہ دو تک شرکت نادر نہیں، ممکن کہ اور شخص بھی اس نام کا ہو جس کا باپ بھی اس کے باپ کا ہمنام ہو لہٰذا نام جد ضروری ہے عورت اور اس کے شوہر کا نام کیوں کافی ہونے لگا، یہاں بھی ممکن کہ اور عورت بھی اس نام کی ہو جس کا شوہر بھی اس کے شوہر کے ہمنام ہو، لہٰذا تقیید دیگر بھی ضروری ہے رہے سید وزیر علی، انہوں نے ضرور دو نام لئے شوہر کے ساتھ اچھی بیگم کے باپ کا نام ایوب شاہ بھی بتایا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

مگر افسوس کہ شوہر کا نام ودن میاں لیا اور شاہ حیدر علی کے بیان میں بھی یونہی کہا کہ مکان اچھی بیگم ودن میاں کی بی بی نے خرید لیا، یہ نام لینا نہ لینے سے بدرجہا بدتر ہوا، نہ لیا جاتا تو مدعا علیہا میں ایک نوع جہالت رہی اور نام بدل دیا تو مدعا علیہا خود بدل گئی کہ وہ اچھی بیگم بنت ایوب شاہ جو مدن میاں کی بی بی ہے یقینا اس اچھی بیگم بنت ایوب شاہ کی غیر ہے جو اسی وقت میں ودن میاں کی بی بی ہو، اس کے بیان کو بھی یہی فتوائے مدخلہ مدعی کافی ہے، مدعا علیہا کے گواہ محمد شاہ خاں کے بیان میں یہ جملہ واقع ہوا مظہر اچھی بیگم مدعا علیہا کو جانتا ہے اس کے باپ کا نام ایوب علی ہے، اس پر فتوے نے اعتراض فرمایا کہ ان کے بیان میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انہوں نے ولدیت مدعا علیہا کی غلط بیان کی ہے کہ جس کا یہ شاہد ہے اس کو خود تسلیم ہے لہٰذا اس کی گواہی کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے اور اس پر عالمگیری کی سند دی، یونہی یہاں بھی سید وزیر علی کی نسبت کہا جائے گا کہ ان کے بیان میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انہوں نے زوجیت مدعا علیہا کی غلط بیان کی ہے کہ جس کا یہ شاہد ہے اس کو خود تسلیم ہے لہٰذا اس کی گواہی کیونکر قبول ہو سکتی ہے، بلکہ انصافاً ایوب شاہ وایوب علی میں وہ تباین نہیں جو مدن میاں و ودن میاں میں ہے ممکن کہ نام ایوب علی شاہ ہو اور اختصاراً کسی نے ایوب شاہ کہا کسی نے اخیر کا کلمہ تعظیمی کم کرکے ایوب علی بخلاف مدن وودن کہ قطعاً دو متغائر نام ہیں بہر حال اسی وجہ ششم پر بھی پانچوں شہادات مدعی رد ہیں۔

وجہ ہفتم: مدعی کے فتوائے اولٰی نے جملہ شہادات مدعی کو ان چھ وجوہ سے باطل کیا نہ یوں کہ مجموع پر چھ ہوں بلکہ ہر گواہی چھ وجہ سے مردود ہے، اب اس فتوے میں بعض شہادتوں پر دو اعتراض اور ہیں کہ وہ بھی مدعی کی بعض شہادات پر وارد ہیں یونہی بعض دیگر ابطال مدعی کے فتوائے دوم سے ہے یوں مل کر ان فتووں نے ساتویں وجہ سے جملہ شہادات مدعی باطل کی ہیں ان کا بیان سنئے:

اول: شہادت محمد شاہ خاں پر تبدیلی نام کا اعتراض کہ اس سے سخت تر شہادت سید وزیر علی پر وارد ہے:

دوم: شہادت منور حسین پر اس کا جز و بیان غلط ہونے سے اعتراض کہ اس نے کہا مجھے سمن وصول ہو گیا تھا حالانکہ واقع میں اس وقت تک وصول نہ ہوا تھا فتوے نے اس کی نسبت

کہا تھا کہ عدالت کو بھی تسلیم ہے ہم نے فیصلہ میں کہیں اس کی صریح تسلیم نہ پائی بلکہ جواب وہ دیا ہے کہ برتقدیر وقوع بھی شہادت سے دفع مضرت کرے جس کا بیان عنقریب آتا ہے بہرحال یہ اعتراض گواہ مدعی احسان خاں بلکہ ننھے مرزا پر بھی ہے ان کے کلام میں بھی تناقص ہے ننھے مرزا نے کہا مظہر گل نور خاں کے چبوترہ پر قریب مکان متنازعہ بیٹھا ہوا تھا اس کو عرصہ کوئی ڈھائی مہینہ کا ہوا پھر کہا مظہر چبوترہ کے نیچے بیٹھا تھا اور آدمی چبوترہ پر تھے اسے اگر استدراک ہی کہیئے تو احسان خاں نے اولاً کہا جب سے مظہر اس جلسہ میں آیا اور جب تک گیا مظہر سے کسی کی بات نہ ہوئی، بعد کو لکھایا مظہر گل نور خاں سے باتیں کررہا تھا یہ ضرور تناقض ہے اور تناقض میں کذب سے مفر نہیں کہ دونوں باتیں سچی نہیں ہوسکتیں، عالمگیری میں مبسوط سے ہے:

لم تقبل شہادتہما لانا نتیقن بکذب احدہما[1]۔	دونوں کی گواہی قبول نہ ہوگی دونوں میں سے ایک کے جھوٹا ہونے کا ہمیں یقین ہے۔(ت)

فیصلہ نے منور حسین خاں کی طرف سے وہ جواب دیا کہ وہی احسان خاں اور ننھے مرزا پر سے اس اعتراض کا جواب ہوتا یعنی یہ امر صلب شہادت سے خارج ہے اور شرعاً نقص غیر مشہود بہ مضر شہادت نہیں اور اس پر یہ عبارت شرح وقایہ تحریر فرمائی:

الاکذاب فی غیر المشہود بہ لایمنع القبول[2]۔	مشہود بہ کے غیر میں جھٹلانا قبولیت کے لیے مانع نہیں ہے۔(ت)

یہ عبارت اگرچہ چنداں متعلق نہ ہو کہ کلام کذب میں ہے نہ اکذاب میں بلکہ اس کے لیے یہ عبارت خلاصہ وہندیہ ہے کہ:

التناقض فیما لایحتاج الیہ لایضر[3]۔	غیر ضروری معاملہ میں تناقض مضر نہیں ہے۔(ت)

مگر فتوائے مدعی نے خود بھی کذب واکذاب میں فرق نہ کرکے اس کا یہ رد کیا کہ بصورت منسوب ہونے گواہ کے صریح جھوٹ کے ساتھ گواہی اس کا نامقبول ہے خواہ یہ لغو بیانی اس کی مشہود بہا سے خارج ہو یا نہ ہو اور اس پر عبارت عالمگیری پیش کی:

فی العیون، شہد الرجلان علی اٰخر	عیون میں ہے کہ دو گواہوں نے ایک شخص کے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸

[2] شرح الوقایۃ کتاب الشہادات باب قبول الشہادۃ وعدمہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۶۹

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰

بالف وانه قد قضاه خسمائة وقال الطالب لی علیه الف وما قضانی شیئا والشهود او هموا فی الشهادة علی القضاء تقبل شهادتهما ان عدلا، ولو قال شهادتهم بالالف حق وبالقضاء باطل لاتقبل شهادتهما لانه نسبهما الی الفسق کذافی المحیط[1] (ملتقطا)	ذمہ ہزار کی گواہی دی اور کہا کہ پانصد اس نے ادا کردئے ہیں جبکہ مدعی کہتا ہے کہ میرا اس کے ذمہ پورا ہزار ہے ابھی اس نے کچھ بھی ادا نہیں کیا اور گواہوں کو ادائیگی کے متعلق شہادت میں وہم ہوا ہے تو ان کی شہادت قبول ہوگی بشرطیکہ دونوں گواہوں کو عادل قرار دیا گیا ہو، اور اگر طالب یعنی مدعی نے کہا ان گواہوں کی ہزار کے متعلق گواہی حق ہے اور ادائیگی کے متعلق شہادت باطل ہے تو گواہوں کی شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس نے گواہوں کی نسبت فسق ظاہر کیا ہے، محیط میں ایسے ہی ہے (ملتقطا)۔(ت)

مگر نہ جانا کہ صورت عالمگیری کو یہاں سے کچھ علاقہ نہیں جب مدعی ہزار روپے کا مطالبہ بتاتا ہے اور گواہ کہتے ہیں ہزار تھے پانسو ادا ہوچکے ہیں تو وہ صراحۃً ہزار کے مطالبہ کو غلط اور صرف پانسو کا مطالبہ بتارہے ہیں اسے مشہود بہ سے خارج ماننا عجیب ہے۔

سوم: یہاں تک فتوائے اولٰی کے حرف حرف پر کلام ہولیا اب دوسرا سنئے:

فتوائے ثانیہ مدعی کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اولًا: مدعا علیہ کا بیان تھا کہ ۱۵/نومبر یعنی تاریخ بیع ہی میں مدعی کو علم بیع ہوا، مدعی شریک مشورہ تھا، اس نے بعد البیع تسلیم کی ان میں پہلے دو فقرے کسی گواہ مدعا علیہا نے بیان نہ کئے تو شہادت مطابق دعوی نہیں لہذا نامقبول، عینی میں ہے:

موافقة الشهادة للمدعی ان تتحد انواعا وکما وزمانا[2]۔	مدعی کے لئے شہادت کی موافقت یوں ہے کہ وہ نوع، مقدار اور زمانہ کے اعتبار سے متفق ہوں۔(ت)

ثانیًا گواہان مدعا علیہا میں محمد سعید خاں، محمد صدیق علی خاں جن کی شہادت ۲۳/اپریل کو ہوئی اس وقت چار مہینے پہلے مدعی کا وہ قول بتاتے ہیں کہ مکان اچھی بیگم نے مول لیا، میں خوش ہوا، تو حساب سے اس قول کا وقت اواخر دسمبر آتا ہے اور منور حسین خاں، محمد شاہ خاں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۹۵

[2] البنایة فی شرح الهدایة للعینی کتاب الشهادات المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۳/ ۳۴۷

سید اچھے میاں شروع جنوری روز جمعہ کو مدعی کا یہ کہنا بیان کرتے ہیں اور خود مدعا علیہا ۱۵ نومبر ہی کو وقوع تسلیم بتاتی ہے اب بیان گواہان کو موجب تسلیم مانیے یا تسلیم گزشتہ کی خبر۔ بر تقدیر اول جبکہ حسب بیان مدعا علیہا شفعہ ۱۵ نومبر کو تسلیم و ساقط ہو چکا تھا، پھر دسمبر و جنوری میں مکرر سقوط کیسا، **الساقط لایعود** (ساقط شدہ بحال نہیں ہوتا۔ت) بر تقدیر ثانی خبر کے لئے مخبر بہ کا ثبوت لازم، مخبر بہ قول مدعا علیہا ہے بیان گواہان سے جس کا ثبوت نہیں لہٰذا یہ خبر تسلیم مثبت تسلیم نہیں۔

ثالثاً: مدعا علیہا ۱۵ / نومبر کو تسلیم بتاتی ہے گواہ بعد کو، تو دونوں بیان متعارض ہو کر ساقط ہوں گے اور حق شفعہ جو طلبین سے مستقر ہو چکا ہے ثابت رہے گا۔ قاضیخاں میں ہے:

المدعی اذا اکذب الشھود فی ماشھدوالہ اوفی بعضہ لاتقبل شہادتھم [1]۔	مدعی جب گواہوں کو اپنے حق میں کل بیان یا بعض کو جھٹلادے تو شہادت قبول نہ ہوگی (ت)

یہ حاصل ہے تمام تطویل فتوائے ثانیہ کا، بلکہ زیادت ضبط و ایضاح کے ساتھ، مگر افسوس کا محل ہے کہ اس میں ایک حرف بھی صحیح نہیں،

اولاً: مدعی علیہا کا دعوی تسلیم شفعہ بعد العلم بالبیع ہے اس کے سوا تعیین وقت نہ اس کے دعوی کا حقیقۃً جز ہے نہ مدار، نہ اس کے بیان کی حاجت نہ اس میں اختلاف سے مضرت، تسلیم یہاں بالقول ہوئی، اور قول قابل تکرر ہے، اور شہود ایک جلسہ خاصہ کا بیان نہیں کرتے بلکہ صراحۃً جدا جلسوں کا ذکر کرتے ہیں، قول محض میں اگر شہادتیں یا شہادت و دعوی در بارہ زمانہ ایسا اختلاف کریں اصلاً کچھ مضر نہیں، نہ ہرگز اسے شہادت و دعوی یا باہم دو شہادتوں کی عدم مطابقت کہہ سکیں، عالمگیری میں ہے:

ان کان المشھود بہ قولا محضا کالبیع والاجارۃ و الطلاق والعتاق و الصلح والابراء، واختلفا فی البلدان او فی الشھود جازت شہادتھما ولا تبطل الشھادۃ باختلاف الشاھدین فی الایام والبلدان الاان یقولا کنامع الطالب	جس چیز کی شہادت ہے وہ اگر خالص گفتگو ہے مثلاً بیع، اجارہ، طلاق، عتاق، صلح اور بری کرنا جن کا تعلق زبان سے ادائیگی کے ساتھ ہے، اور گواہوں نے ان امور میں علاقے یا مہینے کے بیان میں اختلاف کیا تو دونوں کی شہادت قبول ہوگی، اور دونوں گواہوں کا ایام، شہروں کا اختلاف شہادت کو باطل نہ کرے گا، مگر اس صورت میں

[1] فتاوی قاضی خان کتاب الشھادت فصل فی تکذیب المدعی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۵۰

فی موضع واحد فی یوم واحد ثم اختلفا فی الایام و المواطن و البلدان فان اباحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال انا اجیز الشھادۃ وعلیھم ان یحفظوا الشھادۃ دون الوقت وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی الامر کما قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی القیاس وانا استحسن وابطل ھذہ الشھادۃ بالتھمۃ الاان یختلفا فی الساعتین من یوم واحد فیجوز کذا فی فتاوٰی قاضیخان [1] (ملتقطًا)	جب دونوں یہ کہہ چکے ہوں کہ ہم دونوں ایک جگہ ایک وقت میں طالب کے ہمراہ تھے پھر اس کے بعد ایام، مقامات اور شہروں کا اختلاف بیان کریں تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں میں اس شہادت کو جائز قرار دوں گا کیونکہ گواہوں کے ذمہ اصل شہادت کو محفوظ کرنا ہے نہ کہ وقت کو، اور امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد قیاس کے مطابق ہے میں استحسان کرتا ہوں اور میں اس شہادت کو تہمت کی بناء پر باطل کہتا ہوں، ہاں اگر دونوں کا اختلاف صرف ایک دن میں مختلف گھنٹوں کے متعلق ہو تو شہادت جائز ہوگی، فتاوٰی قاضیخان میں یونہی ہے۔ (ملتقطا)۔ (ت)

ثانیًا: اعتراض دوم عجیب منطق ہے اس شہادت میں موجب و مخبر کی تردید کیسی، شہادت ہمیشہ مخبر ہی ہوتی ہے اس کی تعریف ہی میں اخبار بحق، داخل ہے اور مخبر بہ صرف قول مدعاعلیہا ہونے سے ایراد اس سے بھی عجیب تر، مخبر بہ ہمیشہ دعوی ہوتا ہے اور دعوی ہمیشہ قول صرف مدعی۔ اسی کے اثبات کے لئے شہادت ہوتی ہے شہادت سے پہلے اس کا ثبوت درکار ہو تو شہادت لغو ہے کہ امر ثابت کیا محتاج اثبات ہے اور اگر یہ مقصود کہ اس کا دعوی اور ان کا بیان زمانًا مختلف ہے تو یہ وہی پہلا اعتراض ہے جس کا رد ہوچکا۔

ثالثًا: یہی حال تعارض کا ہے نفس تسلیم میں دعوائے مدعاعلیہا و جملہ شاہدان مدعاعلیہا متفق ہیں، اختلاف اگر ہے تو زمانہ کا، اور وہ قول محض میں مضر نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے:

شھدا ان فلانا طلق امرأتہ فشھد احدھما انہ طلقھا بالبصرۃ والاٰخر انہ طلقھا بالکوفۃ، لو شھدا بذٰلك فی یومین متفرقین من الایام	دونوں گواہوں نے شہادت دی کہ فلاں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے ایک نے کہا بصرہ میں دوسرے نے کہا کوفہ میں دی ہے، اگر دونوں نے متفرق دنوں کی بات کی ہے جن میں کوئی شخص اپنی سواری

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشھادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۸۔۵۰۷

وبینھما قدر مایسیر الراکب من الکوفۃ الیٰ مکۃ جازت شھادتھما[1] (ملتقطًا)	کے ذریعے ان دونوں شہروں میں سے ایک سے دوسرے میں پہنچ سکتا ہو مثلاً کوفہ سے مکہ تک ان دونوں میں جاسکتا ہے تو شہادت جائز ہوگی (ت)

یہ رد ہے اس تمام فتوائے ثانیہ کا، اور شفعہ بہ ثبوت طلبین مستقر ہولینے کا ردی حال ہمارے بیانات سابقہ و لاحقہ سے واضح۔ خیر یہ تو اس فتوے کی حالت تھی۔ کہنا یہ ہے کہ بفور علم بالبیع طلب مواثبت واشہاد بجالانا قطعًا ایسی چیز ہے کہ دوبارہ نہیں ہوسکتی کہ علم بالبیع متکرر نہیں ہوسکتا تو مدعی اور اس کے شاہدان کا بیان وقت میں بھی یقینا متفق چاہئے، اگر زمانہ اس کے زمانہ سے آگے پیچھے بتائیں تو شہادت و دعوی ضرور مختلف ہیں اور وہی عبارات ہدایہ و عینی کہ فتوائے ثانیہ نے رد شہادات مدعا علیہا کے لئے زعم کی تھیں، رد شہادات مدعی کو کافی ووافی ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مدعی نے علم بالبیع اور بفور علم طلب کی تاریخ ۸ / جنوری بتائی اس کی گواہیاں ۲۰/ مارچ کو گزریں کہ اکہتر دن یا دو مہینے گیارہ دن کا فاصلہ ہے، لیکن سید گوہر علی کے بیان میں ہے کہ کوئی مہینہ سے کم کم ہوا ہوگا لہٰذا شہادت مخالف دعوی ومردود، رحمت علی خاں بالتعیین بلا تخمین کہتا ہے عرصہ دوڈھائی ماہ کا ہوا جس کے پچھتّر دن ہوئے، بیان مدعی سے چار دن زیادہ، احسان خان اگرچہ تخمینہ کرتا ہے مگر زائد کا، اور اس سے بھی زیادہ کی طرف بڑھتا ہے، وہ زائد دن میں تردد کرتا ہے کہ کوئی عرصہ تخمینًا ڈھائی پونے تین مہینے کا ہو یعنی پچھتّر ۷۵ یا بیاسی ۸۲ یا تراسی ۸۳ دن ہوئے اور مدعی کے قول سے اکہتر ہی ہیں تو دو گواہ وجوہ خاصہ سے فتوائے اولیٰ نے رد کئے تھے تین فتوائے ثانیہ نے رد کئے، پانچوں رد ہوگئے بلکہ عندالتحقیق خود یہ فتوائے ثانیہ ہی پانچوں کو رد کردے گا، سید وزیر علی اور ننھے مرزا نے اگرچہ عرصہ تخمینًا ڈھائی ماہ کا کہا جو بیان مدعی سے موافقت کو بھی متحمل ہے مگر امر محتمل شہادت میں نہیں لیا جاتا کہ احتمال جانب مخالفت کا بھی رہا اور موافقت دعوی کی شرط قبول شہادت تھی ثابت نہ ہوئی ولہٰذا اگر گواہ زمانہ مرور بیان کرے بوجہ جہالت مردود ہے، جہالت تخمینہ میں بھی موجود ہے، یہ متحقق نہ ہوا کہ یہ واقعہ آٹھ ہی جنوری کا ہے، ممکن ہے کہ قبل کا ہو، تو دعوی سے مطابقت کب ہوئی۔ عالمگیری میں ہے:

شھد الشھودان لھذا المدعی علی ھذاالمدعی علیہ دہ دوازدہ درم لاتقبل لمکان الجھالۃ، وکذٰلك اذاادعی دہ دوازدہ	گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے فلاں مدعا علیہ پر دس بارہ درہم ہیں، شہادت قبول نہ ہوگی اور یونہی جب مدعی نے اپنے دعوی میں دس بارہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۵۰۸

درہم لاتسمع دعواہ وکذٰلك اذاذکر التاریخ فی الدعوی علی ھذاالوجه بان قال ایں عین ملك من ست ازدہ دوازدہ سال فانه لا تسمع دعواہ، وکذٰلك اذاذکر الشھود التاریخ فی شھادتھم علی ھذا الوجه لا تقبل شھادتھم کذافی الذخیرۃ[1]۔	درم کہا تو دعوی قابل سماعت نہ ہوگا، اور یوں جب تاریخ کو دعوی میں اس انداز سے بیان کرتے ہوئے کہا دس بارہ سال سے اس چیز کا مالک ہوں تو سماعت نہ ہوگی اور یونہی گواہوں نے اگر تاریخ کو اسی انداز سے بیان کیا تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ ذخیرہ میں ایسے ہی ہے۔

وجہ ہشتم: یہاں تک گواہان مدعی علیہا پر تمام اعتراضات کارد ہوگیا۔ ہر دو فتوائے مدعی کا ایک ایک فقرہ مسترد ہوگیا اور روشن ہوا کہ وہ فتوے اگرچہ بظاہر تائید مدعی کے لئے ہیں حقیقۃً ابطال دعوی شفعہ کر رہے ہیں ان سے ایک ایک گواہی مدعی سات سات وجہ سے مردود ہے۔ اب ہم وہ وجہ ذکر کریں جس کا وعدہ کیا تھا، ثبوت شفعہ کے لئے لازم ہے کہ دار مشفوع بہا جس کے ذریعہ سے شفیع دعوی شفعہ کرے قبل بیع سے وقت حکم تک ملک شفیع میں رہے کہ وقت بیع اس کی ملک شرط شفعہ ہے اور بعد بیع قبل حکم اس کا اپنی ملک سے اخراج دلیل اعراض ہے ولہذا اگر مشتری مشفوع بہا میں ملک شفیع تسلیم نہ کرے شفیع کی طرف سے اس مضمون کی شہادت لازم ہے کہ مشفوع بہا قبل بیع مشفوعہ سے اس وقت تک ملک شفیع ہے ہمارے علم میں اس کی ملک سے خارج نہ ہوئی، اگر گواہوں نے صرف اتنا کہا کہ مشفوع بہا ملک شفیع ہے کافی نہ ہوگا۔ عالمگیریہ شرائط شفعہ میں ہے:

منھاملك الشفیع وقت الشراء فی الدار التی یاخذ بھا الشفعة[2]۔	شرائط میں سے شفعہ کرنے والے کی سودے کے وقت اس مکان کی ملکیت ہے جس کی بناء پر شفعہ کررہاہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یبطلھا بیع مایشفع به قبل القضاء	شفعہ کے فیصلہ سے قبل شفعہ کا سبب بننے

[1] فتاوٰی ہندیه کتاب الشھادۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۶۲

[2] فتاوٰی ہندیه کتاب الشفعه الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۶۱

بالشفعۃ مطلقًا علم ببیعھا ام لا وکذا لوجعل ما یشفع بہ مسجدا[1]۔	والی زمین کو فروخت کرنا مطلقًا شفعہ کو باطل کردے گا اس کی بیع کا علم ہو یا نہ ہو اور یوں ہی اگر اس زمین کو مسجد بنادیا ہو (ت)

نیز درمختار میں ہے:

واذا طلب الشفیع سأل القاضی الخصم عن مالکیۃ الشفیع لما یشفع بہ فان اقربھا او نکل عن الحلف علی العلم او برھن الشفیع انھا مبلکہ سألہ عن الشراء[2] الخ۔	جب شفعہ والا مطالبہ کرے تو قاضی دوسرے فریق سے اس مکان کی ملکیت کے متعلق سوال کرے جس کے سبب شفعہ کا دعوٰی کیا ہے اگر وہ فریق مدعی کی ملکیت کا اقرار کرے یا اپنے علم سے متعلق قسم دینے سے انکار کردے یا مدعی اس کی اپنی ملکیت پر شہادت پیش کردے تو پھر قاضی اس مکان کے سودے کے متعلق سوال کرے الخ۔ (ت)

ردالمحتار میں زیر قولہ برھن الشفیع (شفعہ والا گواہ پیش کرے۔ت) محیط سے اور عالمگیری میں محیط وذخیرہ سے ہے:

فی الاجناس بین کیفیۃ الشھادۃ فقال ینبغی ان یشھدوا ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعۃ ملك ھذا الشفیع قبل ان یشتری ھذا المشتری ھذا الدار وھی لہ الی ھذہ الساعۃ لانعلمھا خرجت عن مبلکہ فلو قال ان ھذہ الدار لھذا الجار لایکفی[3]۔	اجناس میں شہادت کی کیفیت کے بیان میں ہے، تو فرمایا کہ گواہوں کو چاہئے کہ وہ یہ بیان کریں کہ مدعی فروخت شدہ مکان کے پڑوسی والے مکان کا اس مکان کی فروخت سے قبل تاحال مالک چلا آرہا ہے اور مدعی ہی مالک ہے اس کی ملکیت سے خارج ہونے کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے اگر گواہوں نے صرف اتنا کہا کہ پڑوس کا یہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو کافی نہ ہوگا۔ (ت)

یہاں مشتریہ نے مشفوع بہا میں ملک مدعی تسلیم نہ کی تو مدعی پر اقامت بینہ بروجہ مذکور لازم تھی پانچ

---

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلھا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[2] درمختار کتاب الشفعہ باب طلب الشفعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۹، ردالمحتار کتاب الشفعہ باب طلب الشفعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۴

گواہوں میں سے تین نے تو اس کا نام ہی نہ لیا، ننھے مرزا نے یوں کہا "مدعی جس مکان میں رہتا ہے وہ ملکیت سولہ برس سترہ برس سے گویا کہ مدعی کی اب تک ہے" گویا کو شہادت سے کیا علاقہ۔ اور آگے چل کر اور بھی تخریب کردی کہ مظہر نے محلّہ میں مظفر شاہ کی زبانی سنا کہ مدعی کا مکان جس میں مدعی رہتا ہے ملک کی گواہی اور ایک شخص کی سماعی، ہاں صرف برادر مدعی سید وزیر علی نے کہا ہے کہ جس مکان کے ذریعہ سے مدعی نے مکان کے شفعہ کا دعوٰی کیا ہے وہ مکان قبل بیع سے اب تک ملک مدعی میں ہے یہ شہادت بھی باطل ہے،

اولاً: ملک مکان پر شہادت کے لئے ضرور ہے کہ یا مکان حاضر کی طرف اشارہ ہو جیسا ابھی عبارت عالمگیری سے گزرا کہ:

ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعۃ[1]۔	بیشک یہ مکان جو فروخت شدہ مکان کے پڑوس میں ہے۔ (ت)

یا غائب ہے تو اس کے حدود کا بیان ہو، عالمگیریہ میں ہے:

فی الشہادۃ علی المحدود لا بد من ذکر الحدود کذا فی الخلاصۃ[2]۔	محدود چیز کے متعلق شہادت میں اس کے حدود کو بیان کرنا ضروری ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے (ت)

یہاں دونوں مفقود، لہٰذا شہادت مردود۔

ثانیاً: یہ وہی گواہی ہے جس میں تبدیل نام واقع ہوئی ہے جس کا بیان وجہ ششم گزرا۔

ثالثاً: کچھ نہ ہو تو تنہا ایک کی گواہی ہے ملک ثابت نہیں ہو سکتی لہٰذا سرے سے مبنائے شفعہ پایہ ثبوت کو نہ پہنچا اور دعوٰی بے ثبوت رہا، رہا یہ کہ خود اسی مکان متنازعہ فیہ کے بیعنامہ اسمی مدعاعلیہا میں حد شمالی مکان مولوی شجاعت علی تحریر ہے اور بیعنامہ عاقدین پر حجت ہوتا ہے لہٰذا یہ مدعاعلیہا کی طرف سے مکان مشفوع بہ میں ملک مدعی کی تسلیم ہے ذی علم فاضل مفتی صاحب نے اسی بناء پر تنقیح بحق مدعی فیصل فرمائی مگر ہماری تقریر سابق سے واضح ہے کہ صرف وقت بیع مشفوع بہا میں ملک شفیع کافی نہیں بلکہ جب سے وقت حکم تک ملک مستمر درکار ہے بیعنامہ سے ثابت ہوا تو اتنا کہ وقت بیع مذکور مکان مشفوع بہ ملک مدعی تھا اس سے وقت طلب اول حسب بیان مدعی بھی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۷۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۸۵

ملک مدعی ثابت نہیں ہوتی، نہ کہ اب تک کہ بیع ۱۵/ نومبر کو ہوئی اور مدعی نے وقت طلب ۸/ جنوری بیان کیا، ممکن ہے کہ اس بیچ میں اس کی ملک سے نکل گیا ہو اور یہاں استصحاب یعنی اس وقت ملک ثابت تھی اور زوال معلوم نہیں تو اب تک ملک مانی جائے گی کافی نہیں کہ یہ ظاہر ہے اور ظاہر حجت دفع ہے نہ کہ حجت استحقاق، اور شفیع کو منظور استحقاق ہے تو استصحاب بکار آمد نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

الظاہر لایصلح للاستحقاق فلا بدمن ثبوت مبلکه بحجة لاستحقاق الشفعة [1]۔	ظاہر حال کسی استحقاق کو ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو ثبوت ملکیت کے لئے اس کے پاس شفعہ کے استحقاق کی دلیل کا ہونا ضروری ہے (ت)

اگر کہئے یہ تنقیح تو فیصلہ میں بحق مدعی فیصل ہوچکی تو اس کا جواب بھی فتوائے اولٰی مدخلہ مدعی دے گا کہ تجویز عدالت بلادلیل وحجت ہے شرعًا ہرگز قابل نفاذ نہیں۔ اشباہ میں ہے:

والحکم اذاکان لا دلیل علیہ لم ینفذ انتھی [2]۔	جب حکم کی دلیل نہ ہو تو وہ نافذ نہیں ہوتا انتہی (ت)

بالجملہ ہر وجہ ہر جہت ہر پہلو سے دعوی مدعی باطل اور شریعت مطہر کے حکم سے فیصلہ بحق مدعاعلیہا ہونا لازم واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۶ تا ۱۱۸: از ضلع بجنور قصبہ نگینہ محلّہ میر سرائے مسئولہ جلال الدین عطار بروز یکشنبہ ۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام سوالات مندرجہ ذیل میں:

(۱) حافظ جلال الدین و نظام الدین ولد مولا بخش بھائی علاتی ہیں ان کو ترکہ میں نزاع ہے، اول یہ کہ دو دکانیں جن میں ان کے والد نشست وبرخاست کرتے تھے حافظ جلال الدین مدعی ہیں کہ یہ ملک والد صاحب مرحوم سے ہے، اور نظام الدین کہتا ہے کہ والد صاحب کی نہیں بلکہ والدہ صاحبہ کو یہ ملی ہیں حافظ جلال الدین اپنے مدعا کے ثبوت میں منجملہ شہادتوں کے ایک شہادت حدود سے کرتے ہیں یعنی ان دکانوں کی جن کے مکانات سے حدود ملتے ہیں ان کے بیعنامہ کے حدود میں ملک والد صاحب کہتے ہیں اور لکھنے والے والد صاحب کی ملک بتلاتے ہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ شہادت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱۷۴/۵

[2] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الاولٰی الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۳

باوجود اس کے کہ سبب ملک والد صاحب نہیں بیان کرتے عند الشرع معتبر ہے یا نہیں، اگر معتبر ہے تو ناشی حکم (اس امر کا کھوج لگانا اور جرح کرنا کہ تم کو کس ذریعہ سے ملک مولا بخش معلوم ہوئی، یا تم نے بیعنامہ دیکھا ہے یا تمہارے سامنے بیع ہوئی ہے) حق حاصل ہے یا نہیں؟

(۲) اور نیز حافظ جلال الدین اپنے مدعا میں ایک شہادت یہ گزرانتا ہے کہ ایک شاہد یہ بیان کرتا ہے کہ ان دکانوں کا بیعنامہ میرے سامنے ہوا اور بائع نے میرے سامنے بیع کی، اور دوسرا شاہد بیان کرتا ہے کہ مشتری نے میرے سامنے اس کی بیع لینے کا اقرار کیا کہ میں نے فلاں سے یہ دکانیں خریدی ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ شہادت عند الشرع معتبر ہے یا نہیں؟

(۳) حافظ جلال الدین کہتا ہے کہ ایک مکان والد صاحب نے مجھ کو ہبہ کیا تھا جس میں میں نے ان کی زندگی میں ہی چھپّر کا دالان بنالیا تھا اور تقریبًا اس میں بیس پچیس سال رہا، بعد میں مجھ کو اس میں تنگی ہوئی اور دوسری دکان کرایہ پر لے کر اس صورت سے رہنے لگا کہ مکان موہوبہ میں اپنا تصرف و قبضہ مالکانہ رہا، اس کے بعد والد صاحب نے دوسرے دکان جو دکان موہوبہ سابق کے بغل میں ایک جانب کو واقع اور ملکیت میں اپنی زوجہ یعنی میری سوتیلی مادر کے تھا مجھ کو ملا کر دے دیا اور مادر صاحبہ سے بھی کہلادیا کہ میں نے دے دیا جیسا میرا بیٹا نظام الدین ہے ویسا ہی جلال الدین ہے چنانچہ میں نے اس دوسری دکان کو بھی لے کر اپنے والد اور مادر کی زندگی میں اپنی سابق دکان کے ساتھ ملحق کرلئے درمیان کی دیوار نکال دی اور اس کے سامنے ہی ایک دالان بنالیا، اب سوال یہ ہے کہ عند الشرع ان دونوں دکانوں کا میرے لئے ہبہ درست ہوا یا نہیں، اور میرے شاہد ان دونوں مکانوں کی بابت دینا والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی جانب سے بیان کرتے ہیں یہ شہادت فقط دینے کی ہبہ پر محمول ہوگی یا عاریۃً پر اور اس میں قاضی یا حکم کو شاہدان سے یہ حق دریافت کرنے کا حاصل ہے یا نہیں کہ دکان جلال الدین کو ہبہ دیا گیا تھا یا عاریۃً۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب: وباللہ التوفیق

(۱) اگر شاہدان نے صرف اس پر اکتفاء کیا کہ یہ دکانیں مولا بخش کی ہیں اور سبب ملک نہ بیان کیا تو یہ شہادت منجملہ عند الشرع معتبر ہے اور دکانیں مولا بخش کی ہی مانی جائیں گی اور قاضی یا حکم

کو اس کا حق حاصل نہیں ہے کہ گواہان سے تفتیش کرے کہ تم کو کس سبب اور ذریعہ سے ملک فلاں ہونا ثابت ہوا،

ومن فی یدہ شیئ فلك ان تشھد انه له ان وقع فی قلبك ذٰلك والالا[1] الخ تنویر الابصار، وفی الھدایة ومن کان فی یدہ شیئ سوی العبد والامة وسعك ان تشھد انه له لان الید اقصی مایستدل به علی الملك اذھی مرجع الدلالة فی الاسباب کلھا[2]، قال فی نھایة انه لا دلیل لمعرفة الملك فی حق الشاھد سوا الید لان اکثر مافی الباب ان یعاین اسباب الملك من الشراء ونحوہ الا ان الشراء انما یفید الملك اذاکان المبیع ملکا للبائع وذٰلك لایعرف الابالید فلو لم یجز اداء الشھادة بحکم الید لسد باب الشھادة حتی حل للقاضی ان یقضی بحکم الید کما یحل للشاھد[3] انتھی۔	اور اگر کوئی شیئ کسی کے قبضہ میں بطور ملکیت ہو، دل پر گزرے تو تجھے جائز ہے کہ اس چیز کی اس کے لئے شہادت دے ورنہ نہیں الخ تنویر الابصار۔ اور ہدایہ میں ہے غلام اور لونڈی کے علاوہ کوئی چیز کسی کے قبضہ میں ہو تو تجھے گنجائش ہے کہ تو یہ شہادت دے کہ یہ چیز اس کی ہے کیونکہ قبضہ ملکیت کی دلیل کے لئے فیصلہ کن ہے کیونکہ یہ تمام اس باب میں دلالت کا مرجع ہے، نہایہ میں فرمایا: گواہ کے پاس ملکیت کی معرفت کے لئے قبضہ کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس باب میں اکثر طور نظر آنے والے اسباب خریداری وغیرہ ہیں لیکن خریداری بھی اس وقت مفید ملک ہے جب یہ معلوم ہو کہ مبیع بائع کی ملکیت تھا اور بائع کی ملکیت اس کے قبضہ سے ہی معلوم ہوسکتی ہے اور اگر قبضہ کی بناء ملکیت کی گواہی جائز نہ ہو تو شہادت کا دروازہ ہی بند ہوجائے، حتی کہ قاضی کو جائز ہے کہ وہ قبضہ کی بناء پر ملکیت کا فیصلہ دے جس طرح گواہ کو یہ شہادت دینا جائز ہے اھ (ت)

(۲) یہ شہادت معتبر ہے۔

کما فی فوائد السمیة فی باب الاختلاف	جیسا کہ فوائد السمیہ کے اختلاف شہادت کے باب

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲
[2] الہدایہ کتاب الشہادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۹
[3] النہایہ شرح الہدایہ

بالشهادة ناقلا علی صاحب الدرر ولو شهد احدهما ان فلانا باع منه و اٰخران فلانا اقربا لبیع منه تقبل الخ۔	میں صاحب درر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اور گواہوں میں سے ایک نے شہادت دی کہ فلاں نے یہ چیز اس کو فروخت کی ہے، اور دوسرے نے شہادت دی کہ فلاں نے اس کے پاس فروخت کرنے کا اقرار کیا ہے، تو مقبول ہوگی الخ (ت)

(۳) حافظ جلال الدین کے لئے ان دونوں مکانوں کا ہبہ عندالشرع درست ہوگیا اور باپ کا دینا قرائن ہبہ اور تملیک کے موجود ہوتے ہوئے ہبہ ہی مانا جائے گا اور اتنی مدت دراز تک تصرف مالکانہ اور عدم تعرض والد کا واضح قرینہ تملیک ہے، لہٰذا شاہدین کی شہادت میں لفظ دینا ہبہ ہی پر محمول ہوگا عاریت پر نہیں ہوسکتا اور قاضی یا حکم کو شاہدین سے یہ استفسار کرنا کہ عاریۃً دیا تھا یا ہبۃً عندالشرع کوئی حق نہیں بلکہ یہ شہادت ہبہ ہی پر محمول ہوگی، ردالمحتار میں ہے:

وفی خزانة الفتاوی اذا دفع لابنه مالا فتصرف فیه الابن یکون للاب الااذادلت دلالة التملیك بیری الخ۔[1] وفی فوائد السمیة صحت بمثل قوله نحلت و وهبته کذاله جعلت، اما وهبت فانه صریح فیه واما نحلت وهی بمعنی اعطیت فلانه مستعمل فیه واما جعلت له فلان اللام للتملیک، واللہ اعلم بالصواب، راقم بشیر احمد عفی عنہ۔	خزانۃ الفتاوٰی میں ہے اگر کسی نے بیٹے کو مال دیا جس میں بیٹا باپ کی دی ہوئی اجازت سے تصرف کرتا ہو وہ مال باپ کا ہوگا مگر جب باپ کی طرف سے تملیک کا واضح قرینہ موجود ہو تو بیٹے کا تصور ہوگا، بیری الخ (ت) فوائد السمیہ میں ہے میں نے اس کو عطیہ دیا، اس کو ہبہ کیا۔ یونہی اس کے لئے کردیا، میں نے اسے ہبہ کیا۔ ان الفاظ سے ہبہ صحیح قرار پائیگا "**وهبت**" سے تو اس لئے کہ اس میں تملیک کی تصریح ہے "**نحلت**" سے اس لئے کہ یہ "**اعطیت**" (میں نے عطا کیا) کے معنی میں ہے کیونکہ یہ اسی معنی میں مستعمل ہے، لیکن "**جعلت له**" سے اس لئے کہ اس میں لام تملیک کے لئے ہے، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، راقم بشیر احمد عفی عنہ۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

الجواب

(۱) بیعناموں کی حدود میں ملک فلاں لکھا ہونا حجت نہیں،

فان القاضی انما یقضی بالبینة اوالاقرار اوالنکول اما الکتاب فلیس من الحجة فی شیئ کما فی الخانیة والخیریة وغیرھما[1]۔	کیونکہ قاضی صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار پر فیصلہ دیتا ہے لیکن تحریر کوئی حجت نہیں ہے جیساکہ خانیہ اور خیریہ میں ہے۔(ت)

اس کے ساتھ اگر کاتبان بیعنامہ کی زبانی شہادتیں یوں ہی کہ یہ بیعنامے ہم نے لکھے اور ان کے حدود میں فلاں مکان ملک فلاں لکھا تو یہ بھی کوئی چیز نہیں کہ یہ شہادت ملک پر نہیں بلکہ اپنے ایک فعل پر ہے اور اگر وہ یوں گواہی دیتے ہیں کہ یہ مکان ملک مولا بخش ہے کہ حدود بیعنامہ میں اس کی ملک لکھا ہے تو یہ بھی اصلاً مسموع نہیں کہ کتابت صک غیر مقرپر حجت نہیں، ہاں اگر وہ مطلقاً یہ مکان ملک مولا بخش ہونے کی گواہی دیتے ہوں اور تحریر حدود کو اس کا متبع بتاتے ہوں تو گواہی مسموع ہے، اور اگر وہ عادل شرعی ہیں تو حکم یا قاضی کو اس جرح کا کوئی حق نہیں کہ تم نے کیونکر اس کی ملک جانی ہاں اگر مستور ہوں اور حکم کو شبہہ گزرے تو سوال کرے **والمسئلة توخذمن جامع الفصولین وغیرہ** (یہ مسئلہ جامع الفصولین وغیرہ سے لیا گیا ہے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) یہ شہادت اگر پوری تعیین بائع و مشتری کے ساتھ ہو بھی کہ ایک گواہ گواہی دے کہ میرے سامنے یہ مکان زید بن بکر نے مولٰی بخش بن فلان بن فلاں کے ہاتھ بیع کیا، اور دوسرا گواہ گواہی دے کہ میرے سامنے مولٰی بخش بن فلاں بن فلاں نے کہا کہ میں نے یہ مکان زید بن عمرو بن بکر سے خرید کیا جب بھی اصلاً مسموع نہیں کہ دونوں شہادتیں کسی امر واحد پر وارد نہیں، نہ کسی کا بیان کہ میں نے خرید کیا دوسرے پر حجت ہوسکے، اور اسے شہادت علی الاقرار سمجھنا محض بے معنی ہے کہ یہ کہنا کہ میں نے خرید کیا اقرار نہیں دعوی ہے، اقرار ودعوی میں زمین آسمان کا بل ہے، اقرار مقرپر کوئی حق لازم کرنا ہے بخلاف اس صورت کے کہ ایک گواہ گواہی دے کہ اس بائع نے میرے سامنے اس مشتری کے ہاتھ یہ چیز بیع کی، دوسرا گواہی دے کہ میرے سامنے اس بائع نے اقرار کیا کہ میں نے یہ چیز اس مشتری کے ہاتھ بیع کی، یہ ضرور اقرار کی شہادت ہے اور دونوں شہادتوں سے واحد پر وارد کہ بیع میں صیغہ انشاء و صیغہ اقرار دونوں "**بعت**" ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] فتاوٰی خیریة کتاب القضاء باب خلل والمحاضر والسجلات دارالفکر بیروت ۲/ ۱۹، ۲۳

(۳) فرق ہے اس میں کہ زید عمرو سے کہے کہ یہ مکان میں نے تجھے دیا اور اس میں کہ بکر گواہی دے یہ مکان زید نے عمرو کو دیا تھا دینا ہبۃً بھی ہوتا ہے عاریۃً بھی اجارۃً بھی، مدار قرائن پر رہتا ہے اگر دلالت تملیک پائی جائے ہبہ سمجھا جائے گا ورنہ نہیں، دلائل وقرائن قول معطی کے ساتھ مقترن ہوتے ہیں یہ جو حکایت کررہا ہے کہ زید نے دیا تھا اس کے ساتھ کون سا قرینہ مقترن ہے لہذا شہادت محض مہمل وناکافی ہے، ایسی مبہم بات میں قاضی استفسار کرسکتا ہے اور مدعی کو اس سے روکنے کا حق نہیں کہ اگر استفسار نہ ہوگا شہادت مبہم ہوکر لغو بیکار ہوجائے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۹: از گوالیار محمود الحسن ہادی ۲/ذی الحجہ ۳۳ھ روز شنبہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وحماۃ الشرع المتین کسی معاملہ متنازعہ فیہ میں کسی شخص قرار دادہ احد المتخاصمین کو حکم قرار دے دیں اور وہ حکم ولایت شرعیہ میں نہ فیصلہ کرے تو کیا شرعًا اس کی منسوخی کے واسطے **احد المتخاصمین باب القضاء** میں یا کسی دیگر طریقہ سے چارہ جوئی کرسکتا ہے؟

الجواب:

حکم کا ولایت شرعیہ میں فیصلہ نہ کرنا دو معنی رکھتا ہے، ایک یہ کہ اسے اس فیصلہ کی شرعًا ولایت نہ تھی عام ازیں کہ وہ خود اہل ولایت سے نہ تھا یا اس خاص فیصلہ کی اسے ولایت نہ تھی جیسے قود وحدود میں تحکیم جائز نہیں، دوسرے یہ کہ حکم کو فی نفسہ اور اس خاص مقدمہ کے اعتبار سے بھی ولایت شرعیہ تھی مگر اس نے اس ولایت کے حدود میں فیصلہ نہ کیا اس سے باہر گیا یعنی خلاف شرع حکم دیا بہرحال کچھ بھی معنی ہوں وہ فیصلہ مردود باطل ہے اور کسی طرح نافذ نہیں ہوسکتا منسوخ تو وہ کیا جائے جو کچھ وجود بھی رکھتا ہو، ہاں اگر فریق ثانی نہ مانے تو اس کے اظہار بطلان کے لئے دارالقضاء میں رجوع کی جائے اور قاضی پر واجب کہ اسے رد کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۰: مسئولہ محمد حسن صاحب تحصیلدار بجنور ۲۴/محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مورث نے کچھ زیور نقرئی وطلائی، برتن وغیرہ کے اس نیت سے تیار کرائے کہ بوقت شادی اپنی فلاں لڑکی کو بطور جہیز دینگے، وقتًا فوقتًا کسی کسی زیور کو جو تیار ہوکر آتے رہے اپنے اعزاواحباب کو یہ کہہ کر دکھایا بھی کہ فلاں لڑکی کو بطور جہیز بوقت شادی دینے کے لئے بنوایا ہے، منجملہ اشیا مسطور بالا بعض اشیاء دختر مذکورہ کے زمانہ عدم بلوغ میں تیار ہوئے تھے، اور بعد بلوغ قطعی طور سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون کون سے قبل از بلوغ تیار ہوئے تھے اور کون سے بعد بلوغ۔ بعد بلوغ دختر مذکورہ مورث زائد

ازیک سال زندہ رہے اور کل اشیاء بدستور بحالت موجودہ بہ بقبضہ مورث رہیں۔ مورث نے دختر مذکورہ کی شادی سے قبل انتقال کیا، اس صورت میں اشیاء متذکرہ بالا شرعاً متروکہ متوفی قابل ورثہ ہیں یا تنہا ملک دختر متصور ہوں گی اور مورث کی محض نیت ہبہ وصیت کی حد تک پہنچتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کسی مال سے مالک کی ملک بے کسی دلیل ثابت واضح کے منتقل نہیں مانی جاسکتی۔ ائمہ کرام فرماتے ہیں:

لاینزع شیئ من ید احد الابحق ثابت معروف۔	مشہور طور پر حق کے ثبوت کے بغیر کسی کے قبضہ سے چیز کو چھڑانا صحیح نہیں ہے۔ (ت)

یہ پہلے فتوٰی میں بیان ہولیا کہ اگر لڑکی نابالغہ تھی جو کچھ اس کی نیت سے بنوایا ملک دختر ہوگیا باپ کا اس نیت سے یہ تصرف ہی اس وقت قائم مقام ہبہ ہے اور باپ کا قبضہ ہی نابالغ کا قبضہ ہے ہبہ تام وکامل ہوگیا اور بالغہ تھی تو قبل تسلیم موت واہب سے ہبہ تھا بھی تو باطل، رہا یہ کہ بعض نامعلوم اشیاء قبل بلوغ اس کے لئے بنوائی تھیں اس کا ثبوت درکار، دختر اگر خود یونہی مجہول دعوٰی کرتی ہے کہ کچھ میری نابالغی میں بنوایا تھا تو دعوٰی ہی مسموع نہیں کہ دعوی مجہول نامقبول۔ درمختار میں ہے:

شرط جواز الدعوی معلومیة المال المدعی اذلایقضی بمجھول[1]**۔**	دعوٰی کے جواز کے لئے مال مدعٰی کا معلوم ہونا شرط ہے کیونکہ مجہول چیز کا فیصلہ درست نہیں۔ (ت)

اور اگر وہ معین اشیاء کا دعوٰی کرے مگر گواہ تعین نہ کریں تو گواہان نامسموع کہ شے مجہول پر شہادت مردود۔ عالمگیری میں ہے:

شرائطها منها مایرجع الی المشهود به وهو ان یکون بمعلوم فان کان بمجهول لاتقبل[2]**۔**	اس کی شرائط میں سے ایک یہ ہے جو مشہود بہ سے متعلق ہے کہ وہ معلوم ہو، تو اگر مجہول ہو تو شہادت مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۱

ہاں اگر دختر دعوی بالتعیین کرے اور گواہان اشیاء معینہ نہ دے سکے اور دیگر ورثہ پر حلف رکھے اور وہ حلف کرلیں دعوی رد ہوجائے گا اور حلف سے انکار کردیں تو دعوی ثابت ہوجائے گا ____________ اور وہ اشیاء بعینہٖ دختر کو دلادی جائیں گی **کما هو الحکم المعروف فی النکول** (جیسا کہ قسم کے انکار میں حکم معروف ہے۔ت) اور اگر صورت یہ ہے کہ ورثہ خود اقرار کرتے ہیں کہ مورث نے بعض اشیاء اس دختر کی نابالغی میں اس کے لئے بنوائی تھیں تو جو جو شے معین کریں وہ ملک دختر ہوں گی ورنہ کچھ نہیں،

فان الهبة تملیك وتملیك المجهول لایجوز فالا قرار بهبة مجهولة لایجوز۔	کیونکہ ہبہ تملیک کا نام ہے جبکہ تملیک مجہول ناجائز ہے، تو مجہول چیز کے ہبہ کا اقرار جائز نہیں۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

قال لاخر انت فی حل مما اخذت لم یحل له الاخذ۔[1]	ایک نے دوسرے کو کہا کہ جو تو نے لیا وہ تجھے حلال ہے تو اسکو وہ لینا حلال نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

جهالة المقر به لاتضر الااذا بین سببا تضره الجهالة کبیع واجارة[2] والله تعالٰی اعلم۔	جس چیز کا اقرار کیا گیا اس کا مجہول ہونا مضر نہیں لیکن جب اقرار میں ایسے سبب کو بیان کرے جس میں جہالت مضر ہو جیسے بیع اور اجارہ والله تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱: از رام پور محلّہ پل پختہ متصل زیارت بھورے میاں مسئولہ عبدالحکیم ۱۹ صفر ۱۳۳۴ھ دوشنبہ

رشوت کی تعریف اور اس کی وعید۔

الجواب:

رشوت کے لئے فرمایا:

الراشی والمرتشی کلاهما فی	رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنم

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲

[2] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

النار[1]۔	میں ہیں۔(ت)

یہ اس صورت میں ہے کہ دینے والا مستحق رہے گا، کسی کا حق چھپانا اور اپنا حق نکالنے کیلئے جو دیا جائے وہ رشوت ہے اور اپنے اوپر سے دفع ظلم کردیا جائے تو رشوت نہیں، ہاں ظالم کے حق میں وہ بھی رشوت ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۲: مسئولہ رحمت علی خاں از جے پور سالگانیر دروازہ جوہری بازار دکان عبدالرحمٰن وعبدالغنی خیاط ۹ رجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی رحمت علی خان اور اس کی زوجہ مسماۃ آبادی بیگم کے باہمی نااتفاقی تھی چنانچہ مسماۃ کی جانب سے دعوی واپسی جہیز عدالت میں دائر ہوکر دس پانچ اشخاص اہل ہنود متخاصمین کی جانب سے پنچ مقرر ہوئے اور عدالت سے پنچان ہنود کے سپرد فیصلہ کے لئے کہا گیا، پنچان نے بجائے اس کے کہ مقدمہ واپسی جہیز میں فیصلہ دیتی یہ فیصلہ صادر کیا کہ رحمت علی خاں اپنی زوجہ کو نہ طلاق دے سکے اور نہ دوسری شادی کرسکے اور نان ونفقہ میں نصف جائداد مسماۃ کو دی جائے۔اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ بروئے شرع شریف اس فیصلہ کی پابندی رحمت علی خاں پر لازم ہے یانہیں؟

الجواب:

وہ فیصلہ محض مردود وباطل اور خلاف شرع وناقابل قبول ہے،اس کا کوئی اثر فریقین میں سے کسی پر نہیں پڑسکتا،علاوہ بریں وہ پنچایت سرے سے مردود باطل ہے،

کمافی الھدایۃ والدر المختار و العالمگیریۃ وغیرہا عامۃ الکتب قال اللہ تعالٰی "وَلَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾ "[2]۔	جیسا کہ ہدایہ، درمختار اور عالمگیریہ وغیرہا عام کتب میں ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مومنوں پر راہ نہ دے گا(ت)

ہاں شرعًا رحمت علی خاں پر یہ فرض ہے کہ یا تو عورت کو اچھی طرح رکھے یا اچھی طرح طلاق دے دے،

قال تعالٰی "فَاَمۡسِکُوۡھُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو بھلائی کے ساتھ پاس

[1] الترغیب والترہیب ۳/ ۱۸۰ مجمع الزوائد، باب فی الرشا ۴/ ۱۹۹۔ کنز العمال حدیث ۱۵۰۷۷ ۶/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ"[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	روک لو یا ان کو بھلائی کے ساتھ جدا کردو۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۳: مسئولہ غلام گیلانی از شمس آباد کیمل پور ۱۸/شعبان ۱۳۳۴ھ سہ شنبہ

مدعی بینہ آورد وامانزد قاضی بجسے وجہ مقبول نشد ندازوجہ فسق یا عدم توافق شہادات بادعوی یا یک گواہ موافق بود دیگر مخالف مدعی دریں صور ایں بینہ راکالعدم تصور بدہ بر منکر حلف عائد خواہد شد یانہ فقط۔	مدعی نے گواہی پیش کی لیکن فاسق ہونے یا شہادت کے دعوی کے موافق نہ ہونے یا ایک گواہ موافق اور دوسرا مخالف میں سے کسی وجہ سے قاضی کے ہاں گواہی مقبول نہ ہوئی ان صورتوں میں مدعی نے گواہی کو کالعدم قرار دیا تو کیا منکر پر قسم عائد ہوگی یا نہیں، فقط۔(ت)

الجواب الملفوظ

پیداست کہ دریں صورت مدعی از اقامت بینہ عاجز ماند ہرچہ برسم گواہان پیش کنند بینہ نہ باشد بینہ آنست کہ ہمچو اسم خود بینہ باشد پس بطلب مدعی بلا شبہہ حلف بر مدعی علیہ عائد گردد۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اس صورت میں ظاہر ہے کہ مدعی گواہی پیش کرنے سے عاجز رہا اس نے گواہی کے طور پر جن کو پیش کیا وہ بینہ نہ ہوئے،بینہ اپنے نام کی طرح واضح کرنے والا ہوتا ہے،پس مدعی کے مطالبہ پر مدعٰی علیہ پر قسم عائد ہوگی۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۲۴: مسئولہ شمس الدین از نصیر آباد ضلع اجمیر شریف مسجد گودام چرم ۱۷/ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ دوشنبہ

فتوٰی دینے کے لئے مفتی کو کتنا علم پڑھنا ضروری ہے اور کتنی مہارت علوم دینیہ میں ہونی چاہئے فقط۔

[1] القرآن الکریم ۲/۶۵

الجواب:

حدیث و تفسیر واصول وادب وقدر حاجت ہیأت وہندسہ و توقیت اور ان میں مہارت کافی اور ذہن صافی اور نظر وافی اور فقہ کا کثیر مشغلہ اور اشغال دنیویہ سے فراغ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہ اللہ اور ان سب کے ساتھ شرط اعظم توفیق من اللہ، جوان شروط کا جامع وہ اس بحر ذخار میں شناوری کر سکتا ہے مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو رجوع سے عار نہ رکھے ورنہ اگر خواہی سلامت بر کنار است۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۵: مسئولہ محمد سلیمان طالب علم مدرسہ فیض احمدی کانپور ۳۰/ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ زید صاحب جائداد کے انتقال کے قریب اس کی زوجہ مسماۃ ہندہ سے لوگوں نے کہا کہ زید کے انتقال کا وقت قریب ہے اپنا دین مہر زید کو معاف کردو تاکہ آخرت میں اس کو مواخذہ نہ ہو، مسماۃ ہندہ مذکور نے کہا کہ اگر میں اپنا مہر معاف کردوں تو زید کا بھائی بکر اس جائداد میں سے اپنا حصہ لے لے گا اور بقیہ جائداد مجھ کو اور میری دونوں لڑکیوں کو کافی نہ ہوگی اور ہم لوگ سخت تکلیف اٹھائیں گے، لوگوں نے کہا کہ تم معاف کردو اور ہم ذمہ داری کرتے ہیں کہ یہ جائداد تمہارے ہی قبضہ میں رہے گی اور بکر کو ہر گز قابض نہ ہونے دینگے، چنانچہ مسماۃ ہندہ نے جس قدر مہر کی قیمت جائداد سے زائد تھا اسی وقت زید کو معاف کردیا، بعد اس کے زید نے انتقال کیا اور بعد انتقال زید کے جائداد زید پر قابض ہوئی اور اپنی باقی عمر اس پر مالکانہ تصرف کرتی رہی، چنانچہ دونوں لڑکیوں کی شادی کے وقت کچھ جائداد کو متفرق طور پر بقدر ضرورت بیچ ڈالا اور بکر برادر زید مرحوم کچھ نہیں بولا اور جب تک مسماۃ ہندہ زندہ رہی بکر نے کبھی کوئی دعوی کچہری میں اپنے حق پانے کا نہیں کیا اور نہ کبھی ہندہ سے کہا کہ میرا حق مجھ کو دے دو، البتہ اور لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ میرا بھی اس جائدا میں حق ہے، اب ہندہ نے بعد وفات زید کے تخمیناً پندرھویں سال انتقال کیا اور بعد انتقال ہندہ کے بکر دعوی کرتا ہے کہ جائداد زید میں میرا حق میراث مجھ کو ملنا چاہئے اور منافع جائداد مذکور ہندہ کی دونوں لڑکیوں کو لینے نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ جب تک میرا حق مجھ کو نہ دوگی تم لوگوں کو لینے نہ دوں گا، اس صورت میں جائداد متروکہ زید میں سے کہ جس میں اس کی زوجہ ہندہ بعوض بقیہ مہر کے چودہ پندرہ برس قابض و متصرف مالکانہ رہی ہے شرعاً بکر کو حق مل سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا بالسند و الکتاب توجروا من رب الارباب** (سند اور کتاب سے بیان کیجئے، رب الارباب سے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بکر کا دعوی مدفوع اور اصلاً نامسموع، شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد عبداللہ غزی تمر تاشی نے اپنے فتاوٰی میں تصریح فرمائی ہے کہ:

لا تسمع الدعوی بعد ثلث سنین قطعا للحیل و التزویر والاطماع الفاسدۃ[1] (ملتقطا)	حیلہ سازی، جھوٹ اور فاسد لالچ کے احتمال کی وجہ سے تین سال کے بعد دعوی قطعًا قابل سماعت نہ ہوگا (ملتقطا)۔ (ت)

اسی طرح خیریہ وعقود الدریہ ورد المحتار وغیرہا میں ہے، **والتفصیل فی فتاوٰنا** (اور س کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت)
واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۶: مرسلہ ناصر الدین خاں ساکن پیلی بھیت محلّہ بشیر خاں ۲/صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو کے دروازوں کے سامنے ایک اراضی چودہ فٹ چار انچ طویل اور پانچ فٹ نوانچ عریض بغرض مرور کے ہے، عرصہ پندرہ سولہ سال سے زید نے بجائے دروازہ کے کھڑکی کرلی اور اس سے آمدورفت جاری رکھی، پھر زید نے اس کو تقریبًا ایک سال تک بندر کھا اور اسی حالت میں اپنے مکان کا بیعنامہ مع جملہ حقوق داخلی وخارجی کے بکر کو کردیا اور اس بیعنامہ میں اس کھڑکی کا ذکر نہیں اور اس بیعنامہ میں دوسری کھڑکی کا بھی ذکر نہیں ہے جو اس مکان میں دوسری طرف لگی ہوئی ہے بکر نے مکان خریدنے کے بعد کھڑکی کھول لی جس کو تقریبًا تیرہ چودہ سال ہوئے اب عمرو نے اس اراضی کو اپنے گھر میں عرصہ تین ماہ سے ڈال لیا ہے اور ایک دروازہ جدید اراضی مرور میں لگایا ہے جو ملاحظہ نقشہ سے ظاہر ہوگا، آیا زید کو اپنی کھڑکی کھولنے کا حق تھا یا نہیں اور اگر حق حاصل تھا تو وہی حق مشتری بکر کو حاصل ہے یا نہیں اور عمرو اس اراضی کو اپنے مکان میں الحاق کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عمرو کو کوئی استحقاق اس زمین کے الحاق کا نہیں، یہ سراسر ظلم ہے اور اس سے باز آنا اس پر

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۴، العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳، فتاوٰی خیریۃ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۴۸

واجب اور بکر اس کھڑکی کے کھولنے کا اختیار رکھتا ہے مکان مع جمیع حقوق اس نے خریدا ہے حقوق میں یہ مرور بھی ہے عمرو و بکر دونوں کو یکساں اس میں حق مرور حاصل ہے عمرو کا اس میں دیوار قائم کرنا تصرف باطل ہے اور اس کا انہدام لازم۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق**[1] (ظالم کے دخل کا کوئی حق نہیں۔ت) دروازہ جدید کہ عمرو نے نکالا ہے اس کے نکالنے کا اس کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اندر کی جانب نہیں باہر کی طرف ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۷: مرسلہ اکبر خاں ساکن ریاست رامپور محلّہ جھنڈا بڑے پیر صاحب ۲۶/ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

مقدمہ عباسی بیگم زوجہ عنایت احمد خان و عنایت احمد خاں ولد عبدالرحیم خاں بنام کریم بخش ولد رحیم بخش، دعوٰی یہ کہ مدعا علیہ نے مدعیہ کی اراضی مرور ۱۲ گرہ عریض اور ۸ گز ۱۲ گرہ طویل دبا کر دیوار بنالی محکمہ دیوانی نے گواہان مدعی کا بیان ناقص و مجہول و باہم مختلف و نیز مخالف دعوٰی مان کر یکسر خارج کیا محکمہ ججی سے صرف چار گرہ کی ڈگری ہوئی کہ اس قدر میں مدعیہ کو مردہ نکالنے کی وسعت ہو جائے گی محکمہ عالیہ اپیل نے شہادت مدعیہ راجح ٹھہرا کر کل دعوٰی ڈگری فرمایا یہ تمام تجویزیں مع نقول باضابطہ گواہان فریقین دارالافتاء میں حاضر کرکے استدعا ہے کہ اس صورت میں جو حکم شرعی ہو ارشاد ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

"اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ"[2] (حکم صرف اللہ تعالٰی ہی کا ہے۔ت) حکم اگر شریعت کے لئے ہے اور بیشک حکم شریعت ہی کے لئے ہے حکام اگر اس لئے مقرر ہوتے ہیں کہ مطابق شرع فیصلہ کریں اور بیشک وہ اسی لئے مقرر ہوتے ہیں اور یہی ان کا فرض ہے تو شریعت مطہرہ نے قاضی کے حضور ثبوت دعوٰی کے صرف تین طریقے رکھے ہیں: بینہ، اقرار، نکول اور جہاں تینوں معدوم ثبوت معدوم، اور قضاء بحق مدعی ناممکن۔ فتاوٰی امام اجل قاضیخاں میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ وھی البینۃ او الاقرار والنکول[3]۔	قاضی صرف حجت کی بناپر فیصلہ کرے گا اور حجت صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے(ت)

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الغصب باب لیس لعرق ظالم الخ دارصادر بیروت ۶/ ۹۹، صحیح البخاری کتاب الحرث ۱/ ۳۱۴ وسنن ابی داؤد کتاب الخراج ۲/ ۸۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۵۷

[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۴۲۷، فتاوٰی خیریہ کتاب القاضی الی القاضی باب خلل المحاضر والسجلات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹ و ۵۱

محکمہ دیوانی نے شہادات مدعیہ کو مجروح کیا محکمہ ججی نے اول جروح کو مقبول رکھا کہ مفتی صاحب نے گواہان مدعی پر اعتبار نہیں کیا ہے حجتہائے معقولہ وروایات شرعیہ سے مؤکد اپنی رائے کو فرمایا ہے ظاہرًا دیوار کا بڑا ہونا اگر معلوم ہو تو یہ مدعیہ کا نافع نہیں۔ائمہ دین ہدایہ وغیرہ عامہ کتب میں فرماتے ہیں:

الظاہر یصلح حجۃ للدفع لاللاستحقاق [1]۔	ظاہر حال دفاع کے لئے حجت بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے استحقاق کے لئے نہیں۔(ت)

یہ مصلحت کہ مدعیہ مردہ نکال سکے کوئی حجت شرعیہ تو شرعیہ عرفیہ بھی نہیں کوئی اپنی مصلحت کے لئے بلا ثبوت شرعی پر ایامال نہیں لے سکتا یہ فرمانا کہ گواہان ثبوت سے کم از کم جس قدر زمین کا ڈال لینا پایا جائے اس قدر تخلیہ کرادینا چاہئے حکم شریعت سے اصلاً مطابق نہیں جس کا بیان ابھی آتا ہے پھر فیصلہ خود بھی اس کے خلاف ہے ہمارے سامنے سات گواہان مدعی کے اظہار ہیں بشیر حسن خاں، رفیق محمد خاں، ممتاز الدین خاں، عطاء اللہ خاں مشتاق حسین خاں، ممتاز علی خاں، غفور حسن خان اور آٹھواں عاشق حسین خاں جس کا بیان نہ ہوا۔ان میں سے ممتاز الدین خاں نے تو کوئی مقدار بیان ہی نہ کی اور اس کی نسبت محکمہ عالیہ اپیل نے بھی اسی قدر لکھا کہ ممتاز الدین خاں کی شہادت مجہول ہو بھی تو اور بہت سی شہادت موجود ہے باقی کسی کے بیان میں دس گرہ سے کم عرض نہیں اور ڈگری صرف چار گرہ پر دی گئی جس سے صاف ظاہر کہ محکمہ ججی نے بھی وہ شہادتیں قبول نہ فرمائیں جیسا کہ ان کی بے اعتباری کو حجتہائے معقولہ وروایات شرعیہ سے مؤکد ہونا فرمایا ہے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ثابت دس گرہ ہو اور ڈگری چار گرہ کی۔لاجرم وہی لحاظ مصلحت ہوتی ہے کہ مردہ نکل سکے یہ ایک نیک صلاح ہے کہ کسی طرح حکم کی حد میں نہیں آسکتی، یہیں سے تجویز محکمہ عالیہ اپیل کے اس جملہ کا جواب واضح ہوگیا کہ ظاہر ہے کہ صاحب جج بہادر نے مدعیان کی شہادت کو مانا ہے محکمہ عالیہ نے خود جانب شہادات توجہ فرمائی محکمہ دیوانی کے اعتراضات میں بعض کے جواب دیئے بعض کے جواب سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا کہ اور بہت سی شہادت موجود ہے ان تمام اعتراض وجواب اور ان کے مالہ وماعلیہ پر بحث موجب طول ہے اور بیان حکم محکم شرع مطہر کے لئے اس کی حاجت نہیں، یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ محکمہ دیوانی نے شہادتوں کو ناقص ومختلف ومخالف دعوی فرمایا اور وہ بیشک ایسی ہی ہیں ان کے وجوہ

---

[1] درمختار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶، الہدایہ کتاب ادب القاضی مسائل شتی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۷

اختلال کثیر ووافر ہیں جن کی تفصیل موجب تطویل۔ہم صرف اس قدر پر اقتصار کریں کہ ان میں سے کسی نے بھی ایک شے معین اور ایک شخص معین پر شہادت نہ دی جس پر قضاء ممکن ہو لہٰذا یکسر مہمل ونامسموع ہیں۔

بیان بشیر حسن خاں: کچھ نالہ تھا کچھ زمین ہے جوڑاؤ دونوں کا تخمیناً دس یا بارہ گرہ ہے اور وہ زمین آٹھ یا نو گز لمبی ہے پوٹھیا کریم بخش نے اپنے مکان میں داب لی ہے، کریم بخش کی ولدیت نہیں معلوم۔اراضی مذکور کریم بخش نے اپنے مکان میں اندر پونے تین برس ہوئے مظہر کے سامنے ڈالی ہے۔

بیان ممتاز الدین خاں: مدعی کی چوکھٹ کے برابر دو پوٹھے تھے، بائیں ہاتھ کا پوٹھا دس بارہ گرہ چوڑا ہے اس میں سے نکل کر مدعی کا پرنالہ آیا ہے مدعا علیہ ہیں وہ یا کیا جن کا نام اور ولدیت مظہر کو نہیں معلوم مظہر ان کو پہچانتا ہے ان کے مکان کی دیوار گرتی جاتی تھی اور وہ بڑھاتے جاتے تھے انہوں نے مذکور پوٹھا دبالیا۔

بیان رفیق محمد خاں: عباسی بیگم کی مملوکہ مقبوضہ زمین تخمیناً دس یا بارہ گرہ عرضاً اور طولاً تخمیناً آٹھ نو گز کریم بخش نے دبالی ہے، کریم بخش کے باپ کا نام یاد نہیں مظہر اس کو پہچانتا ہے۔

بیان عطاء اللہ خاں: عباسی بیگم کے مرور کی اراضی میں سے آٹھ گرہ اور چار گرہ نالی کی کل دس یا بارہ گرہ اراضی چوڑی اور نو یا پونے نو گز لمبی کریم بخش مدعا علیہ نے اپنے مکان میں ڈال کر دیوار بنالی ہے جس کی وجہ سے دکھن رخ کا پاکھا پھر کہا پوٹھا مدعیہ کے دوازے کا دیوار میں دب گیا ہے مذکور زمین عباسی بیگم اور ان کے شوہر عنایت احمد خاں کی ہمیشہ سے مملوکہ مقبوضہ چلی آئی ہے، کریم بخش مدعا علیہ کے باپ کا نام نہیں معلوم مظہر اس کو پہچانتا ہے، اراضی مذکور کو ڈالے ہوئے تخمیناً تین سال کا عرصہ ہوا، مدعا علیہ نے اراضی مذکور کو ایک وقت میں نہیں ڈالی تھوڑی تھوڑی ڈالی، آخری مرتبہ کو مدعا علیہ نے جو اراضی ڈالی ہے اس کو تین سال ہوئے۔

بیان مشتاق حسین خاں: کوئی عرصہ تین یا چار سال کا ہوا تخمیناً کریم بخش مدعا علیہ نے تین یا چار گرہ تخمیناً نالے اور سات یا آٹھ گرہ راستہ میں سے کل دس یا بارہ گرہ چوڑی اور آٹھ یا نو گز لمبی زمین ڈال کر دیوار بنالی ہے مذکورہ نالی اور زمین مملوکہ و مقبوضہ عنایت احمد خاں اور ان کی زوجہ عباسی بیگم مدعیان کی ہے کریم بخش کی ولدیت نہیں معلوم، مظہر اس کو پہچانتا ہے، پہلی مرتبہ جو مظہر کے سامنے دیوار بنی اس کو تخمیناً چار برس کا عرصہ ہوا دوسری بار بننے کو تخمیناً سال بھر ہوا۔

بیان ممتاز علی خان: عرصہ تخمیناً تین چار برس کا ہوا کہ کریم بخش مدعا علیہ جس کے باپ کا نام نہیں معلوم، مظہر اس کو پہچانتا ہے، اس نے چار گرہ نالی کی زمین اور آٹھ گرہ راستہ کی زمین چوڑی اور نو یا آٹھ گز لمبی لے کر اپنے مکان میں ڈال لی ہے۔

بیان غفور حسن خاں: عرصہ تخمیناً تین چار سال کا ہوا کہ تین چار گرہ نالی کی زمین اور سات آٹھ گرہ راستہ کریم بخش نے اپنے مکان میں ڈال لیا، مظہر کریم بخش کی ولدیت نہیں جانتا کریم بخش کو پہچانتا ہے، جو زمین کریم بخش نے ڈال لی ہے یہ مولوی عنایت احمد خاں مدعی کے تصرف میں تھی۔ یہ ان تمام بیانوں کا خلاصہ ہے ان میں جو وجوہ اختلال ہیں خادم فقہ پر مخفی نہیں مگر یہ دو اہمال ان سب کو شامل ہیں کہ ان میں کسی نے نہ شخص معین پر شہادت دی ہے نہ شے معین پر،

اول: اس لئے کہ مدعا علیہ کی طرف نہ اشارہ کیا نہ ولدیت بتائی، ولدیت بتانی درکنار بالاتفاق سب نے ولدیت جاننے ہی سے انکار کیا ایسی شہادت مجہول اور محض ناقابل قبول۔ عالمگیریہ میں ہے:

شرط الخصاف ذکر الجد للتعریف و ھکذا ذکر فی الشروط، ومن مشایخنا من قال ھذا قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی اما علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی فذکر الاب یکفی کذا فی الذخیرہ والصحیح ان النسبۃ الی الجد لابد منھا کذا فی البحر الرائق[1]۔	امام خصاف نے شناخت کے لئے جد کے ذکر کو شرط قرار دیا ہے اور شروط میں یوں ذکر فرمایا ہے، اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا قول ہے جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر شناخت کے لئے باپ کا ذکر کافی ہے، ذخیرہ میں یوں ہے، اور صحیح یہ ہے کہ دادے کی طرف نسبت شناخت کے لئے ضروری ہے۔ بحرالرائق میں یونہی ہے۔ (ت)

دوم: جس نے کہے متردد لفظ کہے دس یا بارہ، آٹھ یا نو گز یا پونے نو گز، تین یا چار گرہ، سات یا آٹھ گرہ، یہ نفس مشہود بہ میں جہالت و موجب رد و بطلان شہادت ہے۔ یہ نہیں کہ ایسی جگہ کم سے کم مان لیں گے، نہیں بلکہ بالکل رد کردیں گے۔ عالمگیری میں ہے:

اذا ادعی بالفارسیۃ دوازدہ درہم و شھد الشھودان لھذا المدعی علی ھذا	جب کسی نے فارسی میں بارہ درم کا دعوٰی کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

المدعی علیه ده دوازده درہم لاتقبل لمکان الجهالة وکذلك اذا ادعی ده دوازده درم لاتسمع دعواه وکذالك اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی هذاالوجه بان قال ایں عین ملك من ست از ده دوازده سال فانه لاتسمع دعواه،وکذلك اذذکر الشهود التاریخ فی شهادتهم علی هذا الوجه لاتقبل شهادتهم کذافی الذخیرة[1]	مدعی علیہ پر دس بارہ درہم ہیں جہالت کی وجہ سے یہ شہادت مقبول نہ ہوگی،اور یوں ہی اگر مدعی نے دس بارہ درہم کا دعوٰی کیا تو اس کا دعوٰی قابل سماعت نہ ہوگا،اور یونہی اگر گواہوں نے اپنی شہادت میں ایسی تاریخ ذکر کی تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی ذخیرہ میں یوں ہے۔(ت)

لہٰذا شہادتیں سب مردود اور دعوٰی محض بے ثبوت وواجب الرد،اور فیصلہ مفتی صاحب لازم القبول،حکم شرعی یہ ہے اور حکم نہیں مگر شرع کے لئے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸: ۲۵/ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اور نصیبہ نے اپنے ترکہ پدری کے تقسیم کا دعوٰی عمرو برادر خورد اور مسماۃ زبیدہ خاتون بیوہ اور بکر پسر زید برادر کلاں کے نام دائر کچہری کیا۔زبیدہ خاتون بیوہ اور بکر پسر مدعا علیہا مجیب ہوئے کہ ترکہ مظہرہ مدعیات غلط اور غیر صحیح ہے جس قدر جز ہمارے مورث زید کا مملوکہ مقبوضہ چالیس سال کا ہے وہ مستثنٰی ہو کر جس قدر متروکہ پدر مدعیات ثابت کریں اس کے تقسیم میں کچھ عذر نہیں ہے عمرو برادر خورد مدعا علیہا بوجہ سازش مدعیات ضمناً مقبل دعوی اور ظاہر ایک جزو کا بذریعہ خریدار مدعیات ومدعا علیہا نمبر ۲ و نمبر ۳ کا دعویدار ہوا کچہری سے مطابق تنقیحات ہر ایک سے بقدر دعوٰی کے ثبوت وتردید طلب ہوا۔مدعیات نے ایک مرتبہ گواہ طلبی بذریعہ کچہری کرا کر بعذر عدم تعمیل سمن ثبوت داخل کرنے سے گریز کیا مگر بذریعہ سمن طلبی گواہان کرا کر تاریخ موعود پر گواہان حاضر کو ہدایت حاضری تاریخ ثانی بعذر عدم حاضری جملہ گواہان کچہری سے رخصت کرادیا۔سہ بارہ بذریعہ سمن جملہ گواہان حاضر کچہری کرائے گئے اور باوجود حاضری گواہان بہ کچہری بدیں مضمون درخواست پیش کی کہ گواہان کا اعتماد نہیں ہے لہٰذا جملہ مدعا علیہم مجیب سے حلف لے لیا جائے۔پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ بحالت موجودگی گواہان در مجلس قضامدعیات کا انحصار بحلف مدعا علیہم مجیب شرعاً صحیح ہے یا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشهادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۲

غیر صحیح، اور صورت مسئولہ میں مدعاعلیہا مجیب پر حلف متوجہ ہوتا ہے یا نہیں، دوسرے جبکہ مدعیات اپنے دعوی کو ثابت نہ کرسکیں تواب مدعاعلیہا نمبر ۲ و نمبر ۳ کو اپنی جوابدہی کے موافق ثبوت دینے کی ضرورت باقی رہی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مدعیات کا مدعا علیہم سے حلف طلب کرنا صحیح نہیں نہ مدعا علیہم پر حلف متوجہ ہو۔ بحرالرائق میں ہے:

ان لم تکن للمدعی بینة حلف القاضی المدعی علیه بطلب المدعی لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم للمدعی الك بینة قال لافقال لك یمینه سأل ورتب الیمین علی فقدان البینة[1]۔	اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو پھر قاضی مدعی علیہ سے قسم کا حلف لے اگر مدعی طلب کرے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدعی کو فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں، اس نے کہا نہیں، فرمایا تجھے اس کی قسم لینی ہوگی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود سوال فرمایا اور مرتب فرمایا کہ قسم گواہ نہ ہونے پر ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

ثبوت الحق فی الیمین مرتب علی العجز عن اقامة البینة بمارویناه فلایکون حقه دونه[2]۔	قسم کا حق گواہ پیش کرنے سے عاجز ہونے پر مرتب ہوتا ہے اس حدیث کے سبب جو ہم نے روایت کی ہے تو اس عجز کے بغیر قسم کا حق نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لوحاضرة فی مجلس الحکم لم یحلف اتفاقا[3]۔	اگر وہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں تو بالاتفاق قسم لینا جائز نہیں (ت)

جب مدعی اثبات دعوی سے عاجز ہو، منکر کو ثبوت دینے کی حاجت نہیں۔

---

[1] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۰۳

[2] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۲۱۰

[3] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۹

فان البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ گواہ پیش کرنا مدعی پر اور قسم مدعی علیہ پر ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹: از سہسرام، ضلع گیا مدار دروازہ مرسلہ قادر بخش صاحب ۳ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک مسجد محلّہ مدار دروازہ میں واقع ہے جس کے اتر جانب کی دیوار اسے ایک ہندو حلوائی نے اپنا مکان مسجد مذکور کی دیوار سے دیوار ملا کر اس طرح اٹھایا کہ جس سے مسجد کے اتر جانب ایک فرخانہ جھنجری نما ہوا کے لئے ایک کھڑکی تھی اس کو اپنی نو دیوار سے بند کردیا ہے جس سے ہوا بالکل بند ہوگئی ہے اب نمازیوں کو بسبب بند ہوجانے ہوا کے از حد تکلیف ہے اور جانب اتر و پورب کچھ اینٹ دیوار جدید فصیل مسجد پر زیادہ کرکے بنالیا ہے جو قریب دوانچ کے ہوگی مسجد کی فصیل پر اس کی اینٹ چڑھی ہوئی ہے اور ایک جانب پورب سے وہ ناگر معلوم عـــہ ہوتی ہے یہ مسجد زمانہ چھپن برس کی بنی ہوئی ہے اس نے آج یہ نیا کام بنایا ہے، ازروئے شرع شریف اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر کوئی شخص دیوار مسجد کے متصل اور اسی کی ہوا میں دیوار اٹھائے تو کتنی ہی بلند کرے اسے ممانعت نہ ہوگی کہ خاص اپنی ملک میں تصرف کررہاہے اور مسجد کا کوئی ضرر نہیں، نمازیوں کے لئے ایک طرف کی ہوا رکنا کوئی ضرر نہیں جس کے سبب کسی شخص کو اپنی ملک میں تصرف سے روکا جائے۔جامع الفصولین میں ہے:

اراد ذو الساحۃ ان یبنی فیہا ویرفع بنائہ فقال ذو البناء انك تسد علی الریح والشمس فلا ادعك ترفع البناء فلہ منعہ لافی ظاہر الروایۃ لان ذا الساحۃ منعہ عن الانتفاع بملکہ ولم یتلف علیہ ملکا	خالی جگہ پر مالک تعمیر کرنا چاہتا ہے اور عمارت بلند کرتا ہے تو دوسری عمارت والا اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے تو ہوا اور دھوپ کو مجھ پر بند کررہا ہے اس لئے میں تجھے عمارت بلند نہ کرنے

عـــہ: اصل میں اسی طرح ہے۔

[1] صحیح البخاری کتاب الرہن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰، السنن الکبرٰی کتاب الدعوات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

ولامنفعة فلا یمنع کرجل له شجرة یستظل بها جاره اراد قلعها لایمنع منه ولو تضرر به جاره،اذ رب الشجرة بالقلع یمنعه عن الانتفاع بملکه[1]۔	دوں گا تو اس کو منع کرنے کا حق نہیں ہے ظاہر روایت میں، کیونکہ یہ خالی جگہ والے کو اپنی ملکیت سے انتفاع سے منع کر نا ہے جبکہ عمارت والے کی ملکیت اور اس کے انتفاع میں نقصان نہیں لہٰذا جگہ والے کو عمارت بلند کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ ایک آدمی کا درخت جس سے پڑوس والے کو سایہ حاصل ہوتا ہو درخت والے کو اس کے اکھاڑنے سے نہیں روکا جاسکتا حالانکہ پڑوسی کو اس سے ضرر ہے، کیونکہ درخت کا مالک اکھاڑ کر اپنی ملکیت سے دوسرے کے نفع کو روک رہا ہے۔(ت)

فتح القدیر ورد المحتار میں ہے:

والحاصل ان القیاس فی جنس هذه المسائل ان یفعل المالك ما بداله مطلقًا لانه متصرف فی خالص مبلکه لکن ترك القیاس فی موضع یتعدی ضرره الی غیره ضررا فاحشا وهو المراد بالبین وهو مایکون سببا للهدم، اویخرج عن الانتفاع بالکلیة وهو ما یمنع الحوائج الاصلیة کسد الضوء بالکلیة واختار و الفتوی علیه فاما التوسع الی منع کل ضرر مافیسد باب انتفاع الانسان بمبلکه کماذکرنا قریبا[2]۔	اور حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں قیاس یہ ہے کہ مالک اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے کیونکہ وہ اپنی خالص ملک میں تصرف کررہا ہے لیکن بعض ایسے مقامات میں جہاں مالک کا تصرف دوسرے کے لئے فحش ضرر پیدا کرے وہاں یہ قیاس متروک ہوگا اور فحش ضرر سے ایسا تصرف ہی مراد ہے جو دوسرے کے مکان کے گرنے کا سبب ہو یا دوسرے کو اپنی ملکیت میں انتفاع سے مکمل طور پر محرورم کردے وہ یوں کہ اس کے حوائج اصلیہ کو ختم کردے مثلًا کلیۃً روشنی کا ختم کردینا اور اسی پر فتوی کو فقہاء نے پسند کیا ہے لیکن ہر قسم کے ضرر کی وجہ سے منع کو وسیع کرنا اس سے تو انسان کا اپنی ملکیت سے انتفاع کا دروازہ بند ہوجائے گا، جیسا کہ قریب ہم ذکر کرچکے ہیں۔(ت)

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۶

[2] فتح القدیر مسائل شتّی من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۱۵،ردالمحتار کتاب القضاء مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۱

جامع الفصولین میں ہے:

الضوء من الحوائج الاصلیة والشمس والریح من الحوائج الزائدة[1]۔	روشنی حوائج اصلیہ میں سے ہے اور دھوپ اور ہوا حوائج زائدہ میں سے ہے۔(ت)

البتہ اگر دیوار مسجد کا کوئی حصہ اگرچہ جو بھر اس کی دیوار نے دبالیا ہے تو اس جزء دیوار کا ازالہ وہدم لازم ہے، درمختار میں ہے:

یجب ھدمه ولو علی جدار المسجد[2]۔	اس کا گرانا واجب ہے اگرچہ مسجد کی دیوار پر ہو۔(ت)

بحر الرائق میں ہے:

اذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فمن بنی بیتا علی جدار المسجد وجب ھدمه[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جب یہ حکم واقف میں ہے تو غیر میں کیسے نہ ہو، تو جس نے مسجد کی دیوار پر کمرہ بنایا اس کا گرانا واجب ہے۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۳۰: چاچڑاں ریاست بہاولپور تحصیل خاں پور مرسلہ مولوی محمد یار صاحب ۷/ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ

چہ فرمایند علماء دین اندریں صورت کہ زید در قطعہ اراضی بعد ثبوت استحقاق شفعہ با عمرو چنیں اظہار کرد مصرفہ اراضی رابراں قدر کہ صرف کردی ازیں جانب وصول کردہ ازیں قطعہ اراضی بیزار شو۔ عمرو ازیں دعوی زید انحراف کلی ورزیدہ انکار قطعی نمود پس زید بعد ادائے فیس کہ شرط استماع دعوی ست دعوی خود بعرض عدالت کردہ پس از حصول مدعا درباره فیس ہذا کہ وقت عرضی دعوی ادایش ساخت ازروئے قانون گورنمنٹی مطالبہ اش	کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے لئے شفعہ اراضی کے استحقاق کے بعد عمرو خریدار سے کہا کہ تو نے جو کچھ اس میں پر صرفہ کیا ہے اتنا مجھ سے وصول کرکے زمین چھوڑدے۔ عمرو نے زید کے دعوی کو تسلیم نہ کرتے ہوئے زید کے مطالبہ سے قطعی انکار کردیا تو زید نے فیس کورٹ وغیرہ ادا کرکے جو کہ دعوی کے لئے شرط تھی اپنا دعوی عدالت میں پیش کردیا زید نے اپنا مدعی عدالت سے حاصل کرلینے یعنی اپنے حق ڈگری ہوجانے کے بعد عمرو پر مقدمہ کی فیس کا دعوی کردیا جس کا گورنمنٹ کے

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۷

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[3] بحر الرائق کتاب الوقف فصل احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۱

بر عمرو قائم نمود پس ایں چنیں مطالبہ فیس کہ جوازش منسوب بر واج ست عندالشرع صحیح ست یانہ۔ بینوا توجروا۔	قانون کے مطابق عمرو کو ادا کرنا لازم آتا ہے تو کیا ایسے مروج قانون کے مطابق زید کو عمرو سے یہ فیس وصول کرنا درست ہے یا نہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ (ت)

الجواب:

آنرا کہ حکم شرع مطہر درکارست نزد شرع شریف خرچہ مدعی برمدعٰی علیہ عائد نتواں شد گو مدعی محق باش اگر بے رضایش گیرد مدعاعلیہ از وواپس تواں گرفت اگر ندہد مواخذہ و مطالبہ بر گردنش ماند در عقود الدریہ فرمود رجل کفل آخر عند زید بدین معلوم ثم طلبه زید به والزم به لدی القاضی، فطلب الرجل من زید ان یمهله به فابی الاان یدفع له الرجل قدر ما صرفه فی کلفة الالزام فدفعه له ثم دفع له المبلغ المکفول به ویرید الرجل مطالبة زید بما قبضه زید منه من کلفة الالزام فهل له ذٰلك [1] (الجواب) نعم حیث الحال ماذکر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	شرعی حکم یہ ہے کہ شرع شریف میں مدعی کا خرچہ مدعی علیہ پر عائد نہیں ہوتا اگرچہ مدعی حق پر ہو، اگر مدعی نے مدعی علیہ سے اس کی رضامندی کے بغیر خرچہ وصول کرلیا ہو تو مدعٰی علیہ اس سے واپس لے سکتا ہے، اگر واپس نہ دے تو شرعاً مدعی کی گردن پر یہ مطالبہ ومواخذہ باقی رہے گا، عقود الدریہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو زید کے دین معلوم کا کفیل بنایا، پھر زید نے کفیل سے مطالبہ کرتے ہوئے قاضی کے ہاں اس پر دین کی ادائیگی لازم کردی تو اس کفیل شخص نے زید کو مہلت کے لئے کہا تو زید نے مہلت دینے سے انکار کردیا مگر یہ کہا اگر تو قاضی کے ہاں دعوی الزام پر خرچ شدہ رقم ادا کردے تو تجھے مہلت دے دوں گا، اس پر کفیل شخص نے خرچہ کی رقم ادا کردی پھر مہلت کے مطابق وہ رقم جس کی کفالت تھی زید کو ادا کردی اس موقعہ پر کفیل نے زید سے مطالبہ کیا کہ مقدمہ کے خرچہ کی رقم جو تو نے وصول کی وہ مجھے واپس کردے، آیا اس واپسی کے مطالبہ کا کفیل شخص کو حق ہے، جواب دیا گیا مذکورہ حال پر حق حاصل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۱: از ریاست رامپور محلّہ محل موتی خاں ۲۷/ شوال ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنے نابالغ بچے بکر کے مقدمہ میں پنچوں کو حکم کردیا تو آیا باپ بیٹے کے مقدمہ میں کسی کو حکم کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور فیصلہ پنچایت قابل پابندی ہے یا نہیں؟

[1] العقود الدریۃ کتاب الکفالۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۸

الجواب:

باپ کا اپنے نابالغ کے مقدمہ میں کسی کو حکم کرنا جائز ہے مگر وہ فیصلہ اگر خلاف شرعی ہو جیسا کہ مقدمہ متعلقہ سوال میں ملاحظہ فیصلہ سے ظاہر ہوا تو وہ اصلاً قابل پابندی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۲: ازرامپور

چندا نے وحیدی پر دعوٰی حق زوجیت کا کیا، وحیدی کو زوجہ چندا ہونے سے انکار ہے، مدعی کی طرف سے جو گواہان گزرے ہیں ان میں سے احسان الحق واشتیاق احمد اپنے آپ کو گواہان نکاح قرار دیتے ہیں جن کے بیان شامل سوال ہذا ہیں مفتی صاحب دیوانی نے مدعا علیہ کا اجازت دینا قرار نہیں دیا ہے تجویز مفتی صاحب بھی ہمراہ سوال ہے بعض علمائے رامپور نے مفتی صاحب کے تجویز فیصلہ کے خلاف فتوٰی عہ دیا ہے اس

عہ: **نقل فتوٰی رامپور:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین، زید نے اپنی بیوی ہندہ کے رخصت کرا پانے کی نالش عدالت میں بربنائے نقل رجسٹر نکاح خوان و گواہی گواہان دائر کی اور گواہان نے یہ بیان کیا کہ جلسہ نکاح منعقد ہوا اور ہندہ نے ہم سے یہ کہا کہ میرا نکاح زید کے ساتھ پڑھوادو اور ہم کو اپنے نفس کا اختیار دیا ہم لوگ نکاح کے گواہ تھے اور غلام سرور وکیل تھے چنانچہ ہم نے وکیل سے کہہ دیا اور وکیل نے قاضی سے کہہ دیا قاضی نے نکاح پڑھا دیا اور بعض نکاح چھوہارے اور شیرینی تقسیم ہوئی اور ہندہ زید کے یہاں بعد نکاح کے حسب رواج زمانہ رہی، پس ایسی حالت میں نکاح صحیح شرعی ہندہ کا زید کے ساتھ ہوگیا یا کہ نکاح فضولی ہے بوجہ عدم اجازت ہندہ کے صحیح نہیں ہوا، **بینوا توجروا**

الجواب: **سبحانہ الموفق بالصدق والصواب** (وہ پاک ذات صدق و صواب کی توفیق دینے والی ہے۔ت) صورت مسئلہ میں نکاح صحیح و شرعی ہندہ کا زید کے ساتھ ہوگیا اس لئے کہ بیان گواہان سے معلوم ہوتا ہے کہ جلسہ نکاح منعقد ہوا اور حسب قاعدہ رواج نکاح ہوا اگر نکاح بطور فضولی کے منعقد ہوا ہے تو اجازت ہندہ کی بعد نکاح کے ثابت ہے اس لئے کہ جلسہ نکاح کا منعقد ہونا اور کثیر لوگوں کا جمع ہونا اور ہندہ کا اجازت دینا، نکاح پڑھوانے کی یہ دلیل اس امر کی کافی ہے کہ ہندہ کو علم نکاح کا ہوا اور بعد نکاح کے ہندہ کا بمکان زید رہنا یہ فعل ضرور دلیل اجازت ہندہ بعد نکاح کے ہے، اور برائے اجازت یہ ضروری نہیں ہے کہ اجازت قول سے ہی ہو بلکہ فعل سے بھی اجازت ہونا کافی ہے وہ یہاں متحقق ہے لہٰذا نکاح صحیح و شرعی زید کے ہندہ کا ہوجانا یقینی ہے۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ویثبت الاجازۃ لنکاح الفضولی بالقول و	فضولی کے نکاح کی اجازت قول اور فعل سے ثابت

(باقی برصفحہ آئندہ)

کی نقل بھی حاضر کی جاتی ہے، اب علمائے محققین سے عرض ہے کہ آیا تجویز مفتی صاحب دیوانی صحیح ہے یا استفتاء۔ اور جزئیات فقہ کس رائے کے مثبت ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ گواہان مذکور سے مسماۃ وحیدی بیگم کا کوئی بھی رشتہ نہیں ہے جس سے کہ مابین گواہان مذکورین وحیدی بیگم کا نکاح ناجائز ہو پس گواہان مذکور ذی رحم محرم نہ ہونے کے باوجود اپنا بے پردہ ہونا بیان کرنا موجب فسق ہے یا نہیں؟ فاسق کی شہادت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، فیصلہ جناب مفتی صاحب واظہار ہر شش گواہ مدعی کی باضابطہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) **الفعل کذافی البحر الرائق**[1] **انتھی بقدر الحاجۃ ھذہ صورۃ الجواب، واللہ تعالٰی اعلم۔**

ہو جاتی ہے، ایسے ہی بحر الرائق میں ہے اھ بقدر حاجت یہ جواب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

العبد المجیب
محمد ہدایت اللہ عفرلہ

محمد عنایت اللہ
ولد
محمد ہدایت اللہ

العبد

محمد حسیب اللہ خاں
ولد
محمد عنایت اللہ خاں

برلتقدیر صدق مقال نکاح ثابت ہے فقط
محمد عبد الغفار خاں عفی عنہ

الجواب الجواب واللہ سبحانہ اعلم بالصواب
محمد فضل حق عفی عنہ

المجیب صحیح واللہ اعلم بالصواب
الراجی الی اللہ محمد خلیل اللہ عفا عنہ اللہ

محمد خلیل اللہ عفا عنہ اللہ
الراجی الی اللہ

الجواب صحیح
مخدوم علی عفی عنہ

قد صح الجواب
محمد عبد الوہاب عفی عنہ

جواب صحیح ہے
احمد امین عفی عنہ مدرس دوم مدرسہ عالیہ

الجواب صحیح
بندہ محمد مرتضٰی حسن عفی عنہ

ان النکاح صحیح ولا شریک لہ
قاسم علی عفی عنہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۹۹

نقلیں اور فتوائے رامپور ملاحظہ ہوئے تفصیل موجب تطویل اور فرصت قلیل اور سائل کو تعجیل، لہٰذا اجمالاً مدارک عالیہ فقہیہ کی طرف اشارت کریں وباللہ التوفیق، فتوائے رام پور محض باطل وبے شعور، عقل ونقل دونوں سے دور، اور حکم مفتی صاحب کہ دعوٰی نامسموع ضرور صحیح اور طریق حکم میں مسلک صحیح کی یہ تصریح۔ مدعی نے چھ گواہ پیش کئے:

(ا) عنایت احمد ولد عبدالرحیم خاں جس کی شہادت ہے کہ ۸/جون میں مظہر نے چندامدعی حاضر عدالت کا نکاح وحیدی بنت قمر الدین خاں کے ساتھ پڑھایا۔ ذی علم مجوز نے ایک اسی گواہ کی تعدیل فرمائی ہے کہ بہت اچھے نہایت عمدہ آدمی ہیں باقی سب کو مستور لکھا ہے جوان کی اصطلاح میں فاسق بلکہ کافر کو شامل، یہ گواہ کتنا ہی عمدہ ثقہ ہو مگر اپنے فعل پر گواہی دے رہا ہے کہ میں نے پڑھایا، لہٰذا اس کی شہادت مسموع نہیں، البتہ صرف نکاح ہونے کی گواہی دیتا اور اپنا نکاح پڑھانا نہ بیان کرتا تو سنی جاتی۔

فتاوٰی خانیہ وفتاوٰی عالمگیریہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

اذاادعت امرأۃ علی ورثۃ الزوج مھرھا فانکرت الورثۃ نکاحھا وکان الشاھد تولی تزویجھا قال یشھد علی النکاح ولایذکر العقد عن نفسہ[1]۔	جب عورت نے خاوند کے ورثاء پر اپنے مہر کا دعوٰی کیا تو ورثاء نے اس کے نکاح کا انکار کردیا ہو جبکہ اس عورت کے نکاح کا گواہ خود اس کے نکاح کا ولی تھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ گواہ نکاح کی شہادت دے اور یہ ذکر نہ کرے کہ میں نے اسکا نکاح پڑھا ہے۔ (ت)

تاتارخانیہ وہندیہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

ان رجلا حلف بطلاق امرأتہ ثلثا ان ضرب ھذین الرجلین فضربھما وسعھما ان یشھدا علیہ بطلاق امرأتہ ثلثا ولایخبران کیف کان وان اخبرا لاتقبل شھادتھما کذا فی التاتارخانیۃ[2]۔	اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ اگر میں ان دو مردوں کو ماروں تو میری بیوی کو تین طلاق تو اس نے دونوں کو مارا تو ان دونوں مردوں کو جائز ہے کہ وہ اس شخص پر بیوی کی تین طلاقوں کی شہادت دیں اور یہ نہ بتائیں کہ طلاق کیسے ہوئی، اور اگر طلاق کی وجہ بتائی تو شہادت قبول نہ ہوگی۔ تاتارخانیہ میں یونہی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الشہادات الباب الرابع. الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۸۳

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الشہادات الباب الرابع. الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۸۳

فتاوٰی بزازیہ وعالمگیریہ میں ہے:

شھدا علی رجل انه قال ان مسست جسد کما فامرأته کذا اوعبدہ حر و مس جسد نا لاتقبل ولو شهد انه قال ان مسست ثیابکما وفعل تقبل وفی فتاوی القاضی لوارادالشهود ان یشهدوافی هذه المسائل یشهدون بالطلاق والعتاق مطلقًا بلا بیان السبب[1]۔	دو گواہوں نے یہ شہادت دی کہ فلاں شخص نے کہا تھا کہ اگر میں تم دونوں کے جسم کو مس کروں تو میری بیوی کو طلاق یا میرا عبد آزاد ہے جبکہ اس شخص نے ہمارے جسم کو مس کرلیا ہے تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی، اور اگر گواہوں نے اپنے جسم کے بجائے کپڑوں کا ذکر کرتے ہوئے شہادت دی اور کہا اس نے ایسا کرلیا ہے تو شہادت مقبول ہوگی، اور فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ اگر گواہ حضرات ان مسائل میں گواہی دینا چاہیں تو سبب بیان کئے بغیر مطلقًا طلاق وعتاق کی شہادت دیں۔ (ت)

(۲) یسین خاں ولد قسیم خاں یہ کہتا ہے عرصہ تخمینًا سات یا ساڑھے سات ماہ کا ہوا کہ مظہر چندا ولد کلن مدعی حاضر عدالت کے مکان پر گئے وحیدی بنت قمر الدین خاں نے زور سے آواز دی کہ چندا ولد کلن سے میرا نکاح پڑھوادو وحیدی نے گواہان کو اجازت دی گواہان نے نکاح پڑھوادیا فیصلہ میں اس پر ایک اعتراض یہ فرمایا ہے کہ اس نے گواہوں کے نام ظاہر نہیں کئے کہ کس کو اجازت دی، مگر شہادت بالنکاح بیان نام مزوج ووکیل وشہود کی محتاج نہیں ایک یہ اعتراض ہے کہ وحیدی کی اجازت بذریعہ سماع آواز بیان کرتا ہے اور خود کہتا ہے کہ اندر اور عورتیں بھی تھیں، اس سے ثبوت توکیل میں خلل آیا نہ نفس انعقاد وعقد میں کہ بذریعہ فضولی بھی ممکن۔ ہاں ایک اعتراض یہ ہے کہ چندا کی ولدیت غلط بیان کی، واقعہ اگر عبدالکریم کا عرف کلن نہ ہو تو یہ بھاری اعتراض ہے اور کچھ نہ ہو تو اس کی شہادت میں ذکر زوج مجمل ہے گواہان نے نکاح پڑھوادیا، کس سے پڑھوادیا اسی سے جس کی نسبت وحیدی نے اجازت دی تھی یا دوسرے سے، شہادت میں ایسی محتمل بات نہیں لی جاتی،

کما یشهد به من شاهد کلمات العلماء فی باب خلل المحاضر والسجلات وغیر ذلک۔	جیسا کہ علمائے کرام کے مقالموں اور کاغذی ریکارڈ وغیرہ میں خلل سے متعلق کلام کا مشاہدہ کرنے والا گواہی دے گا۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوی بزازیہ کتاب الشھادات الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۸۳

نیز اس کی شہادت میں ایک اور خلل بھی ہے جس کا بیان آگے آتا ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

(۳) غلام صمدانی خاں ولد صاحبزادہ افتخار علی خان فیصلہ کہ اس پر یہ اعتراض ہیں اس نے وحیدی کا کوئی لفظ کہنا بیان نہ کیا نہ وکیل کا ذکر کیا۔ یہ وہی بات ہے کہ اس سے توکیل بے ثبوت ہوگی نہ کہ نفس انعقاد۔ اس شہادت میں پورا خلل یہ ہے کہ چندا مدعی حاضر عدالت کا نکاح وحیدی بنت قمر الدین خاں کے ساتھ ہوا قمر الدین خاں شاید وحیدی کے باپ ہیں ان کا نام ہے، اس شاید نے مشہود علیہا کو مشکوک و محتمل و مجہول کردیا۔ شہادت و شاہد میں بین تنافی ہے۔

(۴) احسان الحق ولد غلام سرور، اس کا بیان ہے کہ عرصہ سات یا ساڑھے سات ماہ کا ہوا کہ چندا ولد کریم اللہ کا نکاح وحیدی بنت قمر الدین خاں کے ساتھ ہوا، وحیدی نے مظہر کو اپنے نفس کا اختیار دیا اور اشتیاق احمد کو کہ میرا نکاح پڑھوادو، مظہر نے چندا کے ساتھ پڑھوادیا۔ غلام سرور وکیل سے مظہر نے کہہ دیا اور غلام سرور نے خود سن لیا، وکیل اور گواہان کے کہنے کے بموجب قاضی نے نکاح پڑھادیا۔ نکاح ملحق بالافعال ہے کہ بے فعل تمام نہیں ہوتا تو اس میں اختلاف زمانہ مسقط شہادت ہے اور ایسی جگہ قول مردود مثلاً سات یا ساڑھے سات مقبول نہیں۔ عالمگیریہ وخانیہ وغیرہما میں ہے:

ان کان المشہود بہ قولا لایتم الا بفعل کالنکاح واختلف الشہود فی المکان او الزمان او فی الانشاء والاقرار لاتقبل شہادتہم[1]۔	جس چیز کی گواہی دی جارہی ہے وہ ایسا قول ہو جو فعل و عمل سے تام ہو جیسے نکاح وغیرہ اور گواہوں کا مکان یا زمان یا انشاء اور اقرار میں اختلاف ہو تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

عالمگیریہ وذخیرہ میں ہے:

اذا ادعی دہ دوازدہ درہم لا تسمع دعواہ وکذٰلک اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی ہذہ الوجہ بان قال ایں عین ملك من ست ازدہ دوازدہ سال فانہ لاتسمع دعواہ وکذٰلک اذا ذکر الشہود التاریخ فی شہادتہم علی ہذا	جب دعوی دس بارہ درہم کا کرے تو وہ قابل سماعت نہ ہوگا اور یوں ہی اگر دعوی میں تاریخ کو اس طرح ذکر کرے مثلاً یوں کہے یہ چیز دس بارہ سال سے میری ملک ہے تو بھی دعوی مسموع نہ ہوگا، اور یونہی اگر گواہوں نے شہادت میں مہینہ اور تاریخ کو اس طرح ذکر کیا

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

الوجه لاتقبل شهادتهم [1]۔	توان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔(ت)

اس کی رد شہادت کی ایک وجہ وہ ہے جو شہادت یسین خاں میں بھی تھی دوسری اور بھاری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو وکیل بالنکاح بتاتا اور اپنے فعل سے کار نکاح تمامی کو پہنچنا بیان کرتا ہے ایسی شہادت مردود ہے۔ خلاصہ میں ہے:

الوکیلان بالنکاح اوالخلع اذاشهدا باثبات ذلك النکاح او ذلك الخلع لاتقبل [2]۔	نکاح یا خلع کے دو وکیل اگر اس نکاح یا خلع کے اثبات میں شہادت دیں تو مقبول نہ ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

رجلان شهدا علی رجل انه قال لهما ان مسست جسدکما فعبدی هذا حرفشهدا انه مس جسدهما لایقبل لانهما شهدا فی امرتم بهما بخلاف شهدا انه قال ان مسست ثیابکما وقد مس انه یقبل ویعتق الغلام لان الثیاب غیرهما [3]۔	دو مردوں نے ایک شخص کے متعلق گواہی دی کہ اس نے کہا تھا اگر میں تمہارے جسم کو چھولوں تو میرا غلام آزاد ہے، اور پھر شہادت دی کہ اس نے ہمارے جسم کو مس کیا ہے تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے ایسی چیز کی شہادت دی ہے جس کا اتمام خود ان سے ہوا ہے، بخلاف جب جسم کی بجائے اپنے کپڑوں کو چھونے کا ذکر کریں اور پھر اس کے مس کرلینے پر شہادت دیں تو مقبول ہوگی اور غلام آزاد قرار پائے گا کیونکہ ان کے کپڑے ان کا غیر ہیں۔(ت)

(۵) اشتیاق احمد ولد کریم اللہ برادر مدعی، اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں عرصہ تخمیناً ساڑھے سات ماہ کا ہوا قمر الدین کی بیٹی وحیدی اس کا نام اس کا نکاح چندا ولد کریم اللہ کے ساتھ ہوا وحیدی نے مجھ سے اور احسان الحق سے کہا میں نکاح چندا کے ساتھ کرتی ہوں میرا نکاح کرادو میں اجازت دیتی ہوں، حافظ غلام سرور نے نکاح پڑھوایا ہمارے دو گواہیوں کے ساتھ، اس کے بیان میں یہ جملہ کہ قمر الدین کی بیٹی وحیدی اس کا نام مستقل جملہ ہے جس نے مابعد کے بیان نکاح کو اس

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۲

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الشہادات الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۶۹

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الشہادات الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۷۰

لفظ سے کہ گواہی دیتا ہوں، الگ کردیا کہ وہ بلا عطف مستقل جملہ منفعلہ ہے کہ اس کا نکاح الخ ہاں اگر یوں ہوتا کہ گواہی دیتا ہوں کہ اتنا عرصہ ہوا کہ قمر الدین کی بیٹی کا جس کا نام وحیدی ہے چندا سے نکاح ہوا تو یہ جملہ گواہی دیتا ہوں کے تحت میں ہوتا اب محتمل رہ گیا کہ اس نے سب سے اشد واعظم حلف گواہی دیتا ہوں صرف اتنے جملہ کی نسبت کہا کہ قمر الدین کی بیٹی کا وحیدی نام ہے، باقی بیان اس حلف اعظم سے جدا رکھا تو یہ نکاح پر شہادت نہ ہوئی، محتمل بیان شہادت میں نہیں لیا جاتا فیصلہ نے ان دونوں شہادتوں پر اختلاف سے اعتراض فرمایا کہ احسان الحق کہتا ہے میں نے نکاح پڑھوادیا، اشتیاق احمد کہتا ہے غلام سرور نے پڑھوادیا یہ کوئی اختلاف نہیں نکاح پڑھایا یعنی خود متولی عقد ہوا اور پڑھوایا یعنی دوسرے سے اور اس میں واسطہ وواسطہ در واسطہ سب یکساں ہیں، وحیدی نے ان دونوں سے کہا ان دونوں نے غلام سرور سے کہا غلام سرور نے نکاح خواں سے کہا تو نکاح خواں نے پڑھایا اور ان سب نے پڑھوایا، ہاں ان کے بیانوں میں اور اختلافات ہیں، احسان الحق کہتا ہے وحیدی نکاح سے اول بھی جایا آیا کرتی تھیں۔ اشتیاق احمد کہتا ہے اس سے اول نہیں آئی گئی تھیں، احسان الحق کہتا ہے نکاح خواں نے آواز دے کر دریافت کیا کہ یہ لڑکی بیوہ ہے، آواز آئی کہ بیوہ ہے، اشتیاق احمد کہتا ہے قاضی صاحب نے اندر کسی سے دریافت نہیں کیا تھا احسان اللہ کہتا ہے قاضی صاحب میرے بعد آئے تھے اشتیاق احمد کہتا ہے احسان الحق دس سے اول نہیں آئے تھے قاضی صاحب قریب دس بجے تشریف لائے تھے ہم نے ایسے زوائد پر التفات نہ کیا، فیصلہ نے دوسرا اعتراض یہ فرمایا کہ یہ دونوں وکیل بالنکاح ہیں اور وکیل بالنکاح کی شہادت ناجائز مطلقاً ناجائز نہیں، خلاصہ میں بعد عبارت مذکورہ اوّاگا ہے:

اما اذاشهد الوكيلان بالبيع انه ملك المشتری او شهد الوكيلان بالنكاح انها منكوحته يقبل فی الاجناس[1]۔	لیکن اگر بیع کے دو وکیلوں نے یہ شہادت دی کہ اس چیز کا خریدار مالک بن گیا ہے یا نکاح کے دو وکیلوں نے یہ شہادت کہ بطور فلاں کی منکوحہ ہے تو شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

بلکہ اس اعتراض کی تحقیق وہ ہے جو شاہد چہارم میں ہم نے ذکر کی۔ وکلائے نکاح کی ایسی گواہیاں ضرور مردود ہیں۔

(۶) سجاد علی خاں ولد منور علی خاں، اس کا بیان متناقض ہے کہتا ہے وحیدی نے اپنے نفس کا اختیار گواہوں کو دیا، گواہ چوکھٹ پر تھے وکیل چوکھٹ کے اندر تھا، جو الفاظ وحیدی نے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الشہادات الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۶۹

گواہان سے کہے مظہر کو یاد نہیں وہ الفاظ مظہر نے سنے بھی نہیں، پہلا فقرہ توکیل پر شہادت ہے اور پچھلا اس شہادت سے صاف برائت، نیز کہتا ہے وحیدی اور چندا کارسم تھا اسی وجہ سے چندا مدعی کے مکان پر نکاح ہوا یہ ان کے مکان میں جاتے تھے وہ ان کے مکان میں آتے تھے اس سے اول وحیدی کے آنے جانے کا حال مجھ کو معلوم نہیں، اس گواہ کو نہیں معلوم ہوتا کہ ابھی کیا کہہ چکا تھا اور اب کیا کہتا ہے، ایسے مغفل کی کیا شہادت، اور ہوتی بھی تو وہ تنہا تھا ایک کی شہادت ان حقوق میں مسموع نہیں، فیصلہ نے اسی گواہ اور نکاح خواں عنایت احمد کی شہادتوں پر نکاح فضولی منعقد ہونا تسلیم فرمایا ہے اور ازاں کہ وحیدی کی اجازت درکنار اسے نفس نکاح سے انکار ہے، فرمایا پس یہ نکاح شرعاً باطل ہے، ہم ان دونوں شہادتوں کا حال بیان کر آئے تو ہرگز نکاح فضولی بھی ثابت نہیں اور بالفرض ثابت ہوتا تو نکاح فضولی ہرگز باطل نہیں بلکہ منعقد موقوف علی الاجازۃ ہوتا ہے وحیدی کا اس وقت نفس نکاح سے انکار بعد نکاح اجازت قولی یا فعلی کا کب مبطل ہوسکتا ہے ممکن کہ اس وقت سن کر جائز کیا ہو اب کسی نااتفاقی کے باعث سرے سے وقوع نکاح کی منکر ہوگئی تو دعوی نکاح ثابت کرنا تھا اور اجازت وحیدی کا مدعی سے ثبوت مانگنا کہ حق ظاہر ہو اور ہوا ہے تو حقدار کو پہنچے کہ قاضی کا نصب اسی ایصال حقوق وابطال عقوق کے لئے ہوتا ہے مگر ہم ثابت کر آئے کہ اصلاً وقوع نکاح ہی ثابت نہیں، نہ اصیل سے نہ وکیل سے نہ فضولی سے، نکاح خواں کا رجسٹر کوئی چیز نہیں، حروف صامت ہیں جن کی زبان ناطق وہی نکاح خواں جس کی شہادت یہاں اصلاً مسموع نہیں، اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولا یعمل به فلا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیه خطوط القضاۃ الماضین لان القاضی لایقضی الابالحجة وهی البینة اوالاقرار و النکول کمافی وقف الخانیة[1]۔	لکھائی اور خط پر نہ اعتماد ہوگا نہ عمل، تو ماضی کے دور کے قاضی حضرات کے مکتوب وقف پر اب عمل نہ ہوگا کیونکہ کوئی قاضی حجت کے بغیر فیصلہ نہیں دے سکتا بلکہ حجت صرف گواہی، اقرار یا قسم سے انکار ہے جیسا کہ خانیہ کے وقف میں ہے۔ (ت)

یہیں فتوائے رام پور کا بطلان واضح ہوا **اولاً**: اس نے انہیں نامقبول و نامسموع شہادتوں پر بنا کی کہ بیانات گواہان سے ثابت ہوتا ہے کہ جلسہ نکاح منعقد ہوا اور حسب قاعدہ ورواج

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

نکاح ہوا حالانکہ ہونے پر اصلاً ایک شہادت معتمدہ بھی نہیں جیسا کہ اوپر مفصلاً معلوم ہوا۔

ثانیًا: خود سمجھا کہ صرف اتنی بات دعوٰی مدعی مطالبہ رخصت کا اثبات نہ کرے گی لہٰذا اس میں یہ پیوند لگایا کہ اگر نکاح بطور فضولی کے منعقد ہوا تو اجازت ہندہ بعد نکاح ثابت ہے اجازت کے لئے دو امر درکار تھے عورت کو اطلاع ہونا اور اس کا جائز رکھنا اول کے ثبوت کو یہ بے معنی دلیل گھڑی کہ اس لئے کہ جلسہ نکاح کا منعقد ہونا اور کثیر لوگوں کا جمع ہونا اور ہندہ کا اجازت دینا نکاح پڑھوانے کے لئے دلیل کافی ہے کہ ہندہ کو علم نکاح ہوا یہ اس پر موقوف ہے کہ ہندہ کا وہاں ہونا ثابت ہو کہ کثیر لوگ نکاح کے لئے جمع ہونے سے اس کی اطلاع پر استدلال کیا جائے یہاں سرے سے جلسہ نکاح کا انعقاد ہی ثابت نہیں کہ شہادتیں سب مختل و مہمل ہیں۔

ثالثًا: نکاح خواں کہتا ہے نکاح میں ۱۵ یا ۲۰ آدمی سے کم نہ تھے، اشتیاق احمد کہتا ہے جلسہ نکاح میں ۲۵ یا ۳۰ آدمی ہوں گے، احسان الحق بھی یہی کہتا اور لفظ اندازًا اور اضافہ کرتا ہے، اسی طرح یسین خاں تخمینًا کہتا ہے، قطع نظر اس سے کہ یہ شہادتیں شرعًا مردود ہیں، ۱۵، ۲۰ یا ۲۵، ۳۰ کیا ایسا کثیر مجمع ہے جس کی اطلاع گھر کے اندر پہنچنی ضرور ہے خصوصًا اس حالت میں کہ نکاح خوان کہہ رہا ہے کسی عورت سے دریافت کا قاعدہ نہیں گواہان کے اعتبار پر نکاح پڑھوادیا، کسی عورت سے کچھ دریافت نہ کیا۔ غلام صمدانی کہتا ہے نکاح رات کے ساڑھے دس بجے ہوا تھا جلسہ نکاح میں مظہر نو بجے پہنچا تھا، قاضی صاحب میرے سامنے آئے تھے، قاضی جی نے میرے سامنے عورتوں سے کچھ نہیں پوچھا، اشتیاق احمد کہتا ہے قاضی صاحب نے گواہوں سے دریافت کیا تھا انہوں نے کہا بیوہ ہیں اندر کسی سے دریافت نہیں کیا تھا صرف ایک احسان الحق کہتا ہے کہ نکاح خواں نے ہم سے بھی دریافت کیا اور آواز دے کر دریافت کیا کہ یہ لڑکی بیوہ ہے آواز آئی کہ بیوہ ہے یہ مستوران ثقہ نہایت عمدہ آدمی کی تکذیب کرتا ہے اور نہ سہی تو اکیلا ہے اور نہ سہی تو آواز آئی سے کیا ثابت ہوا اور اس سے کیونکر معلوم ہوا کہ وحیدی کو اطلاع ہوئی۔

رابعًا: اطلاع درکنار سرے سے وحیدی کا اس مکان میں ہونا ہی ثابت نہیں اس کا وہاں آنا ایک تو احسان الحق و اشتیاق احمد نے بیان کیا یہ دونوں اپنے لئے مدعی تو کیل ہیں ان کو تو اس کے بیان کی ضرورت ہی لاحق تھی مگر کسی وکیل کا ادعائے وکالت بحال انکار موکل مسموع نہیں ہوسکتا۔ باطل ست انچہ مدعی گوید (مدعی جو کچھ کہتا ہے باطل ہے۔ت) یسین خاں کہتا ہے وحیدی نے زور سے آواز دی کہ میرا نکاح پڑھوادو۔ یہ اس کی تراش باقی سب گواہوں سے

جدا ہے پھر خود کہتا ہے کوٹھی میں اور بھی عورتیں تھیں اس نے توآواز کا دروازہ بند کیاآگے کہتا ہے یہ نہیں بتاسکتا کہ کوٹھی میں کون کون عورتیں تھیں یہاں سے اس علم کا بھی سدباب ہوا کہ وحیدی تھی کیونکہ اس کا وہاں موجود ہونا جانا لاجرم سنی سنائی کسی کی بتائی یا محض جزافاً اڑائی۔ سجاد علی خاں صاف تر کہتا ہے کہ وحیدی پردہ نشین ہے مظہر سے پردہ ہے وحیدی کوٹھڑی میں تھی اول تو یہی نہیں معلوم کہ کہاں کی کوٹھری میں تھی پھر یہ کیونکر جانا کہ وہاں تھی یہی گواہ توکیل گواہان پر شہادت بھی دے رہا ہے اور اسی منہ میں کہتا ہے کہ میں نے وہ الفاظ سنے تک نہیں تو جس طرح کسی کی تعلیم سے توکیل پر گواہی دے دی یونہی وہاں وحیدی کے ہونے کے۔ کیا ایسے مہمل و بے سروپا بیانوں سے عورت کا وہاں موجود ہونا ثابت ہوسکتا ہے حاشا۔

خامسًا: طرفہ تر فتوی کا یہ قول ہے کہ ہندہ کا اجازت دینا نکاح کے لئے دلیل کافی ہے کہ ہندہ کو علم ہوا اجازت دینے کا حال تو اوپر معلوم ہوا کہ دومدعیان توکیلی اور تیسری اس غیبی آواز پر شہادت اور چوتھی میں آواز تک نہیں یونہی ایمان بالغیب کے سوا کہیں اس کا پتہ نہیں، مگر لطف یہ ہے کہ جب ہندہ کا قبل عقد اجازت نکاح دینا ثابت ہے تو نکاح فضولی کب رہا جس کے لئے اجازت فعلی گھڑنے کو آپ یہ دردسر اٹھارہے ہیں۔سبحان اللہ! خود نکاح کی اجازت دینا مانئے اور اس سے صرف اتنا نتیجہ نکالئے کہ اسے نکاح کی خبر ہوئی، رہی اجازت وہ آگے فعل سے ہورہے گی ایسے اجتماع ہوش وحواس کی حالت میں افتاد تصدیقات کی تکلیف اٹھانی نہ تھی مگر ہے یہ کہ خود سمجھا کہ جلسہ کا انعقاد اور آدمیوں کا اجتماع ہندہ کی اطلاع کو کافی نہیں، ناچار اجازت کا شقشقہ بڑھایا اگرچہ اس نے ساری تقریر کو عقل سے بیگانہ کردکھایا۔

سادسًا: اب دعوی کے دوسرے شق کا ثبوت دینے کی طرف توجہ ہوئی کہ بعد نکاح ہندہ کا بمکان زید رہنا یہ فعل ضرور دلیل اجازت ہندہ بعد نکاح ہے لہٰذا نکاح صحیح شرعی زید کے ساتھ ہندہ کا ہوجانا یقینی ہے، ہم بیان کرآئے کہ وحیدی کا وہاں جانا ہی ثابت نہیں نہ کہ دوایک روز رہنا۔اس شگوفے کا ذکر ان دومدعیان وکالت کے سوا کسی کے بیان میں نہیں۔یسین خاں نے اتنا کہا ہے کہ ہم نکاح کے بعد مدعی کے مکان پر وحیدی کو چھوڑآئے تھے اس سے رہنا ثابت نہیں ہوتا، ہاں احسان الحق نے کہا ہے کہ بعد نکاح ایک آدھ روز وہاں رہی پھر اپنی والدہ کے گھر چلی آئی، اشتیاق احمد نے ایک یا ڈیڑھ دن اور بڑھایا کہ بعد نکاح کے ایک دو دن اسی مکان میں رہی، ظاہر ہے کہ رہنا وہاں ہونے کی فرع ہے اور وہاں ہونے کا اظہار یہ اپنے دعوی وکالت و گواہی نکاح کے لئے کررہے ہیں جس میں وہ متہم ہیں۔

سابعًا: خود احسان الحق کہتا ہے کہ نکاح ہونے کے بعد سب چلے گئے اس کے بعد دو ایک یا ایک آدھ روز وحیدی کے وہاں رہنے کا علم اسے کیونکر ہوا اپنا معاینہ بیان نہیں کرتا، نہ یہ ان مواقع میں ہے جن میں سماع پر شہادت روا ہو تو بیان بے ثبوت ہے یہی حال اشتیاق احمد کا ہے اگر وہ چنداہی کے مکان میں نہ رہتا ہو۔

ثامنًا: اگر نکاح فضولی وحیدی کے مکان پر ہوتا اور وہ بعد علم نکاح حسب دستور رخصت ہو کر چندا کے یہاں جاتی تو یہ ضرور اجازت فعلی کی حد میں آسکتا، یہاں تو یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ نکاح چنداہی کے مکان پر ہوا اور وحیدی کو اطلاع کا کوئی ثبوت نہیں معدود اشخاص کا باہر جمع ہونا اور اندر سے کچھ دریافت کرنا کیا موجب اطلاع زناں سے ہے اسی زخم نا مندمل کے بھرنے کو فتوائے رامپور نے وہ فقرہ اضافہ کیا جس نے اس فتوے کو نقل کے ساتھ عقل سے بھی بعید کردیا اور جب اس وقت اطلاع نہ ہوئی بعد نکاح معًا ہونی کیا ضرور، اور اس کا کیا ثبوت۔ ممکن کہ ایک آدھ یا دو ایک روز کے بعد ہی اسے خبر دی ہو جس پر وہ فورًا اپنی ماں کے یہاں چلی گئی۔

تاسعًا: منصب استحقاق سخت دشوار ہے اس میں شاید ولعل سے کام نہیں چلتا بلکہ احتمال دافع استحقاق وقاطع استدلال۔ شہادت میں کہاں ہے کہ یہ رہنا بالاختیار تھا ممکن کہ مجبورًا بطور حبس رہی ہو اگرچہ اسی قدر کہ وہ پردہ نشین تھی اور سواری نہ ملنے دی۔

عاشرًا: بالفرض باختیار ہی رہی مگر لڑنے جھگڑنے میں وقت گزارا اور چلی آئی اور اپنے نفس پر قدرت نہ دی تو اجازت فعلی کس گھر سے آئیگی، وہ پانچ ادعاء اطلاع پر تھے یہ پانچ اجازت پر "تلک عشرۃ کاملۃ" جن سے آفتاب کی طرح واضح ہوگیا کہ یہاں وحیدی کی طرف سے اجازت فعلی ماننا محض سفسطہ ہے اور وہ بھی اس جوش کے ساتھ کہ نکاح صحیح شرعی ہوجانا یقینی **انا ﷲ وانا الیه راجعون**۔ اسی لئے سوال میں یہ لفظ اضافہ کیا کہ ہندہ زید کے یہاں بعد نکاح حسب رواج زمانہ رہی مگر اس لفظ حسب رواج زمانہ کا ان بیچارے دونوں مدعیان توکیل کے بیان میں بھی پتہ نہیں حتی المقدور اجازت فعلی بنانے کے لئے از پیش خویش اضافہ ہوا ہے، ناراض ہونے کی بات نہیں، اسلامی خیر خواہی کے لئے عرض ہے کہ اتنے علم وعقل والوں کو امور شرعیہ میں دخل دینا، فتوٰی لکھوانا، تصدیق کرنا شرعًا حرام حرام حرام سخت کبیرہ ہے۔ ابن عساکر امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم لعنته ملئکة السماء والارض[1]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی	جس نے بغیر علم کے فتوٰی دیا اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت۔ (ت)

[1] الفقیه والمتفقه باب ماجاء من الوعید لمن افتی بغیر علم حدیث ۱۰۴۳ دار ابن جوزی ریاض ۲/ ۳۲۷، کنز العمال بحواله ابن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ موسسة الرسالة بیروت ۱۰/ ۱۹۳

احسان الحق واشتیاق احمد کا وحیدی سے پردہ نہ ہونا جبکہ سامنے آنا بے ستری کے طور پر ہو مثلاً سر کے بال یا گلے یا پیٹ یا بازو یا کلائی کا کوئی حصہ کھلا ہوا یا باریک کپڑے پہنے جن سے بدن چمکے اور یہ اس پر راضی ہوں، مانع نہ ہوں نگاہ پھیر نہ لیتے ہوں، ضرور ان کے لئے بھی موجب فسق ہے ورنہ نہیں عالمگیریہ میں ہے:

یقبل تعدیل المرأۃ لزوجھا وغیرہ اذا کانت امرأۃ برزۃ تخالط الناس وتعاملھم کذا فی محیط السرخسی[1]۔	عورت کا اپنے خاوند کو عادل قرار دینا مقبول ہوگا جبکہ یہ عورت باہر نکل کر لوگوں میں اختلاط اور ان سے معاملات کرتی ہو، جیساکہ محیط سرخسی میں ہے۔(ت)

حدیث میں ہے:

النظرۃ الاولٰی لك والثانیۃ علیک[2]۔	پہلی نگاہ تجھے معاف ہے اور دوسری نگاہ پر تجھ پر گناہ ہے۔ (ت)

کلام کریم میں ہے:

لاتزروازرۃ وزراخرٰی[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۳: از علی گڑھ مدرسۃ العلوم مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ناظم دینیات ومحمد نصرت شیر خان محرر دینیات ۱۹/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی والدہ محترمہ کی مالک میں ایک کھیت تھا اس کا فروخت کردیا اس کے روپے سے ایک مکان خریدنے کاارادہ کیاجب مکان تجویز ہوگیااور قیمت کامعاملہ بائع سے طے ہوگیااس وقت زید نے اپنی والدہ سے دریافت کیاکہ اس مکان کا بیعنامہ آپ کے نام کرادوں یا جس کے نام ارشاد فرمائیں زید کی والدہ کے بجز زید کے اور کوئی فرزند ودختر نہ تھی اس وجہ سے زید کی والدہ نے فرمایاکہ توہی اپنے نام کرالے چنانچہ زید نے بموجب حکم اپنی والدہ کے اپنے نام مکان کابیعنامہ کرالیااور اس بیعنامہ کو عرصہ چالیس سال کا تخمیناً ہواہے اس وقت زید کی زوجہ اولٰی مع بعض اولاد کے موجود تھی اس مکان کے خریدنے کے پہلے اور بعد کو بھی زید نے چند جگہ اپنے خاندان میں کسی عورت

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۸

[2] شرح معانی الآثار کتاب النکاح باب حلۃ النظر قبل التزوج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۰

[3] القرآن الکریم ۷/ ۱۶۴

سے عقد ثانی کا ارادہ بزمانہ حیات اپنی والدہ اور زوجہ کے پختہ طور سے کرلیا اور دونوں کو اس کا علم قطعی طور سے ہوا لیکن اس پر بھی زید کی والدہ نے زید سے یہ نہیں فرمایا کہ تو اس مکان کو اپنی زوجہ یا اپنی اولاد کے نام منتقل کردے بلکہ زید کی ماں نے اسی مکان میں سالہاسال تک سکونت فرماکر وفات پائی آخر دم تک کوئی بات اس مکان کی نسبت نہیں فرمائی، زید نے بعد وفات اپنی وجہ اولٰی کے تخمیناً عرصہ بیس سال کا ہوا ایک عورت سے نکاح کرلیا یہ اس مکان کو جس کو اس کی والدہ مرحومہ نے زید کے نام کرادیا تھا اسے زوجہ ثانیہ کے مہر میں دینا چاہتا ہے اور ایک دوسرا مکان جو اس مکان کے محاذ میں زید نے خریدا ہے اس کو اپنی زوجہ اولٰی متوفیہ کے اولاد کو تبرعاً دینا چاہتا ہے اس حالت میں زید کی بڑی لڑکی خالدہ یہ دعوی کرتی ہے کہ جس مکان کو آپ مہر میں ہماری مادر صاحبہ کے دینا چاہتے ہیں وہ مکان ہماری والدہ مرحومہ کا اور ہمارا ہے کیونکہ ہماری دادی صاحبہ مرحومہ کی دلی نیت یہ تھی ہماری والدہ صاحبہ اور ہم آپ کے ساتھ اس مکان میں رہیں اور ہماری دادی صاحبہ نے آپ کا نام بیعنامہ میں فرضی طور پر کرادیا تھا۔

دوسرا دعوی خالدہ کا یہ ہے کہ جب ہیہ مکان خریدا گیا تو صرف اس میں ایک کوٹھا بہت نیچا تھا اس کو آپ نے اونچا کرایا اور اس کے آگے سہ دری مرتب کرائی اور دروازہ مسقف بنوایا اور باسٹھ گز زمین پچاس روپے کو خرید کر آپ نے اس مکان میں شام کی یہ سب روپیہ آپ نے ہماری والدہ سے لیا اور وہ سب روپیہ ہماری والدہ کا تھا کیونکہ جس قدر روپیہ آپ اپنی چالیس روپے کی تنخواہ میں سے بچا کر ماں بماہ ہم کو روانہ کرتے تھے وہ ہماری والدہ کے نان و نفقہ اور ہمارے اخراجات کا تھا علاوہ بریں ہماری والدہ صاحب مع ہمارے دوسرے تیسرے سال نانی صاحبہ کے گھر جاتی تھیں اور وہاں دو دو مہینے یا تین تین مہینے رہنا ہوتا تھا اور ہمارا سب کا کھانا نانی صاحبہ کے ذمہ ہوتا تھا اس عرصہ میں جس قدر روپیہ ماہواری آپ روانہ کرتے تھے وہ بچتا تھا وہ سب روپیہ ہماری والدی کا اور ہمارا تھا اس کے سوا ہمارے نانا صاحب کے مرید اور شاگرد نانا صاحب کے مکان پر آتے تھے وہ ہماری والدہ صاحبہ یا ہم کو کچھ روپیہ دیتے تھے وہ ہماری والدہ صاحبہ کا اور ہمارا ہوتا تھا۔

زید خالدہ کے اول دعوی ملکیت مکان کا یہ جواب دیتا ہے کہ اصل مکان جبکہ میری والدہ مرحومہ نے اپنی ذاتی رضامندی سے میرے نام کرادیا تو اس کے بعد یہ کہنا سراسر فضول ہے کہ ان کی دلی نیت تمہاری ملک میں دینے کی نہ تھی اور آپ کا نام فرض تھا کیونکہ بیع وشراء میں باعتبار شریعت کے دلی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ ظاہری الفاظ یا تحریر کا اعتبار ہوتا ہے، اور زید خالدہ کے دوسرے دعوی ملکیت روپے کا یہ جواب دیتا ہے کہ جو کچھ تمہاری والدہ کے پاس پس انداز روپیہ تھا وہ میری ہی

کمائی کا روپیہ تھا اور جس وقت میں نے تمہاری والدہ سے زمین کے خریدنے اور دکان کے مول لینے کو یا مرمت مکان کو یادرمیانی دیوار بنانے کو روپیہ طلب کیا اس مرحومہ نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ اس وقت آپ کا ذاتی روپیہ تو میرے پاس نہیں، ہاں میرا ذاتی روپیہ موجود ہے یا کسی کی امانت میرے پاس رکھی ہے اس وقت آپ لے کر اپنا کام چلالیں بعد کو بتدریج ادا کر دیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ روپیہ میری کمائی کا پس انداز تھا جو میں نے اس مرحومہ سے لیا۔
دوسرا جواب شرعی طور پر یہ ہے کہ اس مرحومہ نے مرتے دم تک اس روپے کا نسبت کبھی یہ نہیں کہا کہ جو روپیہ آپ نے فلاں فلاں وقت مجھ سے لے کر مکان میں لگایا تھا وہ میرا ذاتی روپیہ تھا اس کو آپ نے مجھ کو واپس نہیں دیا اب آپ اس روپے کو میری طرف سے کسی مدرسہ اسلامیہ یا مسجد یا کسی اور کار خیر میں لگادیں تاکہ مجھ کو اس کا ثواب پہنچتا رہے، اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو روپیہ میں اس سے لیا میرا ہی مملوک تھا۔
اور تیسرا جواب زید کا یہ ہے کہ اگر بفرض محال یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ انہوں نے اپنا مملوک ہی روپیہ مجھ کو دیا تھا جب کہ آخر یدم تک اس کو مجھ سے طلب نہ کیا اور نہ اس کی نسبت بوقت وفات مجھ کو کچھ وصیت کی تو وہ روپیہ انہوں نے مجھ کو بخش دیا اعنی وہ روپیہ مجھے واپس لینے کی غرض سے نہیں دیا بلکہ اس روپیہ کا مجھ کو مالک بنادیا تھا، پس علمائے دین سے استفسار ہے کہ زید کی خالدہ بیٹی کے دونوں دعوی ازروئے شرع شریف حق ہیں یا زید کے جوابات حق ہیں؟

الجواب:

خالدہ کا پہلا دعوی محض باطل و نامسموع ہے اعتبار لفظ کا ہے نہ کہ محض نیت کا **فقد نصوا ان العبرۃ بما تلفظ لا بما نوی** (فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ لفظ کا اعتبار ہے نیت کا نہیں۔ت) روپیہ زوجہ کو خرچ کے لئے دیا جاتا ہے اس کی دو۲ صورتیں ہیں: ایک یہ کہ زن و شو وعیال ایک جگہ رہتے ہیں ایک خرچ ہے شوہر سب آمدنی اسے دے دیتا ہے وہ اپنے اور شوہر اور سب گھر کے مصارف اس سے اٹھاتی ہے، اس صورت میں وہ روپیہ تمام و کمال ملک شوہر پر رہتا ہے، عورت کا خرچ بھی ملک شوہر پر ہوتا ہے، اسے شرع میں تموین کہتے ہیں، عقد نکاح کا اصل موجب یہی ہے، ظاہر ہے کہ اس میں جو کچھ پس انداز ہوگا شوہر کا ہے۔
دوسری صورت یہ کہ زن و شو جدا ہیں شوہر اسے نفقہ بھیجتا ہے یا ایک ہی جگہ ہیں مگر عورت کے خرچ کا اسے جدا دیتا ہے، عام ازیں کہ وقت معین پر مثلاً ماہوار رقم معین مثلاً دس روپے خاص بحکم قاضی خواہ بتراضی، یا تعیین کچھ نہیں وقتاً فوقتاً مختلف مقدار میں اس کے

خرچ کے لئے بھیجتا یا اسے دیتا ہے، اس صورت میں جو کچھ اسے دیا وہ ملک زن ہوگیا، اس میں سے جو کچھ بچے گا، خواہ عورت کی جز رسی سے یا یوں کہ وہ مہینوں اپنی ماں کے یہاں رہی اور مصارف ماں نے کئے بہر حال عورت ہی اس کی مالک ہے۔ بحر الرائق ورد المحتار میں ہے:

المفروضة او المدفوعة لها ملك لها فلها الاطعام منها والتصدق وفی الخانية لو اكلت من مالها او من المسألة لها الرجوع عليه بالمفروض[1]۔	عورت کے لئے مقرر شدہ یا اس کو ادا شدہ کی وہ مالک ہے تو اس میں سے اس کو کھلانے اور صدقہ کرنے کا حق ہے، ور خانیہ میں ہے اگر عورت اپنے مال میں سے کچھ کھائے یا وصول کردہ سے مقرر شدہ کیلئے عورت خاوند سے رجوع کرسکتی ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ یہاں واقع صورت ثانیہ ہے کہ زید اسے خرچ بھیجا کرتا تھا تو چاہئے کہ عورت ہی اس کی مالکہ ہو۔

اقول: مگر یہاں ایک نکتہ اور ہے زن وولد کے نفقہ میں فرق ہے وہ جزائے احتباس ہے اور جبکہ نفقہ اسے دیا گیا اس کی ملک ہوگیا اگر وہ نہ اٹھائے بلکہ دوسری جگہ سے اپنا خرچ چلائے تو اس سے واپس نہیں لے سکتا اور اگر اس نے مثلاً مہینے یا سال بھر کا اسے دے دیا اور اس کے پاس سے چوری نہ کریں اپنی حاجت دوسرے طور پر روا کرلیں تو اس مدت کا ان کا نفقہ ذمہ پدر نہیں، اس صورت میں اگر ان کا نفقہ مثلاً کچھ ماہوار بحکم حاکم مقرر ہوا ہو جب بھی آئندہ کے لئے اس سے نہیں لے سکتے جب تک یہ خرچ نہ ہو جائے کہ پہلی حاجت دفع ہو گئی اور اگر اس نے دیا ان کے پاس سے چوری ہو گیا اسے دوبارہ دینا ہوگا کہ حاجت دفع نہ ہوئی تو اس میں سے جو کچھ پس انداز کریں وہ ان کی ملک نہیں ملک پدر ہے کہ معلوم ہوا کہ حاجت سے زائد ہے مگر یہ کہ ان کو ہبۃً دے تو البتہ وہ مالک ہوں گے، ذخیرہ پھر بحر الرائق میں ہے:

فرق بين نفقة الزوجات وكسوتهن و بين نفقة المحارم وكسوتهم ،فان فی الاقارب اذا مضی الوقت	بیویوں کے لئے نفقہ و لباس میں اور ذی محرم کیلئے نفقہ اور لباس میں فرق ہے کیونکہ اقارب کے نفقہ و لباس میں سے کچھ باقی ہو اور وقت گزر جائے

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۹، بحر الرائق کتاب الطلاق باب النفقة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۷۴

وبقی شیئ من الدراھم والکسوۃ فان القاضی لایقضی باخری فی الاحوال کلھالانھا باعتبار الحاجۃ فی حقھم، وفی حق المرأۃ معاوضۃ عن الاحتباس ولھذا اذاضاعت النفقۃ او الکسوۃ من ایدیھم یفرض لھم اخری لماذکرنا[1]۔	تو قاضی اس کے عوض کچھ اور کسی حالت میں دینے کا حکم نہیں کرسکتا کیونکہ ان کے لئے یہ خرچہ حاجت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور بیویوں کے حق میں ان کو محبوس رکھے کا معاوضہ ہوتا ہے اس لئے ان کے خرچہ میں سے اگر ان کے پاس ضائع ہوجائے تو قاضی اسکے عوض کے لئے حکم نافذ کرے گا جیسا کہ ہم نے ذکر کردیا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

النفقۃ فی حق القریب بقدر الحاجۃ والکفایۃ وفی حق الزوجۃ معاوضۃ عن الاحتباس ولذالومضی الوقت وبقی منھا شیئ یقضی باخری لھا لالہ وکذا لوضاعت[2]۔	قریبی کے حق میں نفقہ بقدر حاجت وکفایت ہوتا ہے اور زوجہ کے حق میں پابندی کا معاوضہ ہوتا ہے اس لئے بیوی کے حق میں سے کچھ بقایا ہو تو وقت گزر جانے کے باوجود مزید ادا کرنے کا حکم دے گا اور قریبی کے لئے ایسا نہیں ہے اور یونہی اگر ضائع ہوجائے۔(ت)

اسی پر حواشی فقیر غفرلہ میں ہے:

اقول:سبق قلمہ وصوابہ(وبعکسہ لوضاعت) ای یقضی باخری لہ لعدم اندفاع الحاجۃ لالھا لو صول العوض الیھا[3]۔	اقول: (میں کہتا ہوں) یہ قلم کی سبقت ہے، ورنہ درست اس کا عکس ہے، اگر ضائع ہوجائے یعنی قریبی کے لئے نفقہ ضائع ہوجائے تو قاضی اس کے لئے مزید کا حکم دے گا کیونکہ اس کی حاجت پورا کرنا ہے، بیوی کے لئے ایسا نہیں کیونکہ وہ عوض کے حقدار ہے جو اسے مل گیا ہے(ت)

یہاں سے خالدہ کے اس دعوی کا کہ جس قدر بچتا تھا ہمارا اور ہماری والدہ کا تھا اپنی نسبت بطلان تو ظاہر ہوگیا اس کی ماں کی نسبت بھی صحیح نہ رہا۔ سوال سے ظاہر ہے کہ زید تنہا عورت کے نفقہ اسے نہ بھیجتا تھا بلکہ مع اولاد، اور اس میں کوئی تفصیل نہ تھی کہ اتنا زوجہ کے لئے اتنا اولاد کے واسطے بلکہ مجملاً بغرض صرف

---

[1] بحرالرائق کتاب الطلاق باب النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۷۸
[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۷۲
[3] جدالممتار علی ردالمحتار

ارسال ہوتا تھا تواسے عورت کے لئے تملیک نہیں کہہ سکتے کہ علاوہ شیوع مجہول القدر ہے مقصود یقینا یہ ہے کہ جتنا عورت کے صرف میں آئے وہ اٹھائے جتنا بچوں کے خرچ میں آئے ان پر صرف کرے نہ یہ کہ عورت اور ہر بچے کو بحصہ مساوی مالک کیااور جہالت قدر مبطل ہبہ ہے۔ بحر الرائق میں ہے:

یشترط فی صحة المشاع الذی لایحتمل القسمة ان یکون قدرا معلوما [1]۔	مشاع یعنی جو تقسیم نہ ہوسکے ایسی چیز کی ہبہ کی صحت کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کی قدر معلوم ہو۔(ت)

تو ثابت ہوا کہ وہ بھیجنا بھی تموین ہی تھا نہ کہ تملیک، لہٰذا جو کچھ بچا ملک زید ہی تھا **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق** (تحقیق یوں چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا ولی ہے۔ت) یہاں سے ظاہر ہوا کہ دوسرے دعوی خالدہ کے تین جواب جو زید س نے دئے اگرچہ ان میں دو پچھلے صحیح نہیں، زن وشو کا معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ شرف وشرم والیاں اس میں تقاضائے دین پسند نہیں کرتیں تو نہ مانگنا یا وصیت نہ کرنا دلیل تملیک نہیں **ولا ینسب الی ساکت قول** (خاموش کی طرف بات منسوب نہیں ہوتی۔ت) مگر پہلا جواب کہ وہ میری ہی ملک تھا صحیح ہے، نہ اس طور پر کہ زید نے کہا، بلکہ جس طرح ہم نے تقریر کی۔ رہا خالدہ کا بیان کہ اس کے نانا کے مریدین وتلامذہ اسے اور اس کی ماں کو کچھ دیتے تھے اس کا ثبوت اس کے ذمہ ہے کہ اس روپے میں سے اس کی ماں نے زید کو دیا اگر بتعین مقدار اسے شہود عدول سے ثابت کردے تو اس کا حاصل اس قدر ہوگا کہ زید اتنے روپے کا مدیون ہے، مکان پر خالدہ وغیرہ کسی کو دعوی نہیں پہنچتا کہ روپیہ قرض دیا ہے نہ کہ مکان کا کوئی حصہ مول لیا ہے **والدیون تقضی بامثالھا** (نقدی دین کی ادائیگی ہم مثل سے ہوتی ہے۔ت) خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب [2]۔	والد کے مال سے خریدی گئی چیز کو یہ لازم ہیں کہ وہ باپ کی ہوجائے۔(ت)

تعین ومقدار کی ضرورت یہ ہے کہ بے اس کے دعوی مسموع نہیں مثلاً خالدہ کہے اس میں کچھ روپیہ زر نذور کا تھا نہ سنا جائے گا، ہندیہ میں ہے:

لو کان المدعی به مجهولا فان القاضی	جس چیز کا دعوی ہے وہ اگر مجہول ہو تو قاضی اس

[1] بحر الرائق کتاب الهبه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۸۶

[2] فتاوٰی خیریه کتاب البیوع دار المعرفة بیروت ۱/ ۲۱۹

لایسمع دعواہ ھکذا فی النھایۃ[1]۔	دعوی کو نہ سنے گا، نہایہ میں ایسے ہی ہے۔(ت)

یہ حکم قضا ہے دیانۃً اگر زید جانتا ہو کہ اس میں زر نذر بھی تھا تو اس پر لازم ہے کہ واپس دے اور مقدار نہ معلوم ہو تو آسان طریقہ یہ ہے کہ جو مکان ان کو تبرعًا دینا چاہتا ہے اس روپے کے عوض میں دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۴ تا ۱۳۷: ازدیوی تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی مرسلہ میر غلام اول مدرس ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قاضی قضا کرتا ہے لیکن قضا بالکل ہی واقع کے خلاف ہے قاضی کو یقین دے دیا جاتا ہے کہ آپ کا فیصلہ بالکل خلاف واقع ہے اس میں حق شناسی نہیں ہوئی تو قاضی کہتا ہے کہ جاؤ جی، جو کچھ ہوا ہو، ہو لیا، اب قضا پر قضا نہیں ہوتی نصاب سے زیادہ گواہ نہیں لئے جاسکتے حالانکہ قاضی صرف دو گواہ لیتا ہے اور ایک گواہ کی رائے پر فیصلہ کردیتا ہے چونکہ اس کی دلی منشا بھی اسی فیصلہ پر ہے اور واقعہ یوں ہے ایک آدمی اپنا گاؤں چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں جا رہتا ہے وہاں جس کے مکان میں رہتا ہے اس کے ساتھ اپنی نابالغہ لڑکی کا عقد شرعی روبرو گواہان کردیتا ہے، شادی نہیں ہوتی یعنی روٹی وغیرہ نہیں کی جاتی اور ڈھول وغیرہ نہیں بجایا جاتا اس کا گھر بار کھالیتا ہے گاؤں کے سب لوگوں کو پتہ ہوجاتا ہے کہ نکاح ہوگیا کچھ عرصہ کے بعد ناچاقی ہوجاتی ہے لڑکی کا خاوند لاہور ملازم ہے اس کی عدم موجودگی میں اس کا گھر چھوڑ کر لڑکی کے والدین لڑکی کو لے کر اپنے اصلی گاؤں میں آجاتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ طلاق دلا کر لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کردیا جائے لڑکی کا باپ کئی مسلمانوں کو کہتا ہے جو ابھی زندہ ہیں کہ طلاق لے دو وہ اس کے ساتھ لاہور جانے پر تیار ہوتے ہیں بلکہ اسے یقین دلاتے ہیں کہ طلاق لے دیں گے چونکہ جس اصلی گاؤں میں اب لڑکی کے والدین ہیں اس گاؤں کے لوگوں کی مرضی تھی کہ یہ اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کردے ان کی شہ وغیرہ سے وہ بغیر طلاق لئے نکاح کردینے پر آمادہ ہوجاتا ہے اس گاؤں کے نکاح خوانوں کی مرضی نہیں یہ نکاح پر نکاح ہو، پھر اس حالت میں کہ پہلا نکاح اس نکاح خواں کے لڑکے نے ہی پڑھا تھا جو اب فوت ہوگیا ہے اس مجبوری کو دیکھ کر لڑکی کا باپ تیسرے گاؤں کے قاضی کے پاس جاتا ہے کہ شاید اس کے طفیل کام بن جائے خاوند لاہور ہے بغیر اس کے علم کے ایک تیسرا آدمی اس بات کو سن کر اس قاضی کے پاس جاتا ہے کہ یہ آگے نکاح ہوا ہوا ہے قاضی نے پوچھا کہ کوئی گواہ موجود ہیں جواب ملا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲

کہ گو نکاح خواں اور چند گواہ مرگئے ہیں لیکن پھر بھی کئی گواہ موجود ہیں قاضی نے کہا کہ زیادہ گواہوں کی ضرورت نہیں صرف دو گواہ میرے پاس لے آؤ، اس بیچارے کو پتہ نہ لگا کہ قاضی صرف دو گواہ کیوں مانگتا ہے، اس کی حکمت آگے ظاہر ہو جائے گی کہ منطق پڑھے ہوئے قاضی نے کیوں دو گواہ مانگے، جب دو گواہ قاضی کے پاس آئے تو ان میں سے ایک نے پورے طور پر بیان کیا کہ نکاح ہوا اور ایجاب و قبول ہوا ہے قاضی نے کوئی سوال نہ کیا دوسرے گواہ نے جب ٹھیک طور پر گواہی دینی شروع کی تو قاضی نے جھٹ سوال کیا کہ شادی ہوئی تھی یا ناتا، اس نے کہا ناتا، قاضی جی کی چاندی ہو گئی، وہ چاہتا بھی یہی تھا، یہ سن کر بغیر مزید سوالات فیصلہ دے دیا کہ نکاح ثابت نہیں ہوا شہادت نہیں ہے حالانکہ ناتا کہنے والے نے اسی وقت کہا کہ میری مراد یہ تھی کہ شادی نہیں ہوئی بلکہ ناطہ میں ضرور ایجاب و قبول ہوا ہے اس واسطے شادی کی مقابلہ میں میں نے ناتا کہا، مگر قاضی نے باور نہ کیا اور پھر کہا گیا اور بھی کتنے آدمی ہیں جو اس نکاح کے وقت موجود تھے، قاضی نے کہا نصاب ہو چکا ہے اس سے زیادہ گواہ نہیں لینا چاہتا قاضی کے لئے راہ بن گیا فوراً اس گاؤں میں جا کر لڑکی کا نکاح دوسرے آدمی سے کر دیا حلوے مانڈے کھا چلتا بنا۔ اس قضا سے مسلمانوں میں عجیب حیرت ہے خاص کر اس گاؤں اور گردو نواح کے لوگوں کو جن کو اس نکاح کی خبر تھی ان گواہوں کو جو نکاح میں موجود تھے ان معتبر مسلمانوں کو جن کو لڑکی کا باپ کہتا تھا کہ طلاق دلوادو کہ قاضی جی نے خوب قضا کی خاوند کو خبر ہی نہیں دو سو میل پر بیٹھا ہے قاضی بغیر طلاق کے اس عورت کا نکاح دوسرے آدمی سے پڑھ دیتا ہے، عجب عجب عجب، پتہ کے گاؤں کے لفظ ناطہ ایک ایسا مل گیا ہے جو سب باتوں کو رد کر دیتا ہے اس بات پر غور کرنے نہیں دیتا کہ اگر معاملہ صاف ہوتا تو طرفین کے آدمی میرے پاس کیوں آتے کیا میرے بغیر اس گاؤں میں نکاح کوئی نہیں پڑھ سکتا، جب گواہ پیش کرنے کو کہا جاتا ہے تو قاضی کہتا ہے کہ نصاب پورا ہو گیا، جب شریعت کی طرف رجوع کرنے کو کہا جاتا ہے تو یہ کہہ کر چپ کر دیا جاتا ہے کہ قضا پر قضا نہیں ہوتی لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ دو گواہوں میں سے ناطہ کہنے والے کو کیوں سچا سمجھا جاتا ہے اور دوسرے کو جھوٹا اور کیوں قاضی نے بغیر مزید تحقیقات نکاح پر نکاح پڑھ دیا۔ قاضی کے اس مسئلہ نے تمام عورت والوں کو ڈرا دیا ہے جس کا جی چاہے خاوند کی عدم موجودگی میں دو گواہ پیش کر دے جن میں سے ایک کہہ دے کہ اس عورت کا نکاح نہیں ہوا پس عورت کے ساتھ قاضی جی سے نکاح پڑھوا لے اور عورت والا بیچارہ منہ دیکھتا کا دیکھتا رہ جائے۔ جناب من! اب خوب تحقیق کرکے جواب سے سرفراز فرمادیں کیونکہ قاضی جی کی اس قضاء سے اس علاقے کے مسلمانوں میں عجیب ہلچل اور کھلبلی پڑی ہوئی ہے اور حیران ہیں کہ جیتے خاوند

کی عورت بلاطلاق کیونکر دوسرے مرد پر حلال ہو گئی، اگر یہ تمام باتیں درست ہیں تو مہربانی فرما کر فتوی دیں:

(۱) عام مسلمانوں کے واسطے کیا حکم، آیا وہ اس قضا کو مان لیں جوان کے خیال میں بالکل ناجائز ہے کیونکہ وہ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ یہ نکاح پہلے ہوا ہے بعض نکاح کے موقع پر موجود تھے بعض وہ ہیں جن کو لڑکی کا باپ طلاق کے واسطے کہتا تھا۔

(۲) قاضی کے واسطے کیا حکم ہے جس نے دانستہ دو گواہ لئے گوان گواہوں کے مطلب میں کوئی فرق نہ تھا مگر خود قاضی نے ناتا کا لفظ نکلوا کر پہلے گواہ کو جھوٹا جانا اور دوسرے گواہ کی شہادت پر جا کر اس عورت کا نکاح دوسرے آدمی سے پڑھ دیا جس گاؤں میں اس کا نکاح پہلے ہوا تھا وہاں کے کسی بھلے مانس نے پوچھا تک نہیں۔

(۳) لڑکی کے والدین کے لئے کیا حکم ہے جنہوں نے نکاح پر نکاح بنوایا ان سے بعد میں پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا حالانکہ تم پہلے طلاق لینے پر تیار تھے تو کہتے ہیں کہ قاضی جی نے بغیر طلاق حلال کر دیا۔

(۴) لڑکی کے خاوند کے لئے کیا حکم ہے جس کو اب تک لاہور سے رخصت ہی نہیں ملی ادھر قاضی جی اس کی عورت دوسرے کو دلوا چکے ہیں کیا وہ قاضی جی کی قضا کو مان کر اپنی عورت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

الجواب:

ایسا شخص قاضی نہیں ابلیس ہے اور اس کا ناتے اور شادی میں فرق کرنا شیطانی تلبیس ہے ناتا ہی اصل نکاح ہے تو عورت کا منکوحہ غیر ہونا انہیں دونوں گواہوں سے ثابت ہو لیا تھا قاضی نے ہٹ دھرمی سے اسے نہ مانا اور گواہوں کے سننے سے انکار اس کی خباثت قلبی تھی نصاب کے بعد اور گواہوں کی حاجت نہ ہونا اس صورت میں ہے جب کہ نصاب سے ثبوت ہو جائے اس کے نزدیک ابھی ثبوت نہ ہوا تو اور گواہ سننا فرض تھا مگر اس نے قصداً نہ چاہا اسے تو حرام قطعی کو حلال کرنا اور خود زنا کا دلال بننا تھا وہ اور گواہ کیسے سنتا اور یہ جواب کہ قضا پر قضاء نہیں ہوتی اس کی تیسری شیطنت ہے اول تو یہ نکاح خواں شرعاً قاضی نہیں ہوتے ان کو قاضی کہنا ایسا ہے جیسے لونڈوں کے میاں جی بے علم کو مولوی صاحب کہنا اور ہو بھی تو اس نے کون سی قضا کی تھی جو بدل نہ سکے اتنا ہی تو تھا کہ اس کے نزدیک نکاح ثابت نہ ہوا عدم ثبوت کوئی قضا نہیں۔

(۱) اس ناپاک حکم کا ماننا مسلمانوں پر حرام ہے۔

(۲) قاضی سزائے شدید کا مستحق ہے مگر یہاں کون سزا دے، حاکم اسلام سزا دیتا ہے بلکہ وہ اس ناپاکی پر قتل تک کرسکتا ہے کہ ایسا شخص "یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا" [1] (زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ت) میں داخل ہے۔

(۳) لڑکی کا باپ دیوث ہے جس نے اپنی بیٹی زنا کے لئے دی بلکہ والدین کا یہ کہنا کہ قاضی نے بغیر طلاق حلال کردیا کلمہ کفر ہے کہ انہوں نے قاضی کے کہنے سے زنا کو حلال جانا واستحلال المعصیۃ کفر (گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ت) ان کا آپس میں نکاح نہ رہا دونوں نئے سرے سے مسلمان ہو کر پھر آپس میں نکاح کریں۔

(۴) لڑکی اپنے خاوند کی منکوحہ ہے وہی اسے لے اور یوں نہ ملے تو لڑکی کے باپ اور قاضی پر ازدواج مکرر کا دعوٰی کرکے لے سکتا ہے۔ **معاذاللہ** کیا کیا فساد کا زمانہ آگیا ہے، **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۸: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ تاج محمود صاحب ۵/ محرم ۱۳۳۹ھ

اگر ایک نکاح خواں بغیر دعوٰی مدعی کے کہہ دے کہ مدعی علیہ نے دختر معلومہ نابالغہ کا نکاح مدعی کے فلانے بیٹے کو کردیا ہے، مدعی نے بیٹے معلوم کے لئے قبول کیا ہے حالانکہ یہ نکاح خواں بہت جاہل اور دائمی دشمن مدعی کا ہے، آیا یہ شہادت قابل اعتبار ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

جب دعوٰی نہیں تو مدعی کیسا، اور اگر یہ مطلب ہو کہ مدعی نے اسے گواہ نہ لکھایا تو یہ شرط شہادت نہیں اس نے اگر شہادت میں اپنا نکاح پڑھانا ذکر کیا تو مقبول نہیں **لانہ شھادۃ علی فعل نفسہ** (کیونکہ یہ اپنے خلاف شہادت ہے۔ت) ورنہ اگر گواہ ثقہ ہے قابل قبول ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۹: از ضلع دربھنگہ مقام مدھوبنی محلّہ جولاہہ ٹولہ متصل جامع مسجد مرسلہ خاں محمد صاحب ۱۱/ محرام الحرام ۱۳۳۹ھ

نوری مومن اور اس کے ساتھی نے مسجد میں بیان کیا کہ ہم خاں محمد کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے کیونکہ اس کی ماں کو اس کے پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی تھی کہ اس کے والد نے اس سے نکاح کرلیا چونکہ یہ نکاح صحیح نہ ہوا اس لئے اس کے ماں باپ دونوں زانی اور یہ لوگ ولد الزنا ہوئے اور ولد الزنا کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، کئی دفعہ کہنے پر خان محمد نے اس پر پنچایت بٹھائی جس میں چند معززاشخاص کے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳۳

سامنے نوری سے ثبوت طلب کیا گیا اور کہا گیا کہ خاں محمد کے والد کو چالیس برس ہوئے اب تک تم لوگ کیوں نہ بولے، اتنے دن تک خان محمد کے پیچھے نماز کیوں پڑھتے رہے، خان محمد اور اس کے بھائی کی شادی خاندان میں کیوں کی؟ نوری نے کوئی گواہی پیش نہیں کی بلکہ اقرار کیا کہ ہم نے رنج اور غصہ کی وجہ سے ایسا کہا ہے، ہم سے قصور ہوا، اب ہم خان محمد اور اس کے بھائی کو ولد الزنا نہیں کہیں گے اور برابر ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اب عرض یہ ہے کہ نوری اور اس کے ساتھی کا اگر پنچایت والا بیان صحیح ہے تو وہ لوگ حد قذف کے قابل ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو خود ان لوگوں کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے، ان لوگوں کی گواہی ہمیشہ مردود ہوگی یا نہیں، اگر پہلا بیان سچ ہے تو چالیس برس نہ بولنے، خان محمد کے پیچھے نماز پڑھنے اور اسکی شادی بیاہ اپنے خاندان میں کرنے سے نوری اور اس کے ساتھی کس سزا کے مستحق ہیں او کس حکم کے قابل ہیں؟

الجواب:

ان لوگوں کا پہلا بیان جھوٹا اور سراسر جھوٹ ہے،

قال اللہ تعالٰی "فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ "[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب وہ گواہ پیش نہ کریں تو وہ اللہ تعالٰی کے ہاں جھوٹے ہیں۔ (ت)

اور وہ اس بیان کے سبب ضرور حد قذف کے مستحق ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو اسی کوڑے مارو۔ (ت)

گواہی کا وہ مردود ہونا کہ "وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ"[3] (اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو۔ ت) اس حالت میں ہے کہ حد قذف لگ جائے یہاں نہیں ہوسکتا البتہ وہ مردود ہونا حاصل ہے جو جھوٹے کذاب کی گواہی کے لئے ہے جبکہ وہ بار بار یہ جھوٹ بک چکے ہوں۔ عاجز آکر خان محمد نے پنچایت کی ہو یا اس کے سوا اور جھوٹوں کے ساتھ معروف و مشہور ہوں کہ جھوٹ ان کی عادت ہو تو کبھی ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی اگرچہ توبہ کرلیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۳

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۴

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۴

جھوٹ میں مشہور شخص عادل نہیں ہے تو اس کی شہادت کبھی مقبول نہ ہوگی اگرچہ وہ توبہ بھی کرلے۔بخلاف اس شخص کے جو بھول کر جھوٹ میں مبتلا ہوا یا کبھی ایک مرتبہ جھوٹ بولا ہو پھر توبہ کرلے، تو اس کی شہادت قبول ہوگی، ایسے ہی بدائع میں ہے۔(ت)	المعروف بالکذب لاعدالة له فلا تقبل شهادته ابدا وان تاب بخلاف من وقع فی الکذب سهوا اوابتلی مرة ثم تاب کذا فی البدائع۔[1]

ایسے لوگ فاسق معلن ہیں اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اسے امام بنانا گناہ ہے اور جو نماز اس کے پیچھے پڑھی جائے اس کا پھیرنا واجب ہے ہاں اگر توبہ کرلیں اور ان کا حال صلاح کے ساتھ بدل جائے تو اس وقت ان کے پیچھے نماز میں حرج نہ ہوگا جبکہ باقی شرائط جواز وحلت امامت کے جامع ہوں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۰: از پچی ضلع پشاور مدرسہ قادریہ محمودیہ واقع مسجد چھل گزی مولوی حمد اللہ صاحب قادری محمودی ۲/ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ماموں عمرو پر اپنے نانا کے متروکہ سے جو عمرو کے قبضے میں ہے اپنی ماں متوفاۃ کے حق میراث کا دعوی کیا عمرو جواب دہ ہوا کہ یہ مال ۳۶ برس سے میرے قبضے میں ہے دعوی میں تمادی عارض ہے نیز تیری ماں نے اپنا حصہ میراث اپنی حیات میں مجھے ہبہ کردیا تھا جس کے گواہوں میں اب کوئی زندہ نہیں، زید کہتا ہے یہ مال تجارت کا ہے اب تک میرے نانا کا نام مندرج کاغذات رہا میں نے اور ماں نے تمہیں امین جانا اور بنظر تجارت ترقی کا خیال رہا، امید تھی کہ جب داخلخارج ہوگا حصہ مادری میں میرا نام درج کراؤگے ڈیڑھ سال سے تم نے داخلخارج کرایا اور صرف اپنا نام مندرج کرایا لہٰذا میں مدعی ہوا گواہان مردہ سے ثبوت ہبہ کیسے ہوسکتا ہے، نہ مال مشترک کا ہبہ صحیح نہ میراث میں تمادی مانع۔نیز تمہارے دعوی میں تناقض ہے کہ ہبہ کا بھی ادعا کرتے ہو اور تمادی عذر بھی۔اس صورت میں زید حق پر ہے یا عمرو؟ عبارات عربی کا اردو ترجمہ فرمادیا جائے۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید کا دعوی صحیح و مقبول ہے اور عمرو کے عذر باطل و مخذول۔ہبہ صرف اس کی زبان سے کیسے ثابت ہوسکتا ہے، اموات کو گواہ قرار دینا عجب جہل بے مزہ ہے، ایسی شہادت بس ہو تو جو چاہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشهادات الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۸

جس کا مال چاہے چھین لے کہ تونے یا تیرے باپ نے مجھے ہبہ کردیا یا میرے ہاتھ بیچا اور ثمن پالیا تھا بیس پچیس معززین اس کے گواہ تھے جو سب مرچکے، اور بفرض باطل اگر ہبہ ہوتا بھی تو مال مشترک صالح قسمت قبل تقسیم ہبہ کرنا اگرچہ شریک کے لئے ہو محض ناتمام ہے جسے موت واہبہ قبل تسلیم نے باطل کردیا۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(لا) تتم بالقبض (فیما یقسم و) (لو) وہبہ (لشریکہ) لعدم تصور القبض الکامل کمافی عامۃ الکتب فکان ھو المذھب[1]۔	قابل تقسیم چیز کا ہبہ قبضہ کے بعد بھی ناتمام رہتا ہے اگرچہ اپنے شریک کو ہبہ کیا ہو کہ اس میں بلا تقسیم قبضہ کامل متصور ہی نہیں جیسا کہ عام کتب میں تصریح ہے تو یہی مذہب حنفی ہے۔

اسی میں ہے:

(والمیم موت احد العاقدین) بعد التقسیم فلو قبلہ بطل۔[2]	موہوب لہ کو قبضہ کاملہ دینے کے بعد واہب یا موہوب لہ کا مرجانا ہبہ میں رجوع کا مانع ہے اور اگر قبضہ کاملہ سے پہلے ان میں سے کوئی مرجائے گا تو ہبہ سرے سے باطل ہوجائے گا۔

بلکہ اس کے دعوی ہبہ نے اسی کو ضرر دیا اس سے صاف ظاہر ہوا کہ مال کو وہ متروکہ پدر مانتا اور اپنی بہن کا اس میں حق ارث جانتا ہے جب تو اپنے لئے ہبہ از جانب خواہر کا مدعی ہے اور اس صورت میں چھتیس نہیں سو برس گزرجائیں دعوی ساقط نہیں ہوسکتا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فیما اذا ادعی زید علی عمرو ومحدودا انہ ملکہ ورثہ عن والدہ فاجابہ المدعی علیہ انی اشتریتہ من والدك وانی ذوید علیہ من مدۃ تزید علی اربعین سنہ وانت مقیم معی فی بلدۃ ساکت من غیر عذر یمنعك عن الدعوی، ھل یکون ذٰلك من باب الاقرار	سوال ہوا کہ زید نے عمرو پر ایک زمین کا دعوی کیا کہ میری ملک ہے باپ کے ترکہ سے میں اس کا وارث ہوں عمرو نے جواب دیا کہ میں نے تیرے باپ سے خرید لی تھی اور چالیس برس سے زائد ہوئے کہ میں اس پر قابض ہوں اور تو ایک شہر میں میرے ساتھ ساکن اور بلاعذر ساکت ہے آیا اس صورت میں کیا عمرو مورث زید سے بذریعہ

[1] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[2] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

بالتلقی من مورثیه فیحتاج الی بینة تشهد له بالشراء ولا ینفعه کونه واضعا یده علیه المدة المذکورة اجاب نعم دعوی ذلك التلقی عن ابی المودع ودعوی تلقی الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوی الانتقال منه الیه فیحتاج المدعی علیه الی بینة وصار المدعی علیه مدعیا وکل مدع یحتاج الی بینة ینور بها دعواه ولا ینفعه وضع الید المدة المذکورة مع الاقرار المذکور لیس من باب ترك الدعوی بل من باب المواخذة بالاقرار ومن اقر بشیئ لغیرہ اخذ باقرارہ ولو کان فی یدہ احقاما کثیرة لاتعد وھذا مما لایتوقف فیه[1]۔	شرا ملک حاصل کرنے کا مدعی ہوگا اور اسے اس انتقال پر گواہ دینے ہوں گے اور چالیس برس سے زائد اس کا قبضہ اور زید کا سلوک عمرو کو کچھ نفع نہ دے گا، جواب: فرمایا ہاں یہ عمرو کا دعوٰی ہے کہ مجھے دعوٰی ہے کہ مجھے تیرے مورث سے ملی ہے اور ارث زید سے ملنے کا اقرار تو اس کی ملک کی اوپر سے اقرار ہے اور اس کا دعوٰی کہ بذریعہ انتقال شرعی مجھے ملی تو اب عمرو اس پر گواہ دینے کا محتاج ہے کہ یہ مدعی ہوگیا اور ہر مدعی کو شہادت پیش کرنی لازم ہے جس سے اس کا دعوٰی ثابت ہو اور وہ چالیس برس سے زائد کا قبضہ اسے اقرار مذکور کے ساتھ کچھ بھی نافع نہیں، نہ یہ تمادی کے باب سے ہے بلکہ باب اقرار سے کہ ہر مقر اپنے اقرار پر ماخوذ ہے اگرچہ وہ شیئ بے شمار قرنوں جگہوں سے اس کے قبضہ میں ہو، یہ ایسی واضح بات ہے جس میں شبہہ کو دخل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۱: از ریاست رامپور موٹے کلن کی کنیان مرسلہ مولوی محمد عنایت اللہ خان صاحب ۲۰/صفر ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ ہندہ نے دعوٰی تفریق از زوجیت بجہت وقوع سہ طلاق مغلظ بنام عباس عـــہ علی خان نے مجھ کو بتاریخ فلاں بہ دادن سہ طلاق مغلظ حبالہ نکاح اپنے سے آزاد کیا عباس علی خاں کو دینے طلاق سے ہندہ کے انکار ہے اور

عـــہ: عباس علی خان بعدالت دیوانی محکمہ ابتدائی میں رجوع کیا اور دعوٰی اپنے میں بصراحت لکھا۔

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۸۰و۸۱

کہتا ہے کہ میں بتاریخ مذکورہ شہر میں موجود نہ تھا، ہندہ نے چار مرد مسمیان تفضل حسین خان وغلام ناصر خان وغلام محی الدین خان وکلن خان اور دو عوتیں مسماتان ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم بہ ثبوت وقوع طلاق پیش کئے، ان میں سے پانچ نے ہنگام ادائے شہادت بمواجہ خود عباس علی خان کا طلاق دینا عند العدالت بیان کیا اور ایک نے یعنی کلن خان نے ادائے شہادت اقراری کی اور نیز جانب ہندہ سے ہنگام تحقیقات محلّہ کے تین شخصوں نے اوپر موجودگی عباس علی خان کے شہر ہذا میں بتاریخ مذکورہ ادائے شہادت کی، عدالت نے دعوی ہندہ کو بے اصل اور شہادت شہود کو غیر مقبول قرار دے کر دعوی ہندہ کو نامسموع فرمایا اور وجوہ بے اصلیت دعوے اور نامقبولی شہادت شہود پیش کردہ ہندہ اپنے فیصلہ میں تحریر فرمائیں،

پہلی وجہ: نامقبولی شہادت و شہود کی ان الفاظ پر قائم کی کہ جملہ گواہوں نے بالاتفاق اپنے اظہاروں میں بیان کیا کہ اشہد باللہ گواہی دیتے ہیں کہ عرصہ چھبیس ستائیس دن کا ہوا کہ خالی کا مہینہ تھا ساتویں تاریخ بدھ کا روز تھا آٹھ بجے دن کے تھے کہ عباس علی خان نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیں یہ کہ جملہ گواہان رجال واناث مدعیہ مسموعہ عدالت نے دینا طلاق بمرور چھبیس ستائیس روز لکھایا ہے اور اس قسم کا بیان بیان زمان خواہ بدعوی ہو خواہ بشادت بوجہ جہالت تاریخ شرعًا بموجب روایت ہذا کے نامقبول ہے،

ادعی بالفارسیة دوازدہ درہم وشھد الشھود ان لھذا المدعی علی ہذا المدعی علیه دوازدہ درہم لاتقبل لمکان الجھالة، وکذلك اذاادعی دہ دوازدہ درہم، لاتسمع دعواہ وکذلك اذا ذکرت التاریخ فی الدعوی علی ھذا الوجه بأن قال ایں عین ملك من است از دہ دوازدہ سال فانه لا تسمع دعواہ وکذلك اذا ذکر الشھود التاریخ فی شھادتھم کذافی الذخیرة، عالمگیریة[1]۔	فارسی میں دس گیارہ درہم کا دعوی کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے اس مدعی علیہ پر دس بارہ درہم ہیں تو شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ مجہول ہے اور یوں ہی دس بارہ کا دعوی بھی مسموع نہ ہوگا اور یوں ہی اگر دعوی میں تاریخ مجہول ذکر کی یوں کہ یہ چیز دس بارہ سال سے میری ملکیت میں ہے تو بھی دعوی مسموع نہ ہوگا اور ایسے ہی اگر گواہوں نے اپنی شہادت میں ایسی تاریخ بیان کی تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی، ذخیرہ میں یونہی ہے۔ عالمگیریہ (ت)

وجہ دوم: عدم مقبولی شہادت تفضل حسین خاں وغلام ناصر خاں وغلام محی الدین خاں پر

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۲

قائم کی ان الفاظ پر جو ان کے اظہاروں سے نقل کئے جاتے ہیں تفضل حسین خاں اپنے اظہاروں میں بیان کرتا ہے اس طلاق دینے کے بعد سے اب تک میری اور عباس علی خاں کی بات چیت نہیں ہے اور نہ سلام علیک بگاڑ ہے نہ میں بات چیت اور سلام علیک مدعا علیہ سے کرتا ہوں اور مدعا علیہ مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیتا ہے۔غلام ناصر خاں نے اپنے اظہار میں لکھایا ہے کہ مدعیہ کا اگر کسی سے جھگڑا ہو تو مظہر اس میں کوشش و طرفداری کریگا جو عزیز ہوتا ہے وہ طرفداری کرتا ہے مظہر مدعیہ کا عزیز ہے اس واسطے میں بھی طرفداری کروں گا،اس بیان پر عدالت نے یہ وجہ نامقبولی شہادت شہود قائم کی منجملہ گواہان تفضل حسین خان سے عداوت دنیوی مدعا علیہ ثابت ہے اور اثبات عداوت خود باقرار گواہ ظاہر ہے کہ وہ باظہار خود لکھاتا ہے کہ روز طلاق سے مظہر کا مدعا علیہ سے بگاڑ ہے نہ بات چیت ہے نہ سلام علیک،غلام ناصر خاں،غلام محی الدین خاں پیروکار مقدمہ اور مثل مدعیہ ہیں کہ ان دونوں نے بھی باظہار خود لکھایا ہے کہ اگر مدعیہ سے کسی کا تنازعہ ہو تو ہم کوشش و طرفداری مدعیہ کی کریں گے اور گواہی مخاصم مقدمہ اور عدوی دنیوی شرعًا بموجب روایت ہذا نامقبول ہے:

ولاشھادۃ عدو اذاکانت العداوۃ لاجل الدنیا لان العداوۃ لاجل الدنیا حرام فمن ارتکبھا لایؤمن من التقول علیہ[1] ۱۲عینی۔	دشمن کی شہادت قبول نہ ہوگی جب یہ دشمنی دنیاوی ہو کیونکہ دنیا کی خاطر دشمنی حرام ہے تو جس نے یہ ارتکاب کیا اس کے جھوٹ بولنے کا خطرہ رہتا ہے ۱۲ عینی (ت)

تیسری وجہ: عدم مقبول شہادت شہود یہ قائم کی کہ باہم شہادت شہود میں اختلاف ہیں وہ الفاظ کہ جن میں عدالت نے اختلاف ثابت کیا ہے اظہاروں سے نقل کئے جاتے ہیں کہ تفضل حسین خاں بیان کرتا ہے کہ اس لڑکی کو میں نے پرورش نہیں کیا میری بیوی نے پرورش کیا ہے اور سامان شادی بھی اسی نے دیا ہے،اور غلام ناصر خاں نے کہا کہ تفضل حسین خاں نے پرورش کیا ہے اور سامان شادی بھی اسی نے دیا ہے اور درمیان غلام ناصر خاں وغلام محی الدین خاں یہ اختلاف ہے کہ غلام ناصر خاں اپنے بیان میں لکھاتا ہے کہ پہلی مرتبہ جو طلاق دی تو یوں کہا تھا کہ بگا میں نے تجھ کو طلاق دی،اور غلام محی الدین خاں نے بیان کیا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی اس کی طرف نسبت کرکے،اور غلام محی الدین خاں اور تفضل حسین خاں میں یہ اختلاف ہے کہ غلام محی الدین خاں نے بیان کیا کہ مدعا علیہ جو آیا تھا تو امراؤ بیگم زوجہ تفضل حسین خاں کو سلام علیک کی تھی اور سب سے،اور تفضل حسین خاں کہتا ہے کہ نہیں کی تھی،اور بیان کرتا ہے کہ جس

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ

وقت مدعا علیہ آیا تھا تو میں دروازہ میں بلانے کو گیا تھا اور درمیان غلام ناصر خاں وغلام محی الدین خاں کے بیان میں یہ فرق ہے کہ غلام ناصر نے بیان کیا ہے کہ میں غلام محی الدین خاں سے پہلے چلا گیا تھا اور غلام محی الدین خاں کہتے ہیں کہ میں نے غلام ناصر خاں کو وہاں ہی چھوڑا تھا، ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم و کلن خاں کے بیان میں یہ فرق ہے کہ ہر دو مسماتان کہتی ہیں کہ عباس علی خاں مدعا علیہ کے جانے کے بعد بگا بیگم نے دالان میں سے کہا تھا کہ تم سب اور کلن خاں کو گواہی دینی ہوگی اور دروازہ میں کچھ نہیں کہا تھا اور کلن خاں کہتے ہیں کہ مجھ سے بگا بیگم نے دروازہ میں دالان سے تین چار گز کے فاصلہ پر واقع ہے یہ مضمون کہا تھا کہ کلن خاں تم کو گواہی دینی ہوگی کہ عباس علی خاں نے تم سے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دی، ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم اپنے اظہار میں بیان کرتی ہیں کہ مدعیہ نے بجواب مدعا علیہ کے کہا کہ اب میں نہیں جاؤں گی جب تک کہ وہ لوگ جو پہلے مجھ کو ضمانت کرکے لے گئے تھے نہ آئیں گے، اس پر مدعا علیہ نے کہا کہ تو میری جورو نہ ہوئی ان لوگوں کی ہوئی، پھر طلاق دے دی، اور تفضل حسین خاں لکھاتا ہے کہ مدعا علیہ نے کہا کہ ابھی لے جاؤں گا، بجواب مدعا علیہ نے کہا جو لوگ مجھ کو پہلے ضمانت کرکے لے گئے تھے اگر وہی آئینگے تو میں جاؤنگی، اس پر مدعا علیہ نے کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، اور غلام محی الدین خاں لکھاتا ہے کہ مدعا علیہ نے مدعیہ زوجہ اپنی سے کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، اور غلام محی الدین خاں لکھاتا ہے کہ مدعا علیہ نے مدعیہ زوجہ اپنی سے کہا میں نے نائن کو اور ڈولی بھی بھیجی تھی تو کیوں نہیں آئی، اس پر بگا بیگم نے کہا کہ مجھ کو جانے میں کچھ عذر نہیں ہے مگر جو لوگ مجھ کو پہلے ضمانت کرکے لے گئے تھے وہی آکر لے جائیں گے تو میں جاؤں گی ان سوالات جرح وکلاء مدعا علیہ از گواہان مدعیہ سے اکثر اختلاف بگواہی گواہان مدعیہ اس قسم کے پائے گئے جو باعث بے اصلیت شہادت ونامقبولی عدالت پائے گئے گو یہ اختلافات بحالت ہونے گمان غالب صداقت دعوی وشہادت مانع قبول نہ تھی لیکن چونکہ مقدمہ ہذا حل وحرمت کا ہے اور عدالت ایسے محل پر کہ شادی فریقین کو صرف چھ سات ماہ گزرے ہیں کہ وصال میں انفصال سرپر آیا مدعا علیہ باوجود گوارہ نہ ہونے بود وباش سہ چار روزہ مدعیہ بخانہ والدین صرف انکار مدعیہ پر نہ آئی اپنے سے ہنوز بخانہ شوہر طلاق دے کر چلا گیا بہت شبہات واقع ہیں اس بناء پر بمذہب ابی یوسف وہ اختلافات بالضرورۃ اس زمانے میں کہ اکثر مخلوق نے پیشہ ادائے شہادت زور اختیار کرلیا ہے مانع قبول شہادت شہود ہیں بموجب روایت ہذا کے:

اذا ارتاب القاضی فی امر الشهود فرق بینهم ولایسعه غیر ذٰلك ویسألهم ایضاً این کان هذا ومتی	جب قاضی کو گواہوں کے متعلق شک ہو تو ان کو علیحدہ علیحدہ کردے اس کے علاوہ قاضی کو اختیار نہیں ہے اور قاضی ہر ایک سے جگہ اور وقت کا

کان ھذاویکون ھذاالسوال بطریق الاحتیاط وان کان لایجب ھذاعلی الشھود فی الاصل،فاذا فرقھم فان اختلفوا فی ذٰلك اختلافا یفسد الشھادۃ ردھا وان کان لایفسدھا لایردھا وان کان یتھمھم فالشھادۃ لاترد بمجرد التھمۃ فی نوادر ابن السماعۃ عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی قال ابوحنیفۃ اذا اتھمت الشھود فرقت بینھم ولاالتفت الٰی اختلافھم فی لبس الثیاب وعدد من کان معھم من الرجال والنساء ولا الی اختلافات المواضع بعد ان تکون الشھادۃ علی الاقوال وان کان الشھادۃ علی الافعال فالاختلاف فی المواضع اختلاف فی الشھادۃ قال ابو یوسف اذا اتھمتھم ورأیت الریبۃ فظننت انھم شھود الزور افرق بینھم واسألھم عن المواضع والثیاب ومن کان معھم فاذا اختلفوا فی ذٰلك فھٰذا عندی اختلاف ابطل بہ الشھادۃ کذا فی المحیط[1] ۱۲۔

سوال کرے کہ واقعہ کب اور کہاں ہوا، یہ سوال بطور احتیاط ہوگا اگرچہ گواہوں پر یہ بیان کرنا لازم نہیں ہے، توجدا کرنے پر جگہ اور وقت میں دونوں کا بیان ایسا مختلف ہو جس سے شہادت میں فساد ہو تو اس کو رد کردے اور وہ اختلاف ایسا ہو جس سے شہادت فاسد نہ ہوتی ہو تو رد نہ کرے اور اگر گواہوں میں اتفاق پایا جائے تو محض تہمت کی بناء پر رد نہ کرے، ابن السماعۃ کے نوادر میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے جب گواہوں پر تہمت پاؤں تو ان میں تفریق کردوں گا اور ایسے اختلاف کی طرف التفات نہ کرونگا کہ ان کا لباس کیا اور ان کے ساتھ کتنے مرد اور عورتیں تھیں اور نہ ہی جگہوں کے اختلاف کی طرف التفات کروں گا بشرطیکہ شہادت اقوال پر ہو اور اگر شہادت افعال پر ہو تو جگہوں کا اختلاف شہادت کا اختلاف قرار پائے گا، امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا جب مجھے شک ہو اور میں یہ گمان کروں کہ گواہ جھوٹے ہیں تو میں دونوں کو ایکدوسرے سے جدا کرکے ان سے مواضع اور لباس کے کپڑوں اور واقعہ میں موجود مرد و عورتوں کی تعداد کے متعلق سوال کروں گا اگر وہ ان امور میں اختلاف کریں تو میرے نزدیک یہ ایسا اختلاف ہوگا جس کی بناء پر میں شہادت کو باطل قرار دوں گا، محیط میں یونہی ہے ۱۲۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المحیط کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

چہارم: یہ کہ معاملہ ہذا اقسام دعاوی حلال وحرام سے ہے ایسے محل پر واجبات سے ہے کہ تاوقتیکہ گواہان ثقات ومعتمد سے وقوع طلاق متحقق نہ ہو اوپر بیان مجرد ایسے اشخاص کے حکم تفریق بین الزوجین دینا بجز اس کے کہ اپنی جان کو ماخوذ بہ گناہ کیا جائے کوئی نتیجہ نہیں عدالت کی رائے میں کوئی گواہان میں سے ایسا نہیں کہ جس کی شہادت کے اطمینان پر حکم تفریق بین الزوجین دیا جائے اس لئے کہ غلام ناصر خاں مردمان گواہی پیشہ سے ہے اکثر مقدمات میں گواہیاں اس کے وقت تلاش موجود نکل سکتی ہیں اور صدہا مخبریان دروغ لوگوں پر کرنا شروع کی تھیں کہ عندالتحقیق سرکار اصل ان کی نہ نکلی گواہی مخبر بوجہ فسق قابل قبول نہیں، تفضل حسین خاں پیشتر ازیں بمقدمہ جعل سازی سزایاب ہوچکا ہے غلام محی الدین خاں عرف ننھے خان اور کلن خاں جن کا حال ہم کو نہیں معلوم تھا ان کا حال ہم نے خفیہ طور پر بذریعہ آدم معتبر ومعتمد خود دریافت کرایا یہ ہر دو گواہ بھی عند الدریافت آدم معتمد ثقات اور مقبول الشہادۃ نہ پائے گئے بناء بر روایت شامی کے کہ جو ذکر کی جائے گی اور بعض گواہ ان میں سے مستور الحال ہیں اور بعض فاسق ہیں اور گواہی مستور وفاسق کی جب تک تحری صدق نہ ہو اور عدالت ظاہر نہ ہو قابل اعتماد نہیں۔

کما قال فی الدر الفاسق اھلھا فیکون اھلہ لکنہ لایقلد وجوبا ویأثم مقلدہ کقابل شھادتہ بہ یفتی وقیدہ فی القاعدیۃ بما اذا غلب ظنہ صدقہ فلیحفظ. درر[1] ومقتضی الدلیل ان لایحل ان یقضی بھا فان قضی جاز و نفذ اھ ومقتضاہ الاثم وظاہر قولہ تعالٰی ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا انہ لایحل قبولھا قبل	جیسے در میں فرمایا کہ فاسق شہادت کا اہل ہے تو وہ قضاء کا اہل ہے لیکن اس کا تقرر نہ کیا جائے یہ لازمی بات ہے اور اس کی تقرری منظور کرنیوالا گنہگار ہوگا جیساکہ اس کی شہادت قبول کرنے والا گنہگار ہے اسی پر فتوی ہے، فتاوٰی قاعدیہ میں فاسق کے متعلق اہل قضاء وشہادت ہونے کو اس قید سے مقید کردیا کہ جب تقرر کرنیوالے کو فاسق کے صدق کا گمان ہو، اس کو محفوظ کرلو، درر۔ اور دلیل کا مقتضی یہ ہے کہ فاسق کو فیصلہ دینا حلال نہیں تو اگر اس نے کوئی فیصلہ کردیا تو جائز اور نافذ ہوگا اھ، اس کا

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

تعرف حالہ وقولھم بوجوب السوال عن الشاھد سراوعلانیۃ طعن الخصم اولا فی سائر الحقوق علی قولھما المفتی بہ یقتضی الاثم بترکہ لانہ للتعریف عن حالہ حتی لایقبل الفاسق وصرح ابن الکمال بان من قلد فاسقا یاثم واذا قبل القاضی شھادتہ یاثم [1] اھ وفی الفتاوی القاعدیۃ ھذا اذا غلب علی ظنہ صدقہ وھو مما یحفظ اھ **قلت** والظاھر انہ لایاثم ایضا لحصول التبیین المامور بہ فی النص تامل. قال ط فان لم یغلب علی ظن القاضی صدقہ فان غلب کذبہ عندہ او تساویا فلا یقبلھا ای لایصح قبولھا

مقتضٰی یہ ہے کہ گناہ ہوگا، اور اللہ تعالٰی کے ارشاد "اگر فاسق کوئی خبر دے تو اس کی وضاحت طلب کرو" کا ظاہری تقاضا یہ ہے کہ اس کی شہادت کا قبول کرنا اس کے حال کی تحقیق سے قبل حلال نہیں ہے جبکہ فقہاء کرام کا گواہ کے متعلق فرمانا کہ خفیہ طور پر اور اعلانیہ بھی اس کی تفتیش کی جائے فریق مخالف کا اس پر طعن ہو یا نہ ہو خواہ تمام حقوق میں ہو، صاحبین کے مفتی بہ قول کے مطابق تو فقہاء کرام کی اس بات کا تقاضا ہے یہ کام ترک کرنے پر گناہ ہوگا کیونکہ یہ کام گواہ سے متعلق معلومات کے لئے ہے حتی کہ فاسق ہو تو گواہی قبول نہ کی جائیگی اور ابن کمال نے تصریح کی ہے کہ جس نے فاسق کی تقرری کی وہ گناہگار ہوگا اور جب قاضی فاسق کی شہادت قبول کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔ فتاوٰی قاعدیہ میں ہے یہ جب ہے کہ تقرری اور شہادت قبول کرنے والے نے فاسق کے صدق کا گمان کیا ہو، یہ بات محفوظ رکھنے کے قابل ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) ظاہر یہ ہے کہ گنہگار نہ ہوگا، کیونکہ نص میں بیان کردہ حکم کے مطابق تفتیش ہوچکی ہے، غور کرو۔ ط نے کہا اگر قاضی کو گواہ فاسق کے صدق پر غلبہ ظن نہ ہو خواہ اس کذب پر غلبہ ظن ہو یا اس کا صدق و کذب قاضی کے نزدیک مساوی ہو تو شہادت کو قبول نہ کرے یعنی قبول

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۹

اصلا ھذا ما یعطیه المقام شامی[1] ۱۲،ولایقبل قول المستور فی ظاہر الروایۃوعن ابی حنیفۃ انه یقبل قوله فیها جریا علی مذہبه یجوز القضاء به وفی ظاہر الروایۃ ھو والفاسق سواء حتی یعتبر فیهما اکثر الرای ۱۲ ھدایۃ[2]،ولھذاجوز ابوحنیفۃ رحمه اللہ تعالٰی القضاء بشھادۃ المستور فیما یثبت بشبھات اذالم یطعن الخصم قال ولکن ماذکرہ فی الاستحسان اصح فی زماننا فان الغالب فی اھل الزمان الفسق فلا تعتمد روایۃ المستور مالم یتبین عدالته کما لا تعتمد شھادته فی القضاء قبل ان یظھر عدالته وفی ظاہر الروایۃ ھووالفاسق سواء حتی یعتبر فیهما ای فی المستور والفاسق اکبر رأی فان کان غالب الرأی صدقهما یقبل قولهما والافلا عینی[3] ۱۲۔	کرنا بالکل صحیح نہ ہوگا،یہ مقام کی بحث ہے،شامی،اور مستور الحال کی بات ظاہر روایت کے مطابق قابل قبول نہیں ہے،اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ اس کی بات قبول ہوگی جیسا کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے جب شہادت قبول ہوگی تو قضاء بھی جائز ہوگی اور جبکہ ظاہر الروایت میں مستور الحال اور فاسق کا حکم مساوی ہے حتی کہ ان دونوں میں رائے کے غلبہ کا اعتبار ہے،ہدایہ۔اور اس لئے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مستور الحال کی قضا کو ایسے معاملات میں جائز قرار دیا ہے جو شبہات کے باوجود مخالف فریق کے طعن نہ کرنے پر ثابت ہوجاتے ہیں،فرمایا، لیکن آپ نے استحسان میں جو فرمایا ہمارے زمانے میں وہ اصح قول ہے کیونکہ اس زمانہ میں فسق غالب ہے تو مستور الحال کا معاملہ جب تک حلف نہ ہوجائے اس پر اعتماد نہ کیا جائے گا جیسا کہ قضاء کے معاملہ میں اس کی شہادت پر اعتماد ظہور عدالت کے بغیر نہیں کیا جاتا ظاہر روایت میں اس کا اور فاسق کا حکم مساوی ہے حتی کہ ان دونوں کے متعلق غلبہ رائے میں ان کا صدق ہو تو ان کی بات مقبول ہوگی،ورنہ نہیں،عینی ۱۲۔(ت)

---
[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۰
[2] الھدایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۲
[3] البنایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۲۰۰

اور جن گواہوں کی نسبت عدالت نے نامقبول شہادت پر وجوہات قائم کئے ہیں اور فاسق اور مستور الحال لکھا ہے بہت تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ عدالت نے ان میں سے اکثر کی گواہی قبول کی ہے اور بعد اس کے کوئی امر ان سے ایسا سر زد نہیں ہوا ہے کہ جس سے فاسق اور مستور الحال ہوگئے ہوں اور ان کی گواہی پر اعتماد نہ رہا ہو اور بابت تفضل حسین خاں کے لکھا ہے کہ یہ مقدمہ جعل سازی میں سزایاب ہوچکا ہے یہ صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ عدالت ماتحت نے اس پر جعل سازی قائم کی تھی حالانکہ وہ بری تھا اسی واسطے وہ مرافعہ میں بری ہوگیا اس کی سند اس کے پاس موجود ہے اور غلام ناصر خاں کو عدالت نے اپنے فیصلہ میں گواہی پیشہ اور مخبر قرار دیا ہے اور اس کو اس سے انکار ہے اور کہتا ہے کہ یہ امر بالکل بے ثبوت ہے اگر عدالت کے پاس کوئی ثبوت ہو بیان کرے۔اب علمائے دیندار سے استفسار اس امر کا ہے کہ دعوی ہندہ کا ثابت ہے یانہیں؟ اور شہادۃ شہود کافی ہے یانہیں؟ اور عدالت نے جو وجوہات نامقبولی شہادت شہود بیان کئے ہیں صحیح ہیں یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر دو مرد یا ایک مرد دونوں عورتیں ثقہ عادل شرعیہ ہیں اور انہوں نے شہادت بروجہ شرع ادا کی تو دعوی طلاق ضرور ثابت ہے اور فیصلہ بحق مدعیہ کرنا واجب، عامہ وجوہ نامقبولی شہادات کہ فیصلہ میں مذکور ہوئیں اصلاً بے اصل و ناقابل قبول ہیں (جہالت تاریخ) شہود کے چھبیس ۲۶ ستائیس ۲۷ دن کہنے کو جہالت تاریخ قرار دینا **اولاً:** سخت عجب ہے جبکہ صراحۃً تعیین تاریخ ویوم وماہ سب کچھ ان کے کلام میں مذکور۔

ثانیًا: روایت منقولہ فیصلہ دعوی ملک میں ہے طلاق کا اس پر قیاس باطل و مہجور۔علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر ایک شاہد نے کہا آج طلاق دی دوسرے نے کہا کل، طلاق ثابت ہے اور شہادت متقبل، بحر الرائق واشباہ والنظائر وزواہر الجواہر ودر مختار وغیرہ میں ہے:

قال احدھما طلقھا الیوم والاٰخر انہ طلقھا امس یقع الطلاق[1]۔	ایک گواہ نے کہا اس نے بیوی کو آج طلاق دی ہے دوسرے نے کہا اس نے گزشتہ روز طلاق دی ہے تو طلاق ثابت ہوگی۔ (ت)

فتاوٰی صغری و فصول عمادی وخزانۃ المفتین وجامع الفصولین وغایۃ البیان وفتاوٰی انقرویہ

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۸

وردالمحتار آخر الوقف میں ہے:

لو اختلف الشاهدان فی زمان او مکان او انشاء و اقرار او کان هذاالاختلاف فی قول محض کبیع وطلاق و اقرار و ابراء لایمنع القبول[1]۔	اگر دونوں گواہوں کا اختلاف زمان، مکان، انشاء اور اقرار میں ہوا اور گواہی کا تعلق کلام والے معاملہ سے جیسے بیع، طلاق، اقرار اور بری کرنے سے ہو تو یہ اختلاف گواہی کی قبولیت سے مانع نہ ہوگا۔ (ت)

خلاصہ وجامع الفصولین وبحرالرائق وانقرویہ میں ہے:

الاختلاف فی زمان او مکان او انشاء و اقرار فی القول المحض لایمنع قبولها مطلقًا اھ مختصرین[2]۔	زمان، مکان یا انشاء واقرار کا محض کلام والے معاملہ میں یہ اختلاف شہادت کی قبولیت کیلئے مانع نہ ہوگا اھ مختصرین (ت)

کافی ولسان الحکام وبحرالرائق میں ہے:

اذا اختلف الشاهدان فی الزمان او المکان فی البیع و الشراء والطلاق والعتاق والوکالة والوصیة والرهن و الدین والقرض والبرائة والکفالة والحوالة والقذف تقبل[3]۔	بیع شراء، طلاق، عتاق، وکالت، وصیت، رہن، دین، قرض، برائت، کفالہ، حوالہ اور قذف میں جب گواہوں کا اختلاف زمانہ یا مکان میں ہو تو شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۴۴، فتاوٰی انقرویۃ کتاب الشهادات الفصل الثامن دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۹۹، جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۳

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۴، فتاوی انقرویۃ کتب الشهادات الفصل الثامن دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۹۹، بحرالرائق کتب الشهادات باب الاختلاف فی الشهادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۳

[3] بحرالرائق کتب الشهادات باب الاختلاف فی الشهادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۳، لسان الحکام الفصل الثالث فی الشهادات نوع فی الاختلاف فیه الشهادۃ مصطفی البابی مصر ص ۲۴۷

معین الحکام میں ہے:

لو شهدا بالخلع او الكبيع او الهبة او الصدقة او الرهن او الصلح واختلفا في المكان او الزمان قبلت [1]۔	اگر گواہی کا تعلق خلع، بیع، ہبہ، صدقہ، رہن یا صلح سے ہو اور دونوں گواہ مکان یا زمان میں اختلاف کریں تو شہادت مقبول ہوگی (ت)

جامع الفصولین وانقرویہ میں دربارہ اختلاف تاریخ ہے:

الاختلاف في القول لايمنع [2]۔	قولی معاملہ میں تاریخ کا اختلاف گواہی کی مقبولیت کے لئے مانع نہیں ہے (ت)

(عداوت دنیویہ) تفضل حسین خاں کا مدعا علیہ سے ترک سلام وکلام **اولاً** مہاجرت ہے اور مہاجرت و عداوت میں عموم وخصوص من وجہ، باپ اپنے بیٹے اور بھائی بھائی اور دوست دوست سے کسی بات پر کشیدہ ہو کر ترک سلام وکلام کرتا ہے مگر عداوت نہیں ہوتی ولہا نظائر فی عهد الصحابة بل وعهد النبوة مع قوله تعالى "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" (اللہ تعالٰی کے فرمان کہ "آپس میں رحم کرنے والے ہیں" کے باوجود صحابہ کرام بلکہ زمانہ نبوت میں اس کے نظائر موجود ہیں۔ت) تو عام کو ایک خاص پر بلادلیل حمل کردینا کیونکر صحیح، لاجرم شرح وہبانیہ للمصنف ولابن الشحنۃ والشرنبلالی ولسان الحکام ودرمختار وغیرہا میں ہے:

مثال العداوة الدنيوية ان يشهد المقذوف على القاذف والمقطوع عليه الطريق على القاطع الطريق و المقتول وليه على القاتل والمجروح على الجارح وقد يتوهم بعض المفقهة والشهود ان كل من خاصم شخصا في حق يصير عداوة وليس كذلك بل العداوة تثبت	دنیاوی عداوت کی مثال متہم ہونیوالے کی تہمت لگانے کے خلاف، ڈکیتی سے متاثر ہونیوالے کی ڈاکو کے خلاف، مقتول کے والی کی قاتل کے خلاف، مجروح ہونیوالے کی جارح کے خلاف شہادت ہے، بعض فقیہ بننے والے اور بعض گواہ لوگوں کا خیال ہے کہ ہر مخاصمت والے کی ایک دوسرے کے خلاف، عداوت قرار پاتی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ عداوت کا ثبوت ان صورتوں

[1] معین الحکام الباب الثالث عشر مصطفی البابی مصر ص ۱۰۷

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۴، فتاوٰی انقرویۃ کتاب الشہادات الفصل الثامن دارالاشاعت العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۹۹

بنحو ماذکرت[1] اھ ملتقطا۔	کے سبب ہوتا ہے جیسے میں نے ذکر کی ہیں اھ ملتقطا (ت)

ثانیًا: مہاجرت کو عداوت ہی مانئے تو دنیویہ کا کیا ثبوت۔ مسلمان کے اقوال افعال کو مہما امکن محمل حسن پر اتارنا واجب کما نطقت بہ الاٰیات والاحادیث (جیسا کہ آیات واحادیث نے اسے بیان کیا ہے۔ت) کیا یہ مہاجرت اس بناء پر ناممکن کہ مدعا علیہ نے تین طلاقیں دفعۃً دیں اور یہ شرعًا حرام، تو بوجہ ارتکاب معصیت اس سے مہاجرت کی فیکون من الدین لا للدنیا و ھو لایمنع القبول کما نص الفحول (تو وہ دین کے متعلق ہوگی نہ کہ دنیوی، جبکہ یہ مانع نہیں ہے جیسا کہ بڑوں نے اس پر نص کی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

تقبل من عدو بسبب الدین لانہا من التدین[2]۔	دین کے سبب عداوت والے کی شہادت مقبول ہے کیونکہ یہ دین پسندی ہے۔ (ت)

ثالثًا: دنیویہ ہی سہی مگر ہمارے تمام ائمہ کے اصل مذہب منصوص علیہ میں ہر عداوت دنیویہ مطلقًا مانع شہادت نہیں جب تک موجب فسق نہ ہو، منع مطلق امام شافعی کا مذہب ہے نہ کہ ہمارے ائمہ کا اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ وقت اختلاف ترجیح ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع واجب کما فی البحر والدر والخیریۃ وردالمحتار وغیرہا من معتمدات الاسفار (جیسا کہ بحر، در، خیریہ، ردالمحتار وغیرہا قابل اعتماد کتب میں ہے۔ت) نہ کہ جہاں روایت وہی ہو وہاں غیر کی طرف کیونکر مصیر، ردالمحتار میں ہے:

بقی ھنا تحقیق و توفیق وھو انہ ذکر فی القنیۃ ان العداوۃ الدنیویۃ لاتمنع قبول الشھادۃ مالم یفسق بہا وانہ الصحیح وعلیہ الاعتماد وان مافی المحیط و الواقعات من ان شھادۃ العدو علی عدوہ لاتقبل اختیار المتاخرین والروایۃ	یہاں تحقیق اور توفیق باقی ہے وہ یہ کہ قنیہ میں مذکور ہے کہ عداوت دنیوی میں جب تک فاسق نہ ہو جائے اس کی شہادت قبول ہوگی، اور کہا کہ یہ صحیح ہے اور اس پر اعتماد ہے، جبکہ محیط اور واقعات میں یہ بیان ہے کہ دشمنی والے کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت قبول نہ ہوگی یہ متاخرین کا

[1] لسان الحکام الفصل الثالث مصطفی البابی مصر ص ۲۴۴۔۲۴۳

[2] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵

المنصوصة تخالفها وانه مذہب الشافعی،وقال ابوحنیفة رحمه الله تعالٰی تقبل اذاکان عدلا وفی المبسوط ان کانت دنیویة فهذا یوجب فسقه فلا تقبل شهادته اھ ملخصا،والحاصل ان فی المسألة قولین معتمدین احدهما عدم قبولها علی العدو وهذا اختیار المتاخرین وعلیه صاحب الکنز و الملتقی، ثانیهما انها تقبل الا اذا فسق بها واختارہ ابن وهبان وابن الشحنة[1] اھ مختصرًا۔	مختار ہے حالانکہ منصوص روایت اس کے خلاف ہے،اور کہا کہ یہ امام شافعی کا مسلک ہے،اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ شہادت قبول ہوگی جب وہ عادل ہو،اور مبسوط میں ہے کہ جب دنیوی عداوت ہو تو یہ موجب فسق ہے تو مقبول نہ ہوگی اھ ملخصًا،اور حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دو معتمد قول ہیں،ایک یہ کہ عدالت والوں کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت نامقبول ہے اور یہ متاخرین کا مختار ہے اور اسی پر صاحب کنز و ملتقی کا اعتماد ہے،اور دوسرا قول یہ ہے کہ عداوت والوں کی شہادت مقبول ہے تاوقتیکہ وہ فاسق نہ ہوجائیں،اور اس کو ابن وہبان اور ابن شحنہ نے اختیار کیا ہے اھ مختصرًا(ت)

کنزالرؤس میں ہے:

شهادة العدو علی عدوہ لاتقبل لانه متهم وقال ابوحنیفة تقبل اذا کان عدلا قال استاذ نا وهو الصحیح و علیه الاعتماد لانه اذاکان عدلا تقبل شهادته وان کان بینهما عداوة بسبب امر الدنیا[2] اھ اثرہ فی البحرہ۔	عداوت والے کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت مقبول نہیں کیونکہ وہ محل تہمت ہے،اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا جب عادل ہوں تو مقبول ہے،اور ہمارے استاد نے فرمایا یہی صحیح ہے اور اسی پر اعتماد ہے کیونکہ جب عادل ہو تو اس کی شہادت مقبول ہے اگرچہ ان میں دنیوی عداوت ہو اھ،اور بحر میں اسے نقل کیا ہے(ت)

شرح وہبانیہ ولسان الحکام میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۱

[2] بحر الرائق بحوالہ کنز الرؤس کتاب الشهادات باب من تقبل شهادته الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۸۶

شهادة العدو على عدوه الصحيح انها تقبل سواء كانت العداوة دينية او دنيوية فانها لا تقدح فى العدالة [1]۔	صحیح یہ ہے کہ عداوت والے کی شہادت مقبول ہے خواہ یہ عداوت دینی ہو یا دنیوی، کیونکہ یہ عدالت کو متاثر نہیں کرتی۔ (ت)

رابعًا: وباللہ التوفیق، نظر تدقیق میں تحقیق یہ ہے کہ علمائے متاخرین بھی مطلقًا رنجش کو مسقط شہادت نہیں کہتے جب تک اس حد تک نہ پہنچے کہ قلب وعقل ایمانی پر مستولی ہو کر عدالت انسان عادل پر غالب آجائے جس کے باعث بانکہ اس کی عدالت ثابت، یہاں جھوٹی گواہی دینے کا مظنہ پیدا ہوا اور اس شخص کے معاملہ خاص میں اس کے صدق وعدالت پر اطمینان نہ رہے، ان کی تعلیلات اس معنی پر شاہد عدل ہیں، خود فیصلہ میں امام عینی سے نقل کیا:

لايؤمن من التقول عليه عـــہ۔	جھوٹ والے پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا (ت)

اسی طرح بحر الرائق ودر مختار وغیرہما میں ہے اور اب یہ مذہب منصوص سے چنداں بعید نہیں وہاں فسق حاضر وظاہر پر بنائے کار ہے یہاں فسق مظنون وخفی وارتفاع امان پر، اور اس کی نظیر اس کی ضد یعنی محبت ہے کہ وہ بھی جب اس درجہ تک بالغ ہو کہ یہ اس کے معاملہ میں متہم ہو جائے تو اس کے نفع میں اس کا قول مقبول نہیں اصل محبت بالاجماع مانع شہادت نہیں كما سيأتى (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) یونہی اصل عداوت تو حاصل حکم یہ ٹھہرا کہ اگر عداوت نے بالفعل فاسق کر دیا تو بالاتفاق اس کی شہادت اس دشمن اور اس کے غیر سب کے معاملہ میں مطلقًا مردود، اور اگر اس مرتبہ قوت پر ہے کہ گو فی الحال مرتکب فسق نہ ہوا مگر اس کے معاملہ میں عداوت کا پلہ عدالت پر غالب ہے تو غیر عدو کے بارے میں بالاتفاق مسموع، اور خاص عدو کے ضرر پر اختیار، متاخرین میں نامقبول، اور اگر ایسا نہیں تو مطلقًا اتفاقًا مقبول۔

هذا هو التحقيق الذى يعطيه كلامهم ويشده الدليل فعليه فليكن التعويل۔	تحقیق یہی ہے جو ان کے کلام سے حاصل ہوئی اور دلیل اس کی تائید کرتی ہے اس پر اعتماد چاہئے۔ (ت)

عـــہ: یہ عبارت اندازہ سے بنائی گئی۔

---

[1] لسان الحکام الفصل الثالث مصطفی البابی مصر ص ۲۴۳

تو عند التحقیق مجرد اس اظہار تفضل حسین خاں سے عداوت بالغہ مان لینا کسی قول پر صحیح نہیں جب تک اس کی ترجیح جانب عدالت پر ثابت نہ کی جائے ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق (تحقیق یوں چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت)

(طرفداری) غلام ناصر خاں کا کہنا جو کچھ کوشش اور پیروی ہوسکے گی کروں گا اگر اس بناء پر مانع قبول مانئے کہ جو کسی کام میں کوشش و پیروی کرے مطلقًا مردود و مثل نفس مخاصم ہے تو بداہۃً باطل کہ اس میں سرے سے شہادت کا دروازہ ہی بند ہوتا ہے نفس شہادت ہی مشہود لہ کیلئے کوشش اور اس کے کام کی پیروی ہے **کما تشھد بہ اللام فی شھد لہ** (جیسا کہ "**شھد لہ**" کالام اس کی گواہی دیتا ہے۔ت) اور اگر اس بناء پر کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خواہ مدعیہ حق پر ہو یا باطل پر، ہر طرح میں اسی کا ساتھ دوں گا، تو کلام میں ہر گز اس کا ذکر نہیں اور از پیش خویش معنی فاسد پر حمل کرکے جو اعتراض ہو وہ اپنے حمل پر ہے نہ کہ اصل قول پر، کیوں نہ کہئے کہ ہوسکنے سے اس کے کلام میں امکان شرعی مراد، حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ[1]۔رواہ **الامام احمد ومسلم فی صحیحہ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔**	تم میں سے جس سے ہوسکے کہ اپنے بھائی کو نفع دے تو دینا چاہئے (اسے امام احمد و مسلم نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

جو معنی "ہوسکنے" کے یہاں ہیں وہی وہاں۔ لفظ طرفداری کلام غلام ناصر خان میں ہے بھی نہیں، کلام غلام محی الدین خاں میں ہے، عند الانصاف وہ بھی اسی قیاس پر ہے اس نے ہر گز نہ کہا کہ مدعیہ حق پر ہو یا ناحق پر، میں ہر طرح اس کا طرفدار ہوں گا، اور امر حق میں طرفداری نہ ممنوع نہ مانع قبول، ورنہ وہی سد باب شہادت لازم آئے۔ علماء جو مخاصم مقدمہ کی شہادت نامقبول بتاتے ہیں جسے مجوز فیصلہ نے ایک روایت محض بیگانہ پر محول کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود فریق مقدمہ ہو جیسے شریک یا وکیل یا نابالغ کا وصی، نہ یہ کہ مطلقًا معین کو مخاصم و فریق مقدمہ بنادیجئے، بدائع پھر ردالمحتار میں ہے:

شرط ادائھا ان لایکون خصما	شہادت ادا کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس معاملہ

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۴

فلاتقبل شہادۃ الوصی للیتیم والوکیل لموکلہ[1]۔	میں گواہ کی مخاصمت نہ ہو، تو وصی کی یتیم کے حق میں اور وکیل کی موکل کے حق میں شہادت مقبول نہ ہوگی۔(ت)

شرح وہبانیہ للمصنف ولسان الحکام وبحر الرائق میں ہے:

لو خاصم الشخص آخر فی حق لاتقبل شہادتہ علیہ فی ذٰلك الحق کالوکیل لاتقبل شہادتہ فیما ھو وکیل فیہ،والوصی لاتقبل شہادتہ فیما ھو وصی فیہ و الشریك لا تقبل شہادتہ فیما ھو شریك فیہ ونحو ذٰلک[2]۔	اگر کوئی کسی حق میں دوسرے سے مخاصم ہے تو اس حق میں ایک دوسرے کے خلاف شہادت مقبول نہ ہوگی، جیسا کہ وکیل کی شہادت اس کی وکالت والے معاملہ میں اور وصی کی جس معاملہ میں وہ وصی ہے اور شریک کی جس میں اس کی شرکت ہے، قبول نہ ہوگی۔(ت)

ہر ذی عقل جانتا ہے کہ ایک دوست خالص اپنے سچے دلی دوست کا ضرور طرفدار ہوتا ہے خصوصًا حقیقی بھائی پھر باتفاق علما دوست وبرادر کی شہادت یقینا مقبول ومسموع ہے جب تک دوستی اس حد کو نہ پہنچے کہ ایک دوسرے کے مال میں نہ صرف زبانی بلکہ واقعی اپنے مال کی طرح جو چاہے بے تکلف تصرف کرے۔ معین الحکام وفتاوٰی تمرتاشی ودرمختار میں ہے:

اما الصدیق لصدیقہ فتقبل الااذاکانت الصداقۃ متناھیۃ بحیث یتصرف کل فی مال الآخر[3]۔	لیکن دوست کی دوست کے حق میں شہادت مقبول ہوگی بشرطیکہ وہ دوستی انتہائی جس میں وہ ایک دوسرے کے مال میں بلااجازت تصرف کرتے ہوں، نہ ہو۔(ت)

کنز وغیرہ عامہ متون میں ہے:

تقبل لاخیہ وعمہ وابویہ رضاعا وامرأتہ وبنتہا و زوج بنتہ و	بھائی، چچا، والدین رضاعی، بیوی کی ماں، بیوی کی پہلی خاوند سے بیٹی، داماد، والد کی بیوی

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

[2] لسان الحکام الفصل الثالث مصطفی البابی مصر ص ۲۴۴

[3] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

امرأة ابنه وابیه[1]۔	اور والد کے بیٹے (علاتی بھائی) کے حق میں شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر گواہی مقدمہ میں مدعاعلیہ سے لڑیں جھگڑیں شہادت کو ضرر نہیں جبکہ عادل ہوں اس سے زیادہ اور کیا طرف داری ہوگی۔ خزانۃ الفتاوٰی و بحرالرائق و درمختار میں ہے:

تخاصم الشھود والمدعی علیه تقبل لوعدولا[2]۔	مدعی علیہ اور گواہوں کی مخاصمت ہو تو گواہی مقبول ہے بشرطیکہ گواہ عادل ہوں۔ (ت)

تنبیہ: مسئلہ برادر تمام متون وعامہ شروح و فتاوٰی میں یونہی اطلاق وارسال پر ہے قنیہ میں اسے اس قید سے مقید کیا کہ ایسا نہ ہو کہ مقدمہ نے بہت طول کھینچا اور یہ بھائی اپنے بھائی کی حمایت میں برسوں سے اس مقدمہ کی پیروی و کوشش ومخاصمہ وکاوش میں رہا، اب اگر اس مقدمہ میں بھائی کیلئے گواہی دے گا مقبول نہ ہوگی کہ اس ممتد کارروائی نے گویا اسے مثل مخاصم کردیا، علامہ ابن وہبان نے نظم الفرائد میں اسے بلفظ قیل نقل کیا اور شرح میں قیاسًا فرمایا کہ باقی اقارب واجانب کا بھی یہی حکم ہو جبکہ برسوں پیروی مقدمہ کرچکے ہوں۔ بحرالرائق میں ہے:

فی القنیة امتدت الخصومة سنین ومع المدعی اخ وابن عم یخاصمان له مع المدعی علیه ثم شهدا له فی هذه الخصومة بعد هذه الخصومات لاتقبل شهادتهما اھ وذکر ابن وهبان وقیاس ذٰلك ان یطرد ذٰلك فی کل قرابة وصاحب تردد مع قرابته او صاحبه الی المدعی فی الخصومة سنین ویخاصم له	قنیہ میں ہے کئی سال تک مدعوی کی حمایت میں اس کا بھائی چچازاد، مدعی کے خلاف مخاصمت میں شریک ہیں پھر وہ بھائی اور چچازاد اسی مخاصمت کے مقدمہ میں مدعی کے حق میں گواہی دیں تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی اھ، ابن وہبان نے ذکر کیا ہے کہ یہ قاعدہ ہر قرابت میں جاری ہوگا اور اپنے قریبی کے تردد اور مدعی کی مصاحبت میں کوئی سال سے شامل ہے اور مدعی کے حق میں مدعی کے ساتھ

[1] کنز الدقائق کتاب الشھادات باب القبول وعدمہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۰

[2] بحرالرائق کتاب الشھادات باب من تقبل شھادتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۹۳، درمختار کتاب الشھادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

ومعه على المدعى ثم يشهد له بعد ذلك فانه ينبغي ان لاتقبل والفقه فيه انه لماطال التردد مع المخاصم والمخاصمة له مع المدعى عليه صار بمنزلة الخصم للمدعى عليه اھ[1]۔	مدعا علیہ کے خلاف مخاصمت کر رہا ہے پھر وہ مدعی کے حق میں اس تردد اور مخاصمت میں گواہی دے تو اسے قبول کرنا مناسب نہیں اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب مدعی کے حق میں مدعی علیہ کے خلاف طویل مدت شریک رہا تو وہ گویا خودمدعی علیہ کے خلاف مخاصم بن گیااھ۔(ت)

وہبانیہ میں ہے:۔

وقد قیل لابن العم والاخ لم یجز اذا خاصما معه سنینا واخروا[2]

(چچازاد اور بھائی کے متعلق بیشک یہ کہا گیا ہے کہ جب مدعی کے حق میں کئی سال کے بعد تک وہ مدعا علیہ کے خلاف مخاصم رہے ہوں تو ان کی گواہی مدعی کے حق میں جائز نہیں ہے۔ت)

پر ظاہر کہ یہاں یہ صورت بھی نہیں تو صرف اتنی بات پر شہود کو خصم ٹھہرادینا محض بے اصل ہے۔

(اختلافات) کہ بیان شہود میں پیدا کئے ان میں کوئی اصلاً صالح التفات نہیں۔

اولاً: تفضل حسین خاں نے اپنی بی بی کا پرورش کرنا بتایا غلام ناصر خاں نے تفضل حسین خاں کا یہ کیا اختلاف ہوا ممکن کہ تربیت مباشرۃً امراؤ بیگم نے کی اور مال ورضا جانب تفضل حسین خاں سے، تو بلحاظ مباشرت اس سے نفی اور بنظر مال واجازت اس کے لئے اثبات دونوں حق ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" [3]۔ فتح الامیر الحصن ولم یفتح ھو بل العسکر کل صحیح کما قد علم فی محله۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب آپ نے مارا آپ نے نہ مارا لیکن اللہ تعالٰی نے مارا۔ امیر نے قلعہ فتح کیا، اس نے فتح نہ کیا بلکہ لشکر نے فتح کیا یہ کلام ہر طرح صحیح ہے، جیسا کہ وہ اپنے محل میں معلوم ہے۔(ت)

ایسے امور کا صاحب خانہ کی طرف نسبت کرنا شائع وذائع ہے لانه الاصل وعن رأیه یصدر (کیونکہ

---

[1] بحر الرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۹۳

[2] الوہبانیۃ

[3] القرآن الکریم ۸/ ۱۷

صاحب خانہ اصل اور صاحب رائے ہے۔ت) اور اختلاف غلام ناصر خاں وغلام محی الدین خاں کاادعا سخت ہی تعجب خیز ہے کلام محی الدین میں بگا کو ندا کی نفی بھی تو نہیں صرف عدم ذکر ہے وہ ذکر عدم کیونکر ہوا، رب العزت جل وعلا نے سورہ نمل میں فرمایا:

"یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ ۟ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ۖ۱۰" [1]	اے موسٰی علیہ وعلٰی نبینا الصلوٰۃ والسلام، مت خوف کرو، میں وہ ذات ہوں کہ میرے ہاں رسولوں کو خوف نہیں ہوتا۔ (ت)

اور سورہ قصص میں ہے:

"یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۟ اِنَّکَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ۝۳۱" [2]	اے موسٰی علیہ السلام! آگے بڑھو اور خوف نہ کرو، آپ امن والوں میں سے ہیں۔(ت)

اور سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا:

"قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ ۫ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ۝۲۱" [3]	فرمایا اسے پکڑو اور خوف نہ کرو ہم اس کو عنقریب پہلی حالت پر پھیریں گے۔(ت)

ان دونوں سورتوں میں ذکر ندا ہے یہاں نہیں بلکہ جملہ "**لاتخف**" کے سواہر جگہ نیا کلام نقل فرمایا ہے، کلن خاں اور ظھورن بیگم و فاطمہ بیگم کے بیانوں میں اختلاف گمان کرنا محض قلّت تدبر سے ناشئی ہے، سائل سے استفسار پر واضح ہوا کہ کلن خاں غیر شخص ہے بگا بیگم اس سے چھپتی ہے وہ دالان میں تھی اور یہ دروازے میں۔اب دونوں بیان صاف صاف حق و صحیح ہیں بے غوری کے باعث یہ گمان ہوا کہ دروازے کا لفظ دونوں کلام میں بگا بیگم سے متعلق ہے یعنی کلن خاں کہتا ہے بگا بیگم نے دروازے میں آکر مجھ سے کہا ظھورن بیگم و فاطمہ بیگم کہتی ہیں بگا بیگم نے دالان میں سے کہا دروازے میں کچھ نہ کہا حالانکہ حقیقۃً عورات کے بیان میں تو یہ لفظ بگا بیگم کی طرف ناظر ہے جس طرح مجوز نے سمجھا اور کلن خاں کے کلام میں خود کلن سے متعلق ہے یعنی میں دروازے میں تھا کہ بگا بیگم نے مجھ سے کہا ایسی، طرف متکلم و مخاطب دونوں کے لئے محتمل و مستعمل ہوتی ہے زید نے مجھ سے مسجد میں کہا اسکے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ زید مسجد میں تھا جو اس نے مجھ سے

---

[1] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۱

[3] القرآن الکریم ۲۰/ ۲۱

کہااور یہ بھی کہ میں مسجد میں تھا کہ اس نے کہا ولہذا قرائن سے ایک معنی کی تعیین کرتے ہیں مثلاً قسم کھائی کہ تجھے مسجد میں گالی نہ دوں گا، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں جس وقت مسجد میں ہوں گا تجھے گالی نہ دوں گا ولہذا اگر وہ شخص مسجد میں ہوا اور اس نے باہر سے گالی دی حانث نہ ہوگا، اور اگر قسم کھائی کہ تجھے مسجد میں نہ ماروں گا تو اس کے یہ معنی کہ جب تو مسجد میں ہوگا تجھے نہ ماروں گا ولہذا اگر وہ شخص بیرون مسجد ہے اور اس نے مسجد میں سے اسے مارا قسم نہ ٹوٹے گی۔ اشباہ میں ہے:

قال ان شتمته فی المسجد او رمیت الیه فشرط حنثه کون الفاعل فیه وان ضربته او جرحته او قتلته او رمیته کون المحل فیه[1]۔	اگر کسی نے کہا میں اسے مسجد میں گالی دوں یا مسجد سے اسے تیر ماروں، اس کی قسم ٹوٹنے کی شرط یہ ہے کہ فاعل مسجد میں ہو، اور اگر کہا میں اس کو ضرب لگاؤں یا زخمی کروں یا قتل کروں یا تیر ماروں تو پھر شرط یہ ہے کہ مفعول مسجد میں ہو۔ (ت)

ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم کے بیان میں احتمال اول مقصود ہے اور کلن خاں کے بیان میں دوم، ولہذا اس نے دالان و دروازہ کا فاصلہ بتایا کہ تین چار ہی گز ہے جس کے سبب بگا بیگم نے دالان میں سے جو بات کی میں نے دروازے میں سنی۔ یہ تو حق تحقیق ہے اور بالفرض اس سے قطع نظر بھی کیجئے اور دونوں کلام میں ظرف کو بگا بیگم ہی کے واسطے قرار دیجئے تاہم وہ دونوں بیان بداہۃً بگا بیگم کے دو کلاموں کے حکایت ہیں ایک میں کلن خان مخاطب تھا کہ تم کو گواہی دینا ہوگی دوسرے میں اور لوگ کہ تم سب اور کلن خاں کو گواہی دینی ہوگی وہ کلن خان سے کہا تھا یہ اس کے جانے کے بعد تو ایک کا دروازہ دوسرے کا دالان میں ہونا کیا محال ہے نہ ہرگز شرط شاہد ہے کہ اس تمام جلسے میں جس سے جو بات اصل امر سے زائد بھی کہی جائے اس سب کو اس کا علم محیط اور اس کے حفظ میں حاضر ہو، یہیں سے سلام علیک کہنے نہ کہنے کا جواب ظاہر، معہذا ممکن کہ تفضل حسین خان جب دروازے پر مدعا علیہ کو بلانے گیا اس نے اس سے سلام علیک نہ کی پھر یہ اس کے بعد مکان میں آیا اس نے سلام علیک کرتے نہ دیکھا اپنے عدم علم کی بناء پر نفی کی اور غلام محی الدین نے دیکھا لہٰذا اپنے علم کی بناء پر اثبات، ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم و تفضل حسین خاں و غلام محی الدین خاں کے بیان میں جو مکالمہ زن و شو کے حکایات ہیں ان کا حاصل کہیں مختلف و متنافی نہیں اسے اختلاف بتانے کے رد میں وہی تین آیتیں کہ ابھی تلاوت کی گئیں

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الایمان ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۷۷

اور قرآن عظیم کے عامہ قصص اور تمام منقولہ بالمعنی وبزیادت و نقص رواۃ جن کے تودہ تودہ نظائر صحیح بخاری کے اور ابواب اور صحیح مسلم کے ایک ہی سیاق میں مل سکتے ہیں کافی ووافی۔ کوئی عاقل اسے اختلاف نہیں کہہ سکتا۔ رہا غلام ناصر خان وغلام محی الدین خاں کا اختلاف، ممکن کہ واقع میں غلام ناصر خاں پہلے چلا گیا ہو غلام محی الدین خاں نے اسے جاتے نہ دیکھا استصحابًا کہا وہیں چھوڑآیا۔

ثانیًا: بالفرض اگر یہ سب اختلاف مسلم بھی ہوں تو زائد وفضول ولغو وبیکار باتوں میں تفاوت اصلًا لائق التفات نہیں بگا بیگم کو تفضل حسین خان نے پرورش کیا یا اس کی زوجہ نے مدعا علیہ نے طلاق دینے میں "اے بگا" کہا، یا بے ندا اس سے خطاب کیا، اس نے امراؤ بیگم وغیرہا سے سلام علیک کی یا نہ کی، غلام محی الدین خاں پہلے اٹھ گیا یا غلام ناصر خاں، بگا بیگم نے کلن خاں سے دروازے میں کچھ کہا یا نہیں، بجواب عباس علی خاں جب تک ضامن نہ آئیں، جانے سے انکار ان لفظوں سے ادا کیا یا ان سے ان میں کون سی بات کی نفی یا اثبات طلاق دینے نہ دینے سے تعلق یا معاملہ پر کچھ اثر رکھتی ہے تو ایسی مہملات پر نظر کے کوئی معنی نہیں۔ وجیز امام کردری میں ہے:

التناقض فیما لایحتاج الیہ لایضر، اصلہ فی الجامع الصغیر الخ[1]۔	غیر ضروری کے متعلق تناقض مضر نہیں، اس کی اصل جامع الصغیر میں ہے الخ (ت)

جامع الفصولین فصل ۱۱ میں ہے:

القاضی لو سأل الشھود قبل الدعوی عن لون الدابۃ فقالوا کذا ثم عند الدعوی شھدا بخلاف ذلک اللون تقبل لانہ سأل عما لایکلف الشاھد بیانہ فاستوی ذکرہ وترکہ ویخرج منہ مسائل کثیرۃ[2]۔	قاضی نے اگر دعوی سے قبل گواہوں سے جانور کا رنگ پوچھا تو انہوں نے کوئی رنگ بتایا پھر قاضی نے دعوی کے موقعہ پر ان سے سوال کیا تو انہوں نے دوسرا رنگ بتایا یہ شہادت مقبول ہوگی کیونکہ قاضی نے ان سے ایسی چیز کا سوال کیا جس کے بیان کے وہ پابند نہیں تو ایسی چیز کا ذکر کرنا نہ کرنا مساوی ہے اس ضابطہ سے بہت سے مسائل کی تخریج ہوئی ہے۔ (ت)

خلاصہ وہندیہ میں ہے:

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۵۱

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۰

لو سأل القاضی الشهود عن لون الدابة وذکروا ثم شهدوا عند الدعوی وذکروا الصفة علی خلافه تقبل والتناقض فیما لایحتاج الیه لایضر۔[1]	اگر قاضی نے گواہوں سے جانور کے رنگ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کوئی رنگ بتایا پھر دعوی کے موقعہ پر انہوں نے کوئی دوسرا رنگ بتایا تو شہادت مقبول ہوگی کیونکہ غیر ضروری چیز میں تناقض مضر نہیں ہے (ت)

خانیہ وبحر الرائق وظہیریہ وعالمگیریہ میں ہے:

لو اختلفا فی الثیاب التی کانت علی الطالب والمطلوب او المرکب او قال احدهما کان معنا فلان وقال الآخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انه یجوز لاتبطل هذه الشهادة[2]۔	اگر گواہوں نے طالب، مطلوب یا سواری کے جانور پر کپڑے میں اختلاف کیا یا ایک نے کہا فلاں ہمارے ساتھ تھا اور دوسرے نے کہا وہ ہمارے ساتھ نہ تھا اصل (مبسوط) میں مذکور ہے کہ یہ شہادت جائز ہے اور اسے باطل نہ کہا جائیگا۔ (ت)

فتاوٰی قاعدیہ وفتاوٰی انقرویہ میں ہے:

قال الشهادة لو خالفت الدعوٰی بزیادة لایحتاج الی اثباتها او بنقصان کذٰلك فان ذٰلك لایمنع قبولها مثالها لو اشهدا علی اقراره بمال فقال لااقر فی یوم کذا والمدعی لم یذکر الیوم او شهدا ولم یؤرخا و المدعی ارخ،اوشهدا انه اقرفی بلد کذا وقد اطلق المدعی او ذکر المدعی المکان ولم یذکراه	فرمایا اگر شہادت کسی غیر ضروری یا نقصان کی وجہ سے دعوی سے مختلف ہوجائے تو گنجائش ہے کہ اس کی قبولیت سے انکار نہ کیا جائے مثلاً گواہوں نے ایک شخص کے اقرار بالمال کی شہادت دیتے ہوئے کہا اس نے فلاں روز اقرار کیا حالانکہ مدعی نے اس دن کا ذکر نہ کیا یا یوں کہ مدعی نے اپنے دعوی میں کوئی تاریخ ذکر کی اور گواہوں نے وہ تاریخ نہ ذکر کی یا یہ کہ گواہوں نے کسی شہر کا ذکر کیا حالانکہ مدعی نے کسی شہر کو ذکر نہ کیا یا یہ کہ مدعی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشهادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰

[2] بحر الرائق کتاب الشهادات باب الاختلاف فی الشهادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۳، فتاوٰی ہندیہ کتاب الشهادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

اوذکر المدعی مکانا وھما سمیا غیر ذٰلك المکان، او قال المدعی اقر وھو راکب فرس اولابس عمامۃ، و قالا اقروھو راجل اوراکب حمار او لابس قلنسوۃ و اشباہ ذٰلك فانه لایمنع القبول لان ھذہ الاشیاء لا یحتاج الی اثباتھا فذکرھا والسکوت عنھا سواء وکذا لووقع مثل ھذا التفاوت بین الشھادتین لایضر[1]۔	نے جگہ کا ذکر کیا اور گواہوں نے وہ جگہ ذکر نہ کی، یا یہ کہ مدعی نے جگہ کا ذکر کیا اور گواہوں نے کسی دوسری جگہ ذکر کیا یا یہ کہ مدعی نے دعوی میں کہا کہ گھوڑے پر سواری کی حالت میں اقرار کیا یا عمامہ پہنے ہوئے اقرار کیا اور گواہوں نے پیدل یا گدھے پر سواری کی حالت میں یا ٹوپی پہننے کی حالت وغیرہ کا، توان غیر ضروری امور میں اختلاف گواہی کی قبولیت کے لئے مانع نہ ہوگا، کیونکہ یہ چیزیں وہ ہیں جن کا اثبات ضروری نہیں ہے توان کا ذکر اور عدم ذکر مساوی ہے اور یونہی اگر اس قسم کا اختلاف دونوں گواہوں کی شہادت میں ہو تو مضر نہ ہوگا۔(ت)

بلکہ علماء تو معاملہ طلاق وعتاق میں نفس الفاظ ایقاع کے اختلاف لسانی کو نظر انداز کرتے ہیں ایک گواہ کہے زید نے اپنی زوجہ سے کہا انت طالق یاغلام سے انت حر، دوسرا کہے طلاق دادمت کہا، یاآزادت کردم، یاایک کہے زید نے اس وقت عربی میں کلام کیا تھا، دوسرا کہے کہ فارسی میں، ان سب صورتوں میں شہادت مقبول ہے اور طلاق وعتاق ثابت، پھر ان بالائی لغویات کا لحاظ یعنی چہ، درمختار میں ہے:

شھد احدھما انه قال لعبدہ انت حر والاٰخر انه قال آزادی تقبل[2]۔	اگر ایک نے شہادت دی کہ اس نے اپنے غلام کو "انت حر" (عربی) اور دوسرے گواہ نے کہا کہ اس نے غلام کو فارسی میں آزاد کہا گواہی قبول ہوگی۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

شھد احدھما انه اعتق بالعربی والاٰخر بالفارسی تقبل[3]۔	ایک نے شہادت دی کہ اس نے غلام آزاد کرتے ہوئے عربی میں اور دوسرے نے شہادت میں کہا کہ اس نے فارسی میں کہا، شہادت مقبول ہوگی(ت)

---

[1] فتاوٰی انقرویه بحواله الفتاوی القاعدیة کتاب الشھادات دار الاشاعة العربیه قندھار ۱/ ۹۵۔۳۹۴

[2] درمختار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۸

[3] البحر الرائق کتاب الشھادات باب الاختلاف الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۰۔۱۱۱

اشباہ میں ہے:

شهد احدهما انه اعتقه بالعربية والاٰخر بالفارسية تقبل بخلاف الطلاق والاصح القبول فيهما[1]۔	ایک نے شہادت دی کہ اس نے عربی میں، اور دوسرے نے شہادت دی کہ اس نے فارسی میں آزاد کہا، مقبول ہوگی بخلاف طلاق کے، لیکن صحیح یہ ہے کہ عتاق وطلاق دونوں میں مقبول ہے۔(ت)

ثالثًا: اصل شہادت میں اتفاق شافی ووافی کے بعد بعض فضولیات میں ایسے مؤثر ہلکے آسان اختلافوں کو جنہیں معاملے سے کچھ تعلق نہ ہو دستاویز بناکر شہادت متفقہ کو رد کردینے کا اگر فتح باب ہو تو عامہ حقوق ضائع ہوجائیں، ظالمین اموال وفروج پر دسترس پائیں، مظلوم اپنے حق سے محروم رہ جائیں، کچہریاں صرف اعانت ظلمہ کے صیغ نظر آئیں کہ انسان نسیان کے لئے ہے اور زوائد ضائعہ کی طرف نہ ذہن ابتداءً التفات تام کرتا ہے نہ حافظہ انتہاءً ان کا اہتمام، ایسی کسی بات میں ایک آدھ اختلاف ہوجانا نادر نہیں بلکہ کثیر وغالب ہے خصوصًا اس بدعت شنیعہ کے ہاتھوں جو آجکل کے وکلاء نے اتلاف حقوق وتکذیب صدوق کے لئے تراشی اور قضاۃ نے اس پر تقریر کی محض براہ مغالطہ شہود کا بیان متزلزل کردینے کے لئے صدہا سوالات فضول ومہملات سو سو طرح کے پیچ دے کر کرتے اور شرع نے جن کے اکرام کا حکم دیا جنہیں ذریعہ دادرسی مظلوم بنایا ان کے اغوا وتضلیل وازلال وتذلیل میں کوئی دقیقہ نامرعی نہیں رکھتے اس بیہودہ بے معنی کشاکش پریشان کن میں آدمی کے آئے حواس جاتے ہیں خصوصًا نساء وضعفا وارباب سلامت صدر اور وہ لوگ جنہیں کچہریوں کا اتفاق کم ہوا کہ یہ توان حضرات کے سخرہ ودست مال ہیں جب فہرست شہود میں ایسوں کا نام پاتے ہیں براہ تاخر فرماتے ہیں وہ بہت سیدھے مسلمان ہیں دیکھنا دو سوالوں میں بول جائیں گے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بھولا راستباز جھوٹا ٹھہرتا ہے اور جھوٹا فسوں کار سچا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المؤمن غر كريم والفاجر خب لئيم[2]۔ رواه ابوداؤد والترمذی والحاكم بسند جيد عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه۔	مومن کریم ہونے کی بناء پر دھوکا کھاتا ہے اور فاجر شخص قابل ملامت ہونے کی وجہ سے دھوکا باز ہوتا ہے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور حاکم نے جید سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الدعوٰی والشہادات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۴۵

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۶۰

وہاں ایسے کسی اختلاف یسیر کا بھی اصلاً واقع نہ ہونا ہے تعجب ہے تو ان پر نظر کا حاصل سوا اضاعت حقوق اعانت عقوق کے اور کیا قرار پاسکتا ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی، پر ظاہر کہ اس میں حرج صریح ہے اور حرج بنص قطعی مدفوع۔ جامع الفصولین میں ہے:

عدم القبول فی امثالہ یفضی الی الحرج والتضییق وتضییع کثیر من الحقوق وامرنا بیسر لابعسر والحرج مدفوع شرعاً۔[1]	ایسی صورتوں میں قبول نہ کرنا حرج، تنگی اور بہت سے حقوق کے ضیاع کا سبب بنتا ہے جبکہ ہمیں یسر کا حکم ہے تنگی اور دشواری پیدا کرنے کا حکم نہیں نیز حرج شرعاً مدفوع ہے۔(ت)

(روایت نادرہ ابی یوسف) کو مذہب امام ابویوسف کہنا کس قدر خلاف فقاہت ہے نہ قاضی و مفتی کو اس پر عمل و حکم کی اجازت۔ جامع صغیر و مبسوط امام محمد و بحر الرائق و اشباہ والنظائر و زواہر الجواہر و در مختار و فتاوٰی صغری و فصول عمادی و خزانۃ المفتین و جامع الفصولین و غایۃ البیان و فتاوٰی انقرویہ، ردالمحتار و فتاوٰی خلاصہ و کافی و لسان الحکام و معین الحکام و عقود الدریہ و وجیز کردری و فتاوٰی خانیہ و فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی قاعدیہ وغیرہا کتب معتمدہ مذہب کی عبارات کثیرہ اوپر گزریں کہ اس روایت نادرہ کے سراسر خلاف ہیں اور انہیں پر انحصار نہیں، عامہ کتب مذہب میں اس کا خلاف موجود، اور اس روایت کا مخالف ظاہر الروایت ہونا خود عبارت منقولہ فیصلہ سے ثابت فیصلہ سے جس قدر سائل نے نقل کیا وہ یہیں سے ہے کہ اذا ارتاب القاضی (جب قاضی کو شک ہو۔(ت) حالانکہ اصل عبارت محیط ان الفاظ سے شروع ہے: قال فی الاصل اذا ارتاب القاضی الخ[2] (اصل (مبسوط) میں فرمایا جب قاضی شک میں مبتلا ہو الخ۔ت) جس سے صاف ظاہر کہ محرر المذہب امام محمد نے کتاب الاصل میں کہ کتب ستہ ظاہر الروایۃ سے ہے بے حکایت خلاف تصریح صاف فرمائی کہ شاہدوں کا زمان و مکان میں بھی اختلاف مطلقاً مضر شہادت نہیں جہاں ہے" ہے "یعنی افعال نہ طلاق و عتاق وبیع وامثالہا اقوال چہ جائے اختلاف ثیاب و مراکب وحضار واقعہ نساء ورجال، اور صاف یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مجرد تہمت وریب کی بناء پر شہادت رد نہ کی جائے گی، نیز اسی عبارت سے یہ بھی ثابت کہ نوادر میں بھی یہ صرف روایت ابی یوسف ہے۔ برخلاف امام اعظم وہمام اقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المحیط کتاب ادب القضاء الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

توجماہیر کے خلاف، امام کے خلاف، ظاہر الروایۃ کے خلاف، دلیل کے خلاف، بے تصحیح صریح وترجیح رجیح ائمہ افتاء ایک روایت شاذہ نادرہ پر فیصلہ کیونکر روا، ائمہ وعلماء کی روشن تصریحات ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے ہمارے ائمہ کامذہب نہیں وہ مرجوع عنہ ہے قول مرجوح پر افتاء وقضاء جہل وخرق اجماع ہے نہ کہ مرجوع عنہ کہ سرے سے قول ہی نہ رہا، لاجرم ایسے فیصلے کو منسوخ کردینے کاحکم فرمایااور اگر والی مولی جس نے قاضی عہدہ قضادیا تصریح کردی کہ مذہب امام یا قول مصحح پر عمل کرنا جیساکہ غالبًا یونہی ہوتا ہے جب توایسا فیصلہ قطعًا اجماعًا سرے ہی سے باطل ونامعتبر ومحض بے اثر جسے منسوخ کرنے کی بھی حاجت نہیں کہ قاضی اب ماورائے مذہب میں معزول ومثل احد من الناس ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قدصرحوا بان العمل بماعلیه الاکثر [1]۔	فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عمل اکثریت کے موقف پر ہوگا۔ (ت)

امداد الفتاح علامہ شرنبلالی میں ہے:

القاعدۃ العمل بماعلیه الاکثر [2]۔	قاعدہ ہے کہ عمل اکثریت کے موقف پر ہوگا۔ (ت)

شرح الاشباہ للعلامۃ البیری وعقود الدریہ میں ہے:

المقرر عند المشایخ انه متی اختلف فی مسألة فالعبرۃ بماقاله الاکثر [3]۔	مشائخ کے ہاں ثابت شدہ ہے کہ جب مسئلہ میں اختلاف ہو تو اکثریت کے قول کااعتبار ہوگا۔ (ت)

تنویر الابصار ودرمختار ومنیہ وسراجیہ وغیرہا میں ہے:

یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفة علی الاطلاق [4]۔	مفتی کی طرح قاضی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو علی الاطلاق لے گا۔ (ت)

ثلثہ اخیرہ میں ہے: ھو الاصح [5] (وہی اصح ہے۔ ت) بحرالرائق میں ہے: یجب علینا الافتاء

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ قبل باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۵۱

[2] العقود الدریه بحواله الشرنبلالی مسائل وفوائد من الحظر والاباحة الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۶

[3] العقود الدریه بحواله بیری مقدمة الکتاب ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[5] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

بقول الامام[1] (ہم پر امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر فتوی دینا واجب ہے۔ت) خیریہ میں ہے:

المقر ایضا عندنا انہ لایفتی ولایعمل الابقول الامام الاعظم[2] الخ۔	ہمارے ہاں یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے بغیر نہ فتوی دیا جائے اور نہ عمل کیا جائے الخ(ت)

ردالمحتار میں صدر کتاب احیاء الموات میں ہے:

وذٰلک عجیب لما قالوا ان ماخالف ظاہر الروایۃ لیس مذہبا لاصحابنا[3]۔	یہ امر عجیب ہے کیونکہ ان فقہاء کرام نے فرمایا کہ جو ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہے۔(ت)

بحرالرائق کتاب القضاء میں ہے:

ماخرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ لما قرروہ فی الاصول من عدم امکان صدور قولین مختلفین متساویین من مجتھد والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ[4]۔	جو ظاہر الروایت سے خارج ہے وہ مرجوع عنہ ہے کیونکہ انہوں نے اصول میں یہ امر ثابت شدہ قرار دیا ہے کہ مجتہد سے دو مساوی مختلف قول صادر ہونا ممکن نہیں اور جس قول سے رجوع کرلیا ہو تو وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا۔(ت)

خیریہ اواخر شہادات میں ہے:

ھذا ھو المذہب الذی لایعدل عنہ الٰی غیرہ وما سواہ روایات خارجۃ عن ظاہر الروایۃ وما خرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ[5]۔	مذہب یہی ہے جس سے غیر کی طرف عدول نہیں کیا جاسکتا اور اس کے ماسوا روایات ظاہر الروایۃ سے خارج ہیں اور جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہے اور جو مرجوع عنہ ہو وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا۔(ت)

[1] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۷۰۔۲۶۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

[3] ردالمحتار کتاب احیاء الموات احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۸

[4] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۰

[5] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

تصحیح القدوری و در مختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع [1] ۔	کوئی حکم یا فتوٰی مرجوح قول پر ہو تو وہ جہالت اور اجماع کے مخالف ہے۔(ت)

حواشی ثلثہ سادات ثلثہ ابراہیم حلبی واحمد مصری ومحمد شامی میں ہے:

اولٰی من هذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاهر الروایة اذالم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنه [2] ۔	اس سے زیادہ باطل یہ ہے کہ فتوٰی دیناظاہر الروایۃ کے خلاف جس کی تصحیح نہ ہو،اور مرجوع عنہ قول پر فتوٰی دینا ہے۔(ت)

تنویر وشرح علائی میں ہے:

لایخیر اذلم یکن مجتهد ابل المقلد متی خالف معتمد مذهبه لاینفذ حکمه وینقض هو المختار للفتوی کما بسطه المصنف فی فتاویه غیره [3] ۔	مجتہد کے غیر کو اختیار نہ ہوگا بلکہ مقلد جب اپنے معتمد علیہ مذہب کے خلاف فیصلہ دے تو وہ نافذ نہ ہوگا اور اس کو کالعدم قرار دیا جائے گا،یہی فتوٰی کیلئے مختار جیسا کہ مصنف نے اپنے دوسرے فتاوٰی میں اس کو بسط سے بیان کیا ہے۔(ت)

انہیں میں ہے:

(قضی فی مجتهدفیه بخلاف رأیه) ای مذهبه، مجمع وابن کمال(لاینفذ مطلقًا) ناسیا او عامدًا عندهما والائمة الثلثة(وبه یفتی) مجمع وقایة وملتقی،وقیل بالنفاذ یفتی وفی شرح الوهبانیة للشرنبلالی قضی من لیس مجتهدا کحنفیة زماننا	قاضی نے مجتہد فیہ مسئلہ میں اپنی رائے یعنی اپنے مذہب کے خلاف، مجمع اور ابن کمال(مطلقًا نافذ نہ ہوگا) خواہ قصدًا ہو یا سہوًا،صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں(اسی پر فتوٰی ہے) مجمع وملتقٰی اور وقایہ،اور بعض نے کہا نفاذ پر فتوٰی ہے۔علامہ شرنبلالی کی شرح وہبانیہ میں ہے ہمارے زمانہ کے حنفی قاضی کی طرح غیر مجتہد

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[2] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

بخلاف مذہبه عامدالاینفذ اتفاقا وکذا ناسیا عندهما، ولو قیده السلطان بصحیح مذہبه کزماننا تقید بلاخلاف لکونه معزولا عنه اھ وقد غیرت بیت الوهبانیة فقلت ولو حکم القاضی بحکم مخالف لمذہبه ماصح اصلا یسطر[1]۔	نے اپنے مذہب کے خلاف قصداً فیصلہ دیا تو بالاتفاق نافذ نہ ہوگا، اور یوں ہی بھول کر دیا تو صاحبین کے ہاں وہ بھی نافذ نہ ہوگا، اور اگر سلطان نے قاضی کو اپنے مذہب کے صحیح پر فیصلہ کا پابند کیا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں پابند کیا جاتا ہے تو بغیر اختلاف وہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ قاضی کے دائرہ اختیار سے باہر ہے اھ اور میں نے وہبانیہ کے شعر کو تبدیل کرتے ہوئے یوں کہا ہے: اگر قاضی نے اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ دیا تو قطعاً صحیح نہ ہوگا یوں لکھا جائے۔ (ت)

ردالمحتار میں قبیل باب التحکیم ہے:

القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذاحکم بغیرہ لم یصح[2]۔	جو قاضی امام صاحب کے اقوال میں سے اصح قول پر فیصلہ کا پابند بنایا گیا ہو جب وہ اس کے غیر پر فیصلہ دے تو صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

فتح القدیر ہے:

اما المقلد فانما ولاہ لیحکم بمذہب ابی حنیفة فلا یملك المخالفة فیکون معزولا بالنسبة الی ذٰلك الحکم[3]۔	اگر مقرر کرنے والے نے قاضی کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب کا پابند کیا ہو وہ مخالفت کا مجاز نہ ہوگا کیونکہ وہ ایسے حکم کا مجاز نہ تھا۔ (ت)

برہان شرح مواہب الرحمٰن پھر غنیۃ ذوی الاحکام شرح درر الحکام میں ہے:

ھذاصریح الحق الذی یعض علیه بالنواجذ[4]۔	یہ صریح حق ہے جس کو دانتوں سے مضبوط پکڑنا چاہیئے۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۰
[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۶
[3] فتح القدیر کتاب ادب القاضی فصل آخر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۹۷
[4] غنیۃ ذوی الاحکام شرح درر الاحکام کتاب القضاء میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱۰

فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا میں ہے:

لیس للقاضی المقلد ان یحکم بالضعیف لانہ لیس من اھل الترجیح فلا یعدل عن الصحیح الالقصد غیر جمیل ولو حکم لاینفذ لان قضائہ قضاء بغیر الحق لان الحق ھوالصحیح وما وقع من ان القول الضعیف یتقوی بالقضاء المراد بہ قضاء المجتھد کمابین فی موضعہ[1]۔	مقلد قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ ضعیف قول پر فیصلہ دے کیونکہ وہ اہل ترجیح میں سے نہیں ہے تو وہ صحیح قول سے عدول نہیں کرسکتا سوائے کسی غیر پسندیدہ وجہ کے، اگر اس نے ایسا فیصلہ دیا تو وہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ یہ فیصلہ ناحق ہے کیونکہ صحیح قول پر ہی حق ہے، اور یہ قول کہ ضعیف کو فیصلہ قوی بنادیتا ہے تو اس سے مراد مجتہد کا فیصلہ ہے جیسا کہ اس کے مقام پر واضح کیا گیا۔ (ت)

فواکہ بدریہ علامہ ابن الغرس میں ہے:

واما المقلد المحض فلا یقضی الابما علیہ العمل والفتوی[2]۔	لیکن خالص مقلد تو وہ صرف اس پر فیصلہ دے سکتا ہے جس پر فتوٰی اور عمل ہو۔ (ت)

رسائل علامہ زین بن نجیم میں ہے:

اما القاضی المقلد فلیس لہ الحکم الا بالصحیح المفتی بہ فی مذہبہ ولا ینفذ قضاؤہ بالقول الضعیف[3] اھ اثر ھذہ الخمس جمیعا فی ردالمحتار۔	لیکن خالص مقلد تو وہ صرف اپنے مذہب کے صحیح مفتی بہ قول پر فیصلہ دے سکتا ہے ضعیف قول پر فیصلہ دے تو وہ نافذ نہ ہوگا اھ ان پانچوں عبارات کو ردالمحتار میں نقل کیا ہے۔ (ت)

ان روایات صحیحہ صریحہ کثیرہ شہیرہ متوافرہ متظافرہ سے شمس وامس کی طرح واضح ہوا کہ مجوز نے اس روایت پر فیصلہ کرنے میں سراسر خلاف حکم کیا اس بناء پر فیصلہ واجب النقض بلکہ سرے سے باطل محض ہے یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ فیصلہ کو اس روایت نادرہ کے موافق فرض کرلیجئے ورنہ انصاف یہ کہ وہ اس کے بھی موافق نہیں، یہ روایت نادرہ مطلقاً ایسے اختلافات یسیرہ کو مانع شہادت ٹھہراتی بلکہ اس حالت میں جب قرائن صحیحہ وامارات صریحہ سے قاضی کو مرتبہ ظن حاصل ہو کہ یہ گواہ جھوٹی گواہی دے رہے ہیں کہ اس میں صاف

---

[1] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی قاسم بن قطلوبغا کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۳۵

[2] ردالمحتار بحوالہ فواکہ بدریۃ ابن الغرس کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۳۵

[3] ردالمحتار بحوالہ رسائل ابن نجیم کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۳۵

شرط مذکور:

اذا اتہتھم ورأیت الریبۃ فظننت انھم شھود الزور [1]	جب میں ان کو متہم پاؤں اور مشکوک معاملہ دیکھوں تو میں گمان کرتا ہوں کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں (ت)

صرف تہمت پر بھی قناعت نہ فرمائی بلکہ زیادہ کیا کہ میں ان میں ریب دیکھ لوں مجھے ان کی شاہد کذب ہونے پر گمان غالب حاصل ہو جائے یہاں مجوز نے ان تمام شہادات میں کیا ریب دیکھ لیا کس بنا پر ان کی یہ گواہی جھوٹ ہونے پر ظن ہاتھ آیا۔

(ریب وتہمت) اس بنا پر کہ اکثر مخلوق نے پیشہ شہادت زور اختیار کرلیا ہے محض بے اصل ہے شیوع کذب وعدم اعتماد خود زمانہ امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کہ قرون خیر منقضی ہوچکے تھے، شہادت احادیث صحیحہ متحقق ہولیا تھا ولہذا صاحبین نے برخلاف مذہب صاحب مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم ظاہر عدالت پر اطمینان نہ رکھا خفیہ وآشکارا تحقیق وتزکیہ لازم کیا علماء نے تصریح فرمائی کہ یہ اختلاف اختلاف برہان نہیں اختلاف زمان ہے۔ درمختار میں ہے:

لا یسأل عن شاہد بلا طعن من الخصم الافی حد وقود عندھما یسال فی الکل ان جھل بحالھم، بحر، سرا وعلنا، بہ یفتی وھو اختلاف زمان لانھما کانافی القرن الرابع ولو اکتفی بالسرجاز، مجمع، وبہ یفتی، سراجیۃ [2]۔	قاضی فریق مخالف کے اعتراض کے بغیر گواہوں کی تفتیش نہ کرے ماسوائے قصاص اور حد کے، اور صاحبین کے نزدیک تمام مقدمات میں تفتیش کرسکتا ہے اگر قاضی گواہوں کے حال سے ناواقف ہو، بحر، خفیہ اور اعلانیہ بھی۔ اسی پر فتوی ہے اور یہ زمانہ کے اختلاف کا معاملہ ہے کیونکہ صاحبین قرن رابع میں تھے، اگر خفیہ تفتیش کرے تو بھی صحیح ہے، اسی پر فتوی ہے، سراجیہ (ت)

تو اس روایت میں یہ شیوع کذب کی عام بے اطمینانی قطعاً مراد نہیں ورنہ قید وشرط کی حاجت نہ تھی بلکہ بالخصوص ان گواہوں میں کوئی ریب واضح پیدا ہونا مقصود ہے ولہذا "ورأیت الریب" فرمایا، پھر ظاہر کہ اس عام احتمال بات سے ان شہود کے کاذب ہونے پر ظن نہیں ہوسکتا اور روایت میں صراحۃً فرمایا **فظننت انھم شھود الزور** [3] (تو میں گمان کرتا ہوں کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں۔ت) شادی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

کے چھ سات مہینے بعد طلاق ہونا بھی کچھ موجب ریب نہیں جس طرح تین چار دن بھی والدین کے یہاں نہ چھوڑنے کو مجوز نے فرط محبت پر محمول کرکے اسے مبنائے ریب ٹھہرایا ہے، یوں ہی برابر کا احتمال یہ بھی موجود کہ یہ بربنائے خشونت وشدت وسخت گیری ہو جس کا خاتمہ تین طلاق پر ہوا، عورتیں مردوں کے ہاتھ میں قیدی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللہ اللہ فی النساء فانھن عوان بین ایدیکم [1]۔	اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو عورتوں کے حق میں کہ وہ تمہارے ہاتھ میں قیدی ہیں۔

بدمزاج لوگ عورت کو دو دن بھی والدین کے یہاں بخوشی نہیں چھوڑتے نہ بربنائے کمال انس و محبت بلکہ شدت و غلظت واظہار حکومت، بلکہ یہاں یہی احتمال زیادہ راجح تھا **اولاً**: عورات کا ضعف "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ" [2] (مرد عورتوں پر قوی منتظم ہیں۔ت) سرکشی زناں بہ نسبت سخت گیری مرداں نادر ہے۔

ثانیاً: برخلاف معتاد جملہ بلاد اول بار بھی عورت کا بضمانت جانا تندمزاجی شوہر سے ترس شدید کا پتہ دے رہا ہے۔

ثالثاً: نام طلاق جس قدر عورتوں کو سخت شدید ناگوار ہے مردوں کو نہیں کہ اس میں انہیں اپنی بدنامی کا بھی زیادہ لحاظ ہوتا ہے، لوگ کیا کہیں گے، کیا سمجھیں گے، کیوں چھوڑدیا، اور اس کے ساتھ اپنے عیش باقی اور آنے والی عمر کا خیال کہ زنان ہند میں نکاح ثانی عار ہے۔ تو بے طلاق دیئے از پیش خویش جھوٹا مشغلہ بنانے اور اس پر مقدمہ لڑانے کی جرات نوکتخدا عورت سے بہت بعید اور سخت محل شبہات ہے، ہاں جاہل مرد جب جوش حکومت میں غضب پر آتے ہیں کبھی ایک طلاق پر نہیں رکتے بلکہ تین پر بھی اتفاقاً ٹھہرتے ہیں پھر جب غصہ اترتا اور نادم ہوتے ہیں لاعلاج مرض کا علاج ڈھونڈتے ہیں ایسا ہی خوف خدا ہوا تو صبر کر بیٹھے ورنہ انکار طلاق سہل نسخہ ہے بہر حال اس قدر میں شک نہیں کہ ایسے ضعیف احتمالات مبنائے **ظننت انھم شھود الزور** (تجھے گمان ہو کہ گواہ جھوٹے ہیں۔ت) نہیں ہوسکتے تو صاف واضح ہوا کہ فیصلہ اس روایت کے بھی موافق نہیں محض اوہام پر مبنی ہے۔

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب النکاح دارالفکر بیروت ۵/ ۳۵۲، احیاء العلوم کتاب آداب النکاح الباب الثالث مطبعۃ المشھد القاہرہ ۲/ ۴۲

[2] القرآن الکریم ۴/ ۳۴

(معاملہ حلال وحرام) ضرور محل احتیاط شدید ہے، مگر یہاں حلت وحرمت کا پلہ دونوں طرف یکساں اگر واقع میں طلاق نہ ہوئی اور مطلقہ ثلاث ٹھہرا کر اجازت نکاح ثانی دیں تو معاذ اللہ اجازت زنا ہے اور واقع میں ہو گئی اور بدستور زوجہ بنا کر قبضہ طلاق دہندہ میں رکھیں تو عیاذًا باللہ اجازت زنا ہے۔ دونوں طرفین کانٹے کی تول برابر ہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ شوہر کی طرف وہ شبہات ہیں جو ابھی مذکور ہوئے اور مدعا علیہ کا کذب کچھ مستبعد نہیں کہ اس کا اپنا نفع ذاتی ہے خصوصًا عوام سے ایسے مواقع میں کما قد علمت (جیسا کہ آپ معلوم کر چکے۔ت) اور شہود کثیر و متعدد ہیں اور ان کا اپنا ذاتی معاملہ نہیں ایک خود غرض کا کاذب ہونا بہت مسلمانوں کے پرائے پیچھے اپنا دین بیچنے سے آسان ہے۔ غایۃ البیان میں ہے:

الشہادۃ تحمل علی الصحۃ ما امکن[1]۔	شہادت کو ممکن حد تک صحت پر محمول کیا جائے۔ (ت)

عنایہ میں ہے:

| عندالمخالفۃ تعارض کلام المدعی والشاھد فما المرجح لصدق الشاہد ان الاصل فی الشھود العدالۃ لاسیما علی قول ابی یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی، ولایشترط عدالۃ المدعی لصحۃ دعواہ فرجحنا جانب الشھود عملا بالاصل[2] اھ کذا رأیتہ ماثورا عنھا فی بعض منقولاتی۔ | مدعی کی بات اور گواہوں کے بیان میں تعارض ہو تو ہم گواہوں کی بات کو ترجیح دیں گے کیونکہ گواہوں میں عدالت اصل ہے خصوصًا امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر، جملہ مدعی کا صحت دعوی کے لئے عادل ہونا شرط نہیں ہے تو ہم اصل پر عمل کرتے ہوئے گواہوں کے موقف کو ترجیح دینگے اھ، میں نے اپنے بعض منقولات میں یوں مذکور پایا ہے۔ (ت) |

(جرح شہود) کثرت شہادت کوئی قدح شرعی نہیں، احکام الٰہیہ دو قسم ہیں: تکوینی و تشریعی کسی کے سامنے وقوع وقائع متعلق بہ اول ہے اور ان میں اس کی شہادت کا قبول متعلق بہ ثانی، کیا تکوین نے کوئی حد مقرر فرمادی ہے کہ اتنے سے زائد وقائع ایک شخص کے سامنے واقع نہ ہوں گے یا تشریع نے کوئی تحدید بتادی ہے کہ اتنے بار سے زیادہ شہادت شاہد مقبول نہ ہوگی، صکاک کو دیکھئے جس کا واقعی پیشہ ہی تحریر دستاویزات ہے سال میں سیکڑوں لکھتا اور وہ ہر ایک کا گواہ پھر مذہب صحیح میں

---

[1] غایۃ البیان

[2] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الشھادات باب الاختلاف فی الشھادۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۰۱

یہ کہ کثرت شہادت اس کی گواہی میں خلل انداز نہیں، خلاصہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

شهادة الصكاكين تقبل على الاصح[1]۔	وثیقہ نویس کی شہادت مقبول ہے اصح قول کے مطابق۔(ت)

بزازیہ وانقرویہ میں ہے:

شهادة الصكاكين تقبل فی الصحيح[2]۔	صحیح قول کے مطابق وثیقہ نویس کی شہادت مقبول ہے(ت)

ذخیرہ وغیاثیہ وفتح القدیر وہندیہ میں ہے:

اما شهادة الصكاكين فالصحيح انها تقبل اذاكان غالب حالهم الصلاح[3]۔	لیکن وثیقہ نویسوں کی شہادت، تو صحیح یہ ہے کہ مقبول ہے بشرطیکہ ان کا غالب حال درست ہو۔(ت)

مخبری بروجہ مذکور ضرور فسق ہے مگر غلام ناصر خاں کو اس سے انکار بحث ہے اور جرح تفضل حسین خاں کا جواب سوال میں مذکور، مجوز نے روایت مذکورہ شامی پر محول کرنے سے ننھے خاں کلن خاں کے فسق کی طرف اشارہ کیا مگر سبب نہ بتایا اور ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم مستورات کو شاید پردہ مستوری میں رکھا حالانکہ بعد تنقیح کے ذمہ قاضی لازم وضوح حال ممکن تھا۔ بالجملہ فیصلہ کے بیانات بالا محض باطل ومختل اور روایت نادرہ ضعیفہ پر بنائے حکم رکھنے سے فیصلہ خود ناجائز ومہمل۔ اور مدار حکم صرف اسی قدر پر ہے جو ابتداءً گزرا کہ ان میں کوئی بھی نصاب شہادت بروجہ کفایت موجود تو بلاشبہہ تین طلاقیں ثابت اور فیصلہ بحق مدعیہ ہونا لازم۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۴۲: از ریاست رام پور مرسلہ مولوی مفتی عبدالقادر خاں صاحب صدر الصدور ۱۴/ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے سہ قطعہ مکانات وغیرہا پاس مسماۃ ہندہ بالعوض مبلغ (صمہ ۵۰۰؁) بیع بالوفاء کرکے مسماۃ کا قبضہ بعد تحریر وتصدیق کردینے دستاویز بیع بالوفاء نامہ،

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الشہادات قلمی نسخہ ۲/ ۱۰۷

[2] فتاوٰی انقریہ بحوالہ بزازیہ الفصل الاول دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۷۸

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الذخیرۃ والعنایۃ وفتح القدیر کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۹

کی معرفت عمر برادر مسماۃ ہندہ، بعد فراغ از اسباب خود مکانات مرہونہ پر کرادیا۔ من بعد مسماۃ ہندہ نے جائداد مرہونہ کرایہ پر مسمّٰی خالد کو ذریعہ کرایہ نامہ مصدقہ کے دے کر قبضہ کرایہ دار مسمّٰی مذکور کا جائداد مرہونہ پر کرادیا۔ چنانچہ روز رہن سے تخمیناً پندرہ سال تک مسمّٰی زید راہن برابر یہ صورت دیکھتا رہا اور عقد مذکور کی صحت کا مقر رہا بالآخر راہن مذکور نے انتقال کیا اور وقت فوت تک اس نے کسی قسم کا عذر نہیں کیا ہندہ نے بعد فوت راہن کچہری میں ولاپانے زر رہن کا دعوی کرنا چاہا اس ارادہ ہندہ سے ورثائے راہن مطلع ہوئے تو بطور پیش بندی ورثائے راہن خلاف مضمون دستاویز اور خلاف قول راہن بنام مرتہنہ و شوہر مرتہنہ اس بیان سے کچہری میں دعویدار ہوئے (کہ پدر مدعیان نے مبلغ (صمہ شرح سود ۱۳/۱۱/) پائی فیصدی ماہوار بہ تحریر دستاویز تمسک کفالتی باستغراق جائداد بکر (شوہر مرتہنہ) سے قرض لینا چاہا جس کو مسمّٰی بکر مذکور نے قبول و منظور کیا اور بوقت تکمیل معاہدہ دستاویز سودی کو اپنے حق میں تحریر کرانا خلاف شان ثقاہت سمجھ کر بجائے دستاویز تمسک کفالتی کے دستاویز بیع بالوفاء بجائے اپنے نام کے اپنی زوجہ (مرتہنہ) کا نام تحریر کرایا اور واسطے اخفاء لفظ سود کے رقم سود قرار یافتہ کی بابت ایک دوسری دستاویز بنام نہاد کرایہ نامہ برادر راہن سے تحریر کرائی جس میں (للعہ للعہ /) رقم سود قرار یافتہ کو بلفظ کرایہ تحریر کرایا قبض و دخل مرتہنہ و شوہر مرتہنہ یا کرایہ دار مذکو رکا کبھی نہیں ہوا چنانچہ مبلغ (صمہ ☆☆) بابت سود بحساب (☆☆☆) ماہوار اور مبلغ (☆☆) منجملہ زر اصل ذریعہ ٹومہ نوشتہ (بکر) شوہر مرتہنہ من بعد (☆☆) بشرح سود (☆☆۳/) ماہوار بہ منہائی رقم سود (☆☆) مودی اصل کی پدر مدعیان نے (بکر) کو ادا کئے علاوہ (☆☆) مندرجہ بالا کے (☆☆) بابت سود بکر کے پاس پہنچی کل مقدار رقم ادا کردہ کی (☆☆) ہے بموجب شرع شریف معاملہ بیع بالوفا حکم رہن میں ہے اور رہن میں قبضہ لازمی ہے اور موافق مذہب اسلام سود کا لینا قطعًا ناجائز ہے اور رقم کرایہ بابت مرہونہ راہنان سے لینا بھی نادرست ہے اس لئے جس قدر رقم بنام نہاد کرایہ راہن سے وصول کی ہے وہ کل رقم لائق مجرائی و محسوبی باصل زر رہن ہے اور زر فاضل کی واپسی کے مستحق ہم وارثان راہن ہیں لہٰذا اصل دستاویز بیع بالوفا و کرایہ نامہ بایفائے کل زر مندرجہ بیعنامہ بالوفائیعنی (☆☆) تجویز انفکاک رہن و مبلغ (☆☆) زر فاضل مسماۃ ہندہ و بکر سے مدعیان کو دلائے جائیں بتردید دعوی مدعیان از جانب بکر شوہر مرتہنہ جواب دیا گیا کہ پدر مدعیان سے جو معاہدہ ہوا تھا وہ مسماۃ ہندہ سے ہوا تھا حاصل فریق معاملہ مسماۃ مرتہنہ مذکورہ ہے زر ثمن بھی ملک اسی کا ہے من مدعا علیہ نے کوئی رقم کرایہ یا زر اصل وصول نہیں کی نہ رسیدات دیں، مدعیان کو بوجہ عروض تمادی شش سالہ حق دعوی حاصل نہیں ہے

پدر مدعیان اس کے حصہ دار تھے، ثبوت ذمہ مدعیان وتردید ذمہ مدعاعلیہا نمبر ا و ۲۔

(٦) جو رقم مدعاعلیہا نمبر ا نے مورث مدعیان سے بنام نہاد کرایہ وصول کی ہے وہ لائق محسوبی و مجرائی با صل زر رہن ہے اور زر فاضل قابل واپسی مدعیان ہے، ثبوت ذمہ مدعیان وتردید ذمہ مدعاعلیہا نمبر ا و ۲۔

(۷) دستاویز بیعنامہ برضا ورغبت مورث مدعیان بنام مدعاعلیہا نمبر ۲ (ہندہ) تحریر ہوئی ہے پس مدعیان کو اپنے مورث کے قول کے خلاف دعوی کرنے کا حق بمقابلہ مدعاعلیہ نمبر ا نہیں رہا۔ ثبوت ذمہ مدعاعلیہا نمبر ا و نمبر ۲ وتردید ذمہ مدعیان۔

(۸) دعوی مدعیان کو تمادی عارض ہے۔ ثبوت ذمہ مدعاعلیہا نمبر ا و ۲ وتردید ذمہ مدعیان۔

(۹) مورث مدعیان نے جو مکانات متنازعہ مدعاعلیہا نمبر ۲ ہندہ کے ہاتھ بیع بالوفاء کئے ہیں زر ثمن اس کا ملک مدعاعلیہا نمبر ۲ ہے، ثبوت ذمہ مدعاعلیہا وتردید ذمہ مدعیان۔

(۱۰) مکانات مندرجہ بیعنامہ بالوفاء پر قبضہ حسب قاعدہ شرعی مدعاعلیہا نمبر ۲ ہندہ کا ہوگیا تھا اور مول چند کے پاس منجانب مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ کرایہ پر ہے جس میں سے ایک قطعہ گودام واپس لے لیا گیا ہے، ثبوت ذمہ مدعاعلیہا نمبر ۲ ہندہ تردید ذمہ مدعیان۔

(۱۱) دعوی مدعیان کو دفعہ ۵۱ قانون رجسٹری ودفعہ ۹۲ قانون شہادت عارض ہے، ثبوت ذمہ مدعاعلیہا نمبر ا و ۲ وتردید ذمہ مدعیان۔

(۱۲) جو تحریر بنام نہاد رسید ایک کتاب مدعیان نے داخل کی ہے وہ بے ضابطہ وخلاف قانون قابل ضبطی ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبر ا و نمبر ۲ وتردید ذمہ مدعیان، بعدہ کچہری نے اپنی تجویز نسبت ہر امر تنقیح کے بطریق مندرجہ تحت صادر کی۔

(تجویز)

تنقیح نمبر ا کے بارہ میں میری رائے یہ ہے کہ موتی شاہ اور وزیر خاں کی شہادت میں حسب مراد تنقیح نمبر ا کے گنیشی لال (زید راہن) مورث مدعیان اور عبدالغافر خاں کے مابین معاہدہ قرضہ (☆☆) کا بشرح سود (☆☆) ماہوار اور جائداد مندرجہ دستاویز کی کفالت کیلئے دینا، بحق مدعیان ثابت ہے۔

تنقیح نمبر ۲ و ۳ در حقیقت ایسے امور میں جن کا شہودی ثبوت ناممکن ہے البتہ امور مذکورہ کا ثبوت نیت میں ہوتا ہے اور نیت مذکورہ حالات ذیل میں ثابت ہوتی ہے یعنی مدعاعلیہ نمبر ا (بکر شوہر مرتہنہ) مسلمان ہے اور پیشکار کچہری بھی ہے اس لئے برے معاملات میں اس کو خود معاہدہ کرنا اور دستاویز زوجہ

بلہ مدعاعلیہ نمبر۱ نہیں رہا۔ ثبوت ذمہ مدعاعلیہا نمبر۱ و نمبر ۲ و تردید ذمہ مدعیان۔

(۸) دعوی مدعیان کو تمادی عارض ہے۔ ثبوت ذمہ مدعاعلیہا نمبر۱ و ۲ و تردید ذمہ مدعیان۔

(۹) مورث مدعیان نے جو مکانات متنازعہ مدعاعلیہا نمبر ۲ ہندہ کے ہاتھ بیع بالوفاء کئے ہیں زر ثمن اس کا ملک مدعاعلیہا نمبر ۲ ہے، ثبوت ذمہ مدعاعلیہاو تردید ذمہ مدعیان۔

(۱۰) مکانات مندرجہ بیعنامہ بالوفاء پر قبضہ حسب قاعدہ شرعی مدعاعلیہا نمبر ۲ ہندہ کا ہوگیا تھااور مول چند کے پاس منجانب مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ کرایہ پر ہے جس میں سے ایک قطعہ گودام واپس لے لیا گیا ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ تردید ذمہ مدعیان۔

(۱۱) دعوی مدعیان کو دفعہ ۵۱ قانون رجسٹری و دفعہ ۹۲ قانون شہادت عارض ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبر۱ و ۲ و تردید ذمہ مدعیان۔

(۱۲) جو تحریر بنام نہاد رسید ایک کتاب مدعیان نے داخل کی ہے وہ بے ضابطہ و خلاف قانون قابل ضبطی ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبر۱ و نمبر ۲ و تردید ذمہ مدعیان، بعدہ کچہری نے اپنی تجویز نسبت ہر امر تنقیح کے بطریق مندرجہ تحت صادر کی۔

(تجویز)

تنقیح نمبر۱ کے بارہ میں میری رائے یہ ہے کہ موتی شاہ اور وزیر خاں کی شہادت میں حسب مراد تنقیح نمبر۱ کے گنیشی لال (زید راہن) مورث مدعیان اور عبدالغافر خاں کے مابین معاہدہ قرضہ (☆☆) کا بشرح سود (☆☆) ماہوار اور جائداد مندرجہ دستاویز کی کفالت کیلئے دینا، بحق مدعیان ثابت ہے۔

تنقیح نمبر ۲ و ۳ در حقیقت ایسے امور میں جن کا شہودی ثبوت ناممکن ہے البتہ امور مذکورہ کا ثبوت نیت میں ہوتا ہے اور نیت مذکورہ حالات ذیل میں ثابت ہوتی ہے یعنی مدعا علیہ نمبر۱ (بکر شوہر مرتہنہ) مسلمان ہے اور پیشکار کچہری بھی ہے اس لئے برے معاملات میں اس کو خود معاہدہ کرنا اور دستاویز زوجہ

کے نام لکھانا عین مصلحت ہے اسی طرح سود کا لینا کسی مسلم اور خاص کر ذی علم شخص کو سراسر معیوب ہے لہذا رقم سود کا نام بدل کر کرایہ کا نام لکھانا ایک حیلہ ضرور ہے۔ دوسرے رقم (☆☆) کو خود وصول کرنا جس کی بابت آئندہ تصریح کی جائے گی) اور رقم کرایہ مندرجہ کتاب کا خود وصول کرکے اپنے دستخط کرنا اور مدعا علیہا نمبر ۲ (ہندہ مرتہنہ) کا نام نہ لکھنا صاف طور پر اس نیت کو جو تنقیحات نمبر ۲ و ۳ کا ما حصل ہے ثابت کر رہا ہے اس لئے میں ان دونوں تنقیحوں کو بحق مدعیان قرار دیتا ہوں۔

تنقیح نمبر ۴ کے متعلق میری تجویز ہے کہ (محمد رضا خاں و مظہر حسین خاں) کی شہادت سے (☆☆) کے پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ نمبر ا اور (☆☆) روبرو گواہان مذکور گنیشی لال (زید راہن) کا مدعا علیہ نمبر ا کو دینا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور عبدالعزیز و سید عبدالعزیز کی شہادت سے (☆☆) کے پہلے پہنچنے کا اقرار اور (☆☆) گواہان کی موجودگی میں دیا جانا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ نمبر ا پہنچنا اور (عجائب الدین واحمد نبی خاں ولد مسیتا خاں) کی شہادت سے (☆☆) کے پہلے پہنچنے کا اقرار اور (☆☆) کا نقد روبرو گواہان مذکور دیا جانا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (حیدر علی خاں و عبدالرحیم خاں) کی شہادت سے (☆☆) کے پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ مذکور اور (☆☆) کا نقد گواہان مذکور کے روبرو دیا جانا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (الطاف علی خاں و محمد بشیر خاں وانور بیگ) کی شہادت سے (☆☆) کا پہلے پہنچنے کا اقرار اور (☆☆) کا نقد گواہان مذکور کے روبرو دیا جانا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (نجن ولد غلام محی الدین وحیدر حسین) کی شہادت سے (☆☆ ۳/۴) پائی کا پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ نمبر ا اور (☆☆) کا بمواجہہ گواہان مذکور نقد دیا جانا (☆☆) پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا ثابت ہے مضمون شہادت مصرحہ بالا میں ثابت ہے کہ بعض حصہ کل رقم موصولہ کا اقرار اور بعض حصہ مشاہدہ گواہان (جنکے روبرو رقوم دی گئی ہیں ثابت ہوتا ہے جن رقوم کے اقرار کی شہادت ہے ان کی صداقت کا یہ قوی قرینہ ہے کہ دیگر شہادتیں اس کی بالترتیب تائید کرتی ہیں اور اس کے متعلق رسیدات مدعا علیہ مذکور مشمولہ کتاب رسیدات ہے جس کی بابت ہم آئندہ تفصیلی بحث کریں گے) پیش ہوئی ہیں جو شہادت واقرار کی کامل تائید کرتی ہیں اس لئے اس رقم اقراری کے ایصال کو بوجہ تائید شہادت تحریری کے میں ثابت قرار دیتا ہوں، لیکن منجملہ (☆☆) کل رقم موڈی بنام نہاد کرایہ کے (☆☆) کی ایسی رقم ہے جس کے متعلق مدعیان نے کوئی رسید پیش نہیں کی اور تحریر کرتے ہیں کہ مدعا علیہ نمبر ا کے براہ بدنیتی اس رقم کی رسیدات نہیں دیں بوجہ نہ ہونے شہادت تحریری کے قابل منہائی جانتا ہوں جس کے منہا ہونے کے بعد (☆☆) باقی رہتے ہیں اس لئے باتفاق شہادت مدعیان و

تحریرات مدعا علیہ نمبرا (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور حسب اطمینان کچہری پہنچنا ثابت ہے ایصال رقوم مندرجہ بالا کے ثبوت میں جو کتاب رسیدات مدعیان نے پیش کی اس کتاب میں سوائے رقم (☆☆) کے باقی جملہ رقوم درج ہیں جن کی وصول کے بابت مدعا علیہ کے دو قسم کے دستخط ہیں ایک بنام عبدالغافر خان دوسرا بنام دولہ خاں، جو دستخط بنام عبدالغافر خاں تحریر ہیں ان کے ثبوت میں مدعیان نے متعدد گواہان عہدہ داران متعلق شناخت تحریر خط و دستخط طلب کرائے ہیں اور واسطے مطابقت دستخطوں کے پندرہ قطعہ ثمن وغیرہ مجریہ کچہری دیوانی اور بیس قطعات اطلاع نامجات مجریہ کچہری فوجداری پیش کئے جن پر مدعا علیہ نمبرا کے مسلم دستخط ثبت ہیں شہادت عہدہ داران مذکور اور مطابقت و معائنہ دستخطہائے مثبتہ کاغذات مذکور دویم مثبت پشت ثمن ابتدائی مثل ہذا و دستخطہائے اطلاعیابی و نیز احکام کچہری میں باطمینان کچہری ثابت ہے کہ کتاب رسیدات پر جس قدر دستخط بنام عبدالغافر تحریر ہیں وہ یقینا مدعا علیہ نمبرا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور تحریر بھی اسی کے ہاتھ کی ہے جس جگہ دستخط بنام دولہ خاں تحریر ہیں ان کی طرز تحریر اور شان خط اور روشن قلم سے ثابت ہے کہ وہ بھی مدعا علیہ نمبر ا کے ہاتھ کی ہیں اور اکثر شہادتوں سے یہ امر ثابت ہے کہ مدعا علیہ نمبرا کا عرف دولہ خاں بھی ہے۔ واسطے ثبوت اور جانچ اس امر کے کہ دستخط مثبتہ کتاب رسیدات فی الواقع مدعا علیہ مذکور کی ہیں دو طریقے ہیں، ایک تو شہادت ایسے اشخاص کی جو مدعا علیہ مذکور کے دستخط پہچانتے ہیں، دوسرے مطابقت ان دستخطوں سے جو تحقیقی طور پر مدعا علیہ مذکور کی ہیں، پس دونوں طریقوں مصرحہ بالا سے کچہری کو اطمینان اس امر کا ہوگیا کہ دستخطہائے مثبتہ کتاب رسیدات یقینا مدعا علیہ مذکور کے ہیں۔

فقرہ ثانی تنقیح نمبر ۴ رقم (☆☆) کی ادائیگی اور رقعہ کی تحریر کی بابت میری یہ رائے ہے کہ شہادت شیخ غفران و محمد علیجان سے (☆☆) کا پاس مدعا علیہ نمبرا پہنچنا ثابت ہے اور منشی فدا علی خاں پیشکار دیوانی اور منشی گوری سہائے ناظر فوجداری و منشی فیاض علی خاں پیشکار کچہری ججی بابو شمس الدین سب انسپکٹر پولیس و سید فرزند علی ناظر سیکریٹریٹ و منشی شکیل احمد اہلمد فوجداری و منشی سید احمد وکیل کی شہادت سے بخوبی ثابت ہے کہ رسید (☆☆) کی مدعا علیہ نمبرا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اور اسی کے دستخط اس پر ثبت ہیں اس کے علاوہ دیگر دستخطہائے مدعا علیہ مذکور مثبتہ کاغذات ثمن واطلاعنامجات و پشت ثمن و نیز احکام کچہری کے معائنہ و مطابقت سے حسب اطمینان کچہری ثابت ہے کہ دستخط مثبتہ رقعہ (☆☆) کے اور تحریر خاص مدعا علیہ نمبرا کے ہاتھ کی اور اسی کی دستخطی ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہا لیکن یہ رقم منجملہ زر رہن

کے ہے اور رقعہ میں حوالہ (☆☆) زررہن کا دیا گیا ہے لہٰذا بمنشاء ۹۲ دفعہ ۱۴ قانون رجسٹری ریاست کے رسید مذکور کا رجسٹری ہونا لازمی ہے اور چونکہ وہ رجسٹری نہیں کرائی گئی اس لئے بمنشاء دفعہ ۴۹ قانون رجسٹری مذکور ثبوت میں لینے کے قابل نہیں ہے بناء براں اس رقم (☆☆) کا ادا ہونا بوجہ نص قانونی کے غیر ثابت قرار دیا جاتا ہے۔

تنقیح نمبر ۵ یعنی جائداد مرہونہ کا موروثی مدعیان ہونا اور بحیات گنیشی لال مدعیان کا حصہ دار ہونا کسی شہادت سے ثابت نہیں ہے اس لئے اس تنقیح کو میں خلاف مدعیان فیصل کرتا ہوں۔

تنقیح نمبر ۶ کے بارہ میں میری یہ رائے ہے کہ جو رقم مدعا علیہ نمبر ا نے (بکر شوہر مرتہنہ) مورث مدعیان (زید راہن) سے بنام نہاد کرایہ وصولی کی ہے اور جس کے ایصال کو کچہری نے ثابت قرار دیا ہے بقدر (☆☆) حسب تصریحات صدر ہوتی ہے میرے نزدیک وہ رقم بوجوہ قابل مجرائی بہ زراصل ہے، اول یہ کہ کچہری دیوانی سے یہ امر طے ہوچکا ہے کہ بیع بالوفاء بمذہب حنفی حکم رہن میں ہے اور شیئ مرہونہ کا کرایہ اور دیگر محاصل حق راہن اور قابل مجرائی بہ زررہن ہے جیسا کہ نقول فیصلجات پیش کردہ مدعیان سے ثابت ہے، دوم یہ کہ شہادت اشرف علی خاں و دیگر گواہان سے امر ثابت ہے کہ کرایہ نامہ برضامندی واجازت گنیشی لال (زید راہن) لکھا گیا حتی کہ رقم کرایہ خود گنیشی لال نے وقتاً فوقتاً ادا کی جیسا کہ تجویز تنقیح نمبر ۴ سے ثابت ہے اس رضامندی واجازت راہن سے حسب فتوی مدرسہ اہلسنت بریلی پیش کردہ خود مدعا علیہار ہن باطل ہوگیا اور رقم زررہن قرضہ خالص ہوگیا پس بلا اختلاف وہ رقم جو بنام نہاد کرایہ وصول ہوئی ہے وہ لائق مجرائی بہ زررہن ہے، سویم یہ کہ حسب تصریح مندرجہ تجویز تنقیح نمبر ۱۰ قبضہ مرتہن ثابت نہیں ہوا تو اس صورت میں کبھی قرضہ سادہ اور رقم مودی بنام نہاد کرایہ ضرور لائق محسوبی و مجرائی بہ زراصل رہن ہے۔

تنقیح نمبر ۷ و ۸ کے متعلق کوئی ثبوت قانونی پیش نہیں کیا گیا اس لئے وہ بحق مدعا علیہا غیر ثابت ہے۔

تنقیح نمبر ۹ کے متعلق صرف حافظ عثمان خاں نے شہادت دی ہے مگر وہ مثبت اس تنقیح کی نہیں ہے

تنقیح نمبر ۱۰ بوجوہ ذیل میرے نزدیک بحق مدعا علیہا نمبر ۲ ثابت نہیں ہے، **اول**: یہ کہ جس قدر گواہان جانب مدعا علیہا نمبر ۲ (ہندہ مرتہنہ) میں پیش ہوئے ہیں ان کی شہادت سے پورے طور پر فارغ ہونا کل مکانات کا اسباب و سامان راہن سے ثابت نہیں ہے اس لئے کہ کل گواہان مدعا علیہ نمبر ۲ بیان

کرتے ہیں کہ مکانات مذکور میں اوپر بھی درجات ہیں اور اوپر کے درجات میں ہم نہیں گئے، پس ظاہر ہے کہ جب اوپر کے درجوں میں ان گواہوں نے خود جاکر نہیں دیکھا تو ان گواہوں کی شہادت سے فارغ ہونا کل مکانات کا اسباب و سامان راہن سے جو شرط ضروری قبضہ مرہونہ کی ہے کس طرح ثابت مانا جاسکتا ہے۔

ثانیًا: یہ کہ شہادت مذکور سے تعلق عمرو خاں قبضہ گیرندہ کا بھی نہیں ہوتا، چونکہ وہ فوت ہوگیا ہے اس لئے اس کا یعنی واسطے حصول قبضہ کے موجود ہونا ضروری تھا۔

ثالثًا: اہم وجہ بے اثری قبضہ محمد عمرو خاں یہ ہے کہ بضمن تجویز تنقیح نمبر ۹ اصل صاحب معاملہ ہونا مدعا علیہا نمبر ۲ (ہندہ مرتہنہ) کا غیر ثابت ہے اور بضمن تجویز تنقیح نمبر ۱ مابین مولوی عبدالغافر خاں و گنیشی لال کے معاہدہ ہونا ثابت ہے، ایسی حالت میں منجانب مدعا علیہ نمبر ۲ محمد عمر خاں (عمر برادر مرتہنہ) کا قبضہ کب مفید ہوسکتا ہے۔

رابعًا: یہ کہ مدعیان نے نقل فیصلہ اجلاس عالیہ جوڈیشلی بمقدمہ جانی بیگم اپیلانٹ بنام نایاب بیگم رسپانڈنٹ مورخہ ۹ / دسمبر ۱۹۱۴ء میں اس امر کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ اجازت دینا قبضہ کی ثابت نہیں ہے جو باتباع حکم موصوفہ مبطل رہن ہے، اس میں شک نہیں کہ فیصلہ موصوفہ میں یہ امر تجویز فرمایا گیا ہے کہ راہنہ کی اجازت قبضہ دینے کی مرتہنہ کو ثابت نہیں جو ضروری ہے اور اس مقدمہ میں مدعا علیھا نمبر ۲ (ہندہ مرتہنہ) کا عمر خاں (عمر برادر ہندہ) کو قبضہ لینے کی اجازت لینا کسی شہادت سے ثابت نہیں ہے، پس بہ تقلید فیصلہ اجلاس اعلٰی اگر اجازت راہنہ پر اجازت مرتہنہ قیاس کی جائے تو بلاشبہہ قبضہ زیر بحث میں اجازت مرتہنہ ثابت نہ ہونے سے رہن باطل ہوتا ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ جب رہن میں اجازت قبضہ دینے کی امر ضروری ہے تو قبضہ کے لئے اجازت دینا بدرجہ اولٰی ضروری ہوگا کیونکہ اسی پر مدار قبضہ مرتہنہ ہے۔

خامسًا: یہ کہ شہادت مدعا علیہا نمبر ۲ (ہندہ مرتہنہ) میں نسبت ثبوت مکانات وخلو مکانات اختلاف بین ہے۔
تنقیح نمبر ۱۱ کے متعلق کوئی ثبوت قانونی یا نظر ایسی پیش نہیں ہوئی جس سے میں تنقیح مذکور کو ثابت قرار دوں میرے نزدیک اس مقدمہ میں دفعہ ۵۱ قانون رجسٹری ریاست اور دفعہ ۹۲ قانون شہادت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔
تنقیح نمبر ۱۲ بھی غیر ثابت ہے بلکہ تردید اس کی ثابت ہے کیونکہ رسید کرایہ کے لئے بمنشاء دفعہ ۱۴

قانون رجسٹری کے رجسٹری ہونا ضروری نہیں ہے البتہ ٹکٹ رسید کی ضرورت ہے چونکہ اس پر ٹکٹ رسید نہیں تھا اس کا تاوان ایک روپیہ وصول ہوگیا ہے، اس لئے بمنشاء مدب دفعہ ۵۲ قانون اسٹامپ ریاست قابل قبول ہے، اور حسب اعتراض مدعا علیہا لائق ضبطی و خلاف قانون و بے ضابطہ نہیں ہے، بوجوہات بالا حکم ہوا کہ دعوی مدعیان بتجویز انفکاک رہن بمجرائی کل زر مندرجہ بیعنامہ بالوفا وواپسی (☆☆) زر فاضل بواپسی دلائی جانی بیعنامہ بالوفاء و کرایہ نامہ اقراری مول چند بنام مدعا علیہا نمبر او ۲ ڈگری ہوا اور دعوی مدعیان واپسی (☆☆) کی خارج ہوا، لہٰذا اب سوالات مندرجہ تحت جواب طلب ہیں:

(۱) آیا وارث کو اپنے مورث کے اقرار کے خلاف ایسے ادعا کا حق شرعًا حاصل ہے یا نہیں؟

(۲) آیا قاضی کو بلا موجودگی بینہ واقرار ونکول کے محض اپنے قیاس کی بناء پر دستاویز مصدقہ سرکاری کے فرضیت کا حکم کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں اور ایسا حکم قابل بحالی ہے یا منسوخی؟

(۳) آیا شرعًا قاضی کو عمل بالخط بصورت انکار مدعا علیہ از تحریر خود الخط یشبہ الخط[1] (خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ت) کے خلاف جائز ہے یا نہیں؟ اور رسید پیش کردہ مدعی بصورت موجودہ جس کی بابت کوئی گواہ شہادت ادا نہیں کرتا ہے کہ ہمارے سامنے رسید لکھی گئی ہے صرف قیاسًا شناخت خط کے گواہ پیش ہوئے ہیں قابل قبول ہے یا نہیں؟

(۴) آیا بیع بالوفاء میں غیر بائع یعنی کرایہ دار سے بعد قبضہ شرعی جو روپیہ بذریعہ کرایہ وصول کیا جائے وہ زر اصل میں قابل مجرائی ہے یا نہیں؟

(۵) اگر خود بائع بالوفاء کا یہ ادعا ہو کہ میں نے فرضی کرایہ نامہ از غیر تحریر و تصدیق کرایا تھا در حقیقت کرایہ من بائع بالوفا نے ادا کیا ہے تو یہ صورت اجارہ باذن راہن کی ہے یا نہیں؟

(۶) آیا شہادت گواہان معمولی و غیر ثقہ مدعیان سے بمقابلہ مدعا علیہا مقر لہا دستاویزات و اقرارات گنیشی لال (زید راہن) کی فرضیت ثابت بھی ہوسکتی ہے اور ایسی فرضیت کی شرعًا کوئی سند ہے؟

(۷) آیا محض دو گواہوں کے (جس میں ایک سزا یافتہ ہے اور دوسرا گواہ جہاں ملازم ہے وہاں

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹

مدعی تحویلدار ہے) اور مدعی کا اس پر ہر وقت اثر ہے اس قدر بیان سے کہ گفتگوئے معاہدہ شوہر مرتہنہ اور بائع بالوفاء کے درمیان میں ہمارے سامنے (☆☆) قرض دینے کے متعلق ہوئی تھی تو ایسی صرف دو شہادتوں کی بنیاد پر کہ جو دستاویزات کی تصدیق ہونے سے بیشتر کی شہادت خلاف دستاویزات مصدقہ ادا کریں اور نہ اپنی موجودگی ہنگام تصدیق دستاویزات بیان کریں اور نہ مسماۃ ہندہ مشتریہ بیع بالوفاء کے کسی اقرار کے متعلق شہادت ادا کریں کچہری دستاویزات مصدقہ کو شرعًا فرضی قرار دے سکتی ہے اور مدعا علیہا نمبر ۲ (مشتریہ بیع بالوفا) کا حق شرعًا ضائع ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسی شہادت مدعا علیہامذکور کی مقابلہ میں شرعًا کیا اثر رکھتی ہے؟ جس قدر گواہ منجانب مدعیان پیش ہوئے ہیں وہ سب مستور الحال اور غیر ثقہ ہیں کچہری نے کسی گواہ کی حیثیت تحت اظہار تحریر نہیں کی ہے کہ یہ گواہ کیسی حیثیت کا ہے حالانکہ حکم ریاست جاری و نافذ ہے کہ ہر گواہ کے ختم بیان پر کچہری کی جانب سے نوٹ حیثیت گواہ کا لکھا جائے کہ گواہ کچہری کے نزدیک کیسی قسم کا ہے آیا ثقہ یا غیر ثقہ یا مستور الحال ہے جس سے گواہ کی معتبری کا اندازہ ہوسکے۔ پس ایسی حالت میں شہادت گواہان مدعیان پر حاکم اپیل کو شرعًا کیا حکم دینا چاہئے؟

(۸) آیا مدعیان حسب قول خود بشرح سود ۱۳/ ۱۱ پائی سود فیصدی ماہوار رقم سود (☆☆) قرار داد ہونا بیان کرکے (☆☆) ماہوار میزان قائم کرکے ادائیگی بیان کرتے ہیں اور نیز گواہ بھی اسی طرح شہادت ادا کرتے ہیں لیکن بحساب ۱۳/ ۱۱ پائی فیصدی ماہوار کی رقم (☆☆☆☆) پر سود (☆☆) پائی ہوتا ہے تو ایسی تناقض عرضی دعوی و شہادت علی الزیادات پر کچہری مقدمہ کی ڈگری شرعًا کرسکتی ہے اور اگر کچہری ڈگری ایسی صورت میں صادر کرے تو وہ ڈگری شرعًا قابل بحالی ہے یا منسوخی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم لك الحمد یاوھاب اسئلك ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حمدیں تیرے لئے ہیں، اے عطا کرنے والے! میں تجھ سے حق اور ہدایت کی رہنمائی چاہتا ہوں۔ت) کلام طویل اور فرصت قلیل اور طبیعت علیل اور سائل کو تعجیل، لہٰذا چند مفید وکافی کلمات پر اقتصار اور انہیں کے ضمن میں جواب سوالات ضروریہ کا اظہار ہو وباللہ التوفیق سائل نے دارالافتا میں عرضی دعوی وبیان تحریر وفیصلہ وعبارت رسیدات مندرجہ بہی اور بیعنامہ وکرایہ نامہ اور مدعی کے بیس گواہان [1] موتی شاہ، [2] وزیر خاں، [3] محمد رضاخاں، [4] مظہر حسین، [5] عبدالعزیز، [6] سید عبدالعزیز۔

[۷]حافظ عجائب الدین خاں، [۸]احمد خان ولد میاں خاں، [۹]حیدر علی خاں، [۱۰]عبدالرحیم خاں، [۱۱]الطاف علی، [۱۲]محمد بشیر، [۱۳]انور بیگ، [۱۴]انجن، [۱۵]حیدر حسین، [۱۶]اشرف علیخاں، [۱۷]احمد خاں ولد عبدالنبی خاں، [۱۸]نجف علی خان، [۱۹]محمد غفران، [۲۰]ولی خاں کے اظہارات کی نقول پیش کیں جبکہ رسیدات وبینات موتی شاہ ووزیر خاں کی باضابطہ باقی سادہ، ان کے ملاحظہ سے واضح ہوا کہ نہ دعوی صحیح نہ شہادتیں نہ فیصلہ۔ منصب افتا شرع مطہر کا حکم بتانا ہے اور زمانہ حسب ارشاد حدیث وہ کہ معروف منکر ہے اور منکر معروف۔ اہل اسلام حکم شرع پر گردن رکھیں اگرچہ غلط رواج سے بیگانہ نظر آئے۔

دعوے:

دعوی تین وجہ سے باطل ہے:

اول: وارث و مورث مثل شخص واحد ہیں مورث کے اقرار ثابت کے خلاف وارث کا دعوی تناقض ہے اور غیر محل خطا میں تناقض مبطل دعوی۔ وجیز امام کردری پھر بحر الرائق جلد ہفتم ص ۳۹ پھر فتح اللہ المعین جد ۳ ص ۴۲ پھر طحطاوی علی الدرالمختار جلد ۳ ص ۲۱۶ میں ہے:

اعلم ان التناقض کما یکون من متکلم واحد یکون عن متکلمین کمتکلم واحد حکما کوارث ومورث۔[1]	معلوم ہونا چاہئے کہ جس طرح تناقض ایک متکلم کے کلام میں ہوتا ہے اسی طرح ایسے دو متکلم حضرات کے کلاموں میں جو ایک متکلم کے حکم میں ہوں مثلاً وارث اور مورث دونوں کا کلام ایک متکلم کے حکم میں ہے (ت)

فتح المعین وطحطاوی صفحات مذکورہ میں اس کے بعد ہے:

وفی ھذا دلالۃ ظاہرۃ علی مانقلہ الشیخ حسن (یعنی العلامۃ الشرنبلالی) فی رسالۃ الابراء عن فتاوٰی الشیخ الشلبی حیث حکی الاجماع علی ان دعوی الوارث لاتسمع فی شیئ لاتسمع فیہ دعوی مورثہ ان لوکان حیا فادعی[2]۔	اور اس میں شیخ حسن یعنی علامہ شرنبلالی کی رسالہ الابراء میں شیخ شلبی کے فتاوٰی سے منقول کلام پر ظاہر دلالت ہے جہاں انہوں نے یہ اجماع ذکر کیا ہے کہ جہاں مورث اپنی زندگی میں کوئی دعوی کرتا تو اس کا دعوی وہاں مقبول نہ ہوتا وارث کا ایسا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا۔ (ت)

دوم: واپسی دستاویزات کے دعوی میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کاغذ دستاویز ملک مدعا علیہ ہے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب القضاء مسائل شتی داالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۱۶

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب القضاء مسائل شتی داالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۱۶

تو دعوی رأسا باطل، صرف رسید پانے کا دعوی کرسکتا ہے اگر نہ پائی ہو اور اگر ملک مدعی ہے تو ضرور ہے دعوی میں کاغذ کی مقدار اور اس کی صفت بیان کرے ورنہ دعوی بوجہ جہالت نامسموع، یہاں مدعیوں نے ان میں سے کچھ نہ بیان کیا لہٰذا دعوی مدفوع۔ حاوی زاہدی وقنیہ باب المداینات وعقود الدریہ جلد دوم صفحہ ۲۰۸:

طلب القبالة من رب الدین بعد القضاء فللمدیون طلبها منهم ان کانت الکاغذة مملوکة له وان کانت مملوکة للدائن فله طلب وثیقة القضاء منه ولابد فی صحة دعوی القبالة من بیان قدر الکاغذة وصفتها و بیان قدر المال المکتوب فیها[1]۔(ملخصًا)	قرض کی ادائیگی کے بعد قرضخواہ سے دستاویزات طلب کرنا مقروض کا حق ہے بشرطیکہ وہ دستاویزات مقروض کی ملکیت ہوں، اور اگر وہ قرض خواہ کی ملک ہوں تو پھر مقروض کو صرف ادائیگی کی رسید کے مطالبہ کا حق ہے اور دستاویزات کے دعوی میں مدعی پر لازم ہے کہ وہ ان دستاویزات کی مقدار اور ان کی صفت اور ان میں درج شدہ مال کی مقدار کو بیان کرے (ملخصًا)۔(ت)

ریاست رامپور میں علاقہ قدیم پر اسٹامپ کی قید بہت جدید ہے مگر ان دستاویزوں تک نہ تھی جب توظاہر اور تھی توجب بھی اس قدر تعیین مدعی بہ کے لئے کافی نہیں کبھی کاغذ کم قیمت کا پیش ہوتا ہے جس پر تاوان لے کر رجسٹری کردیتے ہیں کبھی جتنی قیمت کا قانونًا چاہئے خزانے میں نہیں ہوتا تو دو قطعے دئے جاتے ہیں کبھی عبارت دستاویز قطعًا اسٹامپ پر پوری نہیں آتی سادہ ضمیمہ لگاتے ہیں تو صرف اس قدر کہ اس نوعیت کی دستاویز پر اتنے کا اسٹامپ ہوگا، تعیین کاغذ نہیں کرسکتا بلکہ دعوی میں اس کا بیان ضرور ہے کہ کاغذ کس قیمت کا ہے، ایک قطعہ ہے یا دو، تنہا ہے یا مع ضمیمہ، ضمیمہ ہے تو کس مقدار وصفت کا ہے، یہاں ان میں سے کچھ مذکور نہیں لہٰذا دعوی مسموع نہیں۔

سوم: دعوی زر کے ساختہ پر داختہ ہونے پر ایک اور قرینہ واضحہ بھی ہے بنیوں کو حساب خصوصًا سود کے محاسبات میں کمال مشق ومہارت ہوتی ہے لیکن عرضی دعوی نیز شہود مدعی کے بیانوں پر حساب بہت گندا ہے **اولًا** مدعیوں نے پانچ ہزار پر شرح ماہوار فیصدی ۱۳/ ۱۱ پائی بتائی پھر سب نے ماہوار (☆☆) حالانکہ شرح مذکور سے پانچ ہزار پر (☆☆) ماہوار ہوتا ہے بنئے کا ہر مہینے

[1] العقود الدریة کتاب المداینات ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۰

سود میں آٹھ آنے ماہوار سے زیادہ دینا اور پندرہ برس تک اسی غلطی پر جمارہنا اور کبھی متنبہ نہ ہونا عادۃً معقول نہیں۔

ثانیًا: ۱۷ / دسمبر سنہ ۱ سے ختم ماہ تک پندرہ دن ہوتے ہیں مدعیوں نے ان کی بابت بائیس روپے رکھے اور یہی رسید میں دکھائے۔ دسمبر ۳۱ دن کا ہے اس کے ۱۵ دن کے شرح مذکور پر (☆☆) پائی ہوئے کہ اکیس روپے سے تین پیسے بھی زائد نہیں نہ کہ پورے بائیس اور اگر (☆☆) ہی شرح لیں تو ان پندرہ دن کے (☆☆) پائی ہوئے اب بھی بائیس روپے میں (/۱۱) سے زائد زیادہ گئے، کیا بنیا ۱۱ یا ۱۵ آنے سود کے حساب میں زیادہ دیگا۔

ثالثًا ایک ہزار زر اصل سے ادا ہونے کے بعد حسب شرح اقراری مدعیان (☆☆) ماہوار رہانہ کہ (☆☆) جو مدعیوں نے لکھا کہ ہر مہینے پر (۶ / ۷) پائی زائد ہے اور اگر چوالیس ہی روپے لیں (☆☆) پائی ہو اب بھی ۵/۳ کی زیادت ہے حساب میں اسے بھی غلطی کہیں گے اور مرور زمان سے اس کی مقدار روپوں کو پہنچے گی۔

رابعًا: یہ ہزار کی ادا ۳/۱ جنوری سنہ ۱۳ کو بتائی اور جب سے آخر اپریل سنہ ۱۵ تک (☆☆) پہنچنا کے حساب سے صرف (☆ ۴/۴۔ ۳۱/۲) کے حساب سے یہ رقم یکم جنوری سے پورے ۲۸ ماہ کی ہوئی حالانکہ ان کے زعم پر جنوری کے پہلے دو دن تک (☆☆) کی پوری رقم باقی تھی اس پر جنوری کے دو یوم کے (☆☆ ۱۰/۱۲۔ ۳۰/۲۲) پائی ہوتے اور (☆☆) کے حساب سے صرف (☆ ۴/۴۔ ۳۱/۲) پائی رہ گئے ساڑھے آٹھ آنے سے زیادتی کی گئی ہے، یہ سب اغلاط دعوے پر ہے شرح اقراری مدعیان ۱۷ /دسمبر سنہ ۱ سے آخر اپریل ۱۵ تک حساب یہ ہوا

ایام	روپے	آنے	پائی	ایام	روپے	آنے	پائی
۱۵ یوم دسمبر سنہ ۱ بشرح ۱۲/۱۲ ۱۰ پائی	۲۱	۰	۸ ۱۰/۳۱	۲۹ جنوری سنہ ۱۳ بشرح ۱۲/۱۲ ۸ پائی	۳۲	۸	۹ ۱/۳۱
از جنوری سنہ ۲ لغایۃ دسمبر سنہ ۱۲ گیارہ سال	۵۷۴۰	۱۰	۰	از فروری سنہ ۱۳ لغایۃ اپریل سنہ ۱۵ ۲ سال ۳ ماہ	۹۳۹	۶	۰
یکم و دوم جنوری سنہ ۱۳	۲	۱۲	۱۰ ۲۲/۳۱				
				مجموع	۶۷۳۶ R	۶ A	۴ ۲/۳۱ P

کل (☆☆) دینے تھے لیکن مدعی اور گواہ اور رسیدات سب (☆☆) دینا بتاتے ہیں محال عادی ہے کہ ہوشیار بنیا تیرہ چودہ برس غلطی میں پیچاں رہ کر ۹۷روپے ۴آنے (۳۱/۲۹-۷) پائی حساب سے زیادہ دے دے یہ ہرگز معقول نہیں اور ایسا دعوی کہ ظاہر حال مدعی جس کی تکذیب کرے مقبول نہیں۔ بحر الرائق میں ہے:

ان من شرط سماع الدعوی ان لایکذب المدعی ظاہر حالہ ثم رأیت ابن الغرس فی الفوائد الفقھیۃ (صرح بہ فقال) ومن شروط صحۃ الدعوی ان یکون المدعی بہ مما یحتمل الثبوت بان لایکون مستحیلا عقلا او عادۃ. فان الدعوی والحال ماذکر ظاہرۃ الکذب لان المستحیل العادی کالمستحیل العقلی[1]۔ (ملخصًا)	دعوی کے قابل سماعت ہونے کے لئے شرائط میں سے ہے کہ مدعی کا ظاہر حال اس دعوی کی تکذیب نہ کرتا ہو، پھر میں نے فوائد فقھیہ میں ابن الغرس کی تصریح دیکھی تو انہوں نے کہا کہ دعوی کی صحت کیلئے شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز کا دعوی کیا ہو وہ قابل ثبوت بھی ہو یوں کہ وہ عقلاً یا عادۃً محال نہ ہو کیونکہ اگر دعوی ایسا ہو کہ ظاہرًا جھوٹ ہو تو قابل سماعت نہ ہوگا کیونکہ محال عادی محال عقلی کی طرح ہوتا ہے۔ (ملخصًا۔ (ت)

غایت درجہ یہاں عذر خطا ہوگا یعنی مدعیوں نے براہ غلط اس شرح کا اقرار کیا مگر بعد اقرار ادعائے خطا مردود وبیکار۔ فتاوی قاضیخان واشباہ والنظائر وقنیہ ودرمختار وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

اقر بشیئ ثم ادعی الخطالم تقبل[2]۔	ایک چیز کا اقرار کرکے پھر اس کی خطا کی دعوی کرے تو قبول نہ ہوگا۔ (ت)

شہادات

ان شہادتوں کے بطلان پر کچھ وجوہ عامہ ہیں کہ ہر وجہ سب کو شامل، اور کچھ خاصہ کہ بعض سے خاص مگر ان سے بھی کوئی گواہی خالی نہیں لہٰذا وہ بھی وجہ عام ہیں، وجوہ عامہ سات ہیں:

اول: حقوق العباد میں صحت دعوی شرط شہادت ہے اگر دعوی صحیح نہیں اس پر کوئی شہادت کیسے ہی اعلیٰ درجہ وثوق کی ہو اصلاً مسموع نہیں **اذفات الشرط فات المشروط** (جب شرط فوت ہوجائے تو مشروط فوت ہوجاتا ہے۔ت) تنویر الابصار میں ہے:

---

[1] بحر الرائق کتاب الدعوی باب التحالف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۲۷

[2] درمختار کتاب الاقرار فصل مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

تقدم الدعوی فی حقوق العباد شرط قبولھا[1]۔	حقوق العباد کے متعلق پہلے دعوٰی ہونا شہادت کی قبولیت کے لئے شرط ہے۔(ت)

اور ہم ثابت کرچکے کہ یہ دعوٰی صحیح نہیں لہٰذا تمام یہ اور ان کے سوا اور جس قدر ہوں سب باطل۔

دوم: حقوق العباد میں شرط شہادت وہ لفظ ہے جو انشاء گواہی کے لئے ہو بلفظ اخبار کچھ بھی کہا جائے ہرگز قبول نہیں۔ معین الحکام میں ہے:

اعلم ان اداء الشھادۃ لایصح بالخبر البتۃ فالخبر کیف تصرف لایجوز الاعتماد علیہ[2]۔	واضح ہو کہ خبر کے طور پر شہادت کی ادائیگی ہرگز صحیح نہیں کیونکہ خبر جیسی بھی ہو وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لابد من انشاء الاخبار عن الواقعۃ المشھود بھا و الانشاء لیس بخبر فاذا قال الشاھد اشھد کان انشاء ولو قال شھدت لم یکن انشاء[3]۔	جس واقعہ کی شہادت دی جائے وہ بطریقہ انشاء ہو کیونکہ وہ خبر نہ ہوگی جب گواہ اشھد (گواہی دیتا ہوں) کہے تو یہ انشاء ہے اور اگر اس نے شھدت (میں نے شہادت دی ہے کہا تو انشاء نہ ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایقع الانشاء باسم الفاعل نحوانا شاھد عندك بکذا فھذا لیس انشاء[4] ملخصًا۔	اسم فاعل کے صیغہ سے مثلًا "میں گواہی دینے والا ہوں" کہا تو یہ انشاء نہیں ہے، ملخصًا(ت)

گواہ پر قسم خلاف مذہب وخلاف شرع ہے بعض متاخرین نے نظر بضرورت جو اس بدعت کو گوارا کیا تھا کہ لوگ جھوٹی شہادت پر جری ہیں جھوٹی قسم سے بچیں گے اب وہ بھی باقی نہیں قسم پر شہادت سے زیادہ جرات ہے اس سے قطع نظر ہو تو قسم مشہود بہ پر ہونی تھی مثلا خدا کی قسم اس زید پر اس عمرو کا اتنا روپیہ فلاں سبب سے آتا ہے یہاں اس کے خلاف تمام اظہاروں میں قسم شہادت دینے پر کھائی ہے کہ خدا کی قسم سچ گواہی دیتا ہوں اس نے "گواہی دیتا ہوں" کو انشائے شہادت نہ رکھا بلکہ اخبار کے لئے متعین کردیا کہ قسم داخل نہیں ہوتی مگر جملہ خبریہ پر، ولہٰذا اگر کہے خدا کی قسم تو میری زوجہ نہیں اگرچہ اس سے طلاق کی نیت کرے طلاق

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشھادات باب الاختلاف فی الشھادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

[2] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص ۸۹

[3] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص ۸۹

[4] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص ۸۹

نہ ہوگی کہ طلاق انشاء ہے اور قسم نے اس جملے کو خاص خبریہ کردیا، درمختار میں ہے:

لست لك بزوج او لست لی بامرأة لو اکدہ بالقسم لاتطلق اتفاقا لان الیمین قرینۃ ارادۃ النفی [1]۔	میں تیرا خاوند نہیں ہوں یا تو میری بیوی نہیں ہے۔ اگر اس کلام کو قسم سے مؤکد کردیا تو بالاتفاق طلاق نہ ہوگی کیونکہ قسم اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں نفی کا ارادہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان الیمین لتاکید مضمون الجملۃ الخبریۃ فلا یکون جوابہ الا خبرا [2]۔	کیونکہ قسم جملہ خبریہ کے مضمون کی تاکید کے لئے ہے تو اس کا جواب صرف خبر ہوگا۔ (ت)

سراج وہاج وعالمگیریہ میں ہے:

اتفقوا جمیعا انہ لو قال واللہ ما انت لی بامرأة لایقع شیئ وان نوی [3]۔	سب نے اتفاق کیا ہے کہ اگر خاوند نے کہا خدا کی قسم تو میری بیوی نہیں ہے، تو ارادہ طلاق کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

واللہ ما انت لی بامرأة لایقع عند الکل وان نوی [4]۔	خدا کی قسم تو میری بیوی نہیں ہے کہا تو سب کے نزدیک طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت ہو۔ (ت)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

اذا قال واللہ ما انت لی بامرأة لایقع الطلاق وان نوی بالاتفاق لان الیمین علی النفی تتناول الماضی وھو کاذب فی ذالك فلا یقع بہ شیئ [5] (ملتقطا)۔	جب کہے خدا کی قسم تو میری بیوی نہیں ہے تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت کی ہو یہ بالاتفاق ہے کیونکہ نفی پر قسم ماضی کو شامل ہے جبکہ یہ جھوٹ ہے تو اس سے کچھ نہ واقع ہوگا (ملتقطا)۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الطلاق باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الطلاق الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

[4] بحرالرائق کتاب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۰۵

[5] بدائع الصنائع کتاب الطلاق فصل واما الکنایۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۰۷

تو ثابت ہوا کہ ان میں کوئی شہادت ہر گز شرعًا شہادت ہی نہیں سب افسانہ گوئی قصہ خوانی ہیں۔

سوم: اشھد، گواہی میدہم، گواہی دیتا ہوں سب سے سخت تر قسم ہے اور مشہود بہ مقسم علیہ یعنی وہ بات جس پر یہ شدید قسم کھائی۔ درمختار میں ہے:

رکنھا لفظ اشھد لاغیر لتضمنہ معنی مشاھدۃ وقسم واخبار للحال فکانہ یقول اقسم باللہ لقد اطلعت علی ذلك وان اخبربہ وھذہ المعانی مفقودۃ فی غیرہ فتعین[1]۔	اس کا رکن صرف اشھد کا لفظ ہے اور کچھ نہیں کیونکہ یہ لفظ مشاہدہ اور قسم اور حال کی خبر ہے گویا اس نے یوں کہا خدا کی قسم میں نے اس پر اطلاع پائی اور اس کی خبر دے رہا ہوں، جبکہ یہ معانی اس لفظ کے غیر میں مفقود ہیں، تو یہی متعین ہے۔(ت)

جامع الفصولین جلد اول ص ۱۲۱:

فی لفظ الشھادۃ من التاکید مالیس فی لفظ الخبر لانہ یمین باللہ تعالٰی معنی[2]۔	لفظ شہادت میں جو تاکید ہے وہ خبر کے لفظ میں نہیں ہے کیونکہ اشھد معنًا اللہ تعالٰی کی قسم ہے۔(ت)

تبیین امام زیلعی ج ۴ ص ۲۱۰:

النصوص ناطقۃ بالاستشھاد فلا یقوم مقامھا غیرھا لما فیھا من زیادۃ توکید لانھا من الفاظ الیمین فیکون معنی الیمین ملاحظا فیھا[3]۔	تمام نصوص شہادت کے مطالبہ پر ناطق ہیں تو کوئی دوسرا لفظ اس کے قائم مقام نہ ہوگا کیونکہ اس میں تاکید زیادہ ہے اس لئے کہ اس میں قسم کا معنی ملحوظ ہے لہٰذا یہ قسم کے الفاظ میں ہے۔(ت)

ہدایہ میں فرمایا:

النصوص نطقت باشتراطھا ولان فیھا زیادۃ توکید فان قولہ اشھد من الفاظ الیمین فکان الامتناع عن	تمام نصوص اس کی شرط پر ناطق ہیں اور اس لئے کہ اس میں تاکید زیادہ ہے تو اس کا اشھد کہنا قسم کے الفاظ میں سے ہے تو اس لفظ سے

[1] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۔۱۲۱

[3] تبیین الحقائق کتاب الشھادۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۴/ ۲۱۰

الکذب بهذه اللفظة اشد[1]۔	کذب کا امتناع شدید ہے۔(ت)

اور قسم مقسم علیہ کا اتصال شرط ہے جب ان میں وہ چیز فاصل ہو کہ نہ قسم ہے نہ اس کی تاکید ہے، تو قسم اس سے بے تعلق و بے اثر ہو جاتی ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو قال خدائے را و پیغمبر را پذیر فتم کہ فلاں کار نہ کنم لایکون یمینا لان قوله پیغمبر را پذیر فتم لایکون یمینا فاذا تخلل بین ذکر الله تعالٰی وبین الشرط مالا یکون یمینا یصیر فاصلا فلایکون یمینا[2]۔	اگر یوں کہے میں خدا تعالٰی اور پیغمبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو قبول کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ فلاں کام نہ کروں گا تو قسم نہ ہوگی کیونکہ پیغمبر کو قبول کرتا ہوں، کہنا قسم نہیں ہے تو جب اللہ تعالٰی اور شرط کے ذکر میں کوئی غیر قسم والے الفاظ فاصل بن جائیں تو قسم نہ ہوگی۔(ت)

انہیں میں ہے:

لو قال بالله العظیم کہ بزرگتر از بالله العظیم نیست کہ ایں کار نہ کنم یکون یمینا کما لو قال بالله العظیم الاعظم و هذه الزیادات تکون للتاکید فلا یصیر فاصلا[3]۔	اگر کہا اللہ عظیم کی قسم، اللہ تعالٰی سے بزرگ تر کوئی نہیں، میں فلاں کام نہ کروں گا تو یہ قسم ہوگی کیونکہ یہ ایسے ہے جیسے کہ اللہ تعالٰی العظیم الاعظم کی قسم، تو یہ زیادتی عظمت کی تاکید ہے تو وہ فاصل نہ ہوگی۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی سمرقند و فتاوٰی خلاصہ میں ہے ردالمحتار میں ہے:

ویشترط عدم الفاصل من سکوت و نحوه ففی الصیرفیة لو قال علی عهد الله وعهد الرسول لا افعل کذا لایصح لان عهد الرسول صار فاصلا اھ ای لانه لیس قسما	سکوت اور ایسی دوسری چیز کا فاصل نہ بننا قسم میں شرط ہے تو صیرفیہ میں ہے اگر کہا اللہ تعالٰی کے عہد اور رسول کے عہد پر میں ایسا نہ کروں گا، یہ صحیح نہیں کیونکہ "رسول کا عہد" درمیان میں فاصل بن گیا ہے اھ یعنی یہ قسم نہیں ہے بخلاف

[1] الہدایہ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۸

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۸،۵۷

بخلاف عھداللہ [1]۔(ملتقطا)	عہد اللہ کے (ملتقطا)۔(ت)

خانیہ میں ہے:

رجل اخذہ السلطان وارادان یحلفہ فقالہ قل بایزدقال بایزد قال کہ بروز آدینہ بیائی قال بروز آدینہ بیایم فلم یأت لایحنث علیہ لانہ لما قال لہ قل بایزدو سکت صار فاصلا فلا یصیر یمینا [2]۔	ایک شخص کو سلطان نے پکڑ لیا اور اس سے قسم لیتے ہوئے سلطان نے کہا، تو کہہ کہ اللہ تعالی کی قسم، اس نے کہا اللہ کی قسم تو کل آئے گا، تو گرفتار ہونے والے نے کہا میں کل آؤں گا، وہ اگر نہ آئے تو اس پر وہ حانث نہ ہوگا، کیونکہ سلطان نے اس کو کہا تو کہہ اللہ کی قسم، پھر سلطان خاموش ہوا، تو یہ خاموشی فاصل بن گئی، تو قسم نہ ہوئی۔(ت)

اسی طرح بزازیہ وغیرہا میں ہے، اور شک نہیں کہ کلام دیگر بھی مثل سکوت ہے بلکہ اس سے زائد

کما فی البحر وقد عرفت المسائل فی الشفعۃ وخیار البکر۔	جیسا کہ بحر میں ہے جبکہ تو شفعہ اور باکرہ کے خیار کی بحث میں مسائل معلوم کرچکا ہے(ت)

اور ظاہر کہ مشہود بہ وہ چیز ہے جس کی نزاع ہے مدعی جس کا مدعی ہے مدعا علیہ جس کا منکر ہے مدعی جسے شہادت سے ثابت کیا چاہتا ہے ان تمام گواہیوں میں "گواہی دیتا ہوں۔" کے بعد اس کا ایک حرف نہیں، بالائی جملے ہیں۔ محمد رضا خاں گواہی دیتا ہوں ۸ سنہ میں مظہر جمعہ خاں کے یہاں ملازم تھا، مظہر حسین گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا میں گنیشی کے مکان پر بیٹھا تھا، عبدالعزیز خاں گواہی دیتا ہوں نو سال ہوئے مظہر گنیشی کے مکان پر تھا، سید عبدالعزیز گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر پسر گنیشی کو لکھنے کی مشق کرارہا تھا، عجائب الدین خاں گواہی دیتا ہوں مئی کا مہینہ تھا میں دکان عطاری کرتا ہوں گنیشی کا آدمی دوا لینے نسخہ لایا، احمد خاں ولد میاں خاں گواہی دیتا ہوں مئی ۹ سنہ کو میں رام پور آیا تھا، حیدر علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا میں گنیشی کے پاس چاول لینے گیا، عبدالرحیم خاں گواہی دیتا ہوں مظہر گنیشی کو بلانے گیا ناظم صاحب نے بلوایا تھا، سید الطاف علی گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر گنیشی کی دکان پر تھا، محمد بشیر خاں گواہی دیتا ہوں بعد

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۶

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الایمان نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۸۲

ظہر کے مظہر اپنے گھر کو جارہا تھا، انور بیگ گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر گنیشی کے یہاں بیٹھا تھا، نجم خاں گواہی دیتا ہوں مظہر رگناتھ پرشاد کا ملازم تھا، سید حیدر حسین گواہی دیتا ہوں میں خان بہادر کو بلانے گنیشی کے یہاں گیا، احمد خاں ولد عبدالغنی گواہی دیتا ہوں مظہر گنیشی کے یہاں نوٹ تڑانے گیا، نجف علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر گنیشی کی بیٹھک میں تھا، محمد غفران گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر عبدالغافر خاں کے مکان پر تھا، اشرف علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنے سال ہوئے دولھا صاحب اور ایک منشی جی گنیشی کی بیٹھک میں آئے، موتی شاہ گواہی دیتا ہوں منصور خاں نے میرے گھر آکر مجھ سے کہا میرا زیور گروی رکھا دو۔ وزیر خاں گواہی دیتا ہوں اتنا زمانہ ہوا میرے ہاتھ میں چوٹ لگ گئی تھی۔

کیا یہی فقرے مابہ النزاع ہیں، کیا انہیں جملوں کا دعوی ہے کیا انہیں کو مدعی ثابت کرانا چاہتا ہے ہر گز نہیں، تو یہ قطعاً مشہود بہ نہیں، مشہود بہ وہ حق ہے جسے شاہد مشہود علیہ پر بتاتا ہے۔ شلبیہ علی الزیلعی میں بنایہ سے ہے:

فی الشرع الشہادۃ اخبار بحق لشخصٍ علٰی غیرہ عن مشاھدۃ[1] الخ۔	شریعت میں مشاہدہ کی بناء پر کسی حق کی خبر دینا کہ یہ فلاں کا غیر کے ذمہ ہے الخ (ت)

ظاہر ہے کہ یہ جملے وہ حق نہیں اور ان کا قسم یا تاکید قسم نہ ہونا بدیہی، تو شہادت و مشہود بہ یعنی قسم و مقسم علیہ میں فاصل اور قسم و شہادت کے مبطل ہیں۔ گواہی ان فقروں سے متصل ہوئی نہ کہ مقصود و مشہود سے، معاملہ شہادت و دعوی بس نازک ہے، ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ اگر یوں دعوی کرے کہ یہ چیز میری ملک ہے اور میرا حق، یا گواہ شہادت دے کہ یہ چیز اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق، یہ دعوی و شہادت کافی نہ مانیں گے کہ ممکن ہے کہ میرا یا اس کا حق کہنے کے بعد آہستہ سے لفظ "نہیں" ملالے بلکہ یوں کہنا لازم کہ میرا یا اس کا حق ہے۔ فتاوٰی امام نسفی و فتاوی عالمگیریہ وغیرہم میں ہے:

ینبغی للشاھد ان یقول فی شھادۃ ایں مدعی ست وحق وے ست حتی لایمکن ان یلحق بہ وحق	گواہ کو چاہئے کہ وہ شہادت میں یوں کہے یہ اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق ہے تاکہ اس کو نفی لاحق نہ ہوسکے یعنی صرف اس کا حق "ہے"

---
[1] حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الشھادات المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۴/ ۲۰۶

وے نے بنفی وکان الشیخ الامام فخر الاسلام علی البزدوی یقول اذاقال المدعی فلاں چیز ملک من ست وحق من، لایکتفی به وینبغی ان یقول وحق من ست ویقول فی قوله وبدست فلاں حق، بدست فلاں ناحق ست وکذٰلك فی نظائرہ حتی لایلحق به کلمة النفی[1]۔	نہ کہے، ایسا نہ ہو کہ حق کے ساتھ، نہ ہے، لاحق ہو جائے امام شیخ فخر الاسلام بزدوی فرماتے تھے کہ اگر گواہ نے یہ کہا فلاں چیز میری ملک ہے اور میرا حق، تو کافی نہ ہوگا، بلکہ، میرا حق ہے، کہے، اور فلان کا قبضہ ناحق کی بجائے، فلاں کا قبضہ ناحق ہے، یوں ہی اس کے نظائر میں، تاکہ اس کو نفی لاحق نہ ہوسکے۔ (ت)

جب اسے نہ مانا کہ کہیں چپکے سے لفظ "نفی" نہ بڑھالے تو یہاں تو کسی حرف کے بڑھانے گھٹانے کی حاجت ہی نہیں فقط نیت کافی ہے "گواہی دیتاہوں" کو صرف ان فقروں سے متعلق کیاجواس کے متصل ہیں باقی داستان گوئی کردی۔ معین الحکام میں ہے:

اذا قال الحاکم للشاھد بای شیئ تشھد؟ فقال حضرت عندفلان فسمعته یقرأ بکذا، او اشھدنی علی نفسه بکذا، او شھدت بینھما بصدور البیع اوغیر ذٰلك من العقود لایکون اداء شھادة، ولایجوز للحاکم الاعتماد علی شیئ من ذلک[2]۔	جب حاکم نے گواہ سے پوچھاتو کس چیز کی گواہی دیتاہے؟ تو اس نے کہامیں فلاں کے پاس حاضر تھاتو میں نے اسے فلاں چیز کا ذکر کرتے ہوئے سنا، یا اس نے مجھے اتنی چیز کا گواہ بنایا، یا کہا میں دونوں فریقوں کے درمیان بیع صادر ہونے کی گواہی دیتا ہوں یا اس کے علاوہ کسی سودے کی، تو یہ شہادت کی ادائیگی نہ ہوگی اور نہ ہی حاکم کواس بیان پر اعتماد ہوگا۔ (ت)

ہمارے نزدیک اس کی بہتر تعلیل یہی ہے کہ "حضرت عندفلاں" شہادت مشہود بہ میں فاصل ہوگیا۔

ولامحل لان یقال لم یقل اشھد لان السوال معاد	یہ محل ایسا نہیں کہ اشھد نہ کہنے کو وجہ بنایا جائے کیونکہ (قاضی کا یہ کہنا توکیاشہادت دیتاہے)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰، ۶۱

[2] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص۸۹

فی الجواب ولذالم یبنیه علیه العلامة الطرابلسی وانما علله بانه خبر عن ماض ویحتمل التغیر **اقول**: وفیه نظر ویردہ فروع جمة لاتحصر، قال فی جامع الفصولین (مش) لو شهدا انه کان مبلکه فکانما شهدا انه مبلکه فی الحال ولا یجوز للقاضی ان یقول امروز ملک وے دانید فعلی هذا لو ادعی دینارا شهدا انه کان له علیه کذا او قال اورا ایں قدر زر در ذمہ ایں بود ینبغی ان تقبل کما فی العین وفی (ط) مایدل علی قبولها وفیه وکذا لو شاهد احدهما انه مبلکه والآخر انه کان ملکه تقبل شهادتهما لاتفاقهما انه له فی الحال معنی لما مر وکذا الشهادة علی النکاح والاقرار به ففی (فش) ادعت نکاحه فشهد احدهما انه اقر انها امرأته والاٰخر انه اقر انها کانت امرأته تقبل، لان الشهادة باقراره بنکاح کان شهادة باقراره بنکاح حالی لان ماثبت یبقی وکذالو ادعی انها امرأتی او منکوحتی وشهدا انه

سوال کا جواب میں اعادہ ہوتا ہے اسی لئے علامہ طرابلسی نے اس کو بنیاد نہیں بنایا اور وجہ یہ بتائی کہ یہ ماضی سے خبر ہے جو خلاف کا احتمال رکھتی ہے **اقول**: (میں کہتا ہوں کہ) ماضی والی وجہ قابل غور ہے بہت سے مسائل اسکو رد کرتے ہیں۔ جامع الفصولین میں فرمایا (مش) اگر دونوں گواہوں نے شہادت دی کہ یہ اس کی ملکت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فی الحال اس کی ملک ہے اور قاضی کو یہ حق نہیں کہ وہ کہے کہ، کیا آج ملک مانتے ہو، تو اس بنا پر اگر مدعی دینار کا دعوی کرے اور گواہ شہادت دیں کہ اس کا دین مدعی علیہ کے ذمے تھا یا یوں کہیں کہ اتنی مقدار زر اس کے ذمہ تھا گواہی قبول کی جائے گی جیساکہ عین چیز میں مقبول ہوگی، اور طحطاوی میں ذکر کردہ اس کی قبولیت پر دال ہے اور اس میں ہے اور یونہی اگر ایک گواہ نے کہا یہ اس کی ملک ہے، اور دوسرے نے کہا اس کی ملک تھی، دونوں کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ معنیً دونوں کا اتفاق ہے کہ فی الحال ملک ہے جیساکہ گزرا، اور یونہی نکاح اور نکاح کے اقرار کی شہادت کا معاملہ ہے (فش) میں ہے کہ عورت نے ایک مرد سے نکاح کا دعوی کیا، ایک گواہ نے کہا کہ مرد نے اس کے بیوی ہونے کا اقرار کیا ہے اور دوسرے نے کہا کہ یہ اس کی بیوی تھی، تو شہادت مقبول ہوگی کیونکہ نکاح کے متعلق اقرار کی شہادت

كان تزوجها ولم يتعرضا للحال تقبل، ولو ادعى انه كان لاتقبل لان اسناد المدعى يدل نفى الملك فى الحال اذلافائدة للمدعى فى الاسناد مع قيام ملكه فى الحال بخلاف الشاهدين لو اسندا ملكه الى الماضى لايدل على النفى فى الحال لانهما لايعرفان بقائه الا بالاستصحاب والشاهد قد يحترز عن الشهادة بماثبت باستصحاب الحال لعدم تيقنه بخلاف المالك لانه كما يعلم ثبوت ملكه يقينا يعلم بقائه يقينا.اھ[1] ببعض اختصار وفى الدرر والغرر وتنوير الابصار والدرالمختار ادعى الملك فى الحال و شهد الشهود ان هذا العين كان ملكه تقبل لان ماثبت فى زمان يحكم ببقائه مالم يوجد	موجودہ نکاح کے اقرار کی شہادت ہے کیونکہ ثابت شدہ چیز باقی رہتی ہے، اور یوں ہی اگر مرد نے دعوٰی کیا کہ یہ میری بیوی ہے یا منکوحہ ہے اور دونوں گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے اس عورت سے نکاح کیا تھا اور انہوں نے حال کو بیان نہ کیا تو شہادت مقبول ہوگی، اور اگر مدعی نے کہا ہو کہ نکاح تھا تو پھر یہ گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ مدعی کا ماضی کی طرف منسوب کرنا دال ہے کہ فی الحال ملک نہیں کیونکہ فی الحال ملک ہو تو پھر ماضی کیطرف منسوب کرنا مدعی کو مفید نہیں ہے اس کے برخلاف گواہوں کا ماضی کی طرف منسوب کرنا حال کی نفی پر دال نہیں کیونکہ ان کو بقا کا علم صرف استصحاب سے ثابت شدہ چیز کی گواہی سے احتراز کرتا ہے کیونکہ وہ یقینی نہیں ہے جبکہ مالک خود اپنی ملکیت کے ثبوت کو جانتا ہے، اسی طرح وہ بقائے ملکیت بھی یقینی طور پر جانتا ہے۔ بعض اختصار کے ساتھ عبارت ختم ہوئی۔ درر، غرر، تنویر الابصار اور درمختار میں ہے اگر مدعی نے اپنی حالیہ ملکیت کا دعوٰی کیا اور گواہوں نے یہ شہادت دی کہ یہ چیز اس کی ملک تھی تو یہ شہادت مقبول ہوگی کیونکہ جب کوئی چیز ایک زمانہ میں ثابت ہو تو جب تک اس کے ثبوت کا زوال ثابت نہ ہو جائے اس وقت

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۲

المزیل[1] اھ فالوجه فی تعلیله ماذکرنا وبالله التوفیق ولله الحمد، والله تعالٰی اعلم۔	تک اس کی بقاء کا حکم دیا جائے گا اھ، تو اس کی علت کی وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے، توفیق اللہ تعالٰی سے اور تمام حمدیں اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ولی خاں کی گواہی بھی اس بحث کا عمل ہے مگر وہ اپنے فعل پر شہادت ہے اور خود مجوز نے اسے قبول نہ کیا لہٰذا اس کی طرف زیادہ توجہ کی حاجت نہیں۔

چہارم: حاضر پر شہادت میں مدعی ومدعا علیہ دونوں کی طرف اشارہ ضرور ہے اور غائب ومیت کا نام ونسب بتانا جس میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ذکر جد بھی لازم، اور اسی پر فتوٰی ہے مگر جب غناء ہے، ذخیرہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

یحتاج فی الشهادة علی الحاضر الی الاشارة الی المدعی علیه والمدعی یحتاج الی تسمیة الشهود اسم المیت والغائب وابیهما وجدهما[2]۔	حاضر شخص کے خلاف شہادت میں مدعی اور مدعی علیہ کی طرف اشارہ کی ضرورت ہے، اور گواہوں کا میت اور غیر حاضر اور ان کے والد اور دادا کا نام لینا ضروری ہے۔ (ت)

بحر میں ہے:

والصحیح ان النسبة الی الجد لابد منه[3]۔	صحیح یہی ہے کہ دادے کی طرف نسبت ضروری ہے۔ (ت)

شہادات تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

(هی) ان (علی حاضر یحتاج الشاهد الی الاشارة (الی) ثلثة مواضع اعنی (الخصمین والمشهود به لو عینا) لا دینا (وان علی	شہادت اگر حاضر کے خلاف ہو تو گواہ کو تین چیزوں کی طرف اشارہ کی ضرورت ہوگی، مدعی، مدعی علیہ اور مشہود بہ اگر وہ عین چیز ہو، نقد نہ ہو، اور اگر غائب کے خلاف ہو جیسے

[1] درمختار کتاب الدعوی باب دعوی الرجلین مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۷
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹
[3] بحرالرائق باب الشہادۃ علی الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۲۵

غائب) کمافی نقل الشھادۃ(او میت فلابد)لقبولھا (من نسبتہ الی جدہ فلایکفی ذکر اسمہ واسم ابیہ و صناعتہ الا اذا کان یعرف بھا لامحالۃ)بان لا یشارکہ فی المصر غیرہ[1]۔	نقل شہادت کی صورت ہو، یا میت کے متعلق ہو تو اس وقت شہادت کی قبولیت کے لئے ان کو دادے کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے تو اس کا اور اس کے باپ اور پیشہ کا نام ذکر کرنا ناکافی نہیں ہے ہاں اگر ان کے ذکر سے لازمی طور پر معرفت ہوجائے مثلاً اس نام کا شہر میں کوئی دوسرا نہ ہو۔(ت)

فتاوٰی ابن رشید الدین وجامع الفصولین میں ہے:

لوکانت الشھادۃ علی الحاضر یحتاج الشاھد الی ال اشارۃ الٰی ثلثۃ مواضع الی الخصمین والمشھودبہ ولو علی غائب او میت فسماہ ونسبہ الی ابیہ فقط لاتقبل حتی ینسبہ الی جدہ[2]۔	شہادت اگر حاضر کے خلاف ہو تو تین چیزوں کی طرف اشارہ ضروری ہے، مدعی، مدعٰی علیہ اور مشہود بہ کی طرف۔اور غائب اور میت سے متعلق ہو تو ان کا نام اور ان کے باپ کا نام کافی نہ ہوگا بلکہ ان کے دادے کا نام ذکر کیا جائے تو شہادت قبول ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

اماالغائب فلابد من ذکر جدہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی وھو الصحیح والفتوٰی علی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی[3]۔	لیکن غائب شخص کے متعلق ہو تو اس کے دادے کا ذکر بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ضروری ہے یہی صحیح ہے اور فتوٰی امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔(ت)

اسی طرح عامہ کتب مذہب میں ہے اقول: سر اس میں یہ ہے کہ حاضر پر شہادت میں شاہد کا اسے پہچاننا ضرور ہے جبکہ اصل شاہد ہو نہ کہ شاھد علی الشاھد کما افادہ العلامۃ ابن قاضی سماوۃ (جیسا کہ علامہ ابن سماوۃ نے اس کا افادہ فرمایا ہے۔(ت) محیط پھر جامع الفصولین

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱
[2] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۹
[3] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۹

میں ہے:

یحتاج الی اداء الشھادۃ بمحضر منه فلابد من معرفته بوجه لیمکنه الشھادۃ علیه وعند غیبته او موته یحتاج الی الشھادۃ باسمه و نسبه فلا بد من معرفة اسمه ونسبه[1]۔	حاضر کے متعلق شہادت اس کے سامنے ضروری ہے تاکہ ضروری شناخت ہوسکے اور غیب ہونے کی صورت میں یا موت کی صورت میں اس کے نام اور اس کے نسب کو بیان کرنے کی ضرورت ہوگی تاکہ اس کے نام اور نسب کی ضروری معرفت ہوسکے۔(ت)

ولہٰذا اگر گواہ حاضر کا پورا نام ونسب بیان کریں اور اسے پہچانتے نہ ہوں گواہی مردود ہے۔ جامع الفصولین میں ہے:

شھدا علی امرأۃ باسمھا ونسبھا وھی حاضرۃ فقال القاضی للشھود ھل تعرفون المدعی علیھا فقالو الا لا تقبل شھادتھم[2]۔	دو گواہوں نے عورت کے خلاف شہادت دیتے ہوئے اس کا نام ونسب بیان کیا اور وہ موجود تھی، تو قاضی نے گواہوں سے پوچھا کہ تمہیں اس عورت کی شناخت ہوگئی ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں، تو ان گواہوں کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ (ت)

اور حاضری میں معرفت شاہد کا بتانے والا یہی اشارہ ہے نام ونسب سیکھ کر بھی کہہ سکتے ہیں جیسے ابھی اس فرع میں گزرا تو حاضر پر گواہی بے اشارہ قبول نہیں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کی طرف اشارہ لازم ہے اور یہ سب گواہیاں اس سے خالی ہیں مدعیوں کی طرف اشارہ اصلاً کسی میں نہیں۔

پنجم: یوں ہی مدعا علیہ کی جانب سوائے شہادت وزیر خاں کہ محض مہمل بے معنی ہے کما یأتی (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) بلکہ اس کا اشارہ بھی شہادت میں نہیں اس سے خارج وجدا ہے، اس نے یہ نہ کہا کہ یہ دولھا خاں آئے بلکہ "دولہا خاں صاحب پیشکار آئے" تو کلام میں اشارہ نہیں اگرچہ اس کے ساتھ ہو شہادت کلام ہے کہ زبان سے ادا ہوتا ہے نہ کہ ہاتھ سے، تو شہادت اشارہ سے خالی ہے جس طرح اپنی زوجہ سے کہے تجھ پر اتنی طلاق اور تین انگلیاں

[1] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[2] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱-۱۲۰

اٹھائے تین طلاق ہو جائیں گی کہ اس اشارے سے کلام متعلق ہوا، بدائع ملک العلماء میں ہے:

کذااذااشار الی عدد الثلاث بان قال لها انت طالق هکذا یشیر بالابهام والسبابة والوسطی لان الاشارة متی تعلقت بها العبارة نزلت منزلة الکلام اذا اقامت الاشارة مع تعلق العبارة بها مقام الکلام صار کانه قال انت طالق ثلثا[1]۔	یوں ہی جب تین عدد کا اشارہ کرتے ہوئے خاوند نے کہا تجھے یہ طلاق۔ انگوٹھا، شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی سے اشارہ کیا کیونکہ اشارہ کے ساتھ عبارت ہو تو اس اشارہ کو کلام کے قائم مقام کیا جاتا ہے، تو جب اشارہ عبارت سے متعلق ہو تو "تجھے تین طلاق" جیسی کلام کی طرح ہو جائیگا (ت)

ردالمحتار میں فتاوٰی امام قاضیخاں سے ہے:

قال انت طالق واشار بثلاث اصابع ونوی الثلاث ولم یذکر بلسانه فانها تطلق واحدة[2]۔	خاوند نے "تجھے طلاق" کے ساتھ تین انگلیوں کا اشارہ کیا اور تین طلاقوں کی نیت کی اور زبان سے اشارہ ذکر نہ کیا تو ایک طلاق ہو گی کیونکہ اشارہ کا تعلق عبارت سے نہیں ہے۔ (ت)

اور اگر کہے "تجھ پر طلاق" اور تین انگلیاں اٹھائے دل میں بھی تین ہی کی نیت کرے ایک ہی طلاق پڑے گی کہ اس اشارے سے کلام کا تعلق نہ ہوا۔

ششم: گنیشی مردہ ہے اس کے نہ دادا کا نام اصلاً کسی نے لیا نہ باپ کا، بلکہ بعض نے صراحۃً اس کے باپ کا نام معلوم ہونے سے انکار کیا تو شہادتیں سب مختلف وپر قصور ہیں۔ ناظر یہاں تعجب کرے گا کہ سید عبدالعزیز نے شہادت اور محمد رضاخاں نے جواب جرح میں بتایا ہے کہ گنیشی کے باپ کا نام رام چندر ہے او ولی خاں نے شہادت میں کہا ہے عبدالغافر نے رسید لکھ دی میں نے کہا گنیشی کی ولدیت رامچندر لکھ دیجئے تو ان تین نے تو باپ کا نام بتایا مگر اس کا یہ تعجب دوسرے سخت استعجاب سے بدل جائے گا جب اسے معلوم ہوگا کہ گنیشی کا باپ رامچندر نہیں بلکہ لل مل ہے جیسا کہ خود اس نے اسی بیعنامہ بنام نوشان بیگم کے عنوان میں لکھا ہے وہ رامچندر کا متبنی تھا اور متبنی کو بیٹا بتانا قرآن عظیم کے خلاف ہے۔

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الطلاق فصل واما بیان صفة الواقع بها الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۰۔۱۰۹

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۴۸

قال تعالٰی "وَمَاجَعَلَ اَدْعِیَآءَ کُمْ اَبْنَآءَ کُمْ ؕ ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاهِکُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ۝۴ "[1] "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لئے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہ ٹھہرایا، یہ تمہارے اپنے منہ کا کہنا ہے اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے انہیں ان کے اصل باپوں کی طرف نسبت کرو، یہ اللہ کے یہاں زیادہ انصاف کی بات ہے۔

تو یہ ان شاہدوں کا کذب ہوا اور قرآن عظیم کی مخالفت اور نہ بتانے سے الٹا بتانا بدتر، اور اگر بفرض باطل رامچندر ہی اس کا باپ ہوتا تو یہ نام سید عبدالعزیز نے شہادت میں یوں نہ لیا کہ گنیشی ابن فلاں شہادت دی ہو بلکہ ختم شہادت پر ایک مستقل جملہ کہا کہ گنیشی کے باپ کا نام رامچندر ہے اس میں بھی لفظ مذکور تک نہ کہا معلوم نہیں کون سے گنیشی کا باپ۔ یوہیں محمد رضا خاں نے ایسا ہی مستقل جملہ کہا بلکہ استدعا کی کہ یہ ولدیت لکھ دو، اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ واقع میں یہی ولدیت ہو، اس نے ہاتھی خانے کا تحویلدار بھی کہا مگر کہاں کا ہاتھی خانہ، یہ نہ بتایا، شہادت میں ذہنی تصورات سے کام نہیں چلتا کہ مقصود ہے تعریف، و تعریف تعریف ہے یعنی یہ بتانا کہ شاہد اسے پہنچانتا ہے، یہ تعریفیں الفاظ سے ہوں گی نہ کہ قائل کے مافی الذہن سے لہٰذا سب شہادتیں مہمل ہیں۔

ہفتم: عبدالغافر خاں پر دعوٰی عائد ہونے کی بنا اس پر ہے کہ بیعنامہ و کرایہ نامہ میں زوجہ عبدالغافر خاں کا نام فرضی ہو حقیقۃً یہ عقد عبدالغافر خاں سے ہوئے ہیں شہادتوں سے اس کا ثبوت دو ہی صورتوں میں منحصر، ایک یہ کہ گواہ اپنے ذاتی علم سے اس پر شہادت دیں، دوسرے یہ کہ ان کے سامنے عبدالغافر خاں نے زوجہ کا نام فرضی اور اپنا واقعی ہونے کا اقرار کیا ہو اس کی گواہی دیں، لیکن تمام شہادات ان دونوں وجہ سے خالی ہیں اپنا ذاتی علم تو کسی نے بیان نہ کیا بلکہ بعض مثل حیدر علی خاں و محمد بشیر وغیرہما نے اپنے علم کی صاف نفی کی ہے، اکثر نے گنیشی کا قول بیان کیا ہے کہ میں نے عبدالغافر خاں سے پانچ ہزار قرض لئے اور اپنے مکان دکان رہن یا مکفول کئے ان کا کرایہ یا سود دیتا ہوں گنیشی یہاں بجائے مدعی ہے، باطل ست آنچہ مدعی گوید (باطل ہے جو کچھ مدعی کہتا ہے۔ ت) اگر مدعی کے کہنے سے ثبوت ہو جائے تو گنیشی کا بیان تو گواہوں سے سنا مدعیوں کا بیان تو خود مجوز کے سامنے ہوا بس اس قدر

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

پر فیصلہ ہو جاتا شہادتوں کی کیا حاجت تھی، عبدالغافر خاں کا جو قول شاہدوں نے بیان کیا وہ پانچ قسم ہے:

(۱) محمد رضا خاں و مظہر حسین "بہت دن ہو گئے روپیہ کرایہ کا دو" کس کا کرایہ کاہے کا کرایہ، یہ محض مجمل و مہمل۔

(۲) محمد رضا و مظہر حسین "کرایہ ہمارا چاہئے" عبدالعزیز خاں "ہمارا کرایہ دلوایئے" احمد خاں ولد میاں خاں "ہمارا کئی مہینے کا کرایہ دلوایئے" حیدر علی خاں "ہمارا کرایہ بہت عرصہ سے نہ پہنچا" عبدالرحیم خاں "کرایہ کا روپیہ بہت دنوں سے نہیں دیا ہے ہم کو دو" سید الطاف علی "آپ نے ہمارا تین سال کا کرایہ ادا نہیں کیا ہے" محمد بشیر "ہمارا کرایہ بہت دنوں کا" انور بیگ "ہمارا کرایہ تین سال سے" حیدر حسین "کئی مہنے سے ہمارا کرایہ نہ دیا" ان میں اپنی طرف اضافت ہے مگر یہ نہیں کہ کس چیز کا کرایہ۔

(۳) سید عبدالعزیز "۸ مہینے کا مکان کا کرایہ دیجئے" یہ دوم کا عکس ہے کرایہ مکان کا بتایا اور اضافت نہیں۔

(۴) عجائب الدین خاں "کرایہ مکانوں کا جو میرا ہے تم نے نہ دیا" نجن "ہمارا سات مہینے کرایہ مکانوں کا" ان دو میں دونوں ہیں مگر مکان مبہم مکان انہیں میں منحصر نہیں جن کا معاملہ زوجہ عبدالغافر خاں سے ہوا ہے اس سے اتنا سمجھا گیا کہ عبدالغافر خاں نے کچھ اپنے مکان گنیشی کو کرائے پر دئے ان کا کرایہ مانگا۔

(۵) وہ الفاظ جن میں خاص غرض پر روشنی ڈالنی چاہی ہے، سید الطاف علی "ایک دن مُں نے مولوی عبدالغافر خاں سے دریافت کیا، فرمایا اگر جائداد رہن رکھ کر منافع لیا جائے خصوصًا ہنود سے سود تو جائز ہے" یہ مثل قسم اول ہے ایک عام بات بطور مسئلہ ہے خاص اپنا ذکر نہیں۔ محمد رضا خاں "یہ بھی وجہ ہے کہ ہمارے رہن میں خلل کرے گا" حیدر علی خاں "میں نے بیع الوفا کرالیا ہے بیع الوفا سے نفع اٹھانا جائز ہے" محمد بشیر "دکانیں اور گودام گنیشی کے میرے پاس رہن ہیں یہ اس کا کرایہ ہے" ان تین بیانوں میں ہرگز اس کا اقرار نہیں کہ زوجہ کا نام فرض ہے حقیقۃً معاملہ میرا ہے صرف اپنی طرف اضافت ہے مجرد اضافت دستاویز اقرار گنیشی و مصدقہ رجسٹری و مسلمہ فریقین کیونکر باطل کردے گی زوج وزوجہ میں ایسا ہی انبساط ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے مال کو بلاتکلف اپنی طرف اضافت کرتا ہے ولہذا ایک دوسرے کو زکوۃ نہیں دے سکتا کہ یہ دینا نہ ہوا بلکہ گویا خود لینا۔ فتح القدیر میں ہے:

للاشتراك فی المنافع فکان الدافع الی	منافع میں اشتراک کی بناء پر ان کو دینا گویا

هٰؤلاء کالدافع لنفسه من وجه[1]۔	خود کو دینا ہوا۔(ت)

وکیل خصومت، ملک موکل کو اپنی طرف نسبت کرتا ہے بلکہ ایک خدمتگار اپنے آقا کی ملک کو، بلکہ وصی مال یتیم کو بلکہ موقوف علیہ بلکہ متولی مال وقف کو، حالانکہ وقف خالص ملک الٰہی عزوجل ہے کسی مخلوق کا اصلاً مملوک نہیں، یہ سب یک گونہ بوجہ اختصاص انہیں اپنی جانب اضافت کرتے اور اپنی ملک کہتے ہیں تو شوہر نے معاملہ زوجہ کو اگر اپنا کہا کیا بعید کہا، بلکہ شرفاء میں قطعاً یہی معہود ہے عورت کا کوئی مطالبہ کسی اجنبی پر آتا ہو یا عورت نے رہن کیا ہو تو اجانب میں بیٹھ کر یہ نہ کہیں گے کہ ہماری بی بی کا اتنا روپیہ دے دو ہماری بی بی نے یہ رہن کیا ہے بلکہ یوں ہی کہ ہمارا اتنا دے دو ہم نے رہن لیا ہے۔ وجیز امام کردری میں ہے:

ادعی انه وکیل عن فلان بالخصومة فیه ثم ادعاه لنفسه لایقبل لان ماهو له لا یضیفه الی غیره، بخلاف مااذاادعاه لنفسه ثم ادعی انه وکیل لفلان بالخصومة لعدم المنافاة فان الوکیل بالخصومة قد یضیف الٰی نفسه یکون المطالبة له[2]۔	کسی نے کہا کہ میں فلاں کی طرف سے اس معاملہ کی جواب دہی کا وکیل ہوں پھر اسی چیز کو اپنی ملکیت ہونے کا دعوی کرے تو یہ مقبول نہ ہوگا کیونکہ اپنی چیز کو دوسرے کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا، اسکے بر عکس پہلے اپنی ملکیت کا دعوی کیا، پھر بعد میں یہ دعوی کرے کہ اس چیز کی جواب دہی کے لئے میں فلاں کی طرف سے وکیل ہوں تو جائز ہوگا، اس صورت میں منافات نہیں ہے کیونکہ وکیل بالخصوۃ کبھی چیز کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کو مطالبے کا حق ہے(ت)

اسی میں ہے:

ادعی علیه انها له ثم ادعی انها وقف علیه یسمع لصحة الاضافة بالاخصیة انتفاعا[3]۔	پہلے دعوی کیا کہ یہ میری ملکیت ہے، پھر دعوی کیا کہ یہ مجھ پر وقف کی گئی ہے تو دعوی مقبول وار قابل سماعت ہوگا کیونکہ اپنے لئے انتفاع کی خصوصیت کی بناء پر اپنی طرف منسوب کرسکتا ہے(ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقة الیه الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۹
[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ نوع التناقض نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹
[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ نوع التناقض نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۸

ادعی المحدود لنفسه ثم ادعی انه وقف الصحیح من الجواب ان کان دعوی الوقفیة بسبب التولیة یحتمل التوفیق لان فی العادة یضاف الیه باعتبار ولایة التصرف والخصومة[1]۔	دعوی کیا یہ محدود جائداد میری ہے پھر دعوی کیا کہ یہ وقف ہے، تو صحیح جواب یہ ہے کہ اگر اس وقف کی تولیت کی وجہ سے اپنی طرف منسوب کیا تو دونوں دعووں میں موافقت ہوسکتی ہے کیونکہ عادۃً متولی کو تصرف اور خصومیت کی ولایت ہوتی ہے اس کی بناپر اس کی طرف منسوب ہوتی ہے۔(ت)

رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا"[2]۔	اپنے وہ مال جن کا اللہ تعالٰی نے تمہیں منتظم بنایا ہے بے سمجھ لوگوں کو نہ دو۔(ت)

امام سعید بن جبیر تلمیذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

هو مال الیتیم یکون عندك یقول لاتؤته ایاه و انفقه علیه منه حتی یبلغ وانما اضاف الی الاولیاء فقال اموالکم لانهم قوامها ومدبروها[3]۔	یہ یتیم کا مال ہے جو تیرے پاس ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ مال یتیم کو نہ دو اور اس پر خرچ کرو حتی کہ بالغ ہوجائے، اس مال کو اللہ تعالٰی نے اولیاء کی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ وہ اس کے نگران اور منتظم ہیں۔(ت)

یہی تفسیر عکرمہ سے منقول کما فی المعالم وغیرها (جیسا کہ معالم وغیرہ میں ہے۔ت) بلکہ رب العزت نے فرمایا: "وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰی ۝" [4] (اور آپ کو محتاج پایا تو اس نے غنی کردیا۔ت) یہ مال ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ہے جسے مولٰی تعالٰی نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] خزانۃ المفتین کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف والشہادۃ علیہ قلمی نسخہ ۱/ ۲۲۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۴/ ۵ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

[4] القرآن الکریم ۹۳/ ۸

کامال فرمایا کہ غنا بمال غیر نہیں۔ محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

قال اللہ تعالٰی "وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى ؕ" ای بمال خدیجة وانما کان منھا ادخالہ علیہ الصلٰوۃ والسلام فی المنفعة علی وجه الاباحة والتملیك احیانا[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپ کو اس نے محتاج پایا تو اس نے غنی کردیا، یعنی حضرت خدیجہ کے مال سے اور اس لئے کہ آپ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی طرف سے ان کے مال میں دخل اختیار تھا، یہ اختیار آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے مباح اور کبھی ملک کے طور پر تھا۔ (ت)

بالجملہ ان میں کوئی صرف مثبت دعوی نہیں، ہاں موتی شاہ و وزیر خاں کی کوشش مدعیوں کو قابل مشکوری تھی کہ وہ صراحۃً ساری گفتگو عبدالغافر خاں و گنیشی میں بتاتے ہیں ان کی مہمل ومتناقض گواہیوں کا حال آئندہ آتا ہے مگر انہوں نے نری ناتمام گفتگو پر خاتمہ کردیا وقوع عقد سے صراحۃً انکار کیا، موتی شاہ "میرے سامنے کچھ اور معاملہ نہیں ہوا لکھت پڑھت کچھ نہ ہوئی زبانی بات تھی" وزیر خاں "پھر مجھے کچھ نہیں معلوم، میرے سامنے کچھ دستاویز کی تکمیل نہ ہوئی" اشرف علی خاں "اس کاغذ کا لکھا جانا بتاتا ہے جس میں تصریحاً زوجہ عبدالغافر خاں کا نام ہے" عبدالغافر خاں کا گھر آنا اور روپیہ کچہری کو لے جانا بلکہ دستاویزیں اپنے نام چھڑانا کسی طرح زوجہ کا اسم فرضی ہونے کا شبہہ بھی نہیں دلاتا نہ کہ دلیل ہو۔ ولی خاں و غفران خاں ہزار روپے زر اصل سے عبدالغافر خاں کو دئے جانے اور ان کی رسید لکھنے کے گواہ ہیں،

اولاً: ان دونوں کی گواہی خود مجوز نے نہ مانی اور اس ہزار کی ڈگری نہ دی۔

ثانیاً: تقریر سابق اس وہم کے دفع کو بس ہے، مخدرات کا روپیہ ان کے ازواج ہی کو دیا جائیگا اور وہی رسید دیں گے۔ احمد خاں ولد عبدالغنی خاں و نجف علی خاں اس مد کے گواہ ہیں کہ عبدالغافر خاں نے گنیشی سے گودام کا ایک حصہ پندرہ روپے ماہوار کرائے پر مانگا۔ ان گواہیوں نے تو روشن طور پر ثابت کردیا کہ یہ مکان عبدالغافر خاں سے بیع یا رہن نہ ہوئی ورنہ کرائے پر لینے نہ جاتا، غایت یہ کہ حسب زعم مدعیان خلاف اقرار صریح مورث قبضہ نہ ہوا تھا تو بذریعہ نالش قابض ہوجاتا نہ کہ ایک چیز کا پندرہ روپے مہینہ کرایہ دینا چاہتا، بالجملہ کوئی شہادت اس دعوی کا اثبات نہیں کرتی کہ اصل معاملہ

---

[1] فتح القدیر باب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقة الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۹

عبدالغافر خاں سے ہے ور زوجہ کا نام فرضی ہے بلکہ یہ دو شہادتیں اس کارد ہیں۔وجوہ خاصہ وجوہ عامہ کے بعد ان کی طرف زیادہ توجہ کی حاجت نہیں، نہ وقت میں وسعت، مگر بعض کاتذکرہ کریں۔

(اختلاف شہادت ودعوی) اول: مدعی کہتا ہے قبض ودخل مدعا علیہما کا جائداد مرہونہ پر کبھی ایک منٹ کے لئے نہیں ہوا۔ **محمد** بشیر "قبضہ جائداد پر عبدالغافر خاں کا تھا اب تک گودام پر عبدالغافر خاں اور رام کنور کا ہے دونوں کے قفل پڑے ہیں عبدالغافر خاں کا کچھ غلہ وغیرہ گودام میں ہے مجھے نہیں معلوم کہ روپیہ لینے سے قبضہ جائداد پر پیشتر ہوا تھا یا بعد، گودام پر اب تک قبضہ عبدالغافر خاں کا ہے اور گنیشی کا بھی قبضہ ہے" یعنی مردے کا۔

دوم: مدعی کہتا ہے اصل معاملہ عبدالغافر کان سے ہے،زوجہ کا نام فرضی،اور احمد خان ولد عبدالنبی خاں ونجف علی خان کی شہادتیں صراحۃً اس کارد کررہی ہیں کما مرانفا۔

سوم: مدعی کہتا ہے حقیقۃً سود لیا اور اس کے اخفاء کے لئے کرایہ نامہ فرضی لکھوایا۔انور بیگ "گنیشی نے لکھا کہ سود کی کارروائی فرض ہے گودام اور مکان میرا رہن ہے۔

چہارم: مدعی کہتا ہے بشرح سود (۱۳ / ۱۱) پائی سیکڑہ ماہواری موتی شاہ ۱۴ کا سود ٹھہرا تھا۔

پنجم: حسب دعوائے مدعیان رسید بہی پیش کردہ میں صرف اس سود کی رقوم ہیں جو گنیشی نے مدعا علیہ کو دیا لیکن سید الطاف علی کا بیان ہے "میں نے گنیشی سے ریافت کیا یہ کتاب کس بابت ہے کہا میں نے مولوی عبدالغافر خاں سے کچھ روپے قرض لئے تھے اس کے سود وغیرہ کا حساب ہے" گنیشی کا یہ "وغیرہ" دعوی مدعیان کا نقض ہے۔

ششم: یہ رسید بہی بھی شاید بنا کر پیش کی ہے وہ مدعیوں اور شاہدوں کی تکذیب کرتی ہے مدعیوں کا بیان ہے کہ "ابتدائے ۱۷/ دسمبر ۱ سنہ لغایۃ ۱۲ دسمبر (☆☆) بشرح (☆☆) ماہوار مدعا علیہ کو باخذ رسیدات نوشتہ نامبردہ ادا کی گئی، لیکن رسید بہی میں نومبر ۴ سنہ میں (☆☆☆☆) کی دو رقمیں درج ہیں تو آخر دسمبر ۱۲ سنہ تک (☆☆) پہنچی۔

(اختلاف شاہدان) ہفتم: بیان مدعیان کے سلسلے کو تمام گواہوں نے اول سے آخر تک نباہا ہے کہ ۱۵ یوم دسمبر ۱ سنہ کے (☆☆) پھر ختم ۱۲ سنہ تک ہر مہینے کے (☆☆) انہیں کے لحاظ سے اخیر رقم (☆☆) رکھی ہے اور شاہدوں کے مشاہدے سے جولائی ۶ سنہ تک پہنچی ہوئی (☆☆) حالانکہ رسید بہی سے یہ رقم (☆☆) ہے اور رقم اخیر (☆☆)۔

ہشتم: موتی شاہ و وزیر خاں دونوں ایک جلسے کے گواہ ہیں قول محض میں اختلاف زمان و مکان مضر نہیں اس لئے کہ وہ مکرر ہوسکتا ہے مگر یہ طویل تقریر اور ابتدائی مول تول کے دونوں نے بیان کئے عادۃً ہر گز دوبارہ نہیں ہوتے کہ ایک بار گنیشی عبدالغافر کان کو بلائے، عبدالغافر خان آپ نے مجھے بلایا تھا، گنیشی بلایا تھا مجھے پانچ ہزار روپے کی ضرور ہے، عبدالغافر میں دوں گا میرا اطمینان کیا ہوگا، گنیشی زنانہ مکان گودام دکان ضمانت میں دوں گا اس روپے کا نفع کیا لیا جائیگا، دولھا خاں ڈیڑہ روپیہ کا قاعدہ رام پور میں ہے وہی لیا جائیگا، گنیشی آپ میرے مہربان ہیں کچھ کم کرکے کہہ دیجئے دولھا خان ایک روپیہ، گنیشی میں عرض کرتا ہوں اس کو منظور کرلینا (☆☆) ماہوار آپ لے لیا کریں، دولھا خاں ذرا چپ ہوئے پھر کہا یہ تو (۱۴/) سے بھی ایک پائی کم ہوتا ہے گنیشی اب آپ اسے ہی منظور کرلیں ہماری آپ کی محبت ہے، دولہا خان آپ کاغذ کی تکمیل کریں روپیہ تیار ہے دوں گا، پھر فریقین سو رہے اور ۲۱ دن بعد گنیشی پھر عبدالغافر خاں کو بلائے اور اول تا آخر سب وہی گفتگو پیش آئی فریقین اس پہلی گفتگو کو ایسا بھول جائیں کہ خواب فراموش ہوجائے اور از سر نو آغاز کریں مگر تمام سوال جواب وہی رہیں ترتیب تک نہ بدلے، وہی بلانے کی وجہ پوچھنی وہی پانچ ہزار کی ضرورت وہی اطمینان کا سوال وہی انہیں کفالتوں کا بیان وہی سود کا سوال وہی حسب قاعدہ شہر ڈیڑھ روپیہ وہی تخفیف چاہنا وہی اس پر ایک روپیہ پھر وہی کہ میری مانئے (☆☆) ماہوار اس پر وہی تامل اور وہی جواب کہ (۱۴/) سے بھی ایک پائی کم ہوا اور بالآخر وہی قبول کہ روپیہ تیار ہے کاغذ لکھواؤ اسے ہر گز عقل سلیم قبول نہیں کرتی تو ضرور جلسہ واحدہ کے گواہ میں لیکن یہ انہیں کے بیان سے محال ہے، موتی شاہ کی شہادت ۹/ اکتوبر سنہ ۱۷ کو ہوئی اور وہ بالجزم کہتا ہے "عرصہ اس کو سولہ برس کا ہوا، تو روز گفتگو ۳۱/ اکتوبر سنہ ۱ ہوا، وزیر خاں کی شہادت ۳۱ مارچ سنہ ۱۸ کو ہوئی اور وہ بالجزم کہتا ہے کہ سولہ برس پانچ مہینے ہوئے تو روز گفتگو ۳۱ اکتوبر سنہ ۱ ہوا، ۹ و ۳۱ دونوں ایک ہوجائیں تو یہ شہادیں دائرہ امکان میں آئیں لیکن وہ محال تو یہ بھی باطل وواجب الاہمال۔ خانیہ وہندیہ میں ہے:

لاتبطل الشہادۃ باختلاف الشاھدین فیما بینھما فی الایام والبلدان الاان یقولا کنامع الطالب فی موضع واحد فی یوم واحد[1]۔	دونوں گواہوں کا زمانہ اور شہروں میں اختلاف شہادست کو باطل نہ کرے گا ماسوائے اس کے کہ وہ دونوں ایک جگہ ایک دن میں طالب کے ساتھ ہونے کی بات کریں۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن فی الاختلاف بین الشاہدین نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸

مبسوط وعالمگیریہ میں ہے:

شهد احدهما انه طلقها يوم الجمعة بالبصرة والأخر انه طلقها في ذيلك اليوم بعينه بالكوفة لم تقبل شهادتهما لانا نتيقن بكذب احدهما فان الانسان في يوم واحد لايكون بالبصرة والكوفة بخلاف ما اذا شهد احدهما انه طلقها بالكوفة والأخر انه طلقها بالبصرة ولم يوقتا وقتا فهناك الشهادة تقبل[1]۔	ایک گواہ نے کہا اس نے بصرہ میں جمعہ کے روز بیوی کو طلاق دی، اور دوسرے نے کہا کہ اس نے اسی جمعہ کے روز کوفہ میں طلاق دی تو دونوں کی یہ شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ ہمیں ان میں سے ایک کے جھوٹا ہونے کا یقین ہے کیونکہ ایک ہی روز میں انسان کوفہ اور بصرہ میں نہیں ہوتا اس کے برخالف جب ایک نے کہا اس نے بصرہ میں اور دوسرے نے کہا کوفہ میں طلاق دی اور دونوں نے کوئی وقت نہ بتایا تو اس صورت میں شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

نہم: سید عبدالعزیز و عبدالعزیز خاں ایک جلسے کے گواہ ہیں ان کے بیان میں شروع ستمبر ہے اس کے بیان میں ۳۰/ ستمبر۔

دہم: سید عبدالعزیز کا بیان ہے مظہر پسر گنیشی کو لکھنے کی مشق کرا رہا تھا اتنے میں مولوی عبدالغافر خاں تشریف لائے گنیشی کے پاس، اور کہا پانچ مہینے کا مکان کا کرایہ دو سو بیس روپے دے دیجئے اس پر گنیشی نے رام کنور سے کہا کتاب حساب کی لے آؤ، وہ لے گئے، گنیشی نے مولوی عبدالغافر خاں کو کتاب دی، بعد مولوی عبدالغافر کے چلے جانے کے مجھ سے گنیشی نے کہا اس کتاب میں کیا لکھا ہے، تو اس میں یہ لکھا تھا کہ آخر اگست ۸ ؁ تک کرایہ وصول ہوا یعنی پانچ ماہ کا مطالبہ آتے ہی کیا کتاب سے دیکھنے سے پہلے، لیکن عبدالعزیز خان کہتا ہے "عبدالغافر خان تشریف لائے اور گنیشی سے کہا ہمارا کرایہ دلوایئے، گنیشی نے کہا حساب کرلیجئے، اور رام کنور سے کہا کتاب لے آؤ، وہ کتاب حساب کی لائے، عبدالغافر نے دیکھ کر کہا پانچ مہینے کا ہمارا کرایہ بقدر دو سو بیس کے واجب ہے وہ دے دیجئے۔

یازدہم: عبدالعزیز خاں کہتا ہے "اس کے بعد گنیشی نے وہ کتاب ایک شخص کو جو گنیشی کے لڑکے کو پڑھا رہا تھا بلا کر دکھائی، اس نے پڑھا، میرے کان تک آواز آئی" یہ شخص وہی سید عبدالعزیز ہیں" لیکن ان کا بیان ہے "اس وقت آٹھ سات آدمی تھے ایک مظہر اور عبدالغافر خاں مسلمان باقی ہندو"

---
[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸

توان کو وہاں عبدالعزیز کے ہونے ہی سے انکار ہے۔

دوازدہم: حیدر علی وعبدالرحیم ایک جلسے کے گواہ ہیں حیدر علی خاں کا بیان ہے "عبدالغافر چلے گئے اس کے بعد گنیشی نے حساب کی کتاب مجھے دی اور کہا پڑھ کر سنادیجئے کہ عبدالغافر خاں نے کیا لکھا ہے میں نے گنیشی سے پوچھا یہ کیسا روپیہ ہے کہاں مکان اور گودام رہن ہے اس کے سود کا ہے اس کے بعد میں چلا آیا چاولوں کے واسطے روپیہ دے کے۔ عبدالرحیم خاں کہتا ہے" عبدالغافر خاں جب چلے گئے گنیشی نے کتاب ایک آدمی کو جوان کے پاس بیٹھا تھا دکھائی کہ اسمیں کیا لکھا تھا اس نے سنایا پھر انہیں صاحب نے پوچھا یہ روپیہ کیسا عبدالغافر خاں کو دیا گنیشی نے کہا مکان اور گودام اودکان رہن ہے اس کا کرایہ ہے اس پر اس شخص نے کہا کرایہ بہت ہوگا گنیشی نے کہا (☆☆) ماہوار دیتا ہوں انہیں صاحب نے چلتے وقت گنیشی کو (☆☆) دئے کہ چاول بھجوادینا" ان اختلافوں کو جانے دیجئے **اولاً:** حیدر علی نے دو چیزیں بتائیں مکان اور گودام، اور عبدالرحیم نے دکان بھی بڑھائی۔

ثانیاً: گنیشی کا جواب حیدر علی نے یہ بتایا کہ سود کا ہے عبدالرحیم نے یہ کہ کرایہ ہے۔

ثالثاً: ایسا ہی اختلاف یہ ہے کہ حیدر علی خاں کہتا ہے" گنیشی نے اپنے پسر سے کہا حساب کی بہی لے آؤ، وہ لے کر آیا او عبدالغافر خاں کو دی" عبدالرحیم خاں کہتا ہے" گنیشی کو دی"۔

رابعاً: حیدر علی خاں کہتا ہے" گنیشی نے کہا پہلے کتنی رقم آپ کے پاس پہنچی" عبدالغافر خاں نے کہا" (☆☆) "اس پر گنیشی نے اپنے بیٹے سے کہا عبدالغافر خاں کو کرایہ کا روپیہ دو، کوٹھری سے لاکر (☆☆) دے دئے، عبدالرحیم خاں اس کا عکس بیان کرتا ہے کہ (☆☆) دے دئے پھر گنیشی نے کہا اس سے پہلے رقم کس قدر گئی ہے کہا (☆☆)۔

خامساً: تخالف شدید یہ ہے کہ عبدالرحیم کہتا ہے "اس شخص یعنی حیدر علی خاں نے کرایہ پوچھا گنیشی نے (☆☆) ماہوار بتایا، حیدر علی کاں کہتا ہے" تعداد ماہواری کرایہ کی مجھے گنیشی نے نہیں بتائی"۔

سیزدہم: محمد رضاں خاں کہتا ہے" عبدالغافر خان نے کتاب پر وصول ڈال دیا اور پڑھ کر سنایا کہ آخر مارچ ۸ ؁ تک کا کرایہ معرفت مولچند کے وصول پایا" جس کا حاصل یہ کہ کرایہ کسی اور پر ہے اس نے مولچند کے ہاتھ بھیجا لیکن کتاب یعنی رسید بہی کی عبارت یہ ہے "آخر مارچ ۸ ؁ تک کرایہ مولچند سے وصول ہوا۔"

چاردہم: سب شاہد (☆☆) ماہوار کے حساب پر چلے ہیں جس کے فیصدی (۱۴/ ۱۱، ۱۸/ ۲۴) پائی

ہوئے لیکن موتی شاہ کہتا ہے "۱۴/ کا سود ٹھہراتھا" یہاں یا وجہ چہارم میں مجاز کا عذر کہ بقاعدہ رفع واسقاط موتی شاہ نے ۱۴/ایک پائی کم یازائد کو مجاز ۱۴/ کہا مقبول نہیں کہ شہادت میں مجاز نہیں لے سکتے۔ وجیز امام کردری جلد ۵ ص ۳۲۲ میں ہے:

الحکم لما اتصل بالشھادۃ وشرط فیھا العلم مثل الشمس لم یتحمل فیھا المجاز الذی یصح نفیه واما الدعوی فاخبار مجرد لایتصل به الحکم فاتسع فیه لدفع المناقضة عند الافصاح بالتوفیق[1]۔	حکم جب شہادت سے متصل ہو اور شہادت میں شرط ہے کہ واقعہ کا سورج کی طرح واضح علم ہو اور اس میں مجاز کا احتمال نہ ہو جس کی نفی کرنا پڑے لیکن دعوی تو وہ خالص خبر ہے جس میں فیصلہ نہیں ہوسکتا ہے تو اس میں وسعت ہے کہ تناقض کو ختم کرنے کے لئے موافقت کو ظاہر کیا جائے (ت)

پانزدہم: احمد خاں ولد میاں خاں اور عجائب الدین خاں ایک جلسے کے گواہ ہیں احمد خاں مئی ۹ ۱۹ء کا واقعہ بتاتا ہے کہ عبدالغافر خاں نے کہا کہ آٹھ مہینے کا کرایہ چاہئے جس کے (☆☆) ہوتے ہیں، گنیشی نے کہا اس سے پہلے کتنی رقم پہنچی، کہا (☆☆) حسب رسید بہی و شہادت سید عبدالعزیز اگست ۸ ۱۹ء تک تھی جب سے ختم اپریل ۹ ۱۹ء تک ۵ مہینے ہوتے ہیں تو اسی وقت تک کا کرایہ ہوا لیکن عجائب الدین خاں یہی شروع مئی ۹ ۱۹ء لکھا کر کہتا ہے "مولوی عبدالغافر خاں نے جواب دیا (☆☆) اول پہنچی اور (☆☆) اب گنیشی نے پوچھا یہ سب کتنے ہوئے، عبدالغافر خاں نے کہا (☆☆) بابت کرایہ کے ہمارے پاس پہنچی اکتوبر تک کا" یہ اکتوبر ۸ ۱۹ء کا ہے تو ستمبر ۸ ۱۹ء سے اس تک دو ہی مہینے ہوئے اور ماہوار (☆☆) ٹھہرا اور ۹ ۱۹ء کا ہے تو چودہ مہینے ہوئے اور ماہوار کچھ اوپر پچیس ہی رہے۔

شانزدہم: محمد رضا خاں و مظہر حسین ایک جلسے کے گواہ ہیں وہ گنیشی کا کہنا یہ بتاتا ہے "کل تم آنا تمہیں بھی روپیہ دوں گا" یہ کہتا ہے "کل ہم روپیہ پہنچادیں گے۔

ہفدہم: نجن وحیدر حسین ایک جلسہ کے گواہ ہیں نجن عـــہ کہتا ہے کہ کتاب اس وقت نہیں ملتی کل آکر آپ روپیہ لے لیں، سید حیدر حسین کا بیان ہے عبدالغافر خاں سے گنیشی نے کہا

عـــہ: خط کشیدہ عبارت اندازہ سے درست کی اصل میں پڑھی نہیں گئی۔

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی نوع فی التناقض نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲

کتاب تلاش کرکے میں روپیہ خود بھیج دوں گا یا آپ آکر لے جائیں۔ نجم کہتا ہے عبدالغافر خاں نے کہا کاغذ پر آپ رسید لے لیں کل کچہری سے آؤں گا تو کتاب پر جب مل جائے گی دستخط کروں گا" حیدر حسین کا بیان ہے کہ کتاب کل میرے پاس بھیج دینا وصول لکھ دوں گا۔

ہیجدہم: احمد خان ولد میاں خان گنیشی کو کہتا ہے" گورے چٹے تھے" موتی شاہ کا بیان ہے" گندمی رنگ تھا" جب گواہوں کی حالت قابل اطمینان نہ ہو جیسی یہاں ہے تو اس قسم کے اختلافات پر بھی نظر کی جاتی ہے محیط وہندیہ میں ہے:

قال ابویوسف اذرأیت الریبة فظننت انهم شهود الزور افرق بینهم واسألهم عن المواضع والثیاب و من کان معهم فاذا اختلفوا فی ذٰلك اعندی اختلاف ابطل به الشهادة[1]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب شک کی بنا پر مجھے یہ گمان ہو کہ گواہ جھوٹے ہیں تو ان دونوں کو جدا کرکے ان سے جگہ اور لباس کے متعلق اور ان کے ساتھ موجود لوگوں کے متعلق سوال کروں گا اگر وہ ان امور میں اختلاف کریں تو میرے نزدیک یہ اختلاف ایسا ہے کہ میں شہادت کو باطل کردوں گا۔(ت)

(تناقض شاہد) نوزدہم: محمد رضا خاں نے پہلے" معرفت مولچند" بتایا پھر کہا" ص۹ پر یہ عبارت لکھی تھی" مولچند سے وصول ہوا۔

بستم: موتی شاہ نے (☆☆) ماہوار بتایا پھر کہا ۱۴/ سود۔

بست ویکم: سید الطاف علی نے خود اپنی شہادت نقض کردی رقوم سابق ولاحق و مجموعی بیان کرکے کہا" میں نے اسکو نوٹ کرلیا تعداد رقم کی پرسوں میں نے دیکھی ہے اگر نہ دیکھتا تو اس وقت رقم کی شہادت نہ بیان کرسکتا" شاہد کو جب شہادت یاد نہ ہو تو اپنی لکھی یادداشت کی بناء پر گواہی امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مطلقًا باطل ہے۔ متن تنویر میں ہے:

لایشهد من رأی خطه ولم یذکرها[2]۔	جس نے خط دیکھا اور اس کا مضمون یاد نہ ہو تو وہ اس کی شہادت نہ دے۔(ت)

بزدوی وغیرہ نے اسی کو قول امام محمد بتایا تقویم میں اسی کو صحیح کہا، ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیه کتاب القضاء الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشهادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

فی البزدوی الصغیر اذااستیقن انہ خطہ وعلم انہ لم یزد فیہ شیئ بان کان مخبوأعندہ وعلم بدلیل اٰخر انہ لم یزد فیہ لکن لایحفظ ماسمع فعندھما لا یسعہ ان یشھد، وعند ابی یوسف یسعہ وما قالہ ابو یوسف ھو المعمول بہ وقال فی التقویم قولھما ھو الصحیح، جوہرۃ[1]۔	بزدوی صغیر میں ہے جب اس کو یقین ہو کہ یہ خط اس کا ہے اور یہ معلوم ہو کہ اس میں کوئی زیادہ نہیں کی گئی اور وہ خط اس کے پاس بند تھا اور دیگر دلائل سے بھی معلوم ہوا کہ اس میں کوئی زیادتی نہیں کی گئی لیکن خط کا سنا ہوا مضمون یاد نہیں رہا تو طرفین کے نزدیک اس صورت میں شہادت دینے کی گنجائش نہیں اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے ہاں اسے شہادت دینا جائز ہے، اور ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے جو فرمایا وہی معمول بہ ہے اور تقویم میں فرمایا کہ طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول صحیح ہے جوہرہ (ت)

قول امام ثانی پر اگرچہ فتوٰی دیا گیا مگر وہ اس صورت میں ہے کہ گواہ حاکم کے سامنے یہ ظاہر نہ کرے کہ اپنا لکھا دیکھ کر گواہی دے رہا ہوں اسا ظہار کے بعد بالاتفاق اس کی شہادت مقبول نہیں۔ بحر الرائق وطحطاوی علی الدر المختار وعالمگیریہ میں ہے:

ثم الشاھد اذااعتمد علی خطہ علی القول المفتی بہ وشھد فللقاضی ان یسألہ ھل تشھدعن علم او عن خط ان قال عن علم قبلہ وان قال عن الخط لا[2]۔ (ملخصًا)	پھر گواہ کو جب اپنے خط پر اعتماد ہے کہ اسی کا ہے اور گواہی دی تو مفتٰی بہ قول میں جائز ہے، لیکن قاضی اس سے سوال کرے کہ تو اپنے علم کی بناء پر شہادت دے رہا ہے یا خط کی بناء پر اگر وہ یہ کہے کہ اپنے علم کی بناء پر شہادت دے رہا ہوں، تو شہادت کو قبول کرلے، اوا گر وہ کہے کہ خط کی بنا پر دے رہا ہوں تو ع قبول نہ کرے۔ (ملخصًا)۔ (ت)

تنبیہ: یہاں جو نقول سادہ اظہار محمد رضاخاں، مظہر حسین آئیں ان میں اظہار محمد رضا

---

[1] ردالمحتار کتاب الشھادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۵

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الشھادات دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۳۶، بحر الرائق کتاب الشھادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۷۲، فتاوی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۶

خاں میں سابق پہنچی ہوئی رقم (☆☆) لکھی ہے اور (☆☆) حال کی ملا کر (☆☆) یہ دعوی و دیگر شہادت ور سید بہی سب کے خلاف ہے اور اظہار مظہر حسین میں اوگا رقم سابق (☆☆) اور چند سطر کے بعد (☆☆) ہے یہ تناقض ہے اگر ان رقوم میں خطائے نقلی ہو تو یہ تین وجہیں اختلاف دعوی شہادت واختلاف شاہدیں وتناقض شاہد میں اور اضافہ ہوں گی۔

بست ودوم: (حالت گواہان) (۱) موتی شاہ (۲) غفران اقراری سزا یافتہ ہیں (۳) عجائب الدین خاں پتنگ ساز پتنگ فروش گواہی پیشہ ہے (۴) حیدر علی خاں گواہی پیشہ ہے (۵) احمد خاں ولد میاں خاں باجہ فروش ہے (۶) محمد رضا خاں (۷) مظہر حسین بنیوں کے یہاں سود کے تقاضے اور وصول کرکے لانے پر کم درجے کے نوکر ہیں (۸) عبدالعزیز خاں وثائق نویس ہیں، اور صحیح مسلم شریف میں امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ (ت)

(۹) ولی خاں (۱۰) عبدالرحیم خان (۱۱) اشرف علی خاں (۱۲) محمد بشیر (۱۳) مظہر حسین (۱۴) نجف علی خاں سب جاہل و ناخواندہ ہیں بلکہ اظہر یہ کہ ان میں اکثر یا سب اپنے ضروری فرائض سے آگاہ نہ ہوں اور جو اس قدر بھی فقہ نہ سیکھے اس کی شہادت مردود ہے۔ مجتبٰی شرح قدوری و نہر الفائق ودر مختار باب التعزیر میں ہے:

من ترک الاشتغال بالفقہ لاتقبل شھادتہ والمراد مایجب علیہ تعلمہ [2]۔	جس نے فقہ سے مشغولیت ختم کردی اسکی شہادت مقبول نہیں یعنی جس نے واجبی حد تک فقہ سے بھی تعلق نہ رکھا (ت)

(۱۵) سید الطاف علی (۱۶) عبدالرحیم خاں (۱۷) نجن (۱۸) اشرف علیخاں (۱۹) مظہر حسین (۲۰) نجف علی خاں (۲۱) وزیر خاں سب بلاسمن کچہری کے ناخواندہ مہمان ہیں عرف حال میں اہل حیثیت

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[2] درمختار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

اسے بے عزتی سمجھتے ہیں (۲۲) ولی خان درگاہ اس کے یہاں چار روپے کا ملازم ہے (۲۳) عبدالرحیم عبدالرحیم خاں ایک چپراسی ہے۔ (۲۴) محمد بشیر ایک مذکوری (۲۵) اشرف علی خاں (۲۶) نجف علی خاں دونوں گاڑی بان (۲۷) احمد خاں ولد عبدالنبی خاں ۶ روپے کا فیلبان (۲۸) وزیر خاں یہ بھی ہاتھی بان ہے (۲۹و۳۰) جہایہ دونوں فیلبانی پر نوکر ہیں اس کارخانے کا تحویلدار مدعی ہے اور وہی انہیں تنخواہ دیتا ہے۔

(تحری صدق) ایسی جگہ تحری صدق لازم تھی اس کی ۸ حالت سخت عجیب ہے مدعیوں نے پیش خویش ایک نہایت مرتب منتظم سلسلہ وصول کرایہ شہادتوں کا مسلسل کیا کہ ۷ادسمبر/دسمبر ۱ھ سے چار برس ۷ ماہ تک تو گنیشی ایسا خود دہندرہا کہ مہینے کے مہینے (☆☆) دیتارہا بنبلکہ بکمال فیاضی نومبر ۴ھ میں دوہرے دئے یہاں تک کا وصوہل اقرار عبدالغافر خاں سے رکھا آگے گنیشی کی یہ حالت ہے کہ تین تین برس گزر جائیں ایک پیسہ بے تقاضا نہیں دیتا مگر ہر تقاضے پر اگرچہ ہزاروں کا مطالبہ ہو روپیہ برابر تیار رکھتا ہے کبھی یہ نہیں کہتا کہ آج اتنی کمی ہے کل پوری کردوں گا پھر روپیہ تیار ہے تو مہینوں برسوں رکھ کیوں چھوڑتا ہے اور عبدالغافر خاں کو برسوں ماہ بماہ لیتا رہا اب مدتہائے مدت تک کیوں ساکت رہتا ہے اس کی حکمت وہ دونوں جانتے ہوں گے، پھر ہر تقاضے پر گنیشی کے مسلمان بیٹھے ہوتے ہیں نہ نوکر عــــہ جن کا ہزار ہا ہونا معتبر نہیں کہ نوکر کی کون سنتا ہے بلکہ اجنبی اگرچہ وہ جونہ کبھی پہلے گئے نہ بعد کو۔ یہ اس لئے کہ مسلم پر کافر کی شہادت مقبول نہیں، پھر کئی دفعہ اس وقت دو سے کم مسلمان حاضر نہیں ہوتے کہ نصاب کامل رہے اور وہ ہر بار پہلے سے جا بیٹھتے یا عبدالغافر خاں کے ساتھ کہ سرے سے گفتگو سنیں اور ہر بار عبدالغافر خاں کو اٹھا کر اٹھتے ہیں کہ پوری گفتگو کے شاہد رہیں برسوں کے متفرق جلسے ہیں کبھی اس انتظام میں فرق نہیں آیا، اب دنیا بھر کا قاعدہ ہے کہ جس حساب کے لئے کتاب موجود ہے اس پر رقم کا وصول دائن کے ہاتھ کا لکھا ہوا دستخط کیا ہوا ہے اس میں ماضی کا اطمینان کافی ہے، اسے دہرانے کی کیا حاجت، اب جو دینا ہو اگر معلوم نہیں اس کا پوچھنا اور دے کر رسید لینا ہی ہوتا ہے مگر گنیشی ہر مطالبہ پر پوچھتا ہے کہ پہلے کتنا پہنچا رقم مال دے کر پھر پوچھتا ہے اب تک کل کتنا ہوا یہ اس لئے کہ ہر بار کے حاضرین کہ رقم حال کے شاہد معاینہ ہوں گے ہر رقم سابق کے شاہد اقرار ہوجائیں، پھر مجموعہ پوچھنے کی بھی حاجت ہے کہ رقم حال پر بھی اقرار ہوجائے، یوں ہر رقم سابق وسابق برسابق سب کا ہر بار اقرار ہوتا رہا

عــــہ: خط کشیدہ جملے اندازے سے بنائے گئے کہ جلد بندی میں کٹ گئے تھے۔ عبدالمنان۔

کہ افزوں کا سلسلہ منتظم رہے اور ہر رقم حال پر معاینہ بھی اقرار بھی اور (☆☆) رقم اخیر کے سواسب کی گواہ رسید بہی بھی پھر تحریر رسید بھی پڑھواکر سننا بعید نہیں، جاہل ناخواندہ کو ایساہی چاہئے کہ نوشتہ دائن پر اطمینان ہو مگر ہوشیار بنیا کسی اپنے قریب یا نوکر یا دوست ہندو پر اعتماد نہیں کرتا التزام کے ساتھ مسلمان ہی سے پڑھواتا ہے اگرچہ اس سے شناسائی نہ ہو، یہ اسی شہادت علم المسلم کے لئے ہے، پھر یہ حضرات اگرچہ اپنے ذاتی معاملات اگرچہ قریب کے بالکل بھولے ہوئے ہوں ہر بات کا جواب یاد نہیں سے ہو لیکن اس اصول کا معاملہ مدت تک پورا یاد رکھتے ہیں سابق کی رقم الگ، حال کی الگ، مجموعہ کی الگ، وقت الگ، پھر جو کوئی پوچھتا ہے کہ یہ روپیہ کیسا دیا اور بنیا سود بتاتا ہے یہ سوال جواب عبدالغافر خاں کے چلے جانے کے بعد ہی ہوتا ہے کسی نے اس کے سامنے نہ پوچھا یہ اسلئے کہ سامنے اگر عبدالغافر خاں اس کا رد کرتا بات بگڑتی اور اگر قبول کرا یا ساکت رہتا کہ وہ بھی قبول ہے تو اس کا خلاف ہوتا کہ تحفظ شان علم کے لئے اخفا چاہا، اہل انصاف دیکھیں ایسی ہوشیاری کے ساتھ سلسلہ بہ سلسلہ ایک سلک میں منسلک کی ہوئی ترتیب وار گواہیاں کبھی سنی ہیں جن کی لائن چپراسی، مذکوری، فیلبان، گاڑی بان، باجہ فروش کنکیاساز، محصلان سود، بنیوں کی خدمتی، چار چار چھ چھ روپے کے نوکر جاہل ناخواندے مل کر اس خوبصورتی سے بنا رہے ہیں، اس سے بڑھ کر تحری صدق اور کیا ہوگی اور اس پر پوری رجسٹری اس نے کردی کہ رقومات میں جو اغلاط مدعیوں سے واقع ہوئے سب گواہ اسی ڈگر پر چلے ہیں غلطی کے لئے کوئی معیار نہیں ہو تا مدعیوں سے غلطیاں ہوئی تھیں اور بالفرض سب شاہد بھی کرتے جدا جدا اغلاط ہوتے، کسی نے کہیں غلطی کی کسی نے کہیں، یہاں یہ نہیں بلکہ وہی غلطیاں انہیں مواقع پر ہیں جس کے ظاہر کہ سب ایک سانچے کے ڈھلے ہوئے ہیں، لطف یہ کہ پان ہزار کب کے ادا ہو چکے اس کے بعد بنیاد برسوں نئی رقمیں خوشی خوشی دے رہا ہے یہاں تک کہ (☆☆) تقریباً تین ہزار روپے زیادہ پہنچاتا ہے ستمبر ۱۱ء تک ہی پانچہزار سے (☆☆) زیادہ جاچکے تھے زراصل سے ایک حبہ باقی نہ رہا تھا، مگر جنوری ۱۳ء میں ایک ہزار منجملہ زراصل بھیجتا ہے مگر اسے معلوم نہ تھا کہ نوشان بیگم کے نام اور مولچند کے کرایہ کی آڑ میں فرضی ہیں میرا اصل معاملہ عبدالغافر خاں سے ہے وہ سود لے رہے ہیں اور سود ناجائز ہے جو دیا جائے رقم اصل میں مجرا ہونا لازم ہے اب میں کاہے ہزار بھیجتا ہوں اور ان کا بھی منجملہ کہتا ہوں اور کاہے پر اور رقمیں دئے چلا جاتا ہوں، اگر مدعیوں اور گواہوں کے بیان سچ ہوتے تو ضرور پانچ ہزار پہنچتے ہی بنیا ہاتھ روک لیتا، مدعا علیہ نہ مانتا تو کچہریوں کے دروزے کھلے تھے جو نالش اب ہوئی وہی کرتا اور دستاویزیں واپس لیتا اور ایک پیسہ زیادہ نہ دیتا مگر وہ عمر بھر غفلت میں لٹتا رہتا اور بحکم آنکہ پدر اگر نتواند پسر تمام کند یہ تمام تحقیقیں تدقیقیں پچھلی مت میں اپنے بیٹوں کے لئے چھوڑ جاتا ہے۔

جو یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ان کا باپ احمق تھا عقل ان کو ہے، یہ ہے دعوی اور یہ ہیں گواہیاں۔

تجویز و فیصلہ

اس کی نسبت کچھ کہنے کی حاجت نہیں **اولاً:** سرے سے دعوی ہی صحیح نہیں اور جب دعوی صحیح نہ ہو تو مدعا علیہ سے جواب بھی نہیں لیا جاتا، نہ کوئی کارروائی چلے، شہادتیں گزریں اور غیر صحیح دعوی کی ڈگری ہو یہ سراسر باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

یسأل القاضی لامدعی علیه عن الدعوی بعد صحتها والاتصدر صحیحة لایسأل[1]۔	صحت دعوی کے بعد قاضی مدعا علیہ سے پوچھے اور اگر دعوی صحیح نہیں تو مدعا علیہ سے کچھ نہ پوچھے۔ (ت)

ثانیاً: گواہیاں باطل ہیں اور مدعا علیہ کا اقرار یا نکول نہ ہونا بدیہی تو قضا کی راہ مسدود اور حکم باطل ہیں۔ فتاوٰی امام قاضیخاں و اشباہ والنظائر میں ہے:

القاضی لایقضی الابالحجة وهی البینة اوالاقرار والنکول[2]۔	قاضی صرف حجت و دلیل کی بناء پر فیصلہ دے سکتا ہے اور حجت تین چیزیں ہیں: گواہی، اقرار اور قسم سے انکار۔ (ت)

بایںہمہ اجمالاً دو ایک حرف اس کے متعلق بھی لکھنا مناسب کہ تفصیل ایک مستقل رسالہ ہوگی، دو ۲ وجہیں یہ ہوئی۔

سوم: تنقیح نمبر ا کو بربنائے شہادت موتی شاہ و وزیر خاں بحق مدعیان ثابت ماننا صراحۃً باطل ہے، رد شہادات میں اس کا بیان مفصل گزرا۔

چہارم: تنقیح نمبر ۲ و نمبر ۳ کی نسبت رجویز کو خود اقرار ہے کہ شہادت سے اس کا ثبوت ناممکن ہے پھر محض اس بنا پر کہ مدعا علیہ مسلمان معزز ذی علم ہے ان کو بحق مدعیان مان لینا سراسر خلاف انصاف ہے یوں تو اہل علم و معززین پر کفار و فجار کے دعوی سود ہمیشہ بے شاہدت مسموع ہو جائیں گے زید کو ہزاروں روپے دے دیں اور خالد مسلمان ذی علم پر دعوی کردیں کہ زید اس کا علاقہ ار ہے اصل میں سود خالد نے لیا اور مسلم و

---

[1] درمختار کتب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶

[2] الاشباہ والنظائر بحوالہ الخانیہ الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

عالم ہونے کے سبب نام دوسرے کا کیا۔

پنجم: رسید بہی خود ہی ثابت نہیں،

اولاً: آئندہ اس کی تصریح کی جائے گی۔

ثانیاً: اس کے اختراعی ہونے پر ایک واضح قرینہ نومبر ۴ سہ میں دوبارہ (☆☆) کا اقرار ہے رسید بہی میں مذکور نہیں کہ یہ کس مہینے کا مطالبہ ہے کسی مہینے میں وصول ہونا اسی مہینے کے مطالبہ ہونے پر دلیل نہیں پہلے کا بھی ہوتا ہے پیشگی بھی ہوتا ہے اگر یہ رسیدات عبدالغافر خاں کی ہوتیں یوں مبہم و مجمل مکرر نہ ہوتیں۔

ثالثاً: رسید بہی انہیں اغلاط پر مرتب ہوئی ہے جو مدعیوں نے دعوے میں کیں جن کا بیان وجوہ ابطال دعوی میں گزرا اگر رسیدات واقعی ہوتیں حسب صحیح پر ہوتیں، اور بالفرض اگر مسلم ہو تو ہم وجہ ہفتم عام میں ثابت کرچکے کہ مطالبہ کو شوہر کا اپنے دستخط سے وصول کرنا بیجا نہیں۔

ششم: ایک ہزار کی رقم منجملہ زر اصل کو عبدالغافر سخاں کا وصول کرنا ماننا اور اس کی ڈگری نہ دینا تجویز کا صریح تناقص ہے اگر پہنچنا ثابت ہے تو حقدار کو حق سے محروم کار قضاء نہیں قاضی اس لئے مقرر ہوتا ہے کہ حقدار کو حق دلائے، نہ اس لئے کہ حق مانے اور محروم کردے، اور اگر ثابت نہیں تو اس کے وصول کرنے سے استدلال کیا معنی۔

ہفتم: رسیدات پر دستخط کرنے اور ہزار کی رقم خود وصول کرنے کو تنقیحات ۲ و ۳ کے ماحصل کا مثبت ماننا الٹی منطق ہے بلکہ یہ ان کا صریح رد ہے کہ اس میں اس امر شنیع کی اپنی نسبت اعلان ہے جس کا اخفاء چاہا تھا، اگر واقعی یہ سود کی رقمیں ہوتیں عبدالغافر خاں جس طرح دستاویز میں الگ رہا ان وصولوں میں بھی خود نہ پڑ نا مسماۃ کے بھائی وغیرہ کسی اور کا پردہ رکھتا۔ کیا فقط دستاویز میں نام ہونے سے اعلان ہوتا ہے جس پر گواہان حاشیہ یا اہل رجسٹری ہی واقف ہوتے اور یہ وسالہا سال تک بارہا علانیہ برملا مسلمانوں ہندوؤں سب کے سامنے وصول کرنا باعث اعلان نہیں، کیا گواہ نہیں کہ رہے ہیں کہ وہ اور دیکھنے والے ہندو تک متعجب ہوئے کہ یہ مسلمان ہو کر کیونکر سود لیتے ہیں نوٹ کرنے والوں نے اسے نوٹ کیا مولویوں کسے مسئلہ پوچھا ہاتھیوں پر بیٹھ کر تذکرہ کیا خود ایک ہندو نے اپنے نوکر سے نوٹ کرنے کو کہا اور ان سب سے زائد موتی شاہ و وزیر خاں کی شہادتیں ہیں کہ علانیہ سود کی گفتگو مول تول کرنا بتاتے ہیں موتی شاہ کہتا ہے "فریقین کی گفتگو میں آدمی ہندو مسلمان بہت تھے" وزیر خاں کہتا ہے "مسلمان زائد تھے ہندو کم تھے" موتی شاہ کہتا ہے "وقت گفتگو دن کے دس بجے

کا تھا،اس واقعہ کے یادرکھنے کا ذریعہ یہ ہے کہ ۱۴ا کا سود ٹھہرا تھا حالانکہ مسلمان کبھی سود نہیں لیتے ہیں" جو ایسا بیباک ہوا سے اخفا کیا معنی، لہٰذا یہ تمام بیانات تصنیف شدہ ہیں۔

ہشتم: تنقیح ۴ کے متعلق جن شہادتوں اور ان کے بالترتیب بیانوں سے استدلال کیا ان کے بکثرت ابطال مباحث سابقہ میں گزرے حاجت اعادہ نہیں،اس تنقیح کا ایک حرف بھی بحق مدعیان ثابت نہیں مگر غنیمت ہے کہ تجویز نے ان تمام شہادتوں کو خود ہی ناکافی مانا کہ "اس رقم اقراری کے ایصال بوجہ تائید شہادت تحریری کے میں ثابت قرار دیتا ہوں" یعنی وہ نہ ہوتی تو میں ان گواہیوں کو نہ مانتا معلوم ہوا کہ سب گواہیاں ناکافی ہیں، شہادت تحریری کیا ہے وہی رسید بہی جس کی ردی حالت اوپر گزری اور پوری تفصیل بعونہ تعالٰی آگے آتی ہے تو مؤید رہا نہ مؤید اور ثبوت تنقیح باطل و مسترد۔

نہم: ذی علم مجوز نے مدعیوں اور شاہدوں اور رسید بہی جن کے کاذب ہونے کی ایک اور دلیل ظاہر کی جو ہمارے خیال میں بھی نہ تھی فرمایا" منجملہ رقم مودی بنام کرایہ (☆☆) کی ایسی رقم ہے جس کے متعلق مدعیان نے کوئی رسید پیش نہ کی،اور تحریر کرتے ہیں کہ مدعا علیہ نے براہ بدنیتی اس رقم کی رسیدات نہ دیں جو کتاب رسیدات مدعیان نے پیش کی اس میں سوائے رقم (☆☆)کے باقی رقوم درج ہیں" لیکن مدعیان و گوہان ورسید بہی صرف اخیر ۷ ماہ کی رقم (☆☆) کی رسید نہ دینی بتاتے ہیں تو بیان ذی علم مجوز کے مقابل سب جھوٹے ہیں، یہاں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ تجویز کس اعلٰی درجہ بیداری مغزی پر ہے جس نے ان سب کے ایسے اغلاط پر مفید عـــہ روشنی ڈالی۔

دہم: رسیدات جن پر بلفظ عبدالغافر خان دستخط ہیں ان کے نوشتہ عبدالغافر ہونے کا یہ ثبوت کہ اتنے گواہوں نے ان دستخطوں کا خط پہچانا اور اتنے کاغذات کچہری کے دستخطوں سے دستخط ملے لہٰذا یقینا مدعا علیہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، محض خلاف شرع باطل ہے کتب مذہب میں تصریحات قاہرہ ہیں کہ خط مشابہ خط ہوتا ہے اور بن سکتا ہے اور یہ کہ اس پر اعتماد جائز نہیں اور یہ کہ قاضی اس پر فیصلہ نہیں دے سکتا بنانے والوں کا جسے تجربہ ہو اور وہ جانتا ہے کہ ایسا بنالیتے ہیں کہ خود صاحب خط کو دیکھ کر اشتباہ ہوجاتا ہے اور وہ تمیز نہیں کرسکتا کہ میرا لکھا ہے یا دوسرے کا، پھر اوروں کی شناخت کیا چیز ہے۔ہدایہ میں ہے: **الخط یشبہ الخط فلا یعتبر**[1] (خط ایک دوسرے

عـــہ: خط کشیدہ لفظ اندازہ سے بنایا گیا۔

---

[1] الہدایہ کتاب الشہادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۱۵۷

کے مشابہ ہوتا ہے لہذا معتبر نہیں۔ت) فتح القدیر میں ہے:

الخط لاینطق وھو متشابه[1]۔	خط بولتا نہیں وہ متشابہ چیز ہے۔(ت)

درمختار میں ہے: لایعمل بالخط[2] (خط پر عمل نہ ہوگا۔ت) فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لایصلح حجة لان الخط یشبه الخط[3]۔	چونکہ خط ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے وہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا(ت)

نیز خانیہ میں ہے:

اخرج المدعی خطاً باقرار المدعی علیه بذلك فانکران یکون خطه فاستکتب وکان بین الخطین مشابهة ظاہرة لایقضی به ھو الصحیح[4]۔	مدعی نے مدعا علیہ کے اقرار کا خط پیش کیا تو مدعا علیہ نے اپنا خط ہونے سے انکار کردیا تو قاضی مدعا علیہ سے تحریر لکھوائے اور دونوں تحریروں میں واضح مشابہت پائی جائے اس کے باوجود صحیح یہ ہے کہ قاضی اس خط پر فیصلہ نہ دے۔(ت)

اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولایعمل به[5]۔	خط پر نہ اعتماد کیا جائے نہ عمل۔(ت)

کافی شرح وافی میں ہے:

الخط یشبه الخط وقد یزور ویفتعل[6]۔	خط ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے اور جھوٹا اور جعلی ہوتا ہے۔(ت)

عینی علی الکنز میں ہے:

الخط یشبه الخط فلایلزم حجة لانه	خط چونکہ ایک دوسرے کے مشابہ اور من گھڑت

---

[1] فتح القدیر
[2] درمختار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۳
[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲
[4] فتاوٰی قاضی خان کتاب الدعوی والبینات باب الدعوٰی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۴۲۶
[5] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸
[6] کافی شرح وافی

یحتمل التزویر[1]۔	ہو سکتا ہے لہٰذا حجت ہونا لازم نہ آئے گا۔(ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

الکتاب قدیزور ویفتعل والخط یشبہ الخط و الخاتم یشبہ الکاتم[2]، مختصرًا۔	مکتوب کبھی جھوٹا اور جعلی ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے اور مہر ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہے، مختصراً، (ت)

ظہیریہ وشرح الاشباہ للعلامۃ البیری ورد المحتار میں ہے:

لایقضی بذٰلك عند المنازعۃ لان الخط مما یزور و یفتعل[3]۔	قاضی کسی نزاع میں مکتوب پر فیصلہ نہ دے کیونکہ خط جعلی ور من گھڑت ہو سکتا ہے۔(ت)

فتاوی امام ظہیر الدین مرغینانی وغمز العیون میں ہے:

العلۃ فی عدم العمل بالخط کونہ ممایزور ویفتعل ای من شانہ ذلك وکونہ من شانہ ذٰلك یقتضی عدم العمل بہ وعدم الاعتماد علیہ وان لم یکن فی نفس الامر کما ھو ظاہر[4]۔	خط پر عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جعلی اور منگھڑت ہو سکتا ہے اور جب وہ ایسا ہو سکتا ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ اس پر عمل اور اعتماد نہ کیا جائے اگرچہ نفس الامر میں وہ ایسا نہ ہو جیسا کہ وہ ظاہر ہے۔(ت)

یازدہم: جن پر بلفظ دولھا خاں دستخط ہیں اور اکثر وہی ہیں ۶۳ رسیدوں میں صرف ۴ پر عبدالغافر خاں ہے اور ۵۹ پر دولھا خاں، ان کی نسبت اتنا بھی نہیں پہچاننے والوں نے شان خط پر گواہی دی یا کسی کاغذ کچہری پر یہ دستخط ملے یہاں صرف اس قدر سے کام لیا گیا کہ اس کی شان شان دستخط سابق سے ملتی ہے یعنی ظن در ظن قیاس در قیاس اور اس پر حکم یہ کہ "دستخط یقینا مدعا علیہ کے ہیں" انا للہ وانا الیہ راجعون o

---

[1] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الشہادات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب القضاء فصل فی کتاب القاضی الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۔۱۶۵، فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

[3] ردالمحتار بحوالہ البیری کتاب القضاء باب کتاب القاضی الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۲

[4] غمز عیون البصائر بحوالہ الفتاوی الظہیریہ مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۹

دوازدہم: یہ کمی کہ مدعا علیہ کا نام تو عبدالغافر خاں ہے اور ان میں دولھا خاں، اسے یوں پورا فرمایا کہ "اکثر شہادتوں سے ثابت کہ مدعا علیہ کا عرف دولھا خاں بھی ہے" شہادتوں کا ردی حال اوپر گزرا، اگر ان کے علاوہ اور شہادتیں مراد ہیں تو انہوں نے یہ شہادت دی کہ عبدالغافر خاں کو دولھا خاں بھی کہتے ہیں یا یہ کہ دولھا خاں جہاں لکھا اس سے یہی عبدالغافر خاں مراد ہیں، اور اگر یہی شہادتیں مراد تو سخت عجب۔ شہادتوں پر اعتماد بذریعہ شہادت تحریری یعنی رسیدات مذکورہ ہوا، اب ان رسیدات پر اعتماد ان شہادتوں سے ہو کھلا دَور ہے۔

سیزدہم: منجملہ زر اصل ایک ہزار کا عبدالغافر خاں کو پہنچنا ولی خاں و غفران کی شہادتوں سے (جن کا حال اوپر گزرا) ثابت ماننا اور رسید ورقعہ یقینًا تحریر عبدالغافر خاں جاننا مگر اس بنا پر کہ رقعہ بے رجسٹری ہے لہٰذا بموجب فلاں دفعہ قانون رجسٹری ریاست ثبوت میں لینے کے قابل نہیں اس کی ڈگری نہ دینا سخت عجب ہے بحکم دفعہ رقعہ ثبوت میں لیا جانا نہ سہی شہادتوں کا ثبوت کدھر گیا اگر شہادتیں قابل قبول نہ تھیں ان سے ثبوت ماننا کیا معنی اور مقبول تھیں تو ان پر عمل نہ کرنا یعنی چہ، یہ شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف ہے، ہاں یوں کہنا تھا کہ شہادتیں ان وجوہ سے (کہ ہم نے فتوٰی میں بیان کیں) باطل ہیں اور کوئی رقعہ بے شہادت نہیں لیا جاسکتا خصوصًا اس میں نقص قانونی بھی ہے لہٰا ہزار کا پہنچنا اصلًا ابت نہیں تو بات صحیح ہوتی۔

چاردہم: تنقیح ۵ خود فیصلہ نے بحق مدعیان ثابت نہ مانی، تنقیح ۲ کو تین دلیلوں سے ثابت گمان کیا جن میں دو بے علاقہ محض ہیں اور ایک باطل، اول بیع وفا حکم رہن میں ہے اور مرہون کا کرایہ اور دیگر محاصل حق راہن اور قابل مجرائی بزر رہن ہے، حکم شرع یہ ہے کہ مرتہن بے اجازت راہن شخص ثالث کو کرایہ دے تو کرائے کا مالک مرتہن ہے ہر گزوہ ملک راہن نہیں، ہاں اس کے حق میں خبیث ہے تصدق کردے یا راہن کو دے دے اگر حق راہن ہوتا تصدق کا حکم کیونکر ہوسکتا۔ فتاوٰی قاضیخان و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

ان اٰجر المرتھن من اجنبی وکانت الاجارۃ بغیر اذن الراھن یکون الاجر للمرتھن یتصدق بہ[1]۔ (ملخصًا)	رہن لینے والے نے مکان کو رہن رکھنے والے کی اجازت کے بغیر کسی تیسرے شخص کو کرایہ پر دے دیا تو اجرت و کرایہ مرتہن (رہن لینے والے) کا ہوگا اور اس کو صدقہ کردے گا (ملخصًا)۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ قاضیخاں کتاب الرہن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۴

وجیز کردری وحموی علی الاشباہ میں ہے:

اُجر المرتهن الرهن من اجنبی بلا اجازة الراہن فالغلة للمرتهن ویتصدق بها عندالامام ومحمد کالغاصب یتصدق بالغلة و یردها علی المالك [1] قلت ای ویطیب له لانه نماء مبلکه اخص الطرفین لانها تطیب للمرتهن عند الامام الثانی رضی اللہ تعالٰی عنهم فلا یتصدق بشیئ۔	کسی رہن چیز کو مرہن نے راہن کی اجازت کے بغیر اجنبی شخص کو کرایہ پر دے دیا تو کرایہ کی آمدن مرتہن کی ہوگی اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ اسے صدقہ کردے گا۔ جیسا کہ غاصب معضوبہ چیز کی آمدن کو صدقہ کرتا ہے یا مالک کو واپس ادا کرتا ہے اھ، میں کہتا ہوں یہ آمدن مالک کے لئے طیب ہے کیونکہ اس کی ملکیت کی آمدن ہے، مصنف نے طرفین رحمہا اللہ تعالٰی کا خصوصیت سے اس لئے ذکر کیا ہے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ آمدن مرتہن کے لئے طیب ہے لہٰذا صدقہ نہ کرے۔ (ت)

یہاں اگر ہے تو یہی صورت ہے اس میں زر کرایہ اصل میں مجرا کرنے کا حکم ایسا ہے کہ زید نے عمرو سے پانچ ہزار قرض لئے عمرو نے شخص ثالث بکر سے کچھ ناجائز رقمیں حاصل کیں اب زید کہے میرا قرض ادا ہوگیا کیونکہ تو ایک راہ چلنے سے ناجائز رقم لے چکا، کیا اس میں زید کو مجنوں نہ کہا جائے گا، اگر یہ وجہ اول اس صورت کو شامل تو حکم یقینا باطل، اور اگر یہ مراد کہ یہ اجارہ باذن راہن تھا لہٰذا وہ مالک اجرت ہوا، اور لی مرہن نے، تو زر اصل میں محسوب ہونی چاہئے، تو یہ وجہ نہ رہی بلکہ وجہ دوم ہوگئی، وجہ دوم یہی ہے کہ اجارہ باذن راہن تھا لہٰذا "رہن باطل اور کرایہ لائق مجرائی، یہ انہیں شہادات باطلہ اشرف علی وغیرہ پر مبنی ہے جن کے وجوہ بطلان روشن ہوگئیں اور جن کو خود مجوز نے ناکافی جانا جیسا کہ ابھی رد ۱۳ میں گزرا۔ سوم یہ کہ قبضہ مرتہن ثابت نہیں، اس کی بحث ابھی آتی ہے، قبضہ یقینا ثابت ہے، اور بالفرض نہ سہی تو اس سے کرایہ اصل میں کیوں مجرا ہونے لگا، غایت یہ کہ یہ غاصب ہو اور غاصب کہ معضوب کو کرایہ پر دے مالک کرایہ خود غاصب ہوگا نہ کہ معضوب منہ جیسا کہ ابھی گزرا، ہاں اجارہ باذن راہن ثابت ہونا درکار تھا تو یہ بھی وجہ دوم ہے کہ باطل ہے، بالجملہ اصلاً کوئی تنقیح بحق مدعیان ثبوت کا نام بھی نہیں رکھتی۔

پانزدہم: تنقیح ۷ بلاشبہہ بحق مدعیا علیہ ثابت ہے جس کا بیان ابطال دعوی کی وجہ اول

[1] غمز عیون البصائر بحوالہ البزازیہ مع الاشباہ والنظائر . الفن الثالث کتاب الرہن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۔۱۱۲

میں گزرا۔

شانزدہم: تنقیح ۸ قابل بحث نہیں، نہ اس کا ثبوت شرع کچھ نافع مدعا علیہ تھا، نہ عدم ثبوت کچھ مضر، تنقیح ۱۰ وہ قطعًا بحق مدعا علیہ ایسے قطعی ثبوت سے ثابت ہے کہ بکلائے ہل نہیں سکتا تجویز میں اس پر ایک طویل بحث ہے کہ قبضہ مرتہنہ اس کی شہادتوں سے ثابت نہیں مگر یہ بحث محض بیہودہ ودور از کار ہے شہادتوں سے قبضہ مرتہنہ کا ثبوت نہ سہی بلکہ یہ فرض کرلیجئے کہ شہادتوں سے راہن کا مرتے دم تک ان مکانوں پر قابض رہنا ثابت ہو جب بھی قبضہ مرتہنہ یقینا ثابت ہے اور ورثۃً راہن کا اس سے انکار مسموع نہیں وہ قبضہ راہن عاریۃً باجازت مرتہنہ سمجھا جائیگا جو ہرگز رہن میں مخل نہیں، وجہ یہ کہ گنیشی صراحۃً بیعنامہ میں اقرار کرتا ہے کہ "بدست نوشان بیگم بیع کیا میں نے، اور زرثمن تمام وکمال بعد صحت عقد بیع ایجاب وقبول طرفین کے مجھ بائع نے مشتریہ مذکورہ سے وصول پاکر قبض ودخل مشتریہ کیا مبیعہ مذکورہ پر کرادیا اور قبضہ ملکیت اپنی سے خارج کرلیا او مشتریہ نے بادائے کل زرثمن مجھ بائع سے قبضہ مالکانہ اپنا مبیعہ مذکورہ پر کرلیا" بعد اس اقرار قطعی کے قبضہ مرتہنہ میں کلام کی گنجائش نہ رہی، نہ اسے کوئی شہادت دینے کی اصلًا حاجت، نہ شہادت سے ثابت نہ ہونا اس ے کچھ مضر، بلکہ قبضہ راہن ثابت ہو تو وہ بھی منجانب مرتہنہ ہے۔ جواہر الفتاوٰی امام کرمانی وعقود الدریہ علامہ شامی میں ہے:

رھن دارہ واعترف بالقبض الاانہ لم یتصل بہ القبض فاذا تصادقا علی القبض والاقباض یؤخذ باقرارہ[1]۔	کسی نے اپنا مکان رہن رکھا اور مرتہن کے قبضہ کا اعتراف کیا لیکن عملًا مرتہن کا قبضہ نہ ہوا تو دونوں نے جب قبضہ لینے اور دینے پر اتفاق کرلیا تو اب راہن کے اقرار کو لیا جائیگا۔ (ت)

نیز ہر دو کتاب مذکور میں ہے:

رجل رھن دارہ والراھن متصرف فیہ حتی مات ثم اختلف المرتھن وورثۃ الراھن انہ کان مقبوضا ام لا فان اقام المرتھن البینۃ علی اقرار الراھن بالرھن و	ایک شخص نے اپنا مکان رہن رکھا اور خود راہن ہی اپنی موت تک اس میں تصرف کرتا رہا پھر مرتہن اور راہن کے ورثاء میں مرتہن کے قبضہ میں ہونے نہ ہونے کا اختلاف ہوا اگر مرتہن نے راہن کے اس اقرار پر کہ اس نے رہن رکھا اور

[1] العقود الدریۃ بحوالہ جواہر الفتاوٰی کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

التسلیم یحکم بصحۃ الرھن ودعوی فساد الرھن لاتقبل بظاہر ماکان فی ید الراھن لانہ لما حکم علیہ باقرارہ بالرھن حمل علی ان الید کانت ید العاریۃ[1]۔	مرتہن کو سونپ دیا ہے، گواہ پیش کردئے تو رہن کے صحیح ہونے کا فیصلہ دیا جائے گا، اور ظاہرًا راہن کے قبضہ کی بناء پر فساد رہن کا حکم نہ ہوگا اس کے ظاہری قبضہ کو عاریۃً قبضہ پر محمول کیا جائیگا(ت)

غرض تجویز میں ۱۲ تنقیحیں ۶ جانب مدعاعلیہامیں چار بیکار او ر۲ یقینا بحق مدعاعلیہاثابت ہفتم بحق مدعاعلیہ ودہم بحق مدعاعلیہا۔

ہفدہم: تنقیح ۹ بے معنی ہے وہ قائم کرنے ہی کی نہ تھی جس کے ثبوت یا عدم سے کسی فریق کو کچھ نفع نہ ضرر، خصوصًا مدعاعلیہا پر اس کا بار ثبوت رکھنا تو سخت عجیب تر۔ بیع مسماۃ کے نام ہوئی اس کے شوہر نے روپیہ اس کی طرف سے دیا۔ گنیشی نے زر ثمن تمام وکمال مشتریہ سے وصول پانے کا اقرار لکھا اب اس بحث کا کیا محل رہا کہ روپیہ مسماۃ کی ملک تھا یا نہیں یہ دلیل ملک ہے جو خلاف کا مدعی ہو ثبوت اس کے ذمہ ہے نہ کہ مدعاعلیہا پر، ورنہ تمام بیوع واجارات سخت دقت میں پڑجائیں ہر مشتری اور ہر مستاجر پر یہ ثبوت پیش کرنا لازم ہو کہ روپیہ اس کی ملک تھا اور یہ لازم بھی کیوں ہو، بالفرض روپیہ اس کی ملک نہ تھا دوسرے کے روپے سے باجازت یا بلااجازت اس نے خریدی تو اس سے شراء اس کا کیوں نہ رہا، قاعدہ شرعیہ ہے کہ:

الشراء اذا وجد نفاذا علی المشتری نفذ[2]، کما فی الدر المختار وغیرہ۔	خریداری جب خرید کرنے والے کے حق میں پائی جائے تو اس پر خریداری کا حکم دیا جائے گا، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لاتثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتھا من مال ابی اذلایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع	بیٹے کے اس کہنے پر کہ میں نے باپ کے مال سے خریدا ہے باپ کی ملکیت مکان پر ثابت نہ ہوگی کیونکہ باپ کے مال سے خریدنے پر یہ لازم نہیں آتا

[1] العقود الدریۃ بحوالہ جواہر الفتاوٰی کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰

للاب لانه يحتمل القرض والغصب[1]۔	کہ بیع باپ کے لئے ہوئی کیونکہ باپ کے مال کو بطور قرض یا غصب استعمال کرنیکا احتمال موجود ہے۔(ت)

ہیجدہم: تنقیح ۱۱ و ۱۲ شرعاً بیکار ہیں قانونی باتیں ہیں کہ ثابت ہوتیں تو مدعا علیہ کو قانوناً مفید تھیں، نہ ثابت ہوتیں تو اس کا کچھ ضرر نہیں، اب نہ رہی مگر تنقیح ۸، یہ قابل بحث نہیں نہ اسکا ثبوت شرعاً کچھ نافع مدعا علیہ تھا، نہ عدم ثبوت کچھ مضر۔ یہ پچاس وجوہ ہیں، تین سے دعوے باطل ہے، ۲۹ سے شہادتیں ۱۸ سے تجویز۔ اور انہیں کے ضمن میں مراتب سوال کا جواب مع زیادت کثیرہ آگیا اور حکم اخیر یہ ہے کہ فیصلہ ججی سراسر بے اصل وواجب الرد ہے اور مدعا علیہما دعوائے باطلہ مدعیان سے یکسر بری۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۳: مسئولہ حافظ محمود حسن صاحب ۲۳/ رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ

زید نے عمرو عطار کو ایک نسخہ دکھلایا کہ اس کی قیمت کیا ہے، اس نے کہا آٹھ آنے، زید نے کہا بنا دو آج تیار کردو، عطار نے کہا دو تین روز میں ہوگا، زید نے کہا تو مجھ کو بذریعہ پارسل بھیج دینا، پارسل جو بیرنگ آیا اس میں قیمت (☆☆) لکھی ہے محصول ۱۲/ بالجملہ اختلاف قیمت کے مقدار میں ہے، زید کہتا ہے ۸/ قیمت کہی گئی جس پر میں نے تیاری کے لئے حکم کیا، اور عمرو فرماتا ہے میں نے (☆☆) کہے تھے، پس قول عندالشرع کس کا معتبر ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو گواہان شرعی سے اپنا دعوٰی ثابت کردے اسی کے حق میں حکم کیا جائے گا، اور اگر دونوں طرف شہادت کافیہ ہو تو عمرو بائع کے گواہ معتبر ہونگے کہ وہ مثبت زیادت ہے اور اگر کوئی گواہان شرعی نہ دے سکے تو زید مشتری سے پہلے حلف لیا جائے واللہ میں نے عمرو سے (☆☆) کو یہ دوانہ خریدی ۸/ کو خریدی تھی، اگر مشتری قسم کھانے سے انکار کرے فیصلہ بحق بائع ہے اور، قسم کھالے تو اب بائع سے حلف لیا جائے کہ واللہ میں نے یہ دوا زید کے ہاتھ ۸/ کو نہ بیچی (☆☆) کو بیچی تھی اگر بائع حلف سے انکار کرے فیصلہ بحق مشتری ہوا اور اگر وہ بھی قسم کھالے تو چیز واپس دی جائے اور باہم وہ دونوں مل کر بیع فسخ کرلیں یا حاکم درخواست پر فسخ کردے،

فی الدر المختار اختلف المتبایعان فی	درمختار میں ہے فروخت کرنے والے اور خریدار کے

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

قدر ثمن حکم لمن برہن وان برھنا فلمثبت الزیادۃ،وان عجز اولم یرض واحد منھما بدعوی الاٰخر تحالفا وبدئ بیمین المشتری لو بیع عین بدین ویقتصر علی النفی فی الاصح و فسخ القاضی البیع بطلب احدھما او طلبھما ولاینفسخ بالتحالف ولا بفسخ احدھما بل بفسخھما بحرومن نکل منھمالزمہ دعوی الاٰخر بالقضاء اھ[1] مختصرا وفی رد المحتار فی الزیادات یحلف البائع واللہ ماباعہ بالف ولقد باعہ بالفین ویحلف المشتری باللہ مااشتراہ بالفین ولقد اشتراہ بالف[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمیان طے پانے والی رقم میں اختلاف ہوگیا تو دونوں میں سے جو بھی گواہ پیش کردے اس کے حق میں حکم ہوگا،اور اگر دونوں نے گواہ پیش کردئے تو رقم میں زیادتی والے کے حق میں فیصلہ ہوگااور اگر دونوں گواہ نہ پیش کرسکیں اور کوئی بھی دوسرے کے حق میں دست بردار نہ ہو تو دونوں سے قسم لی جائے اور قسم میں پہل مشتری سے کی جائے جبکہ یہ بیع مال کی نقد کے بدلے ہو،اور قسم نفی پر کافی متصور ہوگی اصح قول کے مطابق اور ایک یا دونوں کے مطالبہ پر قاضی بیع کو فسخ کردے،اور اگر دونوں قسم دیں تو اس سے بیع خود بخود فسخ نہ ہوگی،دونوں فریقوں میں سے ایک کے فسخ کرنے پر فسخ نہ ہوگی بلکہ دونوں کے اتفاق سے فسخ ہوگی،بحر اور دونوں میں سے کوئی قسم سے انکار کرے تو دوسرے کا دعوی قضاء لازم ہوجائیگا اھ مختصرًا۔اور ردالمحتار میں ہے کہ زیادات میں فرمایا کہ بائع یوں قسم کھائے خدا کی قسم میں نے اسکوایک ہزار میں نہیں دوہزار میں فروخت کیا ہے،اور مشتری یوں قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں نے دوہزار میں نہیں خریدی میں نے توایک ہزار میں خریدی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۴: از ریاست رامپور کھیر شرف الدین خاں مرسلہ اسمٰعیل خاں ۱۶شعبان المعظم ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ عرضی دعوی اور اظہار محمد نبی خاں اور محمد حسن شاہدین ہمرشتہ آیا شہادت دونوں گواہوں کا مطابق دعوی و مثبت دعوی ہے یا نہیں،اور دونوں شہادتیں باہم مطابق ہیں یا نہیں اور محمد نبی خاں کاایک جگہ یہ کہنا کہ مدعی نے کہاکہ ان پنج قطعات کو جس قیمت کو پرتہ سے

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی باب التحالف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۱

[2] ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب التحالف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۳۰

پڑے میں نے اپنے حق شفعہ میں لیااور مدعی عرض دعوی میں لکھاتا ہے کہ پنج میں سے جو سہام مبیعہ ازروئے پرتہ کے پڑیں گے میں نے اسی قیمت کو بحق شفعہ لئے ہر دونوں بیان مخالف ہیں یا نہیں اور یہ خلاف بیانی محمد نبی خاں کی مبطل شہادت ہے یانہیں، دوسرے محمد نبی خاں نے طلب شفعہ کرنا عندالمبیع اور موجودگی مشتری بیان کی ہے اور مدعی طلب عندالمشتری تحریر کرتا ہے آیا دونوں میں مخالفت ہے یا نہیں، اور محمد حسن کی شہادت خلاف اس سبب سے ہوسکتی ہے یا نہیں کہ بلحاظ اندراج عرضی دعوی مدعی کا طلب شفعہ کرنا نسبت سہام مبیعہ پنج قطعات مندرجہ میں سے دریافت ہوتا ہے اور شہادت محمد حسن سے بلحاظ خبر دینے علی گوہر خاں کے طلب شفعہ کرنا نسبت ایک غیر معین کے پنج قطعات مکانات سے معلوم ہوتا ہے اور نیز شہادت مذکور محمد حسن مجہول شہادت ہے اس کے بیان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ حصہ کون سے قطعہ سے ہے یا ہر ایک قطعہ سے، اور نیز یہ اعتراض کہ شاہدین کا بیان باہم مختلف ہے محمد نبی خاں طلب شفعہ کرنا نسبت مجموعہ پنج قطعات مکانات کے اور محمد حسن خاں طلب شفعہ نسبت ایک حصہ کے بیان کرتا ہے شرعاً عائد ہوسکتا ہے یانہیں؟ **فقط۔**

اور کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے اپناایک سہم منجملہ دس سہام چھ قطعات مکانات سے جو اس کو وراثۃً پہنچا تھا بدست بکر بیع کیا عمرو نے نسبت پانچ مکانات کے کہ عمرو کا شفعہ انہیں پانچ قطعات میں تھا طلب مواثبت واشہاد کرکے دعوی دائر عدالت کیا، اب سوال یہ ہے کہ بوجہ تفریق صفقہ یہ دعوی جائز ہوگا یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

اور کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ مکان مذکورہ میں دسواں حصہ زید کا تھا وہ اس نے بدست بکر بیع کیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض شاہد نے دسواں حصہ بیع کرنا بیان کیا اور بعض نے یہ کہا زید نے اپنے حصص چھ قطعہ مکانات سے گویا ہر ایک قطعوں میں دس دس سہام قرار دے کر ایک ایک سہم کا بیع کرنا اور طلب شفعہ کرنا بیان کیا یہ اختلاف موجب سقم شہادت ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

کاغذات نظر سے گزرے، ابحاث فقہی پر یہاں سے کچھ کہنا ہے مگر نہ تفصیل کی فرصت نہ تطویل کی ضرورت، لہٰذا چند اجمالی جملوں اشعاری اشاروں پر قناعت عرضی دعوی میں محمد اسمٰعیل خان بنام محمد اکبر خاں دعوی دہانید، ایک ایک سہام منجملہ دس دس سہام از پنج منزل مکانات مندرجہ بیع نامہ بحق شفعہ محدودات ذیل واقع رامپور گھیر شرف الدین خاں حسب مرسوم عام محاکم زمانہ دعوی تامہ واضحہ ہے جس میں نہ کوئی ابہام منافی صحت، نہ بیان شاہدین کو اس سے مخالفت، آگے بیان تفصیل میں یہ لفظ حکایات طلب میں

واقع ہوئے کہ پنج قطعہ مکانات میں سے جو سہام مبیعہ ازروئے پرتے کے پڑیں گے میں نے اسی قیمت کو بحق شفعہ خود لئے اسے وجہ مخالفت دعوی و شہادت ٹھہرایا ہے حالانکہ یہ دعوی نہیں حکایت الفاظ طلب ہے اور اس میں بھی جو ابہام واقع ہوا ایک ہی سطر بعد اسے واضح کردیا ہے کہ فدوی سہام مبیعہ پر پنج قطعات میں سے مدعا علیہ سے بدون قیمت اصلی ازروئے پرتہ کے بحق شفعہ کے طلب کرتا ہے کھل گیا کہ پرتہ ناظر بقیمت ہے نہ کہ ناظر بہ سہام، مع ہذا یہاں ابہام سہام تعیین دعوی و طلب کے منافی ہی نہیں تعین دو قسم: تعین ذات کہ شیئ فی نفسہٖ محدود و مفرز و متمیز ہو، اور تعین قدر کہ اگرچہ مشاع و مخلوط ہے، مگر اس کی مقدار معلوم و معہود ہے۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ شے مشاع میں تعین دوم ہوسکتا ہے تعین اول بے دفع شیوع ناممکن ہے اور بیع صرف تعین ثانی چاہتی ہے، نہ تعین اول کہ بیع مشاع جائز بالاجماع، اور شفعہ مبیع پر اسی حیثیت موجودہ سے وارد ہوگا مفرز ہے تو مفرز اور مشاع ہے تو مشاع شیوع جب کہ مانع بیع نہیں، مانع طلب و دعوی شفعہ بھی نہیں **وکل ذٰلك واضح جلی عند کل طالب فضلا عن عالم** (یہ طالب علم پر واضح اور روشن ہے چہ جائیکہ جو فاضل ہو۔ت) مدعی نے ازروئے پرتہ تو باعتبار ثمن کہا اور جو سہام کا ابہام بنظر ابہام ذات رکھا کہ مشاع ضرور مبہم الذات ہوتا ہے نہ کہ بنظر ابہام قدر بلکہ خود اس کا تعین لفظ مبیعہ سے بتادیا کہ بیع نہ ہوئی مگر معلوم القدر کی، پھر دعوی شہادت میں تخالف کدھر سے آیا، غایت یہ کہ شہود نے ابہام ذات کا جداذکر نہ کیا، نہ اس کی حاجت تھی کہ وہ شیوع سے مستفاد۔ اظہار محمد نبی خاں میں کہیں نہیں کہ مدعی نے مکانات مبیعہ کے پاس جاکر شفعہ طلب کیا بلکہ لکھا ہے کہ فورًا مدعی نے کہا کہ ان پنج قطعات کو (اشارہ مدعی نے کیا تھا) میں نے شفعہ لیا اس وقت عبدالرحمٰن خاں بھی موجود تھا اس کی موجودگی میں یہ سب گفتگو ہوئی تو صاف طلب عندالمشتری بتاتا ہے نہ کہ عند المبیع۔ کیا فقط اشارہ اگرچہ دور سے ہو عندیت ہے اس نے تو آگے چل کر اور صاف تر کہا ہے کہ اسمٰعیل خاں نے زیر درخت نیب سڑک پر کھڑے ہو کر طلب شفعہ کیا مکانات متنازعہ متفرق ہیں جہاں طلب شفعہ کیا تھا اس جگہ سے سب مکانات دکھتے تھے مدعی نے کل مکان کی جانب اشارہ کیا تھا اور بالفرض اس بیان سے طلب عندالمبیع بھی ثابت ہو تو کیا طلب عندالمشتری کی اس میں صریح تصریح نہیں پھر بیان مدعی و شاہد میں کیا تخالف ہوا۔ کیا مدعی کے کلام میں کوئی حرف طلب عندالمبیع سے انکار ہے یا طلب عندالمشتری بے طلب عندالمبیع یا دونوں اجتماع مسقط شفعہ ہے یا ذکر اول بے ذکر ثانی مخل دعوی ہے یا عندالمبیع طلب میں حق زیادہ ملتا عندالمشتری طلب میں کم ہوجاتا ہے پھر اسے شہادۃ علی الزیادۃ سے کیا علاقہ، یا عدم ذکر و ذکر عدم میں

فرق نہ کرنے کا منشا کیا ہے۔ شہادت محمد حسن پر جملہ اعتراضات اس کا تمام کلام نہ دیکھنے سے ناشی اس کی صدر عبارت یہ ہے: علی گوہر خاں نے کہا اکبر خاں نے دس حصوں سے ایک حصہ چھ قطعہ مکانات میں سے دولھا خاں کے ہاتھ بیچا ہے اس پر فوراً اسمٰعیل خاں نے کہا ان پنچ قطعات مکانات میں سے (مکانات کی جانب اشارہ کیا) جس قیمت کو وہ پڑتے میں آئے میں نے شفعہ میں لیا ایک حصہ کہنے سے ضرور یہ معنی بھی محتمل کہ مجموع مکانات سے صرف ایک حصہ بیع ہوا اب نہیں معلوم کہ وہ حصہ کس مکان کا ہے تو اس خبر پر جو طلب ہوئی طلب مجہول ہوئی اور اب یہ یہاں بیان مدعی و بیان شاہد دیگر سب کے خلاف ہوا، مگر اتفاقاً اس عبارت سے یہ بھی محتمل کہ ہر مکان کے دس حصوں سے ایک ایک حصہ بیع ہو اور وہی مدعی نے طلب کیا ایک ایک میں سے ایک ایک کا حذف کر دینا مستبعد نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ "[1] ای بین احد واحد۔	ہم رسولوں میں سے کسی ایک کا فرق نہیں کرتے یعنی اللہ تعالٰی کے رسولوں میں ہر ایک ایک میں فرق نہیں کرتے۔ (ت)

عبارت مظہر صرف اسی قدر ہوتی جب بھی اسے مخالف بیان مدعی و بیان گواہ آخر کہنا ٹھیک نہ تھا غایت یہ کہ بوجہ احتمال ناکافی ہوتی مگر محمد حسن خاں نے صرف اسی قدر بیان نہ کیا بلکہ آگے چل کر مطلب صراحۃً کھول دیا جس سے وہ احتمال اٹھ گیا اور کلام بلاشبہ بیان مدعی و شاہد آخر کے مطابق ہو گیا وہ کہتا ہے سوا ایک ایک سہام مبیعہ کے باقی جملہ مکانات میں سے نو نو سہام اسمٰعیل خان وغلام جعفر خان کے ہیں یہ دعوی اسمٰعیل خاں نے پنچ قطعات میں سے ایک ایک سہام مبیعہ کا کیا ہے، ان تصریحات کے بعد اعتراضات ابہام و جہالت و مخالفت مدعی و مخالفت شاہد سب خلاف انصاف ہیں۔ شفعہ میں تفریق صفقہ مضر نہیں جبکہ مدعی کا حق صرف بعض مبیع میں ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

لون کان شفیعا لاحدھما یاخذ التی ھو شفیعھما اتفاقا لان الصفقة وان اتحدت فقد اشتملت علی ما فیه الشفعة وعلی مالیست فیه	اگر دو رقبوں میں سے ایک میں شفعہ رکھتا ہو تو بالاتفاق اس رقبہ کو ہی لے سکے گا جس میں اس کو شفعہ کا حق ہے، سودا اگرچہ ایک ہے مگر اس کا ایک حصہ شفعہ والا ہے اور دوسرا حصہ

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

فحکم بھا فیما تثبت فیہ اداء لحق العبد کذا فی درر البحار وشرح المجمع [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	شفعہ والا نہیں ہے تو جس حصہ میں شفعہ ہے اس میں شفعہ کا حکم کیا جائے گا تاکہ بندے کا حق ادا ہوسکے۔درر البحار اور شرح المجمع میں یونہی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۵: از ریاست رامپور جولوں والی املی مسئولہ سید محمد شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹران اسپ در بریلی غرہ شعبان ۱۳۳۰ھ
علمائے کرام سے سوال ہے کہ جو اقرار نسبت بیع کسی شے کے محکمہ رجسٹری میں روبرو ایسے رجسٹرار کے جو فقیہ متقی اور قاضی شہر بھی ہو بمعہ گواہان حسب قاعدہ کرکے تصدیق کرادے،اس کے خلاف بعد اس کے انتقال کے اس کے ورثہ شرعًا یہ کہنے کے مجاز ہیں کہ وہ اقرار غیر صحیح اور فرضی تھا یا نہیں،اور ان کا یہ قول شرعًا معتبر ہوگا یا کیا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ان کا قول معتبر نہیں بلکہ مشتری کہ بیع فرضی ہونے کا منکر ہے اس کا قول معتبر ہے،وارثان بائع کو گواہان شرعی عادل ثقہ سے ثبوت دینا ہوگا کہ بیع فرضی تھی اگر ثبوت دے دیں فبہا ورنہ مشتری سے حلف چاہیں تو اس سے قسم لی جائے اگر وہ قسم کھالے کہ بیع فرضی نہ تھی تو ورثاء کا دعوی فرضیت رد کردیا جائیگا اور بیع ثابت رہے گی،اور اگر مشتری قسم کھانے سے انکار کردے تو بیع فرضی ثابت ہوگی اور مشتری کو مبیع پر دعوی نہ رہے گا۔جامع الفصولین وطحطاوی وردالمحتار میں ہے:

اقرومات فقال ورثتہ انہ اقر تلجئۃ حلف المقرلہ باللہ لقد اقرلك اقرارا صحیحا [2]۔	اقرار کرکے فوت ہوگیا تو اس کے وارثوں نے کہا کہ میت کا یہ اقرار فرضی تھا اس صورت میں مقرلہ یعنی جس کے حق میں اقرار ہے سے قاضی حلف لے کہ کیا تیرے حق میں اسکا اقرار صحیح تھا۔(ت)

پھر ورثاء بائع اگر صرف اس مضمون کی گواہی دیں کہ قبل بیع بائع ومشتری میں قرارداد ہولیا تھا کہ ہم فرضی

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۷

[2] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۸

بیع کرینگے تو یہ شہادت کافی نہیں کہ ممکن کہ اس قرار داد کے بعد پھر بیع قطعی پر راضی ہولئے ہوں، توجب تک بعد بیع فریقین متفق نہ ہوں کہ بیع اسی قرار داد فرضی پر ہوئی صرف ایک فریق کے کہنے سے فرضی نہ مانی جائے گی۔ یونہی اگر یہ گواہی دیں کہ بعد بیع بائع نے کہا تھا کہ میں نے بیع فرضی کی تو یہ بھی کافی نہیں کہ خود بائع اگر موجود ہوتا اور یہ ادعا کرتا مسموع نہ ہوتا جب کہ مشتری اسے تسلیم نہ کرتا خصوصًا جب کہ پیش از بیع قرار داد فرضی کا ثبوت نہیں، ہاں اگر بعد بیع مشتری کے اقرار فرضیت کو گواہان ثقہ عادل سے ثابت کریں تو مشتری پر حجت ہوگا۔ درمختار میں ہے:

لو ادعی احدھما بیع التلجئة وانکر الأخر فالقول لمدعی الجد بیمینه ولو برھن احدھما قبل ولو برھن فالتلجئة[1]۔	اگر ایک نے فرضی بیع کادعوی کیااور دوسرے نے فرض ہونے کا انکار کیا تو صحیح بیع کہنے والے کی بات اس سے قسم لے کر تسلیم کی جائے گی، اور اگر دونوں میں سے ایک نے گواہی پیش کی تو قبول ہوگی اور اگر دونوں نے گواہی پیش کی تو پھر فرض کہنے والے کی گواہی معتبر ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله لو برھن احدھما الاظھر قول الخانیة لو برھن مدعی التلجئة قبل لان مدعی الجد لایحتاج الی برھان لان البرھان یثبت خلاف الظاھر[2]۔	اس کا قول کہ "اگر ایک گواہی پیش کرے تو قبول ہوگی" کا مطلب بقول خانیہ اظہر یہ ہے کہ وہ گواہی والا فرضی بیع کا مدعی ہو تو قبول ہوگی کیونکہ صحیح بیع کے مدعی کو دلیل کی ضرورت نہیں اس لئے کہ دلیل سے خلاف ظاہر کو ثابت کیا جاتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی المنار فان تواضعا علی الھزل باصل البیع واتفقا علی بناء العقد علی المواضعة یفسد	منار میں ہے کہ دونوں فریق اصل بیع کے فرضی ہونے پر متفق ہوئے اور دونوں سودے کے وقت بھی اسی فرض ہونے پر متفق رہے تو بیع

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۵

البیع فلا یملك بالقبض وان اتفقا علی الاعراض بان قالا بعد البیع اعرضنا وقت البیع عن الھزل الی الجد فالبیع صحیح والھزل باطل وان اختلف فی البناء علی المواضعۃ والاعراض عنھا فالعقد صحیح عندہ خلافا لھما فجعل صحۃ الایجاب اولٰی لانھا الاصل وھما اعتبر المواضعۃ الاان یوجد ماینا قضھا کما اذا اتفقا علی البناء [1] انتھی مختصرا۔اقول:ولا یذھب عنك ان قولھما فی ماعلم تقدم تواضعھما علی الھزل فالمواضعۃ الثابتۃ باتفاقھما لاتزول بادعاء احدھما الاعراض عندھما وھو الذی رجحہ المحقق فی التحریر بخلاف ماذا عقدا عقدا ثم ادعی احدھما المواضعۃ فلا تقبل اتفاقا مالم یبرھن لانہ یسعی فی نقض ماتم من جھتہ [2] اھ من حاشیتنا علی ردالمحتار۔	فاسد ہوگی اور قبضہ کے باوجود مالک نہ ہوں گے اور اگر انہوں نے اپنے طے شدہ سے اعراض کرتے ہوئے سودے کے صحیح بیع کاارادہ کرلیااور دونوں نے بیع کے بعد کہا کہ ہم نے سودے کے وقت طے شدہ فرضی کے بجائے قطعی بیع کرلی تھی تو بیع صحیح ہوگی اور فرض و مذاق باطل قرار پائیگا،اور اگر اس معاملہ میں اختلاف ہوجائے کہ طے شدہ کی بجائے صحیح اور قطعی بیع کا ارادہ کیا تھا یا نہیں تو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک بیع صحیح قرار دی جائے گی،صاحبین کا اس میں خلاف ہے،امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیع کی صحت کو ترجیح دی کیونکہ بیع میں اصل صحت ہے،اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے دونوں کے طے کردہ کو اس وقت تک معتبر قرار دیا جب تک اس کا مناقض نہ پایا جائے جس طرح کہ طے کردہ پر بنا کرنا پایا گیا ہے اھ مختصراً،میں کہتا ہوں یہ بات پیش نظر رہے کہ صاحبین رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک دونوں کا باتفاق طے کردہ فرضی منصوبہ ایک فریق کے اعراض سے ختم نہ ہوگا کیونکہ وہ دونوں کا طے کردہ ہے،اسی کو محقق صاحب نے تحریر میں ترجیح دی ہے اس کے برخلاف وہ صورت کہ دونوں نے مطلق سودا کرلیا،پھر ایک یہ کہے کہ ہم نے فرضی طے کیا تھا تو اسکی بات بالاتفاق قبول نہ کی جائیگی کیونکہ وہ اپنی تام کی ہوئی بیع کو ختم کرنا چاہتا ہے الایہ کہ وہ اس پر گواہ پیش کرکے اس کو ثابت کردے۔ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ کی عبارت ختم ہوئی۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۵

[2] جدالممتار علی ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف

درمختار میں ہے:

اقر بمال فی صك واشهد علیه به ثم ادعی ان بعض هذا المال ربا علیه فان اقام علی ذٰلك بینة تقبل، وان کان متناقضا لانا نعلم انه مضطر الی هذا الاقرار شرح وهبانیة وحرر شارحها الشرنبلالی انه لایفتی بهذا الفرع لانه لا عذر لمن اقر، غایته ان یقال بانه یحلف المقر له علی قول ابی یوسف المختار للفتوی فی هذه ونحوها[1] اھ **قلت** وبه جزم المصنف۔	ایک شخص نے رسید میں درج مال کا اقرار کیا اور اس پر گواہی پائی گئی پھر اقرار کرنیوالے نے دعوی کردیا کہ اس میں سے کچھ مال مجھ پر سود ہے اگر اس نے اس دعوی پر گواہ پیش کردئے تو یہ شہادت قبول کی جائیگی اگرچہ یہ دعوی اس کے اقرار سے مناقض ہے کیونکہ ہمیں واضح طور پر معلوم ہے کہ اس کو اس اقرار کے بغیر چارہ نہیں تھا شرح وہبانیہ میں جس کو اس کے شارح شرنبلالی نے تحریر کیا ہے کہ اس پر فتوی نہ دیا جائے کیونکہ اقرار کرنے والے کو کوئی عذر نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہ جس کے حق میں اس نے اقرار کیا ہے اس سے قسم لی جائے امام ابویوسف کے قول پر جو کہ اس جیسے مسئلہ میں فتوی کے لئے مختار ہے۔ **میں کہتا ہوں** اسی پر مصنف نے جزم فرمایا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں نورالعین سے ہے:

فی دعوی التلجئة یدعی الوارث علی المقرله فعلاله وهو تواضعه مع المقر فی السر فلذا یحلف[2]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	فرضی بیع کے دعوی میں مقرلہ کے خلاف وارثوں کا دعوی ہوجاتا ہے کہ اس نے اقرار کرنیوالے سے خفیہ سمجھوتہ کیا ہے اس لئے اس سے قسم لی جائیگی۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۴۶ تا ۱۴۹: از ریاست رامپور مرسلہ سید صاحب موصوف غرہ شعبان ۱۳۳۰ھ

استفتاء بخدمت فضائل منزلت اعلیحضرت مولانا المولوی حافظ حاجی احمد رضاخاں صاحب عم فیضہم!

ہندہ نے بنام سعیدالنساء وغیرہ پانچ کس ورثاء زید دخلیابی مکان کو یوں دعوی کیا کہ ہندہ نے

---

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

[2] ردالمحتار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۸

مکان متنازعہ زید سے خریدا ہے زید فوت ہوگیا ہے ورثاء زید مکان پر قابض ہیں، دخل دلایا جائے، مدعا علیہم کو بیعنامہ مکان مذکور کا تصدیق کرادینا تسلیم ہے مگر کہتے ہیں کہ بیع فرضی ہوئی تھی، زید نے سعید النساء اپنی زوجہ کے دین مہر اور نان نفقہ کے خوف سے بیعنامہ فرضی کردیا تھا زر ثمن کا دادوستد نہیں ہوا نہ مدعیہ کا قبضہ مکان متنازعہ پر ہوا، مدعیہ کی جانب سے پانچ مرد اور چار عورتوں نے قطعیت بیع اور زر ثمن ادا کرنے کی بابت شہادت دی ہے، مگر عدالت نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ صرف دو گواہ مدعیہ کی طرف سے پیش ہوئے ہیں ان کی شہادت خلاف قیاس ہے اور مستور ہونے کے سبب ناقابل التفات خلاف قیاس ہونے کی اور بھی وجوہ لکھی ہیں جو نقل فیصلہ میں مذکور ہیں یہ نقل فیصلہ ملاحظہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے اب سوال یہ ہے:

(۱) بیع فرضی ہونے کے لئے شرعاً کچھ شرائط ہیں، محض اس قدر شہادت دلوادینے سے کہ عاقدین نے بیع کے بعد اقرار فرضی ہونے کا کیا تھا بیع فرضی ثابت ہوجائیگی، جن جن گواہوں نے یہ شہادت دی ہے ان کو عدالت نے خود مستور الحال لکھا ہے لیکن بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جن کو اپنی سزایابی سابقہ اور بالفعل اپنی داڑھی منڈوانا تسلیم ہے۔

(۲) جو وجوہ شہادت مدعیہ کی نسبت عدالت نے خلاف قیاس ہونے کے لکھے ہیں کیا وہ شرعاً ایسے ہیں جن سے شہادت ناقابل تسلیم ہوجائے۔

(۳) کیا قاضی کا یہ فعل اس کے فیصلہ پر مؤثر ہوگا کہ بجائے چھ مرد اور چار عورتوں کے صرف دو کا پیش ہونا اپنے فیصلہ میں ظاہر کرے حالانکہ مسل میں سب کے بیان موجود ہیں۔

(۴) کیا ایسا فیصلہ حاکم مرافعہ کی عدالت میں شرعاً قابل بحالی ہوسکتا ہے؟

نقل فیصلہ اور نقول بیانات گواہان فریقین عدالت سے باقاعدہ حاصل کرکے پیش کئے جاتے ہیں جواب مرحمت ہو۔ **والاجر عنداللہ۔**

الجواب:

جواب سوال اول

فیصلہ واظہارات فریقین تمام وکمال ملاحظہ ہوئے تنقیحات فقہیہ کے اعتبار سے تو یہاں بہت کہنا ہے مگر بتوفیقہ تعالٰی چند مختصر افادات پر اقتصار کریں کہ بعونہ تعالٰی اظہار صواب وایضاح جواب کے لئے اسی قدر بس ہے۔

(۱) اس مقدمہ میں فریقین کو اتفاق ہے کہ زید یعنی سید صادق شاہ نے مکان متنازع فیہ کا

بیع نامہ اپنی بھاوج ہندہ یعنی فاطمہ بیگم کے نام کیا اور اس کی رجسٹری کرادی، حاکم شہر قاضی مفتی فقیہ متقی نے اسکی تصدیق فرمائی اختلاف جدوہزل میں ہے یعنی آیا یہ بیع صحیح قطعی تھی یا محض نمائش فرضی، سعیدہ بیگم زوجہ وغیرہا پانچ کس ورثائے سید صادق شاہ فرضی بتاتے ہیں اور فاطمہ بیگم مشتریہ قطعیہ اس صورت میں شرعًا سعیدہ بیگم وغیرہا مدعی ہیں کہ ایک امر ظاہر الثبوت کا مٹانا چاہتے ہیں اور فاطمہ بیگم مدعا علیہا کہ اس کا بیان موافق ظاہر ہے لہٰذا بار ثبوت سعیدہ بیگم وغیرہا پر ہے فاطمہ کو اصلًا کسی گواہ کی حاجت نہیں اس کا صرف زبانی بیان قسم کے ساتھ معتبر ہے۔ درمختار میں ہے:

لو ادعی احدھما بیع التلجئة وانکر الاخر فالقول لمدعی الجد بیمینه [1]۔	ایک فریق کا دعوی ہے کہ بیع فرضی ہے دوسرا منکر ہے تو صحیح بیع کے مدعی کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

مدعی الجد لایحتاج الی برھان لان البرھان یثبت خلاف الظاہر [2]۔	قطعی ہونے کی مدعی کو دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ دلیل خلاف ظاہر کو ثابت کرتی ہے۔ (ت)

تو فاطمہ بیگم پر بار ثبوت رکھنا اور اس کے گواہوں سے بحث اور ان پر اعتراض سب بلاوجہ وبیکار وخلاف ضابطہ فقہیہ ہے۔

(۲) ورثائے صادق شاہ کو بیع فرضی ثابت کرنے کے لئے صرف دو گواہ ثقہ متقی عادل شرعی اس مضمون کے دینا کافی کہ بعد بیع نامہ فاطمہ بیگم نے ہمارے سامنے اقرار کیا کہ یہ بیع میرے نام فرضی ہوئی ہے، اس کے سوانہ اور کچھ شرائط درکار، نہ اور کسی بیان سے ان کو نفع۔

اب ہم گواہان ورثہ پر نظر کرتے ہیں ان کی طرف سے بانکے میاں، چھٹن میاں، سید مجیب شاہ، حاجی محمد رضاخاں، شاہنواز خاں، نیاز احمد خاں، محمد یوسف خاں، بناخاں، سید محمد شاہ نو مرد اور صغری وعجوبہ دو عورتیں، جملہ گیارہ گواہ پیش ہوئے، ان میں یوسف خاں کا بیان تو اتنا ہے کہ یہ مکان میاں صادق شاہ کا تھا وہ اس میں مرتے دم تک رہے، پچھلے فقرہ سے اگر ثابت ہے

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۵

تو اتنا کہ فاطمہ بیگم کا قبضہ نہ ہوا، پھر بیع کے لئے قبضہ کیا ضرور، بیع ہبہ نہیں کہ بے قبضہ تمام نہ ہو، اور پہلے فقرہ سے فاطمہ بیگم کو بھی انکار نہیں جب وہ صادق شاہ سے خریدنا بتاتی ہے تو خود مقر ہے کہ مکان صادق شاہ کا تھا پھر اس سے کیا ثابت ہوا، اس گواہ نے یہ بھی کہا ہے کہ سننے میں آیا کہ انہوں نے بھاوج کے نام مکان کر دیا یہ اگر سماع نہ ہوتا تو فاطمہ بیگم کا کچھ مؤید ہوتا، مشہود لہم یعنی ورثہ کو اس سے کچھ فائدہ نہیں، بناخاں اور سید محمد شاہ کی گواہیاں یہ ہیں کہ مکان متنازعہ میاں صادق شاہ کا ہے یہ صریح غلط و باطل ہے، سید صادق شاہ کا انتقال ہوگیا اور میت کسی شے کا مالک نہیں تو اب مکان ان کا کسی طرح نہیں، غرض "ہے" کہنا تو یوں باطل ہے اور "تھا" کہنے سے دم مرگ تک ان کی ملک رہنا ثابت نہیں کہ انتقال بیع کا منافی ہو، لہٰذا یہ تینوں شہادتیں محض مہمل ہیں بلکہ بالفرض اگر ان کے بیان یوں ہوتے کہ یہ مکان سید صادق شاہ کا تھا دم مرگ تک وہی اس کے مالک رہے اور وقت انتقال اسے اپنے وارثوں کے لئے میراث چھوڑا جب بھی مفید نہ ہوتے کہ اس شہادت کا مبنی استصحاب ہوتا یعنی ان کی ملک معلوم تھی اور انتقال تک بیع پر علم نہ ہوا لہٰذا اپنے علم کی بنا پر تادم مرگ ان کی ملک کہا مشتریہ نے جب کہ بیع تامہ مصدقہ و مسلمہ فریقین سے انتقال ثابت کر دیا وہ گواہیاں بے سود ہو گئیں۔ جامع الفصولین میں ہے:

ادعی دارا انی اشتریتہ من ابیك و برھن ذوالید انہ ملك ابیہ الی یوم موتہ و مات و ترکہ میراثا لاتقبل بینتہ لانھم شھدوا باستصحاب الحال والمدعی اثبت الزوال[1]۔	ایک شخص نے یہ دعوی کیا کہ یہ مکان میں نے تیرے والد سے خریدا ہے اور قابض نے گواہ پیش کردئے کہ یہ مکان میرے والد کی موت تک اس کی ملک رہا ہے اور اس نے اپنی موت پر اس کو بطور میراث چھوڑا ہے تو قابض کی طرف سے یہ گواہی قبول نہ کی جائے گی کیونکہ گواہوں کی یہ شہادت استصحاب حال کی بنا پر ہے جبکہ مدعی اس سابقہ ملکیت کے زوال کو ثابت کر رہا ہے۔ (ت)

نیاز احمد خاں فقط اتنا کہتا ہے اور وہ بھی اہل محلّہ سے سنا ہوا کہ صادق شاہ اور ان کی بی بی میں نااتفاقی تھی پھر اس سے کیا ہوا۔ حاجی محمد رضا خاں بھی نااتفاقی کا گواہ ہے اور یہ کہ جب بی بی کا نان نفقہ مقرر ہوا صادق شاہ نے نوکری چھوڑ دی پھر اس سے بیع کیونکر فرض ہو گئی دنیا میں لاکھوں

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۰

آدمی اپنی عورتوں سے ناراض ہوتے ہیں کیا اس سے ان کے تمام انتقالات فرضی ٹھہر جاتے ہیں۔ یہ پانچوں فیصلہ میں اصلاً قابل ذکر بھی نہ تھیں ہاں مذکور ہوتیں تو اس طرح کہ فلاں فلاں اظہار محض مہمل و بیکار ہیں۔

(۳) شاہنواز خاں نے بیعنامہ فرضی ہونے کی گواہی دی مگر اس طرح کہ مظہر سے صادق شاہ نے خود اقرار فرضی ہونے کا کیا تھا، اس سے ہر گز فرضی ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ تو اقرار بائع کا گواہ ہے، اگر خود صادق شاہ بعد تحریر و تصدیق بیعنامہ دعوی کرتا کہ میں نے تو محض فرضی بیع نامہ کر دیا ہے کیا قابل سماعت ہوتا، ورنہ ہر شخص بیع کرکے پھر جائے اور اس کے فرضی کہہ دینے سے بیع فرضی ٹھہر جائے یہاں اقرار مشتری کا درکار تھا بائع کا اقرار اقرار نہیں بلکہ دعوی ہے کہ بے گواہان ہر گز مقبول نہیں بلکہ اکثر صورتوں میں اس کے گواہ بھی مسموع نہیں کہ بیع کرکے فرضیت کا ادعا تناقض ہے اور تناقض والے کا دعوی سنا نہیں جاتا۔ در مختار میں ہے: **لاعذر لمن اقر**[1] (اقرار کرنے والے کا عذر معتبر نہیں۔ت) اشباہ وغیرہ میں ہے:

من سعی فی نقض ماتم من جهته فسعیه مردود علیه[2]۔	جو شخص ایسی کارروائی کو ختم کرنے کی کوشش کرے جو اس کی طرف سے تام ہوئی ہے تو اس کی یہ کوشش مردود ہوگی۔ (ت)

لہٰذا یہ شہادت بھی ساقط محض ہے۔

(۴) اب رہے تین مرد اور دو عورتیں جن کے بیان میں فاطمہ بیگم کی طرف سے فرضی کا لفظ آیا ہے اگرچہ محض بے علاقہ اس کا حال یہ ہے کہ ان میں عورتوں کی گواہی تو صرف ہوا پر ہے جسے انہوں نے محل تنازع سے اصلاً متعلق نہ کیا، پہلے اتنا تو کہا کہ یہ مکان صادق شاہ کا ہے اس کا حال اوپر سن چکے کہ یہ شہادت باطلہ بلکہ کاذبہ ہے اور قرینہ کی ہوتی جب بھی نامسموع تھی، آگے چل کر انہوں نے میاں بی بی اور ساس داماد کا جھگڑا بیان کرکے صرف اتنا کہا کہ صادق شاہ نے آکر فرضی کاغذ اپنی بھاوج فاطمہ بیگم کے نام کر دیا، کس چیز کا کاغذ کر دیا، کیا کاغذ کر دیا، مکان یا دکان یا کچھ اسباب، یا کیا، فرضی بیع کر دیا یا ہبہ یا رہن یا اجارہ یا کیا، اس کا کچھ پتا نہیں، پھر کہتی ہیں ہم نے فاطمہ بیگم سے پوچھا تو اس نے کہا کہ

---

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

[2] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۷۰

بوجہ اپنی بی بی کے ہمارے نام فرضی بیعنامہ کر دیا ہے بیچا نہیں ہے یہاں سوال دوم کا جواب تو کھلا ہے کہ ہبہ رہن اجارہ نہیں بلکہ بیعنامہ کیا مگر سوال اول کا جواب اب بھی محض غائب، کچھ نہ کہا کہ مکان کا بیعنامہ کیا ہے یا دکان کا یا اسباب یا کاہے کا، ایسی گول ناصاف، مجمل، مہمل باتیں گواہی میں سن لینا کس شریعت کا حکم ہے حاشا وکلا۔ اس کے جواب میں اگر فاطمہ بیگم کہے کہ صغیری وعجوبہ سچ کہتی ہیں صادق شاہ نے ایک گھوڑے کا بیعنامہ فرضی میرے نام کر دیا تھا بیچا نہ تھا میں عورت ذات گھوڑا لے کر کیا کرتی میں نے اس بیعنامہ کا ان سے ذکر کیا تھا، تو یہ گواہ یا انہیں پیش کرنے والے ورثاء یا انہیں قبول فرمانے والے اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔

(۵) اب باقی مردوں کی سنئے ان میں چھٹن میاں علاوہ اور وجوہ کے خود کہتا ہے کہ جب سے ہوش سنبھالا ہے جب سے داڑھی منڈاتا ہوں کبھی کھونٹی بھی آنے ہی نہیں دی تو باقرار خود فاسق معلن بلکہ فسق بالاعلان پر مصر ہے ایسے شخص کی گواہی اگر ایک کوڑی کے معاملہ پر ہو مردود ہے پھر اس کا بیان بھی ساختہ ہونے کا شبہہ دلاتا ہے جیسا کہ ملاحظہ ظاہر سے واضح ہے۔

(٦) رہ گئے بانکے میاں اور سید مجیب شاہ، ان دونوں نے اگرچہ بیعنامہ مکان فرضی ہونے نسبت فاطمہ بیگم کا اقرار بیان کیا مگر اول سے آخر تک سارے اظہار میں کچھ پتہ نہیں کہ کس کا گھر یہاں تک کہ مکان متنازعہ کا بھی کہیں لفظ نہیں، ہاں بانکے میاں نے اتنا کہا ہے کہ نشاندہی محلّہ پر کرادونگا اور سید مجیب شاہ نے یہ کہ مکان بنادوں گا، دونوں نے بتایا یا نہیں، اور بتایا تو کیا بتایا، کیا لفظ کہے، وہ کہاں تک کافی تھے پھر ان دونوں گواہوں کو بھی ذی علم مجوز نے مستور لکھا ہے اور وہ فاسق معلن مصر کو بھی مستور لکھتے ہیں معلوم نہیں کہ یہ مستور کس معنی پر ہیں اگر ویسے ہی مستور ہوئے جب تو ظاہر ہے اور اگر حقیقۃً مستور الحال ہوئے تو مستور کی گواہی بھی مردود ہے مگر یہ کہ دلائل واضحہ سے اس کے صدق پر غلبہ ظن حاصل ہو اور یہاں انکے صدق پر کوئی دلیل مفید ظن بھی نہیں غلبہ ظن تو بڑی چیز ہے تجویز میں ان پر اعتماد کرنا تھا تو واجب ہوتا کہ ان کے صدق کے غلبہ ظن پر واضح دلائل قائم فرماتے مگر کوئی دلیل نہ دی محض ان کے بیان کا حوالہ دیا کہ ان کی شہادتوں سے فرضی ہونا بخوبی ثابت ہے یہ ہرگز قابل قبول نہیں بلکہ دلائل صدق درکنار ذی علم مجوز نے جو دلائل رد گواہان فاطمہ بیگم کے لئے تحریر فرمائے بعینہا ان گواہوں میں جاری ہیں، جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا تو غایت یہ کہ دونوں شقیں محتمل ہو کر صدق وکذب مساوی رہے اور اس صورت میں شہادت مستورین ہرگز مقبول نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

فان لم یغلب علی ظن القاضی صدقه بان	اگر قاضی کو اس کی سچائی کا ظن غالب نہ ہو بلکہ اس کے

غلب کذب عنه او تساویا فلا یقبلھا ای لایصح قبولھا اصلا[1]۔	کذب کا ظن ہو یا دونوں پہلو مساوی جانتا ہو تو اس کی شہادت کو قبول نہ کرے یعنی اس کا قبول کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔(ت)

لاجرم ظاہر ہوا کہ ورثائے بائع بیع فرضی ثابت نہ کرسکے اور اس مقدمہ میں صرف اتنا ہی دیکھنا تھا اس کے علاوہ باقی سب بحثیں زائد و دور از کار ہیں۔

جواب سوال دوم

(۱) ہم اوپر ثابت کر آئے فاطمہ بیگم اس مقدمہ میں اصلاً محتاج گواہان نہیں، نہ اس کے گواہوں سے بحث کی حاجت خلاف قیاس درکنار اگر ان کی گواہیاں بدیہی البطلان ہوتیں مثلاً کہتے سو برس ہوئے یہ بیع ہو گئی یا کل ہوئی تھی جب بھی فاطمہ بیگم کو اس سے نقصان نہ تھا کہ اس کا دعوی بیعنامہ مصدقہ مسلمہ فریقین سے آپ ہی ثابت ہے۔

(۲) ذی علم مجوز نے ان کی شہادتیں قابل لحاظ نہ ہونے کی چھ وجہیں ذکر فرمائیں:

(۱) وہ مستور الحال ہیں

(۲) کل زر ثمن ایک مفلس کو قبل تحریر و تصدیق بیعنامہ گھر میں بیٹھ کر دیا گیا۔

(۳) مقر نے دستاویز اپنے نام چھڑائی۔

(۴) وصول ثمن کا اقرار کیا رجسٹرار کے سامنے نہ دیا گیا۔

(۵) فاطمہ بیگم کا قبضہ نہ ہوا۔

(۶) مکان دونی قیمت کو بیچنا لکھا۔

ان میں کوئی وجہ بھی ایسی نہیں جس سے شہادتیں قابل لحاظ نہ ہوں یا حسب بیان فیصلہ بطلان دعوی مدعیہ بتائیں وجہ اول تو خود کوئی چیز نہیں، مستور الحال کی گواہی مطلقاً مردود ہے یا جب خلاف قیاس ہو، بر تقدیر اول سعیدہ بیگم وغیرہ کے گواہوں کو بھی فیصلہ میں مستور فرمایا ہے ان کی گواہی کیوں نہ مردود ہوئی، اور بر تقدیر ثانی اس کے لئے وہ وجوہ درکار ہیں جس سے شہادت کا خلاف قیاس ہونا ثابت ہو تو وجوہ آئندہ پر مدار کار رہا اور وجہ اول نے کچھ فائدہ نہ دیا، ہاں یہ کہ وہ ان کی متمم یعنی عادل کی گواہی اگرچہ خلاف قیاس ہو مقبول ہے نہ مستور کی تو مدار اسی خلاف قیاس ہونے کے ثبوت پر رہا اور وہ

---

[1] ردالمحتار

ثابت نہیں۔

(۳) وجہ ششم اگر قرینہ ہے تو ثمن مقدار واقعی سے زیادہ لکھنے کا نہ اس کا کہ اصل بیع ہی فرضی ہے، زوجہ کے خوف سے بیع فرضی کرنے کو قیمت بڑھا کر لکھنا کیا ضرور تھا کیا اگر سو کا مال سو کو بیچنا لکھتا تو اس کا مقصود حاصل نہ ہوتا، ہاں اگر کسی شفیع کا خوف ہوتا تو اس کے سبب زیادہ قیمت لکھی جاتی ایسا زیادہ لکھنا رات دن حقیقی قطعی بیعوں میں ہوتا رہتا ہے تو یہ فرضیت بیع کا کیا قرینہ ہوئی۔

(۴) وجہ دوم عجیب ہے زر ثمن گواہوں کو بلا کر ان کے سامنے دیا جانا بیان ہوا ہے نہ کہ تنہائی میں، پھر اس سے کیا شبہہ پڑ سکتا ہے ان کو بناوٹ منظور ہوتی تو رجسٹرار کے سامنے دیتا اور زیادہ ان کے مقصود کا مؤید ہوتا نہ کہ گھر میں بیٹھ کر دینا، بیع فرضی والے چالاک اکثر یہی طریقہ پسند کرتے ہیں کہ رجسٹری میں دیا اور گھر جا کر وپس لے لیا۔

(۵) وجہ چہارم بھی اسی دوم پر مبنی ہے جب روپیہ گواہوں کے سامنے پہلے مل چکا تو رجسٹرار کے سامنے اقرار کے سوا کیا ہوتا، نمائشی بناوٹ چاہتے تو رجسٹرار کے سامنے ہی دینے میں زیادہ تھی نہ کہ گھر میں۔ نمائش والا وہ طریقہ اختیار کرتا ہے جس میں اعلان زیادہ ہو یا وہ جس میں کم ہو۔

(۶) وجہ سوم کی نسبت گزارش کہ دستاویز فاطمہ بیگم نے پیش کی ہے تو صادق شاہ نے چھڑا کو ضرور اسے سپرد کردی پھر اپنے نام چھڑانے نے فرضیت کا کیا ثبوت دیا، بلکہ انصافاً واقعیت کا پتہ دیا کہ فرضی نمائشی کارروائی تو رجسٹری تک ختم ہو گئی تھی اگر واقع میں بیع نہ ہوئی تھی تو دستاویز خود اپنے نام چھڑا کر فاطمہ بیگم کو دینے کی کیا حاجت تھی، فاطمہ بیگم ایک پردہ نشین شریف زادی بیوہ اور صادق شاہ کی بھاوج ہے بھائیوں میں اتحاد کی حالت میں ان کی زندگی میں ان کی زوجات کے ایسے کام جیٹھ دیور کردیا کرتے ہیں نہ کہ بعد بیوگی۔

(۷) وجہ پنجم اجنبی اشخاص میں کچھ شبہہ ڈالتی باہم اتحاد کی حالت میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ زید کو روپیہ درکار ہے بیع ہو گئی تصدیق وغیرہ سے تکمیل ہو گئی اطمینان کافی ہو لیا بائع کو مکان کی حاجت ہے مشتری اور مکان میں رہتا ہے تبرعاً خالی نہ کرایا پھر بیع و موت بائع میں ایسا کوئی طویل فاصلہ بھی نہیں، قبضہ لینا چاہا، اس نے فکر مکان میں آج کل کیا اتنے میں وہ بیمار ہو گیا انتقال کر گیا، اس میں پانچ چھ مہینے گزر جانا کیا دور از قیاس ہے جس کی بناء پر شہادت باطل کردی جائے اور بیعنامہ مصدقہ مسلمہ فریقین غلط قرار پائے۔

(۸) اب ہم ایک تقریر جامع بیان کرتے ہیں کہ سب وجوہ کو شامل ہو۔ وجہ ششم کو تو معلوم کرچکے کہ وہ وجوہ فرضیت میں نام لئے جانے کے بھی قابل نہیں، اور وجہ اول نہ خود وجہ ہے نہ گواہان فاطمہ بیگم کے ساتھ

خاص بلکہ وہی علت مستوری گواہان سعیدہ بیگم میں بھی موجود۔بیچ کی چار وجہیں۔نہیں بلکہ تین ہی کہ چہارم خود دوم پر مبنی ہے اب وجہ شبہہ اتنی رہی کہ روپیہ گھر میں بیٹھ کر دیا اور دستاویز مقر کے نام واگزاشت ہوئی اور مشتریہ نے قبضہ نہ لیا ہم پوچھتے ہیں کہ یہاں عاقدین میں باہم ایسا اتحاد مانئے گا کہ ایک کو دوسرے پر کافی اطمینان ہے یا اجنبیت کہ ایک دوسرے پر مطمئن نہیں۔شق ثانی خود گواہان سعیدہ بیگم وخود فیصلہ مجوز سے صریح البطلان ہے جب یہ ٹھہراتے ہو کہ واقع میں نہ بیع تھی نہ ثمن ملا،یونہی فرضی بیعنامہ اس کے نام لکھ دیا اس پر گواہیاں کرادیں اسے رجسٹری کراکرپکا کردیا رجسٹرار کے سامنے روپیہ ملنے کا اقرار کردیا ہر طرح بائع نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تو کیا یہ معاملہ بے اطمینان اجنبی کے ساتھ ہوسکتا ہے حاشا بلکہ اعلٰی درجہ کا باہم اطمینان واتحاد چاہئے اور جب اس نہایت درجہ کا ان میں اتحاد مجوز و گواہان سعیدہ وسعیدہ وغیرہ سب کو خود مسلم ہے تو گھر میں بیٹھ کر روپیہ دینا یا دستاویز مقر کو ملنا یا مشتریہ کا قبضہ نہ لینا اس اعلی اتحاد کی حالت میں کیا بعید از قیاس ہے۔بالجملہ اتحاد ہو تو یہ کچھ بھی بعید از قیاس نہیں،اور بے اطمینانی ہو تو ایسے کے ہاتھ فرضی بیع کرکے رجسٹری کرادینا اور وصول ثمن کہہ دینا اور بھی زیادہ بعید از قیاس ہے اور اس کے گواہ بھی مستور ہی ہیں تو ان وجوہ سے انہیں کیوں نہیں رد کیا جاتا۔

جواب سوال سوم

نظر ظاہر میں یہ اعتراض ہوسکتا کہ فیصلہ میں سعیدہ بیگم وغیرہا کے سب گواہوں کے بیان کا خلاصہ فرمایا گیا یہاں تک کہ وہ بھی جو محض بے علاقہ تھے اور فاطمہ بیگم کے اتنے گواہوں میں سے صرف دو کا ذکر کیا بلکہ صراحۃً تحریر فرمادیا کہ مدعیہ کی جانب سے صرف دو گواہ پیش ہوئے ہیں مگر نظر دقیق میں اس کی توجیہ قریب ممکن ہے،فاطمہ بی بی کی طرف سے دس گواہ پیش ہوئے چھ مرد ضامن شاہ غلام ناصر خاں قاسم خاں،محمد علی خاں،احمد شاہ خاں،عنبر شاہ خاں،اور چار عوتیں،اشرف بیگم،نازنین بیگم،آبادی انتظام بیگم۔ان میں قاسم خاں تو محض اپنی ناواقفی بیان کرتا ہے او کچھ شہادت نہ دی محمد علی خاں نے لوگوں کی زبانی سننا بتایا اور وہ بھی یوں کہ پہلے کہا بہن کے ہاتھ بیچ ڈالا،پھر کہا بیگم کے ہاتھ۔احمد شاہ خاں کا اتنا بیان ہے کہ بھاوج کے نام بیعنامہ لکھ دیا اس سے کسے انکار ہے،یونہی عنبر شاہ خاں نے بائع کی زبانی سننا بیان کیا کہ میں نے یہ مکان بیگم سیدانی کے ہاتھ دوسوروپے کو بیچ ڈالا جس نے بیعنامہ رجسٹری کرادیا اس نے اگر اس گواہ کے سامنے اتنا کہا تو اس سے بیع کی قطعیت نہیں سمجھی جاتی،لہٰذا چاروں گواہ بیکار تھے صرف دو مرد اور چار عورتیں باقی رہیں ان کی گواہی ضرور عام مروج طور پر مفید فاطمہ بیگم واقع ہوئی ہے،ذی علم مجوز کی رائے میں دونوں مردوں کی گواہی مخدوش تھی تو باقی سب عورتیں رہ جائیں گی اور تنہا عورت کی شہادت مقبول

نہیں، لہذا ان کے ذکر کی حاجت نہ جانی اور صرف دو کے بیان پر اقتصار فرمایا ایسی کمی سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

جواب سوال چہارم

فیصلہ قابل منسوخی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لطافت حسین نے شمس النساء سے ایک لاکھ اسی ہزار ٹکے کا دینار سرخ پر جس کے سکہ وقت سے پانچ ہزار چھ سو بیس روپے ہوتے ہیں نکاح کیا، ۲۳ سال کے بعد اپنی ہمشیرہ مصاحب جان کے پاس ایک جزو مکان رہن رکھ کر دو ہزار دو سو اکتالیس روپے قرض لئے ارو رہن نامہ میں لکھا کہ مکان اپنے قبضہ سے نکال کر قبضہ مرتہنہ میں دیا حالانکہ مکان ایک لمحہ کو بھی خالی نہ کیا، دو سال کے بعد لطافت حسین نے نومبر ۷۷ء میں دو سو کے قرضے اپنے ذمے چھوڑ کر وفات پائی، جائداد حسب رواج برادری کے متوفی کی اولاد ذکور نہ ہو تو زوجہ قابض و متصرف ہوتی ہے قبضہ شمس النساء میں آئی، اب مصاحب جان اپنے دین کے مدعی ہے اور زوجہ دین مہر کے مطالبہ میں اپنے قبضہ و رواج مذکور سے استناد کرتی ہے، اس صورت میں کس کا دین شرعًا مقدم رہے گا اور دین مہر کو دیگر دیون پر ترجیح ہے یا نہیں اور شمس النساء کے بربنائے رواج مذکور قبض و تصرف ہونا یا اس کا دین دین مصاحب جان سے پیشتر کا ہونا دعوی مصاحب جان کا مانع سماعت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر مصاحب جان نے رہن مع القبض کا دعوی کیا یعنی دعوی اس بیان سے واقع ہوا کہ وہ جزو مکان لطافت حسین نے میرے پاس رہن رکھا اور مجھے قبضہ دلادیا تھا پھر ثبوت میں لطافت حسین کے اس اقرار قبضہ پر جو رہن نامہ مذکور ہے گواہ شرعی دے دے اگرچہ خاص قبضہ کا ثبوت نہ دے سکے تو اس کا دعوی بیشک ثابت ہے، رہن صحیح وتام و نافذ مانا جائے گا اور مکان پر اس کا قبضہ رہنا مرتہنہ کی طرف سے بطور عاریت خیال کریں گے۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں فرماتے ہیں:

رہن دارہ واعترف بالقبض الاانہ لم یتصل بہ القبض فاذا تصادقا علی القبض والا قباض یؤخذ باقرارہ من رہن جواہر الفتاوی	مکان رہن رکھا اور قبضہ دینے کا اعتراف کیا مگر عملًا قبضہ نہ ہوا توجب دونوں فریق قبضہ لینے اور دینے پر متفق ہیں تو راہن کے اقرار کو لیا جائے گا، ایک شخص نے مکان رہن رکھا اور خود راہن ہی اس میں

وفیہا من الباب الخامس رجل رھن دارہ والراھن متصرف فیہ حتی مات ثم اختلاف المرتھن وورثہ الراہن انہ کان مقبوضا ام لافان اقام المرتھن البینۃ علی اقرار الراہن بالرھن والتسلیم یحکم بصحۃ الرھن ودعوی فك الرھن لاتقبل بظاھر ما کان فی ید الراہن لانہ لما ھکم علیہ باقرارہ بالرھن حمل علی ان الید کانت ید العاریۃ اھ[1]۔	اپنی موت تک تصرف کرتا رہا پھر مرتہن اور راہن کے ورثاء میں قبضہ کے متعلق اختلاف ہو کہ مرتہن کا قبضہ تھا یا نہیں، اگر مرتہن نے راہن کے اس اقرار کہ اس نے رہن رکھا اور قبضہ دے دیا پر گواہ پیش کردئے تو اس رہن کی صحت کا حکم کیا جائیگا اور رہن کے قبضہ کی بنا پر فساد رہن کا دعوی درست نہ ہوگا کیونکہ جب اس کے اقرار کی بنا پر فیصلہ ہوا ہے تو اس کے قبضہ کو عاریتًا متصور کیا جائیگا اھ (ت)

پس رہن مرہون میں مصاحب جان کا استحقاق شمس النساء وغیرہا سب قرضخواہوں پر مقدم ہے پہلے اسی کا قرض اس سے ادا کریں گے اگر کچھ بچا مہر وغیرہ دیون کی طرف مصروف ہوگا ورنہ نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا مات الراہن وعلیہ دیون کثیرۃ کان المرتھن احق بالرہن کذافی المحیط[2]۔	راہن نے اپنی موت پر اپنے ذمہ کثیر دیون (قرضے) چھوڑے تو مرتہن اس رہن کا حقدار ہوگا جیسا کہ محیط میں ہے (ت)

اسی میں ہے کہ:

فلیستوفی منہ دینہ فما فضل یکون لسائر الغرماء والورثۃ[3]۔	مرتہن اپنی رقوم وصول کرلے باقی زائد دوسرے حق داروں اور ورثاء کا ہوگا۔ (ت)

اور یہاں مرہون کا مشاع یعنی جزء غیر منقسم ہونا اس حکم کا مانع نہ ہوگا کہ رہن مشاع مذہب صحیح پر فاسد ہے اور رہن میں فاسد و صحیح کا حکم واحد ہے۔ درمختار میں ہے:

لایصح رھن مشاع لعدم کونہ ممیزا	غیر منقسم چیز کا رہن صحیح نہیں کیونکہ رہن ممتاز نہیں ہے

[1] العقود الدریہ کتاب الراہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۵۶

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الاول الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۳۳

ثم الصحیح انہ فاسد[1]۔	پھر صحیح قول پر یہ رہن فاسد ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

کل حکم عرف فی الرھن الصحیح فھو الحکم فی الرھن الفاسد کما فی العمادیۃ وفی کل موضع کان الرھن مالا والمقابل بہ مضمونا الاانہ فقد بعض شرائط الجواز کرھن المشاع ینعقد الرھن لوجود شرط الانعقاد، ولکن بصفۃ الفساد کالفاسد من البیوع فمن مات ولہ غرماء فالمرتھن احق بہ کما فی الرھن الصحیح[2] اھ ملخصین۔	جو حکم صحیح رہن میں معلوم ہوا وہی حکم فاسد رہن میں جاری ہوگا جیسا کہ عمادیہ میں ہے اور ہر وہ صورت جس میں رہن مال ہو اور اس کا مقابل مضمون چیز ہو مگر وہاں جواز کے بعض شرائط مفقود ہوں جیسے غیر منقسم کا جزء کا رہن رکھا جائے تو رہن منعقد ہوجائے گا کیونکہ انعقاد کی شرط پائی گئی ہے لیکن فاسد صفت کی وجہ سے بیع فاسد کی طرح ہوگی تو راہن اگر فوت ہوجائے اور کئی قرض خواہ ہوں تو مرتہن اس رہن کا زیادہ حقدار ہوگا جیسا کہ صحیح رہن میں ہوتا ہے اھ دونوں عبارتیں ملخص ہیں۔(ت)

اور اگر مصاحب جان نے صرف رہن کا دعوٰی کیا، نہ قبضہ پانے کا، تو دعوٰی رہن اصلاً مسموع نہ ہوگا اگرچہ اس کے گواہوں نے لطافت حسین کے اقرار مذکور بلکہ خود معاینہ قبضہ پر گواہی دی ہو۔ عقود الدریہ میں ہے:

ان ادعی المرتھن الرھن مع القبض یقبل برھانہ علیھما وان ادعی الرھن فقط لایقبل لان مجرد العقد لیس بلازم ولا تسمع البینۃ اذا اشھد وابمعاینۃ القبض او اقرار الراھن بہ لانھم شھدوا بشیئ زائد علی الدعوی لان	مرتہن اگر رہن بمع قبضہ کا دعوٰی کرے تو اس پر شہادت قبول کی جائے گی، اور اگر صرف رہن کا دعوٰی کرے تو اس پر شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ محض عقد لازم نہیں ہوتا اور اگر گواہوں نے قبضہ کے معاینہ کی شہادت دی یا رہن کے اقرار کی کہ میں نے دیا ہے، کی شہادت دی تو یہ گواہی قابل قبول نہ ہوگی کیونکہ یہ زائد چیز کی شہادت ہے

[1] درمختار کتاب الرھن باب مایجوز ارتھانہ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۸

[2] درمختار کتاب الرھن فصل فی مسائل متفرقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۹

فرض المسئلة ان المرتھن لم یذکر القبض فی دعواہ وایضا فان الصحة الدعوی شرط صحة الشھادة اھ[1] ملخصًا۔	اس لئے کہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرتہن نے اپنے دعوی میں قبضہ کو ذکر نہ کیا ہو اور نیز اس لئے کہ دعوی کا صحیح ہونا شہادت کی صحت کے لئے شرط ہے اھ ملخصا۔(ت)

اور اگر دعوی میں قبضہ پالینے کا ذکر تو کیا مگر حصول قبض یا لطافت حسین کے اقرار مذکور پر گواہ نہ دے سکے تو بھی اس کا استحقاق مرتہنانہ نہ ثابت ہوگا اور اب مکان کا خالی نہ کیا جانا بیشک اس کے دعوی رہن پر ضرر کا اثر ڈالے گا کہ رہن بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔ ردالمحتار میں عنایہ سے ہے: القبض شرط تمام العقد[2] (رہن میں قبضہ عقد کے تمام ہونے کے لئے شرط ہے۔ت) تو قبل قبضہ مرتہن کا حق مرہون میں حاصل نہ ہوا۔ عالمگیریہ میں ہے:

مالم یقبضه المرتھن لایثبت حکم ید الرھن له[3]۔	جب تک مرتہن اس پر قبضہ نہ کرلے اس وقت تک رہن کو اس کا مقبوض نہیں قرار دیا جاسکتا(ت)

ولہٰذا راہن کو قبل تسلیم اختیار رہتا ہے کہ رہن سے رجوع کرجائے اور مرتہن کو مرہون پر قبضہ نہ دے۔ درمختار میں ہے:

ینعقد بایجاب و قبول حال کونه غیر لازم فللراھن تسلیمه والرجوع عنه کمافی الھبة[4]۔	رہن کا انعقاد ایجاب و قبول سے ہوتا ہے جب کہ وہ ابھی غیر لازم ہوتا ہے تو راہن کو ابھی حق ہے کہ وہ مرتہن کو سونپ دے یا رجوع کرلے جیسا کہ ہبہ کا حکم ہے۔(ت)

اور صرف دستاویز میں لطافت حسین کا اقرار مزبور لکھا ہونا ثبوت کے لئے کافی نہ ہوگا جب تک اس اقرار پر گواہان شرعی نہ پیش کرے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل مات مدیونا لغرماء	ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو مقروض

[1] العقود الدریة کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

[2] ردالمحتار بحوالہ العنایة کتاب الرہن باب مایجوز ارتھانہ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۹۲

[4] درمختار کتاب الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۵

متعدد دین وقد کان رہن بدین احدھم مشاعا واظھر المرتھن محضرا وفیه الحکم بصحته ولزومه ھل یختص المرتھن به فی وفاء دینه ام لاجاب المقر عند علماء الحنفیة انه لا اعتبار بمجرد الخط ولا التفات الیه اذحجج الشرعیة ثلثة وھی البینة و الاقرار والنکول کما صرح به فی اقرار الخانیة فلا اعتبار بمجرد المحضر المذکور ولا التفات الیه الا اذا ثبت مضمونه بالوجه الشرعی اعنی باحدی الحجج الشرعیة المشار الیھا[1] (ملتقطا)	تھا اس کے متعدد لوگ قرض خور تھے جبکہ ان میں سے ایک کا قرض غیر منقسم رہن کے بدلے میں تھا تو اس مرتہن نے محضر نامہ دکھایا جس میں رہن کی صحت اور اس کے لزوم کا حکم تھا تو کیا اس مرتہن کو حق ہے کہ رہن کو اپنے قرض کے عوض اپنے لئے مختص کرلے یا اس کو یہ حق نہیں، تو جواب دیا کہ علمائے احناف کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ محض خط قابل اعتبار اور قابل التفات نہیں ہے کیونکہ شرعی حجت تین چیزیں ہیں: گواہی، اقرار اور قسم سے انکار جیسا کہ خانیہ میں اقرار کی بحث میں تصریح ہے لہٰذا مذکور محضر نامہ اعتبار و التفات کے قابل نہیں جب تک اس کے مضمون کو کسی شرعی دلیل سے ثابت نہ کردیا جائے (ملتقطا)۔ (ت)

ان دونوں صورتوں میں مصاحب جان کا دین مثل باقی دیون کے سمجھا جائے گا اور اس کو استحقاق تقدم شمس النساء پر نہ ہوگا کہ ذریعہ تقدم استحقاق مرتہن ہی تھا اور وہ پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، مگر جس طرح شمس النساء پر ترجیح نہیں شمس النساء کو بھی اس پر کوئی تفصیل نہیں کہ آخر جائداد و مہر میں بھی رہن نہ تھی اور مصاحب جان کا دین بھی دین صحت سے ہے اور مہر کو کسی دین صحت پر تقدم نہیں کہ وہ بھی مثل سائر دیون کے ایک دین ہے، درمختار کے باب نکاح الرقیق میں ہے:

وسادت المرأۃ الغرماء فی مھر مثلھا[2]۔	بیوی اپنے مہر مثل کی حد تک دیگر قرضخواہوں کے مساوی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فیه تصریح بان المھر کسائر	اس میں یہ تصریح ہے کہ مہر بھی دوسرے

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲

[2] درمختار کتاب النکاح الرقیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۵

الدیون[1]۔	قرضوں کی طرح ہے۔(ت)

مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں ہے:

سئل فی رجل مات عن زوجته وعلیه دیون لجماعة استدان فی صحته فهل تکون هی اسوة الغرماء اجاب نعم[2] اھملخصًا۔	ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے متعدد قرضخواہ چھوڑے اور فوت ہونے پر بیوی کا مہر بھی اسکے ذمہ تھا جبکہ دیگر قرضے اس نے زندگی اور صحت میں لئے تھے تو بیوی دیگر قرضخواہوں کے مساوی ہوگی یا نہیں، توانہوں نے جواب دیا کہ ہاں مساوی ہوگی اھ ملخصا(ت)

نہ کسی دین کا پہلے ہونا دوسرے پر باعث رجحان ہوسکے، نہ ایک قرضخواہ کے بطور خود جائداد مدیون پر قبضہ کرلینا دوسرے دائنوں کا حق ساقط کرسکے، نہ برادری کا وہ اختراعی رواج حقوق شرعیہ کا مزاحم بن سکے۔ یہ سب امور واضحات جلیلہ ہیں جنہیں ادنی فہم وتمیز رکھنے والا آفتاب کے مثل ظاہر وروشن جانتا ہے۔ پس اس تقدیر پر تمام متروکہ سے بعد صرف تجہیز وتکفین مصاحب جان کا قرض اور شمس النساء کا مہر اور ان کے سوا اور جو دین ذمہ لطافت حسین ہو سب ایک ساتھ حصہ رسد ادا کئے جائیں گے ایک کو دوسرے پر ترجیح ہوگی مثلاً قرض کے لطافت حسین پر بس یہی دو دین ہیں اور جائداد ان کو کافی خواہ ان سے زائد ہے تو دونوں دائنہ پورا پورا اپنا اپنا دین وصول کرلیں ورنہ قیمت ترکہ کو ۷۸۶۱ سہام پر منقسم کرکے ۵۶۲۰ سہام شمس النساء اور ۲۲۴۱ سہام مصاحب جان کو دیں کہ دونوں اس نسبت سے اپنے اپنے حق کو پہنچیں۔ بالجملہ حق شمس النساء کو بجہت مہریت خواہ تقدم و قوع خواہ رواج برادری، اصلاً تقدم نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: از شہر کہنہ بریلی ۱۸ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان کے سمت جنوب زیر دیوار خام پشتہ عرض میں ۱۴ گرہ قدیم الایام سے واسطے حفاظت دیوار کے بنا ہوا ہے اور اسی دیوار میں ایک سمت کو بدرو کہ جس میں ہمیشہ سے پانی پاخانے اور بارش مکان خود و مکان برادر خود کا نکلتا ہے۔ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ متصل پشتہ دیوار قدیم مذکورہ بالا کے اراضی افتادہ ہے جس پر ہمیشہ یہ گزرگاہ عام تھی عمرو نے

---

[1] ردالمحتار باب النکاح الرقیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۷۵

[2] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

اس کو اپنا مقبوضہ کرکے باغیچہ لگایا ہے اب عمرو نے تھوڑا حصہ پشتہ مذکور کا غیبت میں زید کے کاٹ ڈالا اور بقیہ پشتہ موجود ہے اس میں ایک درخت ناشپاتی کا عمرو نے پشتہ مذکور کھود کر نصب کیا ہے۔ صرف غرض عمرو کی ان تصرفات سے یہ ہے کہ پشتہ مذکور کھود کر بدرو مذکور بند کرکے ایک مکان دیوار زید سے ملا کر بنایا جائے، آیا یہ تصرفات مذکورہ عمرو کے جائز ہیں یا ناجائز، حق ہیں یا ناحق؟ اور پشتہ ملکیت زید میں داخل ہے یا نہیں؟ اور آب جاری بدرو کو عمرو بند کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

پشتہ قبضہ ہے اور قبضہ دلیل ملک، عمرو جب تک گواہان عادل شرعی ثابت نہ کرے کہ زمین پشتہ اس کی ملک ہے اسے اس کا کھود ناجائز نہیں، اور جب کہ بدرو قدیم سے ہے اور مکان کا ڈھال اس طرف ہمیشہ سے، تو زید کے لئے اس زمین میں پانی بہانے کا حق حاصل ہے، عمرو کو ہرگز جائز نہیں کہ دیوار بنا کر بدرو بند کردے اور کسی طرح اسے پاٹ دے یا اجرائے آب سے منع کرے اس کے یہ سب تصرفات ناحق ہوں گے۔

فی الھندیۃ عن محیط الامام شمس الائمۃ السرخسی عن الامام الفقیۃ ابی اللیث عن مشائخنا قدست اسرارھم انھم استحسنوا ان المیزاب اذا کان قدیما وکان تصویب السطح الی دارہ وعلم ان التصویب قدیم ولیس بمحدث ان یجعل لہ حق التسییل[1] اھ وفیھا عن البدائع لو اراداھل الدار ان یبنوا حائطا لیسدوا مسیلہ اوارادوا ان ینقلوا المیزاب من موضعہ او یرفعوہ او یسفلوہ لم یکن لھم ذلك ولو بنی اھل الدار بنا لیسیل میزابہ	ہندیہ میں امام شمس الائمہ سرخسی سے انہوں نے امام فقیہ ابواللیث سے انہوں نے ہمارے مشائخ قدست اسرارھم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے قدیم پرنالہ جس کا پانی دوسرے کی حویلی کی چھت پر گرتا ہے، اور واضح طور پر معلوم ہو کہ یہ پرنالہ قدیم ہے جدید نہیں ہے کے متعلق استحسان کے طور پر فرمایا کہ اس پرنالہ والے کو حق ہے کہ وہ اس کو بہاؤ کے لئے قائم رکھے اھ، اور اس میں بدائع سے منقول ہے کہ اگر حویلی والے اس پرنالہ کا پانی روکنے کے لیے دیوار بنانا چاہیں یا اس پرنالہ کو وہاں سے ہٹانا چاہیں یا اونچا نیچا کرنا چاہیں تو ان کو یہ اختیار نہیں ہوگا ہاں اگر حویلی والے کوئی ایسی عمارت بنائیں جس کا پرنالہ اس کی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴

علی ظهره لهم ذٰلك [1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	چھت پر گرے تو ان کو جائز ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۲: از ریاست رامپور محلّہ شاہ شور مرسلہ جناب مولٰنا مولوی محمد سلامت اللہ صاحب ۲۳/ صفر ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان مع چند دکاکین منجملہ مکانات اپنے کے بتعیین ہر چہار حدود جس کے سمت شرق و سمت شمال میں دیگر مکانات واقف تحریر ہیں وقف کیا اور متولی اس کا بکر کو کردیا، بکر کی جانب سے کرایہ دار موقوفہ میں کرایہ پر رہتے ہیں اور بکر بوصولی زر کرایہ مصرف خیر کرتا ہے ایک جزو مکان منجملہ موقوفہ کے کرایہ پر عمرو کو بکر متولی نے بوساطت خالد کے دیا اس نے سات مہینے کا کرایہ ادا نہ کیا تو بکر نے دعوی تخلیہ کا کیا، عمرو منکر ہوا اور ظاہر کیا کہ زینب و کلثوم سے کرایہ پر لیا ہے، عدالت نے حکماً زینب و کلثوم کو بھی بکر متولی سے مدعا علیہا بنوایا۔ زینب و کلثوم کا بیان یہ ہے کہ یہ مکان متنازعہ متروکہ محسن پدر واقف کا ہے، بعد فوت محسن مذکور کے ایک زید اور دوسرا حسن پدر مایاں دو ابن اور مسماۃ ہندہ زوجہ سہ کس وارث مع الحصر رہے، اول حسن فوت ہوا اسکے وارث زید اخ، اور ہندہ ام و مایاں دو بنات پھر ہندہ فوت ہوئی زید پسر اس کا وارث رہا، شیئ متروکہ وقف مشاع ہوا کہ وہ کسی طرح جائز نہیں، اور عمرو ہمارا کرایہ دار ہے، بجواب اس کے متولی نے لکھا کہ مورث مدعا علیہا مقر بر ملکیت واقف رہا ہے اور مدعا علیہا کو بھی وقف اور دیگر مکانات واقف تسلیم ہیں، زینب و کلثوم سے ثبوت طلب ہوا مدعا علیہا نے ایک بیعنامہ اسمی محسن پیش کیا جو مدعی کو تسلیم نہیں ہے اور جو گواہ پیش کئے ہیں وہ سماعی ہیں۔ مدعی نے ثبوت تسلیم وقف و ملکیت وقف جو مکانات جانب شرق و شمال بعد فوت واقف کے وعزیز عم و وارث بالحصر واقف سے مدعا علیہا نے خریدی ہیں جس کے بیع نامہ کے حد غرب میں مکان موقوفہ تحریر ہے پیش کیا اور گواہ جن کو عدالت نے بھی ثقات تسلیم کیا ہے بر ثبوت دادن مکان متنازعہ پر کرایہ بہ عمرو واقرار حسن پدر مدعا علیہا بملکیت واقف قبل از وقف سماعت کرائے ہیں جس کے بیان سے ثبوت بخوبی ہے جب کہ مکانات ملحقہ موقوفہ مدعا علیہا نے بہ تسلیم ملک واقف و تسلیم وقف حسب صراحت صدر خریدے ہیں جن کا بیع نامہ متولی نے پیش کیا ہے اور گواہان متولی سے کرایہ پر دینا اور اقرار پدر مدعا علیہا بملک و وقف ثابت ہے اور کاغذ وقف جو مسلمہ مدعا علیہا ہے وہ بھی موجود ہے ایسی حالت میں عدالت

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۶

بموجب مسائل شرعی بجواز تخلیہ مکان کا کرایہ دار سے کرائے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں عمرو ومستاجر کی بدنیتی اور اس سے وقف کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ صاف ظاہر ہے یہاں تک کہ اس نے اپنے بیان سے یہ چاہا کہ سرے سے وقف ہی کو معدوم کرے، لاجرم حاکم پر فرض قطعی ہے کہ فورًا فورًا بلاتوقف مکان اس سے خالی کرا کر متولی کو سپرد کرے اگرچہ ہنوز مدت اجارہ کتنی ہی باقی ہو کہ ایسی صورت میں فسخ اجارہ لازم ہے۔ **الاسعاف فی احکام الاوقاف** میں ہے:

لوتبین ان المستاجر یخاف منه علی رقبة الوقف یفسخ القاضی الاجارۃ ویخرجه من یدہ[1]۔	اگر مستاجر سے یہ خطرہ واضح ہو کہ وہ وقف جائداد کو نقصان پہنچائے گا تو قاضی اس اجارہ کو فسخ کردے اور اس کے قبضہ کو ختم کردے۔ (ت)

بلکہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر اجرت مثل زائد ہو جائے اور مستاجر کرایہ بڑھانے سے انکار کرے تو اجارہ فسخ کر دیا جائیگا نہ کہ جب اصلاً کرایہ دینا ہی نہ چاہے۔ درمختار میں **قبیل مایجوز من الاجارۃ** ہے:

وان کانت لزیادۃ اجر المثل فالمختار قبولها فیفسخها المتوفی فان امتنع فالقاضی ثم یؤجرها من یزاد[2]۔	اگر زائد کرایہ ملتا ہو تو دوسرے کو کرایہ پر دینا جائز اور مختار ہے، متولی پہلے اجارہ کو فسخ کردے اگر وہ نہ کرے تو قاضی فسخ کرکے زائد دینے والے کو اجارہ پر دے۔ (ت)

غرض یہاں حکم اس قدر تھا کہ اجارہ فسخ اور تخلیہ لازم، اس سے زائد جو کارروائیاں اس مقدمے میں ہوئیں کہ عمرو کے مجرد بیان پر زینب وکلثوم کو اس دعوی کا مدعا علیہ بنوایا گیا ان کا جواب داخل ہوا متولی سے اس کا رد لیا گیا سب محض لغو وفضول وبے معنی ہیں ان کی طرف توجہ اصلا روانہ تھی، نہ ان کے سبب متولی کو ڈگری دینے میں ایک منٹ کی تاخیر حلال تھی، نہ ہے۔ مدعا علیہ کا صرف زبانی بیان کہ میں نے فلاں سے اجارہ لیا ہے اصلاً قابل سماعت نہیں ہوتا، نہ اس کے سبب خصومت اس سے چھوٹ کر فلاں کی طرف متعدی ہوسکتی ہے بلکہ وہی مدعا علیہ رہتا ہے اور جب مدعی اس پر

---

[1] الاسعاف فی احکام الاوقاف

[2] درمختار کتاب الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۱

اقامت بینہ کردے جیساکہ یہاں واقع ہوا فورًا مقدمہ اپنی نہایت کو پہنچتا اور حاکم پر فرض ہوتا ہے کہ مدعی کو ڈگری دے۔ در مختار میں ہے:

قال ذوالید ھذا المدعی بہ منقولا کان او عقار اودعنیہ او اعارنیہ او اٰجرنیہ او رھننیہ زید الغائب وبرھن علی ماذکر، دفعت خصومۃ المدعی للملک المطلق[1]۔ (ملخصًا)	قابض نے کہا کہ مدعی جس چیز کا دعوی کررہا ہے اس کو میرے پاس زید نے جو غیر حاضر ہے نے امانت رکھا یا کہے اس نے عاریتًا یا اجرت پر دیا یا رہن رکھا ہے وہ چیز منقولہ ہو یا غیر منقولہ، او مدعی نے گواہی پیش کی ہو تو اس چیز میں مدعی کا دعوی ملک مطلق کے طور پر ثابت رہے گا (ملخصًا)۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

وان لم یقم البینۃ فھو خصم فی ظاھر الروایۃ عن اصحابنا رحمھم اللہ تعالٰی کذا فی المحیط[2]۔	اگرچہ مدعی گواہی پیش نہ کرے تب بھی ظاہر روایت کے مطابق وہ فریق ہوگا جیسا کہ ہمارے اصحاب سے مروی ہے، محیط میں یوں ہے (ت)

اس فلاں کو (کہ زینب وکلثوم ہیں) مدعا علیہ بنانا اور اس کے لئے مقدمے کو روکنا صراحۃً شرع مطہر کے خلاف وگناہ ہوا۔ غمز العیون میں ہے:

یجب علی القاضی الحکم بمقتضی الدعوی عند قیام البینۃ علی سبیل الفور فلو اخر اثم لترکہ الواجب و ھو قضاؤہ بھا ویعزل ویعزر کما فی جامع الفصولین[3]۔	دعوی پر جب گواہی ہوگئی تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ فورًا دعوی کے مطابق فیصلہ دے اگر وہ تاخیر کرے تو گنہگار ہوگا اور وہ قابل معزول وتعزیر ہوگا جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے۔ (ت)

طرہ یہ کہ زینب وکلثوم اس دعوی تخلیہ کی مدعا علیہ بن نہیں سکتیں کہ مکان ان کے قبضہ میں نہیں، غیر قابض سے تخلیہ چاہنا کیا معنی، نہ غیر ذی الید پر غیر فعل کا دعوی ہوسکے۔ اشباہ میں ہے:

الدعوی علی غیر ذی الید لاتسمع	غیر قابض پر دعوی قابل سماعت نہ ہوگا

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی فصل فی دفع الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۰

الا فی دعوٰی الغصب فی المنقول واما فی الدور والعقار فلا فرق کما فی الیتیمیۃ[1]۔	یہ کہ دعوٰی منقولہ چیز کے غصب کا ہو، لیکن مکانات اور پراپرٹی میں کسی طرح بھی قابل سماعت نہ ہوگا جیسا کہ یتیمیہ میں ہے۔(ت)

اور جب سرے سے زینب وکلثوم اس دعوی کے احاطے میں آہی نہ سکیں تو ان کا جواب ان کی گواہیاں اور جو کچھ کارروائیاں اس پر ہوئیں اس وجہ پر سب محض مہمل و پادر ہوا ہیں کہ دفع دعوی صحیحہ پر مرتب ہوتا ہے جب دعوی مفقود تو دفع مردود، **وھذا کلہ ظاھر غیر مستنکر ولا محجود** (یہ تمام بیان ظاہر ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔(ت)) اس کے بعد ان خللوں پر بحث کی حاجت نہیں جو زینب وکلثوم کے لئے بے حاصل ثبوتوں میں واضح طور پر موجود ہیں اور اگر کچھ نہ ہوتا تو شہادت ملک کا سماعی ہوتا اور محض کاغذ بیع نامہ بے شہادت کافیہ سے استدلال کرنا ہی ان کے ردمزعومات کو بس تھا خصوصًا جبکہ انکے مورث کا اقرار ثابت ہے کہ مکان مذکور پیش از وقف ملک واقف نہ تھا، درمختار میں ہے:

لایشھد احدبما لم یعانیہ بالاجماع الافی عشرۃ[2] الخ ولیس ھذا منھا۔	بالاجماع بغیر دیکھے کوئی بھی شہادت نہیں دے سکتا ماسوائے دس چیزوں کے الخ۔ اور یہ ان میں سے نہیں ہے۔(ت)

خانیہ وخیریہ وعقود الدریہ وغیرہ میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البینۃ او الاقرار واما الصك فلایصلح حجۃ[3]۔	قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ دے گا اور حجت صرف شہادت، اقرار اور قسم سے انکار ہے لیکن رسید تو وہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۸۹

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

[3] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹، فتاوٰی خیریہ باب خلل المحاضر والسجلات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹ و ۲۳، الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸، فتاوٰی قاضیخاں کتاب الوقف فصل فی دعوٰی الوقف الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲

جامع الفصولین فصل عاشر میں ہے:

ادعی ارثا فبرھن المدعی علیہ ان مورثہ اقر ان المدعی لیس لہ او ھو ملك المدعی علیہ کان دفعا[1]۔	ایک نے وراثت کا دعوی کیا تو مدعا علیہ نے گواہی پیش کردی کہ اس شخص کے مورث نے اقرار کیا تھا کہ یہ چیز میری نہیں ہے یا یہ کہ یہ چیز مدعا علیہ کی ملکیت ہے تو اس شہادت سے دعوی کا دفاع ہو جائے گا۔(ت)

کلام یہاں تطویل ہے اور اسی قدر میں کفایت۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔

نوٹ

اٹھارہویں جلد کتاب القضاء والدعوی پر ختم ہوئی

انیسویں جلد کا آغاز کتاب الوکالۃ سے ہوگا۔

---

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۰